اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

تفسیر روح القرآن

(سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ) ...... تا ...... (سُوْرَةُ التَّحْرِیْمِ)

(جلد: ۱۱)

مؤلف

ڈاکٹر مولانا محمد اسلم صدیقی

ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی

Marfat.com

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

تفسیر روح القرآن

(سُوۡرَۃُ الۡاَحۡقَافِ) ...... تا ...... (سُوۡرَۃُ التَّحۡرِیۡمِ)

(جلد: ١١)

مؤلف

ڈاکٹر مولانا محمد اسلم صدیقی

ایم۔اے،پی ایچ۔ڈی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

296614
الم ت
109526
جلد 11 کے

نام کتاب	:	تفسیر روح القرآن
مؤلف	:	ڈاکٹر مولانا محمد اسلم صدیقی
ناشر	:	ادارہ هُدًی لِلنَّاسِ
کمپوزنگ	:	زاہد حسین
پرنٹرز	:	محمد ندیم پرنٹنگ پریس، لاہور
تاریخ اشاعت	:	ستمبر 2011ء
تعداد	:	1000
قیمت	:	750 روپے

ملنے کا پتہ

۱۔ 343-مہران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔فون: 042-35426800
۲۔ ادارہ اسلامیات نئی انارکلی لاہور۔
۳۔ مکتبہ ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور۔
۴۔ ادارہ منشورات ملتان روڈ بالمقابل منصورہ لاہور۔
۵۔ ۳۔کورٹ سٹریٹ، لوئر مال لاہور۔فون: 042-37248676-37320961
ہیڈ آفس: منصورہ ملتان روڈ لاہور۔ 042-35417074
۶۔ ادارہ البدر پبلی کیشنز 23 راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔
موبائل: 0300-8485030۔فون: 042-37225030

Marfat.com

(ایک ضروری گزارش)

بعض احباب کے اصرار پر ادارہ ھُدًی لِلنَّاسِ نے اس کتاب کا نام ''دروس القرآن'' کی بجائے ''تفسیر روح القرآن'' تجویز کیا ہے۔ اس کتاب کی بیشتر جلدیں چونکہ دروس القرآن کے نام سے چھپ چکی ہیں اس لئے اپنے قارئینِ کرام کو کسی خلطِ مبحث یا غلط فہمی سے بچانے کیلئے یہ گزارش ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وہ مناسب سمجھیں تو اپنے پاس نسخوں میں نام کی تبدیلی کر لیں، اور اگر کہیں کتاب کے اندر سابقہ نام کا ذکر آئے تو اسے بھی نئے نام سے بدل دیں۔

Marfat.com

فہرست

(سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ .... سُوْرَۃُ التَّحْرِیْم)

سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ

تعارف 32
نام 32
زمانۂ نزول 32
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 34
سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ 36
قرآنِ کریم کے دعوتی نکات میں سب سے اہم نکتہ کی وضاحت 38
اس اہم نکتہ کا لازمی تقاضا 39
مشرکین کی کم مائیگی 40
اللہ تعالیٰ کی گواہی کو معلوم کرنے کا قابلِ اعتماد ذریعہ 40
مشرکین کی تردید میں مسلمہ بات 41
قرآنِ کریم کو بے اثر کرنے کا ایک مکروہ طریقہ 42
مخالفین کے اتہامات کا جواب 43
ایک اور اعتراض کا جواب 44
نفع وضرر کے حوالے سے سوال اور ایک حوالے سے تاکید 45
منکرین کے تکبر کی ایک مثال 52
منکرین کے جواب میں تورات سے استشہاد 53
محسنین کے کردار کی وضاحت 54
انسان کی فطرت میں حقوق وفرائض کا شعور اور اس کا ارتقاء 55
آیت کے مضمنات میں غور کا نتیجہ 57

Marfat.com

اَلَّذِیْ سے مراد	59
لاابالیوں کا انجام	60
اعمال پر فیصلے کا دارومدار	60
متکبرینِ قریش کا انجام	61
آنحضرت ﷺ کو تسلی اور قریش کو تنبیہ	63
قوم کی طرف سے عذاب کا مطالبہ	65
حضرت ہود علیہ السلام کا جواب	65
عذاب کا ظہور ابر کی شکل میں اور مجرموں کی حالت	66
قریش کو تنبیہ	67
قریش کو مکرر تنبیہ	70
مشرکین سے ایک سوال	71
جنوں کے استماعِ قرآن سے آنحضرت ﷺ کو تسلی	72
جنوں کی اپنی قوم کو دعوت	73
قبولیتِ دعوت کا فائدہ اور عدمِ قبول کا نقصان	74
جنوں کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے چند واقعات	75
مکذبین کو انذار	76
مکذبین سے ایک سوال	76
آنحضرت ﷺ کو صبر و استقامت کی تلقین	77

☆☆☆☆

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ

تعارف	80
نام	80
زمانۂ نزول	80
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ	81
سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ	83

Marfat.com

کفارِ قریش کو تہدید 85
کفار کے مقابلے میں دوسرے گروہ کی صفات اور اس کا اعزاز 86
انتہائی اہم بات 86
قوت کا سرچشمہ حق کی پیروی ہے 88
حق و باطل میں تصادم کے بعد کی ہدایات 89
اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام آنے والوں پر انعامات 97
اللہ تعالیٰ کی نصرت اور استقامت کا وعدہ 98
کفار کی بدنصیبی کا سبب 100
تاریخ سے استدلال 100
کفار کا کوئی کارساز نہیں 101
ایک اشتباہ کا ازالہ 104
قریش کے غرور پر چوٹ 105
اہلِ حق اور اہلِ باطل کے فکری اور عملی تضاد کی وضاحت 106
اہلِ حق اور اہلِ باطل کے انجام میں فرق 107
منافقین کا طرزِ عمل اور اس کا انجام 109
ہدایت یافتہ لوگوں کا انجام 110
پیغمبر کی کاوشوں سے فائدہ نہ اٹھانے والے قیامت کے منتظر ہیں 110
حاصلِ بحث اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی 111
جہاد سے متعلق منافقین کا طرزِ عمل 114
منافقین کی روش اور ایمان کا تقاضا 116
منافقین کا رویہ دورِ جاہلیت کا غماز ہے 116
نفاق پر اللہ تعالیٰ کی سزا 117
جہاد و قتال سے پہلوتہی قرآن میں عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے 118
منافقین کی اصل گمراہی 118
منافقین کی محرومی کا سبب 119
منافقین کا انجام موت کے وقت 120

Marfat.com

اس سخت سزا کی وجہ	120
منافقین کا کینہ کھل جائے گا	122
منافقین کو تنبیہ	123
آزمائش کی کسوٹی	124
کفار اور منافقین کو تنبیہ	125
اعمالِ صالحہ کیلئے کچھ دوسرے اعمالِ صالحہ شرط ہیں	126
مسلمانوں کی سربلندی کی لازمی شرائط	127
حیاتِ دنیا کی آخرت کے مقابلے میں حقیقت	129
آیت کا صحیح مفہوم	130
بخیلوں کو دھمکی	131

سُوْرَةُ الْفَتْحِ

تعارف	134
نام	134
زمانۂ نزول	134
تاریخی پس منظر	134
سُوْرَةُ الْفَتْحِ	138
فتح مبین سے مراد معاہدۂ حدیبیہ ہے اور اس معاہدے کی تفصیل	139
اس فتح مبین کے چند نتائج	142
آنحضرت ﷺ کے گناہوں سے مراد اور بخشش کا مفہوم	143
وعدۂ نصرت کے ایفاء کی ایک جھلک	145
ایمان میں اضافہ سے مراد	146
کفار سے مسلمانوں کا تصادم مسلمانوں کی تربیت کیلئے ہے	147
حق و باطل کی کشمکش میں اہلِ حق سرافراز اور اہلِ باطل موردِ عذاب ہوتے ہیں	148
اہلِ باطل کیلئے مہلت	149
آنحضرت ﷺ کا مرتبہ و مقام اور امت پر آپ کے حقوق	150

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کے مقام کی وضاحت اور اس کا مفہوم 151
ایک نحوی شبہ کا ازالہ 151
منافقین کے اعذار کی حقیقت 154
منافقین کے دل کی حالت کا افشاء 156
منافقین سے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ 156
منافقین مفادات کے بندے ہیں 157
ایمان کی کسوٹی زبانی دعوے نہیں ایثار و قربانی ہے 159
معذورین کا بیان 160
صحابہ کرام کا اعزاز اور ان کی قربانیوں کا صلہ 163
صحابہ کرام پر مزید انعامات کا تذکرہ 165
قریش اور مسلمانوں کے تصادم کی صورت میں قریش کی شکست یقینی تھی 167
اللہ تعالیٰ کی مشیت فیصلہ کن ہے 168
قریش کی گستاخیاں، اور تصادم نہ ہونے کا حقیقی سبب 169
مسلمانوں کی اخلاقی برتری اللہ تعالیٰ کا انعام تھی 171
ایک سوال کا جواب اور ایک غلط فہمی کا ازالہ 174
کافروں کو تنبیہ اور مسلمانوں کو بشارت 175
تورات میں چند پیشگوئیاں 178
انجیل کی تمثیل کی وضاحت 179

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ

تعارف 183
نام 183
زمانۂ نزول 183
سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ 185
ایمان کا اولین تقاضا اور اسلامی قانون کی پہلی دفعہ 187
آنحضرت ﷺ سے گفتگو اور آپ کی خدمت میں حاضری کے آداب 188

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کے مقام ومرتبہ کا تحفظ 189
تقویٰ صرف آنحضرت ﷺ کے مقام کا تحفظ کرنے والوں کو نصیب ہوتا ہے 190
آپ ﷺ کے غائب ہونے کی صورت میں ملحوظ رکھا جانے والا ادب 190
مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان سے بچانے کیلئے ایک ہدایت 192
آیت کے شانِ نزول سے متعلق وضاحت 192
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رائے پیش کرنے کا ادب 194
اجتماعیت کے حوالے سے ایک امکانی صورت کے متعلق چند ہدایات 196
مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوت کا تقاضا 197
رشتۂ اخوت کو نقصان پہنچانے والی باتوں سے اجتناب کی تاکید 200
شخصیت اور اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والی بعض باتوں کی ممانعت 204
انسانوں میں مساوات کی ترغیب اور حقیقی بڑائی سے آگاہی 206
اعراب کی کوتاہی پر تنبیہ اور صحیح طرزِ عمل کی وضاحت 208
ایمان کا صحیح معیار 209
اعراب کے طرزِ عمل پر گرفت 210
گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت 210

☆☆☆☆

سُوْرَةُ قٓ

تعارف 214
نام 214
زمانۂ نزول 214
سورۃ کی اہمیت 214
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 214
سُوْرَةُ قٓ 216
قسم اور جوابِ قسم کی وضاحت 217
مخالفین کی مخالفت کی اصل علت 219

Marfat.com

مخالفین کے اشکالات کا جواب 220
مخالفت کی حقیقت 220
ربوبیت کے اہتمام کی طرف توجہ 223
گزشتہ مضمون میں ایک اور پہلو سے اضافہ 224
تاریخ سے استشہاد کرتے ہوئے قریش کو تہدید 225
نقشِ اول سے نقشِ ثانی کے وجود پر استدلال 227
مشرکین کے اشتباہات کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے علم سے استدلال 228
لوگوں کے اعمال واقوال کو ریکارڈ رکھنے کا اہتمام 229
قیامت کی ایک شہادت 230
محشر میں حاضری کا منظر 231
پیشی کے وقت ایک تنبیہ 231
قرین سے مراد؟ 232
جہنم میں ڈالے جانے والے مجرمین کی صفات 232
ہر مجرم کا اپنی گمراہی کا شیطان پر الزام اور شیطان کی تردید 234
پروردگار کی ڈانٹ اور حکم کے قطعی ہونے کا ذکر 234
اللہ تعالیٰ کا جہنم سے سوال اور جہنم کے جواب کا مفہوم 236
اہلِ تقویٰ کی عزت افزائی 237
تقویٰ سے پیدا ہونے والی صفات کے حاملین کا ذکر 238
ان صفات کے حاملین کا اعزاز 239
قریش کو تنبیہ 240
عبرت حاصل کرنے کیلئے مطلوبہ صفات 241
منکرین کی ایک دلیل کا جواب اور آنحضرت ﷺ کو تسلی 242
قیامت کو مستحضر رکھنے کی ہدایت 243
قبروں سے خروج کی دلیل 244
قبروں سے نکلنے کا منظر 245
آنحضرت ﷺ کو تسلی اور کفار کو دھمکی 245

Marfat.com

سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ

تعارف 248
نام 248
زمانۂ نزول 248
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 248
سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ 250
قسم اور جوابِ قسم کی وضاحت 251
قسم کا جوابِ قسم یا مقسم علیہ 252
یہ بھی قسم ہے 254
یہ جوابِ قسم ہے 254
قریش اور دیگر مشرکین کے انکارِ قیامت کے اسباب 255
سوال کی صورت میں تمسخر اور اس ذہنیت کے مطابق جواب 256
آخرت کیلئے تیاری کرنے والوں کا انجام 257
اہلِ جنت کی تصویر 257
متقین محسنین بھی تھے 258
تقویٰ اور احسان کی پہلی علامت 258
دوسری علامت 259
تیسری علامت 259
زمین میں جزاء وسزا کی نشانیاں 260
انفس میں جزاء وسزا کی بعض نشانیاں 261
جزاء وسزا کی آسمان میں نشانیاں 262
خلاصۂ بحث 262
گزشتہ دعاوی کے حق میں تاریخ سے استدلال 265
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مہمان 266
حقِ ضیافت کا ایک ادب 266

Marfat.com

اندیشے کا سبب اور مہمانوں کی وضاحت 267
فرزند کی بشارت پر حضرت سارہؓ کے تأثرات 268
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا انداز 268
فرشتوں کا جواب 269
فرشتوں نے اپنی منزل کی بھی خبر دے دی 269
اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض حقائق کا اظہار 270
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت میں نشانی 271
فَتَوَلّٰی بِرُکْنِہٖ کا مفہوم 272
فرعون کا انجام 272
قومِ عاد کے انجام سے استدلال 273
ہوا کی ہلاکت انگیزی 273
قومِ ثمود کے انجام کا ذکر 274
قومِ نوح پر عذاب کا ذکر 274
قدرت کی نشانیوں کے ضمن میں آسمان سے استدلال 276
آسمان کے بعد زمین کا ذکر 277
قانونِ تزویج سے توحید اور آخرت پر استدلال 277
آخرت کی تیاری کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع 278
گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت 179
آنحضرت ﷺ کو تسلی 279
رسولوں کی مخالفت میں یکسانی کا سبب 280
نامور مخالفین پر اتمام حجت ہو چکا، عام لوگوں میں تذکیر کی ہدایت 281
جن و انس کا مقصدِ تخلیق 282
ایک اعتراض کا جواب 282
ایک غلط فہمی کا ازالہ 293
قریش اور دیگر کفار کو تنبیہ 284
آخرت کا انکار تباہ کن ثابت ہوگا 285

Marfat.com

سُوْرَةُ الطُّوْرِ

تعارف	288
نام	288
زمانۂ نزول	288
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ	288
سُوْرَةُ الطُّوْرِ	290
قسموں اور مقسم علیہ کا ذکر	292
قسموں کا مفہوم	292
قیامت کی تصویر اور شبہات کا ازالہ	295
خوض کا مفہوم	295
مذاق اڑانے والوں کا انجام	296
مکذبین کے انجام کے بعد متقین کے اعزاز کا ذکر	297
متقین کا اظہارِ طمانیت	297
مہمانوں کی قدر افزائی	298
اہلِ جنت کی مجلسی زندگی	298
اہلِ جنت پر ایک خصوصی انعام	299
اہلِ جنت پر افضال وانعام کی ایک جھلک	300
اہلِ جنت کی بھرپور مجلسی زندگی	301
اہلِ جنت کی بے تکلف مجلس آرائی	302
اہلِ جنت کے احساس کی سلامتی	302
اللہ تعالیٰ کی قدر افزائی	303
تمام کامیابیوں کی کلید	303
مخالفین کی یاوہ گوئی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی	305
کاہن کا مفہوم اور آنحضرت ﷺ پر اس الزام کا جواب	306
آپ ؐ پر مجنون کے الزام کی حقیقت	306

Marfat.com

آپؐ پر شاعر ہونے کا الزام اور اس کی حقیقت 307
مخالفین کی مخالفت کی حقیقت 307
قرآن کے حوالے سے آپؐ پر ایک اور اعتراض اور اس کا جواب 308
مخالفین سے چند سوالات 309
قریش کے اعتقادات کے تناظر میں ان سے چند سوالات 310
آپؐ سے سوال کی صورت میں مخالفین کے رویے کی مذمت 312
گزشتہ مضمون کا منطقی نتیجہ 313
مخالفین کی مخالفت کی حقیقت 313
مشرکین کا اپنی جہالت پر اصرار کا نتیجہ 314
مخالفین کی ہٹ دھرمی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی 314
عذابِ آخرت سے پہلے عذاب کا ذکر 315

☆☆☆☆

سُوْرَةُ النَّجْمِ

تعارف 320
نام 320
زمانۂ نزول 320
تاریخی پس منظر 320
سورۃ کے مضامین 321
سُوْرَةُ النَّجْم 324
اَلنَّجْم سے مراد کیا ہے؟ 325
ایک سوال کا جواب 327
حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفات 328
حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رویت کا منظر 329
آیت کا مفہوم 329

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے مشاہدے کی تصویب	330
شک کرنے والوں کو ملامت	331
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کی وضاحت	331
سدرۃ پر تجلیات کا ورود	332
تجلیات کے ہجوم پر آنحضرت ﷺ کا قرار و سکون	332
آنحضرت ﷺ کے مشاہدات کی حقیقت	333
قریش کو ملامت	335
تین دیویوں کی وضاحت	335
دیویوں کے پرستاروں پر طنز	336
نام جن کا کوئی مسمیٰ نہیں	337
ایک اہم حقیقت کا اظہار	337
گزشتہ مضمون کا تسلسل	339
شرک کی بے سروپا باتیں کرنے والے کون ہیں؟	340
شرک کی بنیاد ظن پر ہے	340
ہدایت سے اعراض کرنے والوں سے اعراض کی ہدایت	341
علمی نارسائی	341
ہدایت وضلالت کا سررشتہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے	342
نیک لوگوں کی صفات	343
قریش کے سرداروں کی فکری نارسائیاں	346
تاریخ سے استدلال	348
گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت	349
سب کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ ہے	350
اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کی وسعت کی مثالیں	350
تاریخ کے حوالہ سے قریش کو تنبیہ	352
قوم لوط کے انجام کی طرف اشارہ	353
قریش کو ملامت	353

Marfat.com

آنحضرت ﷺ ہی رسالت کی حقیقتِ ثابتہ کا استمرار ہیں 354
ایک حقیقتِ نفس الامری کا بیان 354
قریش کے رویے پر اظہارِ تعجب 355
خیرت و عافیت کے لیے نسخۂ کیمیا 356

سُوْرَۃُ الْقَمَرِ

تعارف 359
نام 359
زمانۂ نزول 359
مضامین 359
سُوْرَۃُ الْقَمَرِ 362
شانِ نزول 364
بعض غیر مصدقہ باتیں 364
اعتراضات اور ان کا جواب 365
اتنی بڑی نشانی دیکھنے کے بعد بھی نہ ماننے کی وجہ 366
ایک سوال کا جواب 366
انسان کی بے بصیرتی 367
آنحضرت ﷺ کو تسلی آمیز ہدایت 367
قومِ نوح کے انجام کی تفصیل 368
ضمیر کے مرجع میں اختلاف اور عبرت آموزی کی ترغیب 370
قرآن کے آسان ہونے کا مفہوم 371
عبرت آموزی کیلئے قومِ عاد کا حوالہ 372
قومِ ثمود کی سرگزشت کا حوالہ 375
قومِ لوط کی سرگزشت کا حوالہ 377
فرعون اور آلِ فرعون کا حوالہ 380
براہِ راست قریش سے خطاب 381

Marfat.com

قریش کی غلط فہمیاں اور ایک عظیم پیشگوئی 381
عذابِ دنیا کے بعد عذابِ آخرت 382
قیامت کے روز بدترین انجام 383
ایک سوال کا جواب 383
ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت 384

☆☆☆☆

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ

تعارف 388
نام 388
مقامِ نزول اور زمانۂ نزول 388
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 389
سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ 391
نزولِ قرآن اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت ہے 392
تخلیقِ انسان کا تقاضا انسان کی ہدایت ہے 393
کائنات کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابند ہے 394
آسمان کا وجود اور اس کی بلندی عدل اور توازن کے باعث ہے 395
انسان کی عافیت بھی عدل اور توازن میں ہے 396
میزان کی حقیقت کو انسانی زندگی میں ملحوظ رکھنے کا حکم 396
زمین میں پھیلے ہوئے خوانِ ربوبیت کا ذکر 397
یہ آیت ترجیع ہے اس میں لفظ ا لآءِ اور دیگر حقائق کا مفہوم 398
جن وانس کے مادۂ خلقت سے یاددہانی 400
مشرقین اور مغربین کا مفہوم 401
اللہ تعالیٰ کی مزید قدرت کا بیان 402
اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا بیان اور ایک اعتراض کا جواب 402
اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور نشانی 403

Marfat.com

جن وانس کوایک اہم حقیقت کی طرف رہنمائی 405
سب کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہے 406
ثقلان اور فراغت کا مفہوم 407
کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں 408
شُوَاظٌ اور نُحَاسٌ کا مفہوم 409
روزِ قیامت کا منظر 410
منکرین کا جرم چہروں سے عیاں ہے 410
منکرینِ قیامت کو تنبیہ 411
اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا انجام 414
جنت کے درختوں کی شادابی 415
جنت میں بہتے ہوئے چشمے 415
مختلف قسموں کے پھل 415
اہلِ جنت کی نشست اور آرام گاہ 416
اہلِ جنت کے حرم کی شان 416
جزاء وسزا کے حق میں عقل وفطرت کی گواہی 417
اصحابُ الیمین کی جنت 418
خاتمۂ سورۃ 421

☆☆☆☆

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

تعارف 424
نام 424
زمانۂ نزول 424
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 424

Marfat.com

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ 426
قیامت کا آنا یقینی ہے 428
قیامت کے پہلے مرحلے کی تصویر 429
لوگوں کی تقسیم تین گروہوں میں 429
سابقون کا اعزاز 430
مقربین کی جنت کی تصویر 432
اہلِ جنت کے ذوق کی پاسداری 433
اصحابُ الیمین کو جنت میں ملنے والی نعمتوں کا ذکر 434
اصحابُ الشمال کا انجام 438
اصحابُ الشمال کے بڑے بڑے جرائم کا ذکر 438
قریش کو تنبیہ 439
انسان کی اپنی خلقت سے قیامت پر دلیل 440
اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا حوالہ 441
نظامِ ربوبیت سے استدلال 442
انزالِ ماء سے استدلال 443
آگ جیسی نعمت سے استدلال 444
تسبیح سے قوت حاصل کرنے کا حکم 445
لَآ کا محل اور قسم کا مفہوم 446
قرآنِ کریم کی عظمت کا بیان 448
مسِّ قرآن کا مفہوم 448
قرآن سے بے اعتنائی برتنے والوں کو تنبیہ 449
اللہ تعالیٰ کی قدرت سب پر حاوی ہے 450
مشرکین کو تنبیہ 451
اصحابُ الشمال کا انجام 451
کفار کیلئے اتمامِ حجت 452

Marfat.com

سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ

تعارف 455

نام 455

زمانۂ نزول 455

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 455

سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ 457

تسبیح کا مفہوم 459

اللہ تعالیٰ کے ہمہ مقتدر ہونے کی وضاحت 460

اللہ تعالیٰ کی مزید صفات 460

صفتِ علم کی وسعت 461

ایمان وانفاق کا مطالبہ اور اس پر دلیل 462

کمزور مسلمانوں کو نصیحت 464

آیات کا نزول تاریکی سے نور میں لانے کا سبب ہے 464

انفاق کی مزید ترغیب اور وساوس کے ازالے کے دلائل 465

جہاد کیلئے مالی اعانت کی اپیل 469

اجرِ کریم کا ایک پہلو 470

منافقین کی نور سے محرومی 470

منافقین کی استدعا کا جواب 471

کمزور ایمان والوں کو تنبیہ اور آ گہی 473

مزید تنبیہ اور امید کی جھلک 474

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے اجرِ عظیم کے مستحق ہیں 475

ایمانِ کامل کے مدارج 476

ایک اہم حقیقت کی رہنمائی 479

اصل میدانِ مسابقت 480

ایک اور اہم ہدایت 481

Marfat.com

مال و دولت پر اترانے والوں کو تنبیہ 483
رسولوں کی بعثت کا مقصد 484
تاریخ انبیاء سے ایک تاثر 486
چند حقائق کا بیان اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ 487
مخلص نصاریٰ کو دعوتِ ایمان 489

☆☆☆☆

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ

تعارف 493
نام 493
زمانۂ نزول 493
شانِ نزول 493
مضامین 493
سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ 495
شانِ نزول 497
ظہار کی حقیقت اور اس کا پہلا حکم 498
ظہار کا کفارہ 500
ان سزاؤں کا حقیقی فائدہ 500
محاداة کا مفہوم اور ایسا کرنے والوں کا انجام 501
آخرت میں مخالفین کا انجام 502
قانونِ ظہار کی فقہی تفصیلات 503
اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت سے منافقین کو تنبیہ 516
نجویٰ سے منافقین کا مقصد 517
نجویٰ ایک اجتماعی ضرورت ہے لیکن اس کا مقصد پاکیزہ ہونا چاہیے 518
مسلمانوں کو تسلی 519
مجلسی آداب کی تعلیم 520

Marfat.com

نجویٰ کو روکنے کیلئے ایک ہنگامی حکم 521
یہ آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے اور دونوں حکموں میں فاصلہ 522
جملہ معترضہ کے بعد اصل مضمون سے ربط اور منافقین کی اصل حقیقت 525
جھوٹی قسموں سے منافقین فریب دیتے تھے 526
منافقین کے اصل مرض کی نشاندہی 527
قیامت کے روز منافقین کی حسب عادت کوشش 528
منافقین پر شیطان کا تسلط 528
اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے مخالفین کی ذلت 529
رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت 529
منافقین کے سامنے ایک واضح کسوٹی 530
صحابہ کرامؓ ایمان کی علامت اور تصویر 531

سُوْرَةُ الْحَشْرِ

تعارف 535
نام 535
زمانۂ نزول 535
تاریخی پس منظر 535
سورۃ کے مضامین 538
سُوْرَةُ الْحَشْرِ 539
تسبیح کا مفہوم 542
اَوَّلِ الْحَشْرِ کا مفہوم 543
بنونضیر کی شکست کا حقیقی سبب 543
یہود کی مرعوبیت کی تصویر 544
یہود کو عبرت بنانے کیلئے نرم سزا دی گئی 545
ایک اعتراض کا جواب 546
فاسق کا مفہوم اور ان کی رسوائی کا مطلب 547

10952 6

Marfat.com

بنونضیر کے اموال اور باغات کی حیثیت 547
مالِ غنیمت اور مالِ فے کا فرق 548
مالِ فے کے مصارف 549
مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ الخ کا مفہوم 550
مالِ فے کا ایک خصوصی مصرف 551
مالِ فے کا ایک دوسرا خصوصی مصرف 552
اموالِ فے کا آخری مصرف 553
منافقین کو اہلِ کتاب کا بھائی کہنے کا مفہوم 557
منافقین کی در پردہ کوششوں کا انکشاف 557
منافقین کے وعدوں کی حقیقت 558
منافقین کے ایمان کی حقیقت 558
منافقین کی بزدلی 559
بنونضیر کے انجام کی مثال 560
منافقین کی مثال شیطان سے 560
انسان کی اصلاح سے متعلق بنیادی ہدایات 562
تباہی سے بچاؤ کیلئے ہدایات 564
اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ یکساں نہیں 565
منافقین کو زجر و تنبیہ 566
اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں اتارنے کیلئے صفاتی ناموں کا ذکر 566
اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِیْمُ 567
رحمت کیا ہے؟ 569
رحمت کا ایک اور پہلو 572
اَلْمَلِکُ 573
پروردگار کی حاکمیت صرف تکوینی نہیں تشریعی بھی ہے 574
اَلْقُدُّوْسُ 576
اَلسَّلٰامُ 577

Marfat.com

اَلْمُؤْمِنُ 579
اَلْمُهَیْمِنُ 581
اَلْعَزِیْزُ 582
اَلْجَبَّارُ 584
اَلْمُتَکَبِّرُ 585
اَلْخَالِقُ، اَلْبَارِئُ، اَلْمُصَوِّرُ 587

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ

تعارف 594
نام 594
زمانۂ نزول 594
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 594
سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ 496
آیات کا سببِ نزول اور مسلمانوں کو اس بارے میں ہدایات 598
گزشتہ مضمون کا تسلسل 601
اسوۂ ابراہیمی کی پیروی کی تلقین 602
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل کی پیروی میں ایک الجھن 603
گزشتہ دعا کا ایک حصہ 604
اسوہ کی پیروی کے سلسلے میں ایک تنبیہ 605
مسلمانوں کی وفاداری پر ایک انعام 608
آیات کے مضمون کے سلسلے میں دو وضاحتیں 609
آیتِ کریمہ میں بیان کردہ احکام کی وضاحت اور آیت کا پس منظر 610
گزشتہ آیت کے حکم کا تتمہ 612
مسلمان ہونے کیلئے آنے والی عورتوں کے بارے میں ہدایات 613
آخر میں ابتدائی مضمون کا اعادہ 616

Marfat.com

سُوْرَةُ الصَّفِّ

تعارف 619
نام 619
مقامِ نزول 619
زمانۂ نزول 619
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 619
سُوْرَةُ الصَّفِّ 621
آگے آنے والے مضمون کی تمہید 622
بنیادی اخلاقی کمزوری قول وعمل کا تضاد ہے 624
اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مبغوض بندوں کے درمیان فرق 625
منافقین کو تنبیہ کیلئے قوم موسیٰ کی مثال 626
دل کی کجی کے اثرات جو بعد میں ظاہر ہوئے 628
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات 628
یہود کی بدقسمتی پر اظہار افسوس 630
یہود کا ہدف اور اس میں ناکامی 631
ایک مومن کی کامیاب تجارت 633
آیت کے اسلوب کی وضاحت 634
اس تجارت میں کامیابی اور غلبہ بشارت 635
دل کی کجی سے بچنے کیلئے حواریوں کی تقلید کرنے کا حکم 636
لفظِ حواری کی تحقیق 636

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

تعارف 640
نام 640
زمانۂ نزول 640

Marfat.com

مضامین 641
سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ 642
آخری جملے کی وضاحت 644
یہ دعوت ان کیلئے بھی ہے جو ابھی اسلام نہیں لائے 645
یہود کے حسد پر تعریض 647
یہود کے پندار پر چوٹ 648
خطاب کے الفاظ کی وضاحت 649
قرآنِ کریم کا اعجاز 651
جمعہ کی اصطلاح کی وضاحت اور اہمیت 653
جمعہ کے حوالے سے پاکستان کی روش پر اظہارِ افسوس 653
ندا سے مراد اذان ہے 654
سعی کی وضاحت 655
بیع سے مراد 655
یہود کے بالمقابل جمعہ کے احکام میں وسعت 656
واقعہ جو متذکرہ بالا احکام کے نزول کا سبب بنا 657

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ

تعارف 661
نام 661
زمانۂ نزول 661
تاریخی پس منظر 661
سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ 665
لفظِ منافق کی وضاحت 667
آیت میں شہادت کا مفہوم 668
قسم کو سپر بنانے کی وجہ 668
منافقین کے نفاق کا سبب ان کے دلوں پر مہر لگ جانا ہے 669

Marfat.com

منافقین کی تصویر 670
منافقین کی بدنصیبی 672
منافقین کا طرزِ عمل ان کی محرومی کا باعث ہوا 673
ان محرومین کا گھناؤنا کردار 673
گزشتہ مضمون کا تسلسل 675
مسلمانوں کو تنبیہ 676
حُبِ دنیا کے نقصانات سے بچنے کا طریقہ 677

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ

تعارف 681
نام 681
زمانۂ نزول 681
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 681
سُوْرَةُ التَّغَابُنِ 683
ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے وجود اور بندگی کی شہادت دے رہی ہے 685
ہر شخص اپنے اختیار کے غلط استعمال کی سزا پائے گا 685
جزا و سزا پر ربوبیت سے استدلال 686
منکرینِ قیامت کے ایک اشتباہ کا صفتِ علم سے ازالہ 688
جزاءِ اعمال پر تاریخ سے استدلال 689
تکذیبِ رسول کیلئے منکرین کا بہانہ 690
مشرکین کے انکار کا جواب انہیں کے لہجے میں 691
تنبیہ کے انداز میں دعوت 692
مخالفین کو تنبیہ اور اصحابِ ایمان پر انعامات 693
مصائب میں مسلمانوں کیلئے راہِ ہدایت 696
ایک بڑی آزمائش سے آگاہی 698
گزشتہ مضمون کی وضاحت 699

Marfat.com

مال واولاد کی آزمائش میں سرخرو ہونے کا طریقہ 700
قرضِ حسن کی فضیلت 702

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ

تعارف 706
نام 706
زمانۂ نزول 706
سُوْرَةُ الطَّلَاقِ 708
خطاب کی وضاحت 710
طلاق کا صحیح محمل 711
اسلام نے دینِ فطرت کی حیثیت سے طلاق کے احکام دیئے 711
عدت کی اہمیت 713
طلاق کے بعد عورت کے حقوق 714
طلاق کے بعد شوہر کے طرزِ عمل سے متعلق ہدایات 715
متذکرہ بالا احکام سے فائدہ صرف مومن اور متقی اٹھا سکتا ہے 716
اختلافِ حالات کے باعث عورتوں کی عدت میں فرق 718
اوپر کے مضمون کی مزید تاکید 719
عورت کو طلاق کے بعد اسے گھر میں رکھنے کی وضاحت 720
عورت کے احترام کا حکم 720
حاملہ مطلقہ کے بارے میں حکم 721
طلاق کے بعد وضاحت کے بارے میں ہدایات 721
مطلقہ پر خرچ کرنے کا معیار 722
اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی ہمیشہ سخت عذاب کا باعث ہوتی ہے 723
مسلمانوں کو نہایت مؤثر تنبیہ 724
احکام دینے والے کی عظمت تعمیل کیلئے آسانی پیدا کرتی ہے 726
سات آسمانوں اور سات زمینوں کے مفہوم کی وضاحت 726

Marfat.com

سُوْرَۃُ التَّحْرِیْمِ

تعارف 730
نام 730
مقامِ نزول 730
زمانۂ نزول 730
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 730
سُوْرَۃُ التَّحْرِیْمِ 732
شانِ نزول 734
آپؐ کا شہد کو حرام کرنا شرعی تحریم نہیں تھا 735
قسم کا کفارہ اور اس کے احکام 736
آنحضرت ﷺ اور آپ کی ازواج کے درمیان واقعہ کی وضاحت 737
تدبرِ قرآن کا ایک اقتباس 738
ایک سوال اور اس کا جواب 738
بے جا خودداری کے اظہار پر گرفت 739
لفظِ صَغْو کی تحقیق 740
عربیت کے ایک اسلوب کی وضاحت 741
نفسیاتِ انسانی کی ایک حقیقت 742
سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ میں گہری محبت تھی 742
آنحضرت ﷺ کی دلچسپی کا اصل مرکز 743
تمام ازواجِ مطہرات کو تنبیہ اور ان کے سامنے اعلیٰ صفات کا ایک آئینہ 744
عام مسلمانوں میں عام احتساب کی ہدایت 745
احتساب کے احساس کی تکمیل 746
احتساب کے بعد توبہ کی تلقین 749
تَوْبَۃً نَّصُوْحًا کی وضاحت 749
مسلمانوں کی عملی زندگی کی تطہیر کے بعد جہاد کا حکم 751
آدمی کو نجات دینے والا عمل ہے بڑوں سے نسبت نہیں 753
برے حالات میں بھی ایمان کی حفاظت کی ترغیب 754

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ

(۴۶)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُورَةُ الْاَحْقَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الاحقاف ہے جو اسی سورۃ کی آیت ۲۱ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ تاریخ اور احادیثِ پاک میں اس سورۃ کے زمانۂ نزول کا تعین نہیں کیا گیا۔ لیکن اس سورۃ کی آیت ۲۹ تا ۳۲ میں ایک حیرت انگیز واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے تعین میں آسانی ہوجاتی ہے۔ حدیث اور سیرت کی متفق علیہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۲۹ تا ۳۲ میں جنات کے قرآن سننے کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے وہ وادیِ نخلہ میں پیش آیا تھا۔ اور تمام معتبر تاریخی روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ نخلہ میں آپ کا قیام طائف سے واپسی پر تھا۔ اور طائف میں آپ تبلیغ و دعوت کیلئے اس وقت تشریف لے گئے تھے جب اہلِ مکہ نے آپ کی دشمنی میں انتہا کردی تھی اور آپ کی دعوت کی قبولیت کیلئے سینے بالکل بند کرلئے تھے۔ چنانچہ آپ نے حالات کے بگڑے ہوئے تیوروں کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ اشرارِ قریش کے شر سے بچنے کیلئے اس وادی میں پناہ لی جائے جس کو شعبِ ابی طالب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت مکہ معظمہ کے ایک محلے کا نام تھا۔ بنی ہاشم اسی محلے میں رہتے تھے۔ شعب عربی زبان میں گھاٹی کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ محلّہ کوہِ ابوقبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں واقع تھا اور ابوطالب بنی ہاشم کے سردار تھے اس لئے اسے شعبِ ابی طالب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ نے تحفظ کے ارادے سے اپنے اس محلے کو اپنا مستقر بنایا اور سارے خاندان کو لے کر اس میں پناہ گزیں ہوگئے۔ قریش کی روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ بالعموم دوسروں کے گھروں پر حملے نہیں کرتے تھے۔ اور ویسے بھی وہ اچھی طرح اس بات سے واقف تھے کہ ایک قبیلے کی دشمنی ایک قبیلے تک محدود نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسی آگ ہے جسے پھیلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لئے انہوں نے اس گھاٹی کے اندر آنے اور آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنے سے گریز کیا۔ البتہ انہوں نے یہ حرکت ضرور کی کہ بہت بری طرح سے انہوں نے اس محلے کی ناکہ بندی کردی تاکہ باہر کی کوئی چیز اندر نہ جانے پائے۔ صرف حج کے زمانے میں یہ محصورین نکل کر کچھ خریداری کرسکتے تھے لیکن اس میں بھی ابولہب کا رویہ یہ تھا کہ وہ جب بھی بنی ہاشم میں سے کسی کو بازار کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا تو ایک ایک تاجر سے مل کر کہتا کہ خبردار ان کو کوئی سامان فروخت نہ کرنا۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اس طرح تمہاری تجارت کو نقصان پہنچے گا تو میں پوری ذمہ داری سے اس کی تلافی کرنے کیلئے تیار ہوں۔ چنانچہ تین سال تک مسلمانوں نے اس گھاٹی میں محصور رہ کر گزارے۔ اور بعض دن ان پر ایسے سخت گزرے کہ انہیں گھاس اور پتے کھانے کی نوبت آگئی۔ اور بعض لوگوں نے تو اپنے جوتوں کے چمڑے جلا کر کھائے۔ معصوم بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے بلبلاتے تھے، لیکن ان ظالموں کو ترس نہیں آتا تھا۔ ۱۰ سنِ نبوی کو آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی کہ بنی ہاشم کی محصوریت کا جو معاہدہ کعبۃ اللہ کی دیوار پر آویزاں کیا گیا تھا اسے اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ یہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ قریش سراسر ظلم کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ اٹھے اور اس طرح سے ظلم کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ لیکن ان ہی دنوں جو بہت اندوہناک واقعہ پیش آیا، وہ یہ تھا کہ حضرت ابوطالب جو آج تک آنحضرت ﷺ کی حفاظت کیلئے سینہ سپر رہے تھے، انتقال کر گئے۔ قریش کسی بھی

Marfat.com

آخری اقدام پر ان کی وجہ سے گریز کرتے تھے کہ وہ ہم سب کے بزرگ ہیں ہم ان کو کیا جواب دیں گے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے حوصلے توانا ہوگئے۔ اور بنی ہاشم کا جو دوسرا سردار تجویز ہوا وہ ابولہب تھا جس نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے دشمنی کی قسم کھا رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ ابھی اس صدمے سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کا انتقال ہوگیا۔ جن کی ذات آغازِ نبوت سے لے کر اس وقت تک آپ کیلئے ایک بہت بڑا سہارا تھی۔ ان کے خاندان کا ایک رعب تھا جسے سب محسوس کرتے تھے۔ اور وہی ایک ذات تھی کہ جو آپ کیلئے سب سے زیادہ سکون واطمینان کا باعث تھی۔ چنانچہ ان کے اٹھ جانے سے آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ نے اس سال کا نام ہی عام الحزن رکھ دیا۔

یہ وہ حالات تھے جن سے دلبرداشتہ ہونے کی بجائے آپ نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کا ایک اور راستہ تلاش کیا۔ وہ یہ تھا کہ آپ نے طائف جانے کا ارادہ فرمایا کہ مکے والوں نے اگر چہ دشمنی کی انتہا کردی ہے لیکن کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اہلِ طائف کو اللہ کے دین کی نصرت عطا فرمائے۔ چنانچہ آپ نے اس حال میں طائف کا سفر کیا کہ کوئی سواری تک آپ کے پاس نہ تھی اور حضرت زید بن حارثہ ؓ کے سوا کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا۔ طائف پہنچ کر آپ نے اس کے تینوں سرداروں سے بار بار ملاقات کی۔ آپ نے ان کے سامنے دو تجویزیں رکھیں۔ ایک تو یہ کہ میں جس دین کو لے کر آیا ہوں اسے قبول کرلو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں دنیا میں بھی کامیابی نصیب ہوگی اور آخرت کو بھی سرافراز کئے جاؤ گے۔ اور اگر یہ قبول نہیں تو پھر مجھے اپنے شہر میں رہ کر کام کرنے کا موقع دو، کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی شہر کو اپنے دین کی نشرواشاعت کا مرکز بنادے اور یہاں سے وہ انقلاب پیدا ہو جو نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ دنیا کے بیشتر حصے کو بدل کر رکھ دے۔ لیکن انہوں نے بجائے ان تجاویز کے قبول کرنے کے آپ کو شہر سے نکلنے کا الٹی میٹم (Ultimatum) دے دیا۔ اور جب آپ شہر سے روانہ ہوئے تو اوباشوں کے گروہ آپ کے پیچھے لگا دیئے جو ایک طرف آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور دوسری طرف آپ پر سنگباری کرتے تھے۔ اس طرح سے آپ نے تقریباً تین میل کا سفر طے کیا۔ آپ کے جسم سے خون بہہ کر آپ کے جوتوں میں جم گیا۔ آپ بار بار بے ہوش ہوتے رہے، لیکن وہ بدبخت آپ کو ہوش میں لاکر پھر یہ کہتے کہ آپ وہ دعوت پیش کیجئے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت دی ہے۔ حتیٰ کہ جب آپ نے ان اوباشوں سے نجات حاصل کی تو سڑک کے کنارے ایک باغ کی پناہ میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ آپ نے نہایت عاجزی سے عرض کی "خداوندا! میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی، بیچارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں، اے ارحم الرحمین تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی رب ہے، مجھے کس کے حوالے کررہا ہے، کیا کسی بیگانے کے حوالے، جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آیا یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پالے، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں، مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہوجائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے، میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور سے جو اندھیرے میں اجالا اور دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے، مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو، یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہوجاؤں، تیری ہی مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہوجائے، کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔" (ابن ہشام ج ۲، ص ۶۲)

دل شکستہ و غمگین پلٹ کر جب آپ قرن المنازل کے قریب پہنچے تو محسوس ہوا کہ آسمان پر ایک بادل سا چھایا ہوا ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سامنے تھے، انہوں نے پکار کر کہا "آپ کی قوم نے جو کچھ آپ کو جواب دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا۔ اب یہ پہاڑوں کا منتظم فرشتہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، آپ جو حکم دینا چاہیں اسے دے سکتے ہیں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو سلام کرکے عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ان لوگوں پر الٹ دوں۔ آپ نے جواب دیا، نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کریں گے۔" (بخاری بدءالاخلق، ذکر الملائکہ، مسلم، کتاب المغازی، نسائی)

Marfat.com

طائف سے مکہ کی طرف واپسی پر آپ چند روز کیلئے وادیِ نخلہ میں ٹھہر گئے۔ یہ ایک وادی ہے جس میں اس زمانے میں چند نخلستان تھے اور چشموں کی وجہ سے پانی کی کثرت تھی۔ اس لئے آتے جاتے لوگ یہاں آرام کیلئے رک جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی چند روز یہاں رکے رہے۔ ایک تو اس خیال سے کہ آپ کے زخم بھر جائیں جو طائف کے اوباشوں کی سنگباری کی وجہ سے جابجا جسم پر ہو چکے تھے۔ اور ذرا توانائی محسوس ہو تو تب آپ مکے کا سفر کریں۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ یہ سوچ رہے تھے کہ طائف میں جو کچھ گزری ہے اس کی خبریں مکہ معظّمہ میں بھی پہنچ چکی ہوں گی۔ اہلِ مکہ تو پہلے ہی ہر طرح کی شرافت کھو چکے ہیں اب اہلِ طائف کی خبروں سے وہ اور زیادہ دلیر ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر آپ کو جو اعتماد حاصل تھا اس کی وجہ سے آپ ہر طرح کے حالات میں اپنا فرض انجام دینے کیلئے پُرعزم تھے۔ ان ہی ایام میں ایک روز رات کو آپ نماز میں قرآنِ مجید کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے قرآنِ کریم سنا، ایمان لائے اور واپس جا کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ اکرمؐ کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ مکہ اور طائف کے لوگوں کے رویئے سے پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، آپ کی یہ دعوت رکنے والی نہیں اپنے وقت پر پھیل کر رہے گی۔ اور انسان بے شک اس کے ساتھ کچھ بھی رویہ اختیار کریں لیکن جنات کو دیکھو وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس کے گرویدہ ہو گئے اور وہ اپنے ہم جنسوں میں اسے پھیلا رہے ہیں۔ اس طرح سے آپ کے اثرات صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ جنات بھی آپ کے اثرات قبول کر چکے ہیں۔

اس سورۃ میں جن مباحث کا ذکر کیا گیا ہے ان کا ذکر کرنے سے پہلے جو چیز آدمی کو حیران کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سورۃ جن حالات میں نازل ہوئی ہے جس طرح ہم نے اس کا پس منظر بیان کیا ہے اسے دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے مضامین کا لب و لہجہ اور اس کے اسلوب میں حد درجہ جذبات کی فراوانی ہوگی۔ آپ کے جسم کا ایک ایک زخم کفر کے مظالم کی شکایت کرے گا۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ ایسی سنگدلی کے اظہار کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی کی زبان پر بددعا کے الفاظ آجائیں۔ لیکن اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ صورت اول سے آخر تک ہر طرح کے انسانی جذبات و تاثرات سے خالی ہے۔ جو اس طرح کے حالات سے گزرنے والے انسان کے اندر فطری طور پر پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کلام محمد (ﷺ) کا نہیں بلکہ اس خالقِ کائنات کا ہے جو انسانی احساسات سے ماورا ہے۔ اسے مجموعی طور پر انسانوں کی بھلائی منظور ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کے ساتھ ان کا رویہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس دعوت کے دشمن ہی مستقبل میں اس کے منادو مبلغ ثابت ہوں گے۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

مخالفین کی مخالفت کا اصل ہدف چونکہ قرآنِ کریم ہے اس لئے سب سے پہلے قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ نازل ہونے والی کتاب قرار دے کر پھر مخالفین کی مخالفت اور ان کے اعراض کے اصل اسباب کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ کم عقل لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے جو محض اس نے تفریحِ طبع کیلئے پیدا کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک عظیم غایت و مقصد کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اس غایت و مقصد کا تقاضا یہ ہے کہ اس کائنات کی ایک مدت ہو اور مدت گزرنے کے بعد اس کے انجام کو بروئے کار لایا جائے۔ اور لوگ اپنے ایمان و عمل کے اچھا یا برا ہونے پر اپنے اپنے انجام کو پہنچیں۔ دوسری جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان مخالفین کا گمان یہ ہے کہ اولاً تو قیامت آئے گی نہیں، اور اگر قیامت آ ہی گئی تو جن شرکاء و شفعاء پر یہ لوگ اعتماد رکھتے ہیں وہ انہیں بچا

Marfat.com

لیں گے۔ حالانکہ ان شرکاء کے حق میں نہ کوئی نقلی دلیل موجود ہے اور نہ کوئی عقلی۔ اور نہایت تعجب کی بات یہ ہے کہ جن شرکاء پر یہ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں انہیں خبر بھی نہیں کہ کوئی ان کی پرستش کررہا اور ان کو مدد کیلئے پکار رہا ہے۔ بلکہ جب قیامت کے دن ان کی یہ بے ہودگی ان کے سامنے ظاہر ہوگی تو وہ ان کے مددگار ہونے کی بجائے الٹے ان کے دشمن ہوں گے۔ مزید اس بات پر زور دیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ کو اس کا پابند ٹھہرایا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ میں دنیا میں پہلا رسول نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بھی رسول آ چکے ہیں۔ میں بھی انہیں خصوصیات و صفات کے ساتھ آیا ہوں جن خصوصیات وصفات کے ساتھ وہ آئے تھے۔ اور یہ بھی انہیں بتا دیجئے کہ جن یہود و نصاریٰ کے اکسانے پر تم میری مخالفت کررہے ہو کبھی اس بات پر غور کرو کہ خود ان کا انجام کیا ہونے والا ہے جبکہ ان ہی میں سے ایک عظیم شاہد میری گواہی دے چکا اور مجھ پر ایمان لا چکا ہے۔ اور جو کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے یعنی تورات، میں اس کی پیشگوئیوں کا بھی مصداق ہوں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں جو اس قرآن پر ایمان لائیں گے۔ اور ان لوگوں کا چہرہ بھی دکھایا گیا ہے جو ایمان کی دولت سے محروم رہیں گے۔ ایمان لانے والوں کے بارے میں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ احسان شناسوں کا گروہ ہے۔ ان کے جذبات نے اگرچہ جوانی میں ٹھوکریں کھائی ہیں لیکن ان کی سلامتِ طبع نے پھر انہیں اٹھنے کی ہمت عطا کی۔ حتیٰ کہ جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو انہوں نے صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور التجا کی کہ اے رب! اب تو ہمیں سنبھال کہ ہم تیرے انعامات کا شکر ادا کرسکیں۔ اور تو ہمیں صالح عمل کی توفیق عطا فرما اور ہماری اولاد کو بھی صالح بنا۔ اللہ تعالیٰ ضرور ایسے لوگوں کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور ان کو اہلِ جنت میں شامل کرے گا۔

اس کے بعد ایمان نہ لانے والوں اور جھٹلانے والوں کا چہرہ دکھایا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بالکل حیوانوں کی طرح بے قید زندگی گزاری۔ نہ ماں باپ کے حقوق انہوں نے پہچانے، نہ خدا کے حقوق کا ان کو خیال آیا۔ اگر ماں باپ نے آخرت اور حساب کتاب سے ڈرایا تو انہوں نے جھڑک دیا کہ یہ سب اگلوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اور اگر مرنے کے بعد کی بات ہوئی تو مرے ہوؤں کو دلیل بنا کر نئی زندگی کا مذاق اڑایا۔

ان دونوں قسموں کے لوگوں کے بیان کرنے کے بعد ان کے انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں قسم کے لوگوں کو ان کے ایمان وعمل کے اعتبار سے جزا یا سزا ہوگی۔ نیک اپنی نیکیوں کا بھرپور صلہ پائیں گے اور بد اپنی بدیوں کی سزا بھگتیں گے۔

آخر میں قریش کی تنبیہ کیلئے قومِ عاد کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ تم سے بڑھ کر ایک طاقتور قوم تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنی قوت و صولت کے غرور میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کی پرواہ نہ کی تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کردیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی کیلئے قرآنِ کریم کے متعلق جنوں کے ایک تأثر کا حوالہ دیا گیا ہے کہ اگر قریش کے محروم القسمت لوگ قرآن کی قدر نہیں کرتے تو اس میں قرآن یا آپ کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ ان ہی کی محرومیِ قسمت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کی تاثیر و تسخیر کا حال تو یہ ہے کہ جنوں کی ایک جماعت کے کان میں اس کی چند آیات پڑ گئیں تو وہ فوراً ان کے دل میں اتر گئیں اور وہ اپنی قوم کے اندر اس کے داعی بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٣٥	سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (٤٦)	رُكُوْعَاتُهَا ٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ مَا خَلَقْنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ
فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ
غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ
كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ
اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ﴿٨﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ
بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٩﴾

Marfat.com

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾

رکوع: ا۔ (ح۔ م۔ ا) یہ کتاب نہایت اہتمام کے ساتھ اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ ۲) ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر ایک غایت اور معین مدت کیلئے، اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس چیز سے اعراض کئے ہوئے ہیں جس سے ان کو آگاہ کیا گیا ہے۔ ۳) اے پیغمبر کہہ دیجئے! کبھی تم نے غور کیا ہے کہ کیا ان چیزوں کو جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے، لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی آئی ہوئی یا علم کی کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ۴) اور کون گمراہ ہوسکتا ہے ان لوگوں سے بڑھ کر جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتے ہیں جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے، اور وہ ان کی دعاؤں سے غافل ہیں۔ ۵) اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔ ۶) جب ان لوگوں کو ہماری نہایت واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے تو وہ حق کی بابت جبکہ وہ ان کے پاس آ گیا کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ ۷) کیا یہ لوگ کہتے ہیں اسے محمد (ﷺ) نے خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجئے اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ کی پکڑ سے ذرا بھی نہ بچا سکو گے، وہ خوب جانتا ہے جو باتیں تم بناتے ہو اور وہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کیلئے کافی ہے، اور وہ بڑا درگزر کرنے والا اور مہربان ہے۔ ۸) آپ ان سے کہئے کہ میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، اور میں تو صرف ایک صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔ ۹) اے پیغمبر ان سے پوچھئے کہ اس وقت کیا ہوگا اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا، اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسے کلام پر گواہی بھی دی ہے سو وہ تو اس پر ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۱۰)

Marfat.com

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢

(حٰ۔ مٓ۔ ۱) یہ کتاب نہایت اہتمام کے ساتھ اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ ۲)

مخالفین کی مخالفت کا اصل ہدف چونکہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت اور آپ پر نازل کی جانے والی کتاب تھی۔ اس لئے سب سے پہلے اسی کا ذکر فرمایا۔ اور اس شان کے ساتھ ذکر کیا کہ کتاب کی عظمت بھی نمایاں ہوگئی اور نازل کرنے والی ذات کی شان بھی کھل کر سامنے آ گئی۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝٣

(ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر ایک غایت اور معین مدت کیلئے، اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس چیز سے اعراض کئے ہوئے ہیں جس سے ان کو آگاہ کیا گیا ہے۔ ۳)

قرآنِ کریم کے دعوتی نکات میں سے سب سے اہم نکتہ کی وضاحت

پیشِ نظر آیت کریمہ میں قرآنِ کریم کے دعوتی نکات میں سے سب سے اہم نکتہ کو سب سے پہلے اٹھایا گیا۔ اور زمین و آسمان کی تخلیق کو اس پر بطورِ دلیل پیش فرمایا گیا ہے۔ آپ کی دعوت کا سب سے اہم نکتہ دو نکات پر مشتمل ہے۔ ایک تو یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بے مقصد کھلونا نہیں بنایا بلکہ اس کو حق کے ساتھ یعنی مقصد کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ ہر مخلوق کی پیدائش کی ایک غایت اور ایک مقصد ہے جسے انجام دینا ہر مخلوق کی ذمہ داری ہے۔ جن وانس کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کو جس مقصد کیلئے پیدا فرمایا گیا ہے ان کیلئے جو مدار مقرر کر دیا گیا ہے، ان کیلئے جو جہت ٹھہرادی گئی ہے اور ان کیلئے جو منزل متعین کر دی گئی ہے وہ اس سے انحراف کی طاقت نہیں رکھتے۔ بظاہر ان میں نسبت تخالف کی ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے قانون کی اطاعت میں اس حد تک کمر بستہ رہتے ہیں کہ کوئی دیکھنے والی نگاہ ان کے درمیان تخالف کی نسبت کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ زمین اور آسمان ایک ہی مقصد کیلئے سرگرم عمل ہیں، روشنی اور تاریکی ایک ہی کی اطاعت میں کمر بستہ ہیں۔ ہوا، پانی اور آگ تمام تر مخالف سرشت کے باوجود کیا مجال ہے جو اپنے فرض کی انجام دہی میں تساہل سے کام لیں۔ جن وانس کو بھی اسی طرح مقصدِ زندگی دے کر اور غایتِ حیات دے کر پیدا فرمایا گیا۔ البتہ وہ اپنے مقصد کی ادائیگی میں فی الجملہ آزادی سے بہرہ ور فرمائے گئے ہیں اور اسی میں ان کا امتحان ہے۔ جس ذات نے نہایت قدرت اور حکمت کے ساتھ اپنی مخلوقات کو مخصوص مقاصد کیلئے پیدا فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کبھی ان سے ان کو دیئے ہوئے مقاصد کی بجا آوری سے متعلق سوال نہ کرے۔ اور کبھی اپنی دی ہوئی نعمتوں کے بارے میں یہ نہ پوچھے کہ تم نے شکر گزاری کا ثبوت دیا یا ناشکری کا۔ اور اسی طرح ان کو دی ہوئی آزادی جو ان کے عمل اور فکر کے حوالے سے ہے اس کے بارے میں کبھی سوال نہ کیا جائے کہ تم نے اسے استعمال کرنے میں کہاں تک دیانت کا ثبوت دیا۔ یہی وہ تصور ہے جو قیامت کے تصور کو لازم ٹھہراتا ہے۔

Marfat.com

اس اہم نکتہ کالازمی تقاضا

اوراس آیتِ کریمہ میں دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جس طرح ہم نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے، اسی طرح اس کالازمی تقاضا ہے کہ دنیا اسی طرح برابر چلتی نہ رہے بلکہ ضروری ہے کہ یہ ایک معین مدت تک کیلئے ہوجس کے بعد اسے ختم کردیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوجس میں نیکی پر صلہ عطا کیا جائے اور برائی پر سزادی جائے۔ اسی تصور کے تحت قیامت کا ایک دن مقرر کیا گیا۔ البتہ اسے انسانی علم سے مخفی رکھا گیا ہے تاکہ ہرنسل کے لوگ اسے قریب سمجھ کر عمل کیلئے کوشاں رہیں اور کبھی غفلت شعار نہ ہونے پائیں۔ البتہ بعض لوگوں کواس میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ ہرآدمی اپنی موت کے ساتھ ہی اپنی قیامت کے حالات سے گزرے۔ اس کے ایمان وعمل اور اس کے فکرواخلاق کا جائزہ لے کراسے جزاوسزا کے مراحل سے گزاراجائے۔ لیکن یہ کوتاہ فکری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں انسان کا ہرعمل خواہ نیکی کا ہو یا بدی کا، اپنے اندر متعدی ہونے کی خصوصیات رکھتا ہے۔ جوشخص نیکی کا تخم بوتا ہے اس کی برکتوں سے صدیوں اور قرنوں تک اولادِ آدم مستفید ہوتی ہے۔ اور جوشخص ایک غلط اور گمراہ کن فلسفہ ایجاد کرتا ہے اس کی ضلالت بھی ایک خلقِ کثیر کواپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک ساحلِ قیامت طلوع نہیں ہوگا۔ بالکل اس طرح جیسے جھیل کے کنارے پر کھڑے ہوکر اگرایک کنکر پھینکا جائے تو چند لہریں پھیلتی ہیں اور یہ لہریں اس وقت تک دراز ہوتی چلی جاتی ہیں جب تک جھیل کے ساحل سے جاکر نہیں ٹکراتیں۔ اب اگر ہرشخص کا اس کی موت ہی کے ساتھ اس کا حساب کتاب لیا جاتا، تو اس کے اعمال سے پیدا ہونے والے نتائج اوراس کے افکار سے نکلنے والے برگ وبار کا حساب کون لیتا۔ اسی طرح یہاں بہت سے اعمال ہیں جن کے کرنے میں ایک شخص نہیں ایک سے زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس کے شرکاء کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ جب تک ان سب کو آمنے سامنے کھڑا کر کے اس عمل کا حساب نہ لیا جائے اس وقت تک کسی ایک کیلئے مکمل جواب دینا ممکن نہیں۔ جنگِ عظیم بظاہر دوآدمیوں سے شروع ہوئی لیکن اس میں قومیں شریک ہوتی گئیں۔ اب اس جنگ کے نتائج کا جواب دوافراد نہیں بلکہ قوموں کو دینا پڑے گا۔ اشتراکیت اور اشتمالیت، الحاد اور زندقہ، مردوعورت کی ہرسطح پر کامل آزادی اور مساوات بظاہر چند لوگوں کے نظریات ہیں لیکن اس میں جتنے افرادحتیٰ کہ جتنی قوموں نے اپنا رول ادا کیا ہے ان سب کا جواب کوئی ایک کیسے دے سکتا ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کے بنیادی نکات ہیں اور ان ہی کے حوالے سے آپ اپنی امتِ دعوت کو قیامت سے انذار کرتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے وہ برابر اس سے اعراض کر رہے ہیں۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ‌ ؕ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝

(اے پیغمبر کہہ دیجئے! کبھی تم نے غور کیا ہے کہ کیا ان چیزوں کو جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے، لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی آئی ہوئی یا علم کی کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ۴)

Marfat.com

مشرکین کی کم مائیگی

اسلام کے عطا کردہ بنیادی اصولوں کے حوالے سے مشرکین کی کم مائیگی کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ باتیں بنانے . تو بہت تیز ہیں اور بڑھ چڑھ کر علم ودانش کا دعویٰ کرتے ہیں۔لیکن ان کی علمی بے مائیگی کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انہوں نے جن [illegible] کو شریک کر رکھا ہے اور اپنے معاملات میں جن سے استمداد کرتے ہیں اور جن کے سہارے کی وجہ سے قیامت جیسی عظیم حقیقت بھی ان کے سامنے اپنی عظمت کھو چکی ہے۔اور دینی معاملات میں جن کی مخالفت ان کیلئے ایک بہت ڈراؤنا خواب بن کر رہ گئی ہے ان کے بارے میں براہِ راست سوال کیا جارہا ہے کہ تم نے کبھی اپنے ان خیالات پر غور وفکر کرنے اور تدبر کی نگاہ ڈالنے کی بھی زحمت کی ہے۔ایک طرف تو تمہارا حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ہی نہیں ساری کائنات کا خالق جانتے ہو۔تمہیں یقین ہے کہ زمین کا یہ بچھونا اسی نے بچھایا ہے اور آسمان کی چھت اسی نے تعمیر کی۔لیکن اس کے باوجود جب تم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک مانتے ہو تو پھر مجھے بتاؤ کہ انہوں نے زمین کی کون سی چیز پیدا کی ہے۔یا آسمان کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے۔ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شریک بننے کے حقدار تو صرف وہی ہوسکتے ہیں جو آسمانوں کی تخلیق میں کوئی حصہ رکھتے ہوں۔یا زمین کی کسی چیز کو انہوں نے پیدا کیا ہو۔اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ زمین کا پیدا کرنے والا زمین کی مخلوقات میں سے کسی کو اپنا شریک بنالے۔اور یا آسمانوں کی ہر مخلوق کو تخلیق کرنے والا اور خود آسمان کو وجود دینے والا وہ کسی ایسی قوت کو اپنا شریک وسہیم سمجھ لے جس نے زمین وآسمان کے بنانے میں کوئی رول ادا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کی گواہی کو معلوم کرنے کا قابلِ اعتماد ذریعہ

یہ بات یاد رہے کہ اتنی بڑی بات کو تسلیم کرنے کیلئے ایک ایسی شہادت کی ضرورت ہے جس کا انکار نہ کیا جاسکتا ہو۔اور وہ شہادت دو ہی طرح کی ہوسکتی ہے یا تو یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے آج تک جو کتابیں نازل فرمائی ہیں ان میں سے کسی کتاب میں تمہارے معبودوں میں سے کسی معبود کو اپنی خدائی میں شریک بنایا ہو اور آپ سے پہلے آئی ہوئی کتابوں میں تورات اور انجیل سب سے معروف ہیں۔ان میں تلاش کر کے دیکھو کہ کیا کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو معبود بنانے کی اجازت دی ہے۔اور اگر ایسا نہیں تو یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ دین کی بنیادی صداقتوں میں ایک اہم ترین صداقت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کی جائے۔

اور یا دوسری بات یہ ہوسکتی ہے کہ ان کتابوں میں تو ایسی کوئی بات نہ ہو،لیکن وہ عظیم رسول جن کا سب احترام کرتے ہیں اور ان کی اقتداء پر تمام مذاہب متفق ہیں۔ان کی روایات وآثار میں سے کوئی معتبر روایت ایسی ہم تک پہنچی ہو جس میں ان کے مشرکانہ خیالات کی کہیں تائید ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ اپنے پیچھے کوئی کتاب تو چھوڑ کر نہیں گئے لیکن ان کی بعض روایات تورات، انجیل یا دوسرے صحیفوں میں نقل ہوئی ہوں جن کا علمی طور پر انکار نہ کیا جاسکتا ہو،اس میں اگر شرک کا کوئی جرثومہ موجود ہو تو تسلیم کرلیا جائے گا کہ واقعی شرک کی کوئی بنیاد موجود ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ مشرکینِ عرب ملتِ ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود اپنے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں رکھتے تھے۔نہ کتاب کے حوالے سے اور نہ کسی علمی روایت کے حوالے سے، جس کو علمی حوالے کی حیثیت سے قبول کرلیا جاتا۔وہ زیادہ سے زیادہ یہی بات کہتے تھے کہ جس طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے،اسی پر ہم چلتے رہیں گے۔ان کو اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ یہ طریقہ ان کو کہاں سے ملا۔

Marfat.com

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝٥ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦

(اور کون گمراہ ہوسکتا ہے ان لوگوں سے بڑھ کر جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتے ہیں جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے، اور وہ ان کی دعاؤں سے غافل ہیں۔ ۵) اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔ ۶)

مشرکین کی تردید میں مسلمہ بات

مشرکین کے خیالات کی تردید کیلئے ایک ایسی بات ارشاد فرمائی جارہی ہے جس کی حقیقت اور صحت پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا۔ وہ بات یہ ہے کہ آدمی اپنی تکالیف اور اپنے غموں میں اس ذات کو پکارنے کی کوشش کرتا ہے جس میں کم از کم دو صلاحیتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ (۱) جس کو وہ پکار رہا ہے وہ اس کی پکار کو سنتا ہو۔ اور پھر جو اس سے مانگ رہا ہے اس میں اسے دینے کی صلاحیت موجود ہو۔ (۲) وہ اپنے پکارنے والوں کے حالات سے ہروقت واقف ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں کسی میں نہ پائی جائیں اور پھر بھی کوئی شخص اپنی مدد کیلئے اسے پکارتا ہے اور یہ یقین بھی رکھے کہ میری پکار رائیگاں نہیں جائے گی، تو ہر جاننے والا شخص یہی کہے گا کہ اس شخص سے بڑھ کر گم کردہ راہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یا تو اس کے دماغ میں اختلال ہے اور یا یہ فریب خوردگی کا شکار ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ہوش وخرد رکھنے والا شخص ایسی غلطی کا ارتکاب کرے۔ اس آیتِ کریمہ میں یہی بات مشرکین سے فرمائی گئی ہے کہ تم جن قوتوں کو پکارتے ہو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا کوئی وجود نہیں، تم نے بعض قوتوں کا وجود فرض کر رکھا ہے اور بغیر کسی وجہ کے تم نے اپنا تعلق ان سے جوڑ رکھا ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر گمراہی یہ کہ تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہاری فریاد کو سنیں گے اور اس کا تدارک کریں گے جبکہ ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ پتھر کے بتوں کے بارے میں تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اجرامِ فلکی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اس حد تک پابند ہیں کہ وہ اس سے ہٹ کر کسی بات سے واقف نہیں۔ اور جنات اور ملائکہ کے بارے میں تم نے جو تصورات باندھ رکھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا میں تو تمہاری کسی فریاد کا جواب ان کی طرف سے تمہیں نہیں پہنچے گا لیکن قیامت کے روز جب تمہیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہونے کا موقع ملے گا تو تمہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ وہ تمہاری بندگی اور عبادت سے نفرت اور دشمنی کا اظہار کریں گے۔ اور صاف صاف انکار کریں گے کہ ہم نے انہیں کبھی اپنی بندگی کا حکم نہیں دیا۔ انہوں نے اپنے طور سے چند مفروضے قائم کئے اور اس پر زندگی میں بھٹکتے چلے گئے۔ قرآنِ کریم نے تفہیم کیلئے بعض انبیائے کرام کے واقعات بھی بیان کئے ہیں تاکہ ان کی قوموں کو اپنی گمراہی کا احساس ہوسکے۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کا ہے۔ جس طرح عیسائیوں نے ان کی طرف مشرکانہ خرافات منسوب کی ہیں وہ برسرِ مجلس ان میں سے ایک ایک بات کا انکار کریں گے۔ اور قرآنِ کریم نے پوری تفصیل سے ہمیں اس سے آگاہ کیا۔ ہے تاکہ امتِ محمدیہ اس طرح کی آلودگیوں سے محفوظ رہے۔

Marfat.com

قرآنِ کریم کو بے اثر کرنے کا ایک مکروہ طریقہ

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۷

(جب ان لوگوں کو ہماری نہایت واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے تو وہ حق کی بابت جبکہ وہ ان کے پاس آ گیا کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ ۷)

قیامت کے دن ان مشرکین اور معاندین کے ساتھ جو گزرنے والی ہے اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان کا حال یہ ہے کہ آج جب قرآنِ کریم ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے جس کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں جس کی ایک ایک بات سورج کی طرح روشن ہے۔ اور جس کی خوبیوں کا عالم یہ ہے کہ اس جیسا کلام آج تک انسان کے کانوں نے نہیں سنا۔ کسی شاعر، کسی خطیب اور کسی بڑے سے بڑے ادیب کے کلام کو بھی قرآنِ کریم کی بے مثل فصاحت و بلاغت، اس کے الفاظ کے حُسنِ انتخاب، اس کے دروبست کی آرائش و زیبائش اور اس سے بننے والے فقروں کی چستی اور شائستگی اور دلوں کو گرما دینے والے اندازِ بیان سے کوئی مناسبت نہیں۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ افصح العرب ہونے کے باوجود جو زبان بولتے تھے اسے بھی قرآنِ کریم کی زبان سے کوئی نسبت نہیں۔ اور قرآنِ کریم کی یہ خوبیاں، یہ صحیح ہے کہ ہر کہ و مہ کی گرفت میں تو آنے والی نہیں تھی، لیکن عام آدمی بھی اس کی وجد آور خطابت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے بجا طور پر ہر شخص ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ اگر محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں تو پھر ایسا بینظیر کلام ان کی زبان پر کیسے جاری ہو گیا۔ اور ایسے حیرت انگیز مضامین ان کے دماغ سے کیسے ابلنے لگے۔ اور ایسے حکمت سے بھرپور باتیں ان کا سینہ کس طرح اگلنے لگا۔ اس سے تو ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان کا کوئی غیر معمولی تعلق ہے۔ قریش کے عمائدین جب عام آدمی پر بھی قرآن کی یہ تسخیر و تاثیر دیکھتے تھے تو وہ اس کا کوئی جواب دینے کی بجائے یہ کہہ کر انہیں ٹالنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ درحقیقت جادو کا کرشمہ ہے۔ اس کی تاثیر خدائی کلام ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ محض الفاظ کی جادوگری ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۸

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں اسے محمد (ﷺ) نے خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجئے اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ کی پکڑ سے ذرا بھی نہ بچا سکو گے، وہ خوب جانتا ہے جو باتیں تم بناتے ہو اور وہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کیلئے کافی ہے، اور وہ بڑا درگزر کرنے والا اور مہربان ہے۔ ۸)

Marfat.com

مخالفین کے اتہامات کا جواب

مخالفین کے اعتراضات میں سے سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ قرآنِ کریم کو نبی کریم ﷺ نے خود لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اور اسے وہ افترا کے نام سے یاد کرتے تھے قرآنِ کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے نہایت تعجب اور برہمی کا اظہار کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی اور نبوت کے بعد کے بھی چند سال آنحضرت ﷺ نے تمہارے درمیان میں کر گزارے۔ آپ کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ جس کا ہر صفحہ تم بڑی آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔ آپ کا بچپن، آپ کا لڑکپن، آپ کا آغازِ شباب، آپ کی بھرپور جوانی، آپ کی تجارت، آپ کی شادی، آپ کی اولاد، کوئی چیز بھی ان سے مخفی نہ تھی۔ اور ان تمام ادوار کے حوالے سے تمام اہلِ مکہ اس بات پر اتفاق رکھتے تھے کہ صدق و دیانت، عہد و پیمان کی پابندی، سیرت و کردار کی پاکیزگی، عزائم کی بلندی، ہمدردی و غمگساری کے جذبات، ان میں سے کسی بات میں بھی اہلِ مکہ میں دو رائے نہیں پائی جاتی تھیں۔ ہر شخص آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتا۔ اور مکے بھر میں کوئی شخص آپ سے زیادہ ہر دلعزیز اور عزت و تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بایں ہمہ ان کا یہ الزام کہ آپ نے اللہ تعالیٰ پر اتنا بڑا جھوٹ باندھا ہے کہ خود ایک کتاب لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی ہے۔ یہ بات کہنے والوں کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ جس کی زندگی کے بارے میں تم اتنے بلند خیالات رکھتے ہو اور پھر اس پر اتنا گھٹیا الزام بھی لگاتے ہو۔ چنانچہ اس پر نفرت انگیز تعجب کا اظہار کرنے کے بعد اس بات کو اس قابل نہیں سمجھا کہ دلائل سے اس کا جواب دیا جائے۔ کیونکہ الزام لگانے والے خود جانتے تھے کہ ہماری بات میں کوئی صداقت نہیں۔ چنانچہ اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ان سے یہ کہیے کہ اگر بقول تمہارے میں نے واقعی اللہ تعالیٰ پر اتنا بڑا افترا کیا ہے تو پھر یقین جانو کہ باوجود اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آئے گی تو سب مل کر بھی مجھے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا نہیں سکو گے۔ اس سے صرف اس جرم کی شناعت کو ظاہر کرنا پیشِ نظر ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی فرمائی کہ تم جس طرح بے روک ٹوک بولنے کے عادی ہو گئے ہو اور رائی کو بربت بنا دینا تمہارے لئے معمولی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تم نے مجھ پر افترا جیسا الزام لگایا ہے، لیکن یہ بات کبھی نہ بھولو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان سخن سازیوں اور حد سے بڑھی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے میں تمہارے اس الزام کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کرتا ہوں۔ تم ایک بے ثبوت اور بے دلیل بات کہہ رہے ہو۔ ایسے موقع پر ہر شریف آدمی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا اور وہی بات میں بھی کہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہی کیلئے کافی ہے۔ تمہاری اس طرح کی باتوں سے تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھنا چاہئے تھا لیکن وہ تمہیں سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ آخری دم تک وہ سنبھلنے کا موقع دیتا ہے اور توبہ کے امکانات کو کھلا رکھتا ہے۔

Marfat.com

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۹﴾

(آپ ان سے کہئے کہ میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، اور میں تو صرف ایک صاف صاف آگاہ کردینے والا ہوں۔ ۹)

ایک اور اعتراض کا جواب

قریش اور دیگر مشرکین کے نزدیک آپ کی نبوت کے انکار کے جو اسباب تھے ان میں بڑا سبب یہ تھا کہ آپ ہماری طرح کے ایک انسان ہیں جو کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے، کاروبار کرتا ہے، اس کے بیوی بچے ہیں، اس کی وہی ضروریات ہیں جو باقی انسانوں کی ہیں، کوئی غیر معمولی بات اس میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ وہ جب لوگوں تک اپنی نبوت کا پیغام پہنچاتا ہے تو کوئی فرشتہ اس کے ہمراہ نہیں ہوتا جو لوگوں کو اس کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں تنبیہ کرے۔ نہ وہ اپنے پاس کوئی غیر معمولی خزانے رکھتا ہے جن سے جسے چاہے نواز دے۔ اور نہ اس کے ایسے غیر معمولی معجزات ہیں جو بنجر اور پتھریلی زمینوں سے لہلہاتے ہوئے نخلستان اٹھا دے۔ تو ایسے عام سے ایک شخص کو آخری نبی یا رسول کیسے تسلیم کرلیا جائے۔ اور نہ اس کے پاس کے غیب جاننے کا کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ لوگوں کے مستقبل سے متعلق غیر معمولی سوالات کا جواب دے سکے۔ تو پھر اس کی برتری کو کس طرح تسلیم کرلیا جائے۔ قرآن کریم نے نہایت اعجاز اور ایجاز کے ساتھ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے کب تمہارے سامنے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں ایک نرالا رسول بن کر آیا ہوں۔ مجھے رسول ہونے کا دعویٰ ضرور ہے لیکن بالکل ویسا رسول جیسے اس سے پہلے رسول گزرے ہیں۔ کیا اگر میں انسان ہوں تو حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق، حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام جیسے لوگ انسان نہیں تھے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ کیا وہ میری طرح کھاتے پیتے نہیں تھے، کیا بالکل میری طرح ان کے بیوی بچے نہیں تھے، کیا بالکل میری طرح ان کی قرابت داریاں نہیں تھیں، کیا وہ لوگوں کے پاس علمِ وحی لے کر آئے تھے یا مستقبل کی غیب کی خبریں لے کر۔ لوگ ان سے دنیوی اور اخروی فلاح و کامرانی کی باتیں سیکھتے تھے، علمِ غیب سے متعلق سوالات تو نہیں کرتے تھے۔ تو پھر تم نے میری رسالت کیلئے یہ خود ساختہ اصول کہاں سے اختیار کر لئے۔ میں بالکل پہلے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا آخری رسول بن کر آیا ہوں۔ مجھے غیب دانی کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تمہارے طرح بے خبر آدمی ہوں۔ وہ باتیں جو دنیوی اور اخروی طور پر انسان کی فلاح کی ضامن ہیں اور جس سے انسانیت توانا ہوتی، انسانی اقدار کو استحکام ملتا اور انسانی زندگی صحیح نہج پر استوار ہوتی ہے، میں ان کا سب سے زیادہ علم لے کر آیا ہوں۔ میں جس طرح سید الاولین اور آخرین ہوں، اسی طرح اولین و آخرین میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوں۔ بایں ہمہ میں اپنے طرف سے کچھ نہیں کہتا، میرے علم کا سرچشمہ وحیِ خداوندی ہے۔ وحی کے ذریعے جو بات بھی مجھے بتادی جاتی ہے وہ میں انسانوں تک پہنچا دیتا ہوں۔ میں خود بھی اسی کی پیروی کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی اسی کی پیروی کا حکم دیتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کل کو میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ جب بھی ان کے بارے میں وحیِ خداوندی نازل ہوگی تو میں ان باتوں کے بارے میں جان پاؤں گا۔ کیونکہ اس کے سوا میرے پاس جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ شیخ سعدی نے اسی بات کو سمیٹتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا:

Marfat.com

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار
ہر کسے گوید کہ می داند ازو باور مداد
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تانہ گفتے جبرائیل
جبرائیل ہرگز نہ گفتے تانہ گفتے کردگار

بعض مفسرین نے آیتِ مذکورہ کا حاصل بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ سے درحقیقت یہ بات کہلوائی جارہی ہے کہ میں امورِ غیبیہ کے علمِ محیط میں اللہ تعالیٰ کی طرح نہیں اور ان کے علم میں خود مختار بھی نہیں۔ بلکہ مجھے بواسطۂ وحیِ خداوندی جو کچھ بتلا دیا جاتا ہے وہ میں ذکر کردیتا ہوں۔

تفسیر روح المعانی میں اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت اور دنیا میں پیش آنے والے اہم معاملات سے آپ کو بذریعۂ وحی باخبر نہیں کردیا گیا۔ رہا اشخاص وافراد کے جزوی شخصی حالات ومعاملات کا علم نہ کوئی کمال ہے اور نہ ان کے نہ ہونے سے کمالِ نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

بعض حضراتِ مفسرین کا خیال یہ ہے جسے قرطبی نے بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک آیت میں اِلَّا بمعنی استثناء نہیں۔ اس لئے نفی علمِ غیب کو امورِ دنیا کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ کیونکہ آخرت کے متعلق تو واضح طور پر آپ کو بتلا دیا گیا ہے کہ کافر دوزخ میں ہوں گے اور مومن جنت میں جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠

(اے پیغمبر ان سے پوچھئے کہ اس وقت کیا ہوگا اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا، اور تم نے اس کا انکار کردیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسے کلام پر گواہی بھی دی ہے سو وہ تو اس پر ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۱۰)

نفع وضرر کے حوالے سے سوال اور ایک حوالے سے تاکید

جو شخص دلائلِ آفاق وانفس کو سمجھنے سے انکار کرتا ہے اور مشاہداتی حقیقتیں بھی اس پر اثر انداز ہونے سے قاصر رہتی ہیں تو پھر اس کی اصلاح کی آخری کوشش اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ اسے نفع وضرر کے حوالے سے فیصلہ کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ کیونکہ نفع وضرر کا حوالہ ایک ایسا حوالہ ہے جو انسانی زندگی میں ہر سطح کا آدمی اختیار بھی کرتا ہے اور اس کا گیا گزرا ذہن بھی اسے قبول کرنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اسی حوالے کے پیشِ نظر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اے پیغمبر! عقل اور ذہن کے ان مفلسوں سے یہ بات پوچھئے کہ تم ہمیشہ زندگی میں نفع کے پہلو کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اس لئے میں بھی اسی حوالے سے تم سے کہتا ہوں کہ اگر قیامت کے دن یہ حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آگئی کہ

Marfat.com

جس قرآن کے دنیا میں منزل من اللہ ہونے سے انکار کرتے رہے وہ تو واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل کیا گیا تھا، تو پھر تمہارا کیا بنے گا؟ کیونکہ تم تو قدم قدم پر اس کا انکار کر چکے ہو۔ اور انکار کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہیں جہنم میں پھینک دیا جائے۔ تو پھر سوچ لو کہ آج کا یہ انکار کل کو کس قدر تمہاری رسوائی کا سبب ہوگا۔ اور تم کیسی ابدی سزا میں مبتلا ہو جاؤ گے جس سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اور اس بات کو مزید مؤکد کرنے کیلئے ایک حوالہ بھی دیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جن کے اکسانے پر تم بار بار قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے سے انکار کرتے ہو، ایک گواہ بالکل اسی جیسی کتاب کی نہ صرف گواہی دے چکا ہے بلکہ اس پر ایمان بھی لا چکا ہے۔ لیکن تم اپنے تکبر پر اڑے ہوئے ہو۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اس شاہد اور گواہ سے کیا مراد ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کو مراد لیا ہے۔ کیونکہ یہودی علماء میں یہ ایک ایسے مستحکم علمی مرتبے کے مالک تھے کہ ان کے معاصرین کو بھی اس کا اعتراف تھا۔ یہ سب سے پہلے مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ جب حضورؐ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے، یہ سفر میں تھے۔ واپس آئے تو آپ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ پکار اٹھے، یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا۔ یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کا ایمان لانا، مدینے میں پیش آنے والا واقعہ ہے کا ذکر بغیر کسی قرینے کے مکی سورۃ میں کئے جانا ناقابلِ فہم معلوم ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت سعدؓ نے یہاں شاہد سے حضرت عبداللہ ابنِ سلامؓ کو مراد لیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیتِ کریمہ میں شاہد سے آپ کی ذات مراد ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون حضرت عبداللہ ابنِ سلامؓ پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ اور اسی انطباق کو صحابہ کرام شانِ نزول سے تعبیر کر دیتے تھے۔

بعض مفسرین نے سورۃ الشعراء کے آخری رکوع کی آیت اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ سے استشہاد کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہود میں علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد ایسی تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت اور آپ کی علامات کا مشاہدہ کر کے آپ پر ایمان لانے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ یہاں شاہد سے وہی علماء مراد ہیں۔

لیکن جو بات زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے اور قرآنِ کریم کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس سے سیدنا مسیح علیہ السلام مراد ہیں۔ صاحب تدبرِ قرآن نے اس قول کی تائید میں چند وجوہ بھی بیان کی ہیں ہم ان سے استفادہ کیلئے اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

> ا۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بعثت کا خاص مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ میں آنے والے کی راہ صاف کرنے آیا ہوں۔ آپ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ آخری نبی بھی ہیں اور آخری رسول بھی۔ اسی وجہ سے اس ''آنے والے'' سے آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور کو مراد لینے کی کوئی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے۔ انجیلوں کا مطالعہ کیجئے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو حضرت مسیح کی بشارت دینے کیلئے مبعوث فرمایا اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ وہ آنے والے کی راہ صاف کریں۔ انجیلوں میں اصل مضمون جو گوناگوں اسلوبوں سے سامنے آتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی بشارت ہی ہے۔ استاذ امام نے خاص اس موضوع پر انگریزی میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ انجیلوں کا

Marfat.com

اصل مقصد آنحضرت ﷺ کی تعریف اور تعارف ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جس آسمانی بادشاہت کا بار بار ذکر کیا ہے اور اس کی جو تمثیلیں بیان فرمائی ہیں وہ تمام تر آنحضرت ﷺ اور قرآن کی دعوت ہی پر منطبق ہوتی ہیں۔

۲۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت اگرچہ تورات اور زبور وغیرہ میں بھی ہے جن کے حوالے ہم پچھلی سورتوں میں نقل کر آئے ہیں لیکن حضرت مسیح علیہ السلام نے نام کی تصریح کے ساتھ آپ کی بشارت دی ہے۔ سورۃ صف میں اس کا حوالہ یوں آیا ہے:

وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (الصف: ۶)

(اور یاد کرو جب کہ عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کی جانب سے تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہوں، مصداق بن کر ان پیشگوئیوں کا جو میرے پہلے سے تورات میں موجود ہیں اور خوش خبری دیتا ہوا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا، پس جب وہ کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے)۔

قرآن نے اس آیت میں جس بشارت کا حوالہ دیا ہے وہ انجیلوں میں موجود ہے۔ بعض انجیلوں میں تو آنحضرت ﷺ کے نام نامی کی تصریح بھی بار بار وارد ہوئی ہے۔ مثلاً برناباس کی انجیل میں...... عیسائی اسی وجہ سے اس انجیل کو مستند نہیں مانتے لیکن اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا، دوسری انجیلوں میں بھی آپ کا حوالہ موجود ہے۔ اگرچہ نام غائب کر کے صرف صفات کا حوالہ باقی رہنے دیا گیا ہے اور ترجموں کے ذریعہ سے ان صفات کو بھی مسخ و محرف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم جو شخص ایمانداری کے ساتھ ان پر غور کرے گا وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی دوسرا ان کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ یہاں اشارے پر قناعت کیجئے۔ ان شاء اللہ سورۃ صف کی تفسیر میں اس مسئلہ پر ہم مفصل بحث کریں گے۔

۳۔ تیسری چیز یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیشگوئیوں میں قرآن، قرآن کی دعوت، اس دعوت کے مزاج، دنیا پر اس دعوت کے غلبہ اور اس غلبہ کے مراحل و مدارج کا نہایت صاف الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ اعراف کی تفسیر میں ہم بعض چیزوں کا حوالہ دے چکے ہیں۔ آگے سورۃ فتح کی آیت ۲۹ کے تحت بھی ہم اس مسئلہ پر بحث کرنے والے ہیں۔ قارئین کے اطمینان کیلئے بعض حوالے یہاں بھی ہم نقل کرتے ہیں۔

''یسوع نے ان سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔'' متی: باب ۲۱: ۴۱-۴۴

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے'' یوحنا: باب ۱۴: ۱۶

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' یوحنا: باب ۱۴: ۳۱

Marfat.com

اسلامی دعوت کے تدریجی فروغ کی طرف بھی متعدد تمثیلوں میں اشارے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک تمثیل جس کی طرف سورۃ فتح میں قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے، یہ ہے۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔" متی: باب ۱۳: ۳۱۔۳۲

۴۔ چوتھی اہم چیز یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس واضح شہادت کا یہ اثر تھا کہ عیسائیوں میں سے جو لوگ اصل نصرانیت پر قائم رہے یعنی ان کے خلیفہ صادق شمعون کے پیرو، وہ قرآن کے نزول کے بعد بڑے جوش و خروش سے اس پر ایمان لائے اور قرآن نے نہایت شاندار الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے۔ سورۃ مائدہ میں اس گروہ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدة: ۸۲۔۸۳)

(تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور اہلِ ایمان کی محبت میں سب سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں علماء اور راہب ہیں اور وہ تکبر کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ لوگ جب اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف اتاری گئی ہے تو حق کو پہچان لینے کے سبب سے تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے رب ہم ایمان لائے تو ہم کو تو حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ)۔ (المائدة: ۸۲۔۸۳)

تدبر قرآن میں ان آیات کی تفسیر غور سے پڑھ لیجئے۔ نصاریٰ کی تاریخ سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں ہیں اس وجہ سے ان آیات کا صحیح مفہوم ان پر واضح نہیں ہو سکا۔ یہ پال کے پیرووں کی تعریف نہیں ہے بلکہ شمعون کے پیرووں کی ہے۔ پال کے پیرو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے بھی نہیں۔ وہ اس لفظ کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس کی جگہ انہوں نے اپنے لئے مسیحی کا لفظ اختیار کیا ہے۔ شمعون کے پیرو بے شک اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے تھے۔ یہ لوگ اس شہادت کے حامل رہے جو سیدنا مسیح علیہ السلام نے آخری رسول کی بعثت کے باب میں دی تھی اور جب وقت آیا تو انہوں نے پورے جوش و خروش اور نہایت سچے جذبۂ ایمانی کے ساتھ اس کی شہادت دی۔ اسی چیز کی طرف رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اس تکبر میں مبتلا نہیں ہوئے جس میں پال اور اس کے پیرو مبتلا ہوئے۔ اس وجہ سے اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔ انہی لوگوں کے باب میں حضرت مسیح علیہ السلام نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے۔" اوپر سورۃ مائدہ کی آیت میں وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ان کے اسی وصف کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت ایک نوعیت ایک عام شہادت سے بالکل مختلف ہے۔ان کی بعثت ہی خاص اس مقصد سے ہوئی تھی کہ وہ آپ کی راہ صاف کریں اور خلق کو اس آسمانی بادشاہی کی بشارت دیں جس کا آپؐ کے ذریعہ سے ظہور ہونے والا تھا۔اس حوالہ سے قرآن نے مشرکین پر بھی حجت قائم کی ہے اور اہل کتاب پر بھی۔ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ دعوت کے اس دور میں قریش کو اہلِ کتاب کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگئی تھی۔اس وجہ سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔قرآن نے یہاں یہی دکھایا ہے کہ اسلام کی مخالفت کے جنون میں آج یہودی اور مسیحی جو حرکتیں چاہیں کریں لیکن بنی اسرائیل کا ایک عظیم شاہد اس حق کی نہایت آشکارا الفاظ میں شہادت دے چکا اور اس پر ایمان لا چکا ہے۔اس کے ایمان اور اس کی شہادت کے بعد جو لوگ محض استکبار کی بنا پر اس حق کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اپنا انجام اچھی طرح سوچ لیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ
هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَ
هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى
لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ
ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ
قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ

Marfat.com

ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ
فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْ
قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ
مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ
وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ
بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

رکوع: ۲۔ (اور جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے وہ ایمان لانے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان لانا کوئی اچھا کام ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاسکتے تھے، اور چونکہ انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہ کی، تو اب وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔ ۱۱) اور اس کے پہلے سے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کے طور پر موجود ہے، اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں تا کہ ان لوگوں کو خبردار

Marfat.com

کر دے جنہوں نے ظلم کیا ہے اور بشارت ہے خوبکاروں کیلئے۔ ۱۲) بے شک جو لوگ پکار اٹھے کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے ان کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۱۳) یہی لوگ اہلِ جنت ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ ۱۴) اور ہم نے انسان کو ان کے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت کی، اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور دکھ کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کو دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوا، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے سنبھال کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا، اور وہ نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو، اور میری اولاد میں بھی میرے نیک بخت وارث اٹھا، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں تیرے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں۔ ۱۵) یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہترین اعمال کو قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کر جاتے ہیں یہ جنتی لوگوں میں شامل ہوں گے یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا رہا ہے۔ ۱۶) اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا تُف ہے تم پر، کیا تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی نسلیں گزر چکی ہیں، ماں باپ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرا ناس ہو، ایمان لے آ، بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، مگر وہ کہتا ہے یہ سب اگلے وقتوں کے فسانے ہیں۔ ۱۷) یہ وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ان گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزرے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک یہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہیں۔ ۱۸) اور ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا ان کو پورا بدلہ دے، اور ان پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ۱۹) جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جہنم کے سامنے لا کھڑے کیئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کر چکے اور تم ان کا لطف اٹھا چکے، آج تمہیں ذلت کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کرتے رہے ہو، اور اس سبب سے جو تم نافرمانی کرتے رہے ہو۔ ۲۰)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۗ
وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾

(اور جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے وہ ایمان لانے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان لانا کوئی اچھا کام ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جا سکتے تھے، اور چونکہ انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہ کی، تو اب وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔ ۱۱)

Marfat.com

منکرین کے تکبر کی ایک مثال

آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مخالفین آپ کی دعوت برحق کے باطل ہونے پر جو دلائل دیتے تھے اور جن سے عوام الناس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے ان میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم پر ایمان لانے والے عام طور پر دو طرح کے لوگ ہیں، یا تو انتہائی غریب اور پسماندہ طبقے کے لوگ جنہیں عرب معاشرے میں کوئی مقام و مرتبہ حاصل نہیں اور ان ہی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں تو رکھتے ہیں لیکن غلام ہونے کی وجہ سے انہیں فیصلہ کرنے کی آزادی میسر نہیں۔ اور یا پھر آپ پر ایمان لانے والے نوجوان طبقے کے لوگ تھے۔ جن میں قریش کے بڑے بڑے خاندانوں کے چشم و چراغ بھی تھے۔ لیکن عرب معاشرے میں جوانوں کو قوت کا سامان تو سمجھا جاتا تھا لیکن ان کی فہم وفراست اور اصابتِ رائے پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ ابھی ان پر جوانی کے اثرات غالب ہیں، انہوں نے زندگی کے تلخ تجربات کا مزہ نہیں چکھا۔ تیسرا طبقہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مخالفین پر مشتمل تھا۔ ان میں ادھیڑ عمر کے لوگ بھی تھے اور عمر رسیدہ بھی۔ ان میں باغات کے مالک بھی تھے اور وسیع کاروبار رکھنے والے تاجر بھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی فہم وفراست پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور ہر مشکل معاملے میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور ان کی رائے کو فوقیت دی جاتی تھی۔ چنانچہ اسی حوالے سے وہ یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ ہم چونکہ صاحب بصیرت لوگ ہیں زندگی کے تجربات ہمارے ہمرکاب ہیں، معاشرے میں ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی ایسی بات جسے ہم قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تو وہ یقیناً ایسی ہوگی جو علم و دانش کے معیار پر پوری نہیں اترتی ہوگی۔ اور انسانی تجربہ اس کی افادیت اور عظمت کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوگا۔ بنابریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دونوں طبقات جن کی فہم وفراست پر اعتماد نہیں کیا جاتا وہ اگر کسی دعوت کو قبول کر لیتے اور کسی حقیقت کو زندگی کا سرمایہ بنا لیتے ہیں تو یقیناً ان سے بھول ہوئی ہے۔ وہ فریب خوردگی کا شکار ہوگئے ہیں۔ اسلام میں اگر ایسی ہی عظمت ہوتی تو یقیناً اس کا مالدار اور بااثر طبقہ اسے قبول کرتا اور معاشرے کے غیر مؤثر طبقات اس کی مخالفت کرتے۔ لیکن اب جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی اپیل نہیں جس کی وجہ سے اسے قبول کیا جاسکے۔ اور اس میں زندگی کے مسائل کا ایسا حل نہیں جس سے انسان کو اپنے دکھوں کا مداوا مل سکے۔ چنانچہ یہ وہ دلیل تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ دوسری بات اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اب جبکہ قریش اور دیگر سرورآوردہ لوگوں نے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے تو وہ اپنے فیصلے کو صحیح ثابت کرنے کیلئے یقیناً یہ بات بھی کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت اور آپ کے لائے ہوئے دین میں نہ صرف یہ کہ کوئی خیر نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک پرانا جھوٹ ہے جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ ہر دور میں کچھ لوگ اسی قسم کے ڈراوے سنا کر لوگوں پر اپنی دھونس جماتے رہے ہیں۔ اگر ان کی بات میں کچھ بھی سچائی ہوتی تو جس قیامت کا وہ بار بار حوالہ دیتے رہے ہیں یا جس عذاب آنے کی دھمکی دیتے رہے ہیں آخر وہ آج تک وقوع پذیر کیوں نہیں ہوا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ محض لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کی ایک کوشش ہے تاکہ کمزور طبعیتوں کے لوگ ان کی ان باتوں سے متاثر ہو کر ان کی دعوت کو قبول کر لیں۔

Marfat.com

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

(اوراس کے پہلے سے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کے طور پر موجود ہے، اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں تا کہ ان لوگوں کو خبردار کردے جنہوں نے ظلم کیا ہے اور بشارت ہے خوبکاروں کیلئے۔ ۱۲)

منکرین کے جواب میں تورات سے استشہاد

آنحضرت ﷺ کی دعوت میں پیش کیے جانے والے اہم نکات کو اشرارِ قریش نے اوپر والی آیتِ کریمہ میں پرانا جھوٹ قرار دیا ہے، اس آیت کریمہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی توحید، اپنی اور قرآنِ کریم کی صداقت، اس کا کلام اللہ ہونا، اور آخرت کی حقیقت کو دلائل کے ساتھ آپ پیش فرما رہے ہیں اور مشرکین کو چونکہ قیامت کے آنے کا یقین نہیں، اس لئے قرآنِ کریم بار بار اس بنیادی تصور کو ان کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کی کوشش کررہا ہے کیونکہ اس کے رسول کے بغیر انسانی زندگی میں تبدیلی کے عمل کا آغاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان حقائق کے حوالے سے یہاں یہ بات فرمائی جارہی ہے کہ اگر یہ سب باتیں جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں تو پھر جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور جتنے رسولانِ گرامی جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں تو وہ تمام تر اسی جھوٹ کی دعوت ہی پر تو مشتمل ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر پیغمبر نے اسی حقیقت کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔ اہلِ عرب کو اگر ملتِ ابراہیمی پر اعتماد ہے اور بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت کی صداقت پر یقین ہے تو پھر وہ آنحضرت ﷺ اور قرآنِ کریم کی دعوت کو پرانا جھوٹ کیسے قرار دے سکتے ہیں بلکہ قرآنِ کریم اور آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی اسی طرح انسانوں کیلئے امام اور رحمت ہے جیسے تورات اور انجیل، اور وہ رسولانِ گرامی جن پر یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ کیونکہ تورات میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں موجود تھیں، تو آپ کی تشریف آوری درحقیقت ان پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ اور آپ نے تشریف لا کر ان پیشگوئیوں میں سے ہر پیشگوئی کی تصدیق کردی۔ اور جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے وہ تو آئے ہی آنحضرت ﷺ کی نبوت کا راستہ صاف کرنے کیلئے تھے۔ اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں یعنی تورات اور انجیل ان کے ماننے والوں کیلئے امام بھی تھیں اور رحمت بھی۔ امام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب دنیا میں رہنمائی کرتی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ بنتی ہے۔ جس طرح امام کی اقتداء لازمی ہے اسی طرح زندگی کے معاملات میں اس کتاب کی اقتداء بھی واجب ہے۔ اگر اس کی یہ حیثیت باقی نہ رہے تو خواہ زبان سے اس کا کتنا بھی احترام کیا جائے، لیکن اس کی اطاعت کے بغیر اس احترام کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر قرآنِ کریم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا مزید فضل و احسان یہ ہے کہ اسے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تا کہ اہلِ عرب اس کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اور مزید یہ بات بھی کہ اس میں تورات کی اس پیشگوئی کی تصدیق ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آخری رسول اُمیوں میں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ اور بنی اسماعیل کی زبان چونکہ عربی تھی اس وجہ سے ان کی زبان کا حوالہ گویا خود ان کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ اور آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اس کتاب کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے شرک و کفر میں مبتلا ہو کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا جائے تا کہ وہ اگر سنبھلنا چاہیں تو سنبھل جائیں۔ اور جو لوگ قرآنِ کریم پر ایمان لائے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق انہوں نے زندگی گزاری ہے ان کیلئے خوشخبری اور بشارت ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

(بے شک جو لوگ پکار اٹھے کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے ان کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۱۳)
یہی لوگ اہلِ جنت ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ ۱۴)

محسنین کے کردار کی وضاحت

اوپر والی آیتِ کریمہ میں محسنین کا ذکر ہوا ہے اور ان کیلئے بشارت کا بھی۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں دونوں کی وضاحت کی گئی ہے کہ محسنین وہ لوگ ہیں جو ہر طرح کے خوف میں مبتلا ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ نہ وہ کسی اور کے سامنے سر جھکاتے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قبلہ مقصود سمجھتے ہیں، نہ وہ اس کے سوا کسی کی حقیقی حاکمیت کے قائل ہیں، اور نہ کسی کے سامنے یہ سمجھ کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں کہ وہی وسائلِ رزق کا مالک ہے۔ اور پھر ان خیالات کو اپنے دل تک محدود نہیں رکھتے بلکہ نامساعد حالات اور مخالفانہ ماحول میں بھی نہایت جرأت کے ساتھ ان کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اگر اس کی قیمت ادا کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ ہر قیمت کی ادائیگی پر استقامت دکھاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محسنین کہلانے کے مستحق ہیں اور صحابہ کرام ایسے ہی تھے۔ ان کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ نہ ان کیلئے مستقبل کا کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ماضی کا کوئی غم۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت میں رہیں گے اور جنت کے مالک ہوں گے۔ اور سب سے بڑے اعزاز کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت جیسا انعام دیتے ہوئے اسے ان کے اعمال کا صلہ قرار دے گا۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّ وَضَعَتْہُ کُرْھًا ؕ وَحَمْلُہٗ وَفِصٰلُہٗ
ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ
نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ
ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾

(اور ہم نے انسان کو ان کے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت کی، اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور دکھ کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کو دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوا، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے سنبھال کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا، اور وہ نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو، اور میری اولاد میں بھی میرے نیک بخت وارث اٹھا، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں تیرے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں۔ ۱۵)

Marfat.com

انسان کی فطرت میں حقوق وفرائض کا شعور اور اس کا ارتقاء

اوپر کی آیتِ کریمہ میں اہلِ جنت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان بنیادی ہدایات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور ان کو قبول کر لینے کے نتیجے میں انسان بالآخر جنت کا وارث ہو جاتا ہے۔ ان فطری ہدایات میں سب سے پہلی ہدایت جو انسان کو دی گئی ہے وہ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہے۔ اور یہی وہ تعلق ہے جس سے انسان کو سب سے پہلا واسطہ پیش آتا ہے۔ اور اس تعلق کی بنیاد یہ ہے کہ ایک طرف دنیا میں آنے والے انسان کی بے بسی، بے چارگی اور تہی دامنی ہے۔ اور دوسری طرف احسانات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ انسان کی فطرت سب سے زیادہ احسانات سے متاثر ہوتی ہے۔ انسان نصیحت سے بھی متاثر ہوتا ہے اور نصیحت آموز واقعات سے بھی۔ اچھا ماحول بھی انسان کو بنانے میں مؤثر رول ادا کرتا ہے۔ اور تعلیم و تربیت اس رول کی تکمیل کا فرض انجام دیتے ہیں۔ لیکن ان تمام مؤثرات میں سب سے مؤثر چیز انسان پر کیا جانے والا احسان ہے جس سے وہ فوری متاثر ہوتا ہے۔ اور اگر حالات نے اس کی فطرت کو بگاڑ نہیں دیا تو دیر تک اس تاثر کو قائم رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے انسان جب دیکھتا ہے کہ دنیا میں میرے وجود کا سبب میرے والدین ہیں۔ اور اسی طرح میری زندگی کے امکانات ان کی محبت سے وابستہ ہیں۔ اور میری افزائش بلکہ میری بقاء ان ہی کے دم قدم سے ہے۔ ہدایت اگرچہ دونوں سے حُسنِ سلوک کی کی گئی ہے لیکن احسان کے پہلو کو ابھارتے ہوئے والدہ کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک نوخیز اور الہڑ لڑکی کس طرح زندگی کا پہلا تجربہ ہونے کے باوجود ایک طویل عرصے تک بچے کی امانت کو پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے۔ اور پھر مدت کے اختتام پر اس قدر تکلیف کے ساتھ اسے جنتی ہے کہ زندگی اور موت کا فاصلہ کم رہ جاتا ہے۔ اور پھر جب یہ خوبصورت بچہ اس کی گود میں آتا ہے تو اتنا بے بس اور بے کس ہوتا ہے کہ نہ اس کے حواس کام دیتے ہیں اور نہ اس کا شعور روشن ہوتا ہے۔ وہ نہ اپنی ماں کو پہچانتا ہے اور نہ اپنے باپ کو۔ اسے یہ تک معلوم نہیں کہ میری غذا کہاں ہے۔ لیکن ماں کی مامتا اسے نہایت بے تابی سے اپنے سینے سے لگاتی ہے۔ اپنی تمام تکلیفیں بھول کر اپنے خونِ جگر کو دودھ کی صورت میں اس کے اندر منتقل کرتی ہے۔ وہ روتا ہے تو یہ پریشان ہوتی ہے، ہنستا ہے تو اس کی زندگی میں بہار آجاتی ہے۔ انگلی پکڑ کر اسے چلنا سکھاتی ہے، ہر تکلیف دہ بات سے اسے محفوظ رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ مدتِ رضاعت کے ختم ہونے پر اس کا دودھ چھڑاتی ہے۔ پیٹ میں بچے کا اٹھانا، پھر بچے کو جنم دینا اور پھر اس کو دودھ پلانا یہ تین وہ مشقت طلب اور تکلیف دہ مراحل ہیں جن سے ماں گزرتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ماں کا حق باپ سے تین گنا ذکر فرمایا ہے جب ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے بعد حق مجھ پر کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ماں کا۔ انہوں نے پوچھا پھر کس کا؟ آپؐ نے فرمایا ماں کا۔ انہوں نے تیسری دفعہ پوچھا اس کے بعد کس کا؟ آپؐ نے پھر فرمایا ماں کا۔ اور چوتھی دفعہ پوچھنے پر فرمایا باپ کا۔ اس حدیث سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ انسان کو ہدایت تو ماں باپ دونوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی کی گئی۔ لیکن ذکر صرف ماں کی قربانیوں کا کیا گیا ہے۔ اور باپ کی کسی قربانی کا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجوہ کیا ہیں، حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین وجہ ہیں (۱) کہ اولاد کی ابتدائی پرورش میں ماں کا جو حصہ ہے وہ باپ کا نہیں۔ (۲) ماں کا تعلق جنسِ ضعیف سے ہے اس لئے اس کے ضعف کی وجہ سے ضروری تھا کہ اولاد کو اس کی خدمت کی طرف توجہ دلائی جاتی۔ (۳) بالعموم باپ سے اولاد کا مادی مفاد وابستہ ہوا ہے۔ وراثت میں جو

Marfat.com

کچھ ملتا ہے وہ عموماً باپ سے ملتا ہے۔اس احتیاج کی بنا پر باپ کے معاملے میں کوتاہی یا نافرمانی کا اندیشہ کم ہوتا ہے۔اس لئے اصولی ہدایت دینے کے بعد ماں کی تکالیف اور خدمات کا ذکر زیادہ فرمایا گیا۔لیکن جہاں تک حُسنِ سلوک اور خدمت و اطاعت کا تعلق ہے قرآنِ کریم میں جابجا دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضی میں ہے۔اس لحاظ سے اولاد پر دونوں کی خدمت و اطاعت واجب ہے۔اور قرآنِ کریم میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اولاد کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنی اطاعت اور مہر و محبت کے بازو ان کیلئے ہمیشہ جھکائے رکھے۔اور ان کی کسی بات پر کبھی اُف تک نہ کہے۔اور اس کی کسی بات سے کبھی بیزاری کا اظہار نہ ہونے پائے۔

اس آیتِ کریمہ میں دودھ چھڑانے اور حمل کی مدت تیس ماہ ذکر فرمائی گئی ہے جبکہ سورۃ لقمان اور سورۃ البقرۃ میں مکمل مدتِ رضاعت چوبیس ماہ مقرر کی گئی ہے۔اس سے بعض فقہائے صحابہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ وضع حمل کی اقل مدت چھ مہینے ہے۔اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی نے اپنی تفسیر میں حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے قبیلہ جہینہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور شادی کے چھ ہی مہینے بعد اس کے ہاں صحیح و سالم بچہ پیدا ہو گیا تو اس شخص نے حضرت عثمانؓ کے سامنے لاکر یہ معاملہ پیش کر دیا۔آپؓ نے اس عورت کو زانیہ قرار دے کر حکم دیا کہ اسے رجم کر دیا جائے۔حضرت علیؓ نے یہ قصہ سنا تو فوراً حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا یہ آپؓ نے کیا فیصلہ کر دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ نکاح کے چھ مہینے بعد اس نے زندہ سلامت بچہ جن دیا، کیا یہ اس کے زانیہ ہونے کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: نہیں۔پھر انہوں نے قرآن مجید کی مذکورہ بالا تینوں آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھیں۔سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس باپ کیلئے جو رضاعت کی پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔'' سورۃ لقمان میں فرمایا ''اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگا ہے۔'' اور سورۃ احقاف میں فرمایا ''اس کے حمل اور اس کا دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے۔'' اب اگر تیس مہینوں میں سے رضاعت کے دو سال نکال دیئے جائیں تو حمل کے چھ مہینے رہ جاتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت جس میں زندہ سلامت بچہ پیدا ہو سکتا ہے، چھ مہینے ہے۔لہٰذا جس عورت نے نکاح کے چھ مہینے بعد بچہ جنا ہو اسے زانیہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔حضرت علیؓ کا یہ استدلال سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا اس بات کی طرف میرا ذہن بالکل نہ گیا تھا۔پھر آپ نے عورت کو واپس بلوایا اور اپنا فیصلہ بدل دیا۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کے استدلال کی تائید حضرت ابنِ عباسؓ نے بھی کی اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے فیصلے سے رجوع فرمالیا (ابن جریر، احکام القرآن للجصاص، ابن کثیر)

ان تینوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے جو قانونی احکام نکلتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) جو عورت نکاح کے بعد چھ مہینے سے کم مدت میں صحیح و سالم بچہ جنے (یعنی وہ اسقاط نہ ہو بلکہ وضع حمل ہو) وہ زانیہ قرار پائے گی اور اس کے بچے کا نسب اس کے شوہر سے ثابت نہ ہوگا۔

Marfat.com

(۲) جو عورت نکاح کے چھ مہینے بعد یا اس سے زیادہ مدت میں زندہ سلامت بچہ جنے اس پر زنا کا الزام محض اس ولادت کی بنیاد پر نہیں لگایا جاسکتا، نہ اس کے شوہر کو اس پر تہمت لگانے کا حق دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا شوہر بچے کے نسب سے انکار کرسکتا ہے۔ بچہ لازماً اسی کا مانا جائے گا، اور عورت کو سزا نہ دی جائے گی۔

(۳) رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ اس عمر کے بعد اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پیا ہو تو وہ اس کی رضاعی ماں قرار نہیں پائے گی اور نہ وہ احکامِ رضاعت اس پر مترتب ہوں گے جو سورۃ نساء آیت ۲۳ میں بیان ہوئے ہیں۔ اس معاملہ میں امام ابوحنیفہ نے برسبیلِ احتیاط دو سال کی بجائے اڑھائی سال کی مدت تجویز کی ہے تاکہ حرمتِ رضاعت جیسے نازک مسئلے میں خطا کر جانے کا احتمال باقی نہ رہے۔

اس مقام پر جان لینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ جدید ترین طبی تحقیقات کی رو سے ماں کے پیٹ میں ایک بچے کو کم از کم ۲۸ ہفتے درکار ہوتے ہیں جن میں وہ نشو و نما پا کر زندہ ولادت کے قابل ہوسکتا ہے۔ یہ مدت ساڑھے چھ مہینے سے کچھ زیادہ بنتی ہے۔ اسلامی قانون میں نصف مہینے کے قریب مزید رعایت دی گئی ہے کیونکہ ایک عورت کا زانیہ قرار پانا اور ایک بچے کا نسب سے محروم ہو جانا بڑا سخت معاملہ ہے اور اس کی نزاکت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ماں اور بچے دونوں کو اس کے قانونی نتائج سے بچانے کیلئے زیادہ سے زیادہ گنجائش دی جائے۔ علاوہ بریں کسی طبیب، کسی قاضی، حتیٰ کہ خود حاملہ عورت اور اسے بارور کرنے والے مرد کو بھی ٹھیک ٹھیک یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ استقرارِ حمل کس وقت ہوا ہے۔ یہ بات بھی اس امر کی متقاضی ہے کہ حمل کی کم سے کم قانونی مدت کے تعین میں چند روز کی مزید گنجائش رکھی جائے۔

اس کے بعد اس بچے کی عمر کی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے جس میں اس نے اپنے لئے اور اپنے والدین کیلئے حُسنِ عمل کی دعا کی ہے۔ اور زندگی کی جس حقیقت کو اس نے اپنے والدین سے سیکھا ہے اس کیلئے اس نے اپنی اولاد میں وارث اٹھانے کی التجا کی ہے اور بات کو لپیٹتے ہوئے یہ کہا ہے کہ میں یہ التجائیں اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کا تمام اثاثہ تیرے حضور ڈھیر کر دیا ہے۔ اور میری زندگی کا طرزِ عمل تیری بارگاہ میں خود سپردگی کا طرزِ عمل ہے کہ میں تیرے لئے جینا چاہتا ہوں اور تیرے لئے مرنا چاہتا ہوں۔

آیت کے متضمنات میں غور کا نتیجہ

اس آیت کے متضمنات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی جو چیز بچے کی بلوغ کی عمر کو پہنچنے پر ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنے ماں باپ کے احسانات کو زندگی میں آنے کے پہلے دن سے لے کر بلوغ کی عمر تک ملاحظہ کیا اور پھر رشد و ہدایت کی عمر کو پہنچ کر اس پر غور کیا تو اس نے محسوس کیا کہ میرے والدین کے لاانتہا احسانات ہیں جس نے مجھے ان کے حقوق میں جکڑ رکھا ہے۔ انہوں نے جس طرح مجھے پالا پوسا، لکھایا پڑھایا اور اس عمر تک پہنچایا ہے اور ابھی یہ سلسلہ مزید جاری ہے اس سے بار بار میری فطرت مجھے پکارتی ہوئی سنائی دیتی ہے

Marfat.com

کہ دیکھنا تیری جوانی ان کے بڑھاپے کیلئے مسئلہ بننے کی بجائے سہارا بنی چاہئے۔ تیرے بازوؤں کی قوت ان کی خدمت واطاعت میں صرف ہونی چاہئے۔ انہوں نے تجھے جس طرح ہر خطرے اور دکھ سے دور رکھنے کی کوشش کی اسی طرح اب ان کی نگہداشت اور ان کی حفاظت تیری ذمہ داری ہے۔ یہی سوچ کا سفر جب آگے بڑھا تو اس نے سوچا کہ میرے ماں باپ کے مجھ پر بے پایاں احسانات اپنی جگہ لیکن سوال یہ ہے کہ میرے ماں باپ کو وجود کس نے بخشا، مجھے ان کا بیٹا کس نے بنایا، وہ جو کچھ مجھ پر احسانات کرتے رہے اس کی طاقت اور صلاحیت کس نے ان کو عطا کی، میری ماں کے اندر ماں تا کا وجود اور میرے باپ میں میرے ہر ارمان پورا کرنے کی خواہش کو کس نے جنم دیا۔ یقیناً وہ میرا اور ان کا خالق و مالک ہے۔ اگر ان کے مجھ پر حقوق ہیں تو اس کا حق تو اس سے بھی زیادہ اہم اور مقدم ہے۔ چنانچہ مسلسل اس نے خیالات کی اسی مشعل کو ہاتھ میں لے کر زندگی کا سفر جاری رکھا۔ حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر جب اس کے جذبات ڈھلنے لگے اور اولاد جوان ہونے لگی تو پھر اس نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کی بہتری کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔ اسی سے حُسنِ عمل کی توفیق مانگی، اسی سے اپنی اولاد کیلئے اچھا وارث بننے کی التجا کی۔ کیونکہ رشد وہدایت کی عمر کے بعد آدمی جہد وعمل کے میدان میں اترتا ہے اور چالیس سال کی عمر کے بعد اپنی اولاد کی فکر ہونے لگتی ہے۔ پھر اپنے ساتھ ان کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے توفیقِ عمل مانگتا ہے۔ چنانچہ یہ وہ فطری ارتقاء ہے جس پر چلنے کی انسان کو ہدایت کی گئی تھی۔ اس ہدایت کا سر رشتہ ایک طرف اس کی فطرت سے باندھا گیا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ہاتھوں میں دیا ہے۔ اور یہی وہ روشنی ہے جس سے انسان اکتسابِ نور کرے تو کبھی اندرونی اور بیرونی تاریکیوں میں بھٹکنے نہیں پاتا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

(یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہترین اعمال کو قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرجاتے ہیں یہ جنتی لوگوں میں شامل ہوں گے یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا رہا ہے۔۱۶)

یعنی جو لوگ ایک فطری ترتیب کے مطابق ماں باپ کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی، پھر اللہ تعالیٰ ہی سے حُسنِ عمل اور حُسنِ انجام کی دعا کرتے ہیں اور اپنی اولاد کی بھلائی اسی سے چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں جو بہتر سے بہتر عمل کیا ہے آخرت میں ان کا درجہ اسی کے لحاظ سے مقرر کیا جائے گا۔ اور جو ان سے لغزشیں اور خطائیں سرزد ہوئی ہیں ان پر گرفت نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان کے ساتھ معاملہ ہم اس طرح کریں گے جیسے کریم النفس اور قدرشناس آقا اپنے خدمت گزار اور وفادار ملازموں سے کرتا ہے۔ اس کی نظر ان کے کارناموں پر ہوتی ہے جو انہوں نے جان پر کھیل کر انجام دیئے ہیں۔ ان کی چھوٹی موٹی کوتاہی کبھی ان کیلئے محرومی کا باعث نہیں بنتی۔ یہ لوگ اہلِ جنت میں شامل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے جن انعامات کا ہمیشہ ان سے وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور پکا ہے جس کی خلاف ورزی کا کوئی اندیشہ نہیں۔

Marfat.com

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَھُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

(اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا تُف ہے تم پر، کیا تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی نسلیں گزر چکی ہیں، ماں باپ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرا ناس ہو، ایمان لے آ، بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، مگر وہ کہتا ہے یہ سب اگلے وقتوں کے فسانے ہیں۔ ۱۷)

اَلَّذِیْ سے مراد

اَلَّذِیْ معرفہ ہے، عام طور پر اس سے کوئی متعین شخص مراد ہوتا ہے۔ لیکن جب تمثیل کیلئے آتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس سے کوئی خاص شخص مراد ہو، بلکہ ایسے مواقع پر ہر کوئی شخص مراد ہوتا ہے جس میں تمثیل کے اجزاء پائے جائیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لفظ سے نوعِ انسانی کا ہر فرد مراد لیا ہے اور اوصاف کے لحاظ سے ایک خاص گروہ کو پیش کیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں اس کے مقابل دوسرا گروہ مراد ہے۔ دونوں کو آمنے سامنے رکھ کر فیصلہ سامعین پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ دونوں میں سے کون سا کردار بہتر ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت دونوں کردار لوگوں میں موجود تھے۔ اس لئے تلاش کیلئے کہیں جانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور ویسے بھی یہ دونوں کردار ہمیشہ انسانوں میں موجود رہتے ہیں۔ ایک وہ کردار ہے جس کا ذکر گزشتہ آیت میں ہوا۔ اور دوسرا یہ کردار ہے جو مادر پدر آزاد زندگی گزارنے والا ہے۔ اس کو اپنے رویئے کا جائزہ لینے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔ ایسے لوگ عموماً ماں باپ کے گستاخ اور ان کے حقوق سے گریزاں ہوتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ ماں باپ نہایت دلسوزی کے ساتھ سخت سست کہتے ہوئے بھی انہیں ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن وہ جواب میں اپنے والدین کو بے وقوف ٹھہراتے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ تم بار بار مجھے قیامت کے دن جواب دہی سے ڈراتے ہو، اور بنیاد اس کی یہ ہے کہ ہم مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جائیں گے بلکہ ایک دن ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ حالانکہ اگر اس بات میں ذرا بھی سچائی ہوتی تو صدیاں گزر گئیں بلکہ امتیں گزر گئیں آج تک کوئی ایک شخص بھی زندہ ہو کر واپس نہیں آیا۔ جو مر گیا وہ ہمیشہ کیلئے مر گیا۔ رہی یہ بات کہ مختلف وقتوں میں یہ باتیں کہی جاتی رہی ہیں تو ہر دور کے افسانے ہر دور میں سنائے جاتے رہے اس لئے اسے حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

(یہ وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ان گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزرے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک یہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہیں۔ ۱۸)

Marfat.com

لا ابالیوں کا انجام

گزشتہ دو آیتوں میں ہمارے سامنے قرآنِ کریم نے دو کردار رکھے ہیں جن میں سے ایک کردار اہلِ جنت کا ہے اور دوسرا اہلِ جہنم کا۔ اس آیتِ کریمہ میں دوسرے کردار کے حاملین کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ماں باپ کی ساری کوششوں اور ہمدردانہ جھڑکیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لانے کیلئے تیار نہیں۔ اور قیامت کے وعدے کو اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیوں میں سے شمار کرتے ہیں۔ اور اس طرح سے وہ زندگی اختیار کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں جس پر اس کی خواہشِ نفس اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ بھی یہ کردار اختیار کریں گے ان پر اس عذاب کا فیصلہ پہلے سے کیا جاچکا ہے جس کے نتیجے میں وہ جہنم میں جائیں گے۔ مراد اس سے وہ عذاب ہے جس کا فیصلہ پروردگار نے ابلیس کے چیلنج کے جواب میں فرمایا تھا کہ جو لوگ بھی جنوں اور انسانوں میں سے تیری پیروی کریں گے ہم ان سب کو تیرے سمیت جہنم میں پھینکیں گے۔ جو لوگ بھی خواہشِ نفس کی پیروی میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں وہ درحقیقت ابلیس کے ساتھی ہیں۔ اور فرزندانِ آدم کو گمراہ کرنے کا چیلنج جو اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کیا تھا اس میں وہ اس کے ہمنوا ہیں۔ اور نتیجتاً وہ رب کریم کے فیصلے کی زد میں آئیں گے۔ اور یہ ایک ایسا خسارہ اور نقصان ہے جس سے بڑھ کر کسی اور نقصان کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں نے دنیوی زندگی کے عیش و آرام کی خاطر ابدی زندگی کی تباہی کو اختیار کیا۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

(اور ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا ان کو پورا بدلہ دے، اور ان پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ۱۹)

اعمال پر فیصلے کا دارومدار

اس آیتِ کریمہ میں کُلٌ سے مراد وہی دونوں گروہ ہیں جن کا سابقہ دونوں آیتوں میں ذکر ہوا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ ہم صرف اس بات پر ان کو جہنم کے بدترین عذاب میں نہیں پھینکیں گے کہ انہوں نے ابلیس کا ساتھ دیا ہے۔ ہم ان کے اعمال کا اچھی طرح جائزہ لیں گے۔ اور ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جن لوگوں اپنے ماں باپ کی اطاعت کی اور اپنے رب کے حقوق پہچانے اور زندگی اس کی بندگی میں گزاری۔ ان کے مدارج کا تعین ان کے اعمال سے کیا جائے گا۔ اور اسی اعتبار ان کو جنت کے مقامات ملیں گے۔ اور جن لوگوں نے شترِ بے مہار کی زندگی گزاری، نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق پہچانے اور نہ بندوں کے حقوق، انہیں بھی جہنم میں ان کے مراتب اور مدارج کے مطابق مقام و مرتبہ دیا جائے گا اور سزا کا تعین ہوگا۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا
وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ
فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

Marfat.com

(جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جہنم کے سامنے لا کھڑے کئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کر چکے اور تم ان کا لطف اٹھا چکے، آج تمہیں ذلت کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کرتے رہے ہو، اور اس سبب سے جو تم نافرمانی کرتے رہے ہو۔ ۲۰)

متکبرینِ قریش کا انجام

قیامت کے دن جزا و سزا کے حوالے سے اصولی بات تو اوپر کی آیات میں ہو چکی، لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں خاص طور پر متکبرینِ قریش کو سنا کر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ تم جیسے لوگوں کا حال اس دن دیکھنے کے قابل ہوگا کہ جب ایسے لوگ جہنم کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ ہم نے جو تمہیں بے شمار نعمتیں بخشی تھیں تم نے اگر ان کا حق ادا کیا ہوتا اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہوتا تو وہ تمہارے لئے آج کے دن ذخیرے کے طور پر کام آتیں۔ لیکن تم نے انہیں اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں اڑا کے ختم کر ڈالا۔ اب کوئی نعمت ایسی نہیں جو آج کے دن تمہارے کام آسکے۔ تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے پوری طرح محظوظ ہو چکے ہو۔ لیکن تمہارا وہ عمل جو تمہاری زندگی پر چھایا رہا، وہ تکبر کا عمل تھا کہ وہ نعمتیں جو سراسر اللہ تعالیٰ کی دَین تھیں جن کے حصول میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی کام آتی رہی۔ لیکن تم نے اسی دولت و ثروت کو اللہ تعالیٰ کے رسول کی غربت کا مذاق اڑانے اور مسلمانوں کو اذیت دینے کیلئے استعمال کیا۔ اور اس دولت و ثروت پر ناحق تکبر کرتے رہے۔ اور اسی پروردگار کے دین کا انکار کرتے رہے جس نے تمہیں یہ سب کچھ عطا کیا تھا۔ تمہارے اس عمل کی سزا آج تمہیں ذلت کی صورت میں ملے گی۔ اور تم نے اس تکبر کے نتیجے میں جس طرح قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑا۔ عذاب کی صورت میں تمہیں اس نافرمانی کا مذاق چکھنا ہوگا۔ اب تم چیخ پکار کرو گے، لیکن ذلیل لوگوں کی طرح تمہیں نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اور عذاب کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں تمہاری نافرمانی کی سزا تمہیں دیں گے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ
اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ
مِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ۝۲۱ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۲ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ
اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۳ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا

Marfat.com

مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا
اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ
رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا
لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ
اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

رکوع: ۳۔ اور عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے جبکہ اس نے احقاف میں اپنی قوم کو خبر دار کیا اور ایسے خبر دار کرنے والے اس کے آگے اور پیچھے بھی گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ ۲۱) انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جھوٹ بول کر ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو، اچھا تو لے آؤ اپنا وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم سچوں میں سے ہو۔ ۲۲) حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کا صحیح علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں صرف وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بالکل جہالت میں مبتلا ہو۔ ۲۳) پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی شکل میں اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ وہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کر دے گا، نہیں، بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کیلئے تم جلدی مچا رہے تھے، یہ ہَوا کا طوفان ہے جس میں وہ دردناک عذاب ہے۔ ۲۴) یہ ہر چیز کو تباہ کر دے گا اپنے رب کے حکم سے، پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کسی چیز کا نشان باقی نہ رہا، اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ۲۵) ہم نے ان کو مقدور دیا تھا ان چیزوں کا جن کا ہم نے تم کو مقدور نہیں دیا، ان کو ہم نے کان، آنکھیں اور دل دیئے تھے، لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور انہیں گھیر لیا اس چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۲۶)

Marfat.com

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

(اور عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے جبکہ اس نے احقاف میں اپنی قوم کو خبردار کیا اور ایسے خبردار کرنے والے اس کے آگے اور پیچھے بھی گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ ۲۱)

آنحضرت ﷺ کو تسلی اور قریش کو تنبیہ

قومِ عاد کے انجام کے حوالے سے قریش کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور آنحضرت ﷺ کیلئے تسلی ہے۔ کیونکہ ذکر صرف یہاں قومِ عاد کا نہیں ہو رہا بلکہ اس عظیم رسول کا ہو رہا ہے جو قومِ عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے، وہ حضرت ہود علیہ السلام تھے اور انہیں یہاں عاد کا بھائی کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومِ عاد ہی کے ایک فرد تھے۔ اس قوم کے اندر ان کی دور و نزدیک کی قرابتداریاں تھیں، انہیں میں ان کا خاندان رہتا تھا۔ انبیاء و رُسل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عموماً ہر قوم میں ان کی اصلاح کیلئے جس رسول کو بھیجتا ہے وہ اسی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے، ان ہی کی زبان بولتا ہے تاکہ اتمامِ حُجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ قیامت کے دن وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری ہدایت کیلئے جو شخص آیا تھا وہ ہمارے لئے بالکل اجنبی تھا۔ ہم اس کے آگے پیچھے سے بالکل واقف نہیں تھے۔ اس کی سیرت و کردار سے ہم بالکل بے خبر تھے اس لئے ہمارے لئے یہ بات بہت مشکل تھی کہ ہم صرف اس کے اعتماد پر اسے اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیں۔ اور مزید یہ کہ وہ جس زبان میں بات کرتا تھا ہم اسے نہیں سمجھتے تھے، ہمارے معروفات اس کے معروفات سے الگ تھے۔ جن حالات نے ہمارے اندر کچھ خصوصیات پیدا کر دی تھیں وہ شخص ان حالات سے بالکل بے خبر تھا۔ ان بہانوں کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بالعموم انہیں کی قوموں میں سے اٹھایا۔ اس لئے حضرت ہود علیہ السلام بھی قومِ عاد کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے ان کے بھائی تھے۔ ان کی قوم ان کے اعلیٰ سیرت و کردار سے پوری طرح آگاہ تھی۔ ان کی صداقت و امانت ان کیلئے جانی پہچانی چیز تھی۔ اس لئے جب بڑے اعتماد سے انہوں نے انہیں ان کے انجام سے خبردار کرتے ہوئے دو باتوں کا حوالہ دیا۔ ایک تو یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی مت کرو، کیونکہ وہی تمہارا خالق اور وہی تمہارا رب ہے۔ تمہیں وجود اسی نے دیا ہے اور اسی کے دیئے ہوئے وسائلِ رزق سے تم زندگی گزار رہے ہو۔ تو کس قدر عجیب بات ہے کہ جس نے تم پر اس قدر احسانات کئے ہوں اور جو اس قدر بے پناہ قدرتوں کا مالک ہو اس کی بجائے تم دوسروں کو پکارو یا دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراؤ۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ اگر تم نے میری دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگی کی روش نہ بدلی اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی بجائے دوسروں کی بندگی جاری رکھی تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم ایک دن اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ اور مزید اس آیت میں فرمایا گیا کہ اس طرح کا انذار صرف حضرت ہود علیہ السلام نے نہیں کیا بلکہ ان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کی دعوت ان تک پہنچتی رہی اور انذار کرنے والے انہیں انذار کرتے رہے۔ آیتِ کریمہ میں اَلنُّذُرُ کا لفظ نذیر کی جمع ہے۔ اس کا معنی خبردار کرنے والا۔ اور ان سب کی دعوت ایک ہی رہی جو حضرت ہود علیہ السلام ان کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ اس ساری تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قریش اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ آنحضرت ﷺ جو دعوت ان

Marfat.com

کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ ان ہی دونوں باتوں پر مشتمل ہے جو حضرت ہود علیہ السلام اور دیگر انذار کرنے والے ہمیشہ پیش کرتے رہے۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے آنے کا اندیشہ۔ یہی دونوں باتیں آنحضرت ﷺ مختلف پیرایوں میں قریش کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کیلئے کوئی ایسی چیز لے کے آئے ہیں جو تاریخ مذہب میں بالکل نئی ہے۔ اس لئے اس کا ماننا ان کیلئے مشکل ہو رہا ہے۔ اور دوسری یہ بات کہ آنحضرت ﷺ بار بار یہ بات فرما رہے ہیں کہ اگر تم نے میری اس دعوت کو قبول نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے۔ تو اس میں بھی کوئی نئی بات نہیں۔ قریش کو اپنے سامنے قومِ عاد کے اس انجام کو رکھنا چاہیئے جو حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کرنے کے نتیجے میں انہیں پیش آیا۔ اور آنحضرت ﷺ کیلئے اس پہلو سے تسلی ہے کہ ہم نے جب بھی کسی کو دنیا میں کسی قوم کو خبردار کرنے کیلئے بھیجا ہے تو قوموں نے ہمیشہ وہی رویہ اختیار کیا ہے جو قریش اختیار کر چکے ہیں۔ اور وہ قومیں اپنے اس رویئے کے نتیجے میں ہمیشہ عذاب کا شکار ہوتی رہی ہیں۔ تو آخر قریش اس عذاب سے کیونکہ بے فکر ہو گئے ہیں کیونکہ ان کیلئے تاریخ تو بدل نہیں سکتی اور نہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔

آیتِ کریمہ میں قومِ عاد کے وطن کے حوالے سے الاحقاف کا ذکر آیا ہے۔ یعنی یہ قوم الاحقاف میں آباد تھی جب حضرت ہود علیہ السلام ان کے انذار کیلئے تشریف لائے۔ سوال یہ ہے کہ الاحقاف کیا ہے؟ لغت میں تو الاحقاف ریت کے مستطیل اور بلند ٹیلوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں اس سے وہ صحرائے عرب مراد ہے جو الربع الخالی کے جنوبی حصے کا نام ہے۔ اور یہ وہ ریگستان ہے جو عمان و یمن اور نجد اور حضر موت کے درمیان واقع ہے۔ جس وقت قومِ عاد یہاں آباد تھی تو یہ سرزمین اپنی سرسبزی اور شادابی اور تمدن و تہذیب کی ترقی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اپنی ہم عصر قوموں میں یہ سب سے زیادہ مضبوط قوت کی مالک اور نہایت متمدن قوم سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جب حضرت ہود علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے ان پر تباہی آئی تو نہ وہ قوم باقی رہی اور نہ ان کے تمدن کے آثار باقی رہے۔ آج وہاں ایک لق و دق صحرا ہے۔ جس کو دیکھ کر کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ کبھی یہاں تعمیر و تمدن کا کوئی نقش قائم ہوا ہوگا۔ آج اس کے اندرونی حصوں میں جانے کی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ ۱۸۴۳ء میں بوریا کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضر موت کی شمالی سطح مرتفع سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فیٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں جن پر کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ یہاں کی ریت بالکل باریک سفوف کی طرح ہے۔ میں نے دور سے ایک شاقول اس میں پھینکا تو وہ پانچ منٹ کے اندر اس میں غرق ہو گیا اور رسی کا سرا گل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾

(انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جھوٹ بول کر ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو، اچھا تو لے آؤ اپنا وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم سچوں میں سے ہو۔ ۲۲)

Marfat.com

قوم کی طرف سے عذاب کا مطالبہ

حضرت ہود علیہ السلام کے انذار کے جواب میں ان کی قوم کے لوگوں نے یہ کہا آپ یہ جو ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی پر زور دے رہے ہیں اور مسلسل شرک کی مذمت کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی بات نہ مانی تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب کی دھمکی دے کر اور ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی کا جھوٹ بول کر ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ اگر تمہارے خیال میں ہماری روش اس قدر غلط ہے اور ہم اپنے خیالات میں اس قدر گمراہ ہیں کہ آپ کو ہم پر عذاب کا اندیشہ ہے تو پھر آپ کسی شخص کو زندہ کر کے کیوں نہیں دکھا دیتے۔ ہماری قریبی تاریخ میں کتنے لوگ ہم سے جدا ہو چکے ہیں، اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی تم زندہ کر کے لے آؤ تو ہم یقین کر لیں گے کہ واقعی موت کے بعد زندگی آ سکتی ہے اور مرنے والے ایک دن زندہ کر کے اٹھائے جا سکتے ہیں۔ تو ہم تمہاری دعوت کو قبول کر لیں گے۔ لیکن تم بجائے اس معمولی بات پر عمل کرنے کے بار بار ہمیں عذاب کی دھمکی دیتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک دھونس دے کر زبردستی ہمارے عقائد کو بدلنا چاہتے ہو۔ اور یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم واقعی ہمیں عذاب کے قابل سمجھتے ہو تو پھر وہ عذاب ہمارے سروں پر کیوں نہیں لے آتے۔ ہم اسے دیکھ کر تمہاری صداقت کا یقین کر لیں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن محض عذاب کی دھمکی تو ہمیں تم پر ایمان لانے کیلئے مجبور نہیں کر سکتی۔

اِفک عربی زبان میں جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ تَأفِکُ اسی سے فعل مضارع کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے تو جھوٹ بولے یا تو جھوٹ بولتا ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ آ جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے کسی سے جھوٹ بول کر اسے اس کے خیالات سے برگشتہ کرنا۔ آیت میں یہی معنی کیا گیا ہے۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

(حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کا صحیح علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں صرف وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بالکل جہالت میں مبتلا ہو۔ ۲۳)

حضرت ہود علیہ السلام کا جواب

حضرت ہود علیہ السلام کے انذار کے جواب میں ان کے مخالفین نے یہ جواب دیا کہ اگر تم اپنے اندیشے میں سچے ہو تو اس عذاب کو لا کر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عذاب کا لانا میرا کام نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ میں ہر وہ بات تمہیں پہنچاؤں جس کے پہنچانے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں تمہیں عذاب سے انذار کروں اور تمہیں اس بات سے آگاہ کروں کہ وہ عذاب کسی وقت بھی تم پر آ سکتا ہے تو میں نے اس سے تمہیں آگاہ کر دیا۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کب آئے گا اور کس شکل میں آئے گا، اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا

Marfat.com

ہوں کہ تم لوگ سب جہالت میں مبتلا ہو۔ اگر کوئی شخص برسات کے موسم میں کسی کمزور بند کو دیکھ کر بند کے قریب رہنے والوں کو توجہ دلائے کہ سیلاب کسی وقت بھی آ سکتا ہے تم اس سے بچنے کیلئے بند مضبوط کرو، تو کوئی عقلمند آدمی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرے گا کہ ہم بند پر مٹی اس وقت ڈالنا شروع کریں گے جب ہمیں تم وہ تاریخ دو گے جس دن سیلاب کو آنا ہے۔ اور اگر تم ہمیں وہ ٹھیک تاریخ نہیں بتا سکتے تو ہم اس سے بچاؤ کیلئے کوئی تدبیر کرنے کو تیار نہیں۔ یا پھر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو جو حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی نہیں کرتا، موت سے ڈراتا ہے۔ یا وہ شخص جو شیطان کی پیروی میں برے راستے پر پڑ چکا ہے تو کوئی بھلا آدمی اسے توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو موت آنے والی ہے اپنی زندگی کے معاملات کو درست کر لو۔ تو وہ جواب میں یہ کہے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ موت کس دن آئے گی؟ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو میں محض تمہاری دھمکی کی وجہ سے اپنی زندگی کو بے رنگ نہیں کر سکتا۔ اور اپنی نام نہاد آزادیوں پر پہرہ نہیں بٹھا سکتا۔ تو ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ شخص یا تو عقل سے خالی ہے۔ اور یا اس کو زندگی کی خواہشوں نے فریب دے رکھا ہے۔ یہاں قرآنِ کریم بھی ان کے اسی رویئے کو جہالت کا نام دے رہا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں دن تم پر عذاب آنے والا ہے بلکہ وہ تو خبردار کرنے والے ہیں کہ عذاب کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ رہی اس کی تاریخ تو اس کا بتانا میرا کام نہیں، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میں تو صرف اس کام کیلئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہیں خطرے سے آگاہ کر دوں تاکہ تم اس سے بچنے کی بروقت تدبیر کر سکو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

(پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی شکل میں اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ وہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کر دے گا، نہیں، بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کیلئے تم جلدی مچا رہے تھے، یہ ہَوا کا طوفان ہے جس میں وہ دردناک عذاب ہے۔ ۲۴) یہ ہر چیز کو تباہ کر دے گا اپنے رب کے حکم سے، پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کسی چیز کا نشان باقی نہ رہا، اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ۲۵)

عذاب کا ظہور ابر کی شکل میں اور مجرموں کی حالت

حضرت ہود علیہ السلام کے انذار کے جواب میں ان کی قوم کے لوگ جس عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے آخر وہ عذاب آ گیا۔ اور وہ ایک بادل کی صورت میں آیا، جیسے برسات میں گھٹا اٹھتی ہے تو دیکھنے والے اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ ہماری وادی کو جل تھل کر دے گی۔ انہوں نے بھی اس عذاب کو جب بادل کی صورت میں دیکھا تو یہی سمجھے کہ یہ تو وہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا تو ہماری کھیتیاں ہری بھری ہو جائیں گی۔ اور ہمارے وسائلِ رزق میں اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن جلد ہی حالات نے ان کو بتا دیا کہ وہ بادل نہیں بلکہ ہَوا کا طوفان ہے اور جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کاعذاب بن کر آیا ہے اور یہ وہی عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی مچاتے تھے۔ یہ بظاہر ہَوا کا طوفان اپنے اندر عذابِ الیم کو چھپا کر لایا ہے۔ یہ عذاب کئی دنوں تک بادِ تند کی صورت میں ان پر مسلط رہا اور اس نے ان کو اس طرح پامال کر کے رکھ دیا کہ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر چیز تباہ کر دی گئی۔ سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل یہ آندھی اس زور سے چلی کہ ان کے مکانوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ درخت جڑ سے اکھڑ گئے، کھیتیاں پامال ہو گئیں، کوئی شخص زندہ نہ بچا۔ ان کی لاشیں اس طرح بکھری ہوئی تھیں جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوتے ہیں۔

آیت کے آخر میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے ماضی کی داستان نہ سمجھنا، یہ ہر دور کی کہانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہر دور کیلئے یکساں ہے اور ہر امت اپنے اعمال کے حوالے سے ایک ہی طرح ماخوذ ہوتی ہے۔ گزشتہ امتوں کو بھی ان کے عقیدہ وعمل کے بگاڑ کی سزا ملی۔ اور اب اگر قریش نے بھی وہی روش اختیار کی جو عاد نے اختیار کر رکھی تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان سے مختلف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ہمیشہ مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں جیسے قومِ عاد کو دی گئی۔ تو قریش بھی اس قانون سے بچ نہیں سکیں گے۔ اگر انہوں نے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب کیلئے قانون ایک ہی ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾

(ہم نے ان کو مقدور دیا تھا ان چیزوں کا جن کا ہم نے تم کو مقدور نہیں دیا، ان کو ہم نے کان، آنکھیں اور دل دیئے تھے، لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور انہیں گھیر لیا اس چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۲۶)

قریش کو تنبیہ

دو چیزیں تھیں جن پر قریش کو بجا طور پر ناز تھا اور یہی ان کے تکبر کا باعث تھا، اور اسی بنیاد پر وہ حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جن تجارتی امکانات سے نوازا تھا اور جس طرح حالات کے تغیر نے ان کی تجارت کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا تھا اس سے وہ اپنی دولت و رفاہیت کے حوالے سے خود پسندی اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے چونکہ انہیں عرب بھر میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے ہمسائے طائف میں ان کے ایسے باغات تھے جن میں ہر طرح کی چیزیں پیدا ہوتی تھیں۔ وہ کوتاہیِ فکر سے اسے بہت بڑی طاقت سمجھتے تھے اور اس نے انہیں برخود غلط بنا دیا تھا۔ اور دوسری چیز جس پر انہیں بڑا ناز تھا وہ ان کی فہم و دانش اور معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی جو ان کے مسلسل تجارتی اسفار اور مختلف ملکوں کے حالات سے آگاہ ہونے اور وہاں کے لوگوں سے ملنے کے نتیجے میں ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جزیرۂ عرب کے دیگر رہنے والوں سے اپنے آپ کو ممتاز سمجھتے تھے اور یہی چیز ان کے قبولیتِ حق کے راستے میں رکاوٹ بن کر رہ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کا حوالہ دے کر براہِ راست انہیں خطاب فرما کر انہیں تاریخ کا آئینہ دکھایا

Marfat.com

ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑی ہیبت وقوت کا مالک سمجھتے ہو حالانکہ تمہارا اقتدار مکے کی سرزمین تک محدود ہے جبکہ قومِ عاد جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا اور ان جیسی دوسری قومیں جوزمین کے بڑے حصے پر اقتدار رکھتی تھیں، وہ فوجوں کی مالک تھیں، ان کی اپنی تہذیب اور اپنا تمدن تھا اور ساتھ ساتھ ہم نے انہیں کان، آنکھیں اور دل بھی عطا کئے تھے۔ یعنی وہ اپنے سمعی علوم، اپنی مشاہداتی قوت اور عقل وخرد کے کمالات میں بھی تم سے بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ماننے سے انکار کر دیا تو ان کی تمام علمی اور عملی قوتیں اور ان کا ہیبت واقتدار ان کے کسی کام نہ آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول انہیں جس عذاب سے ڈراتے تھے اور وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو آخر اسی عذاب نے انہیں گھیر لیا۔ قریش کے لوگو! تمہیں اپنے پندار، اپنی خود پسندی اور اپنے تکبر وغرور سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی آیات کو قبول کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے نور سے اپنی آپ کو منور نہ کیا تو قومِ عاد کی طرح تمہاری رسائی بھی محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ آخر کار تم بھی اس عذاب کا شکار ہو کے رہو گے جس عذاب کا شکار عاد جیسی قومیں ہوئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہی سے انسان کو حقیقت کا صحیح فہم وادراک نصیب ہوتا ہے۔ پھر وہ آنکھوں سے ٹھیک دیکھتا ہے، کانوں سے ٹھیک سنتا ہے اور دل ودماغ سے ٹھیک سوچتا اور صحیح فیصلے کرتا ہے۔ اقبال نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

دل کا نور کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اور یہ بھی کہا:

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولیٰ مجھے صاحب جنوں کر

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا

حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا
نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا
عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ
نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ
فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

Marfat.com

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ
اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ
لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ
بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾
وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ
قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ
كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ
بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

رکوع: ۴۔ (ہم ہلاک کر چکے ہیں تمہارے گردو پوش کی بہت سی بستیوں کو، اور ان کیلئے اپنی آیتیں گونا گوں پہلوؤں سے پیش کیں تا کہ وہ باز آجائیں۔ ۲۷) پھر کیوں نہ ان کی مدد کی (ان ہستیوں نے) جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے تقرب کیلئے معبود بنا رکھا تھا، وہ سب ان سے کھوئے گئے اور یہ ان کا جھوٹ اور ان کا افترا تھا۔ ۲۸) اور یاد کیجئے جب ہم نے پھیر دیا آپ کی طرف جنوں کے گروہ کو تا کہ وہ قرآن کریم سنیں، جب وہ اس جگہ پہنچے تو انہوں نے آپس میں کہا، خاموش ہو کر سنو، جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف انذار کرنے والے بن کر لوٹے۔ ۲۹) انہوں نے کہا، اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد

Marfat.com

نازل کی گئی ہے جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی۔اور یہ کتاب حق اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ۳۰) اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو، اور اس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایک دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ ۳۱) اور جو کوئی اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا، وہ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس کیلئے اس کے بالمقابل کوئی دوسرے مددگار ہیں، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ ۳۲) کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جوان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا، وہ قادر ہے اس بات پر کہ مُردوں کو زندہ کرے، کیوں نہیں، وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۳) وہ دن یاد کیجئے جس دن یہ کافر جہنم کی آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ حقیقت نہیں، وہ جواب دیں گے ہاں! ہمارے رب کی قسم (یہ واقعی حقیقت ہے)، اللہ فرمائے گا تو چکھو عذاب اس انکار کی پاداش میں جو تم کرتے رہے۔ ۳۴) پس اے نبی صبر کیجئے! (ثابت قدم رہئے) جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا، اور ان کیلئے جلدی نہ کیجئے، جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس سے ان کو ڈرایا جارہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا کہ گویا دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، بس پہنچادینا ہے، پس ہلاک نہیں کئے جائیں گے مگر نافرمان لوگ۔ ۳۵)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

(ہم ہلاک کر چکے ہیں تمہارے گردوپوش کی بہت سی بستیوں کو، اور ان کیلئے اپنی آیتیں گوناگوں پہلوؤں سے پیش کیں تاکہ وہ باز آجائیں۔ ۲۷)

قریش کو مکرر تنبیہ

اس آیت میں بھی قریش ہی سے خطاب ہے اور گزشتہ مضمون ہی پر زور دیا گیا ہے کہ اگر تم عاد کی تباہی کو دور کی بات سمجھتے ہو تو ان بستیوں کو دیکھو جن پر سے تم اپنے تجارتی اسفار میں گزرتے ہو۔مراد اس سے قومِ ثمود اور قومِ لوط کی بستیاں ہیں۔چونکہ مکہ کے ایک طرف یمن ہے اور دوسری جہت میں ملکِ شام۔اور ملکِ شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔اس لئے ان کو گردوپیش کی بستیاں قرار دیا ہے۔اور ان بستیوں سے اپنے تجارتی سفروں میں قریش کو اکثر واسطہ پڑتا تھا۔ان بستیوں کی تاریخ پڑھو اور ان کے حالات کا جائزہ لو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے رسول بھیجے۔اور گوناگوں پہلوؤں سے اپنی آیات نازل فرمائیں۔اور انہیں ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔لیکن جب انہوں نے ہماری آیات قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کردیا۔تو جس طرح انہوں نے ہمارے رسولوں کی ساری کاوشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے شیطان ہی کا اتباع کیا اور اپنی خواہشات کے پرستار بنے رہے، اگر تم نے بھی یہی رویہ اختیار کیا تو یقیناً تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

Marfat.com

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ

وَذٰلِکَ اِفْکُهُمْ وَمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

(پھر کیوں نہ ان کی مدد کی (ان ہستیوں نے) جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے تقرب کیلئے
معبود بنا رکھا تھا، وہ سب ان سے کھوئے گئے اور یہ ان کا جھوٹ اور ان کا افترا تھا۔ ۲۸)

مشرکین سے ایک سوال

قریش کا نام لئے بغیر ان سے ایک سوال کیا جا رہا ہے کہ تم نے قومِ عاد کی طرح بعض ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں اس لئے شریک کر رکھا ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گی۔ تو پھر قومِ عاد یا دوسری قوموں کی بستیوں پر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو جن ہستیوں کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا وہ ان کے کام کیوں نہ آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو کیوں نہ بچایا؟ بلکہ ایسے نازک وقت میں دور دور تک ان کا نشان نہ تھا۔ اور وہ ان سے اس طرح گم ہو گئے جیسے ان کا کوئی وجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ان ہستیوں کے ماننے والوں کا اپنا جھوٹا تصور تھا جو انہوں نے قائم کر رکھا تھا۔ اور پھر انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ پر افترا بنا لیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرب ہستیاں ہیں جن کی وہ ہمیشہ سنتا اور اس کی سفارش قبول کرتا ہے۔ قیامت کے دن بھی مشرکین اسی انجام سے دوچار ہوں گے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی انہیں بچانے کیلئے نہیں آئے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں قُرْبَانًا کے لفظ سے ایک غلط فہمی بھی دور کی گئی ہے وہ یہ کہ مشرکین جن ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کے بارے میں وہ کبھی یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ براہِ راست ان کی پوجا کرتے ہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو صرف اس خیال سے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں خدا سے زیادہ قریب کر دیں۔ یہی غلط فہمی ہمیشہ انہیں شرک میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ آغاز میں ان کی عقیدت میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر بڑھتے بڑھتے ان ہی ہستیوں کو مدد کیلئے پکارنے لگتے ہیں، انہیں سے دعائیں مانگتے اور ان ہی کو صاحبِ تصرف سمجھتے ہیں۔ اور یقین کرنے لگتے ہیں کہ ہماری فریادرسی اور مشکل کشائی یہی کریں گے۔ اس لئے اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو کسی مشکل کشا نے ان کی مشکل کشائی نہیں کی۔ اور کسی فریادرس نے ان کی فریاد نہیں سنی اور کسی نے بھی اس برے وقت میں ان کی دستگیری نہیں کی۔ کیونکہ غلط فہمی یا خوش فہمی کا خمیازہ ہمیشہ اس کے ارتکاب کرنے والے کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مشرکین بھی اس سزا کو بھگتیں گے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾

(اور یاد کیجئے جب ہم نے پھیر دیا آپ کی طرف جنوں کے گروہ کو تا کہ وہ قرآنِ کریم سنیں، جب وہ اس جگہ پہنچے تو انہوں نے آپس میں کہا، خاموش ہو کر سنو، جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف انذار کرنے والے بن کر لوٹے۔ ۲۹)

Marfat.com

جنوں کے استماعِ قرآن سے آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیتِ کریمہ اور اس کے بعد کی آیات میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ مخالفین کے رویئے سے نہ دل گرفتہ ہوں اور نہ مایوس ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر کام کے مکمل ہونے کا ایک وقتِ مقرر ہے اس سے پہلے تدریجی مراحل سے گزرتے ہوئے بعض دفعہ حالات ایسے بھی پیش آتے ہیں جن سے مایوسی پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی ناکام نہیں ہونے دے گا اور آپ جس مقصد کیلئے تشریف لائے ہیں وہ اپنے وقت میں پورا ہو کر رہے گا

طائف میں آپ کو جو روح فرسا واقعات پیش آئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مکہ ہو یا طائف ان دونوں شہروں کے رہنے والوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کرنے پر ایکا کر لیا ہے اور آپ کی دعوت کی کامیابی کے امکانات کم سے کم ہو گئے ہیں۔ لیکن مخالفین کو کیا خبر کہ انہوں نے یہ رویہ اختیار کر کے درحقیقت اپنے آپ کو بہت بڑی نعمت سے محروم کر لیا ہے۔ آپ کی بعثت اور آپ پر قرآنِ کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے جو انسانوں پر ہوا۔ لیکن اہلِ مکہ اور اہلِ طائف نے اس کی قدر کرنے کی بجائے ناقدری کی انتہاء کر دی ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ جو نعمت ان کیلئے نازل ہوئی ہے اس سے اگر وہ لوگ فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جنات کو اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا ہے۔ اور اس موقع کو پیدا کرنے میں نہ جنات کا کوئی دخل ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کی کوئی کوشش، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا جبکہ آپ طائف سے نہایت افسردہ دل کے ساتھ واپس آتے ہوئے راستے میں نخلہ کے مقام پر ٹھہرے۔ نخلہ نسبتاً ایک سر سبز وادی ہے جو قرن المنازل سے کچھ آگے ہیں۔ اس میں دو جگہوں میں خاص طور پر پانی بھی ہے اور سبزہ بھی۔ جن میں سے ایک کا نام الزیمہ ہے اور دوسری کا نام السیل الکبیر ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک جگہ میں آنحضرت ﷺ رات کی نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھ رہے تھے اور اس میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا اور اللہ تعالیٰ کے محض اپنی رحمت سے انہیں متوجہ کرنے پر انہیں قرآنِ کریم سننے کا موقع ملا۔ وہ لوگ چونکہ پہلے سے وحیِ الٰہی کی تعلیم سے واقف تھے، اس لئے انہوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ یہ غیر معمولی کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خاموش ہو کے اس کلام کو سنو۔ چنانچہ خشوع اور آمادگی کے ساتھ اس کلام کو سننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو اس کلام کے مبلغ اور منذر بن کر پہنچے۔ اور انہوں نے تمام خطرات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس تبلیغ و دعوت کیلئے وقف کر دیا جو اس کتاب کا اصل مقصد تھا۔

اس واقعہ کے بارے میں تمام روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ بطنِ نخلہ میں پیش آیا لیکن آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی اور نہ ان جنات نے آپ سے ملاقات کی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو جنات کے آنے اور قرآن سننے کی خبر دی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی فکر اور قرآنی دعوت کی نشر و اشاعت کے امکانات کے بارے میں جب انسانی کاوشیں مایوسی کا شکار ہونے لگتی ہیں تو اللہ تعالیٰ بعض دفعہ غیر معمولی طور پر محض اپنی رحمت سے نئے نئے امکانات پیدا فرما دیتا ہے جس سے اسلامی خدمات کو انجام دینے والوں کو حوصلہ ملتا اور نئی توانائی نصیب ہوتی ہے۔ جنات کا قرآنِ کریم کا سننا اور پھر اس سے متاثر ہو کر اپنی قوم کو دعوت دینا اور پھر مدینے

Marfat.com

تک آنحضرت ﷺ کی دعوت کا پہنچنا اور وہاں دلوں کا قبولیت کیلئے کھل جانا، یہ وہ امکانات تھے جو طائف کے روح فرسا سفر کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور آنحضرت ﷺ کی کاوشوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

قَالُوۡا یٰقَوۡمَنَاۤ اِنَّا سَمِعۡنَا کِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ یَہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیۡقٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۳۰﴾

(انہوں نے کہا، اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی۔ اور یہ کتاب حق اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ۳۰)

جنوں کی اپنی قوم کو دعوت

جن جنات نے طائف میں آنحضرت ﷺ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، انہوں نے اپنی قوم کے پاس پہنچ کر فریضۂ انذار ادا کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآنِ کریم کا تعارف کرایا کہ یہ وہ مکمل کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد صاحبِ شریعت نبی صرف نبی کریم ﷺ ہیں۔ باقی جتنے نبی اور رسول آئے ہیں وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پیرو تھے۔ اسی طرح قرآن سے پہلے اصل کتاب کی حیثیت صرف تورات کو حاصل رہی ہے دوسرے آسمانی صحیفے اسی کے ضمیمے ہیں۔ اور دوسری بات انہوں نے قرآنِ کریم کے تعارف میں یہ کہی کہ یہ وہ کتاب ہے کہ تورات نے آخری آنے والے نبی کے بارے میں جو پیشگوئیاں کیں اور اس پر نازل ہونے والی کتاب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے یہ کتاب اور جس پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ دونوں ان پیشگوئیوں کے مصداق ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات نے ہمیں جس حق کی ہدایت کی اور جو سیدھی راہ دکھائی تھی جس کی بنیاد عقیدۂ توحید پر تھی یہ کتاب بھی اسی حق کی طرف اور اسی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰہِ وَ اٰمِنُوۡا بِہٖ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُجِرۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَیۡسَ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۲﴾

(اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو، اور اس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایک دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ ۳۱) اور جو کوئی اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا، وہ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس کیلئے اس کے بالمقابل کوئی دوسرے مددگار ہیں، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ ۳۲)

Marfat.com

قبولیتِ دعوت کا فائدہ اور عدمِ قبول کا نقصان

قرآنِ کریم کے تعارف کے بعد انہوں نے اصل دعوت اپنی قوم کے سامنے رکھی کہ اللہ تعالیٰ کے اس داعی کی دعوت پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کا بھی یہی پیغام تھا اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کا بھی یہی پیغام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول انسانوں میں انقلاب برپا کرنے کیلئے مبعوث ہوتا ہے اور اس پر نازل ہونے والی کتاب اپنے اندر وہ قانون اور وہ آداب لے کر آتی ہے جس کے مطابق اس بدلنے والی قوم نے بدلنا ہوتا ہے اور نئی زندگی کے طور اطوار اختیار کرنے ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر اس دعوت کو قبول نہ کیا جائے اور اس پر دل کی گہرائیوں سے ایمان نہ لایا جائے تو انسان اپنی زندگی میں حقیقی تبدیلی کیلئے کبھی بھی تیار نہیں ہوسکتا۔ نہ اس کے خیالات کا جمود ٹوٹتا ہے نہ اس کے فکری سانچے بدلتے ہیں، نہ وہ عادتوں میں تبدیلی پیدا کرتا ہے اور نہ اس کی ترجیحات بدلتی ہیں۔ لیکن جب وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری بات کا ظہور ہوتا ہے، جس کے بارے میں ان جنات نے کہا کہ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں عذابِ الیم سے پناہ دے گا۔ یہاں ذُنُوْبِکُمْ کی بجائے مِنْ ذُنُوْبِکُمْ کہا گیا ہے جس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مِنْ کو زائد مانا جائے اور ذُنُوْبِ سے سارے گناہ مراد لئے جائیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مِنْ کو تبعیض کیلئے قرار دیا جائے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے وہ گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، لیکن وہ سنگین قسم کے گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے یہ شاید ایمان لانے کے بعد بھی تلافی کا تقاضا کرتے ہوں۔ اور اگر تلافی نہیں کی گئی تو پھر آخرت میں فریقین ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔ قیاس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

اور جنات نے اپنی دعوت کو مکمل کرتے ہوئے کہا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کیا، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس دعوت کو پیش کرنے والا اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ہے۔ اس لئے اس کی دعوت کو قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کو ٹھکرا دیا گیا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کی گرفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، وہ دنیا میں بھی پکڑا جاسکتا ہے، لیکن اگر دنیا میں اس کو مہلت دے دی جائے تو آخرت میں اس کے بچ جانے کا کوئی امکان نہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی پکڑنا چاہے تو دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی قوت والا بھی ایسا نہیں جو اس کی گرفت سے بچ نکلنے کی طاقت رکھتا ہو۔ کیونکہ نہ کسی میں ایسا بل بوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرسکے اور نہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی ایسے اولیاء ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکیں۔ کیونکہ انسانوں کی طرح جنات نے بھی بہت سی موہوم قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنا کارساز بنا رکھا ہے اور وہ ان کی قوت اور شفاعت پر اعتماد کی وجہ سے قیامت کے تصور سے بھی بے فکر ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے اور یہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہیں جس نے ان کی عاقبت تباہ کردی ہے۔

Marfat.com

جنوں کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے چند واقعات

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نخلہ میں جن جنات نے قرآنِ پاک سنا تھا ان کی ملاقات وہاں آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی، لیکن وہ قرآنِ کریم کی دعوت سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ اپنی قوم میں جا کر انہوں نے منذر کا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔ لیکن اس سے یہ گمان ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس دعوت کی ضروریات کے حوالے سے انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کی ضرورت کا احساس ہوا ہو گا اور جو لوگ ان کی دعوت سے متاثر ہوئے ان کی بھی خواہش ہو گی کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس لئے معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ نخلہ کے واقعہ کے بعد جنوں کے پے در پے وفود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور آپ سے ان کی رودررو ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس بارے میں جو روایات کتب حدیث میں منقول ہوئی ہیں ان کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں کم از کم چھ وفد آئے تھے۔ ہم تفہیم القرآن سے اختصار کے ساتھ ان روایات کو نقل کرتے ہیں۔

ان میں سے ایک وفد کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ مکہ میں رات بھر غائب رہے۔ ہم لوگ سخت پریشان تھے کہ کہیں آپؐ پر کوئی حملہ نہ کر دیا گیا ہو۔ صبح سویرے ہم نے آپ کو براء کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ ایک جن مجھے بلانے آیا تھا، میں نے اس کے ساتھ آ کر یہاں جنوں کے ایک گروہ کو قرآن سنایا۔ (مسلم، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کی ایک اور روایت ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات تم میں سے کون میرے ساتھ جنوں کی ملاقات کیلئے چلتا ہے؟ میں آپ کے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو گیا۔ مکہ کے بالائی حصہ میں ایک جگہ حضورؐ نے لکیر کھینچ کر مجھ سے فرمایا کہ اس سے آگے نہ بڑھنا۔ پھر آپ آگے تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے اشخاص ہیں جنہوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے اور وہ میرے اور آپ کے درمیان حائل ہیں۔ (ابنِ جریر، بیہقی، دلائل النبوۃ، ابونعیم، اصفہانی، دلائل النبوۃ)

ایک اور موقع پر بھی رات کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور مکہ معظمہ میں حجون کے مقام پر جنوں کے ایک مقدمہ کا آپ نے فیصلہ فرمایا۔ اس کے سالہا سال بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جاٹوں کے ایک گروہ کو دیکھ کر کہا حجون کے مقام پر جنوں کے جس گروہ کو میں نے دیکھا تھا وہ ان لوگوں سے بہت مشابہ تھا۔ (ابنِ جریر)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

(کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا، وہ قادر ہے اس بات پر کہ مُردوں کو زندہ کرے، کیوں نہیں، وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۳)

Marfat.com

مکذبین کو انذار

سورۃ کے خاتمے پر مکذبین کے سامنے ایک ایسا سوال رکھا گیا ہے جس کے جواب دینے میں کسی بڑی عقل کی ضرورت نہیں۔ ہر سطح کا آدمی بڑے اطمینان سے مثبت انداز میں اس کا جواب دے سکتا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ تم آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شریک نہیں مانتے۔ تم ہر طرح کا شرک کرتے ہو، لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے سے انکار نہیں۔ تمہاری اس مسلمہ حقیقت کو بنیاد بنا کر ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ پروردگار کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا اور اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی اور نہ اس پر تھکاوٹ طاری ہوئی تو اس کائنات کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک انسان ہے۔ تو اگر وہ خالق و مالک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں انسانوں کو مرنے کے بعد ایک دن از سرِ نو زندہ کروں گا اور انہیں محشر میں جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب ہوگا۔ تو کیا تم اس کیلئے اس بات کو ناممکن سمجھتے ہو۔ یعنی وہ زمین کو پیدا کر سکتا ہے اور آسمانوں کو بھی۔ اور ایسی کائنات کو بھی جس کے اور چھور کا کوئی اندازہ نہیں۔ تو وہ مُردوں کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا۔ جب اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے اور اس کی قدرت کیلئے کوئی چیز چیلنج بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو پھر آخر تمہیں اسی بات کو ماننے سے انکار کیوں ہے؟ یہ سادہ سا سوال قرآنِ کریم نے جگہ جگہ مشرکین سے پوچھا۔ اور اس سے مشرکین پر ایسا اتمامِ حجت ہوا ہے کہ جس سے وہ کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ وہ ہزار سر پیر ماریں ان کے پاس اس کا جواب اس کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا کہ کیوں نہیں وہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو یقیناً وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

(وہ دن یاد کیجئے جس دن یہ کافر جہنم کی آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ حقیقت نہیں، وہ جواب دیں گے ہاں! ہمارے رب کی قسم (یہ واقعی حقیقت ہے)، اللہ فرمائے گا تو چکھو عذاب اس انکار کی پاداش میں جو تم کرتے رہے۔ ۳۴)

مکذبین سے ایک سوال

اس آیتِ کریمہ میں قیامت کا انکار کرنے والوں کے سامنے ان کے انجام کی تصویر رکھ کر ایک سوال کیا گیا ہے کہ آج تو تمہیں تمہارے نفسانی تحفظات اور مفاداتی وابستگیاں قیامت کو ماننے پر آمادہ نہیں ہونے دیتیں۔ لیکن اس وقت کو یاد کرو جب قیامت کی ہولناکی اور عذاب کے سامنے تمہیں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس کی دہکتی ہوئی آگ تمہاری نگاہوں میں ہوگی اور پھر تم سے پوچھا جائے گا کہ جس جہنم سے تمہیں ہمارے رسولوں نے ڈرایا تھا اور اس کے عذاب سے بچنے کی تمہیں ترغیب دی تھی وہ اب تمہارے سامنے ہے۔ کیا اب بھی تم اس کو حقیقت تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ تو وہ جواب میں قسم کھا کے اپنے اعتراف کا اظہار کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا کہ اسی قیامت کا انکار

Marfat.com

دنیا میں تمہارا وطیرہ بن گیا تھا۔کوئی دلیل تمہارے دماغ کے دروازے پر دستخط نہیں دے سکی۔اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی تمام تر ہمدردیاں تمہیں سمجھانے سے عاجز رہیں۔ بلکہ تمہاری فطرت بھی تمہیں پکارتی رہی لیکن تم نے اس کی بھی بات نہیں سنی۔اب تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ جاؤ اس عذاب کا مزہ چکھو،تم کسی رعایت کے مستحق نہیں ہو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

(پس اے نبی صبر کیجئے! (ثابت قدم رہیے) جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا،اور ان کیلئے جلدی نہ کیجئے،جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا کہ گویا دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے،بس پہنچا دینا ہے،پس ہلاک نہیں کئے جائیں گے مگر نافرمان لوگ۔ ۳۵)

آنحضرت ﷺ کو صبر و استقامت کی تلقین

سورۃ کی آخرت آیت میں نبی کریم ﷺ کو کفار کی ایذ رسانیوں کے مقابلے میں صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے اور ساتھ ہی اطمینان کیلئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آپ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کوئی نئی بات نہیں،ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔لیکن انہوں نے ہر ممکن تکلیف اٹھائی اور ہر دکھ برداشت کیا،الزامات کے صدمے سہے،اور بظاہر ناکامیوں سے واسطے پڑے،لیکن وہ کسی بات پر آزردہ نہ ہوئے۔انہوں نے نہایت استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔

زمانہ یونہی اپنے محسنوں کو تنگ کرتا ہے
وہ درسِ صلح دیتے ہیں یہ ان سے جنگ کرتا ہے

یہ لوگ آپ کو زچ کرنے کیلئے بعض دفعہ عذاب کیلئے جلدی مچاتے ہیں تو آپ ان سے پریشان ہو کر ان کیلئے عذاب کی جلدی نہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو جو مہلت دے رکھی ہے اس میں ان کی بھی بھلائی ہے اور آپ کی تبلیغ و دعوت کیلئے بھی بہتر ہے۔ لیکن یہ امرِ واقعہ ہے کہ جب عذاب ان کے سامنے آئے گا تو اب جبکہ یہ مہلت کی مدت کو بہت دراز محسوس کر رہے ہیں لیکن عذاب کو دیکھ کر انہیں یوں محسوس ہوگا جیسے وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔

آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے یہاں مبتدا حذف کر کے خبر پر توجہ مرکوز کر دی گئی ہے۔آپ اپنا کام جاری رکھئے۔یقیناً ان کی تباہی کے تصور سے بھی آپ کی آزردگی میں اضافہ ہوتا ہے،لیکن آپ اس کی پرواہ نہ کریں،اگر یہ لوگ تباہ ہوئے تو اس کی ذمہ داری خود ان پر ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف ان لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے جو تمام تر مہلتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہے تو پھر وہ ہلاکت کی نذر کر دیئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ

(۴۷)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام مُحَمَّد ہے جو اس سورۃ کی آیت ۲ سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا نام "قتال" بھی مشہور ہے جو اس سورۃ کی آیت ۲۰ سے لیا گیا ہے۔ یہ بات ایک سے زیادہ مرتبہ کہی گئی ہے کہ سورتوں کے نام صرف شناخت اور علامت کیلئے ہیں۔ وہ سورۃ کا عنوان یا موضوع نہیں ہوتے۔ اس لئے اس سورۃ کے نام سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے اسمِ گرامی "محمد" کے خصائص بیان کئے گئے ہیں یا آپ کی زندگی کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس میں لفظ "محمد" آیا ہے وہ سورۃ اس سے مراد ہے۔

زمانۂ نزول:۔ احادیثِ مبارکہ یا آثارِ صحابہ سے یہ بات متعین طور پر سامنے نہیں آتی کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول کون سا ہے۔ البتہ جب ہم اس سورۃ کی آیات پر غور کرتے اور اس کے مضامین کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب جنگ کا حکم دیا جا چکا تھا مگر ابھی جنگ چھڑی نہیں تھی۔ کیونکہ اس سورۃ کی آیت ۸ اور ۲۰ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ سورۃ حج کی آیت ۳۹ میں جنگ کی اجازت دی گئی تھی اور پھر سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۹۰ میں جنگ کا حکم دیا گیا تھا اور یہ دونوں سورتیں اس سورۃ سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ زمانہ وہ ہے جب آنحضرت ﷺ اور مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ چکے تھے۔ اور اہلِ مکہ نے یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ ہم سے بچ کر نکل گئے ہیں لیکن ہم انہیں طاقت بننے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس لئے انہوں نے مسلسل مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کیلئے مشکلات پیدا کرنے کا آغاز کر دیا تھا۔ کبھی مدینے پر شب خون مارا جاتا تھا اور چراگاہ سے آنحضرت ﷺ اور بیت المال کے اونٹ ہانک کر لے جائے جاتے تھے۔ اور چراگاہ کے محافظوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور کبھی مدینے کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل کو اشتعال دلانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مدینے کی چھوٹی سی بستی ہر طرف سے کفار کے نرغے میں گھری ہوئی تھی اور وہ اسے مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر مدینے کے دارالامان میں پناہ لے لی تھی۔ لیکن ان کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ وہ اہلِ مکہ یا گرد و پیش کے قبائل کیلئے خطرے کا باعث بن سکتے۔ اور ان کی مالی حالت مدینہ منورہ میں مہاجرین کے آنے کی وجہ سے حد درجہ دگرگوں ہو گئی تھی۔ مہاجرین بے سروساماں لٹ پٹ کر مدینے میں آئے تھے اور انصار اپنے تمام تر ایثار کے باوجود ابھی تک ان بے خانماں لوگوں کیلئے پوری طرح رہائش کا انتظام نہ کر سکے تھے۔ اور پھر قریش کے معاندانہ رویئے کی وجہ سے چاروں طرف سے اہلِ عرب نے اس

Marfat.com

بستی کا معاشی بائیکاٹ کر رکھا تھا جس نے ان کی مالی حالت کو اور بھی پتلا کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں ان کو لڑنے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ لڑائی کیلئے اگرچہ سرفروشی اور ایثار کا جذبہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن افرادی قوت اور اسلحۂ جنگ کی فراہمی سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں میں سرفروشی اور ایثار کے جذبے کی کمی نہ تھی۔ لیکن جہاں تک افرادی قوت اور اسلحۂ جنگ کا تعلق ہے اس کا حال یہ تھا کہ مسلمان ایک ہزار مردانِ جنگی بھی میدان میں لانے کے قابل نہ تھے۔ اور معاشی مشکلات کی وجہ سے اسلحۂ جنگ خریدنے کیلئے مال و دولت کی شدید کمی تھی۔ لیکن حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان جس صورتحال سے دوچار ہیں اس میں ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ ایک راستہ یہ ہے کہ وہ دینِ حق کی دعوت و تبلیغ ہی سے نہیں بلکہ اس کی پیروی تک سے دستبردار ہو کر جاہلیت کے آگے سپر ڈال دیں۔ اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر مرنے مارنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی قربانیوں سے اس بات کا فیصلہ کر دیں کہ عرب کی سرزمین میں اسلام کو رہنا ہے، جاہلیت کو نہیں۔ یہ حالات تھے جب یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے فیصلہ الٰہی کے طور پر اس بات کا اعلان کیا گیا کہ اس ملک میں دو گروہ ہیں۔ ایک ہے اہلِ ایمان کا گروہ، ان کا تمام تر سرمایہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے دینِ حق کی پیروی ہے اور وہ اپنا سب کچھ اس راستے پر لگا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے گا اور دنیا اور آخرت دونوں میں ان کو برومند کرے گا۔ دوسرا گروہ کفار کا ہے، جو اسلام کے راستے میں ایک مضبوط دیوار بن کر کھڑا ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی کسی بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ فیصلہ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام کاوشوں کو رائیگاں کر چکا ہے۔ وہ زمانہ دور نہیں جب ان کی ہیبت و سطوت اور دولت و رفاہیت قصہ ماضی بن جائے گی۔

اس کے بعد مسلمانوں کو ابتدائی جنگی ہدایات دی گئی ہیں اور خاص طور پر اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کفار سے جنگ کی نوبت آ جائے تو ان سے مرعوب نہ ہونا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی دے تو ابتدائی کامیابی کو کافی نہ سمجھنا۔ تمہارا اصل ہدف یہ ہونا چاہئے کہ کفر کی طاقت توڑ دی جائے اور انہیں دوبارہ اٹھنے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔ یا تو وہ تمہارے احسان تلے دبے رہیں اور یا فدیہ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی مدد کیلئے اٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے دشمن ذلیل و رسوا ہوں گے۔

قریش کو قوت و شوکت کا جو غرہ ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو ہر اعتبار سے ان پر فوقیت رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اور اس کے دین کے تقاضوں پر چلنے والے اور اس کا انکار کرنے والے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے والے یکساں نہیں ہو سکتے۔ یقیناً دونوں کا انجام مختلف ہوگا۔ جو لوگ اپنے رب پر ایمان لاتے اور اس کے دین پر چلتے ہیں ان کا انجام جنت ہے۔ اور خواہشوں کی پیروی کرنے والوں کا انجام جہنم ہے۔ پھر جنت اور جہنم کے احوال کی تصویر کھینچی گئی ہے۔

اس کے بعد منافقین کی طرف روئے سخن پھر گیا ہے جو جنگ کا حکم آنے سے پہلے آگے بڑھ بڑھ کر اپنی فداکاری کا یقین دلاتے تھے مگر جنگ کا حکم آ جانے کے بعد ان کے ہوش اڑ گئے اور وہ اپنی عافیت کیلئے دشمنانِ دین سے ساز باز کرنے لگے۔ ان پر یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے معاملے میں منافقت اختیار کرنے والوں کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں

Marfat.com

ہے۔ یہاں تو بنیادی سوال جس پر تمام مدعیانِ ایمان کی آزمائش ہو رہی ہے یہ ہے کہ آدمی حق کے ساتھ ہے یا باطل کے ساتھ۔ اس کی ہمدردیاں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہیں یا کفر یا کفار کے ساتھ۔ جو شخص ایسی کسی آزمائش میں بھی کھوٹا ثابت ہوتا ہے وہ مومن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔

خاتمۂ سورۃ میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی قلتِ تعداد اور بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور ان کے سروسامان کی فراوانی دیکھ کر ہمت نہ ہاریں۔ کفار میں کوئی دم خم باقی نہیں رہا۔ اس لئے جو لوگ اپنے بچاؤ کیلئے ان سے ساز باز کر رہے ہیں وہ ایک گرتی دیوار کے سایہ میں پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کفر کی طاقتوں سے ٹکرا جاؤ، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے، وہ مخالف طاقتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دے گا۔

آخر میں مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی مالی حالت بہت دباؤ میں ہے تاہم اسلام اور مسلمانوں کی بقاء ترازو میں ہے۔ ایسی حالت میں ہر طرح کا خطرہ مول لے کر بھی ایثار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی حالت میں جو شخص بھی بخل سے کام لے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ وہ کسی کے مال کا محتاج نہیں، البتہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ایسی حالت میں بخل کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے خطرے میں ڈال رہا ہے۔ اس وقت مسلمان حالتِ امتحان میں ہیں انہوں نے سرفروشی بھی دکھائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب کچھ خرچ بھی کرنا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ان کو بقاء نصیب ہوگی۔ اور اگر وہ خدانخواستہ اس امتحان میں فیل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کا دین تو سربلند ہونے کیلئے آیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہٹا کر دوسروں کو ان کی جگہ لے آئے گا۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ۳۸	سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ (۴۷)	رُكُوْعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذٰلِكَ
بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳ فَاِذَا لَقِيْتُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا
الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ قف
ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ
بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴
سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا

Marfat.com

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ
لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ ع

رکوع: ۱۔ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال کو رائیگاں کر دیا۔ ۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے، اور وہی حق ہے ان کے رب کی جانب سے، اللہ نے ان کی برائیاں ان سے دور کر دیں اور ان کا حال سنوار دیا۔ ۲) یہ اس وجہ سے ہوا کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی، اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا، اسی طرح اللہ لوگوں کیلئے ان کی مثالیں بیان کر رہا ہے۔ ۳) پس جب ان کافروں سے تمہارے مقابلہ کی نوبت آئے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تو ان کو مضبوط باندھ لو، پھر یا تو احسان کر کے چھوڑنا ہے یا فدیہ لینا ہے، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہ ہے تمہارے کرنے کا کام اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا، (لیکن اس نے تمہیں یہ حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ وہ تم میں سے ایک کو دوسرے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ ۴) وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کا حال سنوار دے گا۔ ۵) اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو شناخت کرا دی ہے۔ ۶) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔ ۷) اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو ان کیلئے ہلاکت ہے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ ۸) یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے اتاری، پس اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ ۹) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں پامال کر دیا اور کافروں کیلئے ان ہی کی مثالیں ہیں۔ ۱۰) یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان لانے والوں کا کارساز ہے، اور کافروں کا کارساز کوئی نہیں۔ ۱۱)

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾

(جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال کو رائیگاں کر دیا۔ ۱)

Marfat.com

کفارِ قریش کو تہدید

حق و باطل میں کشمکش برپا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حق کی شمع جلا رکھی ہے اور آپ اس کی روشنی ممکن حد تک نوعِ انسانی کے افراد تک پہنچانے کی کوشش فرما رہے ہیں اور کفار کے مختلف گروہ ایک بات پر پوری طرح متفق اور متحد ہیں کہ ہم اس شمع کی روشنی کو پھیلنے نہیں دیں گے۔ اور اس قافلۂ حق کو کسی قیمت پر آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیں گے۔

اصحابِ ایمان کی تعداد اس سورۃ کے نزول تک بھی بہت تھوڑی ہے اور ان کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور مقابلہ اس کشمکش میں صرف اہلِ مکہ سے نہیں بلکہ پوری دنیائے کفر سے ہے جو مسلمانوں کو مٹانے پر تلی کھڑی ہے۔ ان حالات میں کفار کو تہدید کی جارہی ہے کہ تم اپنی افرادی قوت اور وسائل کی کثرت پر ناز نہ کرو۔ تم موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے مستقبل کی کامیابیوں کا تصور باندھ رہے ہو۔ لیکن تمہیں اس بات کا خیال نہیں کہ جس طرح حال تمہارے قبضے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اسی طرح مستقبل کا بھی وہی مالک ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مستقبل میں کیا ہوگا، لیکن تم نہیں جانتے۔ تم نے مکے میں حق کو پنپنے کا موقع نہ دیا اور اس حد تک مشکلات پیدا کیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے وہاں سے ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ اب تم مدینہ طیبہ میں بھی انہیں مٹا دینے کے درپے ہو۔ اور جس بات کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں تمہیں اس کی ہر بات کو ماننے سے انکار ہے۔ یعنی تمہیں نہ صرف آنحضرت ﷺ کی دعوت سے دشمنی ہے بلکہ تم انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بھی دشمنی کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور اسی لئے ان کو مٹانے کے درپے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں تہدید آمیز انداز میں خبردار کر رہا ہے کہ جن لوگوں نے بھی کفر کیا یعنی آنحضرت ﷺ کی دعوت کو ماننے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے خود بھی رکے اور دوسرے لوگوں کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ کیونکہ صَدَّ لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی۔ اس کا معنی رکنا بھی ہے اور روکنا بھی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں ہی جرم ہیں۔ اور اہلِ مکہ ان دونوں جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے۔ خود بھی ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی زبردستی ایمان لانے سے روکتے تھے۔ اور یا پھر ایمان لانے والوں پر اس قدر ظلم و ستم ڈھاتے تھے کہ دیکھنے والوں میں کوئی ایمان لانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے بارے میں لوگوں کے دل و دماغ میں ایسے وسوسے ڈالتے اور ایسے اتہامات باندھتے تھے جس سے بدگمانیوں کو فروغ ملتا تھا۔ اور اسلام کی طرف بڑھنے والے بھی سوچ میں پڑ جاتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کیلئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ اعمال ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ اسلام کا راستہ روکنے کیلئے کوششیں کر رہے ہیں ہم نے ان کوششوں کو بے ثمر کر دیا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت تک قریش ہی مکہ پر مسلط تھا۔ اور جزیرۂ عرب میں انہیں کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ تمام عرب کی ایک فیصلہ کن قوت سمجھے جاتے تھے۔ یہ ان ہی کی مخالفت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن پروردگار فعل ماضی سے ان کی تمام مساعی کو رائیگاں کرنے کی بات کر رہا تھا جبکہ ماضی بھی ان کے ہاتھ میں تھا اور حال بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور مستقبل بھی ظاہر ہے کہ اس کے اثرات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی بات فعل ماضی میں کہی جاتی ہے تو یہ درحقیقت اس کی قطعیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ پروردگار اس کے بارے میں قطعی فیصلہ کر چکا ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ بظاہر حالات اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ وقت دور نہیں جب اس فیصلے کو واقعہ بنتے ہوئے ہر نگاہ دیکھے گی۔ چنانچہ اس سورۃ کے نزول کے بعد زیادہ عرصہ انتظار نہیں کرنا پڑا، چند ہی سالوں میں اسلام جزیرۂ عرب کا مقدر بن گیا۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲

(اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے، اور وہی حق ہے ان کے رب کی جانب سے، اللہ نے ان کی برائیاں ان سے دور کردیں اور ان کا حال سنوار دیا۔ ۲)

کفار کے مقابلے میں دوسرے گروہ کی صفات اور اس کا اعزاز

حق و باطل کی اس کشمکش میں دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا اس پر ایمان لائے اور اس کے مطابق اپنی زندگی کے اعمال کو درست کیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کشمکش کے پہلے فریق کے اعمال کو ان کی تمام تر رعونت کے باوجود بے اثر کیا اور وہ آہستہ آہستہ تاریخ کی دھول میں گم ہوجائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس صاحب ایمان گروہ کو اپنے دین کا مبلغ اور مناد بنا کر ایک ایسی سرافرازی بخشی کہ جہاں جہاں تک ان کی کوششوں اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دین پھیلتا چلا جائے گا وہیں وہیں ان کی عزت و حرمت کے بھی پھریرے لہراتے جائیں گے اور مزید کرم یہ فرمایا کہ آج تک وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جن برائیوں سے پہچانے جاتے تھے اور جو کمزوریاں عرصہ دراز سے ان کی شخصیات کے جزو لاینفک بن چکی تھیں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تربیت سے ایک ایک کرکے انہیں مٹا دیا اور اس کی جگہ نئے عقائد، نئے جذبات، نئے اعمال اور نئے اخلاق پیدا کردیئے۔ اور ان کی حالت ایسی درست کردی کہ اگر وہ کل تک محکومیت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ اپنا کوئی فیصلہ آزادانہ مرضی سے نہیں کرسکتے تھے تو اب وہ ہر فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔ اور حالات نے انہیں دوسروں کا دستِ نگر ہی نہیں بلکہ الہ کار بنا رکھا تھا۔ اب وہ اس سرزمین کی ایک طاقتور قوت ہیں۔ دنیا میں بھی ان کو عزت دی گئی ہے اور آخرت میں بھی محض اس اسلام کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہوں گے۔

انتہائی اہم بات

اس آیت میں ایک بات انتہائی قابلِ توجہ ہے بلکہ وہ اس آیت کی اصل روح ہے وہ یہ ہے کہ صاحبِ ایمان لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے ان کے ایمان اور عملِ صالح کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اور یہی بات ان کے تعارف کیلئے کافی ہے۔ لیکن اس کے بعد مزید یہ بات فرمائی گئی ہے کہ وہ ایمان لائے ہیں ہر اس چیز پر جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ آخر اس بات کے کہنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی ہر چیز پر ایمان نہ لایا جائے اور پھر اس بات کی تائید و تاکید میں مزید فرمایا گیا کہ یہی حق ہے ان کے رب کی جانب سے۔ اس اضافے کی ضرورت کا سبب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو اہلِ کتاب سے سابقہ پیش آیا۔ اور ان سے بھی باقی لوگوں کی طرح یہ مطالبہ کیا گیا کہ تم بھی آنحضرت ﷺ پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے جواب میں یہ کہنا شروع کیا کہ تین بنیادی چیزیں ہیں جن پر ایمان لانے کے بعد ایک آدمی مومن ہوجاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے اور اس پر نازل ہونے

Marfat.com

والی کتاب پر ایمان لائے، اور قیامت کا یقین کرے۔ ہم پہلے ہی ان تینوں باتوں کے ماننے والے ہیں۔ ہم قیامت کو بھی مانتے ہیں اور ہمارے پاس تورات نام کی کتاب موجود ہے ہم اس کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور آپ بھی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں۔ اور جہاں تک رسول کا تعلق ہے، ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں۔ اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہمیں ایک مزید کتاب اور ایک رسول کو ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اس بنیادی بات کو قبول کر لیا جائے تو بقائے باہمی کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے رسول پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیں اور تم اپنے رسول پر ایمان کو ضروری ٹھہراؤ تو یہ وہ انفرادیت ہے جو اجتماعیت کیلئے سُم قاتل ہے۔ اور یہی فتنہ آج بھی پھر اٹھایا جا رہا ہے۔ مختلف اہل مذاہب میں مکالمے کی باتیں ہو رہی ہے اور پس منظر میں یہ تصور کارفرما ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والے اگر اپنے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب رکھتے ہیں اور وہ ایک اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو پھر انہیں اس بات کی دعوت نہیں دی جانی چاہئے کہ وہ دوسرے رسولوں پر بھی ایمان لائیں اور دوسری کتابوں کو بھی تسلیم کریں۔ یہود کیلئے تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کافی ہے۔ اور اہلِ کلیسا کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو ماننا ضروری ہے۔ اور مسلمانوں کیلئے قرآنِ کریم اور محمد رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ تینوں گروہ اس بنیادی اصول کو تسلیم کرلیں تو باہمی مفاہمت اور بقائے باہمی کی ایک صورت پیدا ہو سکتی ہے اور تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس فتنے کے سدِ باب کیلئے قرآنِ کریم نے ایمان کیلئے اس بات کو ضروری قرار دیا کہ جو حقائق اس سے پہلے نازل ہو چکے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو ان کا ماننا بھی ضروری ہے۔ لیکن اصلاً اس بات کا التزام ضروری ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ایک ایک بات کو تسلیم کیا جائے، کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ حق ہے جو دنیا میں سرافرازی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ پر ایمان کہ آپ صرف رسول ہی نہیں بلکہ آپ آخری رسول ہیں جن کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آ سکتا۔ اور آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی آخری شریعت اور آخری دین ہے جس میں کوئی حک و اضافہ ممکن نہیں جس کے حلال و حرام، جائز و ناجائز اور حُسن و قبح قطعی اور دائمی ہیں۔ کیونکہ پہلی شریعتیں اپنا وقت گزار چکیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے عمل کے اعتبار سے منسوخ کر دیا۔ اب اگر کوئی قوت ان مذاہب کو ایک خود ساختہ عمل سے ایک کرنا چاہتی ہے تو وہ درحقیقت حق و باطل، اسلام اور کفر کو اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔ اور وہ دین اور بے دینی کو ایک قرار دے کر حق و باطل کا نیا ملغوبہ تیار کرنے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ اسی بات کی بیخ کنی کیلئے آیتِ کریمہ میں اس جملے کا اضافہ کیا گیا ہے۔

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

(یہ اس وجہ سے ہوا کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی، اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا، اسی طرح اللہ لوگوں کیلئے ان کی مثالیں بیان کر رہا ہے۔ ۳)

Marfat.com

قوت کا سرچشمہ حق کی پیروی ہے

حق و باطل کی کشمکش میں اوپر کی آیات میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کی تائید و نصرت کی اور ان کو سرافراز فرمایا اور اہلِ باطل کی مساعی کو ناکام اور بے اثر کر کے انہیں ناکام و نامراد کیا۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کفار حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور باطل کی پیروی کرتے ہیں جبکہ باطل شیطان کا پیدا کردہ ہے۔ اور نفسانی خواہشات اور ہوائے نفس اس کی تائید میں کبھی دلائل کی قوت فراہم کرتے ہیں اور کبھی عمل کی تائید کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اور معاشرے کا بگڑا ہوا ہر فرد ہمیشہ اس کی تائید میں اپنا رول ادا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطل کی پیروی کرنے والے جن جن قوتوں کے اشارے پر چلتے اور باطل کو جہاں جہاں سے غذا ملتی ہے ان میں سے کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس کی رہنمائی کو عقل کی تائید حاصل ہو، فکری سلامتی اس کو تسلیم کرے اور نیکی کے جذبات اسے قبول کریں بلکہ وہ قدم قدم پر کبھی سفلی جذبات کو ابھارتا ہے اور کبھی خواہشاتِ نفس کی ایک فصل تیار کر دیتا ہے۔ اور کبھی مفادات کی تائید کو اپنا وطیرہ بنا لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جسے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کا درجہ مل سکے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں وہ اس حق کی پیروی کرتے ہیں جو ان کی رب کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے گی وہ یقیناً شیطانی اثرات سے محفوظ ہوگی۔ نفسانی جذبات اس کے قریب بھی نہیں جا سکیں گے۔ وہ مفادات کے ہر پھندے سے آزاد ہوگی۔ حالات کا چلن اگر اس کے راستے میں حائل ہوتا ہے تو اہلِ حق اس کی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ عقل اور فطرت اس کی تائید کرتی ہیں اور حالات اس کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ حق کو ثبات و استحکام ملتا اور باطل اس کے مقابلے میں ایک خودرو جھاڑی کی طرح اہلِ حق کے قدموں تلے روندا جاتا ہے۔ اہلِ باطل کی وقتی کامرانیاں شروع میں اس تصور کو قبول کرنے میں مانع ہوتی ہیں لیکن آہستہ آہستہ یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں اترتی جاتی ہے اور حق سربلند ہو کر رہتا ہے۔ جس وقت یہ آیت نازل ہو رہی تھی اس وقت اہلِ حق کا مستقبل اتنا واضح نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب ان کے مستقبل کی تصویر ان کے سامنے رکھی تو اس کو ایک مثال قرار دیا اور دعوت دی کہ اس مثال کے آئینہ میں اپنے مستقبل کی جھلک دیکھنے کی کوشش کریں۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان مثالوں میں اپنے مستقبل کو دیکھ سکیں۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾

(پس جب ان کافروں سے تمہارے مقابلہ کی نوبت آئے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تو ان کو مضبوط باندھ لو، پھر یا تو احسان کر کے چھوڑنا ہے یا فدیہ لینا ہے، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہ ہے تمہارے کرنے کا کام اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا، (لیکن اس نے تمہیں یہ حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ وہ تم میں سے ایک کو دوسرے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ (۴)

Marfat.com

حق و باطل میں تصادم کے بعد کی ہدایات

گزشتہ آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے اور اس کے دو فریق ہیں، اہلِ حق اور اہلِ باطل۔ اہلِ حق کو کٹھن حالات سے گزر کر حق کی آبیاری کرنا پڑتی ہے۔ کبھی اس کیلئے پسینہ دینا پڑتا ہے اور کبھی خون دینا پڑتا ہے۔ جب اہلِ حق کا یہ گروہ اپنی مسلسل سرفروشیوں اور جانثاریوں سے اپنا مخلص اور برحق ہونا ثابت کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوتی ہے اور اہلِ حق بظاہر اپنی کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے توانا ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطل چونکہ اللہ تعالیٰ کے رشتے کو کھو چکے اور حق سے وابستگی سے منہ موڑ چکے جس کے نتیجے میں وہ تمام تر وسائل رکھنے کے باوجود حقیقی توانائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ریڑھ کی ہڈی جسے حق کی توانائی سے طاقت ملتی ہے وہ کمزور سے کمزور تر ہو جاتی ہے۔ اس آیتِ کریمہ کے نزول کے وقت مسلمان اپنی مسلسل سرفروشیوں اور جاں سپاریوں سے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور قریش اپنی تمام تر رعونت اور وجاہت کے باوجود استقامت سے محروم ہو چکے تھے انہیں اپنی طاقت کا بڑا غرہ تھا لیکن حقیقت میں ان کے اندر وہ روح مر چکی تھی جو حق و باطل کی کشمکش میں استقامت کی علامت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی حالات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جہاد فرض کر دیا ہے۔ حق و باطل کی کشمکش کسی وقت بھی تصادم کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو تمہیں نہایت عزمِ راسخ کے ساتھ میدان میں اترنا ہو گا اور کافروں سے قتال کے وقت صرف یہ نہیں کہ تم ان سے بچ نکلنے کی کوشش کرو کیونکہ تمہارے پیشِ نظر ان کے شر سے صرف بچنا نہیں بلکہ ان کی قوت کو توڑنا ہے۔ جب تک انہیں اپنی کمزوری کا احساس نہیں ہو گا اس وقت تک وہ جارحیت سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے تصادم کے وقت ان کی گردنیں اڑاؤ اور پوری طرح ان کا خون بہاؤ۔ اور انہیں اس حد تک پامال کر دو کہ وہ دوبارہ مقابلے پر آنے کی جسارت نہ کریں۔ اگر وہ میدان سے پسپا بھی ہو جائیں تو تمہیں ان کی پسپائی کو غنیمت سمجھ کر ان کے پیچھے رہ جانے والے سپاہیوں کو قیدی بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کی کفر کی طاقت کو توڑ ڈالو۔ کیونکہ جہاں تک افہام و تفہیم اور تبلیغ و دعوت کا تعلق ہے اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف سے ان پر اتمامِ حجت ہو چکا ہے۔ لیکن وہ دشمنی میں ایسے اندھے ہوئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کی صداقت کو جانچنے کی بجائے وہ آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو ہر قیمت پر تہ تیغ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مکہ معظمہ میں قتل کی منصوبہ بندی کی اور مدینہ منورہ میں آنحضرت اور مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کے باوجود تمام ممکن ذرائع سے مسلمانوں کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے اب وہ کسی رحم اور مروت کے مستحق نہیں۔ جب تک ان کی قوت کو پوری طرح کچل نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ فتنہ سرد نہیں ہو گا۔ اور یہ وہی بات ہے جس کا حکم سورۃ البقرۃ میں دیا گیا ہے کہ کافروں سے اس وقت تک لڑو جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آ جائے۔ لیکن جب دیکھو کہ میدانِ جنگ سے کفر کی فوج پوری طرح بھاگ چکی ہے اور کچھ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں تو اب ان کو مضبوطی سے باندھو اور قیدی بنا لو۔ اس کے بعد تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں کہ ان پر احسان کرو یا فدیہ لے کے ان کو رہا کر دو۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک لڑائی اپنے ہتھیار نہ رکھ دے، یعنی کفر کی طاقت ٹوٹ نہ جائے۔

Marfat.com

مزید فرمایا کہ تمہارے کرنے کا کام صرف یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ ذٰلِکَ کی خبر کو محذوف کر دیا گیا ہے تاکہ مبتداء پر پوری طرح ارتکاز رہے۔ رہی یہ بات کہ جس طرح سابقہ معذب قوموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے تباہ کیا اسی طرح اہلِ مکہ کو تباہ کیوں نہ کر دیا گیا، مسلمان اس ابتلاء میں کیوں ڈالے گئے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو بری طرح پامال کر دیتا۔ لیکن تمہیں ان سے ٹکرانے اور انہیں پامال کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ تمہاری بھی آزمائش ہو جائے اور اہلِ باطل کی بھی۔ تم اپنی قربانیوں سے اپنا مخلص اور اہلِ حق ہونا ایسے ہی موقعوں پر ثابت کر سکو گے اور جو منافقین ہیں ان کا نفاق ایسے ہی موقعوں پر کھل کر سامنے آئے گا۔ اور کافر بھی میدانِ جنگ میں آنے کے بعد یہ ثابت کر سکیں گے کہ کفر کے ساتھ ان کا اخلاص کتنا ہے۔ اور باطل کی حمایت کیلئے ان کے جوش و جذبہ کا عالم کیا ہے۔

مسلمانوں کی صفوں میں چونکہ منافقین بھی گھسے ہوئے تھے اس لئے جب کبھی کفار کے ساتھ تصادم کی نوبت آتی تو وہ نہ صرف اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتے بلکہ مخلص مسلمانوں کو بے دل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں ان کا سب سے بڑا حربہ یہ تھا کہ جنگ تو زندگی اور موت کا کھیل ہے اس میں آدمی زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہوتا ہے۔ تو جو لوگ اس میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں زندگی سے کیا ملا، اور انہیں اس جنگ کا کیا فائدہ ہوا۔ یہ لوگ چونکہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ ہر قربانی کو خسارہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے وساوس کے ازالے کیلئے ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوں گے ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کا بھرپور صلہ عطا فرمائے گا۔ دنیا میں ان کی قربانیاں اسلام کے غلبے کا راستہ صاف کریں گی جس سے ان کی اولادیں فائدہ اٹھائیں گی۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں وہ کچھ عطا فرمائے گا جس کا دنیا میں اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور زندگی تو آخرت کی زندگی ہے دنیا تو متاعِ قلیل کے سوا کچھ نہیں۔

اس آیتِ کریمہ کا پیغام اور مفہوم جو دلوں میں اترنا چاہئے اسے ہم نے کسی حد تک بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ اس میں قیدیوں کی گرفتاری اور ان کی رہائی کے بارے میں جو تفصیلات ہیں اس کیلئے ہم صاحب تفہیم القرآن کا ایک تفصیلی نوٹ نقل کر رہے ہیں:

> اس آیت کے الفاظ سے بھی، اور جس سیاق و سباق میں یہ آئی ہے اس سے بھی یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ لڑائی کا حکم آ جانے کے بعد اور لڑائی شروع ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ "جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو" کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ابھی مڈبھیڑ ہوئی نہیں ہے اور اسکے ہونے سے پہلے یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب وہ ہو تو کیا کرنا چاہئے۔
>
> آگے آیت ۲۰ کے الفاظ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ یہ سورۃ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب سورۂ حج کی آیت ۳۹ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۰ میں لڑائی کا حکم آ چکا تھا اور اس پر خوف کے مارے مدینے کے منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کا حال یہ ہو رہا تھا کہ جیسے ان پر موت چھا گئی ہو۔
>
> اس کے علاوہ سورۂ انفال کی آیات ۶۷۔۶۹ بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ آیت جنگِ بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ وہاں ارشاد ہوا ہے کہ:

Marfat.com

''کسی نبی کیلئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہوں حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی ہے۔پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے۔''

اس عبارت اور خصوصاً اس کے خط کشیدہ فقروں پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس موقع پر عتاب جس بات پر ہوا تھا وہ یہ تھی کہ جنگِ بدر میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل دینے سے پہلے مسلمان دشمن کے آدمیوں کو قید کرنے میں لگ گئے تھے حالانکہ جنگ سے پہلے جو ہدایت سورۂ محمدؐ میں ان کو دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ ''جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو'' تاہم چونکہ سورۂ محمدؐ میں مسلمانوں کو قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت فی الجملہ دی جا چکی تھی اس لئے جنگ بدر کے قیدیوں سے جو مال لیا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور مسلمانوں کو اس کے لینے پر سزا نہ دی۔''اگر اللہ تعالیٰ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا'' کے الفاظ اس امر کی طرف صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے فدیہ لینے کی اجازت کا فرمان قرآن میں آ چکا تھا اور ظاہر ہے کہ قرآن کے اندر سورۂ محمد کی اس آیت کے سوا کوئی دوسری آیت ایسی نہیں ہے جس میں یہ فرمان پایا جاتا ہو۔اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ آیت سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔(مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، تفسیر سورۂ انفال، حاشیہ ۴۹)

یہ قرآن مجید کی پہلی آیت ہے جس میں قوانینِ جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔اس سے جو احکام نکلتے ہیں اور اس کے مطابق نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام نے جس طرح عمل کیا ہے اور فقہاء نے اس آیت اور سنت سے جو استنباطات کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے یہاں تک کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ختم ہو جائے۔اس ہدف سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہئے۔قیدی پکڑنے کی طرف توجہ اس وقت کرنی چاہئے جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے اور میدانِ جنگ میں اس کے کچھ آدمی باقی رہ جائیں۔اہلِ عرب کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لئے دے دی گئی کہ وہ کہیں فدیہ حاصل کرنے یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑ کر جنگ کے اصل ہدف مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

۲۔ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہیں اختیار ہے خواہ ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ کا معاملہ کر لو۔اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، عطا اور حماد بن ابی سلیمان، قانون کے اسی عموم کو لیتے ہیں اور یہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل لڑائی کی حالت میں کیا جا سکتا ہے۔جب لڑائی ختم ہو گئی اور قیدی ہمارے قبضے میں آ گیا تو اسے قتل کرنا درست نہیں ہے۔ابن جریر اور ابوبکر جصاص کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے

Marfat.com

حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں۔ انہوں نے انکار کر دیا اور یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے امام محمد نے السیر الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اسی بنا پر اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔

۳۔ مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشا یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بنا پر اسلامی حکومت کا فرمانروا کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ قاعدۂ عام میں ایک استثناء ہے جسے بضرورت ہی استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگِ بدر کے ۷۰ قیدیوں میں سے صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو قتل کیا۔ جنگِ احد کے قیدیوں میں سے صرف ابوعزہ شاعر کو قتل فرمایا۔ بنی قریظہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر حوالے کیا تھا اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لئے آپ نے ان کو قتل کرا دیا۔ جنگِ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے صرف کنانہ ابن ابی الحقیق قتل کیا گیا چونکہ اس نے بدعہدی کی تھی۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے تمام اہلِ مکہ میں سے صرف چند خاص اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ان مستثنیات کے سوا حضورؐ کا عام طریقہ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا۔ اور یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی تھا۔ ان کے زمانے میں بھی قتل اسیرانِ جنگ کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں اور ہر مثال میں قتل کسی خاص وجہ سے کیا گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنے پورے زمانہ خلافت میں صرف ایک جنگی قیدی کو قتل کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ اسی بنا پر جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی حکومت اگر ضرورت سمجھے تو اسیر کو قتل کر سکتی ہے لیکن یہ فیصلہ کرنا حکومت کا کام ہے۔ ہر فوجی اس کا مجاز نہیں ہے کہ جس قیدی کو چاہے قتل کر دے۔ البتہ اگر قیدی کے فرار ہونے کا یا اس سے کسی خطرناک شرارت کا اندیشہ ہو جائے تو جس شخص کو بھی اس صورتحال سے سابقہ پیش آئے وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں فقہائے اسلام نے تین تصریحات اور بھی کی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قیدی صرف اسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے جب تک وہ حکومت کی تحویل میں ہو۔ تقسیم یا بیع کے ذریعہ سے اگر وہ کسی شخص کی مِلک میں جا چکا ہو تو پھر اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ قیدی کو قتل کرنا ہو تو بس سیدھی طرح قتل کر دیا جائے، عذاب دے دے کر نہ مارا جائے۔

۴۔ جنگی قیدیوں کے بارے میں عام حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا ان پر احسان کرو یا فدیئے کا معاملہ کر لو۔

احسان میں چار چیزیں شامل ہیں: ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی کی بجائے ان کو غلام بنا کر افرادِ مسلمین کے حوالہ کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنایا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔

Marfat.com

فدیئے کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انہیں چھوڑا جائے، دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خاص خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے، تیسرے یہ کہ اپنے ان آدمیوں سے جو دشمن کے قبضے میں ہوں ان کا تبادلہ کرلیا جائے۔

ان سب مختلف صورتوں پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے مختلف اوقات میں حسب موقع عمل فرمایا ہے۔ خدا کی شریعت نے اسلامی حکومت کو کسی ایک شکل کا پابند نہیں کردیا ہے۔ حکومت جس وقت جس طریقے کو مناسب ترین پائے اس پر عمل کرسکتی ہے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب تک حکومت کی قید میں رہے، اس کی غذا اور لباس اور اگر وہ بیمار یا زخمی ہو تو اس کا علاج حکومت کے ذمہ ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس حسنِ سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت بھی کی گئی ہے اور عملاً بھی اسی کی نظیریں سنت میں ملتی ہیں۔ جنگِ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کے گھروں میں بانٹ دیا اور ہدایت فرمائی کہ استوصوا بالاساری خیرا ''ان قدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا'' ان میں سے ایک قیدی ابوعزیز کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام مجھ کو روٹی کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ایک اور قیدی سہل بن عمرو کے متعلق حضورؐ سے کہا گیا کہ یہ بڑا آتش بیان مقرر ہے، آپ کے خلاف تقریریں کرتا رہا ہے، اس کے دانت تڑوا دیجئے۔ حضورؐ نے جواب دیا ''اگر میں اس کے دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا اگرچہ میں نبی ہوں۔'' (سیرت ابنِ ہشام)۔ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو جب تک وہ قید میں رہے نبی کریم ﷺ کے حکم سے عمدہ کھانا اور دودھ ان کیلئے مہیا کیا جاتا رہا۔ (ابن ہشام)۔ یہی طرزِ عمل صحابہ کرام کے دور میں بھی رہا۔ جنگی قیدیوں سے برے سلوک کی کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔

۶۔ قیدیوں کے معاملے میں یہ شکل اسلام نے سرے سے اپنے ہاں رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت ان سے جبری محنت لیتی رہے۔ اگر ان کے ساتھ یا ان کی قوم کے ساتھ تبادلہ اسیرانِ جنگ یا فدیئے کا کوئی معاملہ طے نہ ہو سکے تو ان کے معاملے میں احسان کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ انہیں غلام بنا کر افراد کی ملکیت میں دے دیا جائے اور ان کے مالکوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں بھی اس طریقے پر عمل کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کے عہد میں بھی یہ جاری رہا ہے اور فقہائے اسلام بالاتفاق اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے وہ تو آزاد کردیا جائے گا، مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے یا کسی شخص کی ملکیت میں دے دیئے جانے کے بعد مسلمان ہو تو یہ اسلام اس کیلئے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔ مسند احمد، مسلم اور ترمذی میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ بنی عقیل کا ایک شخص گرفتار ہو کر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔ نبی کریم ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا: لو قلتها وانت تملک امرک افلحت کل الفلاح "اگر یہ بات تو نے اس وقت کہی ہوتی جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پا جاتا۔" یہی بات حضرت عمرؓ نے فرمائی ہے کہ اذا اسلم الاسیر فی ایدی المسلمین فقد امن من القتل وھو رقیق "جب قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد مسلمان ہو کر قتل سے تو محفوظ ہو جائے گا مگر غلام رہے گا۔" اسی بنا پر فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قید ہونے کے بعد مسلمان ہونے والا غلامی سے نہیں بچ سکتا۔ (السیر الکبیر، امام محمد)۔ اور یہ بات سراسر معقول بھی ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کر لے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا تو آخر وہ کون سا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

۷۔ قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت اسلام میں یہ رکھی گئی ہے کہ جزیہ لگا کر ان کو دارالاسلام کی ذمی رعایا بنالیا جائے اور وہ اسلامی مملکت میں اسی طرح آزاد ہو کر رہیں جس طرح مسلمان رہتے ہیں۔ امام محمد السیر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ "ہر وہ شخص جس کو غلام بنانا جائز ہے اس پر جزیہ لگا کر اسے ذمی بنالینا بھی جائز ہے۔" اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں "مسلمانوں کے فرمانروا کو یہ حق ہے کہ ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج لگا کر انہیں اصلاً آزاد قرار دے دے۔" اس طریقے پر بالعموم ان حالات میں عمل کیا گیا ہے جبکہ قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہو وہ مفتوح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ نے اہلِ خیبر کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا اور پھر حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عراق کی فتح کے بعد اس علاقے کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "اے امیر المومنین، پہلے اہلِ ایران ہم پر مسلط تھے، انہوں نے ہم کو بہت ستایا، بڑا برا برتاؤ ہمارے ساتھ کیا اور طرح طرح کی زیادتیاں ہم پر کرتے رہے۔ پھر جب خدا نے آپ لوگوں کو بھیجا تو ہم آپ کی آمد سے بڑے خوش ہوئے اور آپ کے مقابلے میں نہ کوئی مدافعت ہم نے کی نہ جنگ میں کوئی حصہ لیا۔ اب ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمیں غلام بنالینا چاہتے ہیں۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "تم کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، یا جزیہ قبول کر کے آزاد ہو۔" ان لوگوں نے جزیہ قبول کر لیا اور وہ آزاد چھوڑ دیئے گئے۔ ایک اور جگہ اسی کتاب میں ابو عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ "جنگ میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں ان میں سے ہر کاشتکار اور کسان کو چھوڑ دو۔"

۸۔ احسان کی چوتھی صورت یہ ہے کہ قیدی کو بلا کسی فدیے اور معاوضے کے یونہی رہا کر دیا جائے۔ یہ ایک خاص رعایت ہے جو اسلامی حکومت صرف اسی حالت میں کر سکتی ہے جبکہ کسی خاص قیدی کے حالات اس کے متقاضی ہوں یا توقع ہو کر یہ رعایت اس قیدی کو ہمیشہ کیلئے ممنونِ احسان کر دے گی اور وہ دشمن سے دوست یا کافر سے مومن بن جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دشمن قوم کے کسی شخص کو اس لئے چھوڑ دینا کہ وہ پھر ہم سے لڑنے آ جائے کسی طرح بھی تقاضائے مصلحت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فقہائے اسلام نے بالعموم اس کی مخالفت کی ہے اور اس کے جواز کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ "اگر امام مسلمین قیدیوں کو یا ان میں سے بعض کو بطور احسان چھوڑ دینے میں مصلحت پائے تو ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔" (السیر الکبیر)۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں اور قریب قریب سب میں مصلحت کا پہلو نمایاں ہے۔

Marfat.com

جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ نے فرمایا لو کان المطعم بن عدی حیا ثم کلمنی فی ھولاء النتنی لترکتھم له (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد)۔ ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں یونہی چھوڑ دیتا۔'' یہ بات حضورؐ نے اس لئے فرمائی تھی کہ آپؐ جب طائف سے مکہ معظمہ واپس ہوئے تھے اس وقت مطعم ہی نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس کے لڑکے ہتھیار باندھ کر اپنی حفاظت میں آپ کو حرم میں لے گئے تھے۔ اس لئے آپؐ اس کے احسان کا بدلہ اس طرح اتارنا چاہتے تھے۔

بخاری، مسلم اور مسند احمد کی روایت ہے کہ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو حضورؐ نے ان سے پوچھا ''ثمامہ، تمہارا کیا حال ہے؟'' انہوں نے کہا ''اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون کچھ قیمت رکھتا ہے، اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایسے شخص پر کریں گے جو احسان ماننے والا ہے، اور اگر آپؐ مال لینا چاہتے ہیں تو مانگئے، آپ کو دیا جائے گا۔'' تین دن تک آپ ان سے یہی بات پوچھتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ آخر کو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی پاتے ہی وہ قریب کے ایک نخلستان میں گئے۔ نہا دھو کر واپس آئے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور عرض کیا کہ ''آج سے پہلے کوئی شخص میرے لئے آپ سے اور کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا، مگر اب کوئی شخص اور کوئی دین مجھے آپ سے اور آپ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے۔'' پھر وہ عمرہ کیلئے مکہ گئے اور وہاں قریش کے لوگوں کو نوٹس دے دیا کہ آج کے بعد کوئی غلہ تمہیں یمامہ سے نہ پہنچے گا جب تک محمد ﷺ اجازت نہ دیں۔ چنانچہ انہوں ایسے ہی کیا اور مکہ والوں کو حضور سے التجا کرنی پڑی کہ یمامہ سے ہمارے لئے غلہ کی رسد بند نہ کرائیں۔

بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ نے زبیر بن باطا اور عمرو بن سعد (یا ابن سعدیٰ) کی جان بخشی کی۔ زبیر کو اس لئے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگِ بعاث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لئے آپ نے اس کو حضرت ثابت کے حوالہ کر دیا تاکہ اس کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں۔ اور عمرو بن سعد کو اس لئے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضورؐ کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہی شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید)۔

غزوہ بنی المصطلق کے بعد جب اس قبیلے کے قیدی لائے گئے اور لوگوں میں تقسیم کر دیئے گئے، اس وقت حضرت جویریہ جس شخص کے حصے میں آئی تھیں اس کو ان کا معاوضہ ادا کر کے آپ نے انہیں رہا کرایا اور پھر ان سے خود نکاح کر لیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے یہ کہہ کر اپنے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ ''اب رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہو چکے ہیں۔'' اس طرح ۱۰۰ خاندانوں کے آدمی رہا ہو گئے۔ (مسند احمد، طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام)۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے ۸۰ آدمی تنعیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انہوں نے آپ کے کیمپ پر اچانک شبخون مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ سب کے سب پکڑ لئے گئے اور حضورؐ نے سب کو چھوڑ دیا تاکہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، مسند احمد)۔

Marfat.com

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے تمام اہلِ مکہ کو بطور احسان معاف کر دیا اور جنہیں مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔ سارا عرب اس بات کو جانتا تھا کہ اہلِ مکہ نے رسول ﷺ اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کئے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فتح پا کر جس عالی حوصلگی کے ساتھ حضورؐ نے ان لوگوں کو معاف فرمایا اس سے اہلِ عرب کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان کا سابقہ کسی جبار سے نہیں بلکہ ایک نہایت رحیم و شفیق اور فیاض رہنما سے ہے۔ اسی بنا پر فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب کو مسخر ہونے میں دو سال سے زیادہ دیر نہ لگی۔

جنگِ حنین کے بعد جب قبیلہ ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کیلئے حاضر ہوا تو سارے قیدی تقسیم کئے جا چکے تھے۔ حضورؐ نے سب مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا یہ لوگ تائب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیئے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی بخوشی اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اس طرح چھوڑ دے، اور جو معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دے دیں گے۔ چنانچہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے اور جن لوگوں نے معاوضہ لینا چاہا انہیں حکومت کی طرف سے معاوضہ دے دیا گیا۔ (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد، طبقات ابن سعد۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد حکومت قیدیوں کو خود رہا کر دینے کی مجاز نہیں رہتی۔ بلکہ یہ کام ان لوگوں کی رضامندی سے یا ان کو معاوضہ دے کر کیا جا سکتا ہے جن کی ملکیت میں قیدی دیئے جا چکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام کے دور میں بھی بطور احسان قیدیوں کو رہا کرنے کی نظیریں مسلسل ملتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اشعث بن قیس کندی کو رہا کیا اور حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو اور مناذر اور میسان کے قیدیوں کو آزادی عطا کی۔ (کتاب الاموال لابی عبید)۔

۹۔ مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال نبی کریم ﷺ کے عہد میں صرف جنگِ بدر کے موقع پر ملتی ہے جبکہ فی قیدی ایک ہزار سے ۴ ہزار تک کی رقمیں لے کر ان کو رہا کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد، کتاب الاموال)۔ صحابہ کرام کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور فقہائے اسلام نے بالعموم اس کو ناپسند کیا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم روپیہ لے کر دشمن کے ایک آدمی کو چھوڑ دیں تاکہ وہ پھر ہمارے خلاف تلوار اٹھائے۔ لیکن چونکہ قرآن میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اس پر عمل بھی کیا ہے اس لئے ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ امام محمد السیر الکبیر میں کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت پیش آئے تو وہ مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔

۱۰۔ کوئی خدمت لے کر چھوڑنے کی مثال بھی جنگِ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ قریش کے قیدیوں میں سے جو لوگ مالی فدیہ دینے کے قابل نہ تھے ان کی رہائی کیلئے حضورؐ نے یہ شرط عائد کر دی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ (مسند احمد، طبقات ابن سعد، کتاب الاموال)۔

Marfat.com

۱۱۔ قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی کریم ﷺ کے عہد میں ملتی ہیں ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو ایک مہم پر بھیجا اور اس میں چند قیدی گرفتار ہوئے۔ان میں ایک نہایت خوبصورت عورت بھی تھی جو حضرت سلمہ بن اکوع کے حصے میں آئی۔رسول اللہ ﷺ نے باصرار اس کو حضرت سلمہ سے مانگ لیا پھر اسے مکہ بھیج کر اس کے بدلے کئی مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔ (مسلم، ابوداؤد، طحاوی، کتب الاموال لابی عبید، طبقات ابن سعد) حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قید کرلیا۔اس کے کچھ مدت بعد ثقیف کے حلیف قبیلے بنی عقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہوگیا۔حضورؐ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے ان دونوں مسلمانوں کو رہا کرالیا۔ (مسلم، ترمذی، مسند احمد)۔فقہاء میں سے امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد تبادلہ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہئے مگر دوسرا قول ان کا بھی یہی ہے کہ تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہوجائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے اسیران جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی گنجائش ہے۔جو لوگ قرآن مجید کی اس آیت کا بس یہ مختصر سا مطلب لے لیتے ہیں کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو "یا تو بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کردیا جائے۔" وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کرسکتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾

(وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کا حال سنوار دے گا۔ ۵) اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو شناخت کرادی ہے۔ ۶)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام آنے والوں پر انعامات

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جائیں گے، گزشتہ آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔یعنی شہادت سے پہلے ان کا ایک ایک عمل اور خود شہادت کا عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت زیادہ اجر وثواب کا حامل ہے۔دنیا میں بھی اس سے برگ وبار پھوٹیں گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائے گا۔یعنی ان کی جو اصل منزل مقصود تھی اللہ تعالیٰ انہیں اس منزل مقصود سے ہمکنار کردے گا۔وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے بھی بہرہ ور ہوں گے اور جنت کے دروازے بھی ان کیلئے کھول دیئے جائیں گے۔ مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا حال درست فرمادے گا۔حال درست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا خون اس طرح رنگ لائے گا کہ دنیا میں اسلامی انقلاب کیلئے راستے ہموار ہوتے جائیں گے۔حق توانا ہوجائے گا اور کفر اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہوجائے گا۔اور مزید یہ بات بھی کہ دنیا میں اگر ان کے دلوں میں کسی اپنے بھائی کے بارے میں رنجش تھی تو اللہ تعالیٰ ان کے دل کو اس سے پاک کردے گا۔جس

Marfat.com

طرح قرآنِ کریم کی ایک آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی آیت کے حوالے سے فرمایا کہ میرے دل میں حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور بعض دیگر صحابہ کرام کے بارے میں جو کچھ ہے اور ان کے دل میں میرے بارے میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ جنت میں بھیجنے سے پہلے ہمارے دلوں کو اس سے صاف کردے گا۔ اور شاید اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں یہ فرما کر کیا گیا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۔

اسی رہنمائی کا آخری حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان شہداء کو اس جنت میں داخل کرے گا جس سے وہ پہلے ہی ان کو واقف کرا چکا ہے۔ لیکن اس جنت میں داخل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو جنتی خلعتیں پہنائے گا اور ہر طرح سے آراستہ کر کے اور ہر آلائش سے پاک کر کے انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ یہ جو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان شہداء کو اس جنت میں داخل کرے گا جس سے پہلے انہیں واقف کرا چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اہلِ جنت، جنت میں پہنچیں گے تو جو تفصیلات جنت کے حوالے سے وہ قرآنِ کریم میں پڑھ چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے ان تک پہنچ چکی ہیں وہ بالکل جنت کو ویسا ہی پائیں گے۔ قرآن و سنت کی بیان کردہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں تو متشابہات میں شامل ہیں۔ لیکن اہلِ جنت اس کی مراد اپنی آنکھوں سے جنت میں جب دیکھیں گے تو ان کی شکرگزاری کے جذبے میں مزید اضافہ ہوگا۔ اور وہ اس تصور سے جھوم اٹھیں گے کہ پروردگار جیسی عظیم ذات اور انسان جیسا ذرۂ بے قیمت کے درمیان کوئی معاہدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے پر چلنے والے اور جان دینے والوں کے بارے میں جو کچھ وعدہ فرمایا تھا جنت اس کی ہو بہو تصویر ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾
وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔ ۷)
اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو ان کیلئے ہلاکت ہے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے۔ ۸)

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور استقامت کا وعدہ

انسانی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ زندگی کا ایک حصہ ضروریاتِ زندگی پر مشتمل ہے اور دوسرا مقاصدِ زندگی پر۔ مسلمان اپنی ذات میں بھی اور ایک مملکت کے شہری اور سربراہ ہونے کی حیثیت سے بھی بہرحال انسان ہیں اور انسانی زندگی کی ضروریات اپنے اندر بے حد تنوع رکھتی ہیں۔ اسلام نے نہ صرف کسی جائز ضرورت کے مہیا کرنے سے نہیں روکا بلکہ اس کی ترغیب دی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کے حصول کا ذریعہ جائز اور پاکیزہ ہونا چاہئے۔ انسانوں کی جان، مال و دولت اور عزت کی حفاظت کا مملکت کو ذمہ دار بنایا گیا ہے اور ہر شہری کی تعلیم اور اس کی صحت بھی مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کیلئے وسائل فراہم کرے اور اس کے اداروں کو وجود دے۔ اسی طرح حالات کے مطابق دیہاتی اور شہری زندگی کی جو معاشرتی اور تمدنی ضروریات ہیں ان کا فراہم کرنا بھی مملکت کی ذمہ داری ٹھہرائی گئی ہے۔ یہ وہ ضروریات ہیں جن میں

Marfat.com

شہری اور حکمران برابر کے ذمہ دار ہیں اور ان کی فراہمی ان سب کی ذمہ داری ہے۔لیکن جہاں تک ملک کی سلامتی، اسلام کی ترویج اور نفاذ اور اس کی بالادستی اور اگر اسلام کو خطرہ لاحق ہو تو اس کی حفاظت یہ نہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہے بلکہ ان کے مقاصدِ زندگی میں شامل ہے۔یہ وہ چیز ہے جس کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مسلمان اہلِ مکہ کے استبدادی رویہ کے حوالے سے اپنی بقا اور اسلام کے فروغ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔اہلِ مکہ نے اکثر قبائل کو مسلمانوں کا دشمن بنا دیا ہے۔مدینہ کی چھوٹی سے بستی کا معاشی بائیکاٹ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اہلِ مدینہ کی زندگی ضروریاتِ زندگی کی کمی کا شکار ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ مدینہ کے منافقین سے خفیہ مراسلت کے ذریعے مدینہ کے اندر کے حالات کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ اب مسلمانوں کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم اسلام سے ترکِ تعلق کر دیں اور جاہلیتِ قدیمہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے کفر کے سامنے استقامت کے پیکر بن جائیں۔چنانچہ یہ دوسری بات مسلمانوں کا مقصدِ زندگی ہونے کی وجہ سے ایک ایسی حقیقت ہے جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔یہ درست ہے کہ مسلمانوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہے، معاشی حالات دگرگوں ہیں، اسلحۂ جنگ کی فراہمی کیلئے وسائل نہیں ہیں، لیکن مرحلہ ایسا درپیش ہے کہ اس میں ذرا سی کمزوری اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت جوش میں ہے اور مسلمانوں سے وعدہ فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کے احیاء، بقاء، نفاذ اور تحفظ کیلئے اٹھ کھڑے ہو اور سب کچھ اس راستے میں قربان کرنے کا عہد کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔تمہارا کام استقامت دکھانا ہے باقی کام وہ خود سنبھال لے گا اور اس طرح تمہاری مدد فرمائے گا اور اس طرح تمہارے قدم جمائے گا کہ کوئی ان کو اکھاڑ نہ سکے گا۔اس کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا کہ جب اس کا کوئی بندہ یا اس کی نام لیوا کوئی قوم اس کے نام پر اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو پھر اس کی طرف سے فرشتے مدد کیلئے اترتے ہیں۔جنگِ بدر اس کی زندہ مثال ہے۔آنحضرت ﷺ ہجرت کیلئے صرف اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر غارِ ثور میں جا کر بیٹھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مکڑی کے جالے سے وہ کام لیا جو بعض دفعہ قلعے بھی نہیں دیتے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے بند دروازوں تک دوڑنا ضروری سمجھا تو دروازوں کا کھولنا قدرت نے اپنے ذمہ لے لیا۔جب بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے صحیح فیصلے کے بعد اس کے بھروسے پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی شانیں ظاہر ہوتی ہیں اور غیر معمولی طریقے سے اس کی مدد آتی ہے۔لیکن یہ مدد ان لوگوں کیلئے کبھی نہیں آتی جو اپنے گھروں میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے ان کے بارے میں واضح طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر پھٹکار ہے، ان کی ہلاکت کو کوئی نہیں روک سکتا۔وہ جو کچھ اس سلسلے میں کریں گے ان کی ہر تدبیر اکارت جائے گی۔جیسے جنگِ بدر میں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی پہلی صف تہِ تیغ ہوگئی اور دوسری صف ذلت کے ساتھ قید کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝

(یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے اتاری، پس اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ ۹)

Marfat.com

کفار کی بدنصیبی کا سبب

گزشتہ آیات میں بڑے وثوق کے ساتھ مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ افرادی قوت اور وسائلِ جنگ بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں لیکن اصل طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید ہے اور وہ اس قوم کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی ضرورتوں کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنی ترجیح بنالیتی ہے۔ وہ دین کی سربلندی، اس کے نفاذ اور اس کے دفاع کیلئے زندہ رہتے اور شہید ہوتے ہیں۔ ان کا ہر فیصلہ اللہ تعالیٰ کے دین کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اور کافر چونکہ اس دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں بے ثبات اور بودا بنادیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ مشرکینِ مکہ بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرنے سے انکار کرچکے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا اسے انہوں نے ناپسند کیا بلکہ اس کو مٹانے پر تل گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا یہ دی کہ نہتے اور بے سروسامان مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی تمام قوت وشوکت دھری رہ گئی۔ ان کی کثرتِ تعداد ان کے کام نہ آسکی۔ جنگِ بدر میں وہ بری طرح ذلت کا شکار ہوئے۔ اور یہ دراصل سزا تھی اس بات کی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو مٹانے پر تل گئے۔ اور دوسری سزا ان کو یہ ملی کہ انہیں دورِ جاہلیت میں اپنے جن اعمال پر بڑا ناز تھا اور وہ انہیں بہت بڑی نیکی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے ان کا عرب بھر میں احترام پایا جاتا تھا، مثلاً وہ حرم کا اہتمام اور انتظام کرتے تھے، حجاج کی خدمت بجالاتے تھے، حاجیوں کو کھانا کھلاتے اور انہیں ہر ممکن تحفظ فراہم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے یہ تمام اعمال ضائع کردیئے کیونکہ اس کے یہاں قبولیت صرف ان اعمال کو ملتی ہے جو اس کی شرائط کے مطابق انجام دیئے جائیں۔ وہ کسی کی نیکی کا محتاج نہیں کہ جس طرح بھی کوئی نیک عمل کرلیا جائے وہ ممنون ہوکر اسے قبول کرلے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ
دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾

(کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں پامال کردیا اور کافروں کیلئے ان ہی کی مثالیں ہیں۔ ۱۰)

تاریخ سے استدلال

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں تاریخ سے استدلال بھی ہے اور مشرکین کی کورچشمی اور فکری کوتاہی پر تعریض بھی ہے۔ عاد وثمود اور قومِ لوط ان ہی کرتوتوں کے باعث اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں جو کرتوت اس وقت قریش کے ہیں۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ کے دین کا مذاق اڑایا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ختم کرنے کے منصوبے باندھنے لگے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کی تمام تدبیروں کو انہیں پر الٹ دیا۔ اور ایسا عذاب ان پر نازل کیا جس نے انہیں پامال کرکے رکھ دیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ بستیاں جو ان قوموں کی زندگی میں طاقتور حکومتوں کا مسکن تھیں۔ آخر آج ویرانوں میں تبدیل کیوں ہوگئی ہیں۔ قریش اپنے تجارتی اسفار میں ان ویرانوں سے گزرتے ہیں تو انہیں کبھی یہ

Marfat.com

توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اس بات پر غور کرسکیں کہ آخر یہ قومیں اس انجام تک کیوں پہنچیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح اکھاڑا اور پچھاڑا کہ آج ان کا نشان موجود نہیں۔ لیکن ان کی تاریخ عبرت کے طور پر زندہ ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم قریش کی جس کورچشمی پر انہیں تعریض کر رہا ہے کیا آج کے روشنی علم و ہنر کے زمانے میں وہ رویہ بدل گیا ہے، یقیناً نہیں۔ ہمارے اپنے ملک میں موہنجوداڑو جیسی بستیاں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئی ہیں۔ لیکن ہم نے انہیں اپنی تحقیق کا موضوع بنا رکھا ہے۔ وہاں پکنک منانے کیلئے جایا جاتا ہے، لوگ انہیں تاریخی آثار سمجھ کر گھومنے پھرنے کیلئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کی توفیق شاید ہی کسی کو ملتی ہو کہ آخر یہ سرزمین اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار کیوں ہوئی۔ لیکن ہمیں اس بستی کو دیکھ کر کلچر نکالنے کی فکر تو رہتی ہے، عبرت کے حصول کی توفیق کبھی نہیں ہو۔ ٹھیک کہا شاعر نے:

عبرت کی اِک چھٹانک برآمد نہ ہو سکی\
کلچر نکل پڑا ہے منوں کے حساب سے

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ کافروں کے سامنے تو ان ہی معذب قوموں اور بستیوں کی مثالیں ہیں ان کے رویّے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نازل ہونے کے اسباب ہیں۔ جس طرح کے طرزِ عمل سے وہ بستیاں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں، کیا قریش کا وہی طرزِ عمل انہیں ان کے انجام سے بچالے گا۔ یہ بھی اسی عذاب سے دوچار ہوں گے جس عذاب نے ان کی کمر توڑی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

(یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان لانے والوں کا کارساز ہے، اور کافروں کا کارساز کوئی نہیں۔ ۱۱)

کفار کا کوئی کارساز نہیں

اصحابِ سیر نے جنگِ اُحد کے حالات لکھتے ہوئے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب زخمی ہو کر چند صحابہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں رکے ہوئے تھے اس وقت ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر نعرہ لگایا لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ "یعنی ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اسے جواب دو، اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ "ہمارا کارساز اللہ ہے اور تمہارا کوئی کارساز نہیں۔"

گزشتہ آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے، یہ اس کا خلاصہ ہے۔ اور مسلمانوں کو دین کو ترجیح بنانے، اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد اور توکل کرنے اور انتہائی ناسازگار حالات میں بھی اس کے دین کی سربلندی کیلئے اٹھ کھڑے ہونے کی جو تعلیم دی گئی ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے یعنی وہی ہمارا آقا ہے، ہم کسی اور کو آقا نہیں مانتے۔ وہی ہمیں قانون دینے والا ہے، ہم کسی اور کو قانون سازی کا حق نہیں دیتے۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے، ہمیں کسی اور کی نصرت کی پروا نہیں۔ وہی ہمارا کارساز ہے اس لئے ہم کسی اور کو اپنی تقدیر کا مالک نہیں سمجھتے۔ یہ تصورات ہمارا حقیقی سرمایہ ہیں۔ اور مسلمانوں کو ان ہی تصورات اور ان ہی عقائد نے سربلند کیا اور قوت فراہم کی۔ آج مسلمان قرونِ

Marfat.com

اولیٰ کی نسبت ہزار گنا بہتر وسائل رکھتے ہیں اور افرادی قوت کہیں کی کہیں پہنچ گئی ہے۔ لیکن اہلِ دنیا کے سامنے کمزوری کا شکار اور ذلت کی علامت اس لئے بنے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس یہ تصورات جس نے ان کو قوت فراہم کی تھی نہیں رہے۔ اس لئے وہ ہر آستانے پر سر جھکانے اور ہر طاقتور ملک کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہیں۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آذری

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ
یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ
هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ
لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ
وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ
مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا
مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ
وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ
حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا

Marfat.com

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ
اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا
السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ
ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾ ع

رکوع: ۲۔ (بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔ ۱۲) اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو آپ کی اس بستی سے بہت زیادہ طاقتور تھیں جس نے آپ کو نکالا ہے، ہم نے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا کہ کوئی ان کو بچانے والا نہ تھا۔ ۱۳) کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہیں ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کیلئے مزین کر دی گئی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے۔ ۱۴) اس جنت کی مثال جس کا وعدہ اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں نہریں ہوں گی نتھرے ہوئے پانی کی، اور نہریں ہوں گی دودھ کی، جس کے مزے میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا ہوگا، اور نہریں ہوں گی شراب کی جو پینے والوں کیلئے انتہائی لذیذ ہوں گی، اور نہریں ہوں گی صاف شفاف شہد کی، اور اس میں ان کیلئے ہر طرح کے پھل ہوں گے، اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت بھی، کیا یہ لوگ جن کو یہ نعمتیں ملیں گی ان لوگوں کی مانند ہو سکتے ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ دے گا۔ ۱۵) اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں، لیکن جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جنہیں علم کی نعمت بخشی گئی ہے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے، اور انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔ ۱۶) اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا۔ ۱۷) تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ جائے، اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں، جب وہ خود ہی آ جائے گی تو ان کیلئے نصیحت حاصل کرنے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ ۱۸) پس اے پیغمبر! خوب جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور معافی مانگتے رہئے اپنے قصور کیلئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کیلئے بھی، اور اللہ جانتا ہے تمہاری سرگرمیوں کو بھی اور تمہارے ٹھکانے کو بھی۔ ۱۹)

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

(بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔ ۱۲)

ایک اشتباہ کا ازالہ

حق و باطل کی کشمکش میں دو ہی گروہ ہیں جن میں سے ایک اہلِ حق کا گروہ ہے اور دوسرا اہلِ باطل کا۔ اہلِ حق خیر کے نمائندہ اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر قائم کرنے والے ہیں۔ اور اہلِ باطل خواہشات کے پیروکار، شیطان کے نمائندہ اور شر کی قوتوں کو توانا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں صراحت کے ساتھ اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ اہلِ حق یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور اس کے احکام کے مطابق اعمالِ صالحہ بجالانے والے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق ہیں۔ دنیا میں اہلِ باطل کے مقابلے میں انہیں مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اور یہ وقتی طور پر وہ آزمائش ہے جس سے اہلِ حق کی تربیت بھی ہوتی ہے اور ان کا برسرِ حق ہونا آزمایا بھی جاتا ہے۔ اور جب وہ اس کٹھالی سے کندن بن کر نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید رفتہ رفتہ ان کو دنیا میں بھی غالب اور سربلند کر دیتی ہے۔ لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے ایک مومن کیلئے وہی حقیقی زندگی ہے اور اس کی نگاہ ہمیشہ اسی کے ثمرات پر رہتی ہے۔ دنیا کی زندگی اگر مصائب اور تکالیف میں بھی گزرے تو ایک نہ ایک دن اسے ختم ہو جانا ہے لیکن آخرت کی زندگی ایک ابدی زندگی ہے جس کی نعمتیں حقیقی نعمتیں ہیں اور جہاں کا اجر و ثواب حقیقی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ وہ صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو ایمان سے بہرہ مند اور عملِ صالح کا پیکر ہیں۔ اس پر ایک دنیادار کے ذہن میں جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں تو ہم کفار کو مزے لوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ نہایت پرتکلف زندگی گزارتے ہیں، آسودہ حالی ان کا مقدر بنی رہتی ہے اور گھر میں ان کے دولت کی ریل پیل ہوتی ہے۔ کسی نعمت کی ان کے یہاں قلت نہیں ہوتی۔ لیکن ان کے مقابلے میں اہلِ حق ہمیشہ بدحالی کا شکار رہتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آخرت میں ان کو بیش بہا نعمتیں ملیں گی لیکن اگر دنیا میں سوائے دکھوں کے ان کو کچھ نہ ملا تو محض آخرت کے وعدے تو ان کے زخموں کیلئے مرہم ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جہاں تک پیٹ بھر کے کھانے کا تعلق ہے اور عیش اڑانے کا سوال ہے اس میں تو حیوان بھی بہت خوش نصیب واقع ہوئے ہیں۔ وہ زندگی میں خوب مزہ اٹھاتے ہیں اور ان کے کھانے پینے میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ پورا پورا کھیت اجاڑ کر ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ہر جگہ منہ مارتے پھرتے ہیں۔ تو اس کا نام حیوانیت تو ہے، انسانیت نہیں۔ حیوان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو تو خوب بخشا ہے لیکن اسے عقل اور شعور کی دولت سے محروم رکھا ہے۔ اسے اس بات کا کبھی احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں جو نعمتیں کھا رہا ہوں کبھی میں اس بات پر غور کروں کہ ان نعمتوں کا پیدا کرنے والا کون ہے، میرے لئے یہ خوانِ نعمت کس نے بچھایا ہے، قدم قدم پر میری ضروریات کی کفالت کون کر رہا ہے، یقیناً مجھ پر اس کے کچھ حقوق بھی ہوں گے، کیا میں نے کبھی ان حقوق کی ادائیگی کی فکر کی ہے۔ یہ وہ سوچ اور وہ احساس ہے جو انسان کو حیوان سے

Marfat.com

الگ کرتا ہے۔ اگر محض دنیا کے مزے اڑانا اور ہر وقت تن پروری کی فکر میں لگے رہنا ہی زندگی ہوتی اور یہی زندگی کا مقصد ہوتا تو اس کیلئے تو حیوان ہی کافی تھے، انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انسان کو تو اس لئے پیدا کیا گیا اور اسے شعور بھی بخشا گیا اور اس احساس سے اسے گراں بار بھی کیا گیا کہ تم جو کچھ کھاتے پیتے ہو اگر تمہارے کھانے پینے نے تم سے پوچھ لیا کہ مجھے جس کی خدمت اور جس کی خاطر پیدا کیا گیا تھا میں نے تو اپنے مخدوم کو پہچان لیا اور میں نے اپنا سب کچھ اس کے سپرد کر دیا۔ وہ مجھے پیسے، پکائے، بھونے، تلے، جو چاہے میرے ساتھ سلوک کرے میں نے اس کیلئے کبھی آزردگی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ مجھے اسی مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن اگر میرے مخدوم سے پوچھ لیا جائے کہ تجھے بھی تو آخر کسی کیلئے پیدا کیا گیا ہوگا، تجھ پر بھی تو کسی کے حقوق ہوں گے، تو تم نے ان حقوق کی ادائیگی کیلئے کیا کیا ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کی طرف توجہ دلانے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ کافر ہمیشہ چوپایوں کی طرح کھاتے پیتے اور عیش اڑاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ وہ چوپائے یا حیوان نہیں بلکہ انسان ہیں۔ چونکہ انہیں کبھی اس بات کی طرف دھیان نہیں آتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں ان کو کھانے پینے اور عیش اڑانے کی مہلت دی گئی ہے لیکن ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اس مہلتِ عمل سے فائدہ اٹھا کر آخرت کی تیاری نہیں کی۔ اس لئے آخرت میں سزا کے طور پر انہیں جہنم کی نذر کر دیا جائے گا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

(اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو آپ کی اس بستی سے بہت زیادہ طاقتور تھیں جس نے آپ کو نکالا ہے، ہم نے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا کہ کوئی ان کو بچانے والا نہ تھا۔ ۱۳)

قریش کے غرور پر چوٹ

قریش کو جس طرح اپنی دولت و رفاہیت پر ناز تھا، اسی طرح انہیں اپنی طاقت و قوت کا بھی بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے قریب قریب ہماری ٹکر کی کوئی طاقت نہیں۔ اور جب انہوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کیلئے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ مسلمانوں کو اور آپ کو مکے سے ہجرت کرنا پڑی تو انہیں اپنی طاقت کا مزید غرور اور تکبر پیدا ہوگیا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہم اس قدر طاقتور ہیں کہ جس کو چاہیں مکے میں رہنے دیں اور جسے چاہیں مکے سے نکال باہر کریں۔ اور طاقت کے اسی نشے نے انہیں اس حد تک برخود غلط بنا دیا کہ وہ نہ قیامت کے تصور کو خاطر میں لاتے تھے اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر لگتا تھا۔ چنانچہ انہیں حقیقت کا آئینہ دکھانے کیلئے تاریخ سے استشہاد کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ان سے پہلے کتنی ایسی بستیاں گزری ہیں جو اہلِ مکہ سے ہر لحاظ سے بہت طاقتور تھیں۔ وہ ایک مستحکم حکومت رکھتی تھیں، ان کے پاس منظم فوجیں تھیں، اسلحۂ جنگ کی کمی نہ تھی، دولت و رفاہیت بھی ان کے گھر کی لونڈی تھی، بایں ہمہ تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر ٹوٹا تو اس نے انہیں جڑ سے اکھاڑ کے رکھ دیا۔ کوئی ایک شخص بھی زندہ نہ رہ سکا اور جن قوتوں پر انہیں بڑا بھروسہ تھا کوئی قوت ان کی مدد کو نہ پہنچ سکی۔ قریش ان قوموں کو خوب جانتے ہیں، ان کی طاقت سے بھی آگاہ ہیں۔ تو پھر انہیں سوچنا چاہئے کہ اگر ان سے زیادہ طاقتور قومیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے اپنے آپ کو نہ بچا سکیں تو یہ کس طرح اپنے آپ کو بچائیں گی۔

Marfat.com

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

(کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہیں ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کیلئے مزین کر دی گئی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے۔ ۱۴)

اہلِ حق اور اہلِ باطل کے فکری اور عملی تضاد کی وضاحت

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اہلِ حق اور اہلِ باطل کے فکری اور عملی تضاد کو واضح فرمایا ہے۔ اور اس تضاد کو نمایاں کرنے کیلئے استفہامیہ انداز اختیار فرمایا ہے۔ عام انسانی عقل اور انسانی شعور کو خطاب کرتے ہوئے فیصلہ ان پر چھوڑا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اہلِ حق کہا جاتا ہے ان کی سوچ اور ان کے عمل پر ایک روشن دلیل کا پہرہ ہے۔ انہوں نے محض رواروی میں اپنے ذہنی رویئے کی تعمیر نہیں کی اور نہ اپنا عملی سانچا استوار کیا بلکہ ان کی رہنما ایک ایسی مضبوط اور روشن دلیل ہے جس سے انکار کرنا کسی صاحبِ عقل کیلئے ممکن نہیں۔ وہ دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک رسول انسانی اصلاح کا ایک نسخۂ کیمیا لے کر آیا اور جس کے بارے میں نہایت حتمی انداز میں یہ بات فرمائی کہ جو شخص بھی اسے اختیار کرے گا وہ تمام انسانی کمزوریوں سے بچ کر مکارمِ اخلاق کا نمونہ بن جائے گا۔ اس کے دل و دماغ پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی حکومت ہوگی، اس کی تنہائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کے تصور سے ہر طرح کے گناہ سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اور وہ دلیل خود اللہ تعالیٰ کا رسول ہے کیونکہ وہ اپنی قوم میں چالیس سال گزار چکا ہے۔ اس کا ایک ایک دن قوم کی نگاہوں کے سامنے گزرا ہے۔ اس کے قریب رہنے والے لوگ اس کی زندگی سے پوری طرح آگاہ ہیں اور وہ یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے کبھی اس ذاتِ عزیز کو جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ اس نے کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ اس کے سیرت و کردار میں کوئی عیب ہم نے کبھی نہیں دیکھا جبکہ اس کی قوم کا ایک ایک فرد بداعمالیوں اور بداطواریوں میں پوری طرح مبتلا ہے۔ لیکن وہ ان کے درمیان رہتے ہوئے بھی اس طرح زندگی گزارتا رہا ہے جیسے پتھروں کے ڈھیر میں کوئی ہیرا چمکتا ہے۔ تو ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرتے ہوئے نہایت مستحکم انداز میں اس کے سچا ہونے کی شہادت دیتا ہے تو کوئی عقلمند آدمی اس کے قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جس شخص نے کبھی کسی انسان کے بارے میں جھوٹ نہیں بولا وہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ اسی طرح وہ جس کتاب کو قوم کے سامنے پیش کر رہا ہے اور اس کے دعویٰ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اس کتاب کی ایک ایک آیت فصاحت و بلاغت کا معجزانہ نمونہ ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ ہر طرح کی کمزوری سے پاک اور اس کا ایک ایک جملہ حُسنِ ترکیب کا شاہکار ہے۔ اس میں پیش کیا جانے والا نظامِ زندگی ہر طرح کی پیچیدگی سے مبرا اور انسانی وسائل کے حل کیلئے نہایت دوررس اثرات کا حامل اور مرورِ زمانہ کے ہر طرح کے تاثر سے پاک ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس رسول کی تربیت میں داخل ہوتے ہیں اس پر ایمان لاتے اور یقین کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایمان و عمل کی ایسی بلندیوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور مکارمِ اخلاق کی ان خوبیوں کا پیکر بن جاتے ہیں جن کا تصور بھی اس ماحول میں کرنا ناممکن تھا۔ یہ وہ روشن دلیل ہے جس سے صاحبِ ایمان لوگ پوری طرح بہرہ ور اور مزین ہیں۔ لیکن دوسری طرف اہلِ باطل کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے عقائد، اپنے خیالات، اپنے اعمال اور اپنے اخلاق کی کوئی دلیل

Marfat.com

نہیں۔ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ آپ نے جو کچھ فکری اور عملی طور پر اختیار کر رکھا ہے اس کی سند آپ کے پاس کیا ہے۔اور آپ نے آج تک جو انسان تیار کیے ہیں ان میں انسانیت کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے۔ان کے پاس اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہوائے نفس ہے، خواہشات ہیں، سفلی جذبات ہیں۔بس ان کی پوری زندگی اسی سے عبارت ہے اور وہ شب و روز ایسی ہی چیزوں کی پیروی کرتے ہیں۔اس سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں فکری اور عملی تضاد کی کیفیت کیا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

(اس جنت کی مثال جس کا وعدہ اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں نہریں ہوں گی نتھرے ہوئے پانی کی، اور نہریں ہوں گی دودھ کی، جس کے مزے میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا ہوگا، اور نہریں ہوں گی شراب کی جو پینے والوں کیلئے انتہائی لذیذ ہوں گی، اور نہریں ہوں گی صاف شفاف شہد کی، اور اس میں ان کیلئے ہر طرح کے پھل ہوں گے، اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت بھی، کیا یہ لوگ جن کو یہ نعمتیں ملیں گی ان لوگوں کی مانند ہو سکتے ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ دے گا۔ ۱۵)

اہلِ حق اور اہلِ باطل کے انجام میں فرق

گزشتہ آیات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اہلِ حق اور اہلِ باطل اپنی سوچ، اپنے ذوق، اپنے عمل اور اپنی پسند و ناپسند میں یکسر ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا مقام بھی الگ الگ ہو اور اس کے نظامِ جزا و سزا میں دونوں الگ الگ حیثیتوں کے مالک ہوں۔جن لوگوں نے تقویٰ کی زندگی گزاری یعنی اپنے دل و دماغ اور اپنی عملی اور انفعالی قوتوں میں ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کی۔زندگی کے ہر مرحلے میں احکامِ شریعت کو اختیار کیا۔ہر طرح کے حالات میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت کو رہنما بنایا۔ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے جس کی حقیقت تو قیامت کے دن ہی کھلے گی کہ وہ جنت کیسی ہے۔لیکن اس کی تمثیل بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس میں صاف ستھرے اور نتھرے ہوئے پانی کی نہریں ہوں گی جس کی بو، مزے اور رنگ میں کسی طرح کا تغیر پیدا نہیں ہوا ہوگا۔کیونکہ دنیا میں دریاؤں اور نہروں کا پانی عموماً گدلا ہوتا ہے۔زمین کا سفر کرتے ہوئے ریت اور مٹی اور نباتات کسی صورت میں نہ جانے کیسے کیسی چیزیں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔اسی طرح چشموں سے ابلتا ہوا پانی بھی نہ جانے کہاں کہاں سے گزر کے آتا ہے۔برف کی صورت میں کیسا پانی جمتا ہے جو پگھل کر چشموں کی صورت میں رواں ہو جاتا ہے۔وہ یقیناً دریائی پانی سے بہت صاف ہوتا ہے۔لیکن اس کے اندر بھی وہ صفائی یقیناً نہیں ہو سکتی جو جنت میں نکلنے والی نہر کے پانی کی ہوگی۔ایسے پانی کو غیر آسن قرار دیا گیا ہے، یعنی وہ خالص صاف ستھرا پانی ہوگا جس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہوگی۔اسی طرح وہاں دودھ کی نہریں رواں دواں ہوں گی جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا دودھ نہ ہوگا۔کیونکہ تھنوں سے نکلنے والا دودھ اگرچہ گوبر اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ نکال کے لاتا ہے جو بالکل سفید اور

Marfat.com

نہایت صاف ستھرا ہر طرح کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس میں ایک ہلکی سی بساند ہوتی ہے۔ جنت میں پایا جانے والا دودھ اس طرح کی ہر بساند سے پاک ہوگا۔ اور وہ لطف ولذت میں بھی یقیناً دنیا میں پائے جانے والے دودھ سے بہت مختلف ہوگا۔ مزید فرمایا گیا کہ وہاں شراب کی نہریں بہیں گی، لیکن وہ شراب رنگ اور مزے اور بو میں دنیوی شراب سے بالکل مختلف ہوگی۔ اس میں دنیا کی شراب کی طرح نہ کڑواہٹ ہوگی اور نہ سیاہی۔ اور نہ اس کے پینے کے بعد خمار آئے گا۔ نہ وہ عقل پر غلبہ پائے گی۔ وہ اپنے پینے والوں کیلئے صرف لذیذ ہی نہیں بلکہ سراپا لذت ہوگی۔ اس کو صرف لذت کیلئے پینے والے پینا پسند کریں گے۔ اس کے پینے سے جس طرح لطف ولذت میں اضافہ ہوگا اسی طرح اس کا خمار اترنے سے جس طرح جسم لوٹتا ہے جنت کی شراب ان تمام کمزوریوں سے پاک ہوگی۔ مزید فرمایا کہ اس میں صاف ستھرے شہد کی نہریں رواں ہوں گی۔ دنیا میں جو شہد ملتا ہے اس کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں کسی نہ کسی حد تک مکھیوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ وہ ان کے غل وغش سے پاک نہیں ہوتا۔ اس میں کہیں مری ہوئی مکھیوں کی ٹانگیں نکلتی ہیں اور کبھی موم اور چھتے کے ٹکڑے برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن جنت کی نہروں میں بہنے والا شہد ہر طرح کی آلودگی اور مکھیوں کے اثرات سے یکسر پاک ہوگا۔ کوئی اس پر مگس کی قے ہونے کی پھبتی چست نہ کر سکے گا۔ مزید فرمایا کہ اہل جنت کو اس میں ہر طرح کے پھل ملیں گے جس میں نہ موسم کی قید ہوگی نہ کسی علاقے کی پابندی۔ اہلِ جنت جس پھل کی بھی خواہش کریں گے وہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ آخر میں ایک ایسی نعمت کا ذکر فرمایا گیا ہے جو جنت کی ان تمام بیش بہا نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی۔ کیونکہ یہ وہ نعمت ہے جس کے ملنے کے بعد باقی تمام نعمتوں کا جواز پیدا ہوتا ہے، بلکہ جنت اسی نعمت کا ثمر ہے۔ اور ایک مومن درحقیقت اسی نعمت کو حاصل کرنے کیلئے جیتا اور مرتا ہے۔ اور زندگی میں جتنی قربانیاں دیتا ہے اس کے پیشِ نظر صرف اسی نعمت کا حصول ہوتا ہے۔ محض جنت کا حصول ایک مومن کے اہداف میں کبھی شامل نہیں رہا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ جب کسی کی مغفرت فرماتا ہے تو اسے جنت بھی عطا فرماتا ہے۔

ایک تو یہ لوگ ہیں جنہیں متقی کہا گیا ہے اور جو اپنے رب کے یہاں جنت میں وہ نعمتیں پائیں گے جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے بالمقابل وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان نہ لائے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایات کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے رہے بلکہ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اور ایسا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا جو انتہائی گرم ہونے کی وجہ سے ان کی آنتوں کو جلا دے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں طرح کے لوگ آپس میں یکساں ہو سکتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہو سکتے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قیامت کا آنا یقینی ہے ورنہ عدل کے تقاضے ادھورے رہ جائیں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

(اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں، لیکن جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جنہیں علم کی نعمت بخشی گئی ہے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے، اور انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔ ۱۶)

Marfat.com

منافقین کا طرزِ عمل اور اس کا انجام

ابھی تک تو مسلمانوں کے مقابل اہلِ باطل کے اس گروہ کا تذکرہ تھا جو کھلم کھلا اور علانیہ طور پر مسلمانوں کا مخالف اور دشمن تھا۔ اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں کفار ہی کے دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے جنہیں منافقین کہنا چاہئے۔ جو لوگ علانیہ کافر تھے وہ تو آنحضرت ﷺ کے قریب بھی پھٹکنا پسند نہیں کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ اپنے اوپر نازل ہونے والی جس ہدایت کا ذکر فرماتے وہ اسے کراہت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لیکن یہ ان ہی میں سے ایک ایسا گروہ تھا جنہوں نے نفاق کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ ان سے بطورِ خاص اس لئے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ جس دشمن سے آپ کا ہر میدان میں مقابلہ ہے صرف اسی پر نظر نہ رہے بلکہ وہ لوگ جو آپ کی مجلسوں میں آتے ہیں لیکن درحقیقت کفار ہی کے آدمی ہیں، ان پر بھی نظر رہنی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بعض دفعہ علانیہ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ بعض دفعہ اپنی چرب زبانی سے اپنے اخلاص کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن درپردہ دشمنوں سے ساز باز رکھتے اور مسلمانوں کی اطلاعات ان تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور جب بھی موقع ملتا ہے کسی نہ کسی طریقے سے مسلمانوں کی یکسوئی یا ان کی شیرازہ بندی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی شناخت کے طور پر یہ فرمایا گیا کہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں صرف بیٹھتے ہی نہیں بلکہ نہایت توجہ سے کان لگا کر آپ کی بات کو سنتے ہیں اور دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ آپ کی باتوں سے بہت زیادہ اثر قبول کررہے ہیں۔ لیکن جب آپ کی مجلس سے باہر نکلتے ہیں تو وہ صحابہ کرام جو اپنے علم و دانش میں مسلمانوں میں اہم مقام کے حامل ہیں ان سے پوچھتے ہیں کہ ابھی آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا تھا۔ ہم نے بڑی توجہ سے سنا اور سمجھنے کی پوری کوشش کی لیکن ہم اسے گرفت میں نہیں لاسکے۔ اس طرح سے وہ اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ تم جو ہر بات پر سرِ تسلیم خم کردیتے ہو جبکہ آنحضرت ﷺ کی باتیں گہرے غور و فکر کی متقاضی ہوتی ہیں۔ اس طرح سے ان کے دلوں میں بے اطمینانی بھی پیدا کرتے ہیں اور اپنے لئے ایک عذر بھی تلاش کرلیتے ہیں۔ پروردگار نے ان کے رویئے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی باتوں میں کوئی الجھاؤ نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو کلام آپ پر اترتا ہے اس کی وضاحت میں بھی وہ کوئی کمی باقی نہیں رہنے دیتے۔ اس لئے مسلمانوں کا اس پر سرِ تسلیم خم کرنا ان کے اخلاص اور ایمان کی دلیل ہے۔ رہے یہ لوگ تو ان کی یہ حالت اس لئے نہیں کہ وہ باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سماعِ قبول سے محروم کردیا ہے، ان کے دلوں پر مہر کردی ہے اور جو طرزِ عمل یہ اپنے لئے پسند کرچکے ہیں اسے ان کے لئے مزین کردیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کے پیرو بن کر رہ گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ہمیشہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی وحی کے نور سے محروم رہتے ہیں اور اپنی خواہشات کی پیروی میں اپنی دنیا و عقبیٰ تباہ کرلیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

(اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کردیا اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا۔ ۱۷)

Marfat.com

ہدایت یافتہ لوگوں کا انجام

منافقین کی روش کے برعکس وہ مخلص اور سادہ مسلمان جنہوں نے ہدایت کی راہ پائی یعنی انہوں نے اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہمارا ہادی بنا کے بھیجا ہے اور قرآنِ کریم کتابِ ہدایت بن کر آیا ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم ہدایت کے ان سرچشموں سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اپنی گہری سے گہری وابستگی ان سے قائم رکھیں اور جو رہنمائی وہاں سے ملے اسے حرزِ جان بنالیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہم نے اپنی سنت کے مطابق ان کی ہدایت میں اضافہ کردیا ہے۔ جس طرح منافقین کے طرزِ عمل نے انہیں اس راستے پر ڈالا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی۔ اس کے برعکس مخلص مسلمانوں نے جب ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی مکمل پیروی کی تو ہم نے ان کی ہدایت میں اور زیادہ پختگی پیدا کردی۔ ان کی نگاہوں کو بصیرت عطا کی اور ان کے دلوں کو نورِ بصیرت سے روشن فرمایا۔ اور ان کے دلوں کو ایسا مضبوط کردیا کہ مخالفین کی بڑی سے بڑی مخالفت اور حالات کی انتہا درجہ ناموافقت ان کے دل کے اطمینان اور یقین کو ہلانے سے عاجز رہ گئی۔ ان کے اس کامل ایمان اور یقین کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استعداد اور طلب کے مطابق انہیں تقویٰ اور پرہیزگاری سے بہرہ مند فرمایا۔ انہیں صرف طہارتِ فکر ہی عطا نہیں کی بلکہ عمل کی پاکیزگی بھی بخشی اور دل کا میلان نیکی کی طرف اس قدر بڑھا دیا کہ نیکی انہیں اپنے دل کا تقاضا معلوم ہونے لگی۔ اور تمام شرعی احکام ان کی طبیعت کی صدا بن گئے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

(تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آجائے، اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں، جب وہ خود ہی آجائے گی تو ان کیلئے نصیحت حاصل کرنے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ ۱۸)

پیغمبر کی کاوشوں سے فائدہ نہ اٹھانے والے قیامت کے منتظر ہیں

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے دین کی وضاحت وصراحت کا تعلق ہے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور قرآن کے نزول کے بعد اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ایک ایسی شخصیت ہیں جو ان کیلئے اجنبی نہیں۔ ان کے سامنے انہوں نے زندگی کا معتدبہ حصہ گزارا ہے۔ ان کے سیرت وکردار کی بلندی سب کے نزدیک مسلم ہے، ان کی بے عیب زندگی کا سب کو اعتراف ہے اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھانے اور دلوں میں اتارنے کیلئے جس قدر جان کھپائی ہے اور ہمدردی اور خیرخواہی کی جس طرح انتہا کردی ہے ایک ایک شخص اس سے آگاہ ہے۔ اور آپ پر اترنے والی کتاب وہ کسی غیر زبان میں نہیں بلکہ اسی عربی زبان میں ہے جسے قریش بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس کی فصاحت وبلاغت اور اس کا معجزانہ اندازِ بیان اور اس کا حیرت انگیز جچا تلا پیغام ان کیلئے ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ان کے بس میں نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر یہ لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کیلئے تیار نہیں اور ان میں سے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں آپ کی باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ یہ لوگ سرے سے ہدایت اور رہنمائی کے طالب نہیں بلکہ صرف قیامت کے

Marfat.com

منتظر ہیں جبکہ قیامت مہلتِ عمل کو ختم کرنے کیلئے آئے گی، ہدایت دینے کیلئے نہیں۔ اور پھر قیامت بھی کوئی ایسا الجھا ہوا معاملہ نہیں بلکہ اس کی بعض علامتیں تو ان کے سامنے آ بھی چکی ہیں ان ہی میں سے ایک اہم علامت نبی کریم ﷺ کا تشریف لانا ہے۔ حدیث کی معتبر کتابوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی کھڑی کر کے فرمایا بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ ''میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں، یعنی جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی بھی مبعوث ہونے والا نہیں ہے میرے بعد اب بس قیامت ہی آنے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت بہت دور نہیں اور بالخصوص قیامت چونکہ ایک ایسا دن ہے جس میں دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا انسانوں سے حساب لیا جانا ہے گویا کہ وہ دن دار الجزاء ہے اور دنیا دار العمل ہے۔ اس دار العمل کیلئے جس رہنمائی کی ضرورت ہے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی اس کی آخری کڑی ہیں، اس کے بعد صرف قیامت ہی کو آنا ہے کسی اور نبی یا رسول کی بعثت نہیں ہوگی۔ تو جسے ہدایت حاصل کرنا ہے اور قیامت کی جوابدہی کیلئے تیاری کرنی ہے اس کیلئے ناگزیر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول پر ایمان لائے۔ اور ان تمام ہدایات کو قبول کرے جو حضور لے کے آئے ہیں۔ لیکن اگر وہ قیامت کا اس لئے منتظر ہے کہ اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے رسول کی حقانیت کو ثابت کر دے گا تو اس حماقت اور سادگی کا تو کوئی جواب نہیں کیونکہ قیامت کے آنے کے بعد نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں ہو گا۔ ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور انسانوں کو میدانِ حشر میں جواب دہی کیلئے اکٹھا کر لیا جائے گا۔ اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول جو کچھ کہتے تھے وہ بالکل صحیح تھا اور قیامت حقیقت تھی۔ لیکن اب ایمان کا کیا فائدہ ہوگا۔ یہ تو ایسا ہی ہے:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ ﴿۱۹﴾

(پس اے پیغمبر! خوب جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور معافی مانگتے رہئے اپنے قصور کیلئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کیلئے بھی، اور اللہ جانتا ہے تمہاری سرگرمیوں کو بھی اور تمہارے ٹھکانے کو بھی۔ ۱۹)

حاصل بحث اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی

کفار اور منافقین پر تبلیغ و دعوت کا حق ادا کر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے عظیم پیغمبر کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اس بات کو خوب جان لیجئے اور پیغمبر کا جان لینا چونکہ لوگوں تک پہنچانے کی تمہید ہوتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ لوگوں پر بھی یہ بات واضح کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کی حاکمیت اور اس کی غیر معمولی صفات کا استحضار ایک مومن کا اصل سرمایہ ہے۔ یہی اس کا مبتداء ہے اور یہی منتہا ہے۔ اسی پر ایمان، اسی کی غیر مشروط اطاعت، اسی کی مخلصانہ بندگی، انسان کا اصل جوہر ہے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے اور اسی کو

Marfat.com

اخلاص کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اسی وابستگی اور تعلق میں اگر کوئی کمزوری پیدا ہوتی ہے تو اسی کو ذنب اور گناہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے ایک مومن کو اصل فکر اس بات کی رہتی ہے کہ میرا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے اس میں کوئی کمی نہیں آنی چاہئے چاہے اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا چاہے حقوق العباد سے ہو، ہر حال میں ایک مومن اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند اور اس کے سامنے جواب دہی کیلئے مسؤل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول چونکہ معصوم ہوتے ہیں ان سے کبھی بھی اس گناہ کا صدور نہیں ہوتا جو شریعت کے کسی حکم کو توڑنے سے وجود میں آتا ہے۔ البتہ ان سے اجتہادی لغزش کا ہونا ممکن ہے۔ اور یہ لغزش اگر غیر نبی سے ہو تو وہ نہ گناہ کہلاتی ہے نہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ اس پر اجر وثواب ملتا ہے۔ لیکن یہی لغزش اگر اللہ تعالیٰ کے نبی سے ہو تو قرآنِ کریم اسے گناہ کے لفظ سے یاد کرتا ہے حالانکہ شرعی طور پر اسے گناہ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول کے مرتبہ ومقام کی بلندی کی وجہ سے اسے اس لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً جنگِ تبوک میں منافقین نے آنحضرت ﷺ کے سامنے جھوٹے سچے عذر پیش کر کے جنگ میں حاضری سے اجازت چاہی، تو آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ لیکن قرآنِ کریم نے اسے گناہ قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔ حالانکہ ان کو اجازت دینے یا نہ دینے کا کوئی تعلق اسلامی احکام سے نہیں، محض آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے ہے۔ لیکن پروردگار نے تدبیر کی اس غلطی پر بھی توجہ دلائی۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں اس لئے ذنب کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ شاید اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف بھی اس گناہ کی نسبت کی جا رہی ہے جو قابلِ مواخذہ ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول صرف اپنی ذات کا نہیں بلکہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی ذمہ داری بھی رکھتا ہے۔ اس لئے وہ صرف اپنے لئے استغفار نہیں کرتا بلکہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے بھی استغفار کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ ان کی غلطیوں کو بھی استغفار کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور بڑی اہم بات یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں میں جو مزاج اور شعور پیدا کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی اور عبادت بجالانے میں اور اس کے دین کی خاطر جان لڑانے میں خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو اس کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور جو کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا میں اس سے عہدہ برا ہو چکا ہوں۔ بلکہ اس کے دل میں ہمیشہ اس کی خلش تازہ رہنی چاہئے کہ میں نے جو کچھ کیا میرے مالک کا حق اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اور پھر یہ بات بھی کہ میں نے اپنے تئیں اخلاصِ عمل کا سرمایہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے کی کتنی بھی پاکیزہ کوشش کی ہو وہ کبھی اس قابل نہیں ہوسکتی کہ اس میں کبھی نہ کبھی کوئی آمیزش نہ ہوئی ہو اور یا اسے بارگاہِ الٰہی کے قابل سمجھ لیا جائے۔ اس لئے میری عافیت اسی میں ہے کہ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگتا رہوں۔ اور آنحضرت ﷺ چونکہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کیلئے ایک نمونہ ہیں اس معاملے میں بھی انہوں نے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ مسلمانوں کیلئے ہمیشہ مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں ہر روز سو بار اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور ازواجِ مطہرات کی یہ شہادت ہے کہ جیسے جیسے آنحضرت ﷺ عمر کے آخری حصے کی طرف بڑھتے گئے، ویسے ویسے آپ کی تسبیح واستغفار میں اضافہ ہوتا گیا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سرگرمیوں اور آپ کے ٹھکانے کو بھی جانتا ہے۔ اس میں ایک طرح سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے کہ آپ کے حالات کتنے بھی نامساعد سہی آپ کو اطمینان رکھنا چاہئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ہیں۔ آپ کا کوئی کام اور کہیں آپ کا آنا جانا اور کہیں آپ کا ٹھہرنا اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کی دشمنوں سے حفاظت کرے گا۔ اور اسلامی انقلاب کو ایسا زخم نہیں لگنے دے گا جو اس کے سفر کو کھوٹا کر سکے۔

Marfat.com

وَيَقُولُ الَّذِينَ

اٰمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَآ أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيهَا
الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ
الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَأَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۣ
فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ
إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوٓا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ أُولٰٓئِكَ
الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰٓى أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ
الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلٰى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلٰٓى أَدْبَارِهِمْ
مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَأَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ
الْأَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ
وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوا
رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع

رکوع: ۳۔ (اور کہتے تھے وہ لوگ جو ایمان لائے کہ کیوں نہیں نازل کی جاتی کوئی سورۃ (در باب قتال) اور جب اتار دی گئی ایک محکم سورۃ جس میں لڑائی کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے دیکھا ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، پس ان کے حال پر افسوس

Marfat.com

ہے۔ ۲۰) منافقین کی عام روش) حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنا، پس جب معاملہ کا قطعی فیصلہ ہو گیا تو اگر وہ اللہ سے راست باز ثابت ہوتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔ ۲۱) پس تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں فساد برپا کرو اور اپنے رحمی رشتوں کو کاٹ ڈالو۔ ۲۲) یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، پس ان کے کانوں کو بہرہ اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ ۲۳) کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ ۲۴) بے شک جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد پیٹھ پیچھے پلٹ گئے، شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کیلئے دراز کر رکھا ہے۔ ۲۵) یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ چیز کو برا جانا، کہا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری مانیں گے۔ اور اللہ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ۲۶) پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے ہوئے ان کی روحیں قبض کریں گے۔ ۲۷) یہ اس وجہ سے ہو گا کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والی تھی اور اللہ کی خوشنودی سے نفرت کی، پس اللہ نے ان کے اعمال ڈھا دیئے۔ ۲۸)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ ﴿٢٠﴾

(اور کہتے تھے وہ لوگ جو ایمان لائے کہ کیوں نہیں نازل کی جاتی کوئی سورۃ (در بابِ قتال) اور جب اتاری گئی ایک محکم سورۃ جس میں لڑائی کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے دیکھا ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، پس ان کے حال پر افسوس ہے۔ ۲۰)

جہاد سے متعلق منافقین کا طرزِ عمل

مسلمانوں کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں کو اطمینان سے اپنے دین پر عمل کرنے کا موقع ملے گا۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے فیصلے کریں گے اور مدینہ کی چھوٹی سے بستی جو ایک ریاست کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی اس کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں گے، لیکن اہلِ مکہ نے انہیں یہاں بھی آرام سے رہنے کا موقع نہ دیا۔ وہ انہیں مرتد قرار دے کر اپنے دین میں واپس لے جانے کی فکر میں تھے کہ مسلمانوں کی ہجرت نے ان کے ارادوں پر پانی پھیر دیا اور وہ یہ سمجھے کہ ہمارا شکار ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا، اس لئے وہ انہیں بھگوڑے قرار دے کر ہر ممکن طریقے سے انہیں زچ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے جینے اور مرنے کا عہد کر رکھا تھا اور انہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس رہتا تھا اس لئے وہ کسی قیمت پر بھی اہلِ مکہ کے سامنے جھکنے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ اہلِ مکہ کی بڑھتی ہوئی جارحیت کو دیکھ کر پہلے تو ان کے دل میں یہ خیال مچلنے لگا اور پھر زبانوں پر دبے دبے

Marfat.com

لہجے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مؤدبانہ سوال کی صورت اختیار کر گیا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کوئی ایسی سورۃ یعنی کوئی ایسا حکم نازل کیوں نہیں فرماتے جس میں ہمیں جہاد کا حکم دیا گیا ہو، تا کہ ان ظالموں سے ہم دو دو ہاتھ کر کے دیکھ لیں۔ مخلص مسلمانوں کی یہ گزارش تو ایک پس منظر رکھتی تھی اور اس کے اندر ان کے زخم بولتے ہوئے سنائی دیتے تھے، لیکن وہ لوگ جو صرف دعویٰ ایمان رکھتے اور حقیقی ایمان سے تہی دامن تھے، اور جنہیں منافقین کہا جاتا تھا۔ وہ بڑھ چڑھ کر اپنی فدائیت اور سرفروشی کا اظہار کرتے ہوئے اس گزارش کو بار بار دہراتے۔ یہی صورتحال جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم نازل فرما دیا۔ جس میں پہلے اجازت دی گئی اور پھر حکم دیا گیا۔ تو اب منافقین کیلئے ایک امتحان سر پر آ پہنچا۔ اب تک انہوں نے محض اپنی زبان آوری سے اپنی سرفروشی کا ثبوت بہم پہنچایا تھا۔ لیکن جہاد کے حکم کے بعد اب سوال یہ تھا کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو انہیں آگے بڑھ کر میدانِ جنگ میں اس کا ثبوت دینا ہوگا۔ اب انہوں نے تصور میں دیکھا کہ جنگ کا میدان گرم ہو چکا ہے، حق و باطل کی کشمکش جنگ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے گروہ آپس میں متصادم ہو گئے ہیں، تلواریں چلنے لگی ہیں، خون بہہ رہا ہے، جسم کے اعضا کٹ کٹ کر گر رہے ہیں، کندھوں سے گردنوں کا بوجھ اتر رہا ہے۔ انہیں محسوس ہوا کہ یہ تلواریں اور شمشیریں ہماری طرف بڑھ رہی ہیں تو ان کی ایسی کیفیت ہو گئی جیسے کسی کی سکرات الموت کے طاری ہونے پر ہوتی ہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کو دیکھنے لگے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کی تصویر کھینچتے ہوئے فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”تم نے ان لوگوں کو دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو“ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ کا حال یہ ہے کہ انسانوں سے اس طرح ڈر رہے ہیں جیسے خدا سے ڈرنا چاہئے بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ۔ کہتے ہیں ”اے ہمارے رب! یہ لڑائی کا حکم ہمیں کیوں دے دیا، ہمیں ابھی کچھ اور مہلت کیوں نہ دی؟“ یعنی انہیں اس اسلام پر چلنے میں کوئی اعتراض نہ تھا جس میں تکلیف نہ اٹھانی پڑے، کوئی قربانی نہ دینی پڑے اور جان و تن کیلئے کوئی آزمائش سر نہ اٹھائے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو جان بھی دینی پڑے گی، تو اب وہ پریشان ہو گئے۔ پروردگار نے ان کی اس حالت کے حوالے سے فرمایا: کہ افسوس ہے ان کیلئے۔ اولیٰ کا ایک معنی افسوس کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا معنی کے اعتبار سے وَیْل کا ہم معنی ہے۔ یہ لعنت اور اظہارِ نفرت کا کلمہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو ان پر کہ انہوں نے ایمان کو بھی خالی زبان کا اقرار سمجھ رکھا تھا حالانکہ:

یہ قدم قدم بلائیں، یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری
یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۛ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۛ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾

(منافقین کی عام روش) حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنا، پس جب معاملہ کا قطعی فیصلہ ہو گیا تو اگر وہ اللہ سے راست باز ثابت ہوتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔ ۲۱)

Marfat.com

منافقین کی روش اور ایمان کا تقاضا

طَاعَةٌ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرنا۔ اور قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ کا معنی ہے بھلی بات کہنا۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ ہر معاملے میں ایسی بات کہنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کے حق میں ہو اور مسلمانوں کے معاملے میں ان کی بھلائی کی بات کرنا۔ اور دوسرا مطلب ہے سمعنا و اطعنا کہنا۔ اسے قولِ معروف اس لئے کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہر بات یا ہر حکم کے جواب میں مسلمان ہمیشہ یہی جملہ کہتے تھے اور یہ ان کی روایت بن گئی تھی۔ پورے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ منافقین کی عام روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ ہر معاملے میں اطاعت کا رویہ اپنائے رکھتے تھے۔ اور جب بھی آنحضرت ﷺ کسی بات کا حکم دیتے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہوتا تو وہ سمعنا و اطعنا کہہ کر سمع و اطاعت کا اظہار کرتے۔ بعض اہلِ علم نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ مسلمانوں کی اس کے سوا اور کوئی روش ہونی ہی نہیں چاہئے کہ وہ ہر حکم کی اطاعت کریں اور ہر بات پر سمع و اطاعت کا اظہار کریں۔ اور منافقین بھی اگر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں تو ان کے ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ یہی رویہ اختیار کریں۔ لیکن اس کا تعلق عام زندگی سے ہے۔ اس میں چاہے منافقین قول و عمل میں فاصلہ رکھیں اور دل اور زبان ہم آہنگ نہ ہوں جب بھی کوئی شخص ان کے ایمان پر شبہ کا اظہار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں اور باقی احکام کی تعمیل کریں تو خوامخواہ کوئی شخص ان کے ایمان میں شبہ کیوں کرے گا۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ کسی بات کا قطعی حکم دے دیا جائے مثلاً قتال کو لازم کر دیا جائے اور حکم دے دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کفار سے لڑنے کیلئے نکلو، تو اب محض اطاعت اور محض قولِ معروف کا اظہار کافی نہیں ہوگا بلکہ ایمان کے ثبوت کیلئے ضروری ہوگا کہ جس بات کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اپنے عمل اور اپنی قربانی سے اس کا سچا ہونا ثابت کریں۔ منافقین اگر جہاد کا حکم آ جانے کے بعد ایسا کرتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جہاد و قتال کا حکم آ جانے کے بعد ان کی ایسی حالت ہوگئی کہ وہ موت کو اپنے سر پر دیکھنے لگے۔ اور انہوں نے بزدلی کی راہ پر چلنا پسند کیا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

(پس تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں فساد برپا کرو اور اپنے رحمی رشتوں کو کاٹ ڈالو۔ ۲۲)

منافقین کا رویہ دورِ جاہلیت کا غماز ہے

اس سے پہلے غیب کے صیغے میں بات ہو رہی تھی، اب براہِ راست منافقین سے خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قتال کا حکم آ جانے کے بعد منافقین کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں، وہ مسلمانوں کو لڑائی کے نتیجے میں مدینے کی چھوٹی سی بستی کی تباہی سے ڈرا رہے تھے اور یہ کہہ کر ان کے دلوں میں خدشات پیدا کر رہے تھے کہ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ اسلام باہمی رواداری اور تحمل کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اور صدیوں کے ایک دوسرے کے دشمن اسلام کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے ہیں۔ لیکن اب جب کہ اسلام اور غیر اسلام کے حوالے سے لڑائی چھڑے گی تو لڑائی کا عنوان ضرور بدلے گا لیکن لڑائی کے نتائج تو وہی ہوں گے جو ہمیشہ لڑائیوں کے ہوا کرتے ہیں۔ ان کی ان سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے پروردگار نے براہِ راست ان سے خطاب کرنا ضروری سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ ایک طرف تو اسلام کا پیغام ہے جس کے نتیجے میں تمام

Marfat.com

تعصّبات ختم ہوتے جارہے ہیں اور انسانوں کی اپنی پیدا کردہ تقسیمیں سمٹ رہی ہیں۔ اب انسان صرف ایک ہی تقسیم کے حوالے سے پہچانے جائیں گے اور وہ ہے حق اور باطل، اور اسلام اور کفر۔ اس میں اہلِ حق کو توحیدِ الٰہ کے حوالے سے ایک آستانہ ملے گا اور باقی سب آستانے اٹھا دیئے جائیں گے۔ اور ایک باپ کی اولاد ہونے کے حوالے سے سب انسانوں کو ایک مرکز، ایک حیثیت اور ایک شناخت ملے گی اور باقی تمام شناختیں اور تمام گروہ بندیاں اور تمام طبقات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے اسلام کے پیغام کو قبول نہ کیا یا اس کے بارے میں تم نے مخلصانہ رویہ اختیار نہ کیا تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا البتہ نقصان ضرور ہوگا۔ وہ یہ کہ اسلام نے جس فساد، بدامنی اور ابتری کو ختم کیا ہے تم زمین کو پھر اس فساد سے بھر دو گے۔ اور اس نے جس طرح صلہ رحمی پر زور دیا ہے اور قرابتوں کی پاسداری سکھائی ہے تم پھر قطع رحمی کرتے ہوئے محبت ومؤدت اور قربتوں کے تمام رشتے کاٹ ڈالو گے۔

بعض اہلِ علم نے اِنْ تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ اگر تم کو حکومت مل جائے سے کیا ہے۔ اس ترجمے سے بھی اصل صورتحال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر تمہاری سیرت وکردار کا حال یہ ہے کہ جس دین پر ایمان لانے کا تم نے اقرار کیا تھا اس کیلئے تمہارے اندر کوئی اخلاص اور کوئی وفاداری نہیں ہے اور اس کی خاطر کوئی قربانی دینے کیلئے تم تیار نہیں ہو تو اس اخلاقی حالت کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اقتدار عطا کردے اور دنیا کے معاملات کی باگیں تمہارے ہاتھ میں آجائیں تو پھر تم سے ظلم وفساد اور برادرکشی کے سوا اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد وپیمان میں خیانت سے نہیں ڈرتا وہ انسانوں کے حقوق تلف کرنے اور چھیننے سے گریز کیوں کرے گا۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰٓى أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

(یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، پس ان کے کانوں کو بہرہ اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ ۲۳)

نفاق پر اللہ تعالیٰ کی سزا

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ اسے بیکار کر کے رکھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس صلاحیت کو واپس لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی طور پر بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے لیکن جو شخص انہیں استعمال سے ترقی دیتا ہے تو وہ بڑھتی ہیں اور جو انہیں استعمال سے روک کے رکھتا ہے وہ مفلوج ہوجاتی ہیں۔ ہاتھ کو اگر باندھ کے رکھا جائے تو کچھ دنوں بعد وہ حرکت کرنے سے محروم ہوجائے گا۔ یہی حال باقی جسم کا بھی ہے۔ یہ اس کا قانونِ تکوین ہے۔ لیکن قانونِ تشریع کا پیرا ہن الگ ہونے کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان سننے کیلئے اور آنکھیں دیکھنے کیلئے دی ہیں۔ اور کانوں کے مسموعات اور آنکھوں کے مشاہدات سے نتائج اخذ کرنے کیلئے عقل عطا کی ہے۔ جو شخص ان سمعی اور بصری آلات سے کام ہی نہیں لیتا اور اگر لیتا ہے تو عقل اس سے نتائج اخذ نہیں کرتی تو آہستہ آہستہ کان سماعِ قبول سے اور آنکھیں بصیرت سے محروم ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ ان منافقین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کی نصیحتوں کو سننے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

نشانیوں اور آنحضرت ﷺ کے طرزِ عمل کو دیکھنے سے پہلوتہی کی۔ یعنی ان دونوں سمع و بصر کے آلات کو حقیقت جاننے کیلئے استعمال نہ کیا بلکہ دنیوی مفادات اور نفسانی امراض اور باہمی مصالح کو ہمیشہ ترجیح دی، تو اللہ تعالیٰ کا قانون حرکت میں آیا۔ اس نے انہیں بہرہ بھی کر دیا اور اندھا بھی۔ یعنی ان کے کان حق نیوشی کی صلاحیت سے اور ان کی آنکھیں بصیرت سے محروم ہو گئیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

(کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ ۲۴)

جہاد و قتال سے پہلوتہی قرآن میں عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے

یہ منافقین جو جہاد و قتال سے جی چراتے ہیں اور اسلام کی عظمت اور کلمۂ حق کی سربلندی ان کے دلوں میں نہیں اترتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قرآنِ کریم میں غور نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر یہ قرآنِ کریم غور سے پڑھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور قتال کا حکم دیا ہے اور اسی میں اسلام کی عظمت رکھی ہے۔ اور مسلمانوں کی دنیوی اور اخروی سرافرازی کا راز بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرمٹنا ہے۔ اسی کے نتیجے میں مسلمانوں کے باہمی معاملات صحیح نہج پر چلتے اور ان کے باہمی تعلقات صحیح رخ پر استوار ہوتے ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ لوگ قرآنِ کریم میں غور کرتے ہوں لیکن ان کے احکام، اس کی حکمتیں، اس کی دلآویزی، اس کی اہمیت اور افادیت ان کے دل میں نہ اترتی ہو۔ یعنی جن باتوں کو دماغ قبول کرتا ہے ان کے دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ عقل بعض حقائق کو تسلیم کرتی ہے لیکن وہ حقائق دلوں میں نہیں اترتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ یعنی ایسی باتیں، ایسے خیالات، ایسے تصورات اور ایسے جذبات ان کے دلوں میں جگہ بنا چکے ہیں جنہوں نے دلوں کو بالکل بند کر دیا ہے۔ جس طرح تالا کسی چیز یا کسی مکان کو بند کر دیتا ہے اور اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح قرآنِ کریم جو کچھ کہتا ہے دلوں پر قفل چڑھ جانے کی وجہ سے وہ دلوں میں نہیں اترتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

(بے شک جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد پیٹھ پیچھے پلٹ گئے، شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کیلئے دراز کر رکھا ہے۔ ۲۵)

منافقین کی اصل گمراہی

اس آیتِ کریمہ میں منافقین کی اصل گمراہی کو واضح فرمایا گیا اور اسے صحیح تعبیر دی گئی ہے اور ان کی اس گمراہی میں پڑنے کی جو وجہ ہے اسے بھی کھولا گیا ہے۔ ہم ان دونوں باتوں کو ایک ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

اِرْتَدُّوْا کے لفظ سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ منافقین کی روش کو ارتداد قرار دیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ نفاق اختیار کرکے درحقیقت ارتداد اختیار کرچکے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ وہ مرتد ہوگئے ہیں۔ تو گویا نفاق اور ارتداد دونوں ہم معنی لفظ ہیں، حقیقت میں ایسا نہیں۔ ارتداد ایک اصطلاح ہے جس کے اختیار کرنے والے کو آنحضرت ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو زندگی کی سہولتوں سے محروم کردے۔ لیکن یہاں ارتداد اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی میں ہے۔ یعنی ان منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ ایمان کے تقاضوں کو تو کبھی بروئے کار نہیں لاسکے اور ان کے دلوں میں ایمان کی مٹھاس کبھی نہیں اتری۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہدایت کے پوری طرح واضح ہوجانے کے بعد ان کا ذہنی میلان اسلام کی طرف بڑھ گیا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ دماغی طور پر اسلام کے قریب آگئے اور اسلامی حقائق سے متعلق ان کے دماغ نے یکسوئی اختیار کرلی۔ لیکن اسلام کے دل میں نہ اترنے کی وجہ سے وہ اپنے اندر وہ چیز پیدا نہ کرسکے جو قربانی و ایثار کی ضامن بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر قتال نازل کیا تو چونکہ انہیں زندگی اور زندگی کے لوازم اسلام سے زیادہ عزیز تھے تو وہ اسلام سے پہلے کی نسبت دور ہوگئے۔ اب انہوں نے اپنے تحفظ اور بقاء کیلئے وہ رویہ اختیار کیا جس نے انہیں اسلام سے بالکل بیگانہ کرکے رکھ دیا۔

دوسری بات جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ منافقین کی اس روش کو پیدا کرنے میں دو اسباب نے کام کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ شیطان نے ان کو فریب دیا اور ان کی منافقانہ روش کو اس طرح خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کیا کہ انہیں منافقت میں ہی عافیت نظر آئی۔ اور قتال و جہاد میں انہیں نہ صرف اپنی تباہی بلکہ دوسروں کی تباہی کی بھنک سنائی دینے لگی۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ شیطان نے انہیں جھوٹی توقعات کا ایک ایسا خوبصورت نقشہ دکھایا جو ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ ہمارا یہ رویہ ایک نہ ایک دن ہمارے لئے کامیابیوں کی نوید ثابت ہوگا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیْعُکُمْ
فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ ﴿۲۶﴾

(یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ چیز کو برا جانا، کہا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری مانیں گے۔ اور اللہ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ۲۶)

منافقین کی محرومی کا سبب

گزشتہ آیتِ کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے لوگ ہیں اور اس نے اپنی چالوں سے انہیں اپنا اسیر بنا رکھا ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی ایسے شخص کو جو ایمان کی طرف بڑھنا چاہتا ہو شیطان کے پھندے میں گرفتار نہیں ہونے دیتا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ شیطان کے اسیر ہوکر رہ گئے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیز یعنی قرآنِ کریم سے نفرت کا اظہار کیا اور کبھی اسے سننا بھی گوارا نہ کیا اور آنحضرت ﷺ جن پر وہ عظیم کتاب اتاری گئی ہے کو ہمیشہ ہدفِ تنقید بنایا اور آپ پر اتہامات کی بارش کی گئی۔ لیکن ان منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ ایسے ہی لوگوں سے جو اسلام کے بدترین دشمن ہیں ساز باز رکھتے ہیں اور انہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ بعض معاملات میں ہم آپ ہی کا ساتھ دیں گے۔ ہر چند کے ہم مسلمانوں میں

Marfat.com

شامل ہوگئے ہیں اور لوگ ہمیں مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم آپ لوگوں سے روابط توڑ چکے ہیں۔ ہمارا اصل رشتہ تو آپ سے ہی ہے۔ جب بھی کوئی مشکل وقت آیا تو آپ دیکھیں گے کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ اور اس معاملے میں ہم کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اندر ہی اندر دشمنانِ دین یعنی قریش اور یہود سے خفیہ رابطہ رکھتے تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کو اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ ہم تو ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں، ہمارا دکھ سکھ، ہمارا مرنا جینا اسلام کیلئے ہے اور آپ کیلئے ہے۔ اور مسلمان ان کی جھوٹی قسموں کی وجہ سے ان پر اعتماد کئے ہوئے تھے۔ اس لئے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی چرب زبانی اور دھوکہ دہی سے مسلمانوں کو تو فریب دے سکتے ہو لیکن یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری تمام خفیہ باتوں کو جانتا ہے۔ تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ تم اس طرح سے اپنی رازداریوں پر پردہ ڈال سکو گے اور وقت آنے پر اپنے مفادات کا تحفظ کر سکو گے جبکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات کو جاننے والا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

(پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے ہوئے ان کی روحیں قبض کریں گے۔ ٢٧)

منافقین کا انجام موت کے وقت

یعنی تم اپنے طرزِ عمل سے دنیا میں تو شاید اپنے مفادات کا تحفظ کر سکو اور کفر و اسلام کی جنگ کے خطرات سے اپنے آپ کو بچائے رکھو، لیکن آخرت میں تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔ حتیٰ کہ موت کے وقت جب فرشتے تمہاری جان لینے کیلئے آئیں گے تو تمہارے نفاق کی وجہ سے تمہارے مونہوں پر اور تمہاری پشتوں پر ضربیں لگائیں گے۔ اور تمہیں اس طرح مارتے پیٹتے اور ذلیل کرتے ہوئے لے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی میں کفار اور منافقین کو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جو عذاب انہیں قیامت میں ان کے مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد ہوگا وہ اس عذاب سے بہت بڑا اور بہت مختلف ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

(یہ اس وجہ سے ہوگا کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والی تھی اور اللہ کی خوشنودی سے نفرت کی، پس اللہ نے ان کے اعمال ڈھا دیئے۔ ٢٨)

اس سخت سزا کی وجہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سخت گیر سزا ہے جو ان کی جانیں نکالنے سے شروع ہو جائے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ہر اس چیز کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ کو غصہ دلانے والی تھی۔ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مل سکتی تھی اس سے انہوں نے نفرت کا اظہار کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ انہوں نے جو اعمال بظاہر نیکی سمجھ کے انجام دیئے تھے مثلاً نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، کسی کے ساتھ بھلائی کی یا کچھ رفاہی کام کئے، اللہ تعالیٰ سب کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دے گا۔ کیونکہ انہوں نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ سارے کام بھی شہرت کی ہوس یا اپنی ساکھ کو بچانے کیلئے انجام دیئے۔

Marfat.com

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ
بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ
وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ
وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾
اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ
هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ
مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

Marfat.com

رکوع: ۴۔ (کیا گمان کر رکھا ہے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو کبھی بے نقاب نہیں کرے گا۔ ۲۹) اور اگر ہم چاہتے تو انہیں آپ کو آنکھوں سے دکھا دیتے، تو آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیتے، پس ان کی بات کے ڈھب سے تو آپ ان کو پہچان ہی لیں گے، اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ ۳۰) ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے تاکہ ہم ممیز کر دیں تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو، اور تمہارے حالات کی جانچ کریں۔ ۳۱) جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی، بعد اس کے کہ ہدایت واضح ہو چکی تھی، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اللہ ان کے سارے اعمال کو غارت کر دے گا۔ ۳۲) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔ ۳۳) بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا پھر وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔ ۳۴) پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی دعوت نہ دو، اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں وہ ہرگز کمی نہیں کرے گا۔ ۳۵) یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان کا حق ادا کرو اور تقویٰ کی روش پر چلتے رہو تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا، اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ ۳۶) اور اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور سمیٹ کر مانگے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کینوں کو ظاہر کر دے گا۔ ۳۷) آگاہ! تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بخل کر رہے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے، اللہ تو غنی ہے تم ہی اس کے محتاج ہو، اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ ۳۸)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

(کیا گمان کر رکھا ہے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو کبھی بے نقاب نہیں کرے گا۔ ۲۹)

منافقین کا کینہ کھل جائے گا

آیتِ کریمہ میں مرض کا لفظ استعمال ہوا ہے جو نفاق کے معنی میں قرآنِ کریم میں جابجا استعمال ہوا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم سے نفاق کی جو علامتیں معلوم ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو لوگ دل سے اسلام کے بارے میں اخلاص نہیں رکھتے وہ اسلام اور مسلمانوں سے بغض اور کینہ بھی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ "بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو رہا ہے اور جس چیز کو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔" ظاہر ہے اس کو کینے کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے آیتِ کریمہ کے آخر میں اضغان کا ذکر ہے جو ضغن کی جمع ہے اور ضغن کینے کو کہتے ہیں۔ ان لفظوں کی وضاحت کے بعد آیت کا مفہوم جو واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے ان کے نفاق کو

Marfat.com

کینے اور بغض نے اور زیادہ شدید کر دیا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ اسلام جیسے جیسے آگے بڑھ رہا ہے ویسے ویسے ان کے کینے میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن نفاق کی وجہ سے ان کی خواہش یہ ہے کہ ان کے کینے پر پردہ پڑا رہے۔ مسلمان اسی طرح فریب میں مبتلا رہیں اور منافقین کے نفاق کا انہیں اندازہ نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین نے اگر یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کے کینوں سے کبھی پردہ نہیں اٹھائیں گے تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ان کے کینوں سے عنقریب پردہ اٹھنے والا ہے۔ اولاً تو قتال کی فرضیت ہی ان کی حقیقت کے اظہار کیلئے کافی ہے اور مزید آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے اور بھی اسباب پیدا فرمائے گا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

(اور اگر ہم چاہتے تو انہیں آپ کو آنکھوں سے دکھا دیتے، تو آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیتے، پس ان کی بات کے ڈھب سے تو آپ ان کو پہچان ہی لیں گے، اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ ۳۰)

منافقین کو تنبیہ

منافقین کے نفاق کا اصل سبب ہی یہ تھا کہ ان کی اصل ہمدردیاں کفار کے ساتھ تھیں اور وہ اسلام کے بارے میں یکسو نہ تھے، لیکن اپنے طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اپنے دل کے بغض کو کسی ایسے شخص کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے جس پر انہیں پورا اعتماد نہ ہوتا۔ اور اس طرح وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دل کی حالت کا کسی کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور رہے ان کے کفار سے روابط تو وہ بھی اس قدر خفیہ ہیں کہ مسلمانوں کو ان کی بھنک بھی نہیں پڑ سکتی۔ ان کی اس روش پر تنقید کرتے ہوئے بلکہ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ منافقین کو یہ اندازہ ہی نہیں ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ ہے، عام لوگوں سے نہیں۔ وہ عام لوگوں سے تو یقیناً اپنی حالت اور اپنے خفیہ روابط کو چھپا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان کی شکلیں دکھا دے کہ آنحضرت ﷺ ان کی شکلیں دیکھ کر ہی ان کو پہچان لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ کسی بھی شخص کی عام رسوائی کو پسند نہیں فرماتا اور مزید یہ بات بھی کہ اس نے دلوں کا معاملہ اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے، لوگوں کے ساتھ ظاہری اعمال ہی سے روابط استوار ہوتے یا ٹوٹتے ہیں اس لئے وہ ان کی شکلیں اپنے رسول کو نہیں دکھاتا۔ لیکن اس کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں کہ وہ جب چاہے ایسا کر گزرے۔ البتہ اس نے اپنے رسول کو ایسی ذہانت و فطانت اور چہرہ شناسی کی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ باتوں کے انداز سے کسی آدمی کے بارے میں بھی صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔ لَحن عربی زبان میں اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ بات کرنے والا جو بات کرے اس کا اصل مفہوم اپنے دل میں چھپائے رکھے، دوسروں کو اس کے دور کے مفہوم کی طرف مائل کر دے۔ اسی کو عام طور پر توریہ بھی کہا جاتا ہے۔ منافقین اس فن میں بڑے مشاق تھے کہ وہ بات ایسے ہیر پھیر سے کرتے کہ کفار اور مسلمانوں دونوں کو بیک وقت دھوکہ دینے کی کوشش کرتے۔ مسلمان اس کا کچھ اور مطلب سمجھتے اور کفار اس کا کوئی اور مطلب لیتے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو یہ صلاحیت عطا فرمائی گئی کہ آپ اس طرح کی پہلو دار باتوں کا صحیح مفہوم سمجھنے پر قدرت رکھتے تھے۔ اور جب منافقین آکر اس طرح دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تو آپ سمجھ جاتے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

Marfat.com

آیتِ کریمہ میں لَوْ کا استعمال ہوا ہے۔اور لَوْ کا کسی فعل پر داخل ہونا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ یہ فعل ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا۔تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ کو منافقین کی شکلیں دکھائی نہیں گئی تھیں۔البتہ ان کی علامتوں سے آپ انہیں پہچانتے تھے۔لیکن بعض احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آگے چل کر آنحضرت ﷺ کو فرداً فرداً منافقین کا علم دے دیا گیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبۂ جمعہ میں کئی منافقین کے نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھا دیا۔بعض روایات میں ان کی تعداد ۳۵ تک بیان کی گئی ہے۔آیت کے آخر میں منافقین سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہاری شکلیں بے شک آنحضرت ﷺ کو نہیں دکھائی گئیں لیکن اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔اس لئے قیامت کے دن تمہارے اعمال ہی کے حوالے سے تم سے باز پرس ہوگی۔اور کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آگے چل کر آنحضرت ﷺ کو تمہارے اعمال کی خبر دے دی جائے اور پھر دنیا ہی میں تمہارے اعمال کے حوالے سے تم سے باز پرس کی جائے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

(ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے تاکہ ہم ممیز کر دیں تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو، اور تمہارے حالات کی جانچ کریں۔ ۳۱)

آزمائش کی کسوٹی

گزشتہ آیتِ کریمہ میں ہم نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام طریقہ بڑے سے بڑے جرم کو بھی افشا نہ کرنا ہے تاکہ ہر شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے جو دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ اس کی ایک اور سنت بھی ہے جو پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ ہم کسی منافق کے چہرے پر تو یہ لکھنا پسند نہیں کرتے کہ یہ شخص منافق ہے لیکن یہ طریقہ ہمارا ضرور ہے کہ ہم سب کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔اور نرم و گرم حالات میں مبتلا کر کے لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس شخص کے اخلاص کا عالم کیا ہے۔یہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ کیا صرف زبان کی عیاشی ہے یا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے۔چنانچہ جب ایسے سخت حالات سے واسطہ پڑتا ہے مثلاً جہاد و قتال کے مراحل پیش آتے ہیں تو سب پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کون اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دیتا ہے اور اس راہ میں آنے والی مشکلات میں کون صبر کرتا ہے۔اور کون ایسا ہے کہ جو ان مشکلات سے گھبرا کر عافیت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ظاہر ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں جو آدمی کھل کر اسلام کی علمبرداری نہیں کرتا بلکہ وہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے سے جی چراتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مومن اور مجاہد نہیں بلکہ منافق ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ منافقین کے حالات بھی منصۂ شہود پر آجاتے ہیں اور ان کی زندگی کی روش خود بولنے لگتی ہیں کہ ہمارا تعلق مخلص مسلمانوں سے نہیں۔کیونکہ جب ان کے حالات کی جانچ ہوتی ہے تو ان کے روابط بھی سامنے آتے ہیں۔ان کی آپس کی نشستوں کا بھی بھید کھلتا ہے۔مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت کھرے اور کھوٹے کے درمیان لکیر کھینچ دیتی ہے۔مجاہدین الگ ہو جاتے ہیں اور منافقین الگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔اور ہر دیکھنے والی نگاہ بڑی آسانی سے اندازہ کر سکتی ہے کہ قافلۂ حق کے شرکاء کون ہیں اور ان میں زبردستی گھسنے والے اور محض مفادات سے رشتہ رکھنے والے کون ہیں۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

(جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی، بعد اس کے کہ ہدایت واضح ہو چکی تھی، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اللہ ان کے سارے اعمال کو غارت کر دے گا۔ ۳۲)

کفار اور منافقین کو تنبیہ

اس آیت کریمہ میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس مضمون سے سورۃ کا آغاز ہوا تھا اس کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کفار اور منافقین کو سخت تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف سے ہدایت پوری طرح واضح کئے جانے کے بعد قریش اور مدینے کے منافقین نے جس طرح کفر کی روش کو قائم رکھا اور ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکا اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کی اور ان کے پیش نظر یہ ہے کہ وہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نور کی روشنی کو اس قدر عام کر دینا چاہتا ہے کہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت سے محروم رہا۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور رہی ان کی وہ تدبیریں جو انہوں نے آج تک اللہ تعالیٰ کے دین کو ناکام کرنے کے سلسلے میں کی ہیں اور اسلام کے اثرات کو زیادہ سے زیادہ محدود کر دینے کیلئے کی ہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ضائع کر دے گا اور ان کی ہر تدبیر کو ناکام کر دے گا۔ اور بعض اہلِ علم نے اس کا یہ مطلب بھی لیا ہے کہ جن کاموں کو انہوں نے اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کیا یا انہوں نے کوئی اور بھلائی کے کام کئے اللہ تعالیٰ ان سب کو ضائع کر دے گا۔ آخرت میں انہیں ان کاموں پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اعمال قابلِ قبول ٹھہرتے ہیں جو اس کی عائد کردہ شرائط کے مطابق کئے جائیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کو تسلیم کئے بغیر اپنی مرضی اور اپنی چاہت سے کوئی نیک کام بھی کیا جائے تو اسے اللہ تعالیٰ یہاں بار نہیں ملتا بلکہ وہ کام کرنے والے کے منہ پر دے مارا جاتا ہے۔ جیسے ابنِ جدعان کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اس شخص نے بہت سے بھلائی کے کام کئے تھے تو کیا ان کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیں گے۔ تو آپ نے فرمایا، نہیں۔ کیونکہ اس نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ یا اللہ مجھے بخش دے۔ یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی اتھارٹی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ کسی کام کے اچھا یا برا ہونے کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر ہے۔ جائز اور ناجائز، حلال اور حرام حتیٰ کہ حُسن و قبح کے امتیاز کا بھی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے، انسان کو اس معاملے میں اپنی مرضی کرنے کا اختیار نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔ ۳۳)

Marfat.com

اعمالِ صالحہ کیلئے کچھ دوسرے اعمالِ صالحہ شرط ہیں

گزشتہ آیتِ کریمہ میں حبطِ اعمال کا ذکر ہے، اس سے مراد دراصل وہ اعمال ہیں جو کافر کفر کی حالت میں کرتا ہے یا وہ اعمال ہیں جو اسلام کی حالت میں کئے گئے ہیں لیکن ارتداد نے ان اعمال پر پانی پھیر دیا۔ ایسے تمام اعمال کفر یا ارتداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ضائع ہوجاتے ہیں۔ لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس کا مفہوم بہت عام ہے جو حبطِ اعمال پر بھی صادق آتا ہے، لیکن جو اس کی اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ بعض اعمالِ صالحہ کیلئے کچھ دوسرے اعمالِ صالحہ شرط ہیں۔ تو جس شخص نے اس شرط کو ضائع کردیا تو اس کا یہ عملِ صالح بھی ضائع ہوگیا جو اس شرط کے ساتھ مشروط تھا۔ مثلاً ہر عملِ صالح کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ ریا و سمعہ اس میں نہ ہو۔ یعنی محض لوگوں کے دکھانے یا سنانے کیلئے یہ عمل نہ کیا گیا ہو۔ قرآنِ کریم نے ہر عمل کیلئے اخلاص کو شرط ٹھہرایا ہے اور صدقات کے بارے میں واضح ارشاد فرمایا کہ اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا غریب کو ایذا دے کر باطل نہ کرو۔ اس آیتِ کریمہ میں زور دے کر جو بات فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانو! تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اس اطاعت میں کوئی ایسی کمزوری پیدا نہیں ہونی چاہئے جو اس اطاعت کو فاسد کردے۔ تمہارا کوئی عمل اخلاص سے خالی نہ ہو اور حق و باطل کے معرکے میں تمہارے دل میں کبھی موت کا خوف راہ نہ بنانے پائے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسے میں کمی نہ آنے پائے۔ جس طرح تمہارے صدقات کو من واذیٰ باطل کردیتے ہیں، اسی طرح غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ سے امید باندھنا اخلاص کیلئے تباہ کن ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں ایسی اطاعت کی ضرورت ہے جو ایسے ہر طرح کے خرخشے سے پاک ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

(بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا پھر وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔ ۳۴)

کمزور ایمان والے جو ابھی تک غیر مسلموں سے امیدیں رکھے ہوئے تھے ان کیلئے فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ماننے سے انکار کیا، اس کے دین کی تکذیب کی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا اور اسی حالت میں وہ دنیا سے چل بسے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور ان کے کفر کو معاف نہیں فرمائے گا۔ تو جن لوگوں کے مقدر میں جہنم کا عذاب لکھ دیا گیا اور کبھی بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی بخشش نصیب ہونے والی نہیں، تو جو لوگ ایسے کفار سے راہ و رسم رکھتے اور امیدیں باندھتے ہیں انہیں اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس لئے ان لوگوں کو اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس صورتحال کو سامنے رکھنا چاہئے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

(پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی دعوت نہ دو، اور تم ہی غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں وہ ہرگز کمی نہیں کرے گا۔ ۳۵)

Marfat.com

مسلمانوں کی سربلندی کی لازمی شرائط

حق و باطل کی کشمکش میں اہلِ مکہ، ان کے زیر اثر قبائل اور یہود کے باہمی گٹھ جوڑ اور اسلام دشمنی میں اشتراک کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے جو مسلمانوں کیلئے بہت بڑی آزمائش کی حیثیت رکھتے تھے۔ حالات کی سنگینی نے منافقین میں نفاق کے مرض کو اور شدید کر دیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اس کشمکش کو لڑائی کی صورت اختیار کرتے اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اگر ایسا ہوگیا تو مدینے کے لوگوں کا باہمی ربط وضبط تباہ ہو کر رہ جائے گا اور اسلام جسے اہلِ مدینہ اپنے لئے بہت بڑی رحمت سمجھتے تھے اور جس کے آنے کے بعد اوس وخزرج کے قبائل باہم شیر وشکر ہوگئے تھے ان میں بھی دراڑیں پڑنے لگیں گی۔ اس لئے عافیت اس میں ہے کہ اس شیرازے کو درہم برہم نہ ہونے دیا جائے اور رواداری اور سازگاری کی فضا کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح مخلص مسلمانوں کے دلوں میں منافقین حالات کے نشیب و فراز کے حوالے سے ایک بے اطمینانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں ایسے کمزور لوگ بھی تھے جو اپنے مالی معاملات کے نقصان کو محسوس کرتے ہوئے اور حالات کو بے قابو ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ سوچنے لگے تھے کہ باہمی رواداری اور صلح کی فضا پیدا کرنے کی کوشش از بس ضروری ہے۔ اس پوری صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیتِ کریمہ میں مجموعی طور پر چند ہدایات دی جارہی ہیں جو حق و باطل کی کشمکش میں مسلمانوں کی کامیابی کیلئے انتہائی ضروری ہیں۔ سب سے پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ کمزور اور بودے نہ بنو۔ لَا تَهِنُوْا وھن سے ہے۔ لغوی طور پر جس کا معنی کمزوری ہے، لیکن اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ ہے جس کی وضاحت آنحضرت ﷺ کی حدیث سے ملتی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانو، اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب دنیا تم پر اس طرح چڑھ دوڑے گی جیسے دسترخوان پر بھوکے حملہ آور ہوتے ہیں۔ دسترخوان چونکہ اپنی مدافعت نہیں کرسکتا اس لئے حملہ آور لوگ اس پر چنی گئی ہر نعمت کو بے حیل وحجت اٹھا کر نگل جاتے ہیں۔ صحابہ نے پریشان ہو کر پوچھا یارسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد بہت تھوڑی ہوگی۔ ان کے سامنے اپنی تاریخ تھی کہ جب ہم ۳۱۳ ہوگئے تو ہم نے اہلِ مکہ کی منتخب فوج کا بھرکس نکال دیا۔ اور جب ہماری تعداد دس ہزار تک پہنچی تو مکہ جو عرب بھر کا مرکزِ اعصاب تھا ہمارے سامنے سرنگوں ہوگیا اور جب ہم تعداد میں تیس ہزار تک پہنچے تو ہم نے اپنے ملک کی دور دراز سرحد پر قیصر کو چیلنج کر دیا اور اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوسکی، تو کیا ہماری تعداد اس سے بھی کم ہوگی کہ دنیا ہمیں تر نوالہ سمجھ کر ہم پر چڑھ دوڑے گی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری تعداد تو ریت کے ذروں کی طرح ہوگی، لیکن تمہارے اندر وھن پیدا ہوجائے گا۔ صحابہ نے پوچھا وھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وھن دو بیماریوں کا مرکب ہے۔ ایک ہے حُبِ دنیا، اور دوسرا ہے موت سے نفرت۔ تمہیں دنیا کی محبت دنیا کے ساتھ اس قدر وابستہ کردے گی کہ تم دنیا کو چھوڑنا گوارا نہیں کرو گے۔ اور موت سے تمہیں اس لئے ڈر لگے گا کہ اس سے تمہاری دنیا کی دلچسپیاں ختم ہوجائیں گی اور عیش ونشاط کی وہ محفل سمٹ جائے گی جو تمہاری زندگیوں کا حاصل بن چکی ہوگی۔ تو جب کوئی شخص یا کوئی قوم صرف حصولِ دنیا کیلئے جیتی ہے اور موت سے اسے ڈر لگتا ہے تو وہ تکالیف اور آزمائشوں کا سامنا بھی نہیں کرسکتی۔ تاریخ میں ہمیشہ ان لوگوں نے اپنی جگہ بنائی ہے جنہوں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی ہے اور موت سے کھیلنا سیکھا ہے۔ سچ کہا اکبر نے:

جو دیکھی ہسٹری تو دل کو پھر کامل یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

Marfat.com

اس لئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اندر وھن نہ پیدا ہونے دینا۔ دنیا کو ایک ضرورت سمجھنا، اسے مقصد زندگی میں تبدیل نہ ہونے دینا۔ اور دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرنا اور دنیا کو دار العمل سمجھنا اور اس طرح زندگی گزارنا جس سے آخرت میں جواب دہی آسان ہو جائے۔

اور دوسرا حکم یہ دیا کہ دشمن کو صلح کی دعوت نہ دینا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی حال میں بھی تم دشمن سے سمجھوتہ نہ کرنا اور کبھی اسے صلح کی دعوت نہ دینا کیونکہ قرآنِ کریم سے ہمیں اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ''اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جایئے۔'' اس لئے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں جس صلح سے روکا گیا ہے وہ، وہ صلح ہے جس سے اپنی کمزوری کا اظہار ہوتا ہو۔ یعنی مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوائیں، دشمن محسوس کرے کہ ہمیں جن مسلمانوں سے واسطہ ہے وہ کمزور نہیں کہ ہم انہیں نگل جائیں بلکہ وہ لوہے کے چنے ہیں جنہیں چبایا نہیں جاسکتا۔ اس لئے وہ خود محسوس کرے کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ اور صلح کی کوئی شکل پیدا کی جائے۔ اگر ایسا ہو اور مسلمان بھی اسے اپنی مصلحت کے مطابق سمجھیں تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر مسلمانوں کی طرف سے صلح کی بات چیت سے دشمن دلیر ہوتا ہو اور اس کے سامنے اس کے اپنے مقاصد ہوں جنہیں وہ مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کرنے کی فکر میں ہو تو پھر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نہ تو ایسی کسی کمزوری کا اظہار نہ کریں اور نہ صلح کی سلسلہ جنبانی کریں۔ اگر مسلمانوں نے ان ہدایات پر عمل کیا کہ انہوں نے نہ اپنے اندر وھن پیدا ہونے دیا اور نہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کی بجائے کسی اور کا خوف دلوں میں اترنے دیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مسلمانو! تمہیں سربلند رہو گے۔ تمہیں ایک ایسا مقام نصیب ہوگا کہ کفر تم سے کبھی کوئی ایسا کام نہیں لے سکے گا جو اسلامی مصالح کے خلاف ہو۔ اور جہاں تک خطرات اور دشمن کے بے پناہ وسائل کا تعلق ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔

کائنات کی سب سے بڑی قوت کا نام خداوندِ ذوالجلال ہے۔ مخلوق میں سے بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کی طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تو پھر بڑی سے بڑی قوت بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ تمہیں اس کیلئے جدوجہد اور ایثار و قربانی کی سنت کو زندہ کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اس راہ میں تم جو کچھ بھی کر گزرو گے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں کبھی کمی نہیں کرے گا۔ یعنی تمہارے ہر عمل کا اجر و ثواب اس کی اصل حیثیت سے بڑھا کر دے گا۔ انسان کا بہتر سے بہتر عمل بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بار قبول حاصل کر سکے۔ اس لئے کہ انسان ہزار کوشش کے باوجود بھی ہر طرح کی لغزشوں سے پاک نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود حق و باطل کی کشمکش میں جو شخص بھی بڑھ چڑھ کر ایثار و قربانی اور استقامت کا حق ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶

(یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان کا حق ادا کرو اور تقویٰ کی روش پر چلتے رہو تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا، اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ ۳۶)

Marfat.com

حیاتِ دنیا کی آخرت کے مقابلے میں حقیقت

سابقہ آیتِ کریمہ میں جس سرفروشی، وفاشعاری اور ایثار وقربانی کا حکم دیا گیا ہے اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ حیاتِ دنیا ہے کیونکہ دنیا کی زندگی میں کبھی اپنے ذاتی مفادات، ہوائے نفس پر مبنی ارمان اور مختلف حوالوں سے بننے والی خواہشات عناں گیر ہوتی ہیں اور کبھی اہل وعیال کی محبت اور مال ودولت کی ہوس انسان کا دامن پکڑتی ہے۔ اور ان ہی چیزوں میں الجھ کر انسان وہ زندگی اختیار نہیں کر پاتا جس کا ایک مومن کو حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس حیاتِ دنیا کا صحیح تعارف کرایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اس دنیا کے مال ومتاع کی قدر وقیمت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے آدمی کی وقتی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یا بعض خواہشات اور ارمان بروئے کار آتے ہیں جو سراسر ایک وقتی چیز ہے اور ایک محدود وقت کا عمل ہے جبکہ ایک مومن کے سامنے اس کی آخرت کا حصول ہے جو ابدی زندگی ہے اور جس کی ہر نعمت لافانی ہے۔ تو جس طرح آدمی زندگی کے حقیقی مقاصد کو لہو ولعب پر قربان نہیں کرسکتا۔ اسی طرح آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت لہو ولعب جیسی ہے تو اس پر آخرت کو قربان کیسے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا لہو ولعب ہونا اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک آدمی کو آخرت کا یقین پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ ان حقائق پر ایمان نہیں لاتا جن سے انسان کے خیالات اور تصورات میں تبدیلی آتی ہے۔ اور پھر وہ زندگی کی اس روش کو اختیار نہیں کرتا جس میں دل کا میلان برائی کی بجائے نیکی کی طرف اور دنیا کی بجائے آخرت کی طرف ہوجاتا ہے جسے اصطلاحی زبان میں تقویٰ کہا جاتا ہے۔ اس وقت تک اس کیلئے یہ باتیں بے معنی ہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایمان ویقین کا صحیح حق ادا کرو اور زندگی کو تقویٰ کی زندگی بنالو یعنی جس میں ہر قدم اللہ تعالیٰ کے خوف سے گراں بار ہو اور ہر فیصلہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے حوالے سے معرضِ وجود میں آئے۔ تو پھر یقین جانو کہ تم اس راہ میں جو بھی عمل کروگے اور جتنا مال بھی خرچ کروگے وہ خسارے کا سودا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کا بھرپور صلہ دے گا۔ اور تمہیں صرف اجر وثواب سے ہی نہیں نوازے گا بلکہ تمہیں اجور عطا فرمائے گا جو اجر کی جمع ہے۔ یعنی ایک تو ہے زندگی کے مجموعی اعمال کا صلہ اور ایک یہ ہے کہ ہر عمل کا الگ الگ صلہ دیا جائے اور بے شمار صلے اور اجر عطا کئے جائیں۔ دنیا میں ظاہر ہے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ وہ کمیت اور کیفیت میں کہاں تک پہنچ جائیں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا۔ اس کا ظاہری مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کبھی بھی ان کے اموال کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ کرے گا حالانکہ قرآنِ کریم میں زکوٰۃ وصدقات کے احکام اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بے شمار مواقع کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد دوسری آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آرہی ہے۔ اس لئے بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اہلِ علم نے دوطرح سے اس کا جواب دیا ہے۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال اپنی ذات کیلئے نہیں مانگتا بلکہ وہ تمہاری بھلائی کیلئے مانگتا ہے تاکہ ایک تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تربیت ملے اور تعلق باللہ میں مضبوطی آئے۔ اور دوسرا اس لئے کہ تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا بیش از بیش اجر عطا فرمائے اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ لَا یَسْـَٔلْکُمْ سے مراد پورا مال طلب کرنا ہے۔ اور اگلی آیت میں فَیُحْفِکُمْ اس کا قرینہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ تمہارے مال کا ایک بڑا محدود حصہ طلب کرتا ہے اور اسے بھی تمہاری منفعت کیلئے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

Marfat.com

اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝۳۷

(اور اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور سمیٹ کر مانگے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کینوں کو ظاہر کر دے گا۔ ۳۷)

آیت کا صحیح مفہوم

فَيُحْفِكُمْ احفاء سے مشتق ہے۔ اس کا معنی مبالغہ اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانا ہے یا کسی شے کا الحاح واصرار کے ساتھ مطالبہ کرنا بھی ہے۔ اس لحاظ سے آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور نہایت مبالغے کے ساتھ اور الحاح واصرار کے ساتھ پورے کا پورا مال طلب کرے تو اس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ تم دینے میں بخل کرو گے۔ بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ اس کے مخاطب منافقین ہیں اس لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے کل مال کا مطالبہ کرتا ہے تو تم جو نفاق کی وجہ سے خوش دلی کے ساتھ معمولی مال بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کیلئے تیار نہیں ہوتے، البتہ زکوٰۃ چونکہ مال کا ایک بہت محدود حصہ ہے اس کو کسی نہ کسی طرح بے دلی کے ساتھ تم ادا کر دیتے ہو اور اپنے دل کی کیفیت کو تم مسلمانوں کے سامنے آشکارا نہیں ہونے دیتے۔ تو اس طرح سے تمہارے دلوں کے احساسات پر پردہ پڑا رہتا ہے لیکن اگر سارے مال کا تم سے مطالبہ کیا جاتا تو یقیناً یہ بھانڈا پھوٹ جاتا اور تمہارے حسد وکینہ پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کا پول کھل جاتا۔

بعض دیگر اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ خطاب عام مسلمانوں سے ہے جن کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں لیکن ابھی تک ایثار وقربانی کا جذبہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ وہ خوش دلی سے سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیں۔ اس لئے جب ان لوگوں کو اس کا حکم دیا جاتا تو یقیناً وہ لوگ بخل کرتے اور ان کی طبیعتوں میں ناگواری پیدا ہوتی اور ادائیگی کے وقت یہ ناگواری ظاہر ہوئے بغیر نہ رہتی۔ ان کے نزدیک جس طرح ضغن کا معنی حسد اور کینہ ہے۔ اسی طرح اس کا معنی طبعی ناگواری بھی ہے جو بعض دفعہ ٹال مٹول کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور بعض دفعہ انکار کی صورت میں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس ابتلاء میں نہیں ڈالا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو مالی فرائض عائد کئے ہیں اولاً تو وہ خود مسلمانوں کے فائدے کیلئے ہیں ثانیاً ان کی مقدار اتنی کم ہے کہ ان کی ادائیگی کسی طرح بارِ خاطر نہیں ہوتی۔ مثلاً زکوٰۃ میں مال کا چالیسواں حصہ اور زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ اور سو بکریوں میں سے ایک بکری علیٰ ہذا القیاس۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸

(آگاہ! تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بخل کر رہے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے، اللہ تو غنی ہے تم ہی اس کے محتاج ہو، اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ ۳۸)

Marfat.com

بخیلوں کو دھمکی

اس آیتِ کریمہ میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ کمزور مسلمانوں سے خطاب ہے اور اس میں تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایمان لاتے ہی کوئی شخص ایمان کے اعلیٰ مدارج پر فائز نہیں ہو جاتا۔ ایمان لانے سے پوری زندگی میں تبدیلی لانا پڑتی ہے۔ عمر بھر کے جمے ہوئے خیالات کو دل سے نکالنا، اذواق واحساسات کو یکسر بدلنا اور بالکل نئے اعمال واخلاق کا اپنے آپ کو خوگر بنانا زندگی کا مشکل ترین کام ہے۔ اسے اختیار کرتے ہوئے کس قدر محنت کرنا پڑتی ہے، کیسی کچھ قربانی دینا پڑتی ہے اور کتنا وقت صرف ہوتا ہے اس بات کو وہی شخص جان سکتا ہے جو کبھی ان مراحل سے گزرا ہو۔ صحابہ کرام نے اگرچہ تیزی سے یہ سب مراحل طے کئے لیکن ابتداء میں یقیناً ان میں ایسے لوگ رہے ہوں گے جن میں کچھ نہ کچھ کمزوریاں تھیں۔ بجائے اس کے کہ اس سے منافقین مراد لئے جائیں بہتر ہے کہ ایسے ہی لوگ اس سے مراد لئے جائیں کیونکہ منافقین جو سرے سے ایمان کی بنیادی باتوں میں یکسو نہیں ہو سکے ان سے ایثار وقربانی کا اتنا بڑا مطالبہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس عاجز کے خیال میں ان آیات کے مخاطب کمزور مسلمان ہیں جو آگے چل کر اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے مال کے ایک بڑے محدود حصے کا مطالبہ کیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تمہیں دعوت دی ہے۔ لیکن کس قدر تعجب کی بات ہے تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس محدود حصے کو بھی خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بخل اگر کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ آخرت میں اس کے عظیم اجر وثواب سے محروم رہ جائیں گے اور دوسرا اس لئے کہ اس وقت مسلمانوں کو جہاد وقتال کا مرحلہ درپیش ہے اور کوئی لڑائی بھی مالی مصارف کے بغیر تو نہیں لڑی جا سکتی۔ اس لئے جب جہاد وقتال کیلئے مالی مطالبہ کیا جائے تو اس میں بخل کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایک ایسی قومی خودکشی ہے کہ کوئی زندہ قوم اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ کرے کوئی ناگوار صورتحال پیش آ جائے تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے نتائج کتنے ہولناک ہوں گے۔ اس لئے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ایسے مواقع پر روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو غنی ہے محتاج تو تم ہو اس لئے اللہ تعالیٰ تمہارے مال ودولت کو نہیں خود تمہارے وجود کی قبولیت سے انکار کر دے گا اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم کو اٹھائے گا جو تم جیسی نہیں ہوگی۔ اور ان میں وہ کمزوریاں نہیں ہوں گی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں اس عظیم نعمت سے محروم کر دے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت صحابہ کرام کے سامنے فرمائی تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ ایسی کون سی قوم ہے کہ اگر ہم خدانخواستہ احکامِ دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی۔ اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہیں کرے گی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمانؓ فارسی کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عرب اپنے ذمہ داریوں سے پہلوتہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ اہلِ عجم کو توفیق دے گا۔ اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

Marfat.com

اَلَمْ يَـاْنِ لِـلَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوْٓا اَنْ تَـخْـشَـعَ قُـلُـوْبُـهُـمْ لِـذِكْـرِ الـلّٰـهِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْفَتْحِ

(۴۸)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْفَتْحِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الفتح ہے یہ اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ قرآنِ کریم کی بیشتر سورتوں کے نام اگرچہ صرف شناخت کیلئے ہیں سورۃ کے اندر بیان ہونے والے مضامین سے اس نام کا عنوان ہونے کی حیثیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن اس سورۃ کا نام اس سورۃ کا عنوان بھی ہے کیونکہ اس میں اس فتحِ عظیم پر کلام کیا گیا ہے جو صلح حدیبیہ کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو عطا فرمائی تھی۔

زمانۂ نزول:۔ چھ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے عمرے کے ارادے سے مکہ کا سفر کیا، لیکن حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک لیا گیا۔ پھر ایک معاہدے کے بعد آپ واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ راستے میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

تاریخی پس منظر:۔ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے۔ پیغمبر کا خواب محض خواب وخیال نہیں ہوتا بلکہ وہ وحی کی اقسام میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر سفر کی تیاری شروع کردی اور قرب وجوار میں رہنے والے قبائل میں یہ پیغام بھجوا دیا کہ جو عمرہ کیلئے جانا چاہے وہ تیار ہوجائے، ہم چند دنوں تک روانہ ہونے والے ہیں۔ بظاہر اسباب اس ارادے پر عمل کرنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے مکہ معظمہ سے ہجرت کر جانے کے بعد قریش نے مسلمانوں پر یہ پابندی لگادی تھی کہ آپ میں سے کوئی بھی مکہ معظمہ کی حدود میں داخل نہیں ہوسکتا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذؓ جو قبیلہ اوس کے سردار بھی تھے وہ ہجرت کے بعد مکہ معظمہ عمرے کے ارادے سے گئے تو ابوجہل نے انہیں روکتے ہوئے کہا کہ تم اگر امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کے نہیں جاسکتے تھے کیونکہ ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ تم ہمارے بھگوڑوں کو پناہ دو اور پھر تم آزادانہ عمرے کیلئے چلے آؤ۔ اور پھر ابھی ایک سال ہی تو گزرا تھا کہ شوال پانچ ہجری میں قریش نے قبائلِ عرب کی متحدہ طاقت کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کی تھی اور غزوۂ احزاب کا معرکہ پیش آیا تھا۔ ایسے حالات میں مکے کا سفر اپنی جان پر کھیلنے کے مترادف تھا۔ قریش سے ہرگز اس بات کی توقع نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے دیں گے۔ اس لئے قریش کو جیسے ہی اطلاع ملی کہ مسلمان عمرے کیلئے آرہے ہیں تو وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ وہ اس بات پر حیران تھے کہ ذی القعدہ کا مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے ہے اور پھر اس مہینے میں اگر کوئی قافلہ احرام باندھ کر حج یا عمرے کیلئے آتا ہے تو اسے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ اس لئے اگر ہم مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں داخلے سے روکتے ہیں تو عرب بھر میں ہماری رسوائی ہوگی اور ہر شخص اسے زیادتی سمجھے گا۔ اور اگر ہم مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دے دیتے ہیں اور وہ خیریت سے عمرہ کرکے واپس چلے جاتے ہیں تو پورے ملک میں ہماری ہوا اکھڑ جائے گی اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ ہم محمد (ﷺ) اور

Marfat.com

ان کے ساتھیوں سے مرعوب ہو گئے ہیں۔ آخر کار بڑی کشش و پنج کے بعد ان کی جاہلانہ حمیت ہی ان پر غالب آئی اور انہوں نے اپنی ناک کی خاطر یہ فیصلہ کر لیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلے کو اس شہر میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لیکن رسوائی سے بچنے کیلئے انہوں نے طریقہ یہ اختیار کیا کہ بجائے اس کے کہ ہم مسلمانوں کو حرم کے کنارے پر روکیں ہم راستے ہی میں ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ لڑنے پر مجبور ہو جائیں اور اس طرح سے ہمیں ان کا استیصال کرنے کا بھی موقع مل جائے گا اور ہم عمرے سے روکنے کی بدنامی سے بھی بچ جائیں گے۔ چنانچہ قریش کے لوگ پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے اور خالد بن ولید کو انہوں نے دو سو سواروں کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف آگے بھیج دیا تا کہ وہ آپ کا راستہ روکیں اور انہیں اشتعال دلا کر لڑنے پر مجبور کریں۔ نبی کریم ﷺ کو جیسے ہی اس کی اطلاع ملی، آپ نے راستہ بدل دیا اور ایک نہایت دشوار گزار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ حدیبیہ جدہ سے مکہ جانے والی سڑک پر اس جگہ واقع ہے جہاں سے حدودِ حرم شروع ہوتی ہیں۔ اب اسے شمیسی کہتے ہیں۔ مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً تیرہ میل ہے۔

حدیبیہ میں بنی خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ آپ کس غرض کیلئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہی بات ان لوگوں نے جا کر قریش کے سرداروں کو بتا دی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرینِ حرم کا راستہ نہ روکیں، مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو حضورؐ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو واپس جانے پر آمادہ کرے۔ احابیش اطرافِ مکہ میں رہنے والے چند قبائل کا مجموعہ تھا۔ جس سے قریش کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ یہ قبائل بڑے طاقتور اور جنگجو تھے اس لئے قریش نے بڑی دانائی کا ثبوت دیتے ہوئے احابیش کے سردار کو بھیجا۔ پیشِ نظر یہ تھا کہ محمد (ﷺ) جب اس کی بات نہیں مانیں گے تو وہ ناراض ہو کر پلٹے گا اور پھر ان کی طاقت ہماری تائید میں ہوگی۔ مگر جب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں ہدی کے اونٹ ان کے ساتھ ہیں جن کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں تو وہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ لڑنے کیلئے نہیں آئے بلکہ بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے آئے ہیں۔ تو اس دانا شخص نے آنحضرتؐ سے ملنے کی بجائے واپس جانا بہتر سمجھا اور جا کر قریش کے سرداروں سے کہا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی عظمت مان کر اس کی زیارت کیلئے آئے ہیں اگر تم ان کو روکو گے تو احابیش اس کام میں ہرگز تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ ہم تمہارے حلیف اس لئے نہیں بنے کہ تم حرمتوں کو پامال کرو۔

پھر قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اور اس نے اپنے نزدیک بڑی اونچ نیچ سمجھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ آپ واپس چلے جائیں۔ لیکن آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو اس سے پہلے دوسرے لوگوں کو دے چکے تھے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں جا چکا ہوں کسی بادشاہ کی عظمت میں نے ایسی نہیں دیکھی جیسی محمد (ﷺ) کی دیکھی ہے۔ مسلمانوں کا حال تو یہ ہے کہ کوئی محمد (ﷺ) سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کرتا۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو مسلمان ان کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔ اب تم سوچ لو کہ تمہارا مقابلہ کس سے ہے۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو گفت وشنید کا یہ سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف قریش در پردہ مسلمانوں کو مسلسل اشتعال دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبھی ان کے کچھ لوگ مسلمانوں کے پڑاؤ پر سنگباری کرتے اور تیر برساتے تھے۔ اور کبھی فجر کی نماز کے وقت چھاپہ

Marfat.com

مار کر مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔لیکن یہ آنحضرت ﷺ کا حسنِ تدبر اور بردباری تھی کہ آپ ان کے جال میں نہیں پھنسے۔

آخر کار نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو ایلچی بنا کر بھیجا تاکہ سردارانِ قریش کو براہِ راست قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔لیکن انہوں نے حضرت عثمانؓ کی بات ماننے کی بجائے انہیں تین دن تک روکے رکھا اور یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اب معاملہ حد سے آگے نکل گیا ہے کیونکہ سفیر کا قتل چونکہ کبھی بھی روا نہیں رہا اور ہمیشہ اسے اعلانِ جنگ کے برابر سمجھا جاتا ہے۔آنحضرت ﷺ ببول کے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور آپ نے مسلمانوں سے حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کیلئے اس بات پر بیعت لی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔قریش نے جب یہ دیکھا کہ اب معاملہ انتہائی نازک صورت اختیار کر گیا ہے تو وہ بھی کچھ ڈھیلے پڑے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ اطلاع مل گئی کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کی خبر غلط تھی اور پھر حضرت عثمانؓ خیریت سے خود بھی واپس آ گئے۔تو اب قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد صلح کی بات چیت کرنے کیلئے حضورؐ کے کیمپ میں پہنچ گیا۔اب قریش اپنی اس ضد سے ہٹ گئے تھے کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔البتہ اپنی ناک بچانے کیلئے ان کو صرف یہ اصرار تھا کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آپ عمرہ کیلئے آ سکتے ہیں۔طویل گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ طے پایا جس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور ایک دوسرے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

۲۔ اس دوران میں قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد (ﷺ) کے پاس جائے گا، اسے آپ واپس کر دیں گے۔اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اسے وہ واپس نہ کریں گے۔

۳۔ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہوگا۔

۴۔ محمد (ﷺ) اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرے کیلئے آ کر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں، بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں اور کوئی سامانِ حرب ساتھ نہ لائیں۔ان تین دنوں میں اہلِ مکہ ان کیلئے شہر خالی کر دیں گے تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے۔مگر واپس جاتے ہوئے وہ یہاں کے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

اس معاہدے کی شرائط کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یہ معاہدہ بہت دب کر کیا ہے۔اور بعض شرائط صریحاً ایک گروہ کے حق میں اور دوسرے گروہ کے خلاف ہیں۔اس لئے مسلمان اس معاہدہ سے خوش نہ تھے بلکہ ان میں خاص اضطراب پایا جاتا تھا۔اور کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو ان مصلحتوں کو سمجھ سکتا جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی کریم ﷺ یہ شرائط قبول فرما رہے تھے۔حضرت عمرؓ جیسا بالغ النظر مدبر تک کا یہ حال تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی میرے دل میں شک نے راہ نہ پائی تھی۔مگر اس موقع پر میں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔وہ بے چین ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا کیا نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ تو پھر آخر ہم اپنے دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں اختیار کریں۔حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔اے عمر! وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔پھر ان سے صبر نہ ہوا۔جا کر یہی سوالات خود رسول اللہ ﷺ سے بھی کئے اور حضورؐ نے بھی

Marfat.com

ان کو ویسا ہی جواب دیا جیسا حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔ بعد میں حضرت عمرؓ مدتوں اس گفتگو پر نادم رہے جو انہوں نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ سے کی تھی۔ اور صدقات و نوافل ادا کرتے رہے تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے۔

صلح سے فارغ ہو کر حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ اب یہیں قربانی کر کے سر منڈواؤ اور احرام کھول دو۔ مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ حضورؐ نے تین مرتبہ حکم دیا مگر صحابہ پر اس وقت رنج و غم اور دل شکستگی کا ایسا شدید غلبہ تھا کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ حضورؐ کو اس پر سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے اپنے خیمے میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے اپنی کبیدہ خاطری کا ذکر کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ بس خاموشی کے ساتھ تشریف لے جا کر خود اپنا اونٹ ذبح فرمائیں۔ اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوا دیں۔ اس کے بعد لوگ خود بخود آپ کے عمل کی پیروی کریں گے اور سمجھ لیں گے کہ جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اب بدلنے والا نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے فعل کو دیکھ کر لوگوں نے بھی قربانیاں کر دیں، سر منڈوا لئے یا بال ترشوا لئے اور احرام کھول دیئے۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ مدینہ منورہ واپس جا رہا تھا تو راستے میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ وہ صلح وہ جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل فتح عظیم ہے۔ اس کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا، آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ پھر یہ سورۃ آپ نے تلاوت فرمائی۔ اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کو بلوا کر اسے سنایا چونکہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے۔

رہی یہ بات کہ معاہدے کی وہ شرائط جو بظاہر شکست کی غماز تھیں انہیں فتح کیونکر قرار دیا گیا۔ اور حالات نے واقعی اس کی تصدیق بھی کی۔ اس کی وضاحت ہم اس سورۃ کی پہلی آیت کی تفسیر میں کریں گے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٢٩	سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَّدَنِيَّةٌ (٤٨)	رُكُوْعَاتُهَا ٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ
وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ ﴿٢﴾ وَّ
يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ
الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ﴿٤﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ ﴿٥﴾ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ
جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٦﴾ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٧﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ ﴿٨﴾
لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ
اَصِيْلًا ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ

Marfat.com

أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

رکوع: ا۔ (اے پیغمبر! بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی۔ ۱) تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام اگلی اور پچھلی غلطیوں سے درگزر فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت تمام کرے، اور آپ کو ایک سیدھا راستہ دکھادے۔ ۲) اور آپ کو زبردست نصرت سے نوازے۔ ۳) وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایک اور ایمان کا اضافہ کرلیں، اور آسمانوں اور زمین کی تمام فوجیں اللہ ہی کی ہیں، اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ ۴) تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان سے ان کے گناہوں کو دور کردے، اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۵) اور تا کہ اللہ سزادے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، جو اللہ کے متعلق برے گمان رکھتے ہیں، برائی کی گردش ان ہی پر ہے اور ان پر اللہ کا غضب ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور اس نے ان کیلئے جہنم تیار کر رکھی ہے اور نہایت برا ٹھکانہ ہے۔ ۶) اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر، اور اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ ۷) بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور خبردار کردینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ۸) تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور اللہ کی تسبیح کرو صبح وشام۔ ۹) اے پیغمبر! بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا، تو جس نے اس عہد کو توڑا تو اس عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہوگا، اور جو عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ ۱۰)

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾

(اے پیغمبر! بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی۔ ۱)

فتح مبین سے مراد معاہدۂ حدیبیہ ہے اور اس معاہدے کی تفصیل

نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام صلح حدیبیہ کے بعد جب مدینہ منورہ واپس جارہے تھے تو ضجنان یا کراع الغمیم کے مقام پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس میں جس فتح مبین کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ معاہدۂ حدیبیہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ مسلمان جب معاہدۂ حدیبیہ سے واپس لوٹے ہیں تو ان کے دل رنج وغم سے معمور تھے اور وہ اس

Marfat.com

معاہدے کو مسلمانوں کی شکست سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جب اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں اس معاہدے کو فتحِ مبین قرار دیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ پھر یہ سورۃ آپ نے تلاوت فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ آیت سنی تو حیران ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، ہاں۔ ایک اور صحابی حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی یہی سوال کیا، تو آپ نے فرمایا، ای والذی نفس محمد بیدہ انہ لفتح ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، یقیناً یہ فتح ہے۔'' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس وقت تک معاہدۂ حدیبیہ کے وہ پہلو آشکارا نہ ہو سکے تھے جس سے اس کے فتح ہونے کا گمان ہوتا۔ بلکہ مسلمان اس معاہدے کو ایک طرح سے مسلمانوں کی شکست کی دستاویز سمجھتے تھے کیونکہ بظاہر اس کی بعض دفعات میں یکطرفہ بات کہی گئی تھی جو مسلمانوں کیلئے سراسر نقصان کا باعث تھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس معاہدہ کی نقل بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس کی مندرجہ ذیل دفعات تھیں۔

۱۔ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور ایک دوسرے کیخلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

۲۔ اس دوران قریش کا کوئی شخص اپنی ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر نبی کریم ﷺ کے پاس جائے گا، تو اسے آپ واپس کر دیں گے۔ اور آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے گا تو اسے وہ واپس نہ کریں گے۔

۳۔ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہوگا۔

۴۔ محمد (ﷺ) اس سال واپس جائیں اور آئندہ سال وہ عمرے کیلئے آ کر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں اور کوئی سامانِ حرب ساتھ نہ لائیں۔ ان تین دنوں میں اہلِ مکہ ان کیلئے شہر خالی کر دیں گے مگر واپس جاتے ہوئے وہ یہاں کے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

اس معاہدے میں سب سے زیادہ دو باتیں مسلمانوں کو کھل رہی تھیں۔ ایک شرط نمبر۲ اور دوسرا شرط نمبر۴۔ کیونکہ شرط نمبر۲ سراسر یکطرفہ تھی۔ اور شرط نمبر۴ مسلمانوں کیلئے نہایت ندامت کا باعث تھی۔ کیونکہ عمرہ کے بغیر واپس جانا اور احرام کھولنا ایک طرح کی جگ ہنسائی بھی تھی اور ناکامی بھی۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بری طرح کھٹک رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے تو خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں طواف کر رہے ہیں، مگر یہاں تو ہم طواف کئے بغیر واپس جانے کی شرط مان رہے ہیں۔ اور شرط نمبر۲ کے معاملے کو ایک واقعہ نے جذباتی شکل دے دی۔ وہ یہ کہ سہیل بن عمرو کے اپنے صاحبزادے ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور کفارِ مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا کسی نہ کسی طرح بھاگ کر حضورؐ کے کیمپ میں پہنچ گئے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور جسم پر تشدد کے نشانات۔ انہوں نے حضورؐ سے فریاد کی کہ مجھے اس حبس بیجا سے نجات دلائی جائے۔ صحابہ کرام کیلئے یہ حالت دیکھ کر صبر کرنا مشکل ہو گیا۔ مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ صلح نامہ کی تحریر چاہے مکمل نہ ہوئی ہو، شرائط تو طے ہو چکی ہیں، اس لئے اس لڑکے کو میرے حوالے کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ اس کی حجت تسلیم کر لی اور ابوجندل ظالموں کے حوالے کر دیئے گئے۔

یہ حالات تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں کیلئے اس معاہدے کو فتح قرار دینا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن اس سورۃ کے نزول کے بعد اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے ان پر اس معاہدے کے مضمرات واضح ہونے لگے۔ اور پھر حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی اصل فتح کا

Marfat.com

مقدمہ یہی معاہدہ ہے۔اور اسی نے آگے چل کر مکہ کو سرنگوں ہونے اور پورے عرب کو اسلام کے زیرِ نگیں آنے کے حالات تیار کئے۔اگر اس معاہدے پر غور کیا جائے تو بعض باتیں بالکل واضح ہیں۔

ا۔ اس میں پہلی مرتبہ قریش نے اسلامی ریاست کا وجود تسلیم کیا۔اور بیت اللہ پر مسلمانوں کے حق کو مانا۔اب تک عربوں کی نگاہ میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی حیثیت بھگوڑوں سے زیادہ نہ تھی۔لیکن اب انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ وہ ایک اسلامی ریاست سے معاہدہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کا دین دوسرے ادیان جیسی حیثیت رکھتا ہے، وہ کوئی بے دینی نہیں اور اس دین کے ماننے والوں کا اللہ تعالیٰ کے گھر پر وہی حق ہے جو دوسروں کا ہے۔

۲۔ اس معاہدے سے قریش نے مسلمانوں کو اپنے برابر کی ایک حریف قوت عرب میں تسلیم کر لیا۔اسی لئے انہوں نے تمام قبائل کو اس بات کا حق دے دیا کہ وہ جس سے چاہیں حلیفانہ تعلقات قائم کر لیں۔

۳۔ قریش نے مسلمانوں کی جنگی صلاحیت کو اس حد تک تسلیم کیا کہ خود اصرار کر کے معاہدے میں دس سال کیلئے جنگ بندی کی شرط رکھوائی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف قبائل نے مسلمانوں سے حلیفانہ معاہدے کئے اور تمام قبائل میں مسلمانوں کیلئے آنے جانے کا راستہ کھل گیا۔ اس سے پہلے عرب صرف اسلام کے نام سے واقف تھے۔وہ اسے اپنے دین کے خلاف ایک بغاوت کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔لیکن اب جب مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ اسلام کی صحیح تصویر انہیں دکھائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ انیس سال میں آنحضرت ﷺ کے رفقاء کی تعداد حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو تھی۔لیکن دو ہی سال بعد اس حد تک پہنچ گئی کہ جب مسلمان فتح مکہ کیلئے نکلے تو آپ ؐ کی رکاب میں دس ہزار کا لشکر تھا اور ان میں ساڑھے آٹھ ہزار دو سال میں مسلمانوں کی تبلیغ و دعوت کا نتیجہ تھا۔

۴۔ آنحضرت ﷺ کا قریش سے جنگ کرنے کی بجائے دب کا معاہدہ کر لینا ایک طرح کی کمزوری پر دلالت کرتا تھا۔لیکن اس سورۃ سے معلوم ہوا کہ یہ کمزوری نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔کیونکہ پروردگار جانتا تھا کہ مکہ میں بہت سے ظاہر اور مخفی مسلمان تھے جو وہاں سے ابھی ہجرت نہیں کر سکے تھے۔اندیشہ تھا کہ جنگ کی صورت میں ان کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں نقصان پہنچ جائے گا۔

۵۔ وہ دفعہ جو مسلمانوں کو بہت کھل رہی تھی کہ اگر کوئی شخص مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آ جائے تو ہم اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرمائے کہ قریش خود آنحضرت ﷺ سے درخواست کرنے پر مجبور ہوئے کہ ہم اس دفعہ کو واپس لیتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابوبصیر ایمان لانے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے۔قریش نے دو آدمی ان کو واپس لانے کیلئے بھیج دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے ابوبصیر کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔وہ مکہ جاتے ہوئے راستے میں ان کی گرفت سے بچ نکلے اور ساحلِ بحر احمر کے اس راستے پر جا بیٹھے جس سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔اس کے بعد جس مسلمان کو بھی قریش کی قید سے بھاگ نکلنے کا موقع ملتا وہ ابوبصیر کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس ستر آدمی جمع ہو گئے اور انہوں نے قریش کے قافلوں پر چھاپے مار مار کر ان کا ناطقہ تنگ کر دیا۔مجبوراً قریش کو آنحضرت ﷺ سے اس شق کو ختم کرنے کی درخواست کرنا پڑی۔

Marfat.com

٦۔ آنحضرت ﷺ کو قریش کی طرف سے کسی حد تک اطمینان ہونے کے بعد موقع ملا کہ وہ اپنے مقبوضات میں اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کرلیں۔ چنانچہ آپ نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شمال عرب اور وسطِ عرب کی تمام مخالف قوتوں کو یکے بعد دیگرے مسخر کرلیا۔ یہودی جو ایک بہت بڑا فتنہ تھے ان کے تمام مراکز پر فوج کشی کی اور انہیں زیرنگیں کرلیا۔ اور وسطِ عرب کے تمام قبیلے جو یہود اور قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے ایک ایک کرکے تابع فرمان ہوگئے۔ اور مملکت کے اندر اسلامی قانون کے اجرا سے اسلامی تہذیب اور تمدن کو برپا کرنے کا موقع ملا۔ اور یہی درحقیقت وہ مقصد تھا جس کیلئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے تھے۔ اور یہی وہ فتحِ مبین ہے جس کا اس سورۃ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

(تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام اگلی اور پچھلی غلطیوں سے درگزر فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت تمام کرے، اور آپ کو ایک سیدھا راستہ دکھادے۔ ۲) اور آپ کو زبردست نصرت سے نوازے۔ ۳)

اس فتحِ مبین کے چند نتائج

ایک مؤرخ یا سیرت نگار جب چھٹی ہجری میں آنحضرت ﷺ کے معمولات کو دیکھتا ہے تو اسے صرف یہ دکھائی دیتا ہے کہ حق و باطل کی کشاکش جاری ہے جس میں نشیب و فراز کی موجیں کبھی اٹھتی ہیں اور کبھی سکون سے بہنے لگتی ہیں کہ اچانک آنحضرت ﷺ ایک خواب دیکھتے ہیں جس کے نتیجے میں آپ عمرہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر مکہ معظمہ پہنچ کر وہ حالات پیش آتے ہیں جو معاہدۂ حدیبیہ پر ختم ہوتے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دیتی جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ اسلامی تحریک کو نئی توانائی مل رہی ہے اور یہ معاہدہ جو کاغذ پر لکھی چند شرائط کا نام ہے، سرزمینِ عرب پر ایک نئی تاریخ کا عنوان بننے والا ہے۔ لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ درحقیقت ایک فتحِ مبین تھا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام کی وہ بارش جو ہمیشہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر برستی تھی اسے موسلا دھار بارش میں تبدیل کردیا ہے۔ چنانچہ اس آیتِ کریمہ میں اسی کی تفصیل ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کرکے یہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو یہ فتحِ مبین اس لئے عطا فرمائی ہے تاکہ ہم آپ کو فلاں فلاں احسان سے نوازیں۔ جن میں سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی اور پچھلی لغزشوں اور غلطیوں کو معاف کرنا چاہتا ہے۔ اس آیت میں لام غایت و نہایت کیلئے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فتحِ مبین عنایت فرمائی ہے یہ تمہید ہے جو فلاں فلاں نعمت اور احسان پر منتہی ہوگی جن میں سب سے پہلے یہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اس فتح و غلبہ کی بشارت ہے جس کیلئے آپ کو بھیجا گیا ہے۔ یعنی آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کردیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کو اس طرح نافذ فرمائیں کہ ہر دیکھنے والی نگاہ دیکھ سکے کہ اس زمین پر اب صرف اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بستے ہیں۔ یہ ایک طرح سے فریضۂ رسالت کی ذمہ داریوں سے آپ کے سبکدوش ہونے کی خبر دی

Marfat.com

گئی ہے جس کا وقت اب بہت دور نہیں ہے۔ حالانکہ بظاہر حالات ایسا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ عمرے کیلئے آپ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی۔ اور ان چودہ سو کے ساتھ تو زمین پر کوئی بہت بڑا انقلاب برپا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جبکہ مخالف قوتیں جزیرۂ عرب کی حد تک ایک سال پہلے اتنا بڑا لشکر اسلامی قوت کو ختم کرنے کیلئے لانے میں کامیاب ہوگئی تھیں جن کا تصور کرکے دل حلق میں پھنس جاتے تھے۔

لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس کے چار سال بعد جب آنحضرت ﷺ نے دنیا سے واپسی کا سفر کیا تو اسلامی انقلاب کیلئے ایک مضبوط بیس قائم ہو چکا تھا اور وفادار جاںنثاروں کی اتنی بڑی فوج تیار ہو چکی تھی جو زمین کے غالب حصے پر اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے کیلئے کافی تھی۔

بعض دیگر اہلِ علم اسے آنحضرت ﷺ کی فریضہ رسالت سے فراغت اور آپ کی دنیا سے واپسی کا حوالہ تو نہیں سمجھتے، البتہ اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں کہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جس مقصدِ عظیم کیلئے تشریف لائے تھے یہ فتح مبین اس عظیم مقصد کا مقدمہ ثابت ہوگی۔ اور اس کیلئے جن وسائل کی ضرورت ہے، اسلامی زندگی اور اسلامی انقلاب کیلئے جس ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے اور اس کیلئے جس طرح کے سازگار حالات کی ضرورت ہے وہ سب کچھ تیزی سے فراہم کردیا جائے گا۔ چنانچہ حالات نے ثابت کردیا کہ ان میں سے ایک ایک چیز آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کیلئے مہیا کردی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے گناہوں سے مراد اور بخشش کا مفہوم

اس میں جو سب سے زیادہ قابلِ توجہ بات ہے وہ یہ ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے گناہوں کی بخشش کا ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے رسول معصوم پیدا کیے جاتے ہیں اور وہ اپنی تمام زندگی میں کبھی گناہ کے قریب بھی نہیں جاتے، تو پھر آنحضرت ﷺ کی گناہوں سے بخشش کا مفہوم کیا ہوگا؟ قرآنِ کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذَنب یعنی گناہ، حکمِ شریعت کی خلاف ورزی کو کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کسی نبی اور رسول سے کبھی ایسی نافرمانی کا صدور نہیں ہوا۔ البتہ سابقہ انبیائے کرام پر بھی اور آنحضرت ﷺ کیلئے بھی ذَنب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تو اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ نے شریعت کا کوئی حکم توڑا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ سے جب بھی کبھی کوئی غلطی یا لغزش ایسی سرزد ہوئی ہے جس کا تعلق ہوائے نفس سے نہیں بلکہ غلبۂ دین کی خواہش سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے رسول چونکہ ہر معاملہ میں اسوہ اور مینارۂ نور ہوتے ہیں اس لئے جب کبھی غلبۂ دین کی خواہش میں اللہ تعالیٰ کے مطلوب معیار سے آگے بڑھتے ہیں تو پروردگار اسے ذَنب قرار دے کر انہیں اس سے روکتا ہے۔ مثلاً طبقۂ امراء کے چند افراد کو اس خیال سے زیادہ وقت دینا اور انہیں الگ لے کر بیٹھنا اور کسی حد تک ان کی نازبرداری کرنا کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور ان کے زیرِ اثر لوگ ان کی وجہ سے اسلام کے قریب آجائیں تو یہ ایک ایسی خواہش ہے جسے گناہ تو کیا انتہائی نیکی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کی وجہ سے ان لوگوں کے دلوں میں شکایت پیدا ہونے لگے جو انتہائی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے اور تزکیہ نفس کیلئے حاضر ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اس سے محض اس وجہ سے روک دیتا ہے تاکہ آگے چل کر اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اور اسے ذنب قرار دیتا ہے۔ منافقین اگر آپ کے پاس جھوٹے سچے عذر پیش کرکے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت چاہتے ہیں تو محض کریم النفسی کی بنا پر آپ انہیں اجازت دے دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی تنبیہ فرماتا ہے حالانکہ کسی بھی اسلامی سربراہ کیلئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسے فیصلے کرے۔ لیکن آنحضرت ﷺ جس بلند مرتبے کے حامل ہیں اس کی وجہ سے اسے بھی

Marfat.com

گناہ قرار دیا گیا اور آپ کو اس پر تنبیہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی واقعہ ہوائے نفس کے سبب سے پیش نہیں آیا بلکہ اس کے پیچھے غلبۂ دین کی حد سے بڑھی ہوئی خواہش ہے یا آپ کی حد سے بڑھی ہوئی طبیعت کی نرمی اور دوسروں کا لحاظ کرنے کی عادت ہے جو امت میں جا کر قانون اور سنت بن سکتی ہے۔ اس لئے اس سے روک دیا گیا۔ ایسی لغزشیں اور کوتاہیاں چونکہ آپ کے بلند و بالا حیثیت کیلئے بھی مناسب نہ تھیں اس لئے انہیں معاف کرنے کا مژدہ سنایا گیا۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ آپ چونکہ امت کے سربراہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، اس لئے امت کی کوتاہیاں بھی آپ کی کوتاہیاں قرار دی گئیں اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے نفوذ کیلئے جو جدوجہد کی جا رہی تھی اس میں جو کوتاہیاں رہ گئیں جن کی خبر کسی انسان کو نہیں ہو سکتی کیونکہ کوئی نظر ایسی نہیں جو انہیں دیکھ سکے۔ اور کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس میں انہیں جانچا جا سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اسلامی جدوجہد کا جو اعلیٰ معیار ہے اس کے اعتبار سے اسے کمزوری قرار دیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو جس طرح فوج کی کمزوریاں اور ان کے کارنامے سپہ سالار کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اسی طرح اس جدوجہد کی کمزوریوں کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب فرما کر اس طرح ان کی بخشش کا مژدہ سنایا گیا جس میں آپ کی پوری زندگی کو سمیٹ لیا گیا۔ کیونکہ اگلے اور پچھلے کا لفظ احاطہ پر دلالت کرتا ہے جس سے ساری زندگی مراد لی جا سکتی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں جو مزید انعامات ملنے والے ہیں اس کے بارے میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو تمام کر دے گا۔ اور نعمت سے مراد قرآنِ کریم بھی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت بھی۔ کیونکہ دونوں مل کر اسلامی احکام کو ضابطۂ حیات کی شکل دیتے ہیں۔ اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والا وہ تہذیب و تمدن بھی ہے جو اسلام کے نفاذ اور آنحضرت ﷺ کی تربیت نے مسلمانوں میں پیدا فرمایا۔ اور یہی وہ چیز ہے جسے تکمیلِ دین کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ''اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔'' اور یہی وہ نعمت ہے جس کا اعلان آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں کیا تھا۔

اور دوسرا احسان جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے واسطے سے امت پر فرمایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی کرے گا۔ یعنی اس فتحِ مبین نے وہ راستہ کھول دیا ہے جس پر چل کر آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ وہ صراطِ مستقیم جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد اپنی ذرّیت کیلئے کھولا تھا، مدت ہوئی انہیں کی اولاد نے اس کو بند کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ گھر جسے اس کے مرکز کیلئے تعمیر کیا گیا تھا اسے بت خانے میں تبدیل کر دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے اس راستے کو پھر کھولا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نے قدم قدم پر اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اب اس معاہدے کے بعد قبائلِ عرب پر اس کی تبلیغ و دعوت کا راستہ کھل گیا ہے۔ اب یہاں کے باسیوں تک اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت آسانی سے پہنچ سکے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تیزی سے یہ لوگ اسلام کی آغوش میں آئیں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم قافلہ تیار ہو گا جن کے ہاتھوں اسلام کی مشعل ہو گی۔ چنانچہ دو ہی سالوں میں مکہ سرنگوں ہو گیا اور مزید دو سالوں میں پورا جزیرہ عرب اسلام کی آغوش میں آ گیا۔

اس فتحِ مبین کے نتیجے میں جو مزید احسان فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد کرے گا جس کو کوئی چیلنج کرنے والا نہیں ہو گا۔ چنانچہ چار سال سے کم عرصے میں جزیرہ عرب کی تمام قوتیں اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئیں۔ راستے کی ہر

Marfat.com

رکاوٹ ختم کردی گئی۔ اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کی حدود کا تحفظ کرلیا گیا۔ اور ایک ایسی قوت وجود میں آئی جسے جزیرہ عرب میں کوئی چیلنج کرنے والا نہ تھا۔ آیتِ کریمہ میں اس کیلئے عزیز کا لفظ استعمال ہوا ہے تو عزیز کا معنی جس طرح غالب اور طاقتور ہوتا ہے اسی طرح اس کا معنی عجیب اور نادر بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا ایسے عجیب طریقے سے کہ آج کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یعنی جس معاہدے کو شکست کی دستاویز سمجھا گیا اور مسلمان جس کیلئے نہایت پریشان اور غمگین رہے اور جسے سراسر اپنے لئے ناکامی سمجھتے رہے۔ وہی معاہدہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ایسا ذریعہ بنا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جزیرہ عرب کی تاریخ بدل گئی، آستانے بدل گئے۔ اور لوگوں میں ایسی تبدیلی آئی کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴

(وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایک اور ایمان کا اضافہ کرلیں، اور آسمانوں اور زمین کی تمام فوجیں اللہ ہی کی ہیں، اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۴)

وعدہ نصرت کے ایفاء کی ایک جھلک

اوپر والی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس وعدے کے ایفاء کی ایک جھلک ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہوگی، وہ تفصیل یہ ہے کہ سکینت عربی زبان میں سکون و اطمینان اور ثباتِ قلب کو کہتے ہیں۔ یہ ایسی کمیاب دولت ہے کہ صرف اسے نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا کرے ورنہ چھوٹی چھوٹی پریشانیاں اور معمولی نقصانات اور متوقع اندیشے آدمی کے قلبی سکون کو برباد کردیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب عمرے کا ارادہ فرمایا اور مدینہ اور قرب و جوار کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو منافقین اور کمزور ایمان کے لوگوں نے قسم قسم کے ایسے شبہات کا اظہار کیا۔ جن کی حیثیت صرف اندیشوں کی نہیں بلکہ ایسے خطرات کی تھی جسے وہ یقین کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ابھی کل کی بات ہے کہ جزیرہ عرب کی منتخب قوت نے مسلمانوں کو فنا کرنے کیلئے مدینے کا گھیراؤ کرلیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری نہ ہوتی تو ان سے بچ نکلنے کے کوئی امکانات نہ تھے۔ کتنے لوگ تھے کہ خوف کی وجہ سے ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں اٹک کر رہ گئے تھے۔ ان میں غالب قوت اہلِ مکہ کی تھی۔ اب جبکہ تم ان کے گھر میں چل کے جارہے ہو اور پھر احرام کی حالت میں تمہارے پاس ایک تلوار کے سوا کچھ نہ ہوگا وہ بھی پرتلے میں ہوگی تو وہ تمہیں مکے میں داخلے کی اجازت کیسے دے دیں گے۔ اور اپنی مرکز میں ہونے کی وجہ سے ان کے پاس وسائل کی فراوانی ہوگی اور وہ ضرورت کے وقت قرب و جوار کے قبائل کو بھی اپنی مدد کیلئے بلاسکیں گے۔ انہوں نے اگر تم سے لڑائی کا فیصلہ کرلیا جس کے غالب امکانات ہیں تو تم کس طرح ان سے عہدہ براہو سکو گے۔ تم عمرے کیلئے نہیں بلکہ موت کے منہ میں جارہے ہو۔ اور منافقین تو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ اور مومن اپنے گھروں کو لوٹ کے کبھی نہیں آئیں گے، یعنی وہیں مارے جائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جو لوگ آپ کے ساتھ نکلنے پر آمادہ ہوئے انہیں بھی یقیناً ان کے اہلِ خانہ نے ہر

Marfat.com

خطرے سے آگاہ کیا ہوگا۔ اور پھر راستے میں جب انہیں معلوم ہوا کہ قریش راستے میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں تا کہ ہمیں آگے بڑھنے نہ دیں تو ان میں سے کسی نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ نہ کیا۔ حتیٰ کہ حدیبیہ میں پہنچ کر قریش نے بار بار انہیں اشتعال دلانے کی کوشش کی، لیکن وہ کبھی مشتعل نہ ہوئے۔ ابوجندل اس وقت مسلمانوں کے سامنے پہنچے جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا اور انہوں نے بار بار فریاد کی کہ مسلمانوں میں مجھے ان ظالموں سے بچاؤ، لیکن کسی نے آنحضرت ﷺ کے فیصلے کیخلاف کچھ کر گزرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ جن شرائط کو مسلمان کسی قیمت پر تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ان شرائط کو قبول کر لیا تو مسلمانوں میں سے کسی نے بھی آپ سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ کی۔ یہ وہ سکینت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نازل فرمایا اور وہ مشکل سے مشکل حالات میں ثابت قدم رہے۔

ایمان میں اضافہ سے مراد

مزید فرمایا کہ ہم نے مسلمانوں کو جو ایسے خطرناک امتحانات میں ڈالا اور بار بار ان کے ایمان کا امتحان لیا، یہ صرف اس لئے تھا تا کہ وہ اپنے ایمان میں اضافہ کر لیں۔ کیونکہ ایمان کوئی جامد اور ساکت چیز نہیں، وہ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جو یقین واذعان کے ساتھ بڑھتی اور شک وارتیاب سے کم ہوتی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں پر پہلے ہی ایمان میسر تھا، لیکن اب جیسے جیسے نازک حالات سے انہیں گزرنا پڑا تو اس ایمان اور یقین میں اور پختگی آتی گئی۔ اور اس طرح سے ایک نئے ایمان کا ان میں اضافہ ہو گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل پہلے بھی رکھتے تھے لیکن اب جبکہ ایک بڑے دشمن کے سامنے انہوں نے ثباتِ قدم کا ثبوت دیا اور ہزار اندیشوں کے باوجود دل کو ڈولنے نہ دیا تو اس توکل اور اعتماد میں مزید اضافہ ہو گیا۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار لشکر ہیں جنہیں کوئی شمار کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ ہم کائنات میں جتنی قوتیں دیکھتے ہیں جو انسان کے کام بھی آتی ہیں اور خطرے کا باعث بھی بنتی ہیں اور جب کبھی بے قابو ہو جاتی ہیں تو تباہی کا پیغام لاتی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے اور ان قوموں کو جو رسولوں کی بعثت کے باوجود بھی راہِ راست پر نہیں آتیں تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان لشکروں میں سے کسی لشکر کے ذریعے اپنے رسول کی مدد کرتا، قریش کو فنا کر دیتا اور اپنے دین کو غالب کر دیتا لیکن اس نے یہ سارا کام مسلمانوں پر ڈال دیا ہے تا کہ ان کے ایمان کی تربیت ہو سکے۔ وہ اپنے دین کی نصرت کیلئے کسی کا محتاج نہیں۔ لیکن اہلِ ایمان کو اپنی تربیت اور آخرت میں اجر وثواب کیلئے آزمائشوں سے گزارتا ہے۔ کیونکہ وہ علیم وحکیم ہے اس کا ہر کام علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٥

(تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دے، اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۵)

Marfat.com

کفار سے مسلمانوں کا تصادم مسلمانوں کی تربیت کیلئے ہے

اس سے پہلے ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب مومنوں کو کافروں کے مقابلے میں خطرناک صورتحال سے دوچار کرتا ہے جس کا نتیجہ عموماً جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کا محتاج ہے جبکہ اس کے پاس بے شمار ایسے لشکر ہیں کہ وہ کسی لشکر کی مدد سے بھی کفار کو ہلاک کر سکتا ہے۔ مسلمانوں پر اس ذمہ داری کا عائد کرنا درحقیقت مسلمانوں کی تربیت کیلئے ہے۔ اسی سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسے میں افزونی ہوتی ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایسی صورتحال میں مسلمانوں کو مبتلا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں جنت کی نعمتوں کا مستحق بنانا چاہتا ہے۔ وہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں استقامت اور قربانی وایثار کا ثبوت دیں گے، ویسے ویسے جنت کی نعمتوں کے سزاوار ہوتے جائیں گے۔ اور دنیا میں راہِ حق میں اٹھائی جانے والی ایک ایک تکلیف کے بدلے میں وہاں ایسی نعمتوں سے گراں بار کیے جائیں گے جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ ایسی صورتحال سے مسلمانوں کو اس لئے بھی دوچار کیا جاتا ہے کہ حق وباطل کی جدوجہد یا ذاتی زندگی میں جو کچھ کمزوریاں باقی رہ جاتی ہیں جنت میں داخلے سے پہلے اللہ تعالیٰ ایسی تمام کمزوریوں اور برائیوں کو ان خوش نصیب بندوں سے دور فرما دیتا ہے۔ کیونکہ جنت ایک ایسا مقام ہے جہاں گناہوں کا گزر نہیں ہوتا۔ بلکہ جب لوگ اس میں داخل کیے جائیں گے تو اگر کسی گناہ کا داغ بھی ان کے دامن پر ہوگا تو اسے دھوڈالا جائے گا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر گناہ ساتھ لے کر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا تو پھر تو یہ بات لازم ہے کہ گناہوں سے جنت میں داخل ہونے والے کو پہلے پاک کیا جائے اور بعد میں اس کو جنت میں داخل کیا جائے۔ لیکن آیت میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔ دخولِ جنت کا ذکر پہلے ہے اور تکفیرِ سیّات کا بعد میں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترتیب محض ظاہری ہے، حقیقی نہیں۔ حقیقی ترتیب وہی ہے جس کا تقاضا ہورہا ہے۔ لیکن اس ترتیب میں دخولِ جنت کا ذکر پہلے اس لئے فرمایا گیا ہے تاکہ مقصود پر نگاہ رہے۔ کیونکہ مقصدِ جنت میں داخل ہونا ہے اور وہی اصل ہدف ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔

آخر میں ارشاد ہوا کہ اہلِ دنیا نے نہ جانے کس کس چیز میں فوز وفلاح سمجھ رکھی ہے۔ لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت میں دخول یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کیونکہ باقی ساری کامیابیاں سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اور پھر ان کا تعلق بھی صرف دنیا سے ہے۔ لیکن وہ مقصد جس کیلئے ایک مومن بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرتا اور جو اس کی زندگی بھر کی کاوشوں کا اصل ہدف ہے وہ صرف جنت ہے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٦﴾

(اور تاکہ اللہ سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، جو اللہ کے متعلق برے گمان رکھتے ہیں، برائی کی گردش ان ہی پر ہے اور ان پر اللہ کا غضب ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور اس نے ان کیلئے جہنم تیار کر رکھی ہے اور نہایت برا ٹھکانہ ہے۔ ٦)

Marfat.com

حق و باطل کی کشمکش میں اہلِ حق سرافراز اور اہلِ باطل موردِ عذاب ہوتے ہیں

حق و باطل کی کشمکش میں جس طرح حق کا ساتھ دینے والے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سرافراز ہوتے ہیں اور آخرت میں جنت ان کی پیشوائی کیلئے تیار ہے، اسی طرح جو لوگ اس کشمکش میں باطل کا ساتھ دیتے ہیں چاہے وہ منافق ہوں یا کافر، یعنی ان کی باطل کے ساتھ وابستگی خفیہ ہو یا علانیہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلیل کرتا ہے اور آخرت میں ان کو بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔ نبی کریم ﷺ نے مکے کیلئے عازمِ سفر ہونے سے پہلے مدینہ کے قرب و جوار میں نام نہاد اصحابِ ایمان کو بھی پیغام بھیجا تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اس سفر میں شریک ہوں۔ لیکن انہوں نے مختلف بہانوں سے اس سفر میں شریک ہونے سے پہلوتہی کی۔ (اور ان کے بہانوں کا ذکر بعد کی آیات میں کیا جا رہا ہے)۔ ان کا گمان یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی بلاوجہ اپنے آپ کو ایک تباہ کن صورتحال میں جھونک رہے ہیں۔ اہلِ مکہ کسی قیمت پر ان کو مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ نتیجہ میں تصادم ہوگا اور مسلمان چونکہ تعداد میں تھوڑے اور اسلحۂ جنگ میں تہی دامن ہیں اس لئے قریش اور ان کے دوسرے معاونین کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔ بنا بریں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص زندہ واپس مدینہ نہیں آئے گا۔ اور یہ بھی انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی مدد نہیں فرمائے گا اور یہ اپنے غلط اقدامات کی وجہ سے ہلاکت کی نذر ہو جائیں گے۔ اس طرح کے گمان تھے جو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کر رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ مسلمان برائی کی گردش میں آ گئے ہیں اور اس گردش سے نکلنا اب ان کیلئے ممکن نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان پر چوٹ لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ برائی کے پھیر میں تو یہ لوگ آ گئے ہیں کیونکہ انہوں نے نفاق کا راستہ اختیار کر کے اور ایمان اور ایثار کا راستہ چھوڑ کر اپنے لئے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو نہ انہیں دنیا کے قابل چھوڑے گا اور نہ آخرت کی کامیابیاں ان کے نصیب میں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب ہوگا، اس کی لعنت ان پر برسے گی اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے عذابِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات کا ذکر ایک ہی سیاقِ کلام میں کیا گیا ہے۔ اس سے ایک تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی عمرے کیلئے روانگی منافقین کی نگاہ میں تباہی کا باعث تھی اسی طرح مشرکین بھی مسلمانوں کی تباہی اس کے آئینہ میں دیکھ رہے تھے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نفاق اور شرک ملتی جلتی بیماریاں ہیں۔ نفاق ایمان کے عہد سے خیانت اور بے وفائی کا نام ہے۔ اور شرک اللہ تعالیٰ کی بندگی کے عہد میں خیانت اور بے وفائی ہے۔ اس لحاظ سے مرض میں دونوں یکساں ہیں۔ اور دونوں اسلام دشمنی میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

پیشِ نظر آیتِ کریمہ اور اس سے اوپر کی آیتِ کریمہ دونوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر بھی فرمایا ہے جبکہ قرآنِ کریم کا عام اسلوب یہ ہے کہ وہ مخصوص احکام کے سوا عورتوں کا ذکر مردوں کے تابع رکھتا ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہاد و قتال اگرچہ مردوں کا فریضہ ہے، عورتوں کا نہیں، اس لئے جب بھی جہاد و قتال کے حوالے سے قربانی و استقامت پر اجر و ثواب کا ذکر آئے گا تو اس سے عام طور پر مرد ہی مراد ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں عورتوں کا خاص طور سے الگ ذکر شاید اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس خطرناک سفر میں نکلے تو ان کی یہ جرأت و

Marfat.com

جسارت اور راہِ حق میں وفا شعاری جس طرح ان کے ایمان کا ثبوت ہے اسی طرح اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ کیونکہ اہلِ خانہ ہمیشہ خطرناک اقدام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ اکیلا وکیلا شخص جان پر کھیل جاتا ہے۔ لیکن جو شخص بیوی بچے رکھتا ہے وہ ان کی وجہ سے بخل کا بھی شکار ہوتا ہے اور بزدلی کا بھی۔ کیونکہ عورتیں اور بچے عام طور پر یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ اپنے لئے نہیں تو ہمارے لئے زندہ رہیں، آپ کے بعد ہم کیا کریں گے۔ اور مزید یہ بات بھی کہ جب مسلمان مکہ کیلئے روانہ ہوگئے تو مدینے میں یا منافقین رہ گئے اور یا نواحی بستیوں میں دشمنانِ دین۔ لیکن عورتوں نے اپنے جانے والے شوہروں کو یہ کہہ کر روکنے کی کوشش نہیں کی کہ آپ کے چلے جانے کے بعد اگر ان لوگوں نے ہمارے گھروں پر حملے کئے تو پھر ہمارا انجام کیا ہوگا۔ تو ان کی اس وفا شعاری اور اعتماد علی اللہ نے اللہ تعالیٰ سے اپنا اجر وثواب حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

اسی طرح منافق اور مشرک عورتوں نے بھی منافق مردوں اور مشرک مردوں کے نفاق اور شرک میں یقیناً اپنا حصہ ڈالا۔ ان کی کمزوریوں نے انہیں اس نازک سفر میں نکلنے سے روکا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جیسے کہ وہ بدگمانیاں کرتے رہے ان کی بیویوں اور بچوں نے بھی اس میں کمی کرنے کی بجائے اضافہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں پر لعنت فرمائی، اسی طرح عورتوں پر بھی لعنت فرمائی اور دونوں کو عذابِ عظیم کی وعید سنائی۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٧﴾

(اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر، اور اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ ۷)

اہلِ باطل کیلئے مہلت

منافقین اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اپنے رسول اور صاحبِ ایمان لوگوں کو اپنے اہلِ خانہ میں کبھی لوٹا کے نہیں لائے گا بلکہ وہ سب کے سب اہلِ مکہ کے ساتھ مقابلے میں مارے جائیں گے۔ تو پھر ان کیلئے عیش ہوں گے جو چاہیں گے سو کریں گے۔ لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان بدنصیبوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے نفاق اور کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جو انہیں مہلت دے رکھی ہے کہ ابھی تک ان پر اللہ تعالیٰ نے گرفت نہیں فرمائی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انہیں سزا دینے پر قادر نہیں۔ اور مسلمانوں کو دوسرے کفار نے دوسرے میدانوں میں مشغول کر رکھا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس زمین اور آسمان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار لشکر ہیں۔ وہ جب کسی کو سزا دینا چاہتا ہے تو کسی بھی لشکر کو بھیج کر انہیں سزا دے دیتا ہے۔ کتنی معذب قومیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر قرآنِ پاک نے بھی کیا ہے۔ وہ اس وقت کے مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو نہیں پہنچیں بلکہ کسی کو زلزلے نے تباہ کیا، کسی کو آندھی کے ذریعے ہلاک کیا گیا، کسی پر بادل جھوم کر اٹھا اور ان پر آگ برسنے لگی، کسی کی دھرتی الٹ دی گئی، پھر ان پر پتھر برسائے گئے۔ یہ اس کے لشکر ہیں جس لشکر کو وہ چاہتا ہے حرکت میں لے آتا ہے کیونکہ وہ غالب اور مقتدر ہے اس کے راستے میں کوئی حائل نہیں ہوسکتا۔ البتہ حکیم ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنی حکمت کے مطابق اپنے فیصلے فرماتا ہے۔ اور اس کے مطابق دشمنوں کو سزا ملتی یا ڈھیل ملتی ہے۔

Marfat.com

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾

(بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور خبر دار کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ۸) تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور اللہ کی تسبیح کرو صبح وشام۔ ۹)

آنحضرت ﷺ کا مرتبہ ومقام اور امت پر آپ کے حقوق

ان دونوں آیتوں میں پہلے نبی کریم ﷺ کا مرتبہ ومقام واضح فرمایا گیا ہے، پھر اس مرتبہ ومقام کے تقاضے سے مومنوں پر آپ کے جو حقوق قائم ہوئے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مقام ومرتبہ کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو شاہد بنا کے بھیجا ہے۔ شاہد کا معنی ہے گواہی دینے والا۔ کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دیں گے اور اس کے مطابق امت کو جزا وسزا سے گزارا جائے گا۔ لیکن یہ گواہی اس گواہی کا نتیجہ ہوگی جو آپ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے سامنے دے چکے ہوں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے جو ضابطہ حیات نازل فرمایا اس کے ایک ایک حکم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے سے آپ نے لوگوں تک پہنچایا۔ اور لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے اس میں شک وارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور دوسری گواہی آپ نے یہ دی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس ضابطہ حیات کی ایک ایک دفعہ کو جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے نازل فرمایا، بلا کم وکاست نافذ فرما کر اس کے قابلِ عمل بلکہ واجب العمل ہونے کو ثابت کیا۔ اور ایک مختصر وقت میں اس ضابطہ حیات کی برکات اور اس کے نتائج سے لوگوں کو بہرہ ور فرمایا۔

جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لا کر اس ضابطہ حیات کو قبول کر لیا، آپ نے انہیں دنیوی واخروی فوز وفلاح کی بشارت دی۔ اور دنیا میں چند ہی سال کے اندر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کی عملی تصویر دیکھی۔ اور جن لوگوں نے اسے ماننے سے انکار کیا انہیں آپ نے خبردار کیا کہ اگر تم اسے تسلیم کرنے سے انکار کرو گے تو دنیا میں بھی نقصان اٹھاؤ گے اور آخرت میں بدترین عذاب کے سزاوار ٹھہرو گے۔

آنحضرت ﷺ کی اس حیثیت کو واضح کرنے کے بعد اس کے تقاضوں کو بیان فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کیلئے جو جدوجہد کر رہے ہیں اس میں ان کی ہر ممکن مدد کرو۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے بلند وبالا شخصیت ہیں۔ اور ایمان کے نقطۂ نگاہ سے اللہ تعالیٰ کے بعد ان ہی کا مقام ومرتبہ ہے۔ اس لئے ان کے احترام اور تعظیم میں کبھی کمی نہ آنے دو۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو۔ صبح وشام سے مراد صبح اور شام کے مخصوص اوقات نہیں بلکہ یہ الفاظ احاطہ پر دلیل ہیں۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

Marfat.com

(اے پیغمبر! بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا، تو جس نے اس عہد کو توڑا تو اس عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہوگا، اور جو عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ ۱۰)

آنحضرت ﷺ کے مقام کی وضاحت اور اس کا مفہوم

اوپر کی آیت میں آنحضرت ﷺ کے مقام و مرتبہ کو بیان فرمایا گیا ہے اس لئے اس کی نسبت سے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب بھی آپ مسلمانوں سے کسی بات پر بیعت لیتے ہیں تو بظاہر آپ کے ہاتھ پر مسلمان بیعت کرتے ہیں، لیکن آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس لئے دیکھنے کو آپ کا ہاتھ آپ کا ہاتھ ہے، لیکن حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرنا سب سے بڑی ذمہ داری اپنے سر لینا ہے۔ پھر جو شخص اس بیعت کو توڑے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ سے تعلق کو شکست کرے گا۔ اور جو اس کو پورا کرے گا اور اس کے تقاضوں کو بروئے کار لائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اجرِ عظیم سے نوازے گا۔

بعض اہلِ علم نے اس سے سمع و اطاعت کا عہد مراد لیا ہے۔ یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتا وہ آپ سے سمع و اطاعت کا عہد کرتا اور اس پر آپ سے بیعت کرتا تھا۔ ان کے نزدیک یہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہیں بلکہ ہر صاحب ایمان اور ہر وہ شخص جو اس دائرے میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کیلئے ضروری تنبیہ اور رہنمائی ہے۔

لیکن دوسرے اہلِ علم اس سے بیعتِ رضوان مراد لیتے ہیں جو حضرت عثمان غنیؓ کی واپسی میں تاخیر کی وجہ سے اور اس افواہ کے اڑ جانے کے باعث کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے نبی کریم ﷺ نے ان کے خون کا بدلہ لینے کیلئے مسلمانوں سے موت پر بیعت لی۔ اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور سابقہ آیات میں چونکہ ذکر معاہدہ حدیبیہ کا ہو رہا ہے اور اسی سے متعلق واقعات زیر بحث لائے جا رہے ہیں اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ واقعہ اس سے مراد لیا جائے۔ بہر حال امکان دونوں ہی پہلوؤں کا ہے۔ اس لئے کوئی حرج نہیں کہ اسے مطلق معنی میں رکھا جائے یا اس کو ایک خاص واقعہ کی طرف نسبت دی جائے۔

ایک نحوی شبہ کا ازالہ

اس آیت کے آخر میں عَلَیْہُ اللّٰہَ کا لفظ آیا ہے۔ نحوی قاعدہ کے اعتبار سے ضمیر کو مجرور ہونا چاہئے تھا، لیکن قرآنِ کریم نے اس کو مضموم استعمال کیا ہے۔ اس کی وضاحت میں علامہ آلوسی اور بعض دیگر مفسرین نے قابلِ قدر توجیہات پیش کی ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں جو وضاحت صاحب تدبرِ قرآن نے کی ہے وہ بھی قابلِ لحاظ ہے ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

اس آیت میں عَلَیْہُ اللّٰہَ کی ضمیر مجرور پر جو ضمہ ہے اس کی بنا پر بعض مستشرقین نے قرآن کی نحو پر اعتراض کیا ہے۔ ان بیچاروں کو پتہ نہیں ہے کہ نحو کی کتابیں قرآن کے اسلوب و اعراب کو پرکھنے کیلئے کسوٹی نہیں ہیں بلکہ قرآن نحو کی کتابوں کے جانچنے کیلئے کسوٹی ہے۔ قرآن قریش کی ٹکسالی زبان کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے اور ہر پہلو سے بالکل محفوظ بھی ہے۔

Marfat.com

اس وجہ سے اگر اس کی کوئی چیز نحو کے مروجات کے خلاف نظر آئے گی تو اس کی بنا پر قرآن کو متہم نہیں کریں گے بلکہ اس کو اہل نحو کے تتبع کے نقص پر محمول کریں گے۔ سیبویہ فنِ نحو کا امام ہے۔ میرے استاذ مولانا فراہیؒ بھی اس کو امام مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کے متعدد مسائل پر کلامِ عرب کی روشنی میں تنقید کر کے بتایا ہے کہ معروف اسلوب وہ ہے جو قرآن نے اختیار کیا ہے نہ کہ وہ جو سیبویہ نے قرار دیا ہے۔

فصیح عربی میں صرف آہنگ وصوت کے تقاضوں کے تحت بھی الفاظ، حروف اور ضمیروں پر ایسے ایسے تصرفات ہوئے ہیں کہ اگر کسی شخص کا علم صرف نحو کی کتابوں ہی تک محدود ہو تو وہ ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ ضمیروں ہی کا مسئلہ لیجئے۔ قرآن میں متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں کہ ضمیر لفظ کے اندر بالکل مدغم ہو کے رہ گئی ہے اور اس کی وجہ آہنگ وصوت کے تقاضے کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ مثلاً الاعراف کی آیت ۱۱۱ میں ہے اَرْجِهْ وَاَخَاهُ (اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی ٹالو) اسی طرح سورۃ نور کی آیت ۵۲ میں ہے یَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ (اللہ سے ڈرے اور اس سے تقویٰ اختیار کرے)۔

آیت زیرِ بحث میں جس طرح ضمہ لوگوں کو عجیب معلوم ہوتا ہے بعینہٖ یہی صورت، سورۃ کہف آیت ۶۳ میں بھی ہے وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (اور مجھے اس سے نہیں غافل کیا مگر شیطان نے) یہاں مثالوں کا استقصاء مقصود نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے خواہشمندوں کو آخری گروپ کی سورتوں میں بہت سی مثالیں ملیں گی کہ صرف آہنگ وصوت کے تقاضے سے حروف، الفاظ اور ضمیروں کی ہیئت میں ایسی تبدیلیاں ہوگئی ہیں جن کی اہلِ نحو کوئی توجیہ نہیں کر پاتے۔ یہاں بھی وہی صورت ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ

مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ
بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ښ
وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

Marfat.com

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ
إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ
أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ
فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾
قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا
حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾
لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ
حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾

رکوع: ۲۔ (بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ آ کر آپ سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے اموال اور اہل وعیال کی ذمہ داریوں نے مشغول رکھا، آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں، یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، ان سے کہئے کہ کون ہے جو تمہارے لئے اللہ کو روک دینے کا اختیار رکھتا ہو، اگر وہ تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے بلکہ اللہ ان سب باتوں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔ ۱۱) بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اور ان پر ایمان لانے والے اب کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں آراستہ کردی گئی، اور تم نے برے برے گمان کئے، تم ہو ہی بدباطن لوگ۔ ۱۲) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ رکھتے ہوں تو ہم نے ایسے کافروں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ۱۳) اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا، اور اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحیم ہے۔ ۱۴) عنقریب کہیں گے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ، جب تم چلو گے غنیموں کی طرف تا کہ انہیں حاصل کر لو کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں، یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل دیں، ان سے کہہ

Marfat.com

دیجئے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے، یہی بات تو اللہ نے تم کو پہلے بھی فرمائی تھی، تو وہ کہیں گے نہیں بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کررہے ہو، بلکہ یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ ۱۵) اعراب میں سے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں سے آپ کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے کیلئے بلائے جاؤ گے جو بڑے زور آور ہیں، تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے، اور اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو اچھا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا کہ تم اس سے پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ ۱۶) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ، اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ اس کو ایک دردناک عذاب دے گا۔ ۱۷)

سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَھْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِھِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ بِکُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۱﴾

(بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ آ کر آپ سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے اموال اور اہل و عیال کی ذمہ داریوں نے مشغول رکھا، آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں، یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، ان سے کہئے کہ کون ہے جو تمہارے لئے اللہ کو روک دینے کا اختیار رکھتا ہو، اگر وہ تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے بلکہ اللہ ان سب باتوں سے باخبر ہے جو تم کررہے ہو۔ ۱۱)

منافقین کے اعذار کی حقیقت

اطراف مدینہ میں اسلم، مزینہ، جہینہ، غفار، اشجع اور دیل وغیرہ کے قبائل آباد تھے جنہیں اعراب کہا جاتا تھا اور ٹھیٹھ زبان میں انہیں بدو کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے عمرے کیلئے عازم سفر ہونے سے پہلے انہیں ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی، لیکن انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ سفر اپنے اندر بے پناہ خطرات رکھتا ہے اور اس بات کا غالب امکان ہے کہ اہلِ مکہ کے ساتھ مسلمانوں کا تصادم ہوگا اور قریش چونکہ بہت بڑی قوت ہیں اس لئے انہیں مسلمانوں کا استیصال کرنے کا موقع مل جائے گا اور مسلمان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ عافیت اسی میں ہے کہ خاموشی سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور حیلوں بہانوں سے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دینے سے پہلو تہی کرو۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے ان مذموم خیالات کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں نکلے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب آنحضرت ﷺ خیریت سے واپس مدینہ روانہ ہوئے تو مکے سے نکلتے ہی سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ تو پیش نظر آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو پیچھے رکھا گیا وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور آ کر یہ عذر بیان کریں گے کہ ہماری دلی خواہش تھی کہ ہم آپ کے ساتھ نکلیں اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت سے مشرف ہوں جس سے ہمیں کئی سال سے محروم رکھا گیا ہے۔ لیکن اہلِ خانہ کی دیکھ بھال، بیوی بچوں کی ضروریات کی نگہداشت اور اپنے مال و دولت،

Marfat.com

کھیتی باڑی اور کاروبار کی مشغولیت نے ہمیں نکلنے کی اجازت نہ دی۔ یہ یقیناً ہماری بڑی کوتاہی تھی، ہم اس پر نادم ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مغفرت کی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ غلطی معاف فرمائے۔ پروردگار نے ان کے متوقع عذر کو بیان کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو آگاہ کیا کہ یہ لوگ جو کچھ اپنی زبانوں سے کہیں گے یہ ان کے دل کی آواز نہیں بلکہ محض زبانوں کا جمع خرچ ہے اور آپ کو فریب دینے کی ایک کوشش ہے۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے جو ان کی زبانوں پر ہے۔ آپ ان کی معذرت کو درخورِ اعتناء نہ سمجھیں بلکہ آپ ان لوگوں سے یہ پوچھیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو محض اس لئے اہمیت نہ دی کہ تمہیں اپنے مفادات زیادہ عزیز تھے۔ اور تم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس پرخطر سفر سے پہلوتہی کی جائے تاکہ تمہاری جانیں سلامت رہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلے یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی ایسی طاقت ہے جو اس کے ارادے میں حائل ہوسکے۔ اور اگر تمہارا جواب نفی میں ہے تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح کیوں دی؟ اور اگر تمہارا جواب اثبات میں ہے تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا تکلف کیوں کیا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ کوئی اور قوت نہ اس کی ذات میں شریک ہوسکتی ہے نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے حقوق میں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے جن خیالات کے پیشِ نظر اور جن مفادات کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کا ہمسفر ہونے سے اعراض کیا وہ تمہارے وہ اعذار نہیں بلکہ تمہارے وہ کرتوت ہیں جنہیں تم پسِ پردہ انجام دیتے رہے ہو اور اللہ تعالیٰ جن سے پوری طرح باخبر ہے۔

قرآنِ کریم نے ان پیچھے رہ جانے والوں کیلئے مُخَلَّفُوْنَ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی پیچھے رہ جانے والے نہیں بلکہ اس کا معنی وہ لوگ ہے جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے۔ حالانکہ انہیں پیچھے چھوڑا نہیں گیا بلکہ یہ اپنی مرضی سے پیچھے رہے۔ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے ایک قانون کی طرف اشارہ ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جوہرِ عقل سے نوازا اور قوتِ امتیاز عطا کی، اور اسے اس بات کا اختیار دیا کہ وہ حق و باطل اور خیر و شر میں اپنے عقل و شعور سے کام لے کر جسے چاہے اختیار کرلے۔ لیکن ساتھ ہی یہ کرم فرمایا کہ حق اور خیر کو واضح کرنے کیلئے جابجا نشانیاں روشن کیں، اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل کیں۔ لیکن کوئی شخص ان تمام احسانات کو رد کرتے ہوئے اگر شر کو اختیار کرتا اور باطل کا ہمسفر بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک خاص حد تک مہلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی روش میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے حالات کے حوالے کردیتا ہے اور شیطانی قوتیں اور نفسانی شرور اس پر حملہ کرنے کیلئے آزاد ہوجاتے ہیں۔ آخر وہ ان کی گرفت میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ان اعراب کے ساتھ بھی ہوا کہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے کا فیصلہ کیا اور پھر اپنے فیصلے پر نہایت شاداں و فرحاں آگے بڑھتے چلے گئے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق انہیں پیچھے چھوڑ دیا۔ اب وہ پیچھے رہ جانے والے نہیں بلکہ ایسے بدنصیب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پیچھے چھوڑ چکی ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓی اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ﴿۱۲﴾

(بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اور ان پر ایمان لانے والے اب کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں آراستہ کردی گئی، اور تم نے برے برے گمان کیے، تم ہو ہی بدباطن لوگ۔ ۱۲)

Marfat.com

منافقین کے دل کی حالت کا افشاء

سابقہ آیتِ کریمہ میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں۔ اور دلوں میں کیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ چنانچہ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان کے دل کی بات کو پروردگار نے افشاء فرما دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آپ کا ساتھ دینے سے اس لئے نہیں رکے کہ ان کے اموال اور ان کے بیوی بچوں کی نگہداشت نے انہیں مصروف رکھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا گمان یہ تھا کہ مسلمان موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ قریش جو مسلمانوں کی نسبت بہت طاقت رکھتے ہیں جن کے پاس افرادی قوت بھی کثیر ہے اور اسلحۂ جنگ کی فراوانی بھی ہے اور وہ چونکہ اپنے مرکز میں ہیں اس لئے ضرورت پڑنے پر قرب و جوار کے حلیفوں اور دیگر قبائل کو بھی بلا سکتے ہیں۔ اور مسلمان اپنے مرکز سے اڑھائی سو میل دور ہوں گے۔ اور افرادی قوت ان کے پاس صرف چودہ سو ہے۔ اور اسلحۂ جنگ نہ ہونے کے برابر۔ تصادم کی صورت میں یہ ان سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ قریش انہیں کبھی مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور اگر یہ زبردست داخل ہونا چاہیں گے تو تہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔ یہ وہ خطرات تھے جنہوں نے انہیں نکلنے سے روکا۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ ایمان کے دعوے اور مسلمانوں سے تعلق کے باوجود انہیں اس بات پر کوئی ملال نہیں تھا کہ مسلمان ایک خطرے کی طرف بڑھ رہے ہیں، ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہئے۔ بلکہ وہ اس بات پر بہت خوش تھے اور یہ بات ان کے دلوں میں آراستہ کر دی گئی تھی کہ بہت اچھا ہے کہ مسلمان اس طرح تباہ کر دیئے جائیں۔ اور بھی قسم قسم کی بدگمانیاں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے بارے میں کرتے رہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ جس طرح کا عذر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اس کا حقیقت سے کتنا رشتہ ہے۔ اور یہ لوگ کیا واقعی اس قابل ہیں کہ ان کے اس عذر کو قبول کر کے ان کے جرائم سے درگزر کیا جائے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ ہیں ہی بدباطن لوگ، ان سے کسی خیر کی توقع نہیں۔

بُوْرٌ جمع ہے بائر کی۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک ہے فاسد، بگڑا ہوا آدمی جو کسی بھلے کام کے لائق نہ ہو۔ یا ایسا آدمی جس کی نیت میں فساد ہو۔ اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ بدباطن کیا ہے۔ اور دوسرا معنی ہے ہلاک ہونے والا، بدانجام۔ اس لئے جن لوگوں نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ تم ہو ہی ہلاک ہونے والے۔ انہوں نے بھی غلط نہیں کیا۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿١٣﴾

(اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ رکھتے ہوں تو ہم نے ایسے کافروں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ۱۳)

منافقین سے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

جن منافقین کا اوپر کی آیات میں ذکر ہوا ہے پروردگار نے ان کے بارے میں فیصلہ سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ حقیقی ایمان جس میں رسول اللہ کی ہر بات یقین کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور ان کے ہر حکم کی اطاعت حاصلِ زندگی بن جاتی ہے وہ ایمان انہیں نصیب نہیں۔ اور جو لوگ بھی ایسے ایمان سے محروم ہیں ہم نے ان کیلئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ سَعِیْر جہنم کو بھی کہتے ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

(اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا، اور اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحیم ہے۔ ۱۴)

ایسے لوگوں کو جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بخشش اور عذاب اس کے اختیار میں ہے، کوئی اس کی مرضی کیخلاف نہ کسی کو پکڑ سکتا ہے اور نہ چھوڑ سکتا ہے، وہی جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے چھوڑ دے۔ البتہ ایک غیر معمولی بات یہ ہے کہ وہ جذبات کی کمزوریوں سے بہت بالا اور ارفع ہے۔ ہزار گناہوں اور غلطیوں کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی رضا طلبی کیلئے اس کی چوکھٹ پر سر جھکا دیتا ہے اور اس کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو اگر اس کے اندر اخلاص اور حقیقی طلب پائی جاتی ہے تو وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش اسے تھامنے کیلئے آگے بڑھتی ہے۔ اگر یہ لوگ بھی نادم ہو کر پلٹنا چاہیں تو ناامیدی اور مایوسی کی کوئی بات نہیں۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

(عنقریب کہیں گے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ، جب تم چلو گے غنیموں کی طرف تاکہ انہیں حاصل کرلو کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں، یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے، یہی بات تو اللہ نے تم کو پہلے بھی فرمائی تھی، تو وہ کہیں گے نہیں بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو، بلکہ یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ ۱۵)

منافقین مفادات کے بندے ہیں

گزشتہ سے پیوستہ آیتِ کریمہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ منافقین آنحضرت ﷺ کے سامنے عمرہ کے سفر میں آپ کے ساتھ نہ جانے کا عذر پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمیں اپنے بیوی بچوں اور اموال کی دیکھ بھال نے اس قدر مشغول رکھا کہ ہم چاہتے ہوئے بھی آپ کے ساتھ نہ نکل سکے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت مفادات کے بندے ہیں۔ جہاد و غزا چونکہ ایثار و قربانی کا نام ہے اس لئے جہاد و غزا کیلئے نکلنا ان کی سوچ اور ان کی ترجیحات میں شامل نہیں۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کی اسی بیماری کی وجہ سے ان کا حال یہ ہے کہ جب تم ایسی جنگ کیلئے نکلو جس میں مالِ غنیمت کا حصول یقینی ہو اور اندازہ کرنے والے اندازہ لگائیں کہ اس جنگ میں کسی سخت تصادم کا اندیشہ نہیں البتہ بہت سا مالِ غنیمت مل جانے کی قوی امید ہے۔ تو یہ لوگ ایسے سفر میں نکلنے کیلئے بے چین ہوں گے۔ اور وہ بار بار مسلمانوں سے درخواست کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دو۔ آیتِ کریمہ میں جن مغانم کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد غزوہ

Marfat.com

خیبر میں ملنے والی غنیمتیں ہیں جس کے بارے میں سب کا گمان یہ تھا کہ یہود مردِ میدان نہیں، سازشی گروہ ہیں۔اور پھر ان کی طاقت مسلمانوں کے مقابلے میں کسی بڑے تصادم کے قابل نہیں۔اور چونکہ ان کے پاس مال و دولت بہت ہے وہ دولت کے پجاری، پیسے کو جوڑ جوڑ کے رکھنے والے اور خرچ کے معاملے میں نہایت خسیس واقع ہوئے ہیں۔اس لئے جنگِ خیبر میں تو جانا ایسا ہی ہے جیسے وہاں سے مال باندھ کے لایا جائے۔تو جب مسلمان اس جنگ کیلئے پا برکاب تھے تو ان اعراب نے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔تو آنحضرت ﷺ کو ایسے صورتحال میں پہلے سے ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان لوگوں کو ہرگز ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیں۔یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیں۔سوال یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بات کیا ہے؟ کہ ان کے ساتھ جانے سے اللہ تعالیٰ کی یہ بات اور اس کا یہ فرمان بدل جاتا۔اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد وہ ارشاد ہے جو قرآنِ کریم میں نہیں بلکہ وحیِ غیر متلو کے ذریعے آپ پر نازل کیا گیا کہ آپ ان پر یہ واضح کر دیں کہ غزوۂ خیبر کا مالِ غنیمت انہیں لوگوں کو ملے گا جو بیعتِ رضوان میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔لیکن بعض اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ وحیِ غیر متلو میں جو حکم آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا اس کی طرف اشارہ آیت ۱۸ میں فرمایا گیا ہے۔اس میں ایک جملہ ہے وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا جس کا معنی ہے اللہ نے ان کو یعنی جو لوگ بیعتِ رضوان میں شریک تھے قریب کی فتح عطا فرمائی۔یہاں قریب کی فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے۔اس میں اس میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔کیونکہ آج تمہیں خیبر میں جانے کی تو بہت خواہش ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنے کیلئے یہ پہلا حکم نہیں بلکہ جب آنحضرت ﷺ عمرے کیلئے نکلے تھے تب بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔اس وقت تو تم نے نکلنے میں کوتاہی کی اور ہزاروں بہانے تلاش کئے۔اور اب جبکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اس میں مالِ غنیمت کے ملنے کا یقین ہے تو تم صرف غنیمت کے حصول کیلئے اس میں جانا چاہتے ہو۔مزید فرمایا کہ یہ لوگ آپ کی اجازت نہ دینے پر بہت تلملائیں گے اور بہت جز بز ہوں گے۔اور آپ کو حسد کرنے کا طعنہ دیں گے۔لیکن آپ اس کی بالکل پرواہ نہ کریں۔یہ نہایت نامعقول اور احمق قسم کے لوگ ہیں۔صحیح بات کو سمجھنا اور بالخصوص ایسی بات جس میں قربانی دینا پڑے ان کیلئے آسان نہیں۔یہ صرف فوائد کا حصول چاہتے ہیں اور دین کو اس کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔لیکن آپ کے انکار سے ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کی یہ روش ان کیلئے سودمند نہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

(اعراب میں سے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں سے آپ کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے کیلئے بلائے جاؤ گے جو بڑے زور آور ہیں، تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے، اور اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو اچھا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا کہ تم اس سے پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ ۱۶)

Marfat.com

ایمان کی کسوٹی زبانی دعوے نہیں ایثار وقربانی ہے

ان بدویوں کو جو عمرے کے سفر میں آپ کے ساتھ نکلنے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اب غزوۂ خیبر میں محض اس لئے جانا چاہتے تھے کہ وہاں مالِ غنیمت مل جانے کا یقین تھا۔ آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ان پر یہ بات واضح کر دیجئے کہ ایمان کی کسوٹی زبانی دعوے نہیں بلکہ ایثار وقربانی کا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ سے اطاعت کا جو عہد باندھا گیا ہے اس کا ایفاء ہے۔ اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ تم اپنی گزشتہ محرومیوں کا ازالہ کر سکو اور پھر تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نگاہ میں ایک فرمانبردار امتی کا مقام مل سکے تو عنقریب اس کے مواقع پیدا ہونے والے ہیں۔ بڑی بڑی طاقتور قوموں سے مسلمانوں کا تصادم ہوگا، اس وقت تمہیں ایسی ہی کسی زور آور قوم کے مقابلے میں آنے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس عزم کے ساتھ باہر نکلے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے لڑنا ہے۔ مالِ غنیمت یا کسی اور منفعت کا حصول تمہارا مقصد نہیں۔ تو پھر تمہیں اس وقت تک لڑنا ہوگا جب تک حریف مقابل یا تو اسلام قبول کر لے اور یا اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کر کے اس کا مطیع بن جائے۔ بعض اہلِ علم نے حضرت ابی بن کعب کی قرأت سے استفادہ کرتے ہوئے اَوْ کو حتیٰ کے معنی میں لیا ہے اور اسلام کو مطیع فرمان ہونے کے معنی میں۔ چاہے وہ اسلام لانے کی صورت میں ہو یا اسلامی حکومت کی اطاعت میں ذمی یا معاہد بن کر رہنے کی صورت میں۔ اور بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ یہاں درحقیقت جس زور آور قوم کے مقابلے میں دعوت دیئے جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ کوئی باہر کی قوم نہیں بلکہ مکہ کے قریش ہیں۔ کیونکہ جزیرۂ عرب میں صرف یہی لوگ تھے جن پر اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اعراب کو فتحِ مکہ کیلئے ان کے مقابل جانے کی دعوت دی جائے گی۔ یہ چونکہ جان پر کھیلنے کا ایک سفر ہوگا اس وقت اندازہ ہو جائے گا کہ کون شخص اپنی محرومیوں کے ازالے کیلئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان لڑا دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اور وہ کون ہے جو صرف مفادات کے حصول کے درپے ہے۔ لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ نے اعراب کو اپنے ساتھ جانے کی دعوت نہیں دی۔ اسی طرح یہ لوگ جنگِ حنین میں بھی دشمن سے لڑنے کیلئے نہیں بلائے گئے اور حنین میں جن دشمنوں سے واسطہ تھا انہیں زور آور دشمن قرار دینا بھی مشکل ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جنگِ تبوک میں بھی ان لوگوں کو شریک ہونے کی دعوت نہیں دی گئی۔ اس لئے ان کے نزدیک اس سے فارس اور روم یعنی کسریٰ اور قیصر کی قومیں مراد ہیں جن کے ساتھ جہاد حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے عہد میں ہوا ہے۔ اور بعض لوگوں نے بنو حنیفہ یعنی اہلِ یمامہ کو مراد لیا ہے جو مسیلمہ کذاب کی قوم تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ان کے ساتھ مسلمانوں نے جہاد کیا ہے۔ اب اگر اس سے قیصر و کسریٰ مراد لئے جائیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ان سے اس وقت تک لڑو گے جب تک وہ مطیع فرمان ہو کر یا اسلام قبول کر لیں اور یا اسلامی حکومت کے ماتحت ذمی یا معاہد بن کر قبول کر لیں۔ اور اگر اس سے قریش مراد لئے جائیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ عرب کی طرف آنحضرت ﷺ کی بعثت چونکہ براہِ راست ہوئی تھی، آپ انہیں میں سے تھے اور انہیں کی زبان بولتے تھے۔ اس لئے آپ کی تشریف آوری سے ان پر حجت تمام ہوگئی۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے کہ یا وہ اسلام قبول کریں اور یا پھر تلوار ان کا فیصلہ کرے گی۔ تو پھر آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم اس وقت تک ان سے لڑو گے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ انہیں ذمی بنانے یا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں اور نہ انہیں غلام بنایا جا سکتا تھا۔

Marfat.com

یہ جو اعراب کو حکم دیا گیا کہ ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں تمہیں اپنے اخلاص کا ثبوت دینا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوگا کہ تم اپنے آپ کو بدل چکے ہو یا صرف چرب زبانی سے کام لے رہے ہو۔ چنانچہ اس حوالے سے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم اس حکم کی اطاعت کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاؤ تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ تمہاری گزشتہ کوتاہیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اور اخلاص اور للّٰہیت سے کئے جانے والے کاموں کی قدر کی جائے گی۔ لیکن اگر تم نے اس کے بعد بھی روگردانی کی جیسا کہ اس سے پہلے کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذابِ الیم دے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

(نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ، اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ اس کو ایک دردناک عذاب دے گا۔ ۱۷)

معذورین کا بیان

جہاد و قتال جب اسلامی ریاست کی بقاء اور اسلام کی سربلندی کا ناگزیر تقاضا بن جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد و قتال کیلئے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص شرعی عذر کے بغیر شریکِ جہاد ہونے سے پہلوتہی کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت گرفت ہوتی ہے۔ شریعت کی نگاہ میں جنہیں معذور سمجھا جاتا ہے اور جو اگر راہِ جہاد میں نہ نکلیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی اور ان کی اس روش کو نفاق کی روش قرار نہیں دیا جاتا۔ وہ دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو جسمانی طور پر جنگ کے قابل نہیں۔ مثلاً کمسن لڑکے، عورتیں، مجنون، ایسے مریض جو جنگی خدمات انجام نہ دے سکتے ہوں اور ایسے معذور جو ہاتھ پاؤں بیکار ہونے کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لے سکیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو جسمانی طور پر کوئی ایسا عذر نہیں رکھتے کہ وہ جہاد کیلئے نہ نکل سکیں۔ البتہ ان کیلئے ایسے موانع ہیں جو انہیں جہاد میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتے۔ تو اسلام نے انہیں معذور قرار دیا ہے۔ مثلاً غلام یا وہ لوگ جو لڑنے کیلئے تو تیار ہوں مگر ان کے پاس لڑائی کے اسباب نہ ہوں۔ اگر سفر درپیش ہے تو وہ سواری سے محروم ہیں۔ لڑائی اسلحۂ جنگ کے بغیر نہیں ہوتی، لیکن وہ اسلحہ سے تہی دامن ہیں۔ یا وہ ایسے مقروض ہیں کہ قرض کی ادائیگی کی تاریخ سر پر آ گئی ہے اور انہیں مہلت ملنے کی کوئی امید نہیں۔ اب وہ مجبور ہیں کہ قرض کی ادائیگی کی فکر کریں۔ یا ایسے لوگ جن کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک زندہ ہو اور وہ اس کا محتاج ہو کہ اولاد اس کی خبرگیری کرے۔ اور مشکل یہ ہے کہ بیٹا بھی ایک ہی ہے جو جہاد پہ جانا چاہتا ہے اور دوسرا کوئی بھائی نہیں جو اس کی جگہ لے سکے۔ تو شریعت کی نگاہ میں اسے بھی معذور سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً
يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً
تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ
اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا
عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾
وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ
لَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ
بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ
وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ
مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا
لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

Marfat.com

فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾ ع

رکوع: ۳۔ (اللہ راضی ہوگیا مومنوں سے جبکہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے ایک درخت کے نیچے، تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا، تو اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا۔ ۱۸) اور بہت سی غنیمتوں سے بھی جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ ۱۹) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، پس یہ اس نے تم کو فوری طور پر دے دی، اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیئے تا کہ یہ مومنوں کیلئے ایک نشانی بن جائے۔ اور تمہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشے۔ ۲۰) اور ایک دوسری فتح بھی ہے جس پر تم ابھی تک قادر نہیں ہوئے ہو، اور اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲۱) اگر جنگ کرتے تم سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے، پھر نہ کوئی کارساز پاتے اور نہ کوئی مددگار۔ ۲۲) یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ ۲۳) اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے، بعد اس کے کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ جو کچھ تم کر رہے تھے اسے دیکھ رہا تھا۔ ۲۴) وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، اور تم کو مسجدِ حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی روک کے رکھا کہ وہ اپنی جگہ پر نہ پہنچنے پائیں، اور اگر ایسے مومن مرد اور مومنہ عورتیں نہ ہوتے جن کو تم نہیں جانتے تھے، اندیشہ تھا کہ تم انہیں پامال کر دو گے، پس ان کے باعث تم پر لاعلمی میں الزام آتا (تو جنگ نہ روکی جاتی، روکی اس لئے گئی) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اور اگر وہ لوگ الگ ہوگئے ہوتے تو ہم ان لوگوں کو ان میں سے دردناک عذاب دیتے جنہوں نے کفر کیا۔ ۲۵) اس وقت کا خیال کرو جب کفر کرنے والوں نے اپنے دلوں میں حمیت بٹھالی، جاہلیت کی حمیت، تو اللہ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی، اور ان کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا، اور وہی اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۲۶)

Marfat.com

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ
مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾
وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

(اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے جبکہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے ایک درخت کے نیچے، تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا، تو اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا۔ ۱۸) اور بہت سی غنیموں سے بھی جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ ۱۹)

صحابہ کرام کا اعزاز اور ان کی قربانیوں کا صلہ

اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر جو عہد کیا تھا اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عمرہ کے خطرناک سفر میں آپ کا ساتھ دینے سے گریز کیا، ان کا ذکر کرنے کے بعد اب ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے نہایت نازک حالات میں آپ کے ہاتھ پر حدیبیہ میں جہاد کی بیعت کی۔

حضرت عثمان غنیؓ جب آنحضرت ﷺ کے ایلچی کی حیثیت سے قریش کے پاس اس معاملے پر گفتگو کرنے کیلئے گئے جس کی وجہ سے قریش نے مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور معاملہ نہایت تلخ صورت اختیار کر گیا تھا۔ تو قریش نے آپ کے ساتھ مذاکرات کرنے کی بجائے آپ کو تین دن تک واپسی سے روکے رکھا اور یہ بات مشہور کر دی گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس سے شدید رنج ہوا۔ چنانچہ آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے اور آپ نے مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کیلئے موت پر بیعت کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ تمام صحابہ نے بلا تامل آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جبکہ حالات یہ تھے کہ آپ اپنے مرکز سے اڑھائی سو میل دور غیر مسلح حالت میں نہایت قلیل افرادی قوت کے ساتھ ایک ایسی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے جو دشمن کے مرکز سے صرف تیرہ میل کے فاصلے پر تھی۔ اور دشمن کو یہ سہولت تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑی تعداد میں ایسے جنگجوؤں کو لا سکتا تھا جو پوری طرح اسلحۂ جنگ سے مسلح ہوتے۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ اپنے گردو پیش کے حلیفوں اور قبائل سے بھی مدد لے سکتا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان قریش سے لڑنے کا ارادہ کریں گے۔ لیکن ایسی خطرناک صورتحال میں صحابہ کرام نے انتہائی جانثاری اور سرفروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اس عزم کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم کٹ جائیں گے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اور جب تک آخری آنکھ بھی حرکت کرتی ہے، آپ کے ساتھ وفاداری میں کمی نہیں آنے دیں گے۔ چنانچہ اس مخلصانہ اور سرفروشانہ بیعت کے نتیجے میں مسلمان اللہ تعالیٰ سے رضا اور خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیش نظر آیت کریمہ میں اعلان فرما دیا کہ اللہ جو سینوں کے رازوں کو جاننے والا ہے اس نے مسلمانوں کے اخلاص کو دیکھ کر ان سے اپنے خوش اور راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے اخلاص میں کچھ بھی کمی ہوتی اور وہ خطرات کو کسی حد تک بھی خاطر میں لانے والے

Marfat.com

ہوتے تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ سے اتنا بڑا انعام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن بعض عاقبت نا اندیش لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام پر طعن توڑتے اور ان کے اخلاص اور ایمان پر رائے زنی کرتے ہیں۔ اور بعض ستم ظریف یہ کہنے سے نہیں چوکتے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو یہ خوشنودی کی سند عطا کی تھی اس وقت تو یہ لوگ مخلص تھے مگر بعد میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بے وفا ہوگئے۔ حیرانی کی بات ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب مانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ قرآنِ کریم قیامت تک باقی رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بدگمانی کیسے کرسکتا ہے کہ جو لوگ چند سالوں کے بعد اخلاص سے تہی دامن ہوجانے والے تھے انہیں خوشنودی کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا جائے۔ اور پھر یہ بات قرآنِ کریم میں شامل کر دی جائے اور لوگ ہمیشہ اس کو پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی داد دیتے رہیں۔

جس درخت کے نیچے یہ بیعت کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ وہ ببول کا درخت تھا۔ اس کے متعلق حضرت نافع ؓ کی یہ روایت عام طور پر مشہور ہوگئی ہے کہ لوگ اس کے پاس جا جا کر نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا اور اس درخت کو کٹوا دیا۔ مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کیلئے گیا تو راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کون سی مسجد ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعتِ رضوان لی تھی۔ میں اس کے بعد حضرت سعید بن میتب کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر ان کو دی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا، ہمیں بھول ہوگئی اس کا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن میتب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے ان کو تو پتہ نہیں لگا، تمہیں وہ معلوم ہوگیا۔ عجیب بات ہے کیا تم ان سے زیادہ واقف ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں لوگوں نے اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم ؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں۔ خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہوگیا۔ اس لئے اس کو قطع کرا دیا ہو تو کیا بعید ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی حالت معلوم کر لی تو ان پر سکینت نازل فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ قلیل تعداد اور اسلحۂ جنگ کے فقدان کے باوجود قریش کی زبردست طاقت سے ٹکر لینے کیلئے وہ کمربستہ ہوگئے تو ان کی توجہ تمام تر اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت پر رہی ہوگی اور وہ بار بار پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہوں گے کہ یا اللہ تو ہماری مدد فرما، حالات تو بظاہر مساعد نظر نہیں آتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس توجہ اور انابت کو دیکھتے ہوئے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ یعنی ان کے دلوں کو دشمن کے مقابلے میں اپنی تائید و نصرت کے ساتھ حوصلوں سے بھر دیا۔ اور یقین کی یہ کیفیت پیدا کر دی کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے۔ اور انہیں فتح قریب سے نوازا۔ مراد اس سے فتح خیبر ہے اور اس میں ملنے والی ان غنائم کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں نصیب ہوئیں۔

نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو تین ماہ کا عرصہ نہیں گزرا ہوگا کہ آپ نے خیبر پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا اور اس میں مسلمانوں کو ڈھیروں مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ آخر میں اپنی دو صفتوں کا حوالہ دے کر مسلمانوں کے دلوں میں یہ اطمینان اور اعتماد راسخ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح و نصرت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ محض وعدے نہیں بلکہ بہت جلدی مسلمان اس کی عملی تعبیر بھی دیکھ لیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر مشکل پر غالب ہے، کوئی اس کے راستے میں حائل ہونے والا نہیں۔ البتہ اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اپنے وعدوں کا ایفا اس وقت کرتا ہے جب حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ
وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾

(اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، پس یہ اس نے تم کو فوری طور پر دے دی، اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیئے تا کہ یہ مومنوں کیلئے ایک نشانی بن جائے۔ اور تمہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشے۔ ۲۰) اور ایک دوسری فتح بھی ہے جس پر تم ابھی تک قادر نہیں ہوئے ہو، اور اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲۱)

صحابہ کرام پر مزید انعامات کا تذکرہ

موجودہ رکوع کے آغاز سے پروردگار ان خوش نصیبوں کیلئے اظہارِ خوشنودی فرما رہا ہے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعتِ رضوان کی۔ اور یہ عہد کیا کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے اور حضرت عثمانِ غنیؓ کے خون کا انتقام لیں گے۔ اسی سلسلے کی یہ تیسری آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو انعام کے طور پر مختلف نعمتوں سے نوازا۔ اور گزشتہ دو آیتوں میں ان میں سے بعض کا ذکر ہوا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد پر جان دینے والے لوگو! ہم نے تم سے بہت سے غنیمتوں کے وعدے کر رکھے ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب تم ایک ایک کر کے ان سے بہرہ ور کیے جاؤ گے۔ یعنی ایسی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا کہ جس کے نتیجے میں تمام مخالف قوتیں یکے بعد دیگرے سرنگوں ہو جائیں گی اور ان کے اموال اور ان کی زمینیں مالِ غنیمت کے طور پر تمہیں حاصل ہوں گی۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ یوں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے لیکن محض تمہاری حوصلہ افزائی کیلئے ہم اپنے وعدوں کی تصدیق کے طور پر ایک نقد فتح تمہیں عطا کر رہے ہیں۔ اور یہ فتح ایسی ہے جو آئندہ کی فتوحات کیلئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے خیبر کی فتح اور اس کی غنیمت مراد لی ہے۔ لیکن الفاظ پر غور کرنے سے زیادہ قرینِ قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے جسے قرآنِ کریم نے فتح مبین قرار دیا ہے۔ کیونکہ فتح خیبر کا ذکر گزشتہ آیت میں ہو چکا ہے اور اسے فتح قریب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور وہ فتح قریب ان معنوں میں ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر صرف تین ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ فتح عطا فرمائی۔ لیکن یہاں جملہ فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ تعجیل قریب سے پہلے کی چیز ہے۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد جو فتح عطا فرمائی گئی اسے فتح قریب کہنا یقیناً ہر طرح درست ہے۔ لیکن وہ فتح جو فوری طور پر عطا کر دی گئی وہ فتح قریب نہیں بلکہ وہ فتح ہے جو سورۃ کے نازل ہونے سے پہلے عطا فرمائی گئی، اور وہ یہی صلح حدیبیہ ہے۔ اور اس کو فتح مبین اس لئے قرار دیا گیا کہ اس صلح میں جو معاہدہ طے پایا اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے راستے کے تمام موانع ختم ہو گئے۔ تبلیغ و دعوت کے راستے بھی کھل گئے، نئے نئے تعلقات کی استواری کے مواقع بھی پیدا ہو گئے۔ اور اگر کسی مخالف قوت پر حملہ کیا گیا تو ان کیلئے اس بات کا کوئی امکان نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کے مخالفین سے مدد لے سکیں۔ چنانچہ یہی وہ اسباب ہیں جن اس معاہدے میں حاصل ہو جانا ایک ایسی فتح مبین تھی جو بعد کی فتوحات کیلئے مقدمہ ثابت ہوئی۔

Marfat.com

اس فتحِ مبین کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس پر مزید اللہ تعالیٰ کا کرم یہ ہوا کہ اس نے تم سے لوگوں کے ہاتھوں کو روک دیا۔ یہاں الناس سے مراد قریش ہیں۔ یہ لوگ ہر چند کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو کسی طرح اشتعال میں لا کر جنگ کی صورتحال پیدا کر دیں۔ کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ مسلمان غیر مسلح ہیں ان کے پاس افرادی قوت کی بے حد کمی ہے اور وہ اپنے مرکز سے اڑھائی سو میل کے فاصلے پر ہیں۔ وہ کوشش بھی کریں تو ان کے مرکز سے انہیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ لیکن قریش ہر لحاظ سے ان سے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ اگر لڑائی چھڑ جائے تو قریش کی فتح کے امکانات واضح ہیں۔ اور اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے مشن کو شدید نقصان پہنچے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ قریش خواہش رکھنے کے باوجود بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکے۔

سراسر مخالفانہ ماحول اور جنگی نقطۂ نگاہ سے تمام کمزوریوں کے باوجود قریش کا کوئی اقدام نہ کر سکنا اور مسلمانوں کا ہر طرح محفوظ رہنا بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا محض اس وجہ سے ہوا تاکہ یہ سب کچھ اصحابِ ایمان کیلئے اس حقیقت کی نشانی بن جائے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ثابت قدم رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر حق اور راستی کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نامساعد حالات میں بھی اس کیلئے حالات کو حسبِ حال کر دیتا ہے۔ کمزوری کے باوجود دشمن کے دل میں اس کا رعب ڈال دیتا ہے اور قدم قدم پر اس طرح اسے اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے آپ کو کمزور اور بے بس نہیں دیکھتا۔ چنانچہ آنے والے حالات میں حدیبیہ میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا یہ واقعہ مسلمانوں کیلئے ہمیشہ ایک نشانی، ایک رہنمائی اور مشعلِ راہ بنا رہا اور جب بھی کبھی کوئی تشویشناک صورتحال پیدا ہوئی تو بجائے اپنی بے بسی کو دیکھنے کے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ میں اور اضافہ ہو گیا۔

مسلمانوں کو غیر معمولی تائید و نصرت سے نوازنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے۔ اور صراطِ مستقیم کی ہدایت سے مراد یہ ہے کہ ان کے اندر یہ عزم توانا کر دے اور ان کی بصیرت پر یہ نکتہ کھول دے کہ تمہاری اصل منزل اللہ تعالیٰ کے گھر کو دشمنوں سے واگزار کرا کے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دین کا مرکز بنانا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مرکز بنایا تھا۔ کفر کی قہرمانی طاقتوں نے ایک عرصے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے اس مرکز کا راستہ بند کر رکھا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ از سرِ نو اسے کھولا جائے۔ اور یہ مرکز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ماننے والوں کیلئے نئی توانائی کا باعث بنے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اُخریٰ کے لفظ سے ایک اور فتح کی خبر سنائی گئی ہے جس سے مراد فتحِ مکہ ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کا گھر حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا مرکز بن سکے گا۔ اور جب تک مکہ فتح نہیں ہوتا اور قریش کی طاقت شکست و ریخت کا شکار نہیں ہوتی اس وقت تک جزیرۂ عرب میں بت پرستی اور شرک کے تمام امکانات کو غذا ملتی رہے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس بند راستے کو کھولنے کا فیصلہ کر لیا ہے اس لئے وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ فتح کرائے گا۔ بلاشبہ آج مسلمانوں میں اس کی فتح کیلئے حالات سازگار نہیں۔ اور نہ وہ ابھی اس قدر مضبوط ہوئے ہیں کہ طاقت کے زور سے مکے پر غلبہ پا لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا راستہ کون روک سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اگرچہ مکہ کی فتح پر قادر نہیں ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو گھیر رکھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا مضبوط ہاتھ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا ہے اس میں گویا بشارت ہے اس بات کی کہ بہت جلدی اللہ تعالیٰ کی قدرت اس گھر کی فتح کے اسباب پیدا کر دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی مشکل نہیں، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

Marfat.com

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

(اگر جنگ کرتے تم سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے، پھر نہ کوئی کارساز پاتے اور نہ کوئی مددگار۔ ۲۲)
یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ ۲۳)

قریش اور مسلمانوں کے تصادم کی صورت میں قریش کی شکست یقینی تھی

اس آیتِ کریمہ میں قریش کو تنبیہ ہے اور مؤرخ کو خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قریش کے ہاتھوں کو مسلمانوں کی طرف بڑھنے سے روکے رکھا، یعنی ان کے درمیان جنگ نہیں ہونے دی۔ تو اس کا سبب مسلمانوں کی کمزوری نہ تھی اور نہ یہ احتیاط تھی کہ مسلمانوں کو ایسے بے جوڑ مقابلے کی آزمائش میں نہ ڈالا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا علم جو کبھی خطا نہیں کرتا اس میں پہلے سے یہ بات طے تھی کہ اگر قریش نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سرکشی کی یہ انتہا ہوگی۔ اب تک تو انہیں عذاب سے اس بات نے بچائے رکھا کہ مکے میں ایمان لانے کا سلسلہ رکا نہیں۔ لوگ خفیہ طریقے سے ایمان لاتے رہے اور جن کے ایمان کا راز فاش ہو گیا وہ زنجیروں میں بندھے تشدد برداشت کرتے ہوئے غلبۂ دین کی امید میں جیتے رہے۔ لیکن اب اگر انہوں نے مسلمانوں کے استیصال کی نیت سے ان پر حملہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے گھر سے انہیں طاقت سے دور رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اب پروردگار ان کی اس جسارت کو معاف نہیں کریں گے۔ وہ شکست کھا کر بھاگیں گے لیکن یہ فرار ان کیلئے معاون ثابت نہیں ہوگا۔ ان کا قتلِ عام ہوگا اور وہ بری طرح رگیدے جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو جائے۔ کیونکہ تکذیبِ رسل کرنے والی امتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یہ قانون رہا کہ وہ انہیں سنبھلنے کا موقع دیتا ہے، غور و فکر کرنے کی مہلت دیتا ہے، لیکن جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کی سنت حرکت میں آتی ہے۔ اور وہ تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں کبھی آج تک تبدیلی نہیں آئی۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

(اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے، بعد اس کے کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ جو کچھ تم کر رہے تھے اسے دیکھ رہا تھا۔ ۲۴)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی مشیت فیصلہ کن ہے

اللہ تعالیٰ نے جو کفار اور مسلمانوں میں جنگ کی نوبت نہیں آنے دی تو ایک وجہ تو اس کی وہ تھی جو اوپر کی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ کفار کو تو صرف ان ظاہری اسباب کی خبر ہے جن کے بل بوتے پر جنگیں جیتی جاتی ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک قانون بھی ہے۔ اس قانون کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی توڑ نہیں سکتی۔ لیکن ایک اور وجہ بھی تھی جس کی وجہ سے ان میں تصادم کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی سنت جنگ کی صورت میں کفار کی تباہی کا فیصلہ کر چکی تھی، اسی طرح اس نے اسباب میں تفاوت کے باوجود مسلمانوں کے اخلاقی غلبے کے امکانات بھی پیدا کر دیئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ قریش حوصلہ چھوڑ چکے تھے اور مسلمانوں کے سینے حوصلوں سے معمور ہو چکے تھے۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ جیسے ہی مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر کو قریش نے قتل کر دیا ہے تو وہ پہلے ہی عمرے سے روکنے کی وجہ سے قریش کیخلاف غصے سے کھول رہے تھے، لیکن یہ جب ان کو تازہ اطلاع ملی تو ان کے اشتعال کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور جب آنحضرت ﷺ نے ان سے موت پر بیعت لی تو پھر تو کچھ نہ پوچھئے کہ ایک ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر طوفان بن کر اٹھا۔ چنانچہ جب اس صورتحال کی قریش کو اطلاع ہوئی تو ان کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے، حوصلے شکست ہونے لگے۔ تو انہوں نے فوراً وفد بھیج کر صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ اس طرح سے مسلمانوں کی کامیابی کے امکانات واضح تھے اور قریش عملاً مغلوب ہو چکے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے وہ برابر ان حالات کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے واضح غلبے کے باوجود اس کی مشیت کا یہ تقاضا تھا کہ ان میں تصادم نہ ہونے پائے۔ اس کی حقیقی وجہ کیا تھی اس کا ذکر اگلی آیت کریمہ میں آ رہا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

(وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا، اور تم کو مسجدِ حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی روک کے رکھا کہ وہ اپنی جگہ پر نہ پہنچنے پائیں، اور اگر ایسے مومن مرد اور مومنہ عورتیں نہ ہوتے جن کو تم نہیں جانتے تھے، اندیشہ تھا کہ تم انہیں پامال کر دو گے، پس ان کے باعث تم پر لاعلمی میں الزام آتا (تو جنگ نہ روکی جاتی، روکی اس لئے گئی) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اور اگر وہ لوگ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم ان لوگوں کو ان میں سے دردناک عذاب دیتے جنھوں نے کفر کیا۔ ۲۵)

Marfat.com

قریش کی گستاخیاں، اور تصادم نہ ہونے کا حقیقی سبب

وہ سبب بیان کرنے سے پہلے جس کی وجہ سے کفار اور مسلمانوں میں جنگ کی اجازت نہیں دی گئی قریش کے کرتوتوں اور ان کی زیادتیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے تاکہ قریش بھی اس آئینہ میں اپنی شکل دیکھیں اور مسلمان بھی اس کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی حکمت کی قدر کریں۔ ان کے کرتوت یہ تھے کہ باوجود اس کے کہ براہِ راست ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول مبعوث کیے گئے جن کا تعلق انہیں کی قوم اور انہیں کے وطن سے تھا۔ جس رسول کی زندگی سے وہ بہمہ وجوہ آگاہ تھے، اللہ تعالیٰ کی کتاب انہیں کی زبان میں نازل کی گئی اللہ تعالیٰ کے رسول انہیں کی زبان میں تبلیغ ودعوت کا فرض انجام دیتے تھے۔ ہدایت کے اس قدر واضح امکانات کے باوجود قریش نے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم رسول کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر ممکن طریقے سے دوسروں کو بھی ایمان لانے سے رکا۔ اور سرکشی یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے انہیں یعنی مسلمانوں کو مسجدِ حرام کے طواف سے روک دیا۔ اور کسی کو اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ مکے میں داخل ہو سکے۔ اب جبکہ نبی کریم ﷺ عمرے کے ارادے سے اللہ تعالیٰ کے گھر کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے ہدی کے جانور ساتھ لے کر تلبیہ پڑھتے ہوئے تشریف لائے تو انہوں نے نہ صرف انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکا بلکہ ہدی کے جانوروں کو بھی ان کے قربان ہونے کی جگہ تک پہنچنے کی اجازت نہ دی۔ ان کی ان تمام گستاخیوں اور تعدیوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں یا عذاب سے تباہ کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی ان میں جنگ کے امکانات کالعدم کر دیئے۔ اور ایسے حالات پیدا کیے کہ دونوں کو جنگ کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کتنے مرد وعورت مکے میں ایسے تھے جو در پردہ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور موافق حالات کے انتظار میں شب وروز اللہ تعالیٰ سے التجائیں کر رہے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے ایمان افشا ہو چکا تھے اور وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے شب وروز عذاب جھیل رہے تھے۔ اب اگر مسلمان قریش کی زیادتی سے تنگ آ کر قریش پر حملہ کر دیتے اور طاقت سے مکے میں داخل ہو جاتے اور قریش کو رگیدتے ہوئے ہر اس جگہ پہنچتے جہاں ان کی قوت کے مراکز تھے۔ تو نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ وہ مظلوم اہلِ ایمان بھی نادانستہ ان کی زد میں آ جاتے، کیونکہ مسلمان ان لوگوں سے واقف نہ تھے۔ اس وہ یہ سمجھ کر تلوار اٹھاتے کہ کفار کے گھر میں یقیناً یہ بھی کافر ہیں۔ لیکن جب بعد میں معلوم ہوتا کہ وہ تو مسلمان تھے۔ تو ایک تو مسلمانوں کو ان کے قتل ہونے پر انتہائی رنج ہوتا اور دوسرا لوگ مسلمانوں پر یہ الزام دھرتے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ جو اپنے ہی بھائیوں کا خون بہاتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کے بندے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے پیروکار ایسے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بے بس مسلمانوں پر رحم کھایا اور صحابہ کو رنج اور بدنامی سے بچانے کی خاطر اس موقع پر جنگ کو ٹال دیا۔

اور دوسری وجہ اس جنگ کو ٹالنے کی یہ تھی کہ مکے میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی قابلِ ذکر تھی جو اگرچہ ایمان کا اظہار نہ کر سکے تھے لیکن ایمان کے بہت قریب پہنچ چکے تھے اور اس بات کا غالب امکان تھا کہ جب بھی انہیں موقع ملے گا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو جنگ نہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں شامل ہونے کا موقع مل گیا۔ بعض اہلِ علم نے اس کا یہ مفہوم لیا ہے کہ مسلمان تو اس بات کو نہیں جانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی یہ بات کہ آج جو قریش مسلمانوں سے انتہائی عداوت رکھتے ہیں مستقبل میں یہی اسلام کے علمبردار بنیں گے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک خونریز جنگ سے مکہ کو فتح نہ کیا جائے تاکہ ان قریش کی جانیں بچ

Marfat.com

رہیں۔لیکن دوسال میں اللہ تعالیٰ محض اپنی قدرت سے ایسے حالات پیدا کردے کہ ادھر مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور وہ دس ہزار قدوسیوں کی معیت میں مکے پر حملہ آور ہوں۔اور ادھر ان کی طاقت کو اس قدر مفلوج کر دیا جائے کہ جب مسلمان مکے پر حملہ کریں تو یہ مدافعت نہ کرسکیں۔اور آنحضرت ﷺ کے عفو و درگزر کے نتیجے میں جب انہیں عام معافی ملے تو وہ تمام کے تمام اسلام کی آغوش میں داخل ہو جائیں۔یہ تھے وہ اسباب اور یہ تھیں وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے قریش سے جنگ کرنے سے روک دیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی فتح اور کامیابی کے آثار واضح تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا فیصلہ دوسرا تھا۔

اس آیتِ کریمہ کی وجہ سے فقہاء میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے جس میں مسلمانوں کا ہدف مسلمانوں ہی کے بن جانے کا امکان ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کیلئے حملہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔اس سلسلے میں صاحبِ تفہیم القرآن نے اختصار سے جو کچھ لکھا ہے ہم اسے نقل کیے دیتے ہیں۔

اس مقام پر یہ فقہی بحث پیدا ہوتی ہے کہ اگر ہماری اور کافروں کی جنگ ہو رہی ہو اور کافروں کے قبضے میں کچھ مسلمان مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے ہوں جنہیں وہ ڈھال بنا کر سامنے لے آئیں، یا کافروں کے جس شہر پر ہم چڑھائی کر رہے ہوں وہاں کچھ مسلمان آبادی بھی موجود ہو، یا کافروں کا کوئی جنگی جہاز ہماری زد میں ہو اور اس کے اندر کافروں نے کچھ مسلمانوں کو بھی رکھ چھوڑا ہو تو کیا ایسی صورت میں ہم ان پر گولہ باری کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں مختلف فقہا نے جو فیصلے دیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

امام مالک کہتے ہیں کہ اس حالت میں گولہ باری نہیں کرنی چاہیے اور اس کیلئے وہ اسی آیت کو دلیل قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچانے کیلئے ہی تو حدیبیہ میں جنگ کو روک دیا (احکام القرآن لابن العربی)۔ لیکن فی الواقع یہ ایک کمزور دلیل ہے۔آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ بات نکلتی ہو کہ ایسی حالت میں حملہ کرنا حرام و ناجائز ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اس حالت میں مسلمانوں کو بچانے کیلئے حملہ سے اجتناب کیا جاسکتا ہے جبکہ اجتناب سے یہ خطرہ نہ ہو کہ کفار کو مسلمان پر غلبہ حاصل ہو جائے گا یا ان پر ہمارے فتح یاب ہونے کے مواقع باقی نہ رہیں گے۔

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد کہتے ہیں کہ ان حالات میں گولہ باری کرنا بالکل جائز ہے حتیٰ کہ اگر کفار مسلمانوں کے بچوں کو ڈھال بنا کر سامنے لا کھڑا کریں تب بھی ان پر گولی چلانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جو مسلمان اس حالت میں مارے جائیں ان کے خون کا کوئی کفارہ اور کوئی دیت مسلمانوں پر واجب نہیں ہے۔ (احکام القرآن للجصاص کتاب السیر للامام محمد، باب قطع الماء عن اہل الحرب)۔

امام سفیان ثوری بھی اس حالت میں گولہ باری کو جائز رکھتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ جو مسلمان اس حالت میں مارے جائیں ان کی دیت تو نہیں البتہ کفارہ مسلمانوں پر واجب ہے۔(احکام القرآن للجصاص)

امام اوزاعی اور لیث بن سعد کہتے ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں کو ڈھال بنا کر سامنے لے آئیں تو ان پر گولی نہیں چلانی چاہیے۔

Marfat.com

اسی طرح اگر ہمیں معلوم ہو کہ ان کے جنگی جہاز میں خود ہمارے قیدی بھی موجود ہیں تو اس حالت میں اس کو غرق نہ کرنا چاہئے لیکن اگر ہم ان کے کسی شہر پر حملہ کریں اور ہمیں معلوم ہو کہ اس شہر میں مسلمان بھی موجود ہیں تو اس پر گولہ باری کرنا جائز ہے کیونکہ یہ امر یقینی نہیں ہے کہ ہمارا گولہ مسلمانوں ہی پر جا کر گرے گا اور اگر کوئی مسلمان اس گولہ باری کا شکار ہو جائے تو یہ ہماری طرف سے بالقصد مسلمان کا قتل نہ ہوگا بلکہ نادانستگی میں ایک حادثہ ہوگا۔ (احکام القرآن للجصاص)

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس حالت میں گولہ باری کرنا ناگزیر نہ ہو تو مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ اس صورت میں گولہ باری کرنا حرام نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے لیکن اگر فی الواقع اس کی ضرورت ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفار کیلئے جنگی حیثیت سے مفید اور مسلمانوں کیلئے نقصان دہ ہوگا تو پھر گولہ باری کرنا جائز ہے مگر اس حالت میں بھی مسلمانوں کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے۔ مزید براں امام شافعی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر معرکہ قتال میں کفار کسی مسلمان کو ڈھال بنا کر آگے کریں اور کوئی مسلمان اسے قتل کر دے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قاتل کو معلوم تھا کہ یہ مسلمان ہے اور دوسری صورت یہ کہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہے۔ پہلی صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں اور دوسری صورت میں صرف کفارہ واجب ہے۔ (مغنی المحتاج) (تفہیم القرآن)

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

(اس وقت کا خیال کرو جب کفر کرنے والوں نے اپنے دلوں میں حمیت بٹھالی، جاہلیت کی حمیت، تو اللہ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی، اور ان کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا، اور وہی اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۲۶)

مسلمانوں کی اخلاقی برتری اللہ تعالیٰ کا انعام تھی

حدیبیہ کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو خصوصی احسانات فرمائے، ان میں سے ایک احسان یہ تھا کہ کافروں نے اپنے دل میں جو جاہلانہ حمیت بٹھالی تھی مسلمان اس کے مقابلے میں نہایت باوقار طریقے سے راہِ راست پر قائم رہے۔ حمیت سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص محض اپنی ناک کی خاطر اور اپنی بات کی پچ میں جان بوجھ کر ایک ناروا کام پر اڑ جائے۔ کفارِ مکہ خوب جانتے تھے کہ بیت اللہ سے عمرہ کی غرض سے آنے والے کو روکا نہیں جا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے یہاں حج اور عمرہ اور طواف کی ہر ایک کی آزادی ہے۔ قریش اس کے خدام ہیں، اس کے مالک نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی سے روکا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھ آنے والے مسلمان کسی اور غرض سے نہیں صرف عمرے کیلئے آئے ہیں۔ احرام کی حالت میں ہیں، قربانی کے جانوران کے ساتھ ہیں، تلبیہ ان

Marfat.com

کی زبانوں پر ہے، تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس غرض سے آنے والوں کو روکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب احابیش کے سردار کو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سمجھانے کیلئے بھیجا تو وہ بجائے آنحضرت ﷺ سے ملنے کے یہ دیکھ کر واپس چلا گیا کہ یہ لوگ تو کعبہ کی عظمت مان کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور اللہ تعالیٰ کے گھر میں طواف کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ اور جا کر اس نے قریش سے کہا کہ ہم نے آپ لوگوں سے حلیفانہ تعلقات اس لئے قائم نہیں کئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو توڑیں اور ہم آپ کا ساتھ دیں۔ لیکن قریش نے مسلمانوں کے مکہ معظمہ میں داخلے کو اپنی ناک کا مسئلہ بنالیا۔ اور اپنے دلوں میں ایک حمیت بٹھالی کہ کچھ بھی ہو جائے ہم انہیں مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے، ورنہ سارے عرب میں نہ صرف ہماری دھاک ختم ہو جائے گی بلکہ ہماری بھداڑ جائے گی۔

اسی طرح انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سفیروں کے ساتھ بدسلوکی کی، ان کی سفارتی حیثیت کا کوئی احترام نہیں کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو تین دن تک روکے رکھا اور یہ بات مشہور کر دی کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔

حدیبیہ کے معاہدے میں بھی قدم قدم پر الجھنیں اور اڑچنیں پیدا کیں۔ صرف اس غرض کیلئے کہ ہمارا نام اونچا رہنا چاہئے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ قریش کی ان تمام جاہلانہ حرکتوں کے جواب میں مسلمان اشتعال میں آکر ان کو سبق سکھانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی۔ یعنی ان کو وہ صبر اور وقار عطا کیا اور ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ باندھ دیا جس وجہ سے وہ اس جاہلانہ حمیت کے مقابلے میں ایسی ہر حرکت سے محفوظ رہے جو راستی سے ہٹانے والی تھی۔ اور مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمۂ تقویٰ کا پابند رکھا۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی ہر طرح کے اشتعال اور محرکات کے باوجود کبھی بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے قدم باہر نکالنے کی جرأت نہ کرے۔ جس طرح ایک مہذب آدمی انتہائی زیادتیوں کے جواب میں بھی اپنی تہذیب سے دست کش نہیں ہوتا، اسی طرح ایک متقی کسی حالت میں بھی اپنے دل میں شیطانی خواہشات پیدا نہیں ہونے دیتا اور وہ ہر حال میں کوشش کرتا ہے کہ میرے دل کا میلان اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے ہٹنے نہ پائے۔ اور جب کبھی ان پر حالات کا دباؤ بڑھتا ہے اور کوئی بات ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہونے لگتی ہے تو وہ ہمیشہ کلمۂ تقویٰ کا سہارا لیتے ہیں۔ یعنی وہ یہ پکار اٹھتے ہیں رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا ''ہم نے اللہ کو رب کے طور پر پسند کیا ہے اور محمد (ﷺ) کو رسول کے طور پر، اور اسلام کو دین کے طور پر۔'' ہم اس سے ہٹ کر کسی اور بات کو نہیں جانتے۔

چوں غلامِ آفتابم ہمہ زآفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

اس کلمۂ تقویٰ کا مسلمانوں کو اس لئے پابند رکھا کہ وہ سب سے زیادہ اس کے حقدار تھے اور سب سے زیادہ اس کے اہل تھے۔ یعنی اس وقت دنیا میں ان کے سوا کسی اور کو خدائی فوجدار نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اسی کیلئے مرنا اور جینا جانتے تھے۔ اور ان کی زندگی کا ہر عمل قدم قدم پر اس کی گواہی دیتا تھا۔ یہ گواہی اس ذات بالا بلند کی ہے جو انسان کی خلوتوں کو بھی جانتا ہے اور نیتوں سے بھی آگاہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کیلئے یہ سرٹیفکیٹ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کوئی دوسرا اس میں ان کا ہمسر نہیں۔

Marfat.com

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ
رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ
تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ
فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهُ فَاٰزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى
عَلٰى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾

رکوع: ۴۔　(یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کومبنی برحقیقت خواب دکھایا تھا، تو تم مسجدِ حرام میں اللہ نے چاہا تو ضرور داخل ہوگے، پورے امن کے ساتھ، اپنے سر منڈواتے ہوئے اور کتراتے ہوئے، تمہیں کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، وہ اُس بات کو جانتا تھا جس کو تم نہ جانتے تھے، تو اس نے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرمادی۔ ۲۷) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے سارے دینوں پر غالب کرے، اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ ۲۸) محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم انہیں دیکھو گے رکوع اور سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے

Marfat.com

ہوئے ،ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار ہیں، یہ ہے ان کی تمثیل تورات میں، اور انجیل میں، ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے کھیتی اس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر وہ سخت ہوئی پھر وہ اپنے تنا پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کفار اس کے پھلنے پھولنے پر جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، مغفرت اور ایک اجرِ عظیم کا۔ ۲۹)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

(یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو مبنی بر حقیقت خواب دکھایا تھا، تو تم مسجدِ حرام میں اللہ نے چاہا تو ضرور داخل ہو گے، پورے امن کے ساتھ، اپنے سر منڈواتے ہوئے اور کترا تے ہوئے، تمہیں کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، وہ اُس بات کو جانتا تھا جس کو تم نہ جانتے تھے، تو اس نے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرمادی۔ ۲۷)

ایک سوال کا جواب اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں ایک سوال کا جواب بھی ہے اور ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی۔ جو بار بار مسلمانوں کے دلوں میں بھی اٹھتا تھا اور منافقین اسے غلط معنی بھی پہناتے تھے۔ وہ سوال یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کیلئے گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کر رہا ہوں۔ لیکن ہم نہ عمرہ کر سکے اور نہ طواف کیلئے ہمیں کسی نے کعبۃ اللہ کے پاس جانے دیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کا خواب باطل ثابت ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا خواب وحی کی ایک قسم ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتی۔ تو پھر آخر ایسا کیوں ہوا۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے بھی ایک سے زیادہ موقع پر یہ فرمایا تھا کہ میں نے یہ خواب ضرور دیکھا تھا لیکن اس میں یہ تو نہیں بتایا گیا تھا کہ میں عمرہ اس سال کروں گا یا اگلے سال۔ اس لئے یہ عمرہ اگلے سال کیلئے ٹل گیا ہے، تو اس میں غلطی کی کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ خیال کسی نہ کسی حد تک دلوں میں پھر بھی موجود رہا ہے۔ تو اس لئے پروردگار نے خود اس کی صراحت کرنا ضروری سمجھا کہ آنحضرت ﷺ نے جو خواب دیکھا تھا وہ بالکل مبنی بر حقیقت تھا۔ وہ سراسر حق تھا، اس میں غلطی کی کوئی بات نہ تھی۔ اب بھی تم ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے سال بے خوف و خطر مکہ معظمہ میں جاؤ گے، وہ لوگ تمہارے لئے مکے کو خالی کر دیں گے اور تم اطمینان سے عمرہ کرو گے۔ تم میں سے جس کا جی چاہے گا وہ حلق کروائے گا یعنی سر کے بال بالکل صاف کروا دے گا اور جس کا جی چاہے گا بال ترشوائے گا یعنی چھوٹے کرائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ اور حج کرنے والوں کیلئے دونوں باتوں کی اجازت ہے۔ چاہیں تو سر منڈوا دیں، چاہیں تو بال ترشوا دیں۔ البتہ پہلی بات کی فضیلت زیادہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی بال منڈوانے کو بال ترشوانے سے تین گنا زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

Marfat.com

جس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قریش تو اپنے قول اور عمل دونوں طریقوں سے اس بات کا اعلان کرتے تھے کہ مکہ معظمہ میں وہی داخل ہوسکتا ہے جس کو ہم اجازت دیں گے۔ چنانچہ عملاً بھی یہی ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تو انہیں واپس آنا پڑا اور اگلے سال کیلئے انہوں نے اجازت دی ہے تو مسلمان عمرۃ القضاء کیلئے جائیں گے۔ اس آیتِ کریمہ میں پروردگار نے اس بات کا ازالہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کوئی کام کسی دوسرے کی مرضی سے نہیں ہوتا، صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اس دفعہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا عمرے کیلئے سفر کرنا بعض دوسرے مصالح کیلئے تھا، سو وہ پورے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت پہلے سے ہی یہ تھی کہ عمرہ سات ہجری میں ہوگا اور اس کیلئے جس بے خوف فضا کی ضرورت تھی وہ معاہدۂ حدیبیہ کے ذریعے پیدا کردی گئی، اب اگلے سال مسلمان بے خوف و خطر خشوع اور خضوع کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ وہ مصالح کیا تھے؟ یوں تو یہ تفصیلی بحث ہے لیکن مختصر یہ کہ ان ہی میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سفر کے نتیجے میں قریش کو ایک معاہدہ کرنے پر مجبور کیا جس کی ایک اہم شق یہ تھی کہ جانبین ہر قبیلے کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے میں آزاد ہوں گے۔ اور یہ بات بھی کہ حالات کچھ بھی ہوں جانبین ایک دوسرے خلاف جنگی کارروائی نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو قبائل میں جانے کا موقع ملا، ان سے تعلقات بھی بڑھے اور تبلیغ و دعوت کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ اور فوری فائدہ یہ ہوا جس کو یہاں فتح قریب فرمایا گیا ہے کہ اسی معاہدے کے نتیجے میں خیبر فتح ہوگیا۔ کیونکہ حدیبیہ سے واپسی پر صرف تین ماہ بعد آنحضرت ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا اور آپ نے اس کو فتح کرلیا۔ اور قریش جو ان کے ہر طرح کے حالات میں معاون اور مددگار ہوتے تھے وہ معاہدۂ حدیبیہ کی وجہ سے دیکھتے رہ گئے اور کسی طرح کی مدد کیلئے نہ پہنچ سکے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿٢٨﴾

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے سارے دینوں پر غالب کرے، اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ ۲۸)

کافروں کو تنبیہ اور مسلمانوں کو بشارت

اس آیتِ کریمہ میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ سب سے پہلے کافروں کو تنبیہ ہے اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے۔ پس منظر اس کا یہ ہے کہ جب معاہدۂ صلح لکھا جارہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ لکھوایا تو قریش کے وکیل نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا کس بات کا تھا۔ اس لئے ایک فریق کے طور پر صرف آپ کا نام آئے گا، آپ کے منصب کا ذکر نہیں آئے گا۔ ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کی حیثیت کو قبول کرلیا ہے۔ اس نے اصرار کیا کہ جب تک رسول اللہ کے لفظ کو مٹایا نہیں جائے گا، میں آگے نہیں بڑھوں گا۔ کاتب نے اپنے ہاتھ سے اسے مٹانا خلاف ادب سمجھا تو آنحضرت ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس سے مسلمانوں کو قلبی اذیت پہنچی اور قریش خوش ہوئے۔ پروردگار پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ارشاد فرما رہا ہے کہ قریش چاہے آپ کو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کا رسول تسلیم کریں یا نہ کریں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہے۔ اور چند سالوں بعد قریش بھی اس گواہی کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

دوسری جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہ فتح مکہ کی بشارت ہے۔ کیونکہ آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے۔ اور عرب میں اس کے غلبہ کا انحصار چونکہ فتح مکہ پر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب فتح مکہ کے حالات پیدا فرمائے گا اور مسلمان فتح کے پھریرے لہراتے ہوئے مکے میں داخل ہوں گے اور اس کے بعد وہ وقت آجائے گا جب تمام وہ ادیان جو عرب میں موجود ہیں وہ اسلام کے آگے سرنگوں ہو جائیں گے۔

اور تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ نہ تھی بلکہ اس کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ آپ جو دین لے کے آئے ہیں اسے تمام دینوں پر غالب کردیا جائے۔ یعنی تمام زندگی کے نظام اس کے سامنے مغلوب ہو جائیں۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں غلبہ ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے دین کا ہو جسے حضورؐ لے کے آئے ہیں۔ باقی دین یا تو مٹ جائیں اور یا وہ محکوم اور تابع ہو کر زندہ رہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا دین مسجدوں تک محدود ہو کر رہ جائے اور باقی زندگی کے تمام دوائر میں غیر اللہ کی حکمرانی ہو۔ قانون ان کا چلے، تہذیب ان کی پھلے پھولے، نظامِ تعلیم تعلیمی اداروں میں ان کا پڑھایا جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین حکمرانی کیلئے نہیں بلکہ صرف نصیحت کیلئے باقی رکھا جائے۔ یہ وہ صورتحال ہے جس میں آج امتِ مسلمہ جی رہی ہے جبکہ آنحضرت ﷺ اس سے بالکل برعکس اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کیلئے تشریف لائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جزیرۂ عرب کی حد تک اللہ تعالیٰ نے اس دین کو غلبہ عطا فرمایا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ میں جہاں جہاں اہلِ کتاب موجود تھے ان کو دوسرے علاقوں میں جانے کا حکم دے دیا گیا۔ اور جن دوسرے ممالک میں اسلام کی فتوحات پہنچیں وہاں ان کے ادیان کو زندہ رکھا گیا لیکن اسلام کے تابع رہ کر۔ حکمرانی کا حق صرف اسلام کو دیا گیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

(محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم انہیں دیکھو گے رکوع اور سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے، ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار ہیں، یہ ہے ان کی تمثیل تورات میں، اور انجیل میں، ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے کھیتی اس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر وہ سخت ہوئی پھر وہ اپنے تنا پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار اس کے پھلنے پھولنے پر جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور ایک اجرِ عظیم کا۔ ۲۹)

Marfat.com

معاہدۂ حدیبیہ اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی مؤثر حیثیت کا حامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے حوالے سے ایسے فیصلے کیے گئے ہیں جن سے اسلام کی نشوونما اور غلبۂ دین کے امکانات میں حیرت انگیز حد تک اضافہ کر دیا ہے اور جس کام کیلئے گزشتہ انیس سال میں کشمکش برپا رہی اور اس کی بنیادیں استوار ہوتی رہیں اس نے نہایت تیزی سے برگ و بار پیدا کیے اور صرف چار سال میں عرب بھر میں وہ انقلاب ایسی کامیابی سے برپا ہوا کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی غیر معمولی حیثیتِ عرفی کو اس حوالے سے لوگوں کے سامنے واضح کیا گیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حیرت انگیز کامیابیاں جو اتنے تھوڑے عرصے میں محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل کیں اس کی بنیاد درحقیقت کیا تھی۔ اور مسلمانوں نے حق و باطل کی اس کشمکش اور اس سلسلے میں مختلف امتحانات سے گزرتے ہوئے اپنے اندر جو ایمان و عمل اور مکارمِ اخلاق کی جو خصوصیات پیدا کیں ان کی صحیح تصویر کیا تھی۔ اور پھر اس کی تائید میں سابقہ کتبِ آسمانی سے چند پیشگوئیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جس میں اہلِ کتاب کو پہلے سے حقائق سے آشنا کیا گیا تھا تاکہ وہ اسلام کے حقائق کی گواہی دیں۔ لیکن انہیں بدقسمتی نے آ پکڑا۔ وہ اس کے گواہ تو کیا بنتے اس کی دشمنی پر تل گئے۔ اور مسلمانوں کو کامیابی کا مژدہ سنانے کے ساتھ ساتھ اشارۃً یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہارے ہاتھوں اسلامی انقلاب کی کامیابی تو یقینی ہے لیکن اس انقلاب کی نشوونما اور اس کی کامیابی کے اسباب بتدریج پیدا ہوں گے۔

محمد رسول اللہ کی مختلف ترکیبیں کی گئی ہیں لیکن زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ مبتداء اور خبر ہیں اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ محمد ﷺ نے دنیا میں جس انقلاب کو برپا کیا ہے اس میں آپ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے رسول کی ہے۔ آپ نہ اس انقلاب کے بانی ہیں اور نہ اس کا تانا بانا آپ کے دماغ نے بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید سے آپ نے اسے نشوونما دینے میں بے حد محنت کی ہے اور ہر مشکل مرحلے میں انتہائی استقامت کا ثبوت دیا ہے۔ اور آپ کی تمام تر دعوتی زندگی میں کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس پر کوئی شخص انگلی رکھ کر کہہ سکے کہ یہاں آپ سے خطا ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو معصوم پیدا کیا جاتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلے میں اس کی عصمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرح ساتھ رہتی ہے۔ اس کا ہر قول اور ہر عمل اور ہر تقریر اس پر ایمان لانے والوں کیلئے حجت ہے۔ کیونکہ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ نے رسول ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کی بجا آوری میں جن لوگوں کو تیار کیا جو آپ کے صحابہ کرامؓ کہلاتے ہیں اور آپ کی معیت نے جس طرح ان میں ایسے حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کیں جن کے بارے میں دنیا کے دانشوروں کا یہ کہنا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے لیکن انسان کی عادات نہیں بدلتیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ آج جن صحابہ کرامؓ کا نام ہم نہایت ادب و احترام سے لیتے ہیں اور جن کی زندگیوں پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے کیا یہ امرِ واقعہ نہیں کہ وہ اپنے دور کے انتہائی بگڑے ہوئے لوگ تھے۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔ انسانی خون، عزت، آبرو اور مال و دولت سے کھیلنا یہ ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ اور اس سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی بداخلاقی سے وہ گریز نہیں کرتے تھے۔ لیکن اب کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تربیت نے ان کو جس اخلاقی بلندی تک پہنچایا کیا اس کے اوپر کسی انسان کیلئے کوئی ایسی منزل ہے جس کی وہ تمنا کر سکے۔ چنانچہ ان کا ذکر کرتے ہوئے سب سے اہم بات جو اس آیتِ کریمہ میں فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کافروں کے بارے میں بڑے سخت اور آپس میں نہایت رحیم و کریم ہیں۔ بعض لوگوں کو ان الفاظ کو سمجھتے ہوئے ٹھوکر لگی اور انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ بڑے لڑاکے اور غصے والے لوگ تھے، ہر وقت غیظ و غضب میں ڈوبے رہتے اور جیسے ہی کوئی کافر ان کے سامنے آتا تو وہ اس کی گردن اتارنے کیلئے

Marfat.com

لپکتے اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو تب بھی خوش اخلاقی سے پیش آنا کسی کافر کے ساتھ ان کے یہاں نہایت ناپسندیدہ بات تھی۔ حالانکہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ دونوں لفظ سورۃ المائدہ میں استعمال ہونے والے دونوں الفاظ کے ہم معنی ہیں۔ وہاں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ''وہ مومنوں پر نہایت نرم خو اور کافروں پر مشکل اور بھاری ہیں۔'' اَعِـزَّةٍ عزیز کی جمع ہے۔ یہ ذلیل یا ذلول کے مقابل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا معنی ہے سخت، مشکل، بھاری، نا قابلِ شکست، نا قابلِ عبور اور عسیر الانقیاد۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر کافروں کو ان سے واسطہ پڑے تو وہ پتھر کی چٹان ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اگر انہیں اپنے اغراض و مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہیں تو کہیں سے انگلی دھنسانے کی جگہ نہ پا سکیں۔ یہاں بھی اس کا یہی مفہوم ہے کہ وہ کافروں پر سخت اور شدید ہیں یعنی وہ اگر انہیں استعمال کرنا چاہیں تو ہمیشہ ناکام رہیں گے۔ وہ اپنی فکر اور اپنی وفا اور اپنی جانثاری پر کبھی حرف نہیں آنے دیتے۔ دین کا معاملہ ہو یا مومنین کا وہ دین پر کسی سودے بازی کے قائل نہیں۔ اور کسی مومن کو اذیت دینے کا تو کیا سوال ہے وہ کسی کو اذیت پہنچاتے ہوئے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔

یہ تو ان کا اپنی فکری پختگی اور لوگوں کے ساتھ طرزِ عمل کا حال تھا۔ لیکن جہاں تک ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے جس کی اہم ترصورت عبادت ہے اس لحاظ سے جب بھی تم انہیں رات کی تنہائیوں میں دیکھو گے تو کبھی قیام اللیل میں اور کبھی تہجد کے نوافل میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کیلئے تڑپتا ہوا دیکھو گے۔ چنانچہ بندوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے میں ایثار و استقامت، اور عبادات میں انہماک کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے چہرے عبادات کے نور سے روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے غائیت درجہ تعلق نے ان کے چہروں پر ملکوتی نور روشن کر دیا ہے۔ اور بندوں سے حُسنِ سلوک کی وجہ سے وہ غائیت درجہ مطمئن اور شائستہ زندگی گزارتے ہیں۔ جو انہیں دیکھتا ہے وہ چہروں سے پہچان لیتا ہے کہ یہ چہرہ کسی مہذب، شائستہ اور سچے انسان کا چہرہ ہے۔ امام مالک کے بقول کہ جب مسلمان ملک شام میں داخل ہوئے تو عیسائی انہیں دیکھ کر پکار اٹھے کہ یہ حضرات تو بالکل ویسے ہیں جیسے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے بارے میں سنتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اَثَرِ السُّجُوْدِ میں پیشانیوں کے وہ نشانات مراد لئے ہیں جو کثرتِ سجود سے پیشانی پر پڑ جاتے ہیں جنہیں عام طور پر گٹے کہا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے وہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ ابنِ ماجہ میں بروایت جابرؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من كثر صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار ''جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے، دن میں اس کا چہرہ حَسین پُرنور نظر آتا ہے۔

تورات میں چند پیشگوئیاں

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ یہ صحابہ کی وہ مثال ہے جو تورات میں بیان ہوئی ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ یہ اشارہ ان پیشگوئیوں کی طرف ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے بارے میں تورات، زبور اور یسعیاہ نبی کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہے۔ اگرچہ اہلِ کتاب نے قطع و برید کر کے ان پیشگوئیوں کو بالکل مسخ کر دیا ہے لیکن آج بھی تورات اور انجیل میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً استثناء باب ۳۳۔۲ میں ہے

''خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے اپنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کیلئے تھی۔''

Marfat.com

اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آپ کے نمودار ہونے کا صحیح الفاظ میں حوالہ بھی ہے۔ اور اس سے مراد دس ہزار کی تعداد میں وہ صحابہ ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ تھے۔ اور اس میں جس آتشی شریعت کا ذکر ہے یہ وہی چیز ہے جو قرآنِ کریم میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّار کے الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں اس کو یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ

"اس کے ہاتھ میں یعنی پیغمبر ﷺ کے ہاتھ میں اس کا چھاج ہوگا۔ وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا، دانے کو بھس سے الگ کرے گا، پھر دانے کو محفوظ کرے گا اور بھس کو جلا دے گا۔"

انجیل کی تمثیل کی وضاحت

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ صحابہ کرام کی تمثیل جو انجیل میں بیان ہوئی ہے اس میں اس اسلامی انقلاب کی کامیابی میں تدریج کی طرف اشارہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے رسول کی کامیابیوں کے سفر کو نہایت تیز اور آسان کر دے۔ اور اگر چاہے تو پورے جزیرہ عرب میں دنوں میں اس انقلاب کو برپا کر دے۔ لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کامیابی بتدریج آگے بڑھے اور اس میں کیا کیا مصالح مضمر ہیں ان کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بائبل کے عہد نامہ جدید میں اس تمثیل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اور اس نے کہا: خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے۔ پتی، پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔ وہ رائی کے دانے کے مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا تو اگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔ (مرقس باب ۴۔ آیت ۲۶ تا ۳۲)

اور قرآنِ کریم نے اسی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے جب اپنی نبوت کی دعوت دینا شروع کی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو بلایا تو آپ بالکل یکہ و تنہا تھے۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ آئے، بچوں میں حضرت علیؓ نے ساتھ دیا، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ نے اور عورتوں میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ یہ اس کھیتی کی پہلی سوئی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس سوئی نے طاقت پکڑی، موٹی ہوئی حتیٰ کہ اس قابل ہوگئی کہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ جیسے جیسے لوگ ایمان لاتے گئے، قافلہ بنتا گیا۔ اور دعوت کو قوت ملتی گئی۔ اسی سلسلے میں آپ کو ہجرت کرنا پڑی اور مدینہ طیبہ جا کر اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑی۔ اللہ تعالیٰ کا دین جو اب تک صرف ایک مذہب کی شکل میں تھا اب اسلامی ریاست کا دین بن گیا۔ اور ملک کا قانون کہلایا۔ پھر بڑھتے بڑھتے پورا جزیرہ عرب اس کی آغوش میں آ گیا۔ جن لوگوں نے اس کھیتی کو نشوونما دینے میں شب و روز محنت کی تھی وہ اس کی باغ و بہار کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ لیکن جو ابھی تک اس کا انکار کرنے والے تھے وہ اس کے پھلنے پھولنے پر جل رہے تھے۔ اس طرح سے جزیرہ عرب کی حد تک آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ

Marfat.com

میں اس انقلاب کو بروئے کار آنے کا موقع ملا۔ اور اسلام کو ایک مضبوط بیس اور مرکز مل گیا جہاں سے اب پوری دنیا کیلئے اللہ تعالیٰ کے اس دین کو دنیا تک پہنچنے کا راستہ مل گیا۔ اور وہ جماعت تیار ہوگئی جو اپنے اخلاص اور جاں نثاری کی وجہ سے تعداد میں تھوڑی ہونے کے باوجود ایک بہت بڑی قوت تھی۔ اور جس نے چند ہی سالوں میں دنیا کا نقشہ بدل کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے دنیوی کامیابی کے ساتھ ساتھ اخروی کامیابیوں کا بھی یہ کہہ کر مژدہ سنایا کہ ایسے تمام لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر انہوں نے قربانی اور استقامت کی تاریخ رقم کی ہم نے ان کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم رکھا ہے۔ بعض بد باطن قسم کے لوگوں نے اس آیت کے آخر میں مِنْهُمْ کا لفظ دے کر صحابہ پر طعن کا راستہ نکالا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس آیت کی رو سے صحابہ میں سے بہت سے لوگ مومن اور صالح نہ تھے لیکن ایسی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کی کور باطنی اس کو سامنے کی باتیں دیکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم کر دے۔ ورنہ اس سورۃ الفتح کی کئی آیتوں میں صحابہ کے مومن اور صالح ہونے کا ذکر ہے، ان پر سکینت نازل فرمانے کا ذکر ہے، ان کے ایمان میں اضافہ کی بات کی گئی اور جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان کیا ہے۔ اور یہ وہ اعزاز ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور اس اعلان میں کوئی استثناء نہیں فرمایا گیا اور پھر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے یہ لوگ اس قابل تھے کہ انہیں تقویٰ کی دولت عطا کی گئی اور کلمۂ تقویٰ کا پابند ٹھہرایا گیا اور ان کی اہلیت کا اعلان کیا گیا۔ ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی شخص اس سورۃ کے آخر میں پہنچ کر ایک لفظ کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ آپ کے ساتھ جو صحابہ تھے وہ سارے مومن اور صالح نہ تھے۔ تو میں گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اس سے بڑی کور ذوقی اور بدباطنی کی بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ بالکل سامنے کی بات ہے کہ سیاق و سباق کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ مِنْهُمْ میں مِن تبعیض کیلئے نہیں بلکہ بیان کیلئے ہے۔ جیسے قرآنِ کریم کی ایک آیت فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ''بتوں کی گندگی سے بچو۔'' اس آیت میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مِنْ تبعیض کیلئے ہے بلکہ جس کو عربی ذوق کی ہوا بھی لگی ہے وہ لازماً اسے بیان ہی کے معنی میں لے گا۔ اور اگر مِنْ کو تبعیض کیلئے لیا جائے تو پھر اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ بتوں میں سے جو ناپاک ہیں ان سے پرہیز کرو۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کچھ بت پاک بھی ہیں ان کی بندگی کی جا سکتی ہے۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ

(۴۹)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الحُجُرٰت ہے۔یہ اس سورۃ کی آیت چار سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ تفسیری روایات سے اس کے زمانۂ نزول کا تعین مشکل ہے۔البتہ اس سورۃ کے مندرجات کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ سورۃ یہ گزشتہ سورۃ کے مابعد نازل ہوئی ہوگی۔کیونکہ اس سورۃ میں امت کی اجتماعی خصوصیات اور خصوصی صفات کو بیان فرمایا گیا ہے۔اور سابقہ آسمانی کتابوں کے حوالے سے اس امت کی نشوونما اور غیر معمولی ترقی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے خاص مورد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔اس حوالے سے یہ ضروری تھا کہ اس نوزائیدہ امت کے بعض افراد میں جو بعض کھٹکنے والی باتیں ہیں ان کی اصلاح کردی جائے۔اور مدینہ سے باہر رہنے والے بعض لوگوں میں بنیادی تصورات کے بارے میں جو کمزوریاں باقی ہیں انہیں دور کرنے کیلئے اسلامی قانون کی بنیادی دفعات کو ذکر کیا جائے تاکہ کسی پہلو سے بھی اس امت کی وسیع عمارت میں کوئی دراڑ باقی نہ رہے۔چنانچہ پہلی پانچ آیتوں میں اسلامی قانون کی پہلی دفعہ کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں چند بنیادی آداب کا ذکر فرمایا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر ان آداب کی بجاآوری میں کسی طرح کی کمی رہ گئی تو اندیشہ ہے کہ اس کمی کا ارتکاب کرنے والوں کے اعمال ضبط ہوجائیں۔اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تقویٰ جو ایک امت کا اصل سرمایہ ہے یہ صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی غایت درجہ محبت اور ان کے مقام ومرتبہ کا احساس ہوتا ہے۔

یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اجتماعی زندگی میں ہر خبر پر یقین کرلینا اور اس پر کارروائی کرگزرنا اجتماعیت کیلئے سخت نقصان دہ چیز ہے۔اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ کوئی ایسی اطلاع دے جو مسلمانوں کے مفادات کے لحاظ سے اہمیت کی حامل ہو تو یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ اطلاع دینے والا کون ہے، وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو خبر دی گئی ہے کیا قرآئن کے اعتبار سے اس خبر کو قبول کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ان دونوں باتوں کی تحقیق کیئے بغیر کسی طرح کی کارروائی کی ہرگز اجازت نہیں۔ورنہ اس بات کا امکان ہے کہ تم کوئی ایسی کارروائی کرڈالو جس کیلئے بعد میں تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

مسلمانوں کی اجتماعیت کیلئے بہت بڑی نقصان دہ بات یہ بھی ہے ان کی دو جماعتیں آپس میں لڑپڑیں۔تو اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے اس کے بارے میں واضح ہدایات دی گئی ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد تین آیتوں میں ان باتوں سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ جو بظاہر بہت چھوٹی ہیں لیکن نتائج کے اعتبار سے بہت بڑی ہیں۔ جس طرح ایک شعلہ ابتداء میں محض ایک شعلہ ہوتا ہے لیکن جب یہ بھڑکتا ہے تو الاؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور آبادیوں کو پھونک دیتا ہے۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بہت بڑی بڑی اجتماعی مضرتوں کا باعث ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں مرد اور عورت دونوں کو اپنے اپنے دائرے میں کسی دوسرے کی تحقیر کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے دوسرے کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور اپنے نفس میں غرور پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں ہی انفرادی اور اجتماعی زندگی کیلئے تباہ کن ہیں۔ اسی طرح دوسروں پر طعن کرنا ایک دوسرے کے برے برے نام رکھنا، بدگمانیاں کرنا، دوسروں کے حالات کی کھوج کرید کرنا، کسی کی غیبت کرنا، یہ بجائے خود بھی گناہ ہے اور معاشرے کو بھی گناہ کے راستے پر ڈالنے والے ہیں اور ان سے تعلقات میں تیزی سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے زور دے کر یہ حکم دیا گیا ہے کہ ایمان کے بعد ان میں سے کوئی چیز بھی ایک مسلمان کیلئے زیبا نہیں۔

پھر اس برائی کا ذکر فرمایا گیا ہے جس نے پوری نوع انسانی کو ہمیشہ متاثر کیا ہے، وہ ہے حسب ونسب کا فتنہ، اور قومی ونسلی امتیازات۔ جس میں کردار کو عظمت نہیں ملتی بلکہ محض حسب ونسب کا حوالہ چلتا ہے۔ اس چیز نے دنیا میں بڑے بڑے فساد پیدا کئے۔ قبائل کی جنگ، خاندانوں کا اپنے امتیازات پر فخر وغرور اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنے کی عادت، یہ سب اسی برائی کا شاخسانہ ہیں۔ چنانچہ ایک ہی آیت سے اس فتنے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں قوموں اور قبیلوں کا بن جانا تعارف کیلئے تھا تفاخر کیلئے نہیں۔ انسان کو دوسرے انسانوں پر حسب ونسب یا مال ودولت کی وجہ سے برتری حاصل نہیں بلکہ باہمی فوقیت صرف اخلاقی فضیلت اور حسنِ کردار سے پیدا ہوتی ہے۔

سورۃ کے خاتمے میں اطرافِ مدینہ کے اعراب کے رویئے کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ لیکن مقصود ان کی شخصیات نہیں بلکہ وہ کمزوریاں ہیں جس کا وہ اس وقت شکار تھے۔ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مرعوب ہو کر اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے لیکن ایمان ان کے دلوں میں اچھی طرح اترا نہیں تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں ابھی تک وہ احساس پیدا نہیں کر سکے تھے جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے بارے میں ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایمان کو آنحضرت ﷺ پر احسان سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے سامنے ایمان اور مومن کی اصل حیثیت کو واضح کیا گیا۔ اور انہیں تنبیہ کی گئی کہ تم جو ایمان کے دائرے میں آئے ہو، تو یہ تمہارا کسی پر احسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں دائرۂ اسلام میں آنے کی توفیق دی ہے۔ اس کے رسول کے سامنے اپنے ایمان کا بار بار اظہار کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ پروردگار سب لوگوں کے دلوں کے حالات سے واقف ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کوئی مخفی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اگر وہ اپنے ایمان کو ایمان کی حقیقت کے مطابق بنالیں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بھرپور صلہ پائیں گے۔ اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ بعد میں ان لوگوں میں یہ کمزوریاں باقی نہ رہیں۔

Marfat.com

اٰیَاتُهَا ١٨	سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّةٌ (۴۹)	رُکُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ
اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ
اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ
لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ
وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى
تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ
فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ
الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ
الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ

Marfat.com

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٨﴾ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ
تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا
بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾ ع

رکوع: ۱۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ۱) اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، ایسا نہ ہو تمہارے اعمال ڈھے جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ ۲) بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس بات کرتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کیلئے جانچ لیا ہے، ان کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ ۳) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ رکھنے والے نہیں ہیں۔ ۴) اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود ان کے پاس نکل کے جاتے تو یہ بات ان کیلئے بہتر ہوتی، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۵) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی اہم خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، مبادا کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو پھر تمہیں اپنے کئے پر پشیمانی ہو۔ ٦) اور خوب جان لو کہ تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول موجود ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی، اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا، یہی لوگ راست رو ہیں۔ ۷) اللہ کے فضل اور احسان سے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے۔ ۸) اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پس وہ اگر پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ ۹) مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے مابین مصالحت کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ ۱۰)

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○١

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ۱)

ایمان کا اولین تقاضا اور اسلامی قانون کی پہلی دفعہ

یہ ایمان کا اولین تقاضا بھی ہے اور اسلامی قانون کی پہلی دفعہ بھی۔ انفرادی زندگی بھی اسی پر استوار ہوتی ہے اور اجتماعی زندگی کی خشتِ اول بھی یہی ہے جس کو نہایت فصاحت و بلاغت سے سمیٹ کر اس طرح فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ یعنی پہلی بات یہ ہے کہ سمع و اطاعت کے حقوق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اس پر کسی قسم کی شرط عائد نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت بھی ہر موقع پر، ہر حال میں ضروری اور لازمی ہے۔ جو شخص واقعی دل میں ایمان رکھتا ہے وہ کبھی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتا کہ میں زندگی کا کوئی فیصلہ اور کوئی عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رہنمائی کے بغیر کرسکتا ہوں۔ وہ ہر کام اور ہر فیصلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری سمجھتا ہے کہ کیا اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کوئی رہنمائی دی ہے۔ اور اگر اسے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی رہنمائی دے چکے ہیں تو وہ اس سے صرفِ نظر کرنا یا اس سے تغافل برتنا اپنے لئے حرام سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ جان چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا تقاضا اس کی پیروی اور اس کی اطاعت ہے۔ میں ان سے آگے نہیں بلکہ پیچھے چلنے کا پابند ہوں۔ مجھے مقدم نہیں بلکہ ان کا تابع بنایا گیا ہے۔ اس کا اطلاق اس کی انفرادی زندگی پر بھی ہوتا ہے اور اجتماعی زندگی پر بھی۔ یعنی جس طرح ایک فرد اللہ تعالیٰ کے قانون کو جاننے کی کوشش کئے بغیر اور اس کو نظر انداز کرتے ہوئے از خود کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، اسی طرح مسلمانوں کی حکومت، ان کی عدالتیں، ان کی پارلیمنٹ بھی اپنے طور پر اس قانون سے آزاد ہو کر کسی فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔ حدیث کی بیشتر کتابوں میں صحیح سندوں کے ساتھ یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا حاکمِ عدالت بنا کر بھیجا تو آپ نے پوچھا کہ معاذ تم کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا، کتاب اللہ کے مطابق۔ آپ نے پوچھا اگر کتاب اللہ میں کسی معاملے کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کرو گے، انہوں نے کہا سنتِ رسول اللہ کی طرف۔ آپ نے فرمایا، اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے، انہوں نے عرض کیا، پھر میں خود اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضورؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، شکر ہے اس پروردگار کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔ اور وہ توفیق کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اجتہاد پر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو مقدم رکھا۔ اور کسی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ان دونوں سے اچھی طرح رہنمائی لینے کی کوشش کی۔ مایوسی کی صورت میں اس نے اجتہاد کی طرف توجہ کی۔ درحقیقت یہی وہ چیز ہے جو ایک مسلمان جج کو غیر مسلم جج سے ممتاز کرتی ہے۔ مسلمان پارلیمنٹ کوئی بھی فیصلہ دینے سے پہلے یہ دیکھنا اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتی ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رہنمائی کیا ہے، یعنی قرآن وسنت اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اور آج کے دور میں ان دونوں کے بعد یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کیا اس معاملے کے بارے میں امت کا کوئی

Marfat.com

اجماع موجود ہے یا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چونکہ اجماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اس لئے صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول کو دیکھنا ضروری تھا۔ اور اس کے بعد فقہائے امت کی وہ کاوشیں ہیں جو فقہی سرمائے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ امت کے اہلِ علم نہایت اخلاص کے ساتھ ان سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کیلئے یہ بات بے حد ضروری ہے کہ ہر فیصلے اور اقدام سے پہلے اور ہر کاوش اور تحقیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دل میں موجود ہو۔ نفس کے تقاضے کسی وقت بھی آدمی کو بہکا سکتے ہیں صرف تقویٰ ہی ہے جو انسان کو اس سلسلے میں نور فراہم کرتا ہے۔ اور تقویٰ اس دل میں کبھی نہیں آتا جو ہمیشہ اس بات سے گراں بار نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ وہ ہمارے باہمی مشوروں اور ہماری سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے اور ہمارے فیصلوں کے محرکات تک سے واقف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲

(اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، ایسا نہ ہو تمہارے اعمال ڈھے جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ ۲)

آنحضرت ﷺ سے گفتگو اور آپ کی خدمت میں حاضری کے آداب

اس آیتِ کریمہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنے والوں اور بیٹھنے والوں کو گفتگو کا ادب سکھایا گیا ہے کہ تم آنحضرت ﷺ سے جب گفتگو کرو تو اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو کہ تمہارے آواز آنحضرت ﷺ کی آواز پر بلند نہیں ہونی چاہئے۔ آواز بلند ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بولنے والے کی آواز آنحضرت ﷺ کی آواز پر غالب آجائے۔ دوسرے سننے والے حضور کی آواز کو کم سنیں اور دوسرے کی آواز ان کو زیادہ سنائی دے، یہ ایک طرح سے بے ادبی اور بے احترامی ہے جو کسی محترم شخصیت کے پاس احترام سے بیٹھتا اور احترام سے بات کرتا ہے اس کی آواز کبھی اس محترم شخصیت کی آواز سے اونچی نہیں ہونے پاتی۔ کیونکہ ادب و احترام بولنے والے کی آواز کو ہمیشہ دبا کے رکھتا ہے لیکن جس شخص کی آواز ضرورت سے زیادہ بلند ہو جاتی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں احترام کی کمی ہے۔ وہ اپنے دل میں اس شخص کے مقام کو پیدا نہیں کر سکا جس سے اسے بات کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ تو دنیا کی سب سے محترم شخصیت ہیں ان کے سامنے آواز کے بلند ہونے کا کیا سوال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیقِ اکبر نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ سے اس طرح بات کروں گا جیسے سرگوشی کی جاتی ہے۔ اور حضرت عمر فاروق ؓ نے امکانی حد تک اپنی آواز کو دبا لیا۔ جن صحابہ کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی انہوں نے باقاعدہ اپنی آواز کو کم کرنے میں محنت کی۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس بات کا حکم دیں اس کی تعمیل میں تامل نہ ہونے پائے۔ اور یہ کوشش نہ کی جائے کہ میں اس طرح زوردار انداز میں اپنی بات کہوں کہ جس سے آنحضرت ﷺ کی بات دب کر رہ جائے اور میری بات اس پر فوقیت حاصل کر لے۔ یہ وہ چیز ہے جو پہلے بیان کردہ مطلب سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سننے والا آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی بات کو سننے کی بجائے اپنی بات حضور کو سناؤں اور ماننے پر مجبور

Marfat.com

کروں۔ اسی بات کو مزید کھولتے ہوئے فرمایا کہ تم آنحضرت ﷺ سے اس طرح اونچی آواز سے بات مت کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ یعنی جو بے تکلفی آپس میں بات کرنے والوں کی ہوتی ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہ نہ تو تمہارے برابر کے آدمی ہیں اور نہ وہ عام آدمی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جن کے ساتھ عام آدمیوں کا رویہ اختیار کرنا ان کے ادب اور مقام سے بہت فروتر چیز ہے۔ اور ایسا وہی کرسکتا ہے جو یا تو نبی کریم ﷺ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ نہ ہو اور یا قصداً اسے اس کی پرواہ نہ ہو۔ اور یہ دونوں باتیں ایمان کیلئے انتہائی مہلک ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے مقام و مرتبہ کا تحفظ

آیتِ کریمہ میں اگرچہ نبی کریم ﷺ کی مجلس کا ادب سکھایا گیا ہے لیکن مقصود اس سے آنحضرت ﷺ کے مقام و مرتبہ کا تحفظ ہے اور آپ کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد آپ کو مطاعِ مطلق بنایا، آپ کی اطاعت کو فرض ٹھہرایا، آپ کے معمولاتِ زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ آپ کی اداؤں تک کی نقل دین ٹھہرائی گئی ہے۔ اور یہ بات جس طرح آنحضرت ﷺ کے ہم عصر لوگوں کیلئے تھی آج بھی بالکل ویسے ہی ہے۔ اور آج اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی حدیث پڑھ کر سنائی جائے تو سننے والے کیلئے لازم ہے کہ وہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ اسے سنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اور جو شخص ایسا نہیں کرتا تو اس کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ اس کا تعلق نہایت کمزور ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اگر تم نے آنحضرت ﷺ کی مجلس اور آپ کے احکام کے حوالے سے ان نزاکتوں کا لحاظ نہ رکھا تو اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذاتِ رسول کی عظمت کا کیا مقام ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی شخص خواہ بجائے خود کتنا ہی قابلِ احترام ہو بہرحال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کے ساتھ بے ادبی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سزا کی مستحق ہو جو حقیقت میں کفر کی سزا ہے۔ یعنی اس کے تمام اعمال ضبط کر لئے جائیں۔ کیونکہ بڑی سے بڑی شخصیت کی بے ادبی بھی بدتمیزی کہی جاسکتی ہے، اسے خلافِ تہذیب قرار دیا جاسکتا ہے لیکن وہ اتنا بڑا گناہ نہیں کہ اس آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو جائے۔ درحقیقت آنحضرت ﷺ کا احترام اللہ تعالیٰ کا احترام ہے۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ سے دشمنی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے اور آپ کے احترام میں کمی اللہ تعالیٰ کے احترام میں کمی ہے۔ اور یہ چیز کفر سے کم نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

(بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس بات کرتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کیلئے جانچ لیا ہے، ان کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ ۳)

Marfat.com

تقویٰ صرف آنحضرت ﷺ کے مقام کا تحفظ کرنے والوں کو نصیب ہوتا ہے

تقویٰ درحقیقت اس کیفیت کا نام ہے کہ مسلسل اصلاح وتربیت اور تزکیہ سے دل کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ نیکی کی ہر بات کی طرف لپکتا ہوا جائے اور گناہ کی ہر بات اسے یوں معلوم ہو جیسے دہکتا ہوا انگارہ، جس کے چھونے سے وہ بھسم ہو کے رہ جائے گا۔ یہ دولت صرف اس شخص یا ان لوگوں کو مل سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقام کو بتمام وکمال اپنے دلوں میں اتار چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا ادب واحترام، اس کی کامل اطاعت اور دین کی سربلندی کیلئے اس کی نصرت یہ وہ لازمی حقائق ہیں جن کے بغیر ایمان کا کوئی تصور نہیں۔ ایسے لوگ جب اللہ تعالیٰ کے رسول کی مجلس میں حاضری دیتے ہیں تو حاضری کے وقت ان کی نگاہیں جھکی ہوتی ہیں، کوئی بات گزارش کرتے ہوئے ان کی آواز رک رک جاتی ہے اور اس طرح ہلکی آواز میں آپس میں بات کرتے یا آنحضرت ﷺ سے بولتے ہیں کہ صرف وہی سن سکتا ہے جسے سنانا مقصود ہو۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آوازوں پر اللہ تعالیٰ کے رسول کے احترام کا غلبہ ہے۔ اور یہ چونکہ نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقام کو سمجھنے اور دل ودماغ میں اتارنے کا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں باتیں آپس میں لازم وملزوم ہو کر رہ گئی ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے احترام کے شناسا ہونے کی وجہ سے ان کی مجلس میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں تقویٰ ہے۔ یعنی پہلے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی محبت اور عظمت آئی، ان کے مقام اور احترام نے ان کے دلوں کو اپنا مسکن بنایا، اس سے اطاعت کی توفیق ملی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تقویٰ کی اس دولت کو پا گئے جو ایک مومن کی معراج ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی آوازوں کو اللہ تعالیٰ کے رسول کے ہاں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ درحقیقت اس قابل ہیں کہ ان کے دلوں کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال کیا جائے۔ اور یہی لوگ اس کا حق رکھتے ہیں کہ وہ مغفرت اور اجرِ عظیم سے نوازے جائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝٤ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝٥

(بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ رکھنے والے نہیں ہیں۔ ۴) اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود ان کے پاس نکل کے جاتے تو یہ بات ان کیلئے بہتر ہوتی، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۵)

آپ ﷺ کے غائب ہونے کی صورت میں ملحوظ رکھا جانے والا ادب

صحابہ کرام ؓ کا عام معمول یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس وقت ملنے کیلئے آتے جب آپ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہوتے۔ اور اگر آپ کو مجلس میں موجود نہ پاتے تو بیٹھ کر آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے۔ وہ کبھی گھر سے آپ کو بلانے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کس قدر تھکا دینے والی مصروفیتوں کی زندگی گزارتے ہیں۔ آپ جب تک باہر ہوتے ہیں تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا دین سکھاتے ہیں۔ اور گھر میں ہوتے ہیں تو ازواجِ مطہرات اور دوسری خواتین کو دین کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے بعد یقیناً آپ کو کچھ آرام

Marfat.com

کی اور کچھ خانگی ضروریات کیلئے بھی وقت درکار ہوگا۔ایسے صورت میں اگر آپ کو باہر آنے کی زحمت دی جائے تو یہ ایک ایسی تکلیف ہوگی جو آپ کی نبوت کی مصروفیات میں حائل ہوسکتی ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ کسی ادارے کے پرنسپل یا پروفیسر تو نہ تھے کہ آپ سے استفادہ کرنے والے متعین اور لگے بندھے لوگ ہوں جن سے ہر روز آپ کو واسطہ پڑتا ہے۔آپ تو ایک امت کے سربراہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب اسلام قبول کرنے والے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔اور پھر ان میں وقت کے ساتھ ساتھ تربیت کے لحاظ سے مختلف قسم کے لوگ پائے جاتے تھے۔ان میں ایسے بھی تھے جو ابھی بالکل تربیت کے ابتدائی درجے میں تھے۔ان میں ابھی نہ شائستگی آئی تھی اور نہ وہ آداب سے واقف تھے۔وہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آتے تو آداب سے ناواقفیت کی وجہ سے بعض دفعہ ایسی حرکتیں کر گزرتے جو آنحضرت ﷺ کو تکلیف دیتیں، لیکن آپ انہیں برداشت کرتے۔اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی مواقع پر رہنمائی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایسے اَن گھڑ لوگ جو آپ سے ملاقات کیلئے ایسے وقت میں آجاتے ہیں جب آپ گھر میں ہوتے ہیں تو وہ تربیت کے فقدان کے باعث آپ کے ازواجِ مطہرات کے حجروں اور مکانوں کے گرد گھومتے ہوئے آوازیں دے کر آپ کو باہر بلاتے ہیں۔انہیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ آپ اس وقت کسی اور کام میں مصروف ہوں گے یا آرام فرما رہے ہوں گے۔ان پر تنبیہ کے انداز میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔اگر وہ عقل سے تہی دامن نہ ہوتے تو یقیناً آپ کے مقام و مرتبہ اور آپ کی مصروفیات کا لحاظ رکھتے۔اب وہ یہ حرکت اگر کر ہی گزرے ہیں تو اس میں ایک طرح کی سفارش بھی ہے کہ آپ اس کا برا نہ مانئے، بے عقل اور بے سمجھ آدمی کی بات کا کیا برا ماننا۔البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر وہ آپ کے خود باہر نکلنے کا انتظار کرتے اور صبر سے بیٹھے رہتے تو یہ ان کیلئے بہتر ہوتا۔انہوں نے ایک ناروا جسارت کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی تربیت کے فقدان کی وجہ سے ان سے درگزر فرمائے گا اور مہربانی کرے گا۔

یوں تو یہ امت کیلئے ایک عام ہدایت ہے، لیکن امام بغوی نے بروایت قتادہؓ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس آیت میں ان کا ذکر ہے۔یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے جبکہ آپ کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔یہ لوگ اعراب تھے جو آدابِ معاشرت سے ناواقف تھے۔انہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا۔ اُخْرُجْ اِلَیْنَا یَامُحَمَّدُ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔مسند احمد اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ (مظہری)

اہلِ علم کے نزدیک اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام لے کر پکارنا اور نعتوں میں آپ کا نام استعمال کرنا اور یا محمد اور یا محمد کہنا یہ گستاخی ہے، اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی اہم خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، مبادا کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو پھر تمہیں اپنے کئے پر پشیمانی ہو۔ ۶)

Marfat.com

مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان سے بچانے کیلئے ایک ہدایت

مسلمانوں کی اجتماعیت کو ایسے نقصان سے بچانے کیلئے جس سے ان کی شیرازہ بندی کو نقصان پہنچ سکتا ہے اس آیت میں ایک ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مدینہ اس وقت چونکہ اعدائے دین سے گھرا ہوا ہے، قرب و جوار کے قبائل سے ہر وقت کوئی نہ کوئی خطرہ رہتا ہے اور پھر جب تک اسلام کو اللہ تعالیٰ غلبۂ عمومی عطا نہیں فرماتے، حالات ایسے ہی دگرگوں رہیں گے۔ اس لئے ہر وقت اس بات کا امکان ہے کہ جو لوگ قوت سے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکے وہ افواہ سازی اور افواہیں پھیلانے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی کوئی فاسق شخص کوئی اہم خبر لے کر آئے تو اس پر کوئی کارروائی کرنے سے پہلے فوراً اس کی تحقیق کرو کہ جو شخص یہ خبر لے کے آیا ہے وہ ایک بے اعتبار آدمی ہے۔ کیا اس خبر کے معاملے میں اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کی حدود و قیود سے بے پرواہ آدمی ہو۔ اور پھر یہ معاملہ ہر خبر کا نہیں بلکہ یہاں لفظ ''نباء'' استعمال ہوا ہے جو اہم خبر کو کہتے ہیں جس کو باور کر لینے یا اس پر عمل کرنے سے دوررس نتائج کے پیدا ہونے کا امکان ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ صرف خبر لانے والے ہی کی نہیں بلکہ ایسی دوررس نتائج کی حامل خبر کی بھی تحقیق کی جائے، درایت کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے کہ یہ خبر صحیح ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم محض خوش گمانی میں اس خبر کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ کر دو اور بعد میں تمہیں پتہ چلے کہ یہ تو خبر سرے سے صحیح نہ تھی اور پھر تمہیں پچھتانا پڑے۔ اس سے فقہاء نے یہ سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اہم خبروں اور اہم معاملات کے بارے میں ہے عام خبروں کے بارے میں نہیں۔ مثلاً کوئی شخص آکر یہ کہتا ہے کہ یہ ہدیہ آپ کو فلاں نے بھیجا ہے تو یہ خبر ایسی نہیں جس کی تحقیق کی ضرورت ہو، اس پر عمل جائز ہے۔ یا کوئی شخص کسی کے گھر میں جاتا ہے اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے، اندر سے کوئی شخص آکر کہتا ہے کہ آجاؤ۔ تو وہ شخص اس کے کہنے پر اندر جاسکتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ صاحب خانہ کی طرف سے اس کی اطلاع دینے والا فاسق ہو یا صالح۔ اسی آیت کی وجہ سے محدثین نے علمِ حدیث میں جرح و تعدیل کا فن ایجاد کیا۔ فقہاء نے اسی سے قانونِ شہادت مرتب کیا۔

آیت کے شانِ نزول سے متعلق وضاحت

یہ تو اس آیت کا ایک عام مفہوم اور ایک عام ہدایت ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن ہمارے آئمہ تفسیر نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ان کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ولید بن عقبہ کو آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنی المصطلق کی زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ یہ ان کے علاقے میں پہنچے تو کسی وجہ سے ڈر گئے اور اہلِ قبیلہ سے ملے بغیر مدینہ واپس جا کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کردی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ یہ خبر سن کر سخت ناراض ہوئے اور آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان لوگوں کی سرکوبی کی جائے۔ روایات مختلف ہیں کہ آپ نے اس مقصد کیلئے ایک دستہ روانہ کر دیا یا روانہ کرنے والے تھے کہ بنو المصطلق کے سردار حارث بن ضرار اس دوران میں خود ایک وفد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! ہم نے تو ولید کو دیکھا تک نہیں، کجا کہ زکوٰۃ دینے سے انکار اور ان کے قتل کے ارادے کا کوئی سوال پیدا ہو۔ اس شانِ نزول کے بارے میں بعض لوگوں نے شبہات کا اظہار کیا اور بعض سوالات اٹھائے ہیں۔ ہم اس کی وضاحت کیلئے معارف القرآن کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

Marfat.com

اس آیت کا ولید بن عقبہؓ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو فاسق کہا گیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں کوئی فاسق بھی ہوسکتا ہے۔ اور یہ اس مسلمہ اور متفق علیہ ضابطہ کیخلاف ہے کہ الصحابة کلهم عدول، یعنی صحابۂ کرام سب کے سب ثقہ ہیں ان کی کسی خبر وشہادت پر کوئی گرفت نہیں کیا جاسکتی۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملے میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ان سے گناہِ کبیرہ بھی سرزد ہوسکتا ہے جو فسق ہے اور اس گناہ کے وقت ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کی جائے گی اور اگر کذب ثابت ہوا تو ان کی خبر وشہادت رد کردی جائے گی لیکن عقیدہ اہلسنت والجماعت کا نصوصِ قرآن وسنت کی بناء پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہوسکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کرکے پاک نہ ہوگیا ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمادیا ہے۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ، الآیۃ، اور رضائے الٰہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی، جیسا کہ قاضی ابویعلی نے فرمایا کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفتِ قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انہی کیلئے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجباتِ رضاء پر ہوگی (کذا فی الصارم المسلول لابن تیمیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت میں سے گنے چنے چند آدمیوں سے کبھی کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو ان کو فوراً توبہ نصیب ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو رسول کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ایسا بنادیا تھا کہ شریعت ان کی طبیعت بن گئی تھی۔ خلاف شرع کوئی کام یا گناہ سرزد ہونا انتہائی شاذونادر تھا۔ ان کے اعمال صالحہ نبی کریم ﷺ اور اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اتباع کو وظیفۂ زندگی بنانا اور اس کیلئے ایسے مجاہدات کرنا جن کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی۔ ان بے شمار اعمالِ صالحہ اور فضائل وکمالات کے مقابلے میں عمر بھر میں کسی گناہ کا سرزد ہوجانا اس کو خود ہی کالعدم کردیتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت وعظمت اور ادنیٰ سے گناہ کے وقت ان کا خوف وخشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا کیلئے خود پیش کردینا کہیں اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دینا وغیرہ روایات حدیث میں معروف ومشہور ہیں اور بحکم حدیث گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے کہ جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ تیسرے حسب ارشاد قرآن اعمال صالحہ اور حسنات خود بھی گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں۔ انّ الحسنات یذھبن السّیّات خصوصاً جبکہ ان کے حسنات عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہے جو ابوداؤد وترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ واللّٰه لمشهد رجل منهم مع النّبيّ صلي اللّٰه عليه وسلّم يغبّر فيه وجهه خير من عمل احدكم ولو عمر عمر نوح یعنی ''خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں ان کے چہرہ پر غبار پڑ گیا ہو تمہاری عمر بھر کی طاعت وعبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دے دی گئی ہو۔'' اس لئے ان سے صدورِ گناہ کے وقت اگرچہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کیلئے مقرر تھا مگر اس کے باوجود بعد میں کسی کیلئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے، اس لئے اگر آنحضرت ﷺ کے عہد

Marfat.com

میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہوا اور اس وقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس فسق کو ان کیلئے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے۔ (کذا فی الروح)

اور آیتِ مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ ان کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فاسق ان کیلئے استعمال کیا گیا یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے اور اس واقعہ میں بھی جو انہوں نے بنی المصطلق کے لوگوں کی طرف ایک بات غلط منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقعہ میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا مطلب بے تکلف وہ بن سکتا ہے جو خلاصۂ تفسیر میں اوپر گزرا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہوگئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے ناقابلِ قبول نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرما دیا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرائن کی بناء پر شبہ ہو جانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے عدالتِ صحابہ کی مکمل بحث احقر نے اپنی کتاب مقام صحابہ میں بیان کر دی جو شائع ہو چکی ہے اور اس کا کچھ حصہ اگلی آیت وان طائفتان من المؤمنین الآیۃ کے تحت میں بھی آجائے گا۔ (معارف القرآن)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾

(اور خوب جان لو کہ تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول موجود ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی، اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا، یہی لوگ راست رو ہیں۔ ۷) اللہ کے فضل اور احسان سے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے۔ ۸)

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رائے پیش کرنے کا ادب

گزشتہ آیت کے شانِ نزول میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ولید بن عقبہ نے یہ بتایا تھا کہ بنو المصطلق کا قبیلہ مرتد ہو چکا ہے اور انہوں نے نہ صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کیا بلکہ مجھے بھی قتل کرنے کی تدبیر کی۔ اس پر صحابہ کرام میں ایک اشتعال پیدا ہوا۔ ان کیلئے یہ بات انتہائی ناقابلِ برداشت تھی کہ کوئی قبیلہ مسلمان ہو کر پھر آنحضرت ﷺ کے قاصد کی نہ صرف توہین کرے بلکہ اسے قتل کرنے کے بھی در پے ہو۔ ایسے قبیلہ والوں کی تو فوراً سرزنش ہونی چاہئے۔ اس لئے ان میں سے بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو نہ صرف رائے دی بلکہ اصرار کیا

Marfat.com

کہ آپ مجاہدین کا ایک دستہ ان کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمائیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے بعض قرائن سے اندازہ لگایا کہ یہ خبر صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ نے حضرت خالد بن ولید کو اس کی تحقیق کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ گزشتہ آیتِ کریمہ میں اسی کے مطابق ایک قانون بنا دیا گیا کہ ایسی کسی بھی بات پر تحقیق کئے بغیر عمل نہیں ہونا چاہئے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان صحابہ کی غلطی کو واضح کیا گیا ہے جنہوں نے غیرتِ دینی کے جوش میں آنحضرت ﷺ پر زور دیا تھا کہ قبیلہ بنو المصطلق پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کی غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے سامنے اپنی رائے کو پیش کر دینے میں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس پر اصرار کرنا یہ غلطی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ عام انسان نہیں، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ایک تو تمہارے اور ان کے علم و دانش میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے اور پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی وحی اترتی ہے جس کی رہنمائی میں وہ ہمیشہ اقدام کرتے ہیں۔ متذکرہ بالا معاملہ ہی میں دیکھو کہ اگر وہ تمہارے بات مان لیتے تو کس قدر سبکی ہوتی اور بعد میں سب کو شرمندگی اٹھانا پڑتی۔ اس لئے تمہیں اس بات کو حرزِ جان بنالینا چاہئے کہ کسی معاملے میں بھی تمہیں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرنا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول جس بات کا حکم دیں تو وہ اگر تدبیر کے خلاف بھی ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کارفرما ہے۔ بنابریں اگر اللہ تعالیٰ کے رسول تمہاری ہر بات کو ماننے لگیں تو تم خود ہی مشکلات میں پھنس جاؤ گے۔ متذکرہ بالا واقعہ میں تم نے اگرچہ اپنی بات پر اصرار کیا لیکن جب نبی کریم ﷺ نے اس کے مطابق عمل کرنے سے انکار کر دیا تو تم نے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو تم پر فضل و کرم فرمایا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان تمہیں محبوب ہو گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول کی عظمت تمہارے دلوں میں اتر گئی ہے اور اس ایمان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے کسی حکم سے انکار یا اس کے کسی حکم کی پامالی یا اس کی کوئی سی نافرمانی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مکروہ بنا دی ہے۔ یعنی تمہارے دلوں میں اس کیلئے نفرت پیدا کر دی اور تمہیں اس سے متنفر کر دیا۔ اور جو لوگ ایسے ہوتے ہیں وہی درحقیقت راست رو ہیں۔ لیکن ایسی راست روی اپنی کوششوں سے نصیب نہیں ہوتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے جسے وہ چاہتا ہے یہ دولت عطا کرتا ہے۔ لیکن اس کا چاہنا ہمیشہ اس کے علم اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

اس میں حَبَّبَ اور کَرَّہَ کے بعد اِلٰی کا صلہ اس اہتمامِ خاص کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی نگاہوں میں ایمان کو محبوب اور کفر و فسق کو مبغوض بنانے کیلئے اپنے رسول کے ذریعے سے فرمایا ہے۔

کفر کا معنی تو واضح ہے البتہ فسوق سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ حکم عدولی ہے جس کا ارتکاب کوئی شخص ایمان کا مدعی ہوتا ہوا کرے اور عصیان کا لفظ یوں تو نافرمانی کیلئے بولا جاتا ہے لیکن یہاں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی نافرمانی مراد ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹

(اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پس وہ اگر پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ ۹)

Marfat.com

اجتماعیت کے حوالے سے ایک امکانی صورت کے متعلق چند ہدایات

اس سورۃ میں چونکہ مسلمانوں کے اجتماعی نظم کو ان مفاسد سے بچانا مقصود ہے جو اس کے شیرازے کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو اس سلسلے میں ایک امکانی صورت کے حوالے سے جو مسلمانوں کو کسی وقت بھی پیش آ سکتی ہے، چند ہدایات دی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات جو توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کے دو گروہوں کیلئے طائفہ کا لفظ استعمال کیا ہے، فرقہ کا نہیں۔ فرقہ بڑے گروہ کو کہتے ہیں اور طائفہ چھوٹے گروہ کو۔ مقصود اس طرف توجہ دلانا ہے کہ یہ بات انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ کبھی ان کے اختلافات لڑائی کی صورت اختیار کریں۔ یہ ممکن ہے کہ کہیں دو چھوٹے گروہ آپس میں الجھ پڑیں لیکن بڑے گروہوں کا اس میں مبتلا ہو جانا انتہائی غیر متوقع ہے۔

دوسری بات جو اس میں محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ دو گروہ آپس میں لڑیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپس میں لڑنا مسلمانوں کا معمول نہیں ہے اور نہ ہونا چاہئے۔ اور نہ ان سے یہ امر متوقع ہے کہ وہ مومن ہوتے ہوئے آپس میں لڑا کریں۔

تیسری بات جو اس آیتِ کریمہ میں فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر بالفرض کبھی مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ایک بہت بڑی اکثریت جو اس لڑائی میں شریک نہیں ان کا فرض ہے کہ وہ دونوں لڑنے والے گروہ میں مصالحت کی کوشش کریں۔ اور یہ کوشش کرنا ان کیلئے واجب ہے کیونکہ امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ ان کیلئے یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ وہ اپنے تئیں بیٹھے لڑنے والوں کا تماشا دیکھتے رہیں جبکہ ہمارے یہاں جو لوگ اپنے آپ کو زیادہ نیک سمجھتے ہیں اور یا انہیں بہت تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کا گمان ہے وہ عام طور پر اس طرح کے جھگڑوں سے دور رہنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ اور وہ اس معاملے میں اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں لڑنے والے اپنے عمل کے حُسن و قبح کے خود ذمہ دار ہیں، ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمان چونکہ جسدِ واحد کی طرح ہیں جس کے تمام اعضاء ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ اس لئے اس کے کسی حصے کو دوسرے سے بیگانہ ہونے کا حق نہیں۔ بنابریں اس غیر جانبدار گروہ کیلئے یہ لازم ہے کہ لڑنے والوں میں مصالحت کیلئے جو کچھ اس کے بس میں ہو اس سے دریغ نہ کرے۔ وہ دونوں فریقوں کو لڑائی سے روکنے کی تلقین کرے، انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرائے، بااثر لوگوں سے جا کر ملاقات کرے، اپنی حد تک جو بھی ممکن ہو سکتا ہے اس کیلئے کوشاں رہے۔

چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اگر مصالحت کرانے والوں کی کوششوں سے دونوں فریق راہِ راست پر آ جائیں تو اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر دونوں ہی مصالحت کی ہر کوشش کو ٹھکرا دیں اور وہ اپنے مفادات کی جنگ میں بالکل اندھے ہو جائیں تو پھر یہ اگر کسی اسلامی حکومت کے تابع ہیں تو حکومت کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کو باغی قرار دے کر ان کیخلاف طاقت استعمال کرے۔ اور اگر یہ کسی حکومت کے تابع نہیں تو پھر مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ ان دونوں میں سے ایک گروہ تو اسلامی احکامات کے مطابق مصالحت پر آمادہ ہو لیکن دوسرا گروہ مصالحت کیلئے تیار نہ ہو یا مصالحت کے بعد مصالحت کی شرائط کی خلاف ورزی کر رہا ہو اور دوسرے گروہ کے ساتھ زیادتی کر رہا ہو، تو اس صورت میں غیر جانبدار مسلمانوں یا ان کی حکومت کو اس زیادتی

Marfat.com

کرنے والے گروہ سے جنگ کرنی چاہیئے۔اور یہ جنگ اس وقت تک ہونی چاہیئے جب تک یہ تعدی اور ظلم کرنے والا گروہ اپنی سرکشی سے باز نہ آ جائے۔اور اس لڑائی کا حکم چونکہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس لئے یہ نہ صرف واجب ہے بلکہ جہاد کے حکم میں ہے۔اور اس کا اس فتنے سے کوئی تعلق نہیں جس سے نبی کریم ﷺ نے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

اور پانچویں بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اگر یہ سرکشی کرنے والا گروہ مسلمانوں کے اجتماعی فیصلے کے سامنے سر جھکا دے تو پھر اس لئے اس کیخلاف لڑائی جاری نہ رکھی جائے کہ اس گروہ نے پہلے ہماری بات کیوں تسلیم نہ کی، اب اسے اس کی سرکشی کی سزا ملنی چاہیئے۔ بلکہ جیسے ہی وہ مصالحت پر آمادگی کا اظہار کرے تو لڑائی فوراً رک جانی چاہیئے۔کیونکہ لڑائی سے مقصد اسے مصالحت پر آمادہ کرنا ہے اس کی سرکشی اور بغاوت کی سزا دینا نہیں۔

اور چھٹی بات یہ ہے کہ اب پھر جو اصل مقصد ہے اس کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے۔یعنی دونوں گروہوں کے درمیان مصالحت کرادی جائے۔لیکن یہ مصالحت اپنے دل و دماغ کو ان تلخیوں سے پاک کرنے کے بعد ہونی چاہیئے جو اس لڑائی میں شریک ہونے کی وجہ سے یقیناً دلوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ان تلخیوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد دونوں گروہوں کو اس طرح آمنے سامنے بٹھایا جائے کہ کسی کو اپنی کمتری کا احساس نہ ہو۔ ہر لحاظ سے دونوں کے ساتھ برابری برتی جائے۔اور دونوں کی شکایات کو دور کرنے اور حقوق کی ادائیگی میں پوری طرح انصاف کو بروئے کار لایا جائے۔کیونکہ انصاف کرنے والے ہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اور یہ عدل و انصاف ہی وہ نعمت ہے جو دلوں سے کدورتوں کو دور کر سکتی ہے،لڑنے والوں کو ایک دوسرے کے قریب لا سکتی ہے اور انہیں احساس دلا سکتی ہے کہ قرآن و سنت کے احکام پر عمل کرنے ہی میں ہماری عافیت اور ہماری زندگی ہے۔اسے نظر انداز کر کے شیطانی وساوس کا شکار ہو جانا سراسر تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

(مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے مابین مصالحت کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ ۱۰)

مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوت کا تقاضا

گزشتہ آیت میں مسلمانوں کے اگر دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو باقی مسلمانوں کو جس طرح لڑنے والوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اسے ان کیلئے لازم ٹھہرایا گیا، پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے۔اور وہ وجہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد تمہارے درمیان ایک نئی اخوت قائم ہو گئی ہے جو عالمگیر برادری کی ضامن ہے۔کیونکہ باقی تمام اقوام میں اخوت کے رشتے کی بنیاد، حسب و نسب، رنگ و نسل، یا جغرافیہ کی وحدت کو بنایا گیا ہے۔اس لحاظ سے یہ اخوت کا رشتہ جیسے جیسے ان میں مضبوط ہوتا ہے ویسے ویسے ان کا دائرۂ اثر اور دائرۂ عمل سمٹتا جاتا ہے اور وہ کبھی بھی دوسری قوموں سے اخوت کے رشتے میں شریک نہیں ہو سکتے۔اور وہ عالمگیر برادری قائم

Marfat.com

نہیں ہوسکتی جو ایک طرح کے احساسات اور تصورات کی حامل ہو جبکہ اسلام اپنی دعوت میں ایسی وسعت رکھتا ہے جس کا دامن تمام قوموں کیلئے کشادہ ہے۔ ان میں نہ رنگ و نسل کی بحث ہے، نہ حسب و نسب کی اور نہ کسی علاقے کا ذکر، بلکہ جو بھی توحید، رسالت، آخرت اور ضروریاتِ دین کو مان لیتا ہے وہ اس عالمگیر برادری کا ایک حصہ بن جاتا ہے، چاہے وہ کالا ہو یا گورا۔ وہ ایشیا کا رہنے والا ہو یا یورپ کا، وہ کوئی سی بھی زبان بولتا ہو، اور وہ غریب ہو یا امیر، وہ ایک ایسی اخوت میں شریک ہو جاتا ہے جو اسلامی اخوت کہلاتی ہے اور تمام ایمان لانے والے اس کے بھائی بن جاتے ہیں۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب تک اخوت کا یہ رشتہ قائم رہتا ہے امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن جیسے ہی اسلام کا رشتہ کمزور پڑتا ہے اور دوسری نسبتیں توانا ہو جاتی ہیں تو پھر اسلام نے جن بنیادوں پر ایک وحدت فراہم کی تھی وہ وحدت قائم نہیں رہتی۔ اس لئے قرآنِ کریم نے اور نبی کریم ﷺ نے اخوت کے اس رشتے کو قائم رکھنے پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا اور ایک آدمی کیلئے یہی برائی بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ صحیحین کی ایک روایت ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: مومنوں کی مثال آپس کی محبت، وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم و شفقت کے معاملہ میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن ایک دوسرے کیلئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر ایک، ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے۔

اور یہی وہ اخوت کا رشتہ ہے جسے قائم رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی امید دلائی گئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا
تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿11﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ
وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ

Marfat.com

يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ
رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ
اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن
قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ
أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ
هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ ع

رکوع: ۲۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق اڑائے، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ، اور نام نہ ڈالو ایک دوسرے کے چڑانے کو، ایمان کے بعد تو فسق کا نام بھی برا ہے، اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی لوگ

Marfat.com

اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔ ۱۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا اور رحیم ہے۔ ۱۲) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔ ۱۳) اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں، یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ہے، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا، یقیناً اللہ بہت درگزر کرنے والا اور مہربان ہے۔ ۱۴) مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔ ۱۵) اے پیغمبر! کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کو اپنے دین سے آگاہ کر رہے ہو حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ۱۶) یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم دعوئے ایمان میں سچے ہو۔ ۱۷) بے شک اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے، اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ ۱۸)

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَـٰبِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَـٰٓئِكَ هُمُ الظَّـٰلِمُونَ ﴿١١﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق اڑائے، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ، اور نام نہ ڈالو ایک دوسرے کے چڑانے کو، ایمان کے بعد تو فسق کا نام بھی برا ہے، اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔ ۱۱)

رشتۂ اخوت کو نقصان پہنچانے والی باتوں سے اجتناب کی تاکید

پیشِ نظر آیتِ کریمہ اور اس کے بعد والی آیت میں ان برائیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلمانوں میں اخوت کے رشتے کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ یہ بظاہر معمولی برائیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن جس طرح ایک شعلہ ابتداء میں بہت معمولی دکھائی دیتا ہے لیکن جب وہ بھڑکتا اور پھیلتا ہے تو آلاؤ کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور آبادیوں کو پھونک دیتا ہے۔ یہ برائیاں بھی ابتداء میں معمولی دکھائی دیتی ہیں لیکن نتائج

Marfat.com

کے اعتبار سے نہایت تباہ کن ہیں۔ کیونکہ شروع میں ان باتوں کی وجہ سے دلوں میں کدورتیں جنم لیتی ہیں جو دلآزاری کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ پھر اسی سے نفرت پیدا ہوتی ہے جو افراد میں دوری پیدا کرتی ہے اور بڑھتے بڑھتے دشمنی کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اور افراد گروہ کی صورت اختیار کر جائیں تو یہی دشمنیاں معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نہ مردوں کیلئے یہ بات مناسب ہے کہ وہ دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں اور نہ عورتوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ کیونکہ جو شخص دوسرے کی تضحیک کرتا ہے اور مذاق اڑاتا ہے وہ درحقیقت اس کی تحقیر کرتا اور اس کی عزتِ نفس پر حملہ کرتا ہے۔ اور اپنے اندر کبر وغرور کی بیماری کو ہوا دیتا ہے۔ اور پھر یہ مذاق اڑانا صرف زبان ہی کا عمل نہیں بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس کی طرف اشارے کرنا، اس کے کسی عیب یا نقص کی طرف لوگوں کو توجہ دلانا تاکہ دوسرے لوگ بھی اس پر ہنسیں۔ اور جا و بے جا اس کو مذاق کا نشانہ بنانا، یہ سب باتیں مذاق اڑانے میں شامل ہیں۔ مذاق اڑانے والا اس لئے دوسرے سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ جب اپنی عزتِ نفس کو مجروح ہوتے ہوئے اور اپنی شہرت کو نقصان پہنچتا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک نفرت کا لاوا ابلتا ہے جس سے پہلے دوری پیدا ہوتی اور پھر نفرت جنم لیتی ہے۔ اور یہ بیماری جس طرح مردوں میں ہے اسی طرح عورتوں میں بھی ہے۔ اس لئے دونوں کو متوجہ کرنے کیلئے الگ الگ خطاب فرمایا، اور الگ الگ ذکر کیا تاکہ وہ اس برائی کی شناعت کو محسوس کریں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس سے دور رہنے کی کوشش کریں۔

ان دونوں کا الگ الگ ذکر شاید یہ بتانے کیلئے بھی ہے کہ اسلام میں مخلوط سوسائٹی کا کوئی وجود نہیں۔ ایک دوسرے کی تضحیک عموماً بے تکلف مجلسوں میں ہوا کرتی ہے اور اسلام میں یہ گنجائش رکھی ہی نہیں گئی کہ غیر محرم مرد اور عورتیں کسی مجلس میں جمع ہو کر آپس میں ہنسی مذاق کریں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح مذاق اڑانا اخوت کے رشتے کو نقصان پہنچاتا ہے اسی طرح مرد و عورت کی مخلوط سوسائٹی اسلامی اخوت کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہے۔ اور اس میں وہ بنیادی نزاکتیں پامال ہو جاتی ہیں جو مردوں کو مرد بناتی ہیں اور عورتوں کو عورتیں۔ اور جس تہذیب اور جس تعلیم میں ان بنیادی قدروں کا تحفظ نہ کیا جائے وہ آخر تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہو نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

اس حکم کے آخر میں اس کی حکمت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ جب ایک مرد دوسرے مرد کا مذاق اڑاتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر اور اس کو خود سے کمتر سمجھتا ہے۔ اور یہی حال عورتوں کا بھی ہے۔ لیکن انہیں کیا خبر کہ جنہیں وہ اپنے آپ سے کمتر اور فروتر سمجھ رہے ہیں، ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتری کا فیصلہ حُسنِ عمل اور تقویٰ پر ہوگا، نہ کہ مال و دولت، حُسنِ صورت یا حسب ونسب پر اور تقویٰ کی حقیقت آخرت میں کھلے گی کہ کون اس سے زیادہ بہرہ ور تھا اور کون اس سے محروم۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحابہ ان کی پتلی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا کہ تم عبداللہ کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنستے ہو، تمہیں کیا خبر کہ قیامت کے دن ان پنڈلیوں کا وزن کوہِ احد سے بھی زیادہ ہوگا۔

Marfat.com

اس آیتِ کریمہ میں جس دوسری برائی سے روکا گیا ہے، اس کے بارے میں ارشاد فرمایا وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ جس کا معنی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ تَلْمِزُوْٓا لمز سے ہے جس میں عیب لگانے کے علاوہ دوسرے مفہومات بھی شامل ہیں۔ مثلاً کسی پر طعن کرنا، آنکھوں سے اشارے کرنا، کوئی طنز آمیز فقرہ چست کرنا، چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، عیب چینی کرنا یا اشاروں سے کسی کو نشانہ ملامت بنانا یہ سب مفہومات بھی اس میں داخل ہیں۔ یہ تمام چیزیں چونکہ آپس کے تعلقات کو بگاڑنے اور معاشرے میں فساد برپا کرنے کا باعث ہوتی ہیں، اس لئے ان سے روکا گیا ہے۔ جو شخص یہ حرکت کرتا ہے وہ اپنے آپ کو کبر و غرور میں مبتلا کر کے ہلاک کرتا ہے، اور دوسرے شخص میں احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے، اس کی اقدامی قوتوں کو سرد کر کے رکھ دیتا اور اس کی شخصیت کی نشو و نما روک دیتا ہے اور کبھی اس سے نفرت و عناد بھی جنم لیتے ہیں۔ یہ تمام احساسات معاشرے کے اندر زہر پھیلانے والے ہیں۔ اس کی زہرناکی کو نمایاں کرنے کیلئے اَنْفُسَکُمْ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنی ہے اپنا آپ۔ تو جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ۔ حالانکہ اپنے آپ کو تو عیب کوئی نہیں لگاتا اور نہ اپنے آپ پر کوئی طعن کرتا ہے۔ اس کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا آپس کا رشتہ چونکہ اخوت کا رشتہ ہے اس لئے جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر طعن کرتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے بھائی پر طعن کرتا ہے اور اپنے بھائی پر طعن کرنا ایسا ہی ہے جیسا اپنے اوپر طعن کرنا اور اپنے ہی سینہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص دوسروں پر عیب لگاتا اور طعن کرتا اور دوسرے کی دلآزاری کرتا ہے وہ درحقیقت دوسرے کو اس بات کا موقع دیتا ہے کہ وہ اس پر عیب لگائے اور طعن کرے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ ایک رویہ دوسرے رویئے کو جنم دیتا ہے۔ جب ایک آدمی دوسرے پر عیب لگاتا ہے تو دوسرا بھی پلٹ کر جب بھی اس کو موقع ملے گا اس پر عیب لگائے گا۔ کیونکہ یہ تیر ایسا ہے جو صرف دوسرے کے سینے کو چھلنی نہیں کرتا بلکہ پلٹ کر بھی آتا ہے۔ ٹھیک کہا کسی نے:

دلوں کو زخم نہ دو حرفِ ناملائم سے
یہ تیر وہ ہے جو لوٹ کر بھی آتا ہے

مزید ایک حکم یہ دیا وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ''ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد نہ کرو اور نام نہ ڈالو ایک دوسرے کے چڑانے کو۔ جس طرح کسی شخص کو اچھے القاب سے ملقب کرنا اس کیلئے عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی پر برے القاب کا چسپاں کرنا اس کی انتہائی توہین و تذلیل بھی ہے۔ کیونکہ یہ القاب عام طور پر لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ شخص بری طرح اس لقب کے مفہوم کا آئینہ دار بن جاتا ہے اور کوشش کے باوجود اس کے اثرات اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ بعض دفعہ پشتوں تک اس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ایسا کوئی بھی لقب کسی کو دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور عرب جب کسی کی ہجو کرتے تھے تو وہ ایسے ہی طریقے اختیار کرتے تھے اور اس میں ان کو بہت مہارت حاصل تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی وہ ایک قوم نہ بن سکے۔ ہر قبیلے کا خطیب اور شاعر اپنے قبیلے کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتا اور دوسروں کو گرانے اور پچھاڑنے میں لگا رہتا۔ تو اس سے قبیلے کی بنیادیں تو مستحکم ہوتیں لیکن قومی شعور کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اسلام نے جو عربوں پر بے شمار احسانات کیے ہیں ان ہی میں یہ احسان بھی ہے کہ انہیں قبائل کے تنگنائے سے نکالا اور قوم کا وسیع تر تصور ان کے دماغوں میں اتارا۔ اور اسی کی بدولت وہ دنیا کی ہدایت و قیادت کے اہل بنے۔ البتہ اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ کوئی لقب ظاہری صورت کے اعتبار سے تو بدنما ہوتا ہے لیکن وہ کثرت

Marfat.com

استعمال سے کسی شخصیت کی پہچان بن جاتا ہے۔ مثلاً محدثین میں الاعمش کا لفظ یا الاحدب کا لقب اگرچہ معنوی اعتبار سے یہ کوئی اچھے القاب نہیں لیکن شناخت بن جانے کے بعد آج تک ان کا استعمال ہو رہا ہے۔ صحابہ کرام میں بھی ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی محبت سے بعض دفعہ بعض صحابہ کو ایسے لقب دیئے جو معنوی اعتبار سے زیادہ مناسب نہ تھے لیکن موقع و محل کے اعتبار سے ان کیلئے باعثِ افتخار بن گئے جیسے ابوتراب اور ابوہریرہ۔ ایسا اگر کوئی لقب ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کسی کو چڑانے کیلئے کوئی لقب نہ دیا جائے۔ مثلاً کسی کو اس کے سابق مذہب کی طرف منسوب کرنا یا اس کے خاندان کی بری شہرت کے حوالے سے اسے پکارنا۔ یا اس میں کوئی جسمانی عیب پایا جاتا ہے تو اسی کو اس کا لقب بنا دینا۔ تو جب اسے ایسے القاب سے پکارا جائے گا تو یقیناً وہ اس سے چڑے گا جو بالآخر تعلقات کی خرابی پر منتج ہوگا۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوتی لیکن اگر اسے تکرار کے ساتھ کہا جائے تو سننے والا چڑ جاتا ہے۔ تو یہ رویہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔ عبدالمجید سالک مرحوم نے اپنی سرگزشت میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن جیل میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے یہ لطیفہ سنایا کہ لدھیانے کی جامع مسجد میں کوئی عالمِ دین اسی آیت پر تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ کسی کی چڑ مقرر نہیں کرنی چاہیے۔ آدمی اس سے چڑ جاتا ہے اور لڑائی ہو جاتی ہے۔ مجمع میں ایک تحصیلدار صاحب بیٹھے تھے، وہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے صاحب سے کہنے لگے یہ مولوی صاحب کیا کہہ رہے ہیں، آخر آدمی کسی بات سے کیسے چڑ جاتا ہے، کوئی کہتا رہے اور سننے والا نہ چڑے تو کیسے لڑائی ہو جائے گی۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ تحصیلدار صاحب یہ انسانی فطرت ہے کہ آپ بار بار کسی کو ایک ہی بات کہیں تو وہ چڑ جائے گا۔ لیکن تحصیلدار صاحب نہیں مانے۔ دوسرے صاحب نے انہیں سبق سکھانے کیلئے ان ہی پر تجربہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ تقریر کے دوران ہی اس نے پوچھا کہ صاحب آپ کے یہاں شلجم کا آچار ہوگا۔ وہ کہنے لگے نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر پوچھا، تحصیلدار صاحب نے کہا کہ میں نے کہا کہ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ اس نے چند منٹ کے بعد پھر اپنا سوال دہرایا۔ اب آہستہ آہستہ تحصیلدار صاحب کا پارہ چڑھنے لگا۔ چھٹی ساتویں دفعہ پوچھنے پر تحصیلدار صاحب نے جوتا اٹھا لیا کہ ارے کمبخت تو نے مجھے مذاق بنا رکھا ہے۔ وہ پہلے ہی جوتا سنبھالے بیٹھے تھے وہ اٹھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہجوم کو پھلانگتے ہوئے باہر نکل گئے اور ہر دس قدم کے بعد پلٹ کر اپنا سوال دہراتے اور تحصیلدار صاحب گالیاں دیتے ہوئے ان کے پیچھے۔ اسی طرح انہوں نے سارا بازار طے کیا۔ وہ بار بار اپنا سوال دہراتے تھے اور تحصیلدار صاحب غصے کے مارے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ تمام بازار والوں کو پتہ چل گیا کہ تحصیلدار صاحب شلجم کے اچار سے بہت چڑتے ہیں۔ اگلی صبح تحصیلدار صاحب جب بازار میں کوئی گوشت اور سبزی خریدنے کیلئے آئے تو دکانداروں کو رات کا لطیفہ یاد تھا، وہ بہانے بہانے سے ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے یہ سوال دہرانے لگے۔ تحصیلدار صاحب سمجھ گئے کہ یہ مجھے چڑایا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ غصے کے مارے گالیاں دیتے ہوئے بغیر کچھ خریدے گھر کو لوٹ گئے۔ اور یہ مصیبت اس قدر دراز ہوئی کہ انہیں اپنا تبادلہ کرا کے دوسرے شہر جانا پڑا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ کسی کی چڑ مقرر نہ کرو، یہ ساری باتیں فسق اور گناہ کی باتیں ہیں اور گناہ کا نام لینا بھی ایک صاحب ایمان کیلئے ایمان لانے کے بعد نہایت بری بات ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور اگر پہلے وہ یہ گناہ کر چکے ہیں تو اب انہیں اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ اور جو اس قدر وضاحت کے بعد بھی توبہ نہیں کرے گا تو وہ ظالموں میں شمار ہوگا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا اور رحیم ہے۔ ۱۲)

شخصیت اور اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والی بعض باتوں کی ممانعت

اس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی باتوں سے روکا ہے جو انسان کی شخصیت میں منفی اثرات پیدا کرتی اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اے ایمان لانے والو! بہت سے گمانوں سے بچو۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ تر گمان کرنے سے اجتناب کرو۔ کیونکہ زندگی میں انسان کو دوسرے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کے طرزِ عمل سے اچھا یا برا گمان پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اب اگر کوئی آدمی یہ عادت بنالے کہ جس شخص سے بھی معاملہ پیش آئے یا جس شخص سے بھی ملاقات کی نوبت آئے تو بغیر کسی ثبوت کے اس کے بارے میں رائے قائم کرتے ہوئے بدگمانی سے آغاز کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا آدمی معاشرے میں تنہائی کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر شخص کے بارے میں بدگمانی بداعتمادی کو جنم دیتی ہے اور بداعتمادی دوسروں سے میل جول اور ان سے تعلقات بنانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے انسان کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ دوسروں سے تعلقات اور اپنے معاملات کا آغاز بدگمانی سے نہ کرے بلکہ کسی کے بارے میں بھی اس وقت تک کوئی بری رائے قائم نہ کرے جب تک اس کا ثبوت مہیا نہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر گمان کرنے کی عادت کو کھلا چھوڑ دیا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی ایسی کسی بات کو بھی جس کی بہتر توجیہ ممکن ہو سکتی ہے برے انداز سے دیکھے گا اور غلط نتیجہ اخذ کرے گا۔ مثلاً اس نے کسی شخص کو دیکھا کہ وہ مسجد سے کسی دوسرے کا جوتا اٹھا رہا ہے جبکہ وہ شخص نیک شہرت کا حامل ہے تو اس کی بہتر توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ اس شخص نے اپنا جوتا سمجھ کر دوسرے کا جوتا اٹھایا ہے۔ تو معاملہ وہیں ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس نے عادت کے مطابق اس توجیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ یقیناً اس شخص کو جوتا چور ہی نہیں نہ جانے اور کیا کیا سمجھ بیٹھے۔ اس لئے دوسروں کے بارے میں اپنے دل کو بدگمانیوں کی پرورش گاہ بنانے سے روکا گیا ہے۔ اس لئے اسلام نے جو مزاج دیا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک دوسرے کے بارے میں نیک گمان رکھے جب تک کہ بدگمانی کا ثبوت نہ مل جائے۔ اور کوئی ایسا واقعہ سامنے نہ آجائے جس سے بدگمانی کے سوا اور کوئی چیز متحقق نہ ہو سکے۔ اور اس عادت کی شناعت کو نمایاں کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں جو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔ جو شوہر اپنی بیوی کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جائے یا بیوی اپنے شوہر کے بارے میں منفی انداز میں سوچنے لگے تو یہ ایسا صریح گناہ ہے جس سے گھر کی بربادی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

Marfat.com

مزید فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو تجسس نہ کرو، یعنی ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگے رہو، جس طرح اوپر کی آیت میں بدگمانی سے روکا گیا ہے اسی طرح یہاں اس تجسس سے منع کیا گیا ہے جو برے مقصد سے ہو۔ کیونکہ عام طور پر آدمی دوسرون کے حالات کی ٹوہ میں اس وقت لگتا ہے جب وہ حسد کے جذبے کا شکار ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ حریف کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو سامنے آئے جس سے کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ اور کبھی بغض وعناد کی شدت اس حرکت کا باعث بنتی ہے۔ اور آدمی اپنے مقابل کی ایسی بات کی تلاش میں رہتا ہے جس سے وہ دوسرے کو بدنام کر سکتا ہے۔ اور یہ ایسی خطرناک بیماری ہے جو معاشرے کو بے حد نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس لئے اس سے اس آیتِ کریمہ میں روکا گیا ہے۔ اور ایسی ہر کوشش سے آنحضرت ﷺ نے بھی منع فرمایا جس سے تجسس کے جذبے کو غذا ملتی ہے۔ اس لئے آپ نے لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا ناجائز قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ (اے لوگو! جو زبان سے ایمان لے آئے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کا کھوج نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے)۔ کس قدر دکھ کی بات ہے کہ جس بات سے قرآن وسنت میں روکا گیا وہی بات آج کے دور میں پیشہ کی شکل اختیار کر گئی ہے جس کو جدید اخبار نویسی نے بہت ترقی دی ہے۔ سب سے شاطر اخبار نویس وہ سمجھا جاتا ہے جو کسی نمایاں شخصیت کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق کوئی ایسا اسکینڈل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے جس سے اس کا اخبار یا رسالہ ہاتھوں ہاتھ بکے۔ ظاہر ہے کہ ایسا تجسس اسلامی اخوت اور باہمی ہمدردی کیلئے انتہائی تباہ کن ہے۔ البتہ ایک تجسس ایسا بھی ہے جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے بارے میں ہونا چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے حالات سے واقف رہنے کی کوشش کرے۔ اس کی مشکلات اور ضروریات کا کھوج لگائے اور اس میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ بہت سے سفید پوش لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نہایت ناموافق حالات میں زندگی گزارتے ہیں لیکن کبھی اپنے دکھوں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے حالات کو جاننے کی کوشش کرنا اس سے اسلام نے نہ صرف روکا نہیں بلکہ اس کو ایک نیکی قرار دیا۔

رہا وہ تجسس جو بعض دفعہ حکومتیں اپنی رعایا کے بارے میں کرتی ہیں تو اس کے جائز اور ناجائز ہونے کا دارومدار حکومت کے مقاصد پر ہے۔ اگر ایک اسلامی حکومت اس غرض سے رعایا کے حالات کا تجسس کرتی ہے کہ ان کے حالات سے بہرہ ور رہے اور ان کیلئے آسانیاں پیدا کرے تو یہ عین مطلوب ہے۔ اور اگر وہ ایسے لوگوں کے بارے میں تجسس کرتی ہے جن کی بعض نامناسب سرگرمیاں حکومت کے علم میں آ چکی ہیں اور اس سے ملک وملت کے مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس کے جائز ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ البتہ اگر وہ اس غرض سے جاسوسی کا ایک نظام قائم کر دیتی ہے کہ اپنے سیاسی مخالفین کو تنگ کرے اور یا لوگوں کی چھپی ہوئی برائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہوں گے تو ان کو بگاڑ دو گے۔ یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔

اس آیت میں مزید یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہے جو اسے معلوم ہو تو اسے ناگوار نہ گزرے۔ یہ تعریف وہ ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، ہم اس کیلئے

Marfat.com

صرف دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جسے تمام اہم کتابوں نے نقل کیا ہے جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا، اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تو نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ اور دوسری روایت جو امام مالک نے مؤطاء میں نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، غیبت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ میری بات حق ہو۔ آپ نے جواب دیا اگر تیری بات باطل ہو تو یہی چیز بہتان ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ غیبت اس قدر برا فعل ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی اس کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرتا ہے وہ گویا اس حال میں اس کا گوشت کھا رہا ہے جبکہ وہ مردہ پڑا ہوا اور اپنی مدافعت سے بالکل قاصر ہے۔ اور یہ چیز ایسی ہے کہ تم خود بھی اس سے گھن کھاؤ گے۔ اور جب کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تو پھر غیبت کرنا کیوں گوارا کرو۔ مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت ناپسند ہے۔ البتہ اس سے توبہ کر لو گے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔ ۱۳)

انسانوں میں مساوات کی ترغیب اور حقیقی بڑائی سے آگاہی

گزشتہ آیات میں اصحابِ ایمان کو خطاب کر کے وہ ہدایات دی گئی تھیں جو مسلم امت کی شیرازہ بندی اور مسلم معاشرے کو خرابیوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ضروری تھیں۔ اب اس آیت میں خطاب صرف اصحابِ ایمان سے نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی سے ہے۔ کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں جس خرابی کا ذکر فرمایا گیا وہ صرف مسلمانوں کیلئے ہی نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کی تباہی کا باعث رہی ہے۔ اور یہی وہ خرابی ہے جس نے نوعِ انسانی کو کبھی ایک مرکز پر جمع ہونے کا موقع نہیں دیا۔ انسان جسے اُنس کا پیکر ہونا چاہئے وہ اس خرابی کی وجہ سے نفرتوں اور دوریوں کا پیکر بن کر رہ گیا۔ اور وہ خرابی یہ ہے کہ انسان انسانیت کے رشتے کو نظر انداز کر کے اپنے بنائے ہوئے گھروندوں میں اپنے آپ کو محصور کر لیتا ہے۔ یہ گھروندے کبھی نسل اور رنگ سے وجود میں آتے ہیں اور کبھی زبان، وطن اور قومیت کے تعصب سے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی تقسیم بھی نہ عقلی ہے اور نہ اخلاقی۔ کسی شخص کا کسی نسل میں پیدا ہونا، کسی رنگ کا حامل ہونا اور ایک خاص زبان بولنے والی قوم سے وابستہ ہونا اور کسی قوم کا فرد ہونا یہ انسان کی اختیاری چیزیں نہیں۔ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کسی خطے، کسی قوم، کسی زبان کے بولنے والے اور کسی

Marfat.com

رنگ کے حامل لوگوں میں پیدا ہو جائیں۔ جب یہ چیزیں غیر اختیاری ہیں تو عقل کی بات یہ ہے کہ انہیں وجہ امتیاز نہ بنایا جائے۔ لیکن انسانوں نے نہ صرف اس امتیاز کو اپنے قومیت کی بنیاد بنایا بلکہ اسے عداوت، نفرت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کا ذریعہ بھی بنایا۔ یہودیوں کا نسبی تفوق کا دعویٰ، ہندوؤں کی اونچ نیچ کی تقسیم اور گورے رنگ والوں کا باقی تمام قوموں پر برتری کا دعویٰ یہ سب اسی خرابی کا شاخسانہ ہے۔ اور پھر اس کی بنیاد پر جو ظلم و ستم روا رکھا گیا ہے جنگِ عظیم بھی اس کی شاہد ہے۔ اور آج امریکہ اور یورپ کے بعض ملکوں نے مسلمانوں کیخلاف جو ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور جس طرح بعض ممالک تک اجاڑ ڈالے ہیں اور ان کے وسائل پر قبضہ کر لیا گیا ہے یہ سب اسی خرابی کا اظہار ہیں۔ قرآن کریم نے اس ایک آیت میں ایک ایسا رعد آسا اعلان کر کے اس خرابی کی کمر توڑ دی ہے۔ آج اسی کے اثرات کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ خرابی اپنی جگہ ہے لیکن اس کی ہزاروں تاویلیں کی جاتی ہیں۔ بعض ملکوں کو ویٹو کا حق بھی دیا گیا ہے لیکن برابری کے دعوے اپنی جگہ ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اے لوگو! تم نے انسانوں میں جو تقسیم بنا رکھی ہے اس کا آخر جواز کیا ہے جبکہ انسان ایک مرد اور عورت کی اولاد ہیں۔ ان کا مادۂ تولید یکساں ہے اور ان کے طریقِ تولید میں کوئی فرق نہیں۔ تو پھر ان میں باہمی شرف و تفوق کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی شکلوں، ان کے رنگوں اور ان کے قد و قامت میں فرق رکھا تا کہ لوگ ایک دوسرے کو شناخت کر سکیں۔ اسی طرح ان میں خاندانوں اور قبیلوں کی حد بندیاں قائم کیں تا کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ یعنی یہ تقسیم جو انسان میں پھیل جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور قدرت نے اس شناخت کا ذریعہ بنایا، انسانوں نے محض شیطانی جہالت کی وجہ سے اس کو تعارف کا ذریعہ بنانے کی بجائے تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنا دیا۔ رہی یہ بات کہ آخر سارے انسان تو برابر نہیں ہو سکتے۔ انسانوں میں برتری اور کہتری بھی ایک حقیقت ہے، تو آخر اس کی بھی کوئی بنیاد ہوگی۔ اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا کہ یہ غیر اختیاری اور اتفاقی امور ظاہر ہے اس کی بنیاد نہیں ہو سکتے۔ اس کی بنیاد صرف حُسنِ کردار، کمالات کی بلندی اور تقویٰ پر ہے۔ جو شخص جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا، برائیوں سے بچنے والا اور نیکی اور پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا اور علم و عمل میں کمالات کا حامل ہوگا، اتنا زیادہ وہ عزت کا مستحق سمجھا جائے گا۔ چاہے اس کا تعلق کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک سے ہو۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ عزت اور بڑائی کا پندار ہمیشہ کبر و غرور پیدا ہونے کا باعث اور دوسروں کی تحقیر کا سبب رہا ہے۔ افراد میں ہوتا ہے تو افراد اس کا نشانہ بنتے ہیں اور قوموں میں ہوتا ہے تو قومیں ظلم و ستم کا شکار ہوتی ہیں۔ لیکن برتری اور عزت کا جو معیار اس آیتِ کریمہ نے دیا ہے اس کے نتیجے میں جو شخص عزت والا ہے وہ عزت کو کبر و غرور کا ذریعہ نہیں بناتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی دین سمجھتا ہے اور اگر یہ چیز قوموں میں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر دوسروں کیلئے سایۂ رحمت تو بنتی ہیں ظلم و ستم کا پیکر نہیں بنتیں۔

اس آیتِ کریمہ میں جس بات پر زور دیا گیا ہے آنحضرت ﷺ نے بھی اس حقیقت کو اپنے خطبات اور ارشادات میں کھول کر بیان فرمایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایامِ تشریق کے دوران ایک تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **یٰٓاَیُّھَا النَّاس الا ان ربکم واحد لافضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی** "لوگو! خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے، کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ (بیہقی)

Marfat.com

ایک اور حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب ولینتھین قوم یفخرون بآبائھم اولیکونن اھون علی اللہ من الجعلان ”تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔“

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

(اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں، یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ہے، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا، یقیناً اللہ بہت درگزر کرنے والا اور مہربان ہے۔ ۱۴)

اعراب کی کوتاہی پر تنبیہ اور صحیح طرزِ عمل کی وضاحت

اعراب سے مراد اطراف مدینہ کے دیہاتی لوگ ہیں۔ مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو انہوں نے اس نوزائیدہ ریاست کی قوت اور روز بروز ترقی کو دیکھ کر اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ اس ریاست کی فوقیت، اقتدار اور قانون کو تسلیم کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے لڑے بھڑے بغیر اسلام قبول کر لیا۔ اور اسلامی احکام کی اطاعت کرنے لگے۔ لیکن مدینے سے فاصلے پر رہنے کی وجہ سے ان کی تربیت کا سامان نہ ہوسکا۔ اس لئے برتری کا احساس جو ان میں پہلے سے پایا جاتا تھا اور جس فطری آزادی کو وہ اپنا حق سمجھتے تھے اس کے دور ہونے میں کچھ وقت لگا۔ بعض قبائل نے تو جلدی اپنے آپ کو پوری طرح اسلام کی آغوش میں دے دیا۔ لیکن ان میں بعض قبائل ایسے تھے جو اس سورۃ کے نزول کے وقت تک بعض کوتاہیوں میں مبتلا تھے اور انہیں میں سے یہ کوتاہی بھی تھی کہ وہ اس بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر احسان سمجھتے تھے کہ انہوں نے لڑے بھڑے بغیر اسلام قبول کر لیا ہے۔ روایات میں خاص طور پر مزینہ، جہینہ، اسلم، اشجع اور غفار وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ خاص طور پر بنی اسد بن خزیمہ کے متعلق ابنِ عباس اور سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خشک سالی کے زمانہ میں وہ مدینہ آئے اور مالی مدد کا مطالبہ کرتے ہوئے بار بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ”ہم بغیر لڑے بھڑے مسلمان ہوئے ہیں، ہم نے آپ سے اس طرح جنگ نہیں کی جس طرح فلاں اور فلاں قبیلوں نے جنگ کی ہے۔“ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ سے ہمارا جنگ نہ کرنا اور اسلام قبول کر لینا ایک ایسا احسان ہے جس کا ہمیں معاوضہ ملنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے اسی طرح کے طرزِ عمل اور ان کے احساسات کی اصلاح کیلئے اس آیتِ کریمہ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ اطراف مدینہ کے بدوی لوگ آ کر یہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ آپ ان سے کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ البتہ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو تم ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اور ساتھ ہی اسے اپنا احسان بھی سمجھتے ہو۔ حالانکہ اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر ایمان تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانے، آنحضرت ﷺ کی غیر مشروط مکمل اطاعت کرنے اور اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی محبت دل میں بسانے کا نام ہے۔ اس میں اس بات کا کوئی تصور بھی نہیں پیدا ہوسکتا کہ ایمان لانے والا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر احسان رکھتا ہو۔ رہی یہ بات کہ تم نے اسلامی ریاست کی برتری تسلیم کرتے ہوئے اس کے اقتدار

Marfat.com

کی اطاعت شروع کر دی ہے۔ یہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کے احکام کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی اطاعت ہے جو تمہاری مغلوبیت کی دلیل ہے۔ لیکن اسے ایمان کا نام تو نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ یہاں اسلام اور ایمان کو ایک دوسرے کے متضاد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایمان اور اسلام میں انجام کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ ایمان اسلام کے بغیر اور اسلام ایمان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اسلام لغوی معنی میں آیا ہے، جس کا معنی ظاہری اطاعت ہے۔ اس کا حقیقی معنی تو مکمل طور پر اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دینا ہے۔ لیکن یہاں یہ لفظ اس معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ اور یہ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں مختلف مواقع پر ایمان اور اسلام کے دونوں لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن جہاں ان کی حقیقت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں وہ اپنے حقیقی معنی میں آتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کو قرآنِ کریم نے ایک دین کے طور پر جا بجا بیان کیا ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا: ان الدین عند اللہ الاسلام "یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔" سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ورضیت لکم الاسلام دینا "اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا ہے۔" تو اعراب کا اسلام صرف اسلامی اقتدار کے سامنے سر جھکا دینا تھا۔ چنانچہ اسی معنی میں یہاں اس کو استعمال کیا گیا۔ لیکن ایمان کے لفظ کو حقیقی معنی میں استعمال کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اس نے تمہارے دلوں کے دروازے پر دستک ضرور دی ہے لیکن ابھی وہ تمہارے دلوں میں اترا نہیں۔ ورنہ تمہارے لئے ممکن نہ ہوتا کہ تمہارے دل میں کوئی امنگ اور کوئی سوچ ایمان کے تقاضوں کے خلاف پیدا ہوتی۔ اس کے بعد تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایمان لانے یا اسلام کی کوئی خدمت کرنے کا دعویٰ رکھتے ہو تو پھر تم اس کا احسان کیوں دھرتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل سے آگاہ ہے۔ اور اگر تم نے وہ عمل اخلاص سے کیا ہے تو وہ یقیناً تمہیں اس کا صلہ دے گا۔ اور تمہارے کسی عمل کا صلہ دینے میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ اس لئے تمہیں بہرصورت اپنے اعمال پر توجہ دینی چاہئے، لاف زنی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا حال تو یہ ہے کہ اگر تمہارے اعمال میں کوئی کمی اور کوتاہی رہ گئی تو وہ تو اس سے درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اسے یہ بات پسند نہیں کہ تمہارے اعمال کی قیمت کم کرنے کیلئے تمہاری کوتاہیوں کو بہانہ بنائے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮

(مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔ ۱۵)

ایمان کا صحیح معیار

اس آیتِ کریمہ میں ایمان کا صحیح معیار سامنے رکھ دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کچھ کرنے کی چیز ہے۔ سب سے پہلے اپنے دل و دماغ میں ان افکار کو اتارنا ہوگا جو جاہلیت اور شرک کے افکار کو نکال باہر کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس طرح ماننا ہوگا جس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی زندگی اسوۂ حسنہ اور اس کی اطاعت غیر مشروط اطاعت اور اس کا ہر حکم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھا جائے۔ اور پھر اگر کبھی حالات کے نشیب و فراز میں دین کی کسی بات میں شک و

Marfat.com

شبہ لاحق ہونے لگے تو اس کا چھینٹا بھی دل و دماغ میں نہ پڑنے دے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے مال دینے کی ضرورت پیش آئے تو مال دے دے، اور اگر جان قربان کرنے کا موقع ہو تو جان کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ جن لوگوں کی فکر اور عمل اس ترازو میں ٹھیک تلتا ہو وہ لوگ ہیں جو دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان کا دعویٰ تو بلند آہنگی سے کریں لیکن اس کیلئے کسی قربانی کیلئے تیار نہ ہوں تو وہ محض دکھاوے کے مجنوں ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

(اے پیغمبر! کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کو اپنے دین سے آگاہ کر رہے ہو حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ۱۶)

اعراب کے طرزِ عمل پر گرفت

چونکہ ان لوگوں کا طریقہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں یہ تھا کہ وہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آتے تو بار بار اپنے ایمان کا اظہار اس طرح کرتے گویا کہ انہوں نے ایمان لا کر کوئی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول پر کوئی احسان کیا ہے۔ اس کے جواب میں پروردگار آنحضرت ﷺ کو ہدایت کر رہا ہے کہ آپ ان سے کہئے اگر تم اللہ تعالیٰ کی صفات کے ادراک کے بعد اس پر ایمان لائے ہو تو پھر تمہارا اپنے ایمان کا ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان سے آگاہ کر رہے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ادراک سے یہ بات تو پہلے مرحلے میں سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ کوئی چیز ظاہر ہو یا مخفی اس کے علم سے باہر نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ایمان اور اس کی حقیقت کو بھی جانتا ہے۔ تو پھر اپنے ایمان کا اظہار اور وہ بھی تکرار کے ساتھ ایک ناشائستہ جسارت کے سوا اور کیا ہے۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

(یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم دعوائے ایمان میں سچے ہو۔ ۱۷)

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت

ان کے ایمان کی حقیقت کو افشا کرنے کے بعد اب ان کے دعوائے اسلام کی قلعی کھولی جا رہی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بار بار اپنے اسلام لانے کا ذکر اس طرح کرتے تھے گویا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ پر احسان کیا ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ فلاں فلاں قبیلے نے جنگ کے بعد مجبور ہو کر اسلام قبول کیا۔ لیکن ہم نے بغیر لڑے بھڑے اسلام اور اسلامی حکومت کی اطاعت کی اور اس طرح سے اسلام کی قوت و شوکت کو

Marfat.com

بڑھایا اور آپ کی عزت میں اضافہ کیا۔ اس وجہ سے آپ پر یہ لازم آتا ہے کہ آپ اس احسان کا ہمیں صلہ دیں اور دوسروں سے بڑھ کر ہمیں مراعات دیں اور ہمارا لحاظ فرمائیں۔ چنانچہ ان کی اس روش پر تنبیہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان سے کہئے کہ اگر تم واقعی اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہو تو پھر تم اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ جتاؤ۔ کیونکہ ایمان بغیر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے نصیب نہیں ہوتا۔ اور ایمان ابتداء ہے جس کے نتیجے میں آدمی شریعت کے سامنے سر جھکاتا اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ایمان اپنے طور پر قبول نہیں کیا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت فرمائی۔ لیکن یہ سب باتیں اس صورت میں ہیں اگر تم اپنے ایمان اور اسلام کے دعوے میں سچے ہو۔ تو پھر تو تمہیں واقعی اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ اس نے تمہیں اس کی توفیق بخشی۔ لیکن اگر تمہارا یہ دعویٰ محض لاف زنی اور دنیا داری ہے تو پھر اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھو کہ ایمان چونکہ توفیقِ ایزدی کے بغیر نصیب نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ جب کسی شخص یا کسی قوم پر انتہائی مہربانی فرماتا ہے تو اسے ایمان کی توفیق دیتا ہے۔ اور اس کے دل کو ہر طرح کے باطل علائق سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ کے دین سے وابستہ کر دیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہوا ہے اس کیلئے یہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا استحضار پیدا کرے اور قدم قدم پر اس کا شکر بجالائے کہ اس نے اسے اس احسان کے قابل سمجھا۔ کیونکہ وہ اتنا عظیم بادشاہ ہے کہ اس کے دربار میں حاضری کیلئے نہ جانے کتنے لوگ ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں، لیکن وہ اس شخص کو حاضری کا موقع دیتا ہے جس پر وہ احسان کرنا چاہتا ہے۔ اور انتہائی بدنصیب ہے وہ شخص کہ جو اس احسان کی قدر شناسی کی بجائے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری گویا میرا اللہ تعالیٰ پر احسان ہے۔ شیخ سعدی نے ٹھیک کہا:

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی

منت ازو شناس کہ خدمت بداشتت

''تم بادشاہ پر احسان نہ رکھو کہ تم اس کی خدمت کر رہے ہو بلکہ اس کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں خدمت کیلئے قبول کر لیا ہے۔''

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

(بے شک اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے، اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ ۱۸)

آخر میں فرمایا کہ پانی دراصل یہاں مر رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صفات کا ادراک نہیں رکھتے۔ اگر تمہیں صرف اتنی بات کا استحضار ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے تو اس سے تمہیں یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی کہ وہ تمہارے قلبی احساسات اور تمہارے افعال و اعمال کو بھی جانتا ہے۔ تو پھر تمہیں اپنے اسلام کا دعویٰ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ تم دل میں جس طرح کے احساسات رکھتے ہو وہ اس کی نگاہوں میں ہے۔ اور تم اسلام کے اظہار کے بعد جس طرح کے اعمال بجالا رہے ہو اور جس طرح کی تمہاری وابستگیاں ہیں وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ تو پھر فکر اپنی اصلاح کی ہونی چاہئے اپنے اسلام کے اظہار کی نہیں۔ صرف زبان سے کسی چیز کا دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ عمل سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اور جب کوئی دعویٰ عمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو پھر وہ دعویٰ کرنے والے کی صداقت کا خود آئینہ دار بن جاتا ہے، اظہار و اعلان کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم بھی اگر اپنے عمل میں راستی پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرمائے گا اور تمہیں کسی طرح کے دعویٰ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ

کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوۡرَۃُ قٓ

(۵۰)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ قٓ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام قٓ ہے اور یہ اس سورۃ کے پہلے ہی حرف سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ یہ سورۃ مکی ہے لیکن قیامِ مکہ کے زمانے کے کس دور میں نازل ہوئی ہے اس کا تعین مشکل ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اس کے مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانۂ نزول مکہ معظمہ کا دوسرا دور ہے جو نبوت کے تیسرے سال سے شروع ہو کر پانچویں سال تک رہا ہے۔ اس زمانہ میں اسلام اور جاہلیت میں کشمکش شروع ہو چکی تھی لیکن ابھی اس میں شدت پیدا نہیں ہوئی تھی۔

سورۃ کی اہمیت:۔ اس سورۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر روایات کی شہادت کے مطابق اس سورۃ کو عموماً عیدین کی نمازوں میں تلاوت فرماتے تھے۔ جمعہ کے خطبوں میں بھی اکثر اس سورۃ کا پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ ایک خاتون ام ہشام بن حارثہ جو آپ کی پڑوسن تھیں ان کا کہنا یہ ہے کہ جمعوں کے خطبوں میں جب حضورؐ اس سورۃ کی تلاوت فرماتے تھے تو میرے گھر میں آپ کی آواز پہنچتی تھی۔ چنانچہ اسی سے میں نے اس سورۃ کو حفظ کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں بھی بکثرت اس سورۃ کو پڑھنا آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں یہ سورۃ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے قرآنِ کریم کی قسم کھائی گئی ہے اور مقسم علیہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ سیاقِ کلام سے خود اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ پھر یہ فرمایا گیا ہے کہ مخالفین کو اصل تعجب اس بات پر ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص نے قیامت سے انہیں ڈرانا شروع کر دیا اور بار بار انہیں تنبیہ کی کہ تمہارا دنیا میں قیام آخری نہیں اور یہاں کی موت زندگی کا مکمل خاتمہ نہیں۔ بلکہ ایک وقت آئے گا جب قیامت برپا ہوگی، ہر موجود چیز فنا ہو جائے گی اور پھر ایک مدت کے بعد سب کو از سرِ نو زندہ کر کے جواب دہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر کیا جائے گا۔ یہ دوبارہ زندہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کیلئے کھڑا کیا جانا یہ قریش کیلئے انتہائی تعجب کا باعث تھا اور اسی کو انہوں نے بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے رسول کی رسالت سے انکار کیا جبکہ قرآنِ کریم اور آپ کی رسالت ایک حقیقت ہے اور اسی سے زندگی کی حقیقی توجیہ ممکن ہوتی ہے۔ اس کا انکار کر کے مخالفین ایک شدید ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا یہ خیال کہ ہزاروں سال میں مرنے والے لوگ کون جانتا ہے کہاں دفن ہوئے۔ اور پھر ان کے جسم کے اجزاء نہ جانے کہاں کہاں بکھر گئے۔ ان سب کو از سرِ نو جمع کر کے جسمانی شکل دینا اور پھر ان کو زندہ کر دینا یہ سراسر مستبعد از عقل بات ہے۔ اسی طرح انہوں نے جو بے شمار اعمال دنیوی زندگی میں انجام دیئے ان کا حساب جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام افکار و اعمال جمع کئے

Marfat.com

جائیں۔تو جب اس کے کرنے والوں کو ہی جمع کرنا ممکن نہیں تو ان کے افعال واعمال کو جمع کرنا اور بھی ناممکن ہے۔تو اس کے جواب میں پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ انسانی جسموں کے اجزاء کہاں کہاں بکھرے ہم ان سب کو جانتے ہیں۔اور ہمارا ایک حکم ان تمام کو جمع کرنے پر قادر ہے۔اسی طرح ہمارے پاس افکار واعمال کا ریکارڈ رکھنے کیلئے ایک رجسٹر بھی ہے جس میں ہر بات کا اندراج ہوتا ہے۔

اس کے بعد آسمانوں اور زمین کی ان نشانیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور ربوبیت کی گواہی دے رہی ہیں۔جو شخص بھی اپنے اندر خشیت وانابت رکھتا ہے وہ جب بھی ان نشانیوں پر غور کرے گا تو اسے قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کا احساس ہوگا۔اس سے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بھی واشگاف ہوگی اور اس کیلئے یہ سمجھنا بھی آسان ہوجائے گا کہ جو ذات اس قدر وسیع علم اور قدرت کی مالک ہے اس کیلئے دوبارہ انسانوں کو اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے۔

اس کے بعد قریش کو تنبیہ کرتے ہوئے تاریخ سے استشہاد کیا گیا ہے اور جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ان میں سے چند قوموں کا نام لے کر توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح تم آج اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کررہے ہو یہ قومیں جو دنیوی اقتدار اور مال ودولت میں تم سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔اسی تکذیب کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا ان پر عذاب آیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہوکر رہی۔تم بھی اگر اسی راستے پر چلو گے تو تمہارا انجام ان سے مختلف نہیں ہوگا۔اس کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب کتاب پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق اور صفتِ علم سے استدلال کیا گیا ہے اور انسانوں کے افعال واقوال کی حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو انتظام کررکھا ہے۔اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد قیامت کا انکار کرنے والوں کے سامنے قیامت کی ایک تصویر پیش کی گئی ہے۔اور انکار کی صورت میں جن حالات سے سابقہ پیش آنے والا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔اور جن لوگوں نے قیامت کو حقیقت جان کر اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی قیامت کے دن ان کی سرافرازی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اور اس طرح سے قریش کو توجہ دلائی گئی ہے کہ تم دنیا میں شتر بے مہار بنا کر نہیں بھیجے گئے،ایک دن تمہاری زندگی کے اقوال واعمال کا حساب لیا جائے گا اور اس کے مطابق تمہیں جزاء یا سزا سے واسطہ پڑے گا۔

اس کے بعد قریش کی غفلت وبلادت پر تنبیہ کرتے ہوئے ان پر واضح کیا گیا ہے کہ تم اپنی جس قوت وشوکت پر گھمنڈ میں مبتلا ہو اور اسی نے تم پر غفلت کا ایک پردہ تان رکھا ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تمہاری نام نہاد دولت ورفاہیت ہمیشہ رہے گی اور اسے کبھی زوال نہیں آئے گا۔تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں جو تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر قوت وشوکت کی مالک تھیں۔اور دولت ورفاہیت ان کے گھر کے لونڈی تھی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے عین ان کے دورِ عروج میں انہیں پکڑا اور اس طرح پکڑا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر انہیں کہیں پناہ نہ مل سکی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔جس کے پاس عبرت پذیر دل ہو اور سننے والے کان ہوں اس کیلئے ان سرگزشتوں میں بڑا سامانِ عبرت موجود ہے۔

آخر میں کفار کی مخالفت کے جواب میں آنحضرت ﷺ کو صبر واستقامت کی تلقین کی گئی ہے اور صبر واستقامت کے حصول کیلئے نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔اور آپ کو تسلی دیتے ہوئے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف انذار کرنا ہے لوگوں کے دلوں میں ایمان اتارنا نہیں۔اسی قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو انذار کیجئے اور نصیحت فرمایئے۔جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں وہ اس وعید سے فکرمند ہوں گے۔اور جو اس کا مذاق اڑانے والے ہیں وہ اس کے نتائج سے خود دوچار ہوں گے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٤٥	سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (٥٠)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ (١) بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ
فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ (٢) ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ
ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ (٣) قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ
عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ (٤) بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ
فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ (٥) اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ
زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (٦) وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا
رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۙ (٧) تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى
لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (٨) وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ (٩) وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ (١٠) رِّزْقًا
لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ (١١) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ (١٢) وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ
لُوْطٍ ۙ (١٣) وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ

Marfat.com

وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ ع

رکوع: ا۔ (قٓ، قسم ہے قرآنِ مجید کی۔ ۱) بلکہ ان لوگوں کو تعجب ہوا اس بات پر کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا، تو کافروں نے کہا، یہ تو عجیب بات ہے۔ ۲) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے، یہ واپسی تو عقل سے بہت دور کی بات ہے۔ ۳) ہم نے جان لیا ہے جو کچھ زمین ان سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس ایک محفوظ رکھنے والی کتاب بھی ہے۔ ۴) بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا ہے جبکہ وہ ان کے پاس آ چکا ہے، پس وہ ایک الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۵) تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا، کیسے ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا اور کہیں اس میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ ۶) اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں۔ ۷) آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کیلئے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ ۸) اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا برکت والا، جس سے ہم نے باغ بھی اگائے اور کاٹی جانے والی فصلیں بھی۔ ۹) اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت بھی، جن پر تہ بہ تہ خوشے ہیں۔ ۱۰) بندوں کی روزی کیلئے، اور ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح ہوگا زمین سے نکلنا بھی۔ ۱۱) ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس، ثمود۔ ۱۲) عاد، فرعون، لوط کے بھائی۔ ۱۳) اور ایکہ والے اور تُبّع کی قوم کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا، تو ہماری وعید ان پر چسپاں ہو کر رہ گئی۔ ۱۴) کیا ہم پہلی بار تخلیق کرنے سے عاجز رہے بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کی طرف سے شک میں مبتلا ہیں۔ ۱۵)

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾

(قٓ، قسم ہے قرآنِ مجید کی۔ ۱)

قسم اور جوابِ قسم کی وضاحت

قٓ ...... حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ اس کی مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ مجید بزرگ، باعظمت اور برتر کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس آیت میں جس طرح قرآنِ کریم کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت کی حیثیت سے بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی عظیم ہے اور یہ قرآن بھی عظیم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر کلام متکلم کی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ متکلم اگر

Marfat.com

بزرگ و برتر ہوگا تو کلام بھی بزرگ و برتر ہوگا۔اسی وجہ سے قرآنِ کریم کی کوئی مثال لانے سے تمام مخلوقات عاجز ہیں۔خود قرآنِ کریم نے مخالفین کو بار بار چیلنج کیا ہے کہ تم اس جیسا قرآن بنا کر لاؤ اور پھر کہا کہ یہ تمہارے بس میں نہیں تو اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔اور جب اس پر بھی خاموشی رہی تو پھر صرف ایک سورۃ لانے کا چیلنج دیا۔لیکن مخالفین اپنی برہنہ اور خونخوار مخالفت کے باوجود اس کام کیلئے کبھی تیار نہ ہوئے۔اور ویسے بھی جو شخص قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اسے عربی زبان کا ذوق عطا فرمایا ہے اور وہ اس ذوق کو کسی عصبیت کے حوالے نہیں کر چکا تو وہ قرآنِ کریم کو پڑھتا ہوا اس کی عظمت اور اس کی معجزانہ حیثیت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا۔

آیت میں قرآنِ مجید کی قسم کھائی گئی ہے اور ہم یہ بات بار بار واضح کر چکے ہیں کہ قسم اپنے جوابِ قسم یا مقسم علیہ پر دلیل ہوتی ہے۔ اور اس سے مقسم علیہ کے ثبوت میں مدد ملتی ہے۔لیکن یہاں مقسم علیہ ذکر نہیں کیا گیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں کلام کا سیاق و سباق مقسم علیہ کو واضح کرنے کیلئے کافی ہو وہاں بعض دفعہ قرآنِ کریم میں اسے حذف کر دیا گیا ہے۔سورۃ ص کی پہلی آیت اس کی مثال ہے کہ وہاں بھی قرآن کی قسم کھائی گئی ہے لیکن مقسم علیہ کو ذکر نہیں کیا گیا۔اب سوال یہ ہے کہ اس کا وہ مقسم علیہ کون ہے جو سیاقِ کلام سے خود واضح ہوتا ہے اور قسم سے اس پر دلیل لائی گئی ہے۔دراصل قرآنِ کریم کے مخالفین اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے منکرین کی تردید میں یہ قسم لائی گئی ہے۔مخالفین قرآنِ کریم کو کبھی کہانت سے تشبیہ دیتے اور کبھی شاعری قرار دیتے۔اور اس کی تاثیر کو دیکھتے ہوئے کبھی سحر کا الزام لگاتے اور کبھی القائے شیطانی کہہ کر گستاخی کا ارتکاب کرتے۔اس کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ کریم اس بات پر شاہد اور دلیل ہے کہ اس پر ان چیزوں میں سے کسی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔کیونکہ خود اہلِ عرب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو تمام اصنافِ سخن سے واقف ہیں۔اور شعر کی ہر قسم کو پہچانتے ہیں۔ اس لئے جب ان کی دیانت کا حوالہ دے کر ان سے پوچھا جائے کہ کیا قرآنِ کریم شاعری ہے تو وہ صاف انکار کریں گے کہ قرآنِ کریم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ولید سے جب کہا گیا کہ قرآنِ کریم کو شعر قرار دیا جائے یا آپؐ کو کاہن کہا جائے تو اس نے دونوں کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ نہ قرآنِ کریم شعر ہے اور نہ حضورؐ کاہن ہیں۔کیونکہ کاہنوں کے کلام کو ہم سن چکے اور واقف ہیں۔اسی طرح قرآنِ کریم نے تو سحر کو حرام قرار دیا ہے،خود اس پر سحر ہونے کی پھبتی تو کسی جا سکتی ہے لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔اسی طرح اس کو القائے شیطانی وہ شخص کہہ سکتا ہے جو شیطان کا ایجنٹ ہو۔ورنہ جس کتاب نے شیطنت کے ہر طلسم کو پامال کیا ہے وہ خود القائے شیطانی کیسے ہو سکتی ہے۔چنانچہ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے خود قرآنِ کریم کو اس کی دلیل بنایا گیا ہے کہ تم خود دیکھو کہ قرآنِ کریم کی مخالفت میں ایسی کوئی بات کہنا کیا انصاف ہے؟

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳

(بلکہ ان لوگوں کو تعجب ہوا اس بات پر کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا،تو کافروں نے کہا،یہ تو عجیب بات ہے۔ ۲) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے،یہ واپسی تو عقل سے بہت دور کی بات ہے۔ ۳)

Marfat.com

مخالفین کی مخالفت کی اصل علت

بَلْ...... اضراب اور اعراض کیلئے ہوتا ہے۔ تو یہاں بَلْ کا استعمال یہ بتانے کیلئے ہے کہ مخالفین جو قرآن کریم کے بارے میں عجیب وغریب باتیں کہہ رہے ہیں یہ ان کی ساری باتیں اور ان کے تمام اعتراضات اصل حقیقت سے فرار کا بہانہ ہیں۔ کیونکہ ان تمام باتوں کی تردید کیلئے قرآن کی عظمت وجلالت ہی کافی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے سے انکار اور آپ کی رسالت کا اقرار کرنے سے گریز درحقیقت اس وجہ سے ہے کہ انہیں اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک شخص ان ہی کے اندر سے اٹھ کر انہیں انذار کرنے لگا ہے۔ یعنی اس نے یک لخت نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ اس نے چالیس سالہ عمر ہمارے اندر گزاری ہے۔ کبھی ہم نے اس طرح کی کوئی بات اس سے محسوس نہیں کی۔ اب جو اچانک اس نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کلام اترتا ہے، جبرئیل امین میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں، میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اور اس کا سفیر ہوں، یہ تو نہایت تعجب کی بات ہے۔ نبوت اور رسالت بڑا منصب ہے۔ بندوں اور خدا کے درمیان سفارت کا فرض انجام دینا بڑی نزاکتوں کا طالب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا متحمل ہونا ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس لئے انسانوں میں سے کسی کا انسانوں کی ہدایت کیلئے اٹھ کھڑا ہونا سراسر ایک نامعقول بات ہے۔ چلئے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کیلئے کسی انسان ہی کے انتخاب کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اس کیلئے تو کوئی بڑا دولت مند، بڑا سرمایہ دار اور بڑی دولت ورفاہیت کا مالک کوئی سردار ہونا چاہیئے تھا جس کی عظمت کو سب لوگ تسلیم کرتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے عظیم منصب کیلئے نگاہِ انتخاب پڑے بھی تو اس شخص پر جو ہم میں سب سے غریب آدمی ہے، جو یتیم پیدا ہوا اور وراثت میں اسے صرف ایک اونٹنی اور ایک لونڈی ملی، بچپن اس کا بکریاں چراتے ہوئے گزرا۔ اب اس نے کچھ تجارت کے ذریعے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی ہے تو تمام بڑے بڑے سرداروں کو نظر انداز کر کے اسے اس کام کیلئے چن لیا جائے، یہ تو بہت تعجب کی بات ہے۔ اور اس پر مزید تعجب یہ ہے کہ ہمیں وہ جس بات سے انذار کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ موت مکمل خاتمے کا نام نہیں بلکہ دنیوی زندگی سے نکل کر موت کے ذریعے آدمی برزخی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر ایک دن آئے گا جب تمام کائنات تباہی کا شکار ہو جائے گی۔ اور اس تباہی کے بعد پھر سب کو زندہ کیا جائے گا اور جواب دہی کیلئے انہیں میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر کر دیا جائے گا اور وہاں ایک ایک عمل کا جواب دینا پڑے گا۔ تو یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے جبکہ ہم مٹی ہو چکے ہوں گے، ہماری ہڈیاں بھی خاک میں تبدیل ہو چکی ہوں گی اور کتنے ایسے لوگ ہوں گے جن کے جسم کے اجزاء بھی نہ جانے ہواؤں نے کہاں کہاں بکھیر دیئے ہوں گے۔ ان تمام بکھرے ہوئے اجزاء کو دوبارہ جمع کر کے انسانی جسموں میں تبدیل کر کے زندہ انسان بنا کے کھڑا کر دینا یہ تو ایسی بات ہے جو انسانی عقل سے بہت بعید ہے۔ یہ ہیں درحقیقت تعجب کے دو اسباب، جن کی وجہ سے مشرکین نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کو حرفِ تنقید بنایا۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝

(ہم نے جان لیا ہے جو کچھ زمین ان سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس ایک محفوظ رکھنے والی کتاب بھی ہے۔ ۴)

Marfat.com

مخالفین کے اشکالات کا جواب

اس مختصر سی آیت میں پروردگار نے مخالفین کے اشکالات کا جواب دیا ہے۔ انہیں اشکال دو حوالوں سے تھا۔ ایک تو یہ کہ ہزاروں سال پہلے جو لوگ مر چکے ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی اکثریت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ ان کی قبریں کہاں ہیں۔ کتنے قبرستان ہیں جو آبادیوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اور کتنی آبادیاں ہیں جو قبرستانوں میں بدل چکی ہیں۔ اور ان میں دفن ہونے والے جسموں سے محروم ہو کر نہ صرف مٹی میں تبدیل ہو چکے ہیں بلکہ ان کے جسموں کے اجزاء نہ جانے کہاں کہاں بکھر چکے ہیں۔ آخر ان اجزاء کا از سر نو جمع کرنا، پھر ہر ہر جسم کی الگ الگ تشکیل اور پھر ان کو حیاتِ نو دے کر میدانِ حشر میں پہنچانا، یہ کس قدر بعید از عقل باتیں ہیں۔ اور ایسی باتوں کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ان کے انکار کا دوسرا حوالہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں انسانوں کو درحقیقت اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے اور ہر انسان اپنی زندگی میں لاکھوں اعمال بجا لاتا ہے جن کے محفوظ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو پھر ان کی جواب دہی کیسے کی جائے گی۔ ان دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے پروردگار نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ ارشاد فرمایا کہ تمہیں درحقیقت یہ اشکالات اس لئے پیش آ رہے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح ادراک نہیں رکھتے۔ اگر تمہیں اس کی صفتِ علم اور صفتِ قدرت کا صحیح ادراک ہوتا تو تمہیں یہ اشکالات کبھی پیش نہ آتے۔ اس کا علم ہماری طرح حدود و قیود کا پابند نہیں۔ اور نہ اس کی قدرت ممکن اور ناممکن کے سانچوں میں ڈھل کے نکلتی ہے۔ وہ جس طرح ماضی کو جانتا ہے حال اور مستقبل کو بھی جانتا ہے۔ جو لوگ پہلے مر چکے اور جو آئندہ موت کا شکار ہوں گے ان کی پوری تفصیلات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ ان کے جسمانی اجزاء کہاں کہاں بکھرے اور کہاں کہاں موجود ہیں وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ کوئی شخص کہاں دفن ہوا اور پھر اس سرزمین میں کیا تبدیلیاں آئیں، اس کا علم اس کی کتاب میں محفوظ ہے۔ وہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جسے زمانے کا سفر کہنہ نہیں کر سکتا۔ اور کوئی چیز اس سے مٹائی نہیں جا سکتی۔ رہے انسانوں کے احوال اور ان کے اقوال و اعمال وہ بھی اس کی کتابِ حفیظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے انکار کرنے والوں کو جن محرکات کے تحت اشکالات پیش آئے ہیں ان کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے آگاہ نہیں۔ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا استحضار کیا ہوتا تو انہیں کبھی یہ اشکالات پیش نہ آتے اور قیامت کا انکار کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤

(بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا ہے جبکہ وہ ان کے پاس آ چکا ہے، پس وہ ایک الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۵)

مخالفت کی حقیقت

مخالفین کی مخالفت کے تار و پود کو بکھیرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ ان کی مخالفت کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے غور و فکر کیے بغیر دشمنی میں آ کر حق کی تکذیب کر دی۔ حق سے مراد قرآن کریم بھی ہو سکتا ہے اور قیامت بھی۔ لیکن انجام کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار کیا اور بنیادی اعتراض یہ اٹھایا کہ ایک انسان جو عام انسانوں جیسا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ اور پھر ان کے انکار کو مزید ہوا اس چیز سے ملی کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں قیامت کے آنے سے انذار کیا اور بار بار

Marfat.com

تنبیہ فرمائی کہ تم ایک روز جواب دہی کیلئے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑے کئے جاؤ گے۔ تو اگر تم نے اس زندگی میں اس کیلئے تیاری نہ کی تو اللہ تعالیٰ کے حضوراً اپنے اقوال واعمال کا کیسے جواب دے سکو گے۔ لیکن انہوں نے ان میں سے ہر بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ پہلے اگر وہ قیامت کا انکار کر دیتے تو کہا جا سکتا تھا کہ ان کی امیت اور بے خبری ان کے انکار کا باعث ہے۔ لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی ان میں بعثت ہوگئی اور قرآن کریم ان کے پاس آ گیا تو اب ان کے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ جب تک سورج تاریکی میں چھپا ہوا ہے تو انکار کی وجہ ہو سکتی ہے لیکن وہ جب سر پر آ کر چمکنے لگے تو پھر انکار اندھے پن سے بھی بڑھ کر کسی اور بات کی دلیل ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ درحقیقت ایک الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ آیتِ کریمہ میں اَمْرٍ مَّرِيْجٍ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مریج لغت میں مختلط کو کہتے ہیں۔ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ کا معنی ہوگا، امرِ مختلط یا امرِ ملتبس۔ اور یہ ایسے امر کو کہتے ہیں جس میں مختلف چیزوں کا اختلاط والتباس ہو۔ اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے مریج کا ترجمہ فاسد سے فرمایا۔ اسی کو ذہنی الجھن سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسی الجھن کا شکار وہی شخص ہوتا ہے جو تضادِ فکر میں مبتلا ہو۔ اور ان لوگوں کا یہی حال تھا کہ ایک طرف یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی ان تمام صفات کا اقرار کرتے تھے جو قیامت کو لازم کرتی ہیں۔ اور دوسری طرف قیامت کا انکار کرتے ہیں جو اس اقرار کا بدیہی تقاضا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ پر بھی کبھی شاعر ہونے، کبھی کاہن ہونے اور کبھی مجنون ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور کبھی آپ کو جادوگر کہا جاتا ہے۔ یہ مختلف باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ ذہنی الجھن کا شکار ہیں کہ انہوں نے جلد بازی میں آ کر انکار تو کر دیا لیکن اب اس انکار کے اثبات کیلئے کوئی ایک بات ان کے پاس ایسی نہیں جسے وہ دلیل میں پیش کر سکیں۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝٦ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٧ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨

(تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا، کیسے ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا اور کہیں اس میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ ۶) اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں۔ ۷) آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کیلئے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ ۸)

پہلی آیت کی تشریح میں صاحبِ تفہیم القرآن نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ہم اسے نقل کر رہے ہیں۔

یہاں آسمان سے مراد وہ پورا عالمِ بالا ہے جسے انسان شب و روز اپنے اوپر چھایا ہوا دیکھتا ہے۔ جس میں دن کو سورج چمکتا ہے اور رات کو چاند اور بے حد وحساب تارے روشن نظر آتے ہیں جسے آدمی برہنہ آنکھ ہی سے دیکھے تو حیرت طاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر دوربین لگا لے تو ایک ایسی وسیع و عریض کائنات اس کے سامنے آتی ہے جو ناپیدا کنار ہے، کہیں سے شروع ہو کر کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہماری زمین سے لاکھوں گنے بڑے عظیم لاشان سیارے اس کے اندر گیندوں کی طرح گھوم رہے ہیں۔ ہمارے سورج سے ہزاروں درجہ زیادہ روشن تارے اس میں چمک رہے ہیں۔ ہمارا

Marfat.com

یہ پورا نظامِ شمسی اس کی صرف ایک کہکشاں (Galaxy) کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے۔ تنہا اسی ایک کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے کم از کم 3 ارب دوسرے تارے (توابت) موجود ہیں، اور اب تک کا انسانی مشاہدہ ایسی دس لاکھ کہکشاؤں کا پتہ دے رہا ہے۔ ان لاکھوں کہکشاؤں میں سے ہماری قریب ترین ہمسایہ کہکشاں اتنے فاصلے پر واقع ہے کہ اس کی روشنی ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چل کر دس لاکھ سال میں زمین تک پہنچتی ہے۔ یہ تو کائنات کے صرف اس حصے کی وسعت کا حال ہے جو اب تک انسان کے علم اور اس کے مشاہدہ میں آئی ہے۔ خدا کی خدائی کس قدر وسیع ہے اس کا کوئی اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ انسان کی معلوم کائنات اس پوری کائنات کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہ رکھتی ہو جو قطرے کو سمندر سے ہے۔ اس عظیم کارگاہ ہست و بود کو جو خدا وجود میں لایا ہے اس کے بارے میں زمین پر رینگنے والا یہ چھوٹا سا حیوانِ ناطق جس کا نام انسان ہے، اگر یہ حکم لگائے کہ وہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا تو یہ اس کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے۔ کائنات کے خالق کی قدرت اس سے کیسے تنگ ہو جائے گی!

یعنی اپنی اس حیرت انگیز وسعت کے باوجود یہ عظیم الشان نظامِ کائنات ایسا مسلسل اور مستحکم ہے اور اس کی بندش اتنی چست ہے کہ اس میں کسی جگہ کوئی دراڑ یا شگاف نہیں ہے اور اس کا تسلسل کہیں جا کر ٹوٹ نہیں جاتا۔ اس چیز کو ایک مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ جدید زمانے کے ریڈیائی ہیئت دانوں نے ایک کہکشاں نظام کا مشاہدہ کیا ہے جسے وہ منبع ۳ج ۲۹۵ (Source 3g 295) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے متعلق ان کا اندازہ یہ ہے کہ اس کی جو شعاعیں اب ہم تک پہنچ رہی ہیں وہ چار ارب سال سے بھی زیادہ مدت پہلے اس میں سے روانہ ہوئی ہوں گی۔ اس بعید ترین فاصلے سے ان شعاعوں کا زمین تک پہنچنا آخر کیسے ممکن ہوتا اگر زمین اور اس کہکشاں کے درمیان کائنات کا تسلسل کسی جگہ سے ٹوٹا ہوا ہوتا اور اس کی بندش میں کہیں شگاف پڑا ہوا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر کے دراصل یہ سوال آدمی کے سامنے پیش کرتا ہے کہ میری کائنات کے اس نظام میں جب تم ایک ذرا سے رخنے کی نشان دہی بھی نہیں کر سکتے تو میری قدرت میں اس کمزوری کا تصور کہاں سے تمہارے دماغ میں آ گیا کہ تمہاری مہلتِ امتحان ختم ہو جانے کے بعد تم سے حساب لینے کے لئے میں تمہیں پھر زندہ کر کے اپنے سامنے حاضر کرنا چاہوں تو نہ کرسکوں گا۔

یہ صرف امکانِ آخرت ہی کا ثبوت نہیں ہے بلکہ توحید کا ثبوت بھی ہے۔ چار ارب سال نوری (Light Year) کی مسافت سے ان شعاعوں کا زمین تک پہنچنا اور یہاں انسان کے بنائے ہوئے آلات کی گرفت میں آنا صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کہکشاں سے لے کر زمین تک کی پوری دنیا مسلسل ایک ہی مادے سے بنی ہوئی ہے، ایک ہی طرح کی قوتیں اس میں کارفرما ہیں، اور کسی فرق و تفاوت کے بغیر وہ سب ایک ہی طرح کے قوانین پر کام کر رہی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ شعاعیں نہ یہاں تک پہنچ سکتی تھیں اور نہ ان آلات کی گرفت میں آسکتی تھیں جو انسان نے زمین اور اس کے ماحول میں کام کرنے والے قوانین کا فہم حاصل کر کے بنائے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی خدا اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور حاکم و مدبر ہے۔

Marfat.com

ربوبیت کے اہتمام کی طرف توجہ

پروردگار نے اپنی عظیم قدرت وحکمت کی طرف توجہ دلانے کے بعد دوسری آیتِ کریمہ میں ربوبیت اور پرورش کے اہتمام کی طرف توجہ دلانے کیلئے زمین پر غور کرنے کی ہدایت کی کہ ذرا زمین کو دیکھو جس میں ہم نے تمہارے لئے خوانِ ربوبیت بچھا رکھا ہے، اسے ہم نے کیسے پھیلایا۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ آج سے ہزار ہا صدیاں پہلے ایک بہت بڑا ستارہ سورج کے قریب سے گزرا۔ زورِ کشش سے سورج کے چند ٹکڑے کٹ کر خلاء میں گھومنے لگے، ان میں سے ایک زمین تھی۔ ان ٹکڑوں کو قریب کے ستاروں نے کھینچ کر متوازن کر دیا۔ اس وقت اس کا درجہ حرارت وہی تھا جو سورج کا ہے، یعنی 12000 فارن ہائیٹ۔ جب یہ حرارت کم ہوتے ہوتے 4000 ہزار فارن ہائیٹ ہو گئی تو زمین کو پھیلا کر وہ شکل دی گئی جس پر آج ہم رہ رہے ہیں۔ یہ بالکل چپٹی نہیں بلکہ نارنگی کی شکل کی ہے تو اس نے ڈولنا شروع کر دیا۔ اسے پرسکون کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں۔ لیکن اس کا پارہ حرارت وہی رہا جو اس کے پھیلانے کے وقت تھا۔ بعض پہاڑوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آتشی لاوا اگلتے ہیں۔ وہ لاوا دراصل وہی ہے جو اس کے پیٹ میں مضمر ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہ زمین جو اپنے پیٹ میں 4000 ہزار فارن ہائیٹ گرمی رکھتی ہے انسان نہ صرف اس کے اوپر نہایت پرسکون زندگی گزارتا ہے بلکہ اسی سے ٹھنڈے پانی کے چشموں بھی ابلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آگ کے اس گولے پر نہایت خوش منظر نباتات بھی اگا رکھی ہیں جو ہماری لذت کام ودہن کے کام بھی آتی ہیں اور ہمارے جمالیاتی ذوق کی تسکین کیلئے بھی۔ جس طرح لذتِ کام ودہن میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے وہ فراوانی پیدا فرمائی ہے کہ انسان انہیں دیکھ کر آج دنگ رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے جمالیاتی ذوق کی تسکین کیلئے بھی رنگا رنگ پھول اگائے ہیں، خوش منظر چھتریوں والے درخت ہمارے چاروں طرف سایہ کئے کھڑے ہیں، پہاڑوں میں چیڑوں کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں، گھٹائیں جب جھوم کی اٹھتی ہیں اور چشموں میں جب چاندی ڈھلتی ہوئی بہتی ہے اور دریا کروٹیں بدلتا ہوا کبھی ندی نالوں میں اور کبھی ٹھاٹھیں مارتا ہوا میدانی علاقوں میں اپنی جولانیاں دکھاتا ہے تو انسان اس کے حُسن میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس نظامِ ربوبیت کو دیکھ کر ہماری آنکھیں کھلیں۔ ہماری آنکھوں میں وہ نور پیدا ہوا جو ظاہر کے پیچھے باطن کو دیکھ سکے اور ہم وہ نصیحت حاصل کر سکیں جو اس کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اس شخص کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا دل رکھتا ہے، جس کے غور وفکر کی قوتیں صرف ظاہر میں الجھ کر نہیں رہ جاتیں بلکہ وہ ایک ایک پتے کو حقیقت کا ترجمان سمجھ کر حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

(اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا برکت والا، جس سے ہم نے باغ بھی اگائے اور کاٹی جانے والی فصلیں بھی۔ ۹) اور کھجوروں کے بلند وبالا درخت بھی، جن پر تہ بہ تہ خوشے ہیں۔ ۱۰) بندوں کی روزی کیلئے، اور ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح ہوگا زمین سے نکلنا بھی۔ ۱۱)

Marfat.com

گزشتہ مضمون میں ایک اور پہلو سے اضافہ

گزشتہ مضمون ہی کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آنکھوں کو روشن کرنے اور غور وفکر کو جلا دینے کیلئے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی اتارا۔ ایک تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج کی کرنوں نے سمندر اور دریاؤں سے اپنی کرنوں کے ذریعے بھاپ کا ذخیرہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اسے فضاء میں ابر کی صورت دے دی۔ پھر اس کے حکم سے ہواؤں نے اسے اس کی مشیت کے مطابق برسایا۔ اس طرح سے اس نے زمین کی آبیاری کا سامان کیا۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جس طرح قدرت نے اوپر فضاء میں ایک کُرّہ ہوائی بنا رکھا ہے جہاں سے ہمیں آکسیجن ملتی ہے۔ اسی طرح اس نے سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق پانی کا ایک کُرّہ بھی بنا رکھا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ آسمانوں سے پانی کے اترنے کا یہ مفہوم ہو کہ پانی براہِ راست اس کُرّے سے اترتا ہے اور ہمارے لئے ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن یہ پانی وہ ہے جس کو ماءِ مبارک کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ بارش ہے جو زرخیزی اور شادابی کا باعث بنتی ہے۔ اور اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی صفتِ ربوبیت کے تقاضے سے ایسی بارش نازل ہوتی ہے جو شادابی کا باعث بنتی ہے لیکن اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ جب چاہے پانی کو شادابی کا ذریعہ بننے کی بجائے تباہی اور عذاب کا ذریعہ بنا دے۔ لیکن یہ تب ہوتا ہے جب انسانوں پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ ورنہ نعمت کے طور پر جو بارش زمین پر اترتی ہے وہ ماءِ مبارک لے کر آتی ہے اور پھر اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ باغات بھی پیدا کرتا ہے اور کاٹی جانے والی فصلیں بھی۔ جنات سے مراد وہ باغات ہیں جن میں قسم قسم کے پھل اگائے جاتے ہیں۔ جو غذا کا سامان بھی بنتے ہیں اور کام ودہن کی لذت کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔ اور جمالیاتی ذوق کی تسکین کیلئے ایسے پھول اگائے جاتے ہیں جو اپنی شادابی اپنے رنگ اور اپنی ملائمت سے قلب ونگاہ کو لذت فراہم کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس بارش سے ایسے غلوں کی فصل بھی لہلہانے لگتی ہے جو انسانوں کی سال بھر کی خوراک کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ یعنی ایسا غلہ جو کاٹ کر کھلیان کی صورت میں محفوظ کیا جاتا ہے اور وہ صرف فوری ضرورت کیلئے نہیں بلکہ طویل ضرورتوں کو بھی پورا کرنے کے کام آتا ہے۔ مزید فرمایا کہ ہم نے ان باغوں میں کھجوروں کے بلند و بالا درخت بھی پیدا کئے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے تہ بہ تہ خوشے لٹکتے نظر آتے ہیں۔ جنات کے ذکر کے بعد بظاہر نخل کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اسے دو وجہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی بھی باغ کی خوبی اور رعنائی باغ کے چاروں طرف کھجور کے بلند و بالا درختوں کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کا خاص میوہ بھی تھا جو ان کے تفکہ کے کام بھی آتا تھا اور غذائی ضرورت بھی پوری کرتا تھا۔ وہ اپنے اسفار میں خاص طور پر کھجور اور ستو سے اپنی غذائی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ لیکن کھجور کے ذکر کے ساتھ اس کی دراز قامتی اور اس کے تہ بہ تہ خوشوں کا ذکر غذائی ضرورت کے ساتھ ساتھ انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان بھی ہے اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ حیوانوں کی طرح صرف پیٹ بھرنے کی فکر نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ذوق کو غذا بھی فراہم کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد رِزْقًا لِّلْعِبَادِ ارشاد فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ہماری ربوبیت کا وہ فیضان ہے جس کیلئے ہم نے باغات اگائے ہیں، قسم قسم کے پھلدار پودے اٹھائے ہیں اور مختلف قسم کے غلوں کی فصلیں لہلہائی ہیں تاکہ میرے بندوں کو اس کا احساس ہو کہ ہمارا پروردگار اپنی ربوبیت پر ہم پر کس قدر مہربان ہے اور اس نے کس قدر نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کا ہلکا سا مراقبہ اور معمولی غور وفکر بھی آدمی کو یہ توجہ دلانے کیلئے کافی ہے کہ آخر ان سب نعمتوں کا ملنا بے سبب تو نہیں۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہم سے ان نعمتوں کے بارے میں

Marfat.com

بازپرس ہوگی۔ اوران کے حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے جواب طلبی کی جائے گی۔ اس کے بعد آیت کے اصل مدعا کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس ماءِ مبارک سے ہم نے تمہارے لئے خوانِ ربوبیت بچھایا ہے اسی ماءِ مبارک کا یہ کرشمہ بھی ہے کہ بارش نازل ہونے سے پہلے جوزمین بالکل مردہ، سبزہ سے تہی دامن اور روئیدگی کے اعتبار سے بانجھ معلوم ہوتی ہے بارش کے چند چھینٹے پڑنے سے اس کے دامن سے حیات تازہ نمودار ہوتی ہے۔ جہاں برسوں بارش کا کوئی چھینٹا نہیں پڑا تھا جس کی وجہ سے ہر طرف صحرا کا ایک منظر تھا، دھول اٹھ رہی تھی اور ہر چیز زندگی سے محروم ہو چکی تھی، نہ کہیں حشرات الارض کا وجود تھا اور نہ کہیں گھاس کی کوئی پتی نظر آتی تھی، لیکن بارش کے چند چھینٹے پڑنے کے بعد نہ جانے زمین کی تہوں سے کیسے حشرات الارض نمودار ہو جاتے ہیں، نباتات کی کونپلیں نکل آتی ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے سبزے کا ایک فرش بچھ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو پروردگار تمہیں اس فراوانی کے ساتھ بے شمار نعمتیں دینے پر قادر ہے اور جس کی بارش کے چند چھینٹے مردہ زمین کو حیاتِ تازہ بخش سکتے ہیں کیا وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ تمام مخلوقات کا دوبارہ زندہ ہونا کوئی اعجوبہ نہیں۔ بالکل ایسا ہی عمل ہے جیسے بارش سے برسوں کی محروم زمین اور اس کی تہوں میں مر جانے والے حشرات الارض بارش کے نازل ہونے کے بعد زندہ ہو جاتے ہیں۔ مدت دراز سے جن کی کبھی شکل تک نہ دیکھی، رات کو ان کے ترانے کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ تو اسی طرح انسان بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک اشارہ پا کر زمین سے نکلیں گے اور میدانِ حشر میں پہنچ جائیں گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ
لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

(ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس، ثمود۔ ۱۲) عاد، فرعون، لوط کے بھائی۔ ۱۳) اور ایکہ والے اور تُبّع کی قوم کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا، تو ہماری وعید ان پر چسپاں ہو کر رہ گئی۔ ۱۴)

تاریخ سے استشہاد کرتے ہوئے قریش کو تہدید

اس آیت میں قریش کو تہدید کی گئی ہے اور تاریخ کا آئینہ دکھا کر انہیں اپنے رویئے پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یعنی تم نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کو ماننے سے انکار کیا ہے تم سے پہلے بھی ایسے بدنصیب گزر چکے ہیں جنہوں نے یہی حرکت کی تھی اور تم ان کی تاریخ سے واقف ہو۔ ان میں قومِ نوح بھی ہے اور اصحاب الرس بھی۔ اور ثمود بھی ہیں اور عاد بھی۔ اور فرعون اور لوط کے بھائی بھی۔ اسی طرح اصحاب الایکہ اور قومِ تُبّع بھی۔ ان سب کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کی، بلکہ اس کے قتل کے درپے ہو گئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول بار بار ان کو تنبیہ کرتے رہے کہ اگر تم نے اپنے رویئے میں تبدیلی نہ کی تو تم پر خدا کا عذاب آ سکتا ہے۔ لیکن وہ جب راہِ راست پر نہ آئے تو آخر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا اور انہیں تباہ کر دیا گیا۔ قریش سے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی اسی راستے پر جا رہے ہو اور یہ تباہی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ جب بھی کسی قوم کی طرف اپنے رسول کو بھیجتا ہے تو انہیں سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔ لیکن جب یہ مہلتِ عمل کی مدت گزر جاتی ہے اور

Marfat.com

وہ لوگ رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے تو آخر اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں تباہ کر دیتا ہے۔تو قریش کو بھی بار بار آنخضرت ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا۔اور اب ان سے صاف صاف یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اگر تم نے تاریخ سے سبق نہ سیکھا تو پھر یاد رکھو کہ تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو متذکرہ بالا قوموں کا ہوا ہے۔

جن قوموں کا یہاں ذکر ہوا ہے ان میں سے کوئی قوم بھی ایسی نہ تھی جس کو قریش اور اہلِ عرب کسی نہ کسی حد تک جانتے نہ ہوں۔البتہ ان میں اصحابُ الرس ایسے ضرور ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں صرف دو مرتبہ ہوا ہے۔اس سے پہلے سورۃ الفرقان کی آیت ۳۸ میں اور اب دوسری مرتبہ یہاں اس کا ذکر فرمایا گیا۔لیکن دونوں جگہ نام کے سوا کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔عرب کی روایات میں الرس کے نام سے دو مقام معروف ہیں۔ایک نجد میں اور دوسرا شمالی حجاز میں۔لیکن یہاں کون سا مقام مراد ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔بعض لوگوں نے الرس کا ترجمہ کنواں کیا ہے۔اور پھر اس پر یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ کوئی ایسے پیغمبر ہیں جنہیں ان کی قوم نے کنویں میں لٹکا دیا تھا۔لیکن یہ روایت مصدقہ نہیں اور ویسے بھی اگر الرس کا ترجمہ کنواں بھی کیا جائے تو تب بھی ضروری نہیں کہ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ انہیں کنویں میں لٹکایا گیا تھا۔بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الرس نام کا کوئی کنواں تھا جس پر ایک قوم آباد تھی۔کیونکہ عرب میں بعض چشموں اور کنویں پر بعض قبائل آباد ہو جاتے تھے جو بڑھتے بڑھتے قوم کی شکل اختیار کر جاتے تھے۔تو چونکہ ان کی آبادی کا آغاز کنویں پر ہوتا تھا اس لئے انہیں ہمیشہ کنویں والے کہہ کر ہی پکارا جاتا تھا۔یہاں بھی ایسا ہونا ممکن ہے۔البتہ اس کا ذکر چونکہ قومِ نوح کے بعد آیا ہے اس لئے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ ان کا تعلق قدیم اقوامِ بائدہ سے ہے جن کا زمانہ قبل از تاریخ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

قومِ تُبَّع سے عرب پوری طرح واقف تھے۔سورۃ سبا میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔تُبَّع بنو حمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔اور یہ قومِ سبا کی ایک شاخ کہے جاتے ہیں۔

پیشِ نظر آیت میں تکذیب کرنے والی قوموں کا ذکر ہوا،لیکن فرعون کا ذکر کرتے ہوئے اس کی قوم کا ذکر نہیں کیا گیا۔حالانکہ صرف فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب نہیں کی بلکہ اس کی قوم نے بھی کی۔اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرعون نے اپنی قوم پر ایسی آمریت قائم کر رکھی تھی کہ قوم کے افراد کی کوئی آزادانہ رائے اور عزیمت باقی نہیں رہی تھی۔جبر اور استبداد نے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف کر دی تھیں۔وہ فرعون کے دماغ سے سوچتے اور پھر اس کی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔اس لئے قرآنِ کریم نے اس صورتحال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ''فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور اس نے ان کو ٹھیک راہ نہ دکھائی۔'' اس صورتحال کی وجہ سے یہاں اس کی قوم کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۵

(کیا ہم پہلی بار تخلیق کرنے سے عاجز رہے بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کی طرف سے شک میں مبتلا ہیں۔ ۱۵)

Marfat.com

نقشِ اول سے نقشِ ثانی کے وجود پر استدلال

آیت گیارہ کے مضمون ہی کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اولاً تو دلائل کے ساتھ ہم آخرت کے وقوع کو واضح کر چکے ہیں۔لیکن جو لوگ اب بھی اس سامنے کی بات کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں ہمارا ان سے سوال یہ ہے کہ تم خود اس بات کے قائل ہو کہ زمین اور آسمانوں کے خالق ہم ہیں۔کائنات کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جسے ہمارے سوا کسی اور نے پیدا کیا ہو۔تو کیا ہم جب پہلی مرتبہ کائنات کو تخلیق کر رہے تھے تو تمہارے خیال میں تخلیق کے کسی مرحلے میں ہمارا عجز ظاہر ہوا۔ بلکہ تم عقیدہ رکھتے ہو اور یہ صحیح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کسی بڑے یا چھوٹے کام کو کرنا اور کسی چیز کو وجود دینا صرف ایک حکم کا طالب ہے۔اس کے ''کُن'' کہنے سے ہر چیز وجود میں آئی ہے تو کیا اس کی قوتِ تخلیق اب عجز کا شکار ہوگئی ہے کہ وہ مخلوق کو از سرِ نو زندہ نہیں کر سکتا۔حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار بنانا مشکل ہوتا ہے،نقشِ ثانی میں تو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔لیکن یہ لوگ تخلیق کے مرحلے میں ایسے الجھ کے رہ گئے ہیں کہ خود اپنے ہی عقائد کیخلاف اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۭ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۨ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ

Marfat.com

بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

رکوع: ۲۔ (اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کے جی میں گزرتے ہیں، اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ۱۶) جبکہ دو اخذ کرنے والے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے اخذ کرتے رہتے ہیں۔ ۱۷) کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا مگر اس کے پاس ایک مستعد نگران موجود ہوتا ہے۔ ۱۸) اور موت کی جاں کنی حق لے کر آ گئی، یہ ہے وہ چیز جس سے تو بھاگتا تھا۔ ۱۹) اور صور پھونکا جائے گا، وہ ہماری وعید کا دن ہوگا۔ ۲۰) ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا۔ ۲۱) تو اس سے غفلت میں تھا ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا اور آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ ۲۲) اور اس کا ساتھی کہے گا یہ جو میری تحویل میں تھا حاضر ہے۔ ۲۳) تم دونو پھینک دو جہنم میں ہر ناشکرے کو جو حق سے عناد رکھنے والا ہے۔ ۲۴) خیر سے روکنے والے، حد سے تجاوز کرنے والے اور مبتلائے شک کو۔ ۲۵) جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنایا، پس تم پھینک دو ان کو سخت عذاب میں۔ ۲۶) اس کا ساتھی کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا، بلکہ یہ خود پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ ۲۷) ارشاد ہوگا، اب میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں نے پہلے ہی تمہیں اپنی وعید سے آگاہ کر دیا تھا۔ ۲۸) میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ ۲۹)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

(اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کے جی میں گزرتے ہیں، اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ۱۶)

مشرکین کے اشتباہات کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے علم سے استدلال

قیامت کو تسلیم کرنے کی راہ میں مشرکین کیلئے جو خیالات رکاوٹ بنے ہوئے تھے ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ بے شمار انسان مختلف وقتوں میں مرکھپ چکے ہیں اور ان میں سے بیشتر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں دفن ہوئے اور ان کے جسم کے اجزا کہاں کہاں بکھر گئے۔ اور پھر کتنے ایسے ہیں جنہیں قبریں تک نصیب نہ ہوسکیں۔ آخر ان سب کو ایک دن کس طرح از سرِ نو زندہ کر کے ان کے اپنے جسموں کے ساتھ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کا جواب اس سے پہلے آیت نمبر چار میں گزر چکا ہے۔ اور دوسرا اشکال جو قیامت کے انکار میں ان کیلئے بہت بڑی دلیل تھا وہ یہ تھا کہ انسان خلوت و جلوت میں بے شمار افعال کرتا ہے اور بے شمار اقوال کا صدور اس

Marfat.com

سے ہوتا ہے۔ آخران اقوال واعمال کا ریکارڈ کس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور کس طرح قیامت میں پیش کیا جاسکے گا۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کے اقوال واعمال تو دور کی بات ہے، ہم تو یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کس طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، کس طرح کے احساسات جنم لیتے ہیں، اس کے قلب ودماغ کی بدلتی ہوئی حالتیں بھی ہمارے سامنے ہمیشہ نمایاں رہتی ہیں، ہم اس کے جسم کے جوڑ جوڑ اور بند بند سے بھی واقف ہیں اور اس بات سے بھی کہ ان اعضاء سے کس طرح کام لیا جاتا ہے اور یہ کہاں کہاں کارآمد ہوتے ہیں۔ تو پھر ہمارے بارے میں یہ گمان کرنا کہ ہم اس کے اقوال واعمال کو نہیں جانتے اور اس کا ریکارڈ ہمارے پاس نہیں ہوگا، سراسر احمقانہ بات ہے۔ اسی لئے ایک جگہ تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ''کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا۔'' یعنی خالق ہی اپنی مخلوق کی جزئیات سے واقف نہ ہو، یہ کس قدر غیر معقول بات ہے۔ اور اسی کی تائید میں مزید یہ بات فرمائی گئی ہے کہ ہم تو ہر انسان کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں یعنی جس طرح جان جسم کی کسی حرکت سے بے خبر نہیں ہو سکتی تو ہم چونکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہیں تو ہم اس کے کسی قول وعمل اور کسی احساس سے غافل کیسے ہو سکتے ہیں اور اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جب ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں تو وہ ہماری گرفت سے آزاد کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تو ہر وقت اپنے علم اور قدرت سے اس کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اور پھر ظاہر ہی ہمارے سامنے نہیں اس کا باطن بھی ہمارے سامنے ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں آخران اشکالات کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے جو مشرکین قیامت کے حوالے سے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾

(جبکہ دو اخذ کرنے والے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے اخذ کرتے رہتے ہیں۔ ۱۷) کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا مگر اس کے پاس ایک مستعد نگران موجود ہوتا ہے۔ ۱۸)

لوگوں کے اعمال واقوال کو ریکارڈ رکھنے کا اہتمام

یوں تو اللہ تعالیٰ کا اپنا علم تمام انسانوں کے اقوال وافعال کا ریکارڈ رکھنے کیلئے سب سے مستند ذریعہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دنیا کے عدالتی طریقِ کار کی طرح جس کا انسان عادی ہے یہ اہتمام بھی کیا کہ کوئی شخص بھی جب کوئی عمل کرتا ہے یا کوئی بات کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے دو فرشتے فوراً اسے اخذ کر لیتے ہیں، یعنی اس کو ثبت کرتے اور محفوظ کرتے ہیں اور آدمی کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکلتا مگر ان ہی میں سے ایک مستعد نگران فوراً اسے لکھ لیتا اور محفوظ کر لیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان فرشتوں کے محفوظ کرنے کی حقیقت اور اس کا طریقہ کیا ہے، کوئی انسان بھی اس کی تفصیل سے آگاہ نہیں۔ کیونکہ یہ عالمِ غیب کی باتیں ہیں جنہیں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے جنہیں ہم سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جدید علم اور سائنس جن حقائق کو ہمارے سامنے لا رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی کوئی کام کرتا ہے یا کوئی بات کہتا ہے تو یہ فضاء، یہ زمین اور ہمارا گردوپیش اور پھر کرنے والے کے اعضاء وجوارح اس قدر حساس واقع ہوئے ہیں کہ فوراً ان تمام چیزوں

Marfat.com

کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن اسی فضاء اور اسی ماحول اور اعضاء و جوارح کو ایسی فلم کی شکل دے دی جائے گی کہ جو ہمارے آنکھوں کے سامنے چلے گی اور ہم اپنے کئے ہوئے اعمال اور کہے ہوئے اقوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں گے۔ آدمی جو کچھ دیکھتا ہے اس کی آنکھوں پر اس کی تصویر مرتسم کر دی جاتی ہے۔ اور جو سنتا ہے وہ اس کے کانوں پر ثبت ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن ہر عمل اور ہر تصویر مجسم شکل میں ہمارے سامنے لا کر دکھائی جائے گی جس سے ہم ایک ایک تفصیل سے آگاہ ہو سکیں گے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ فنگر پرنٹس کے ذریعے بعض حقائق کا سراغ لگایا جاتا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو ہاتھ لگاتا ہے وہی چیز اس کیلئے گواہ بن جاتی ہے۔ لیکن آج ہم اپنے آلات کی احتیاج کی وجہ سے چند چیزوں پر یہ عمل دیکھ سکتے ہیں، لیکن فرشتے ایسے کسی نارسائی اور کمزوری کا شکار نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ پوری تفصیلات کو گواہوں کی گواہی کے مطابق محسوس شکل میں بھی انسانوں کو دکھا دیں گے۔ اور قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے جرائم کو سخن سازی سے بدلنا چاہے گا اور جھوٹ کا سہارا لے گا تو اس کی زبان پر مہر کر دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ سے بات کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار محض اپنے علم کی بنا پر کسی شخص کو جزاء اور سزا نہیں دے گا بلکہ دو فرشتے گواہی دیں گے، اس کے اعضاء گواہی دیں گے، جہاں اس نے عمل کیا ہے وہ فضاء اور وہ جگہ اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گی۔ تب اس شخص کے بارے میں پروردگار فیصلہ سنائیں گے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾

(اور موت کی جاں کنی حق لے کر آ گئی، یہ ہے وہ چیز جس سے تو بھاگتا تھا۔ ۱۹)

قیامت کی ایک شہادت

حق سے مراد وہی قیامت ہے جس کی خبر دینے کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسول تشریف لاتے ہیں اور مخالفین ہمیشہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ مخالفین کے اشکالات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ زندگی میں تم جیسے چاہو قیامت کا انکار کرو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسے ہی موت آتی ہے اور نزع کا کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس جاں کنی کے وقت میں انسان کو ان حقائق کا ادراک ہونے لگتا ہے جن کا وہ انکار کرتا تھا۔ وہ اپنے سامنے موت کے فرشتوں کو دیکھتا ہے، اسے عالمِ غیب کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں، اسے خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ میں جن چیزوں کو ماننے سے انکار کرتا تھا وہ تو حقیقت بن کر میرے سامنے موجود ہیں اور جس قیامت اور آخرت کو میں ایک انہونی چیز سمجھتا تھا اس کے آثار بھی سامنے دکھائی دیتے ہیں اور اسے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد میرا شمار کن لوگوں میں ہونے والا ہے۔ خوش بختی میرا مقدر بنے گی یا بدبختی میری عاقبت تباہ کر دے گی تو اس وقت زبانِ قال یا زبانِ حال سے اسے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ حقیقت جس سے تو بھاگتا اور کنی کتراتا تھا۔ تیری خواہش یہ تھی کہ شترِ بے مہار بن کر زندگی گزارے اور کسی جواب طلبی کا تجھے اندیشہ نہ ہو۔ اب دیکھ عالمِ آخرت تیرے سامنے ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾

(اور صور پھونکا جائے گا، وہ ہماری وعید کا دن ہوگا۔ ۲۰)

Marfat.com

موت کے بعد انسان کو عالمِ آخرت کا احساس تو ہوجاتا ہے لیکن عالمِ آخرت کے آنے تک وہ عالمِ برزخ میں ایک طویل انتظار میں رکھا جاتا ہے اب اسے عالمِ برزخ سے اس وقت اٹھنا ہے جب نفخ صور ہوگا۔ موت کے ساتھ چونکہ مہلتِ عمل ختم ہوجاتی ہے، اور کسی بھی عمل کے کرنے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اب تو صرف اپنے اعمال واقوال پر جزاء وسزا کا انتظار ہوتا ہے۔ گویا یوں سمجھئے کہ وہ جزاء وسزا جس کا وقوع قیامت کے دن ہوگا حقیقت میں وہ اسی دن شروع ہوجاتا ہے جب آدمی موت کا شکار ہوتا ہے۔ اس لئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کو موت آگئی اس کی تو قیامت آگئی، کیونکہ اب اس کے پاس مزید کچھ کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ نفخ صور کے بعد جب آدمی اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہوگا تو اسے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ وعید کا دن جسے تم بہت دور سمجھتے ہو۔ اب دیکھو تمہارے سامنے ہے۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾

(ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا۔ ۲۱)

محشر میں حاضری کا منظر

یعنی جیسے ہی نفخ صور کے بعد لوگ اپنے مرقدوں سے اٹھیں گے تو وہی دونوں فرشتے جو ان کے اقوال واعمال کا ریکارڈ تیار کرنے پر مقرر تھے لپک کر اپنے اپنے آدمی کا چارج لے لیں گے۔ ان میں سے ایک سائق بن جائے گا اور دوسرا شہید۔ سائق سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے ہانکتا ہوا محشر میں لے جائے گا۔ اور شہید سے مراد وہ گواہ ہے جس کے پاس اس کے اقوال واعمال کا پورا ریکارڈ ہوگا۔ بعض لوگوں نے اس سے مختلف معنی بھی مراد لئے ہیں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، فرشتے وہی ہوں جو ریکارڈ رکھنے پر مامور تھے یا کچھ مزید فرشتے، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ ہر شخص کو نہایت حفاظت اور نگرانی میں محشر میں پہنچادیا جائے گا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

(تو اس سے غفلت میں تھا ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹادیا اور آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ ۲۲)

پیشی کے وقت ایک تنبیہ

انسان جب محشر میں کھڑا قیامت کے ماحول کو دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمائے گا کہ تم اس دن سے غفلت میں پڑے رہے، اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور ان کے راستوں پر چلنے والوں نے ہر چند تمہیں سمجھایا لیکن تمہاری نگاہوں سے پردہ نہ اٹھ سکا۔ تم قیامت اور اس کے وقوع کو عقل سے بعید سمجھتے رہے۔ آج ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ اٹھادیا۔ اب دیکھ تیری نظر کتنی تیز ہے کس طرح اس ماحول کا ہر گوشہ تمہارے لئے بے نقاب ہوگیا ہے۔

Marfat.com

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾

(اوراس کا ساتھی کہے گا یہ جو میری تحویل میں تھا حاضر ہے۔ ۲۳)

قرین سے مراد؟

قرین سے مراد اس کا ساتھی ہے۔سوال یہ ہے کہ یہاں ساتھی سے مراد کیا ہے؟ اس سے مختلف مفہوم مراد لئے گئے ہیں۔لیکن جو بات سیاق وسباق سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے اور جو قتادہ اور ابن زید سے منقول بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جسے اس سے پہلے سائق کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔یعنی اسے اپنے مرقد سے اٹھتے ہی اس نے اپنی تحویل میں لے لیا، گویا اس کا محشر تک پہنچانا اس کی ذمہ داری ٹھہرا۔چنانچہ وہ ہانکتا ہوا اسے محشر میں لے گیا۔اب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کرتے ہوئے اس نے یہ عرض کیا کہ یہ ہے وہ شخص جس کی نگرانی مجھے سونپی گئی تھی اور میں اسے ہانکتا ہوا لے کر آیا ہوں، اب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور اس طرح سے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾

(تم دونو پھینک دو جہنم میں ہر ناشکرے کو جو حق سے عناد رکھنے والا ہے۔ ۲۴) خیر سے روکنے والے، حد سے تجاوز کرنے والے اور مبتلائے شک کو۔ ۲۵) جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنایا، پس تم پھینک دو ان کو سخت عذاب میں۔ ۲۶)

جب ایک ایک شخص کو فرشتے اپنی نگرانی میں میدانِ حشر میں پہنچا دیں گے جن میں سے ایک ہانکنے والا ہوگا اور دوسرا ان کا نامۂ عمل اٹھائے ہوئے ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اب تم دونوں انہیں جہنم میں ڈال دو۔لیکن اس سے یہ بھی مراد لی جاسکتی ہے کہ یہ دونوں فرشتے ان کو جہنم میں نہیں ڈالیں گے بلکہ ہر مجرم کو جہنم میں جھونکنے والے فرشتوں کے حوالے کر دیں گے تاکہ وہ ہر مجرم کو اس طبقے میں ڈالیں جو اس درجے کے مجرمین کیلئے خاص ہوگا۔

جہنم میں ڈالے جانے والے مجرمین کی صفات

سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان ہی مجرمین کا ذکر ہے جو بنیادی طور پر دو جرائم کا شکار تھے۔ایک تو وہ یہ بات ماننے کیلئے تیار نہ تھے کہ انسان کو ایک مکلّف مخلوق بنایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی معرفت انسانوں کو زندگی گزارنے کی ہدایات دی ہیں اور ہر انسان ان ہدایات کا پابند ہے۔قیامت کے دن ان ہی ہدایات پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔لیکن مشرکینِ عرب یہ ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ انسان اپنی زندگی گزارنے کیلئے آزاد چھوڑا گیا ہے جس پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے

Marfat.com

کہ ایک ایسے دن کا لانا جس میں اعمال کی جواب دہی کرنا پڑے سراسر نامعقول بات ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک انسان ایک شتر بے مہار ہے وہ جو چاہے سو کرے، اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی۔ دوسرا جرم ان کا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بعض دوسری قوتوں کو اس کی ذات یا اس کی صفات میں شریک کر چکے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو خالق اور مالک ماننے کے باوجود یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے حالات سے بے خبر کائنات کے کسی گوشے میں آرام کر رہا ہے اور اس نے اپنے اختیارات ان قوتوں کو سونپ دیئے ہیں جو اس کی صفات میں اس کے ساتھ شریک ہیں۔ چنانچہ پیشِ نظر آیاتِ کریمہ میں جن منکرات کا ذکر کیا گیا ان کی ترتیب فروع سے اصول کی طرف ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اصل ان کے جرائم تو یہ دو تھے لیکن جب بھی کوئی شخص شرک اور انکارِ قیامت جیسے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ باقی منکرات وہ ہیں جو ان اصولوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ جن میں پہلی برائی اور خرابی یہ ہے جسے کفّار کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کفر ناشکری کو بھی کہتے ہیں اور انکار کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔ اور کفار مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ناشکری اور انکارِ حق اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف منکرِ حق ہی نہیں بلکہ عنید بھی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اور اس کے رسولوں سے انتہا درجہ عناد اور دشمنی رکھنے والے ہیں۔ مزید فرمایا کہ یہ لوگ ہر خیر سے رکنے والے اور روکنے والے ہیں۔ خیر مال و دولت کو بھی کہتے ہیں اور ہر بھلائی کو بھی۔ اگر اس کا معنی مال و دولت لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے منکر اور معاند ہیں اسی طرح وہ بندوں کے حقوق کے معاملے میں بھی نہایت بخیل واقع ہوئے ہیں۔ نہ خود اللہ تعالیٰ کے بندوں کیلئے اپنے اندر کوئی جذبہ رکھتے ہیں اور نہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر خرچ کرتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرتے ہیں بلکہ طریقے طریقے سے انہیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر اس کا ترجمہ بھلائی کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہیں کوئی نیکی اور بھلائی پسند نہیں۔ ان کی طبیعت کا فساد منہ کا مزہ بگڑنے والے کی طرح ہر بھلائی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا پسند ہے اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے بندوں سے کسی طرح کی بھلائی کرنا اچھا لگتا ہے۔ مزید فرمایا کہ وہ معتدی بھی ہیں یعنی وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، ہر معاملے میں اخلاقی حدود توڑنے والے، اپنے مفاد اور اپنی اغراض کی خاطر سب کچھ کر گزرنے والے، نہ انہیں حلال و حرام کی پرواہ ہے اور نہ جائز و ناجائز کی۔ وہ رحم اور مروت کا مفہوم کھو چکے ہیں۔ انسانیت کی ہر قدر کو پامال کر کے ان کو سکون ملتا ہے۔ مزید فرمایا کہ وہ مریب ہیں۔ اس کا ایک معنی تو ہے شک کرنے والا۔ اور دوسرا معنی ہے شک میں ڈالنے والا۔ یعنی وہ خود بھی شک میں پڑے ہوئے ہیں اور دوسروں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ، آخرت، ملائکہ، رسالت اور وحی غرضیکہ دین کی تمام صداقتیں مشکوک ہیں۔ اور جب کوئی اس حوالے سے ان سے بات کرتا ہے تو وہ اس کے سامنے بھی اس طرح شک و ارتیاب کی باتیں کرتے ہیں کہ دوسرا بھی اس شک کا اثر لئے بغیر نہیں رہتا۔ ان فروع کو بیان کرنے کے بعد ان دو اساسی باتوں کو بیان فرمایا ہے یعنی انکارِ قیامت اور شرک، جن کی وجہ سے یہ سارے منکرات، عیوب اور رزائل ان میں پیدا ہوئے ہیں۔

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾

(اس کا ساتھی کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا، بلکہ یہ خود پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ ۲۷) ارشاد ہوگا، اب میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں نے پہلے ہی تمہیں اپنی وعید سے آگاہ کر دیا تھا۔ ۲۸)

Marfat.com

ہر مجرم کا اپنی گمراہی کا شیطان پر الزام اور شیطان کی تردید

قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین سے سرکشی اختیار کرتا ہے اور بڑھتے بڑھتے بیزاری تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی نصیحت اس پر اثر نہیں کرتی تو پروردگار اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے جو اس کا دوست بن کر اس کو ہر غلط کام کی طرف راغب کرتا ہے اور ہر برے راستے پر کھینچے لئے پھرتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ''اور جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔'' قیامت کے دن یہی شیطان جو ہر برے آدمی کا ساتھی ہے، برے انسانوں کی طرف جہنم میں ڈالا جائے گا اور وہ شخص جسے اس کی دوستی نے تباہ کیا اور ہر آئے دن اس کو نئی سے نئی گمراہی میں مبتلا کرتا رہا، جب اس کی نظر اس پر پڑے گی تو وہ چیخ اٹھے گا کہ یا اللہ یہ وہ شخص ہے جس نے مجھے تیرے دین کی طرف آنے نہیں دیا۔ اس لئے میرے جرائم کی سزا اسے ملنی چاہئے۔ اگر یہ مجھے نہ بگاڑتا تو بہت ممکن تھا کہ میں تیرا فرماں بردار بندہ بن جاتا۔ اور آج مجھے یہ براوقت نہ دیکھنا پڑتا۔ اس کی اس دہائی پر یہ شیطان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے گا کہ یا اللہ میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا، یہ تو سرکشی اور تیری نافرمانی میں خود ہی بہت دور نکل چکا تھا۔ میں نے تو صرف یہ کیا ہے کہ اس کی سرکشی اور گمراہی کو اس کے دل میں مزین کر دیا۔ اور جن برائیوں کا یہ شکار ہو چکا تھا وہ برائیاں اس کے اندر راسخ کر دیں۔ آج یہ جس انجام میں مبتلا ہے اس نے خود اس کا سامان کیا۔ اس کی تباہی کا میں ذمہ دار نہیں بلکہ یہ خود اپنی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ پروردگار اس کے جواب میں ارشاد فرمائے گا کہ میرے دربار میں یہ جھگڑا بند کرو، یہ جہنم سزا کی جگہ ہے تمہارے شور مچانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ رہی یہ بات کہ تم اس کے بہکانے سے بہکے ہو، تو ہم تو اپنے رسولوں کی معرفت پہلے ہی یہ بات واضح کر چکے تھے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کی جزاء یا سزا ملے گی۔ جس نے بہکایا اس کو بہکانے کی سزا ملے گی اور جو کسی کے بہکانے سے بہک گیا تو اسے بہکنے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ کیونکہ ہم نے ان دونوں کو عقل دی اور ہدایت کیلئے دونوں کی طرف اپنے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ اس لئے یہاں کوئی کسی کی گمراہی کا ذمہ دار نہیں بلکہ یہاں ہر شخص اپنی بدعملی کا ذمہ دار ہے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

(میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ ۲۹)

پروردگار کی ڈانٹ اور حکم کے قطعی ہونے کا ذکر

مزید ارشاد فرمایا گیا ہے جو کسی حد تک سابقہ آیت کی وضاحت ہے کہ میں جب کسی کی سزا کا اعلان کر دیتا ہوں تو میں اس کے شور مچانے سے اس کو بدلتا نہیں۔ کیونکہ میرا کوئی فیصلہ عدل اور راستی سے ہٹا ہوا نہیں۔ اور مزید یہ بات بھی کہ میں جن باتوں پر سزا دے رہا ہوں ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جس سے یہ مجرمین باخبر نہ ہوں۔ ان کو ہر طرح کے عمل کی جزاء اور سزا سے پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ تو پھر اب ایک دوسرے پر الزام دھرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ تمہیں جو سزا دی گئی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا ثمرہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ کیونکہ پروردگار فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں کیلئے ظالم نہیں ہوں۔ یہاں لفظ اگرچہ ظالم کی بجائے ظلام آیا ہے جو اسم مبالغہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب مبالغہ پر نفی آتی ہے تو اس سے مقصود مبالغہ فی النفی ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں ظلام کا معنی بہت ظلم کرنے والا نہیں بلکہ اس کا معنی ہے کہ میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

Marfat.com

یَوْمَ نَقُوْلُ

لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَاُزْلِفَتِ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ
حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾
ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا
مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا
فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى
لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾
فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ
قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ
يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ
يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ
الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

Marfat.com

رکوع: ۳۔ (اس دن کو یاد کرو جس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔
۳۰) اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی، کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ ۳۱) یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کیلئے جو بہت رجوع کرنے والا اور بہت حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والا تھا۔ ۳۲) جو بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا، اور متوجہ رہنے والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔ ۳۳) داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ، یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ ۳۴) وہاں ان کیلئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔
۳۵) ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں تو وہ دوسرے ملکوں میں پناہ کی تلاش میں چل کھڑی ہوئیں کہ ہے کوئی جائے پناہ۔ ۳۶) بے شک اس میں عبرت ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس دل ہو یا جو کان لگائے متوجہ ہو کر۔ ۳۷) اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی۔ ۳۸) پس اے نبی! جو کچھ یہ کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہئے طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے۔ ۳۹) اور رات کے وقت پھر اس کی تسبیح کیجئے، اور سجدہ ریزیوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی۔ ۴۰) اور غور سے سنو جس دن منادی بہت قریب کی جگہ سے پکارے گا۔ ۴۱) جس دن وہ سنیں گے اس چیخ کو ٹھیک ٹھیک، وہ دن مردوں کے نکلنے کا دن ہوگا۔ ۴۲) بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہماری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔
۴۳) اس دن زمین ان کے اوپر سے کھل جائے گی اور وہ تیزی سے اس کے اندر سے نکلیں گے، یہ حشر ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ ۴۴) اے پیغمبر! ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، ہم نے آپ کو ان پر جبار نہیں بنایا، پس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو نصیحت کریں جو میری بعید سے ڈرتا ہو۔ ۴۵)

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ۝٣٠

(اس دن کو یاد کرو جس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ ۳۰)

اللہ تعالیٰ کا جہنم سے سوال اور جہنم کے جواب کا مفہوم

یوں تو جہنم ایک بہت بڑا آتش کدہ ہے جسے تمام مجرمین کی سزا کیلئے بنایا گیا ہے۔ جس طرح زمین پر انسانوں کے قیام کے دورانیہ کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ قیامت کے دن محشر میں لائے جانے والوں کی تعداد کیا ہوگی جنہیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اسی طرح کوئی شخص اس کا بھی اندازہ نہیں کر سکتا کہ جہنم کی وسعت کا عالم کیا ہوگا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہ امرِ واقعہ ہے کہ جہنم ایک ایسی مخلوق ہے جس میں بظاہر نہ روح ہے اور نہ احساس۔ ظاہر ہے کہ ایسی مخلوق سے کوئی بات پوچھی نہیں جا سکتی، اور اگر پوچھی جائے تو وہ جواب نہیں دے سکتی۔ جیسے ہم پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں اور صحراؤں سے مکالمہ نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ محض مجازی کلام ہے اور امرِ واقعہ کو الفاظ کی تعبیر دی گئی ہے جیسے ہم بعض دفعہ کسی منظر کو مکالمے کی شکل میں پیش کرتے ہیں تو وہ حقیقت نہیں سراسر مجاز ہوتا

Marfat.com

ہے۔لیکن بعض لوگوں نے اسے حقیقت ٹھہراتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ اور جہنم کے درمیان یہ مکالمہ ہوگا۔حقیقت سے تو اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، امکان دونوں باتوں کا ہے۔لیکن اگر کوئی شخص اسے محال قرار دے کر مجاز قرار دیتا ہے تو اس کے ذہن سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ ممکن اور ناممکن یا محال کی بحث ہمارے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں۔تمام جمادات و نباتات اور تمام بے روح مخلوقات جب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ اپنی تسبیح سے واقف ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تسبیح کو سنتا بھی ہے تو پھر اللہ کریم سے ان کا باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیسے بعید ہوسکتا ہے۔وہ اگر قیامت کے دن اعضائے جسمانی کو نطق کی طاقت دے سکتا ہے تو جہنم سے سوال و جواب بھی کر سکتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ جب جہنم سے یہ پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی ہے تو اس کا جواب دو طرح کے احتمالات رکھتا ہے۔ایک تو یہ کہ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ سے یہ مراد ہو کہ میرے اندر تو مزید کسی مجرم کے داخل کرنے کی گنجائش نہیں، میرے کنارے تو پہلے ہی مجرمین سے اچھلنے لگے ہیں اور مجرمین کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے انہیں میرے اندر پوری طرح ٹھونسا گیا ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نہایت غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہے گی کہ مجھے آج ان مجرمین کو نگلنے کا موقع ملا ہے، میں ان کو اپنے اندر سمیٹنے کے بعد پوری طرح عذاب کا مزہ چکھانا چاہتی ہوں۔اس لئے جتنے آپ چاہیں اور مجرمین کو لے آئیں، میرے یہاں کوئی تنگی نہیں۔سیاقِ کلام کو دیکھتے ہوئے دوسرا معنی زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوری طرح جلال میں ہوگا اور وہ پورے غیظ و غضب سے جہنم سے یہ سوال کرے گا تو اس کے جلال کا اثر جہنم پر بھی پڑے گا اور وہ بھی سرتاپا غضب بن کر جواب دے گی۔اور اس طرح محشر کی پوری فضاء اللہ تعالیٰ کے جلال سے معمور ہوجائے گی۔اور قرآنِ کریم کی بعض دیگر آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جہنم جوشِ غضب سے پھٹی پڑ رہی ہوگی۔جوشِ غضب میں جو جواب دیا جائے گا وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے غضب سے مطابقت رکھنے والا ہوگا۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾

(اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی، کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ ۳۱)

اہلِ تقویٰ کی عزت افزائی

اہلِ جہنم کے ذکر کے بعد اب متقیوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں تقویٰ کی زندگی گزاری اور ان کے پیشِ نظر دنیا نہیں بلکہ ہمیشہ آخرت رہی ہے۔اور ان کی زندگی کا ہدف سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول رہا۔تو جب یہ لوگ حشر میں لائے جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ کی عدالت سے یہ فیصلہ ہوجائے گا کہ فلاں شخص متقی ہے اور جنت کا استحقاق اس کیلئے ثابت ہوگیا ہے تو فوراً اس کے ساتھ اکرام کا سلوک ہوگا اسے ادا کرنے کیلئے تشریف و تکریم کے الفاظ بھی قاصر ہیں۔دنیا میں بڑی سے بڑی عزت افزائی کسی شخص کو شاہی محل میں لے جانا ہے۔وہ کہیں بھی ہو اسے پیدل یا کسی نہایت معزز سواری کے ذریعے اس عزت والی جگہ لے جایا جاتا ہے جو اس کی عزت افزائی کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ شاہی محل یا کوئی بہت بڑی عزت کی جگہ معزز مہمان کے خیر مقدم کے طور پر خود اس کے قدموں میں پہنچ جائے۔لیکن جنت میں ایسا ہی ہوگا۔متقیوں کو جنت میں جانے کیلئے نہ چلنا پڑے گا اور نہ کسی سواری کی احتیاج ہوگی، بلکہ خود جنت آگے بڑھ کر ان کے قدم لے گی۔جس طرح مظلوموں کے بارے میں کہا گیا ہے:

Marfat.com

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اسی طرح جنت کو بھی پیشکش کے طور پر متقیوں کے سامنے لایا جائے گا۔اور یوں معلوم ہوگا کہ جنت ان سے دور نہ تھی اور وہ ایک قدم اٹھائیں گے تو دوسرا قدم ان کا جنت میں ہوگا۔عقل کے پرستاروں کو یہ منظر عجیب معلوم ہوگا۔لیکن اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عالمِ آخرت میں زمان ومکان کے تصورات ہماری اس دنیا کے تصورات سے مختلف ہوں گے۔وہاں سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوگا۔اسباب اپنی روایت کھو دیں گے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾

(یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کیلئے جو بہت رجوع کرنے والا اور بہت حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والا تھا۔ ٣٢)

آیت میں فعل مضارع سے پہلے عربیت کے قاعدے کے مطابق فعل ناقص محذوف ہے۔اصل عبارت یوں ہے مَا كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یعنی دنیا میں رسولوں کی معرفت اہلِ تقویٰ سے جس جنت کا وعدہ کیا جاتا تھا یہ وہی جنت ہے۔جنت چونکہ مؤنث ہے اس لئے یہاں جنت سے صلہ اور انعام مراد ہے۔اس تاویل کی رو سے هٰذَا کا اشارہ جنت کی طرف صحیح ہے۔

تقویٰ سے پیدا ہونے والی صفات کے حاملین کا ذکر

جس طرح اس سے پہلے اہلِ جہنم کی دو بنیادی صفات کا ذکر کرنے سے پہلے ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو ان بنیادی صفات سے خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور پھر ان کے حاملین کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اسی طرح یہاں بھی متقیوں کے انعام واکرام کے ذکر کے بعد ان صفات کے حاملین کا ذکر کیا گیا ہے جو صفات تقویٰ کے نتیجے میں پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔اس لئے فرمایا کہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی دولت عطا فرمائی ہے ان میں یقیناً ان صفات کے حامل لوگ پیدا ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جنہیں اواب فرمایا گیا ہے۔اس سے مراد ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کا راستہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی کا راستہ اختیار کیا۔اور ہر اس چیز سے تائب ہوگیا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔اور وہ چیز اس کی زندگی کا معمول بن گئی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔وہ کسی حال میں بھی ہو اس کا دل ہمیشہ اپنے اللہ کی طرف راغب رہتا ہے اور کبھی اس سے ہٹنے کا تصور بھی نہیں کرتا۔اور دوسرے جس کردار کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ حفیظ ہے اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جس طرح وہ اپنے رب کی طرف ہمیشہ رجوع رکھنے والا ہے، اسی طرح اس کے حدود و قیود کی پابندی کرنے والا بھی ہے۔یعنی اس کا دل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راغب رہتا ہے اور اس کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی شریعت کا پابند رہتا ہے۔گویا اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہے۔وہ اس کارزارِ حیات میں ایک بھرپور زندگی گزارتا ہے لیکن وہ زندگی کے ہنگاموں میں بھی نہ قلبی طور پر اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوتا ہے اور نہ عملی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

Marfat.com

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِۨ ﴿۳۳﴾

(جو بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا، اور متوجہ رہنے والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔ ۳۳)

اور تیسری صفت اس کی یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ رحمٰن کو دیکھ نہیں سکتا اور رحمٰن اسے کہیں دکھائی نہیں دیتا اور نہ اپنے حواس کے ذریعے اس کو محسوس کر سکتا ہے، لیکن اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرتا ہے۔ دوسری محسوس طاقتیں جن کی قوت و شوکت اور جن کے نافع و ضار ہونے کے شواہد اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ لیکن اگر وہ رحمٰن کی نافرمانی کی طرف اسے بلاتی ہیں تو وہ ان سے نہیں ڈرتا بلکہ رحمٰن سے ڈر کر اس کے احکام کی ہمیشہ بجا آوری کرتا ہے۔ اس کیلئے سب سے بڑا نقصان نفع و نقصان کے دوسرے حوالوں سے نہیں بلکہ رحمٰن کی ناراضگی ہے اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ رحمٰن ہے اور وہ بڑا رحیم و کریم ہے، اس کی رحمت ہمیشہ اس کے غضب پر حاوی رہتی ہے۔ لیکن اس تصور کے باوجود اور اس کی رحمت کے بھروسے پر کبھی گناہ کے ارتکاب کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ جس طرح وہ غفور و رحیم ہے اسی سے طرح اس کا عذاب، عذابِ الیم بھی ہے۔ اس لئے وہ کبھی گناہ پر جری نہیں ہوتا اور رحمٰن کی ہیبت سے لرزاں اور ترساں رہتا ہے۔

ممکن ہے کہ رحمٰن سے ایک بہت بڑی حکمت کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہو۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک دن ایسا لائے جس میں ان لوگوں کو جزاء دی جائے جنھوں نے دنیا میں اواب اور حفیظ بن کر زندگی گزاری۔ اور ان لوگوں کو سزا دی جائے جنھوں نے کفار اور عنید بن کر اللہ تعالیٰ کی زمین کو فساد سے بھر دیا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو اس کے نزدیک نیکی اور بدی، ظلم اور عدل دونوں برابر ہیں۔ حالانکہ یہ بات اس کی رحمانیت کے بالکل منافی ہے۔

اور چوتھی صفت اس کی یہ ہے کہ وہ قلبِ منیب لے کر آیا۔ اس سے مراد وہ دل ہے جو رنج و راحت اور امید و بیم ہر حال میں اپنے رب کی طرف متوجہ رہا۔ کسی حال میں بھی کسی دوسرے سے لو لگانے کی جسارت نہیں کی، بلکہ اس کے دل نے کبھی اسے گوارا نہ کیا کہ کسی دوسرے کی پرچھائیں بھی اس پر پڑنے پائے۔

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ ﴿۳۵﴾

(داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ، یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ ۳۴) وہاں ان کیلئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔ ۳۵)

ان صفات کے حاملین کا اعزاز

ان صفات کے حاملین سے کہا جائے گا کہ اس جنت میں داخل ہو جاؤ سلام کے ساتھ۔ سلام کے دو معنی ہیں ایک ہے سلامتی، اور دوسرا ہے وہ اصطلاحی سلام جسے ہم آپس میں ملتے ہوئے زبان سے ادا کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے دونوں معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ سورۃ حجر میں ارشاد ہے اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ''اس جنت میں داخل ہو جاؤ کامل سلامتی کے ساتھ، ہر اندیشے سے بے خوف ہو کر'' یعنی نہ اس میں تمہارے لئے ماضی کا کوئی پچھتاوا ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ ابدی راحتوں کا جو وعدہ تم سے

Marfat.com

کیا گیا تھا یہ اس کا ایفاء کیا جا رہا ہے۔ اور قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے انہیں اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچائیں گے اور تہنیتی کلمات سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ جس دن اہلِ جنت، جنت میں داخل ہوں گے وہ ہمیشگی اور حیاتِ ابدی کا آغاز ہوگا جسے کبھی زوال نہیں آئے گا۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ اہلِ جنت کو جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے اور یہ ایک ایسا انعام ہے دنیا میں جس کی مثال ممکن نہیں۔ بڑے سے بڑا دولت منداور بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کبھی اس بات کی توقع نہیں کرسکتا کہ زندگی میں اس کی چاہتیں پوری ہوسکتی ہیں۔ وقت کا سکندر بھی محرومیاں ساتھ لے کر دنیا سے جاتا ہے۔ لیکن اہلِ جنت جس چیز کی بھی خواہش کریں گے وہ پوری کردی جائے گی۔ وہاں ناممکنات کا تصور ختم کردیا جائے گا۔ بلکہ ساتھ ہی فرمایا کہ اہلِ جنت کی چاہتیں اور خواہشیں انتہا کو پہنچ جائیں گی۔ ان سے اگر پوچھا جائے گا تو وہ مزید کسی خواہش کا اظہار نہیں کرسکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے جو انسان کے تصورات سے بھی ماوراء ہے۔ دوسری جگہ شاید اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ''پس کوئی نہیں جانتا کہ اس کیلئے آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔'' (السجدة ١٧)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾

(ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں تو وہ دوسرے ملکوں میں پناہ کی تلاش میں چل کھڑی ہوئیں کہ ہے کوئی جائے پناہ۔ ٣٦)

قریش کو تنبیہ

اب تاریخ کا آئینہ دکھا کر قریش کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ انہیں بڑی قوت وشوکت حاصل ہے اس لئے انہیں اپنی جگہ سے کون ہلاسکتا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں ایسی گزری ہیں جو قوت وطاقت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ وہ اپنے وسیع ملک رکھتی تھیں اور بڑی بڑی فوجیں ان کی قوت کا سروسامان تھیں۔ پھر ان کے ملکوں میں فصلیں لہلہاتیں اور مختلف قسم کے پھل پیدا ہوتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت کو ماننے سے انکار کردیا تو آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ بڑے بڑے لوگ مارے گئے، جو باقی بچ رہے وہ دوسرے ملکوں میں پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے کہ انہیں کہیں جائے پناہ مل سکے تاکہ وہ اپنا سر چھپاسکیں۔ کیا قریش اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر ایسا ہی کوئی حادثہ گزرے جس میں یا تو یہ موت کا شکار ہوجائیں اور یا دوسرے ملکوں میں پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔

نَقَّبَ فِي الْاَرْضِ کے معنی اہلِ لغت کے نزدیک سَارَ فِيْهَا طَلَبًا لِلْمَهْرَبِ کئے ہیں۔ یعنی وہ زمین میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ اس آیت میں بھی نَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ کا یہی مفہوم ہے۔

Marfat.com

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ﴿۳۷﴾

(بے شک اس میں عبرت ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس دل ہو یا جو کان لگائے متوجہ ہو کر۔ ۳۷)

عبرت حاصل کرنے کیلئے مطلوبہ صفات

اس آیت میں ذٰلِکَ کا اشارہ ان قوموں کی تباہی کی طرف ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں کی تاریخ سے قریش بہت حد تک واقف تھے۔ اسی لئے بجائے ان کی تاریخ بیان کرنے کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کی تاریخ میں ان لوگوں کیلئے بہت عبرت کا سامان ہے۔ یہ ان قوموں کی قوت سے واقف ہیں۔ ان کے بڑے بڑے ملکوں اور مضبوط حکومتوں کی باتیں بھی انہوں نے سن رکھی ہیں اور پھر آج ان کے کھنڈرات سے گزرتے ہوئے ان کی بے بسی کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ دیکھنے والے کیلئے اس میں بلاشبہ عبرت کا سامان ہے۔ یہ بھی چاہیں تو اس سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ عبرت کے حصول کیلئے اولاً تو دلِ بیدار ہونا چاہئے اور اگر اس میں کمی ہو تو ایسے کان ہونے چاہئیں جو سماعِ قبول سے بہرہ ور ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ اولاً تو سننے والا کسی اچھی بات کی طرف کان ہی نہ دھرے اور اگر بظاہر وہ کسی کی نصیحت پر کان لگائے تو دماغ اس کا کہیں اور گھوم رہا ہو۔ وہ بجائے اس کی بات پر متوجہ ہونے کے دل اور کانوں کے فاصلوں میں الجھا رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا دل اسی شخص کو نصیب ہو سکتا ہے جو زندگی کے حقائق پر غور و فکر کرنے کا عادی ہو۔ جسے اپنے انجام کی فکر اور اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی آیات کو دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق میسر ہو۔ یہی وہ دل ہے جسے دلِ بیدار کہا جاتا ہے۔ اور جس شخص میں نہ دنیوی حقائق کو دیکھنے کی تمنا اور نہ اخروی حقائق کو جاننے کی خواہش ہو وہ دل بیدار نہیں بلکہ مردہ ہے۔ ایسا دل ظاہر ہے قوموں کی تاریخ سے تو کیا فائدہ اٹھائے گا گردوپیش میں پھیلی ہوئی نشانیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اس لئے اقبال نے کہا:

دل کا نور کر خدا سے طلب
آنکھ نور دل کا دور نہیں

اور یہ بھی کہا:

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾
فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾
وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

(اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی۔ ۳۸)
پس اے نبی! جو کچھ یہ کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیے طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے۔ ۳۹) اور رات کے وقت پھر اس کی تسبیح کیجئے، اور سجدہ ریزیوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی۔ ۴۰)

Marfat.com

منکرین کی ایک دلیل کا جواب اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

پیشِ نظر پہلی آیتِ کریمہ میں قیامت کے منکرین کی بہت بڑی دلیل کا رد بھی ہے اور نبی کریم ﷺ کیلئے تسکین و تسلی بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اہلِ کتاب کے ایک تصور پر طنز اور تعریض بھی ہے۔ منکرینِ قیامت کا کہنا یہ تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بڑی کائنات کو ایک دفعہ تباہ کر دیا جائے اور پھر اس کی بساط دوبارہ بسائی جائے، انسانوں کو زندہ کیا جائے اور انہیں جواب دہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے۔ نہ تو اس کائنات کی تباہی ممکن ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو دوسری زندگی کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم خود اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان تمام بے شمار مخلوقات کو ہم ہی نے پیدا کیا ہے۔ تو کیا اس تخلیق میں ہماری کسی نے مدد کی تھی یا ہم اس کی تخلیق سے عاجز آ گئے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم نے اس کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہم مختلف مواقع پر اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اس سے مراد تخلیقِ کائنات کے چھ ادوار ہیں۔ البتہ ان مختلف ادوار میں تخلیقِ کائنات کی تکمیل کی مصلحتیں اور حکمتیں کیا تھیں وہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ اس سے ایک بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کائنات از خود وجود میں نہیں آئی اور نہ کسی کھلنڈرے کی تفریح کا نتیجہ ہے بلکہ چھ ادوار میں اس کی تخلیق اس کے اہتمام کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ یہ ایک بامقصد کارخانہ ہے جس میں کوئی چیز بھی بے مقصد پیدا نہیں ہوئی۔ اسی لئے اس میں خاص اہتمام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے بامقصد ہونے کے باوجود ایک دن ایسا نہ آئے جب انسانوں سے یہ پوچھا جائے کہ تم نے اس مقصد کے مطابق زندگی گزاری یا نہیں۔

وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم تخلیقِ کائنات سے ایسے تھکے ہوئے اور نڈھال نہیں ہیں کہ ہم دوبارہ کائنات کی بساط نہ بچھا سکیں اور جن و انس کو از سرِ نو زندگی دے کر محشر میں جواب دہی کیلئے کھڑا نہ کر سکیں، بلکہ ہماری طاقت و قدرت اسی طرح توانا اور تازہ ہے جیسے پہلے تھی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب پر تعریض ہے اس لئے کہ بائیبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ (پیدائش ۲:۲) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ چھ دنوں میں کائنات کو پیدا کرتے ہوئے پروردگار تھک گیا اور ساتویں دن اس نے آرام کیا تا کہ اس کی قوتِ کارکردگی بحال ہو جائے۔ اندازہ کیجئے کہ وہ کیسا خدا ہے جس پر تھکاوٹ طاری ہو جاتی ہے جبکہ تھک جانا، عاجز ہو جانا، بے بس ہو جانا موت کے آثار ہیں اور مخلوق کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر خالق ہے تو اس میں مخلوق کی صفات کیسے ہو سکتی ہیں۔ اب اگرچہ مسیحی پادری اس غلطی کو محسوس کرتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہوئے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتابِ مقدس کے اردو ترجمے میں تبدیلی کرتے ہوئے آرام کیا کی بجائے فارغ ہوا لکھا ہے۔ مگر کنگز جیمز کی مستند انگریزی بائیبل میں And he rested on the seventh day کے الفاظ صاف موجود ہیں۔ اور یہی الفاظ اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۴ء میں یہودیوں نے فلیڈلفیا سے شائع کیا ہے۔ عربی ترجمہ میں بھی ان ہی الفاظ کا لحاظ کیا گیا ہے۔ عربی ترجمہ یہ ہے **فاستراح فی الیوم السابع** "اللہ نے ساتویں دن آرام کیا۔"

دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ جو کچھ مشرکینِ مکہ کہہ رہے ہیں جس طرح آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور قیامت کا جس طرح مذاق اڑا رہے ہیں آپ اس پر دل گرفتہ نہ ہوں، آپ ان کی باتوں پر صبر کریں۔ وہ وقت دور نہیں جب حقیقت ان پر

Marfat.com

کھل جائے گی۔ اور لوگوں کی اکثریت اسے قبول کرلے گی اور ہر طرف اس دین کی بہار پھیل جائے گی۔ البتہ صبر کیلئے جس حوصلے اور توانائی کی ضرورت ہے اس کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے گہرے سے گہرا تعلق پیدا کریں۔ کیونکہ اس گہرے تعلق کے بغیر آدمی اہلِ دنیا کی باتوں پر صبر نہیں کرسکتا۔ اور مخالفتوں کے ہجوم میں ہر لحاظ سے دل کو مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ گہرا تعلق نماز کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ اس سے آدمی کو یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں خواہ اسے کیسے ہی دل شکن اور روح فرسا حالات سے سابقہ پیش آئے وہ کبھی بھی ان سے اثر قبول نہیں کرتا بلکہ پورے عزم کے ساتھ کلمۂ حق بلند کرنے میں لگا رہتا ہے۔ قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جہاں بھی حمد و تسبیح کو خاص اوقات کے ساتھ مخصوص کرتا ہے تو اس سے مراد نماز ہوتی ہے۔ یہاں بھی چند نمازوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی نماز ہے اور غروبِ آفتاب سے پہلے ظہر اور عصر کی دو نمازیں ہیں۔ اور پھر تیسری آیت میں فرمایا کہ رات کو پھر تسبیح کرو۔ اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور تہجد بھی اس میں شامل ہے۔ اور جب ان نمازوں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تسبیح کا حکم دیا گیا جس سے مراد بعض صحابہ کے نزدیک ذکر بعد الصلوٰۃ ہے اور بعض صحابہ کے نزدیک فرض کے بعد نفل ادا کرنا ہے۔ ذکر بعد الصلوٰۃ کی تائید میں مختلف روایات موجود ہیں جن میں صحیحین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ غریب مہاجرین نے حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مالدار لوگ تو بڑے درجے لوٹ لے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا وہ بھی نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں مگر وہ صدقہ کرتے ہیں جو ہم نہیں کرسکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جسے اگر تم کرو تو تم دوسرے لوگوں سے بازی لے جاؤ گے بجز ان کے جو وہی عمل کریں جو تم کرو گے۔ وہ عمل یہ ہے کہ تم ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا کرو۔ کچھ مدت کے بعد ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی یہ بات سن لی اور وہ بھی وہی عمل کرنے لگے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**۔ حدیث کی کتابوں میں ذکر بعد الصلوٰۃ کی متعدد صورتیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوئی ہیں، شوق رکھنے والے ان سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾

(اور غور سے سنو جس دن منادی بہت قریب کی جگہ سے پکارے گا۔ ۴۱)

قیامت کو مستحضر رکھنے کی ہدایت

تلقینِ صبر کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اس دن کو جھٹلاتے ہیں آپ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ آپ کا معمول یہ ہونا چاہئے کہ آپ برابر اس کی طرف کان لگائے رکھیں۔ کیونکہ ایک مومن کی اصل شناخت یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ پر اس بات کا گہرا اثر رہتا ہے کہ ایک نہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی شخص اس تصور سے بے نیاز ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں **وَاسْتَمِعْ** سے اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ سے خطاب فرما کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اسی تصور کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ یقین دلایا گیا ہے کہ جس دن

Marfat.com

پکارنے والا پکارے گا، تو یوں محسوس ہوگا کہ وہ کان میں پکار رہا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی شخص موت کا شکار ہوا دنیا کے کسی خطے میں ہو، زمین پر ہو یا کسی دریا یا سمندر میں یا کسی درندے کے پیٹ میں، وہیں وہ پکارنے والے کی پکار سنے گا۔ ممکن ہے اس سے مراد نفخ صور ہو۔ پورے کرۂ ارض پر یہ آواز اس طرح گونجے گی کہ ہر شخص اسے اپنے کانوں کے قریب محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ مجھ ہی کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

(جس دن وہ سنیں گے اس چیخ کو ٹھیک ٹھیک، وہ دن مردوں کے نکلنے کا دن ہوگا۔ ۴۲)

یعنی جس دن لوگ یہ آواز سنیں گے تو یہ کوئی مصنوعی آواز نہیں ہوگی بلکہ یہ نفخ صور ہی کا صیحہ ہوگا۔ حق سے مراد قیامت بھی ہوسکتی ہے اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک اسی کی آواز ہوگی۔ یہ درحقیقت اس بات کا اعلان ہوگا کہ لوگ اب اپنی قبروں سے نکلیں اور میدانِ حشر میں پہنچیں، کیونکہ یہ دن قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ۙ

(بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہماری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔ ۴۳)

قبروں سے خروج کی دلیل

اوپر کی آیت میں قبروں سے نکلنے کا ذکر ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس پر دلیل ارشاد فرمائی گئی ہے کہ سب کو ایک دن ہم قبروں سے نکالیں گے۔ کیونکہ ہماری حیثیت یہ ہے اور جسے کوئی چیلنج نہیں کرسکتا کہ ہم ہی زندگی بخشنے والے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں۔ تو اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ ان کو دوبارہ زندہ کرنے کا ہمیں اختیار بھی ہے اور ہم اس کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ زندگی ایک سفر ہے، موت جس کا اختتام نہیں، بلکہ اس مسلسل سفر میں ایک پڑاؤ ہے جس میں آرام کرنے کے بعد اسی زندگی کا دوسرا سفر شروع ہوجاتا ہے جس کا نام آخرت ہے۔ زندگی کی ابتداء اس سفر کی ابتداء تھی، اور آخرت اس سفر کا اختتام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا آغاز تھا اور ہر مسافر کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہی ان مسافروں سے پوچھے گا کہ دنیا کی زندگی انہوں نے کیسے گزاری اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جس طرح زندگی عطا کئے جانے میں کسی اور کا دخل نہ تھا تو اب اس سفر کے اختتام پر اسی کے حضور حاضری ہوگی جس نے زندگی عطا کی تھی۔ مشرکین نے جن شرکاء و شفعاء کو ایجاد کر رکھا ہے نہ ان کی طرف کسی کی واپسی ہوگی اور نہ آخرت میں وہ ان کے کسی کام آئیں گے۔ کیونکہ نہ زندگی میں ان کا کوئی دخل تھا اور نہ موت کے کسی معاملے میں۔ تو اب آخرت میں وہ ان کا ملجا و ماویٰ کیسے ہوسکتے ہیں۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

(اس دن زمین ان کے اوپر سے کھل جائے گی اور وہ تیزی سے اس کے اندر سے نکلیں گے، یہ حشر ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ ۴۴)

Marfat.com

قبروں سے نکلنے کا منظر

نفخۂ ثانیہ کے بعد جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا حکم ہوگا، تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ زمین ان کے اوپر سے پھٹ جائے گی کیونکہ وہ موت کے بعد کسی جگہ بھی ہوں اور کسی حالت میں بھی ہوں بہرحال زمین ہی ان کا مدفن ہوگی۔ تو وہ زمین پھٹے گی اور ان کیلئے نکلنے کا راستہ کھل جائے گا۔ سِرَاعًا ضمیر مجرور سے حال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پھٹنے کے بعد لوگ تیزی سے اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ اور قرآنِ کریم نے دوسری جگہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اس طرح قبروں سے نکلیں گے جس طرح پتنگے اور ٹڈیاں نکلتی ہیں۔ اس کے بعد آخری جملے میں کفار کے ایک مغالطے کا جواب ہے جسے وہ بار بار اشکال کی صورت میں پیش کرتے تھے "یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم مر کر خاک ہو چکے ہوں اس وقت ہمیں پھر سے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے، یہ واپسی تو بالکل خلافِ عقل ہے۔" ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ حشر یعنی ان سب کو اکٹھا کر لینا، زمین کی وسعتوں سے ان کو سمیٹ لینا اور اس کی پہنائیوں سے انہیں نکال لینا اللہ تعالیٰ کیلئے یہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ کس شخص کی خاک کہاں پڑی ہے۔ ان بکھرے ہوئے ذرات میں زید کے ذرات کون سے ہیں اور بکر کے ذرات کون سے۔ پھر ان ذرات کو سمیٹ کر جسم کی شکل دے دینا اور اس جسم میں مرنے والے کی شخصیت کو پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کیلئے بہت آسان بات ہے۔ یہ سب کچھ اس کے اشارے سے اس طرح آناً فاناً ہو جائے گا کہ جسے آج انسان سمجھنے سے قاصر ہے لیکن وہ اس روز اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿۴۵﴾

(اے پیغمبر! ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، ہم نے آپ کو ان پر جبار نہیں بنایا، پس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو نصیحت کریں جو میری بعید سے ڈرتا ہو۔ ۴۵)

آنحضرت ﷺ کو تسلی اور کفار کو دھمکی

اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ کفار کیلئے دھمکی بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ جو کچھ آپ کی دعوت کے سلسلے میں یاوہ گوئی کرتے اور جس طرح ہر بات میں آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ پر الزامات کے طوفان باندھتے ہیں ان میں سے کوئی بات ہم سے مخفی نہیں ہے، ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔ اور جب ہم جانتے ہیں تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن ہم ان سے خود نبٹیں گے، آپ کو اس میں غم کھانے کی کیا ضرورت ہے، آپ صبر سے اپنا کام کرتے جایئے اور ان کا معاملہ ہم پر چھوڑیئے، ہمارے یہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔

اور یہ بات بھی آپ کے ذہن میں رہنی چاہئے کہ ہم نے آپ کے ذمہ یہ کام نہیں لگایا کہ آپ زبردستی ان کو مومن بنائیں۔ اور اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپ سے اس کی پرسش ہوگی۔ آپ کا کام صرف تذکیر و دعوت ہے۔ ہم نے آپ پر تذکیر کیلئے ایک نہایت جامع کتاب نازل کی ہے، وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے کافی ہے، آپ اسی کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کریں، سمجھائیں بجھائیں اور عاقبت سے آگاہ کریں۔ آپ جس کو دیکھیں کہ وہ میری وعید سے ڈرتا اور میری تنبیہ پر کان دھرتا ہے اسے آپ قرآن کے ذریعے اسے نصیحت کریں۔ اور جس پر میری وعید اثر نہیں کرتی اور آپ کا انذار اس کیلئے الٹا تمسخر کا باعث بنتا ہے آپ اسے تقدیر کے حوالے کریں، وہ اپنا انجام خود دیکھ لے گا، آپ کیلئے اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ

کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑ گڑ ائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ

(۵۱)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الذّٰرِیٰتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الذّٰرِیٰتِ ہے۔یہ نام اس سورۃ کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ اس سورۃ کے مضامین کو دیکھتے ہوئے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی وہی ہے جو سابق سورۃ قٓ کا ہے، کیونکہ اس کے مضامین سورۃ قٓ کے مضامین کا تسلسل معلوم ہوتے ہیں۔اور انداز بالکل وہی ہے جو سابق سورۃ کا ہے۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب نبی کریم ﷺ کی دعوت کا مقابلہ تکذیب واستہزاء اور جھوٹے الزامات سے بڑے زوروشور سے ہورہا تھا مگر ابھی اس میں تشدد داخل نہیں ہوا تھا۔ایذارسانی اور مخالفت میں شدت بعد کے دور کی باتیں ہیں۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

ابتدائی آیات میں ان لوگوں کو انذار کیا گیا ہے جو قرآنِ کریم کی وعیدوں اور قیامت کا مذاق اڑاتے تھے۔اور اس کا اسلوب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہواؤں کے تصرفات اور دھاریوں والے آسمان کو دلیل بنا کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جس طرح ان مخلوقات اور اس کے نظم کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کتنی بے پناہ ہے اور وہ کائناتی قوتیں جو بظاہر بڑی زوردار معلوم ہوتی ہیں وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور اس کی مشیت کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔ان ہی عناصر کے ذریعے قدرت لوگوں کی ضروریات کو بھی فراہم کرتی ہے اور جب چاہتی ہے لوگوں کو سزا دینے کیلئے بھی استعمال کرتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جزاء وسزا اس کائنات کا ایسا مزاج ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔جو شخص بھی اس نظام کو تدبر کی نگاہ سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی گہرائی کو سمجھنے کی کوشش کرے گا اس کیلئے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اور قیامت کا آنا ایک حقیقت ہے۔اس میں شک وہی لوگ کررہے ہیں جن کی عقلیں الٹ گئی ہیں۔اس دن کیلئے جلدی مچانے والے عنقریب اس کا مزہ چکھیں گے،اس دن ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ دن جس کیلئے تم جلدی مچائے ہوئے تھے۔

آخرت پر زور دیتے ہوئے انسانی علم کی بے مائیگی کو مختلف حوالوں سے نمایاں کیا گیا ہے اور ان کے اقوال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہایت سامنے کی بات کہی گئی ہے کہ اگر ان مخالفین کے پاس قیامت کے انکار میں کوئی وزنی دلیل ہوتی تو وہ اس پر اتفاق کرلیتے۔ان کا تو حال یہ ہے کہ ہر شخص نے محض اپنے قیاسات سے ایک عقیدہ بنالیا ہے اور وہ اس میں مگن ہوکر زندگی گزار رہا ہے۔اور اس حوالے سے ان میں اس قدر اختلافات پائے جاتے ہیں کہ کوئی ان کی علمی توجیہ کرنا ممکن نہیں۔کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ایک ایسا اہم ترین مسئلہ جس پر زندگی کے

Marfat.com

رویئے کے صحیح یا غلط ہونے کا دارومدار ہے اسے محض قیاسات کے حوالے کر دیا جائے۔ حالانکہ اس کیلئے صحیح ترین رویہ یہ ہے کہ انسان کو آخرت کے متعلق جو علم خدا کی طرف سے اس کا نبی دے رہا ہے اس پر وہ سنجیدگی سے غور کرے اور زمین و آسمان کے نظام اور خود اپنے وجود پر نگاہ ڈال کر کھلی آنکھوں سے دیکھے کہ کیا اس علم کے صحیح ہونے کی شہادت ہر طرف موجود ہے یا نہیں۔ اس بات پر اس سورۃ میں مشاہداتی دلائل بھی دیئے ہیں اور نفسیاتی دلائل بھی فراہم کئے ہیں۔ اور دلائلِ آفاق اور دلائلِ انفس۔ سے بھی بات کو واضح فرمایا گیا ہے۔ اور سلطنتِ کائنات کے مزاج کو بھی ایک قانونِ مکافات کے حوالے سے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

جن لوگوں نے آخرت کے عقیدے کو قبول کیا اور غفلت کی سرمستیوں میں کھوئے رہنے کی بجائے نماز، استغفار اور انفاق کے ذریعے سے اپنی زندگی کو سنوارا ان کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد بڑے مختصر انداز میں توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ذرا اپنے مقصدِ تخلیق پر غور کرو کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی بندگی کیلئے پیدا کیا ہے یا دوسروں کی بندگی کیلئے۔ وہ تمہیں رزق دیتا ہے جبکہ مشرکین کے معبود مشرکین سے رزق طلب کرتے ہیں اور ان کی مدد کے بغیر ان کی خدائی نہیں چل سکتی۔ لیکن انسان اپنی ہر ضرورت اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اس کے باوجود اسی کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتا ہے۔

اس کے بعد قانونِ مکافات کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قومِ لوط کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک کو خوشخبری دی گئی اور دوسرے پر عذاب بھیجا گیا۔ اور اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اس کائنات کا خالق جزاء اور سزا دینے والا ہے اور اس کا ایک قانونِ مکافات بھی ہے۔

پھر اس کے بعد فرعون، عاد، ثمود اور قومِ لوط کے واقعات کی طرف ایک اجمالی اشارہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے قانونِ مکافات سے بے نیاز ہو کر زندگی گزاری اور اپنے رسولوں کے انذار کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کائناتی قوتوں کے ذریعے اپنا عذاب مسلط کر دیا۔

اس کے بعد خاتمہ سورۃ میں پوری سورۃ کا مضمون سمیٹ دیا گیا ہے کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جس نے ہر چیز جوڑے جوڑے پیدا کی ہے اس کیلئے دنیا کو از سرِ نو پیدا کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ جب بھی کیا گیا ہے کسی معقول بنیاد پر نہیں بلکہ اسی ضد اور ہٹ دھرمی اور جاہلانہ عصبیت کی بنیاد پر کیا گیا ہے جو آج آنحضرت ﷺ کے ساتھ برتی جا رہی ہے اور اس کی محرک بجز سرکشی کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ ان سرکشوں کی پرواہ نہ کریں اور دعوت و تذکیر کا کام کئے جائیں۔ ان کو بالآخر اسی دن سے سابقہ پیش آنا ہے جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے۔ اگر انہوں نے اپنی سرکشی جاری رکھی تو ان کا انجام وہی ہوگا جو ان سے پہلے سرکشی کرنے والوں کا ہو چکا ہے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٦٠	سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (٥١)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿٣﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ
اَمْرًا ﴿٤﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءِ
ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ
اُفِكَ ﴿٩﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾
يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾
ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٥﴾ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَ
بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾
وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾
وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۱۔ (قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اڑانے والی ہیں۔ ۱) پھر پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھانے والی ہیں۔ ۲) پھر سبک رفتاری سے چلنے والی ہیں۔ ۳) پھر ایک بڑے کام کی تقسیم کرنے والی ہیں۔ ۴) جس چیز کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے وہ سچ ہے۔ ۵) اور جزاء وسزا بے شک واقع ہو کے رہے گی۔ ۶) قسم ہے متفرق شکلوں والے آسمان کی۔ ۷) بے شک تم ایک دوسرے سے مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔ ۸) اس سے وہی روگردانی کرتے ہیں جن کی عقل الٹ دی گئی ہے۔ ۹) مارے گئے قیاس وگمان سے حکم لگانے والے۔ ۱۰) جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں بالکل بے خبر۔ ۱۱) پوچھتے ہیں جزاء وسزا کا دن کب ہوگا؟ ۱۲) جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ ۱۳) چکھو مزہ اپنے فتنے کا، یہی ہے وہ چیز جس کیلئے تم جلدی مچائے ہوئے ہو۔ ۱۴) بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ۱۵) وہ لے رہے ہوں گے جو کچھ ان کا رب انہیں عطا فرمارہا ہوگا، بے شک وہ اس سے پہلے محسنین میں سے تھے۔ ۱۶) وہ راتوں میں کم ہی سوتے تھے۔ ۱۷) اور رات کے پچھلے وقتوں میں وہ مغفرت مانگتے تھے۔ ۱۸) اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔ ۱۹) زمین میں بھی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کیلئے۔ ۲۰) اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہے، کیا تم دیکھتے نہیں۔ ۲۱) اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے۔ ۲۲) پس آسمان وزمین کے مالک کی قسم یہ بات ایسے ہی حق ہے جیسے تم بول دیتے ہو۔ ۲۳)

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴

(قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اڑانے والی ہیں۔ ۱) پھر پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھانے والی ہیں۔ ۲) پھر سبک رفتاری سے چلنے والی ہیں۔ ۳) پھر ایک بڑے کام کی تقسیم کرنے والی ہیں۔ ۴)

قسم اور جوابِ قسم کی وضاحت

ہم متعدد مواقع پر اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ''واؤ'' قسم کیلئے بھی آتا ہے اور ان آیات میں ''واؤ'' قسم کیلئے آیا ہے۔ جس لفظ پر یہ ''واؤ'' داخل ہوتا ہے اسے قسم کہا جاتا ہے۔ گویا وہ ایک طرح کی دلیل اور ایک طرح کی شہادت ہوتا ہے اور اس کے بعد آنے والا جملہ وہ جوابِ قسم یا مقسم علیہ کہلاتا ہے اور اس کی حیثیت دعویٰ کی ہوتی ہے۔ انسانوں کی تقریر و تحریر کے اسلوب کے بالکل برعکس ایسی صورت میں دلیل پہلے پیش کی جاتی ہے اور دعویٰ بعد میں ذکر کیا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے اسلوب میں دعویٰ پہلے ہوتا ہے اور اس کے ثبوت کیلئے دلیل پیش کی جاتی ہے۔ یہ چار آیتیں درحقیقت چار قسمیں ہیں اور یہ چاروں قسمیں ہواؤں کی صفات ہیں۔ یہاں اگرچہ ہواؤں کا ذکر نہیں لیکن یہ الفاظ ہواؤں کی صفت کے طور پر معروف ہو چکے ہیں۔ اس لئے کم از کم پہلی دونوں آیتوں میں کسی مفسر کو ان کا ہواؤں کی صفت ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

Marfat.com

پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار اڑانے والی ہیں۔ گویا ذٰرِیٰتِ غبار اڑانے والی ہواؤں کو کہتے ہیں۔ اور ذَرْوًا یہاں تاکید کیلئے ہے۔ اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بوجھ اٹھانے والی ہیں اور مراد اس سے بھی ہوائیں ہیں۔ وِقْر بوجھ اور بار کو کہتے ہیں۔ اور یہ بوجھ غبار اور کنکروں کا بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا معروف استعمال بادلوں کیلئے ہے۔ ان دونوں آیتوں سے تمام مفسرین نے ہوائیں ہی مراد لیا ہے۔ البتہ اگلی دو آیتوں میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا سے کشتیاں مراد لی ہیں جو سبک رفتاری سے چلتی ہیں۔ اور فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے وہ فرشتے مراد لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی مخلوقات کی نصیب کی چیزیں ان میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں اس تفسیر کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور ان کے حوالے سے یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اگر میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو میں اسے بیان نہ کرتا۔ اس بناء پر علامہ آلوسی نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ اس آیت سے کوئی اور بات مراد لینا جائز نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے کوئی اور مفہوم مراد لیا ہے انہوں نے بیجا جسارت کی ہے۔ لیکن حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس وجہ سے قطعیت کے ساتھ اس بات کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد صحابہ وتابعین نے ان دونوں آیتوں سے بھی ہوائیں مراد لی ہے۔ اور بعض ماہرینِ لغت کا یہ خیال ہے کہ جب صفات کا عطف ''فا'' کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ دو باتوں پر دلیل ہوتا ہے۔ ایک اس بات پر کہ ان کے اندر ترتیب ہے۔ اور دوسری اس بات پر کہ یہ تمام صفتیں ایک ہی موصوف کی ہیں۔ ان چاروں آیتوں میں ''فا'' کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کا موصوف الگ الگ نہیں ہوسکتا۔ جب پہلی دونوں آیتوں میں موصوف ہواؤں کو بنایا گیا ہے تو دوسری دونوں آیتوں میں بھی ہوائیں ہی ان صفات کا موصوف ہوں گی۔ قرآنِ پاک میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں جن میں سورۃ عادیات کی ابتدائی پانچ آیات بھی ہیں۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶

(جس چیز کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے وہ سچ ہے۔ ۵) اور جزاء وسزا بے شک واقع ہوکے رہے گی۔ ۶)

قسم کا جوابِ قسم یا مقسم علیہ

یہ اس سے پہلے بیان کردہ قسموں کا جوابِ قسم ہے۔ ہم اس سے پہلے عرض کرچکے ہیں کہ جوابِ قسم کی حیثیت دعویٰ کی ہوتی ہے اور قسمیں اس کیلئے دلائل کا کام دیتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں دو باتوں کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ بات کہ جس عذاب سے تمہیں ڈرایا جارہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے اور راہِ راست اختیار نہیں کروگے تو اندیشہ ہے کہ تم پر عذاب نازل نہ ہوجائے۔ جس طرح تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں اس سے پہلے کئی قوموں پر عذاب نازل ہوچکے ہیں۔ اور دوسری یہ بات فرمائی گئی ہے کہ جزاء وسزا واقع ہوکے رہے گی۔ یعنی وہ دن ضرور آئے گا جب اللہ تعالیٰ ہر شخص سے ایمان وعمل کا حساب لیں گے اور اس کے نتیجہ میں ہر آدمی جزاء وسزا سے گزرے گا۔ نیک اعمال کی جزاء ملے گی اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔ ان دو باتوں کو دعوے کے طور پر پیش کرنے کے بعد چار قسموں یعنی چار دلائل سے انہیں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ چار قسمیں درحقیقت ہواؤں کی مختلف صفات ہیں جو بارش کے عمل کو مصور کرتی ہیں کہ سب سے پہلے تیز

Marfat.com

ہَوائیں ان بادلوں کو اٹھا کے لاتی ہیں جن میں ہزاروں گیلن پانی بھرا ہوا ہوتا ہے جو مختلف ذخائرِ آب سے سورج کی گرمی کی وجہ سے بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور ہَوائیں ان کو بادلوں کی شکل دے کر فضاء میں جما دیتی ہیں۔اور پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو یہ نہایت وزنی بادل ہَوائیں اپنے دوش پر اٹھا کر وہاں پہنچاتی ہیں جہاں انہیں برسانا مقصود ہوتا ہے۔اور عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پہلے تند اور غبار انگیز ہَوائیں چلتی ہیں جو مختلف سمتوں سے بادلوں کو ہانک ہانک کر لاتی ہیں۔اور جب بارش برسنے لگتی ہے تو پھر ہَواؤں کی رفتار نرم ہو جاتی ہے۔اب وہ نہایت سبک رفتاری سے چلنے لگتی ہیں۔اور یہ ہَوائیں اپنے رب کے حکم کے مطابق بارش کے پانی کو تقسیم کرتی ہیں۔یعنی جس علاقے کیلئے جتنا پانی برسانے کا حکم ہوتا ہے اتنا برسا دیتی ہیں بعض کو جل تھل کر دیتی ہیں، بعض کو نیم تشنہ اور بعض کو خشک چھوڑ دیتی ہیں۔اور اگر اللہ تعالیٰ ان ہی بادلوں کے ذریعے کسی قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ کرتا ہے تو یہی ہَوائیں طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور پورے علاقے کو تلپٹ کر کے رکھ دیتی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں یہ ہَوائیں بشارت کی صورت اختیار کرتی ہیں اور بادل ابرِ رحمت بن جاتا ہے۔اور کسی قوم کیلئے طوفان بن کر تباہی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔اس پورے منظر کو سامنے لا کر پھر یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہیں جس عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے وہ کوئی غلط بات نہیں وہ نہایت سچی ہے۔ اور تمہیں جس قیامت کی خبر دی جا رہی ہے اور اعمال کی جزاء و سزا سے تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے وہ بھی کوئی انہونی بات نہیں ایک نہ ایک دن ہو کے رہے گی۔تمہیں عذاب کے نازل ہونے اور قیامت کے آنے میں ایسے شبہات لاحق ہیں کہ تم انہیں بعید از عقل سمجھتے ہو۔لیکن سوال یہ ہے کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ جس بینظیر نظم اور باقاعدگی کے ساتھ بارش کا یہ عظیم الشان ضابطہ جاری وساری ہے اور جو حکمتیں اور مصلحتیں اس میں صریح طور پر کارفرما نظر آتی ہیں کیا وہ اس بات پر گواہی نہیں دے رہیں کہ یہ دنیا کوئی بے مقصد اور بے معنی گھروندا نہیں ہے جس میں لاکھوں کروڑوں برس سے ایک بہت بڑا کھیل بس یونہی الل ٹپ ہوئے جا رہا ہے بلکہ یہ درحقیقت ایک کمال درجے کا حکیمانہ نظام ہے جس میں ہر کام کسی مقصد اور کسی مصلحت کیلئے ہو رہا ہے۔تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان جو اس نظام کے تحت جی رہا ہے جسے قدرت نے عقل وشعور، تمیز اور تصرف کے اختیارات بھی دے رکھے ہیں۔اور اس میں نیکی اور بدی کی اخلاقی حس بھی پیدا کر رکھی ہے، اسے یونہی چھوڑ دیا جائے اور کبھی اس سے باز پرس نہ کی جائے۔اور اگر اللہ تعالیٰ کے رسول اسے سمجھانے کیلئے تشریف لائیں تو وہ ان کی تمام تر مساعی کو ناکام کرنے پر تل جائے۔تو کبھی ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی گرفت نازل نہ ہو۔

اسی طرح ہَواؤں کی قوت کو دیکھ کر جو کبھی انسانوں کیلئے رحمت کا باعث بن کر آتی ہیں اور زمین ان کیلئے سونا اگلنے لگتی ہے اور کبھی وہ زحمت اور عذاب بن کر آتی ہیں تو زمین ان کے پاؤں تلے سے کھسکنے لگتی ہے۔تو کیا ان ہَواؤں کی طاقت اور قوت کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ جو ان ہَواؤں کا خالق ہے اور جس کے بے شمار لشکروں میں سے یہ ایک معمولی لشکر ہے اس کی اپنی طاقت اور قدرت کا کیا عالم ہوگا۔ اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ ہم پر عذاب نہیں لا سکتا اور ہماری خوشحالیوں کو بدحالیوں میں تبدیل نہیں کر سکتا اور یا یہ سمجھنا کہ وہ ایک دفعہ تو کائنات کو پیدا کر سکتا ہے لیکن دوبارہ اسے پیدا نہیں کر سکتا، کس قدر احمقانہ تصور ہے۔پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ پانی کے مختلف ذخیروں سے جب بھاپ بن کر اٹھتی ہے تو نہ جانے پانی کے کتنے قطرے فضاء میں بکھر کر گم ہو جاتے ہیں اور پھر ہَوائیں ان ہی قطروں کو جمع کر کے بادلوں کی صورت میں جب کسی علاقے پر جا کر برساتی ہیں تو ہر قطرہ اپنی شکل اختیار کر لیتا ہے۔تو جس خالقِ کائنات کی قوت کا یہ عالم ہے کہ وہ پانی کو بھاپ میں تبدیل کرتا اور پھر بھاپ کو پانی کی شکل میں برسا دیتا ہے اور یہ کام وہ اپنی ہَواؤں کے ذریعے سے ہزاروں سال سے کر رہا ہے اور ہمیں کبھی اس میں کوئی استبعاد نظر نہیں آتا۔تو آخر قیامت کے وقوع میں ہمیں یہ استبعاد کیوں دکھائی دیتا ہے۔

Marfat.com

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾

(قسم ہے متفرق شکلوں والے آسمان کی۔ ۷)

یہ بھی قسم ہے

حُبُکْ راستوں کو بھی کہتے ہیں اور ان لہروں کو بھی جو ہَوا کے چلنے سے ریگستان کی ریت اور ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوجاتی ہے۔ آیتِ کریمہ میں آسمان کو حُبُکْ والا قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت جب آسمان پر ستارے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں تو آدمی آسمان کی مختلف جگہوں میں مختلف شکلیں منعکس ہوتے ہوئے دیکھتا ہے جبکہ ہر شکل دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم ہے اس آسمان کی جس کی مختلف شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی شکل بھی ہمارے لئے حقیقت کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہ ستاروں کے بکھرنے، ان کے پھیلنے اور پھر اس منظر کو ہماری گرفت میں پوری طرح نہ آنے کی وجہ سے ہمیں ایسی شکلیں نظر آتی ہیں جن کا باہمی ایک دوسرے سے کوئی ربط دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے بعد اس کا جوابِ قسم ذکر کیا گیا ہے۔

اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾

(بے شک تم ایک دوسرے سے مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔ ۸)

یہ جوابِ قسم ہے

یہ قسم کا جوابِ قسم ہے۔ کہنا یہ ہے کہ ان مخالفین نے قیامت اور جزاء وسزا کے بارے میں جو مختلف خیالات بنا رکھے ہیں اور جو اس سلسلے میں مختلف باتیں ان کی طرف سے کہی جاتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تضادِ فکر میں بھی مبتلا ہیں اور تضادِ قول میں بھی۔ کیونکہ یہ لوگ ایک ہی بات کے قائل نہیں تھے۔ کچھ لوگ تو ایسے تھے جو قیامت کے کھلے منکر تھے۔ اور کچھ لوگ تھے جنہیں قیامت کے اقرار وانکار میں تذبذب تھا۔ نہ صریح انکار کرتے نہ اور نہ صریح اقرار کرتے تھے، بلکہ اس کو مستبعد از عقل سمجھتے تھے۔ اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو قیامت کو بعید از امکان تو نہیں سمجھتے تھے لیکن جزاء وسزا کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جن لوگوں کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر رکھا ہے اور جنہیں وہ اپنا شفیع سمجھتے ہیں وہ انہیں قیامت کے روز ہر طرح کی سزا سے بچالیں گے۔ عربوں کے علاوہ باقی دنیا میں فکری تضاد کی اور بہت سی صورتیں تھیں لیکن عرب ان سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اس لئے ان کے ان متضاد افکار اور ان پر مبنی متضاد اقوال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اقوال کی اگر کوئی علمی حیثیت ہوتی تو کوئی نہ کوئی ان کی سند ہوتی اور یہ اس پر اتفاق کر لیتے۔ لیکن ہر شخص کا قیاس وگمان کے نتیجے میں ایک مختلف بات کہنا ایسا ہی ہے جیسے آسمان کی طرف دیکھنے والے کو مختلف شکلیں دکھائی دیتی ہیں جن کی باہم کوئی حقیقت نہیں۔

Marfat.com

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿٩﴾

(اس سے وہی روگردانی کرتے ہیں جن کی عقل الٹ دی گئی ہے۔ ۹)

اس آیت میں عَنْهُ کی ضمیر کا مرجع جزائے اعمال ہے۔ اس صورت میں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر یہ لوگ اپنے فکری تضاد سے نکلیں اور صحیح رخ پر سوچنے کی عادت ڈالیں تو جزاء وسزا کا معاملہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ لیکن جن لوگوں کی عقل الٹ دی جاتی ہے وہ اس سے برگشتہ کردیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص تضادِ فکر کا شکار ہوتا ہے اور ہر معاملے میں اس کی رائے ٹیڑھی ہوتی ہے تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اس کو فکری سلامتی سے محروم کردیتا ہے۔ جس طرح سورۃ صف میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾

(مارے گئے قیاس وگمان سے حکم لگانے والے۔ ۱۰) جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں بالکل بے خبر۔ ۱۱)

قریش اور دیگر مشرکین کے انکارِ قیامت کے اسباب

قیامت کے بارے میں قریش اور دیگر مشرکین کے یکسو نہ ہونے اور اپنے غلط مزعومات پر اڑے رہنے کی تین وجہ بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اندازہ نہیں کہ قیامت کا عقیدہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور انسانی زندگی میں اس عقیدے کی اہمیت کیا ہے۔ یہ کس قدر اہم سوال ہے کہ انسان موت آنے کے بعد کیا ہمیشہ کیلئے مرجاتا ہے جس کے بعد کسی نئی زندگی کا کوئی سوال نہیں، یا اسے واقعی کبھی نہ کبھی ایک نئی زندگی ملے گی اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی حاضری ہوگی۔ اور پھر یہ سوال کہ کیا انسان دنیا میں اس طرح بھیجا گیا ہے کہ وہ من مرضی کی زندگی گزارے اور اسے کبھی نہیں پوچھا جائے گا کہ تو نے زندگی کس طرح گزاری۔ حالانکہ اسے عقل سے نوازا گیا، تمیز کی دولت بخشی گئی، اس کے اندر نیکی اور بدی کی اخلاقی حس پیدا کی گئی۔ تو آخر ان صلاحیتوں کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور یا واقعی کبھی ایسا دن آئے گا جب اللہ تعالیٰ ایک ایک عمل کا حساب لے گا اور جو اس نے بیش بہا نعمتیں عطا کر رکھی تھیں ان کے بارے میں جواب طلبی بھی کرے گا۔ یہ ایسے اہم سوال ہیں جن کے بارے میں صحیح رائے اختیار کرلینے سے انسانی زندگی صراط مستقیم پر قائم ہوجاتی ہے۔ اور غلط رائے اختیار کرنے سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ انسان نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کیلئے بھی ایک درندہ بن جاتا ہے۔ تو ایسے اہم سوال کو ظاہر ہے کہ اٹکل پچو اور قیاس و گمان پر تو نہیں چھوڑا جاسکتا کہ آدمی اپنے قیاس سے کام لے کر جو چاہے رائے اختیار کرلے اور ویسے بھی انسانی زندگی کے مختلف دائرے ہیں اور ہر دائرے کے احکام جدا ہیں۔ زندگی کا ایک دائرہ ایسا ہے جس میں قیاس وگمان مفید ہوتا ہے۔ آدمی بہت سے فیصلے اندازے سے کرتا ہے اور کچھ دائرے ایسے ہیں جس میں حواس اور عقل سے کام لیا جاتا ہے، تجربات رہنما ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تمام دوائر ایسے ہیں جن کا تعلق آدمی کے عالمِ طبیعی سے ہے۔ لیکن جن کا تعلق عالمِ اخلاق سے ہے یا عالمِ غیب سے وہاں انسان کے گمان اور قیاس کام نہیں دیتے۔ ایسے مواقع پر فیصلے کا

Marfat.com

ایک ہی صحیح طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو رہنمائی لے کر آئے ہیں انہیں قبول کرلیا جائے۔ البتہ اس پر اطمینان کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے گردوپیش کے حالات، آفاقی شہادتیں، انفس کے دلائل اور ضمیر کی آواز پر کان دھرے، تو اسے خود اندازہ ہو جائے گا کہ مجھے جو بات بتائی گئی ہے وہ کس حد تک صحیح ہے۔ لیکن ان لوگوں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے قیامت اور آخرت جیسے اہم معاملے کو جس پر انسان کے طرزِ عمل کا دارومدار ہے قیاس اور گمان کے حوالے کردیا ہے۔

اور دوسری خرابی ان میں یہ ہے کہ یہ لوگ خواہشِ نفس کے پیروکار ہیں۔ مقاصدِ حیات سے بے بہرہ اور زندگی کے شعور سے نابلد ہیں۔ ہوائے نفس اور خواہشات کی محبت ان کے پاؤں کی ایسی زنجیر بن گئی ہے کہ اس سے ہٹ کر یہ کسی بات کو سوچنے پر قادر نہیں ہے۔ اور تیسری خرابی ان میں یہ ہے کہ خواہشِ نفس کی تعمیل میں ایسے ڈوب گئے ہیں کہ ایک نشہ باز کی طرح اپنی خواہشِ نفس کو ہی کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔ زندگی کے اہم حقائق سے بالکل بے خبر زندگی گزارتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾
ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾

(پوچھتے ہیں جزاء وسزا کا دن کب ہوگا؟ ۱۲) جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ ۱۳)
چکھو مزہ اپنے فتنے کا، یہی ہے وہ چیز جس کیلئے تم جلدی مچائے ہوئے ہو۔ ۱۴)

سوال کی صورت میں تمسخر اور اس ذہنیت کے مطابق جواب

آنحضرت ﷺ جب لوگوں کے سامنے جزائے اعمال کا ذکر کرتے، قیامت کا حوالہ دیتے اور بار بار انہیں اصلاحِ اعمال کی طرف توجہ دلاتے تو وہ بجائے آپ کی باتوں کو قبول کرنے کے تمسخر کے طور پر یہ کہتے کہ صاحب اتنا عرصہ ہوگیا ہے آپ ہمیں قیامت سے ڈرا رہے ہیں۔ تو آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اگر اسے آنا ہوتا تو اب تک آچکی ہوتی۔ سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ بات آپ کا مذاق اڑانے کیلئے کہتے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی سوقیانہ باتوں میں دوسرے بازاری لوگ بھی شامل ہوجاتے۔ اور اس طرح سے ایک نہایت سنجیدہ دعوت کا اثر ختم کرنے کی کوشش کی جاتی۔ تو پروردگار نے ان کے اس طرزِ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے جواب ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کا دن وہ ہوگا جس دن یہ لوگ اپنے ان ہی کرتوتوں کے باعث جہنم میں جلائے جائیں گے۔ اور اس روز ان سے کہا جائے گا کہ تم کہا کرتے تھے کہ قیامت آ کیوں نہیں رہی، تو دیکھو جس قیامت کے بارے میں تم جلدی مچایا کرتے تھے آج وہ قیامت کا دن آچکا ہے اور تم اپنے کرتوتوں کے باعث جہنم میں تپائے اور جلائے جا رہے ہو۔ اور تم نے دنیا میں اس سلسلے میں جو فتنے اٹھائے تھے یا اس فتنے کا جو نتیجہ ہوسکتا تھا تم آج اس میں گرفتار ہو۔ اور تمہیں اس سے کوئی نکالنے والا نہیں ہوگا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٥﴾

(بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ۱۵)

Marfat.com

آخرت کیلئے تیاری کرنے والوں کا انجام

اوپر کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے انکار یا اس میں تذبذب کی وجہ سے جزاء وسزا سے بالکل لاپرواہ ہوکر زندگی گزار رہے ہیں۔ تو آخر ان کا انجام یہ ہوگا کہ وہ جہنم کے عذاب میں جلائے جائیں گے۔ اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر شروع ہورہا ہے جنہیں شریعت کی زبان میں متقی کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود وقیود کے اندر زندگی گزارنے والے ہیں۔ لیکن سیاق وسباق کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس کی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پر یقین لاتے ہوئے آخرت کو مانا۔ اور زندگی کا ہر فیصلہ کرنے سے پہلے اور ہر قدم اٹھانے سے پیشتر آخرت کی زندگی ان کے سامنے رہی اور وہ برابر سوچتے رہے کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جاکر اس کا کیا جواب دیں گے۔ اس احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنے والوں کو یہاں متقی کہا گیا ہے کہ آخرت سے بے نیاز ہوکر زندگی گزارنے والے جہنم کے شعلوں میں جلیں گے اور آخرت کو ہمیشہ یاد رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہر عمل کرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ جنات اور عیون دونوں لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ آخرت کی نعمتوں کی جامع تعبیر ہیں۔ اور یہاں فِیْ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان کو اس فراوانی سے ملیں گی کہ وہ ایک طرح سے نعمتوں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور ان کی آنکھوں کو اپنے گردوپیش میں نعمتوں کی بہار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے گا۔

اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰـھُمْ رَبُّھُمْ ؕ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُحْسِنِیْنَ ؕ ﴿۱۶﴾

(وہ لے رہے ہوں گے جو کچھ ان کا رب انہیں عطا فرمارہا ہوگا، بے شک وہ اس سے پہلے محسنین میں سے تھے۔ ۱۶)

اہلِ جنت کی تصویر

اس آیتِ کریمہ میں اہلِ جنت کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھی جنت عطا فرمائے گا۔ اس کو جنت میں وہ تمام نعمتیں ملیں گی جن کی وہ خواہش کرے گا۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرے گا جو دنیا میں بظاہر ناممکن سمجھی جاتی ہے تو اس کی وہ خواہش بھی پوری کی جائے گی۔ لیکن اس آیت میں ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کیلئے جن نعمتوں کو ان کا حق بناچکا ہے اور جو انہیں ہر حال میں ملیں گی اللہ تعالیٰ کے کرم کا حال یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بھی اہلِ جنت کو عطا کرے گا جن کا اہلِ جنت کے دل ودماغ میں بھی کوئی تصور نہ ہوگا، ان کی ہر مانگ اور ہر طلب اور ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ اور ان پر مزید یہ کہ وہ نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوں گی جو نہ کبھی انہوں نے مانگیں اور نہ کبھی ان کی خواہش کی۔ اور جب وہ نعمتیں ان کو دی جائیں گی تو اہلِ جنت کی خوشی دیدنی ہوگی۔ وہ لپک لپک کر آگے بڑھیں گے اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر ان نعمتوں کو قبول کریں گے۔

Marfat.com

متقین محسنین بھی تھے

مزید اس آیت میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس بے پایاں انعام کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ لوگ اس سے پہلے دنیا کی زندگی میں محسن بن کر زندگی گزارتے رہے ہیں۔ محسن کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری میں صرف اپنی جان ہی نہیں لڑائی اور اپنی صلاحیتوں ہی کو نچھاور نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہر حکم کی تعمیل اس طرح کی جو اس کی بہتر سے بہتر صورت کہی جاسکتی ہے۔ اور احسان کی تعبیر کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ انہیں یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اللہ تعالیٰ تو انہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ اس طرح سے ان کے اعمال کے ظاہر کو باطن کی تائید بھی عطا فرمادی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کا جاننے والا ہی نہیں بلکہ وہ نیتوں، اعمال کے محرکات اور دلوں کے اندر کی حالت کو بھی جانتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ان کا تقویٰ محض ظاہردارانہ اور کاروباری نہیں تھا بلکہ ان کے اندر احسان کی روح بھی تھی جس سے اہلِ جنت کے اعمال کی خوبی اور دلوں کی پاکیزگی بیک وقت آشکارہ ہوجاتی ہے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾

(وہ راتوں میں کم ہی سوتے تھے۔ ۱۷)

تقویٰ اور احسان کی پہلی علامت

یہ ان کے تقویٰ اور احسان کی تعبیروں میں سے ایک تعبیر ہے کہ یہ لوگ شب و روز کے معمولات میں یقیناً اللہ تعالیٰ کے احکام کی انتہادرجہ تعمیل کرنے والے تھے اور اس کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کا کبھی خیال بھی نہیں کرسکتے تھے۔ بایں ہمہ ان کا حال یہ تھا کہ وہ صرف تعمیلِ احکام پر اکتفا کرنے کی بجائے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور اس طرح بے قرار ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں ڈوب جاتے تھے کہ ان کی راتوں کی نیند اچاٹ ہوجاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ سوتے کم اور جاگتے زیادہ تھے۔ کیونکہ سونا جسم کی قوت کی بحالی کیلئے انسانی ضرورت ہے، وہ اس ضرورت کو ضرورت کی حد تک پورا کرتے تھے لیکن رات کا زیادہ تر حصہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں جاگ کر گزارتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جسم کو توانائی دینے والی ذات وہی ہے۔ اور اوقات میں برکت دینے والا بھی وہی ہے۔

وَبِالْاَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾

(اور رات کے پچھلے وقتوں میں وہ مغفرت مانگتے تھے۔ ۱۸)

Marfat.com

دوسری علامت

باوجود اس کے کہ ان کے معمولات تعمیلِ احکام کی تصویر تھے اور راتوں کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزرتا تھا۔ اس پر بھی ان میں یہ خیال کبھی پیدا نہ ہوتا تھا کہ ان کی یہ شب خیزیاں اور عبادات میں استغراق اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کافی ہے۔ اور ہماری زندگی اتنی پاکیزہ ہوگئی ہے کہ اب اس میں مزید فکرمندی کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ ان کی فکر اور سوچ کا عالم یہ تھا کہ وہ رات کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور پھر طلوعِ سحر سے پہلے جو سحر کا وقت ہے اس میں وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔ ان کو برابر اس بات کا خیال رہتا کہ ہمیں جس قدر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے اور جس طرح اس کی یاد میں اپنا بیشتر وقت صرف کرنا چاہئے اور جس طرح ہمیں بندگی کے حقوق ادا کرنے چاہئیں ہم وہ پوری طرح ادا نہیں کر پا رہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ برابر انہیں یہ خیال رہتا کہ ہم نے راتوں کو جس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور جس طرح اس کی عبادت کی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اس میں حضورِ قلب کا عالم کیا رہا، اس میں ہم اخلاص کو بروئے کار لا سکے یا نہیں، ہم نے بظاہر عبادات کی صورت پیدا کی لیکن اس کی حقیقت ہم سے دور رہی یا قریب، وہ برابر اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر کی دعائیں کرتے کہ الٰہی! قیامت کے دن ہم سے عفو و کرم کا سلوک کر اور ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

(اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔ ۱۹)

تیسری علامت

متقین اور محسنین کی مزید علامات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانتے اور اس کی یاد میں کوشاں رہتے ہیں اسی طرح وہ بندوں کے حقوق کو پہچاننے والے بھی ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کے حوالے سے جو فرائض عائد کئے ہیں وہ صرف ان کو ادا کر کے نہیں رہ جاتے بلکہ ان کے علاوہ بھی وہ اپنے مال میں سائل اور محروم کا حق سمجھتے ہیں۔ یعنی جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ میرے پاس کوئی سوال کرنے والا اپنی جائز ضروریات کا صحیح طریقے سے ذکر کر رہا ہے وہ اپنے اور اپنے بال بچوں کی جن ناگزیر ضروریات کا حوالہ دے رہا ہے اور جس طرح وہ اپنے امراض اور اپنے متعلقین کا رونا رو رہا ہے میرے لئے ضروری ہے کہ میں اس سلسلے میں اس کی مدد کروں اور یہ مدد وہ خیرات کے طور پر نہیں کرتے جس پر وہ شکریئے کے طالب ہوں بلکہ وہ سوال کرنے والے کا اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں اور اسے فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ اور مزید یہ کہ ان کا یہ احساس صرف سائلوں تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنے مالوں پر ان لوگوں کا بھی حق سمجھتے ہیں جو خود سائل بن کر ان کے پاس نہیں آتے۔ لیکن کسی طرح ان کے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ شخص کل تک اچھے حالوں میں تھا لیکن اب حالات کی ستم ظریفی نے انہیں دوسروں کا محتاج کر دیا ہے۔ مثلاً جس طرح کوئی یتیم بچہ باپ کا سایہ اٹھ جانے سے بے سہارا ہو جاتا ہے، کوئی صحت مند اچانک اپنی صحت کھو بیٹھتا ہے، کوئی برسرِ روزگار، روزگار چھن جانے سے نادار ہو جاتا ہے یہ لوگ ایسے شخص کو خود تلاش کر کے اس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ اور محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے اسے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

Marfat.com

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾

(زمین میں بھی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کیلئے۔ ۲۰)

زمین میں جزاء وسزا کی نشانیاں

اوپر جزاء وسزا کی جو نشانیاں ذکر کی گئی ہیں اس آیت کا عطف ان ہی پر ہے۔

نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو آخرت کے امکان اور اس کے وجوب ولزوم کی شہادت دے رہی ہیں۔ زمین کا اپنا وجود اور اس کی ساخت، اس کا سورج سے ایک خاص فاصلے پر اور ایک خاص زاویئے پر رکھا جانا، اس پر حرارت اور روشنی کا انتظام، اس پر مختلف موسموں کی آمد ورفت، اس کے اوپر ہوا اور پانی کی فراہمی، اس کے پیٹ میں طرح طرح کے بے شمار خزانوں کا مہیا کیا جانا، اس کی سطح پر ایک زرخیز چھلکا چڑھایا جانا، اس میں قسم قسم کی بے حد وحساب نباتات کا اگایا جانا، اس کے اندر خشکی اور تری اور ہوا کے جانوروں کی بے شمار نسلیں جاری کرنا، اس میں ہر نوع کی زندگی کیلئے مناسب حالات اور موزوں خوراک کا انتظام کرنا، اس پر انسان کو وجود میں لانے سے پہلے وہ تمام ذرائع ووسائل فراہم کر دینا جو تاریخ کے ہر مرحلے میں اس کی روز افزوں ضروریات ہی کا نہیں بلکہ اس کی تہذیب وتمدن کے ارتقاء کا ساتھ بھی دیتے چلے جائیں، یہ اور دوسری ان گنت نشانیاں ایسی ہیں کہ دیدۂ بینا رکھنے والا جس طرف بھی زمین اور اس کے ماحول میں نگاہ ڈالے وہ اس کا دامن کھینچ لیتی ہیں۔ جو شخص یقین کیلئے اپنے دل کے دروازے بند کر چکا ہو اس کی بات تو دوسری ہے وہ ان میں اور سب کچھ دیکھ لے گا، بس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والی کوئی نشانی ہی نہ دیکھے گا۔ مگر جس کا دل تعصب سے پاک اور سچائی کیلئے کھلا ہوا ہے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر ہرگز یہ تصور قائم نہ کرے گا کہ یہ سب کچھ کسی اتفاقی دھماکے کا نتیجہ ہے جو کئی ارب سال پہلے کائنات میں اچانک برپا ہوا تھا، بلکہ اسے یقین آ جائے گا کہ یہ کمال درجے کی حکیمانہ صنعت ضرور ایک قادر مطلق اور دانا وبینا خدا کی تخلیق ہے، اور وہ خدا جس نے یہ زمین بنائی ہے نہ اس بات سے عاجز ہو سکتا ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے، اور نہ ایسا نادان ہو سکتا ہے کہ اپنی زمین میں عقل وشعور رکھنے والی ایک مخلوق کو اختیارات دے کر بے نتھے بیل کی طرح چھوڑ دے۔ اختیارات کا دیا جانا آپ سے آپ محاسبے کا تقاضا کرتا ہے جو اگر نہ ہو تو حکمت اور انصاف کے خلاف ہوگا۔ اور قدرت مطلقہ کا پایا جانا خود بخود اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کا کام ختم ہونے کے بعد اس کا خالق جب چاہے محاسبے کیلئے اس کے تمام افراد کو زمین کے ہر گوشے سے جہاں بھی وہ مرے پڑے ہوں، اٹھا کر لا سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾

(اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہے، کیا تم دیکھتے نہیں۔ ۲۱)

Marfat.com

انفس میں جزاء وسزا کی بعض نشانیاں

یعنی باہر دیکھنے کی بھی حاجت نہیں، خود اپنے اندر دیکھو تو تمہیں اسی حقیقت پر گواہی دینے والی بے شمار نشانیاں مل جائیں گی۔ کس طرح ایک خوردبینی کیڑے اور ایسے ہی ایک خوردبینی انڈے کو ملا کر ماں کے ایک گوشۂ جسم میں تمہاری تخلیق کی بنا ڈالی گئی۔ کس طرح تمہیں اس تاریک گوشے میں پرورش کر کے بتدریج بڑھایا گیا۔ کس طرح تمہیں ایک بینظیر ساخت کا جسم اور حیرت انگیز قوتوں سے مالا مال نفس عطا کیا گیا۔ کس طرح تمہاری بناوٹ کی تکمیل ہوتے ہی شکم مادر کی تنگ و تاریک دنیا سے نکال کر تمہیں اس وسیع و عریض دنیا میں اس شان کے ساتھ لایا گیا کہ ایک زبردست خود کار مشین تمہارے اندر نصب ہے جو روزِ پیدائش سے جوانی اور بڑھاپے تک سانس لینے، غذا ہضم کرنے، اور اندر سے پیدا ہونے والی یا باہر سے آنے والی آفات کا مقابلہ کرنے اور نقصانات کی تلافی کرنے حتیٰ کہ تھکاوٹ کے بعد تمہیں آرام کیلئے سلا دینے تک کا کام خود بخود کیے جاتی ہے بغیر اس کے کہ تمہاری توجہات اور کوششوں کا کوئی حصہ زندگی کی ان بنیادی ضروریات پر صرف ہو۔ ایک عجیب دماغ تمہارے کاسۂ سر میں رکھ دیا گیا ہے جس کی پیچیدہ تہوں میں عقل، فکر، تخیل، شعور، تمیز، ارادہ، حافظہ، خواہش، احساسات و جذبات، میلانات و رجحانات اور دوسری ذہنی قوتوں کی ایک انمول دولت بھری پڑی ہے۔ بہت سے ذرائع علم تم کو دیئے گئے ہیں جو آنکھ، ناک، کان اور پورے جسم کی کھال سے تم کو ہر نوعیت کی اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں۔ زبان اور گویائی کی طاقت تم کو دے دی گئی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہو۔ اور پھر تمہارے وجود کی اس پوری سلطنت پر تمہاری انا کو ایک رئیس بنا کر بٹھا دیا گیا ہے کہ ان تمام قوتوں سے کام لے کر رائیں قائم کرو اور یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں کن راہوں میں اپنے اوقات، محنتوں اور کوششوں کو صرف کرنا ہے، کیا چیز رد کرنی ہے اور کیا قبول کرنی ہے، کس چیز کو اپنا مقصود بنانا ہے اور کس کو نہیں بنانا۔

اب کیا کوئی شخص جس کی آنکھیں بالکل پھوٹ نہ گئی ہوں، یہ کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی ایک ہستی زمین پر اتفاقاً وجود میں آ گئی ہے؟ کوئی حکمت اور کوئی منصوبہ اس کے پیچھے کارفرما نہیں ہے؟ زمین پر اس کے ہاتھوں یہ سارے ہنگامے جو برپا ہو رہے ہیں سب بے مقصد ہیں اور بے نتیجہ ہی ختم ہو جانے والے ہیں؟ کسی بھلائی کا کوئی ثمرہ اور کسی بدی کا کوئی پھل نہیں؟ کسی ظلم کی کوئی داد اور کسی ظالم کی کوئی باز پرس نہیں؟ اس طرح کی باتیں ایک عقل کا اندھا تو کہہ سکتا ہے یا پھر وہ شخص کہہ سکتا ہے جو پہلے سے قسم کھائے بیٹھا ہے کہ تخلیقِ انسان کے پیچھے کسی حکیم کی حکمت کو نہیں ماننا ہے۔ مگر ایک غیر متعصب صاحب عقل آدمی یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسان کو جس طرح، جن قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اور جو حیثیت اس کو یہاں دی گئی ہے وہ یقیناً ایک بہت بڑا حکیمانہ منصوبہ ہے اور جس خدا کا یہ منصوبہ ہے اس کی حکمت لازماً یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان سے اس کے اعمال کی باز پرس ہو اور اس کی قدرت کے بارے میں یہ گمان کرنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا کہ جس انسان کو وہ ایک خوردبینی خلیے سے شروع کر کے اس مرتبے تک پہنچا چکا ہے اسے پھر وجود میں نہ لا سکے گا۔ (تفہیم القرآن)

Marfat.com

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

(اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے۔ ۲۲)

جزاء وسزا کی آسمان میں نشانیاں

اس آیت میں آسمان کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اس سلسلے میں صرف دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ایک تو یہ کہ اس میں تمہارا رزق ہے۔اس صورت میں بعض اہلِ علم نے اس سے عالمِ بالا مراد لیا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے جس میں بادل بھی شامل ہیں اور آسمان بھی۔اور رزق سے مراد بارش ہے۔یعنی عالمِ بالا سے تم پر بارش اترتی ہے اور وہ زمین سے رزق اگنے کا باعث بنتی ہے۔اس طرح سبب بول کو مسبب مراد لیا گیا ہے۔کیونکہ اگر آسمان سے بارش نہ اترے تو زمین اپنی ان تمام تر قوتِ روئیدگی کے باوجود کوئی چیز نہ اگا سکے۔اور اگر کوئی چیز اگے بھی تو وہ برگ و بار نہ لا سکے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ رزق سے مراد وہ سب کچھ ہے جو دنیا میں انسان کو جینے اور کام کرنے کیلئے دیا جاتا ہے۔اور مَا تُوْعَدُوْنَ وعید سے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالمِ بالا سے تمہارے لئے رزق اترتا ہے اسی طرح وہیں سے اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے۔ان دونوں چیزوں کو قیامت کیلئے دلیل بنایا گیا ہے کہ تم خود دیکھتے ہو کہ جب بارش اترتی ہے تو خشک اور مردہ زمین نہ صرف زندہ ہوتی ہے بلکہ اس کی قوتِ روئیدگی برسرِ کار آ جاتی ہے۔اسی طرح قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جب عذاب آتا ہے تو قومیں تباہ کردی جاتی ہیں۔پہلی صورت میں زندگی اور دوسری صورت میں تباہی اور ہلاکت، یہ ہمیشہ تم آسمان سے اسے اترتا ہوا دیکھتے ہو۔اور یہ بھی دیکھتے ہو کہ بارش اگر رحمت کا نمونہ ہے تو عذاب قمت کا۔لیکن ان دونوں چیزوں کیلئے اللہ تعالیٰ کو کچھ نہیں کرنا پڑتا، بجز اس کے کہ وہ دونوں باتوں کیلئے حکم دیتا ہے اور کلمۂ کُن سے ہر چیز وجود میں آ جاتی ہے۔تو جس پروردگار کی یہ شانیں ہیں اس کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ نوعِ انسانی کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا اور کائنات کی بساط کو دوبارہ نہیں بچھا سکتا، سراسر احمقانہ بات ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

(پس آسمان و زمین کے مالک کی قسم یہ بات ایسے ہی حق ہے جیسے تم بول دیتے ہو۔ ۲۳)

خلاصۂ بحث

آخر میں نشانیوں کی بحث کو ختم کرتے ہوئے آسمان و زمین کے رب کی قسم کھا کر فرمایا کہ تمہیں جس قیامت سے آگاہ کیا جارہا ہے اور تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں جس عذاب سے ڈرایا جارہا ہے اس کا وقوع یقینی ہے۔اس کیلئے پروردگار کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔اور اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح تمہارے لئے منہ سے کوئی لفظ بول دینا نہایت آسان ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کیلئے بھی یہ سب کچھ کر دینا بہت سہل ہے۔اسے اس کیلئے اسباب فراہم کرنا نہیں پڑتے بلکہ ایک کلمۂ کُن سے ہر چیز وجود میں آ جاتی ہے۔

Marfat.com

اور یہ بولنے کی مثال صرف تسہیلِ فہم کیلئے ہے ورنہ کسی چیز کو وجود میں لانے کو انسان کے بولنے سے تشبیہ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ انسان اس وقت تک بول نہیں سکتا جب تک اس کی قوتِ گویائی اس کا ساتھ نہ دے، اس کی دماغی قوتیں ٹھیک کام نہ کریں اور اس کی طاقتِ لسانی پوری طرح بروئے کار نہ آئے۔ ان میں سے کسی میں بھی اگر کوئی رکاوٹ آجائے تو انسان ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکال سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ
الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾
فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ
عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ
عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾
قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ
رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾
فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً
لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى
فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾
فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ

Marfat.com

اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ
اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾
فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا
اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ
قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

رکوع: ۲۔ (کیا آئی ہے آپ کے پاس حضرت ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات۔ ۲۴) جب وہ مہمان حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کو سلام کہا، تو آپ نے بھی سلام سے جواب دیا، یہ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ ۲۵) پھر وہ چپکے سے نظر بچا کر گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے۔ ۲۶) اور اس کو ان کے سامنے پیش کیا اور کہا آپ حضرات کھاتے نہیں۔ ۲۷) تو حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا، ان مہمانوں نے کہا، آپ مت ڈریں، اور انہوں نے آپ کو ایک ذی علم فرزند کی خوشخبری دی۔ ۲۸) پھر آپ کی بیوی حیران ہو کر آگے بڑھی، پھر اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور کہنے لگی بوڑھی بانجھ۔ ۲۹) فرشتوں نے کہا کہ ایسا ہی فرمایا ہے تیرے رب نے، وہ حکمت والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۳۰) حضرت ابراہیم نے کہا اے فرستادگانِ الٰہی، اس وقت آپ کے سامنے مہم کیا ہے؟ ۳۱) فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم مجرموں کی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ۳۲) تا کہ ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسا دیں۔ ۳۳) جو نشان زدہ ہیں آپ کے رب کے پاس، حد سے گزر جانے والوں کیلئے۔ ۳۴) پس اس بستی میں جتنے اہلِ ایمان تھے ان کو ہم نے نکال دیا۔ ۳۵) اور وہاں ہم نے بجز ایک گھر کے کسی کو مسلم نہیں پایا۔ ۳۶) اور اس میں ہم نے ایک بڑی نشانی چھوڑی ان لوگوں کیلئے جو عذابِ الیم سے ڈرتے ہیں۔ ۳۷) اور موسیٰ کی سرگزشت میں بھی نشانی ہے جبکہ ہم نے اس کو فرعون کی طرف ایک واضح سند کے ساتھ بھیجا۔ ۳۸) اور اس نے غرور سے منہ پھیرا اور بولا یہ تو ایک جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ ۳۹) تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا، اور انہیں سمندر میں پھینک دیا، اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا۔ ۴۰) اور عاد کی سرگزشت میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر ایک بادِ خشک بھیجی۔ ۴۱) وہ جس چیز پر بھی گزرتی اس کو بوسیدہ کر دیتی۔ ۴۲) اور ثمود کی سرگزشت میں بھی نشانیاں ہیں جبکہ ان سے کہا گیا کہ تم ایک خاص وقت تک اور عیش کر لو۔ ۴۳) تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی، تو ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب نے ان کو آ لیا اور وہ دیکھتے رہے۔ ۴۴) پھر نہ وہ اٹھ ہی سکے اور نہ اپنا بچاؤ کر سکے۔ ۴۵) اور ان سب سے پہلے ہم نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا، بے شک وہ لوگ بھی نافرمان تھے۔ ۴۶)

Marfat.com

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۴﴾

(کیا آئی ہے آپ کے پاس حضرت ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات۔ ۲۴)

گزشتہ دعاوی کے حق میں تاریخ سے استدلال

اب یہاں سے رکوع کے اختتام تک ان دعاوی کے حق میں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں تاریخ کی شہادت پیش کی گئی ہے۔اس سے پہلے مشاہداتی، عقلی اور انفسی دلائل دیئے گئے۔اب تاریخی دلائل سے ان کی تائید کی جارہی ہے کیونکہ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ وہ تاریخی دلائل سے جلدی متاثر ہوتا ہے۔نیز ان واقعات کے ذکر سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ انسانی تاریخ میں اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات برابر کام کرتا رہا۔نیکوکاروں کو انعام ملتا رہا اور کفار اور ظالم ہمیشہ اپنے برے انجام کو پہنچتے رہے ہیں۔یہ گویا اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا اگرچہ اسباب کی دنیا ہے اور یہاں قوانینِ طبیعی کی حکومت ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ معذب قوموں کا انجام دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہاں اخلاقی قانون بھی کارفرما ہے۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا مزاج مکافاتِ عمل پر مبنی ہے۔یہاں اگرچہ اخلاقی اعمال کے نتائج پوری طرح بروئے کار نہیں آتے،لیکن فی الجملہ ان کا ظہور آخرت کے وقوع کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔یہ واقعہ قرآنِ کریم میں تین مقامات پر پہلے بھی گزر چکا ہے۔وہاں کسی قدر تفصیل موجود ہے،اس لئے یہاں اختصار کے ساتھ بعض اشارات کئے گئے ہیں۔آیت کے آغاز میں خطاب کیلئے ضمیر واحد استعمال کی گئی ہے جس کے بارے میں بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور آپ کے واسطے سے تمام نوعِ انسانی کو ہے۔دوسری رائے یہ ہے کہ یہ خطاب انہیں مکذبین سے ہے جن پر اس سورۃ میں حجت تمام کی جارہی ہے۔رہی یہ بات کہ اس کیلئے ضمیر واحد لائی گئی ہے۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جماعت کے ایک ایک فرد کو متوجہ کرنا مقصود ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں اس خطاب میں شریک نہیں ہوں اور لاپرواہی کا ثبوت دے،جب وہ یہ دیکھے گا کہ یہ خطاب مجھ سے کیا جارہا ہے تو اس کے دل میں اس کی اہمیت بھی اترے گی اور احساس بھی توانا ہوگا۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی بات کی گئی ہے۔لیکن اس کیلئے لفظ ضیف کا استعمال ہوا ہے،اس کا معنی ہوتا ہے مہمان۔جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ایک نہیں دو تھے اور ضیف کا لفظ واحد ہونے کی وجہ سے ایک ہی کیلئے استعمال ہوسکتا ہے۔اور دوسری یہ بات بھی کہ اس کی صفت مکرمین لائی گئی ہے جو جمع ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضیف کا لفظ واحد اور جمع دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔اس لئے یہاں ضیف ضیوف کے معنی میں ہے۔

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾

(جب وہ مہمان حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کو سلام کہا، تو آپ نے بھی سلام سے جواب دیا، یہ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ ۲۵)

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مہمان

جب وہ مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے السلام علیکم کہا۔ اور آپ نے بھی سلام کا جواب سلام سے دیا۔ اس سلام کے تبادلے سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ یہ کوئی ایسے ویسے لوگ نہیں بلکہ شریف اور صالح مہمان ہیں۔ البتہ یہ بات دل میں کھٹک رہی تھی کہ یہ ہیں کون لوگ؟ اس سے پہلے کبھی یہ دیکھے نہیں گئے۔ جو جانے پہچانے لوگ ہیں وہ آپ کے متعلقین اور متوسلین ہیں۔ یہ شکل وشباہت سے بڑے شائستہ معلوم ہوتے ہیں لیکن کبھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اجنبی ہونے کی بات ان سے نہیں بلکہ اپنے دل میں کہی ہوگی۔ اور قول کا اطلاق جس طرح زبان سے کہی ہوئی بات پر ہوتا ہے، دل میں کہی ہوئی بات پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اپنے نوکروں سے اس کا اظہار کیا ہو۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾

(پھر وہ چپکے سے نظر بچا کر گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے۔ ٢٦)

حقِ ضیافت کا ایک ادب

روغ...... کسی کام کو نظر بچا کر چپکے سے کرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی مہمانوں کو عزت سے بٹھایا اور پھر وہاں خاموشی سے گھر کی طرف چلے گئے تاکہ مہمانوں کیلئے ضیافت کا اہتمام کریں۔ لیکن مہمانوں سے کچھ کہنا یا اس طرح جانا کہ انہیں شبہ ہوجائے آدابِ مہمانی کیخلاف سمجھا، تاکہ وہ تکلف میں آکر روکنے کی کوشش نہ کریں۔ کریم النفس اور فیاض میزبان کا طریقہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ پھر شکل وشباہت اور طور اطوار سے انہیں طبقۂ شرفاء سے سمجھنے کی وجہ سے جلدی میں جو بہتر سے بہتر ضیافت کا سامان ہوسکتا تھا وہ کیا۔ یعنی اپنے گلے کا فربہ بچھڑا ذبح کرایا اور اس کا بھنا ہوا گوشت لے کر ان کی خدمت میں پیش کیا۔ یہاں اگرچہ فربہ بچھڑے کا ذکر تو ہے لیکن سورۃ ہود میں عِجْلٍ حَنِيْذٍ فرمایا ہے جس کا معنی ہے بھنا ہوا بچھڑا۔ اس لئے ہم نے ترجمے میں اس کا لحاظ کیا ہے۔

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾

(اور اس کو ان کے سامنے پیش کیا اور کہا آپ حضرات کھاتے نہیں۔ ٢٧)

آپ نے جب ان کے سامنے سامانِ ضیافت پیش کیا تو آپ نے دیکھا کہ وہ ہاتھ نہیں بڑھا رہے۔ تو آپ نے نہایت محبت کے ساتھ ان کو کھانے کی دعوت دی۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾

(تو حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا، ان مہمانوں نے کہا، آپ مت ڈریں، اور انہوں نے آپ کو ایک ذی علم فرزند کی خوشخبری دی۔ ٢٨)

Marfat.com

اندیشے کا سبب اور مہمانوں کی وضاحت

جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے انتہائی محبت سے انہیں ہاتھ بڑھانے کی دعوت دینے کے باوجود بھی وہ ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہے تو آپ نے ایک خوف اور خدشہ محسوس کیا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ قبائلی زندگی میں کوئی اجنبی مسافر کسی گھر میں جاتا تھا اور اہلِ خانہ کی طرف سے اس کی خدمت میں اگر کھانا پیش کیا جاتا اور وہ کھانے سے احتراز کرتا تو یہ گویا اس بات کی علامت ہوتی کہ یہ شخص کسی برے ارادے سے آیا ہے۔ کیونکہ جاہل معاشرے میں بھی مہمانوں کے کچھ آداب ہوتے تھے جن کی وہ ہمیشہ پابندی کرتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب کسی کے گھر سے کچھ کھالیا جائے تو پھر اسے نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔ چنانچہ آپ نے ان مہمانوں کے بارے میں بھی یہی سمجھا کہ یہ شاید میری دشمنی کیلئے آئے ہیں۔ لیکن بعض دیگر اہلِ علم کا خیال ہے اور اس میں زیادہ وزن معلوم ہوتا ہے کہ جب ایسے شائستہ مہمانوں نے سامانِ ضیافت کی طرف ہاتھ بڑھانے سے گریز کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ اور اب ان کے خوفزدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ فرشتے معمولی کاموں کیلئے انسانی شکل میں کبھی نہیں آتے۔ وہ جب بھی اس طرح انسانی شکل میں آتے ہیں تو کسی بڑی مہم کیلئے آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی فرشتے ہوں اور یہ قومِ لوط پر عذاب کی خبر لے کر آئے ہوں۔ فرشتوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف کو تاڑ لیا اور ان کو اطمینان دلایا کہ آپ کوئی اندیشہ نہ کریں۔ اور پھر انہوں نے آپ کو ایک ذی علم فرزند کی خوشخبری دی۔ سورۃ ہود میں اس کی تصریح ہے کہ یہ فرزند کی خبر حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری تھی۔ اور ذی علم کہہ کر یہ بتایا گیا تھا کہ وہ صرف فرزند ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی ہوں گے۔ اور اس بشارت کی اہمیت دو وجہ سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت آپ کو دی گئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال اور حضرت سارہ کی عمر نوے سال تھی۔ اس عمر میں مرد و عورت اولاد سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ ایسی محرومی کے زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس اولاد کی خبر دی گئی وہ ایسی بینظیر اولاد تھی جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ دنیا میں کوئی دوسرا انسان ایسا نہیں جس کی نسل میں مسلسل چار انبیاء پیدا ہوئے ہوں وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے جن کے ہاں تین پشت تک نبوت چلتی رہی اور حضرت اسماعیل، اور حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام جیسے جلیل القدر نبی ان کے گھرانے سے اٹھے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾
قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٠﴾

(پھر آپ کی بیوی حیران ہو کر آگے بڑھی، پھر اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور کہنے لگی بوڑھی بانجھ۔ ۲۹) فرشتوں نے کہا کہ ایسا ہی فرمایا ہے تیرے رب نے، وہ حکمت والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۳۰)

Marfat.com

فرزند کی بشارت پر حضرت سارہؓ کے تأثرات

فرشتوں نے چونکہ یہ بشارت اونچی آواز سے دی تھی، اس لئے پسِ دیوار آپ کی بیوی سارہ نے اسے سن لیا جو دیوار کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ ان پر بیک وقت مسرت اور حیرت کی کیفیت طاری ہوئی۔ وہ سنتے ہی آگے بڑھیں، سراپا تعجب بن کر۔ کیونکہ عربی میں محاورہ ہے صرا الفرس اذنیه ''گھوڑے نے اپنے کان کھڑے کئے۔'' اسی سے فِیْ صَرَّةٍ کا محاورہ بنا، جو تعجب اور حیرانی کے اظہار کیلئے آتا ہے۔ چنانچہ ایسے مسرت اور تعجب کے وقت عورتیں عام طور پر اپنی پیشانی یا اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر تعجب کا اظہار کرتی ہیں۔ حضرت سارہ نے بھی ایسا ہی کیا اور کہا کہ ایک بوڑھی اور بانجھ عورت اب کیا بچہ جنے گی۔ یعنی میں جس عمر میں ہوں اور میرے شوہر جس عمر میں ہیں قوانینِ طبعی کے مطابق تو یہ اولاد پیدا کرنے کی عمر نہیں۔ اس کے برخلاف ہمیں جو بشارت دی جارہی ہے اس کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن ہے کس قدر تعجب کی بات۔ لیکن یہ تعجب ایسا ہے جس میں مسرت بھی گندھی ہوئی ہے۔ فرشتوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ بات کتنی بھی تعجب خیز ہو اور کس قدر بھی ناقابلِ یقین ہو، لیکن اطمینان کا باعث یہ ہے کہ یہ بات ہم نے نہیں، آپ کے رب نے فرمائی ہے۔ اور اس نے یہی حکم دیا ہے کہ اب بڑھاپے میں آپ کو اولاد دی جائے۔ رہا آپ کا بڑھاپا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے یہ رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ حکیم و علیم ہے اس کی حکمت اور اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾

(حضرت ابراہیم نے کہا اے فرستادگانِ الٰہی، اس وقت آپ کے سامنے مہم کیا ہے؟ ۳۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا انداز

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو بہت بڑی بشارت دی گئی، انسانی نفسیات کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کو اس مسرت میں ڈوب جانا چاہیے تھا کہ کسی اور بات کا ہوش ہی نہ رہتا۔ لیکن آپ جس عظیم منصب پر فائز تھے اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ منصبی اہمیت کو ذاتی جذبات پر غالب رکھیں۔ چنانچہ بشارت کی خوشی اپنی جگہ، لیکن یہ خوشی انہیں اس احساس سے بیگانہ نہ کرسکی کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جب انسانی شکل میں آتے ہیں تو وہ صرف اس طرح کی بشارتیں دینے کیلئے نہیں آتے جیسے مجھے دی گئی ہے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر کسی اہم کام کیلئے آتے ہیں۔ اور آپ چونکہ ہمیشہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف سے متفکر رہتے تھے کہ وہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کو اپنا شعار بنا چکی ہے اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں ان پر عذاب نازل نہ ہوجائے۔ چنانچہ اسی خدشے کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ نے فرشتوں سے سوال کیا کہ اے فرستادگانِ الٰہی! اس وقت آپ کے سامنے مہم کیا ہے؟ کیونکہ خطب کا لفظ عام واقعہ کیلئے نہیں بلکہ کسی بڑی اہم بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے آتا ہے۔ اسی کو ہم اردو زبان میں مہم کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اسی سے متعلق ان سے سوال کیا۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾

(فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم مجرموں کی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ۳۲)

Marfat.com

فرشتوں کا جواب

مجرموں کی قوم سے مراد قومِ لوط تھی۔ لیکن یہاں اس کا نام تصریح کے ساتھ نہیں آیا۔ لیکن سورۃ ہود میں ان کا نام لیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ (ہود: ۷۰) انہوں نے کہا: تم نہ ڈرو، ہم تو قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ لیکن یہاں نام لینے کی بجائے ان کے کردار کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان پر ہم جو اللہ تعالیٰ کا عذاب لے کر جا رہے ہیں تو اس لئے نہیں کہ قومِ لوط ہونے کی حیثیت سے قدرت کو ان سے دشمنی ہے، بلکہ درحقیقت وہ ایک مجرم قوم بن چکے ہیں۔ ان کے جرائم کی پاداش میں انہیں پکڑا جا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیشہ ان لوگوں پر آتا ہے جو اپنی بدکرداری کے باعث عمل کی ہر خوبی کو کھو دیتے ہیں، اچھائی کا کوئی تصور ان میں باقی نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کی زمین ان کی بداعمالیوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو جاتی ہے، تب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

(تاکہ ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسا دیں۔ ۳۳) جو نشان زدہ ہیں آپ کے رب کے پاس، حد سے گزر جانے والوں کیلئے۔ ۳۴)

فرشتوں نے اپنی منزل کی بھی خبر دے دی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں فرشتوں نے اپنی منزل کا بھی ذکر کیا اور اس مقصد کا بھی جس کیلئے وہ قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے نکل کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانے تک اور پھر اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر پروردگار نے نہیں فرمایا، کیونکہ یہ واقعات سورۃ ہود، الحجر اور العنکبوت میں گزر چکے ہیں۔

اور فرشتے قومِ لوط پر جس عذاب کیلئے بھیجے گئے اس میں سے صرف ایک اہم تر بات کو ذکر فرما کر باقی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ بھی دوسری سورتوں میں کسی حد تک تفصیل سے موجود ہیں۔ جس اہم تر بات کا ذکر فرمایا گیا وہ یہ ہے کہ ہم ان پر مٹی کے پتھروں کی بارش کرنے والے ہیں۔ اور سورۃ ہود میں اس کیلئے سجیل کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ فارسی کے سنگِ گل سے مُعرب ہے۔ اور یہاں حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ سے اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور مُسَوَّمَةً سے مراد ایسے پتھر ہیں جن پر نشان لگا دیا گیا تھا کہ کون سا پتھر کس مجرم کی سرکوبی کیلئے ہے۔ جس طرح ابرہہ کے لشکر کی تباہی کے وقت نشان زدہ پتھر ہر مجرم کے سر پر پڑ رہے تھے۔ لیکن بعض اہلِ علم کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے سے پتھروں کو مخصوص کر دیا گیا تھا جن کی بارش اس قوم پر کی جانے والی تھی۔

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

(پس اس بستی میں جتنے اہلِ ایمان تھے ان کو ہم نے نکال دیا۔ ۳۵) اور وہاں ہم نے بجز ایک گھر کے کسی کو مسلم نہیں پایا۔ ۳۶) اور اس میں ہم نے ایک بڑی نشانی چھوڑی ان لوگوں کیلئے جو عذابِ الیم سے ڈرتے ہیں۔ ۳۷)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض حقائق کا اظہار

اوپر کی آیت پر فرشتوں کی بات ختم ہوگئی۔ اگرچہ وہ ارشادات پروردگار ہی کے ہیں لیکن ان کی نسبت فرشتوں کی طرف ہے۔ اس کے بعد کی سرگزشت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس میں بعض حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں پہلی بات یہ ہے کہ جب ہم کسی قوم پر عذاب بھیجتے ہیں تو ان میں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں ہم ان کو وہاں سے نکال لیتے ہیں اور کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں پر عذاب نازل کیا جاتا ہے جو اپنی بداعمالیوں کے باعث عذاب کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں اور پھر ان کی جڑ اکھاڑ دی جاتی ہے۔

دوسری آیت میں یہ حقیقت واشگاف فرمائی گئی ہے اور اس پر جتنا بھی دکھ کا اظہار کیا جائے کم ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے ان میں سوائے ایک گھر کے جو حضرت لوط ہی کا گھر تھا ہم نے کسی کو مسلمان نہیں پایا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی قوم کا زوال انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تبلیغ و دعوت اس راستے میں اس کی جاں فشانی اور اس کا سوز و گداز بھی بے اثر ثابت ہوئے ہیں۔ یعنی وہ آواز جو پتھروں میں شگاف ڈال دیتی ہے وہ ان سنگدلوں میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس وقت تک نہیں آتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے تبلیغ و دعوت سے اتمامِ حجت نہیں کر دیتے اور یہ کام اس انتہا کو نہیں پہنچ جاتا جس میں یہ سمجھ لیا جائے کہ اب یہ راستہ بالکل بند ہو گیا ہے۔ یا لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانے والوں کی زندگیوں کے درپے ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے۔

مزید ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان دو آیات میں مومن اور مسلم کے الفاظ آئے ہیں۔ کوئی شخص بھی غور کرنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں کے مصداق الگ الگ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ حجرات میں مومن اور مسلم میں جو فرق کیا گیا وہ خاص حالات کی وجہ سے اور یا لغوی معنی کے اعتبار سے ہے۔ اصطلاحی طور پر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

تیسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قومِ لوط کی بستی میں ہم نے ایک نہایت واضح نشانی ان لوگوں کی عبرت پذیری کیلئے چھوڑی ہے جو اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے قہر و غضب کی نشانیاں دیکھنا اور ان سے سبق حاصل کرنا چاہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس نشانی سے مراد کیا ہے؟ صاحب تفہیم القرآن کی تحقیق اس حوالے سے نہایت قابلِ قدر ہے۔

> اس نشانی سے مراد بحیرۂ مردار Dead Sea ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی ایک عظیم الشان تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا اندازہ ہے کہ قوم لوط کے بڑے بڑے شہر غالباً شدید زلزلے سے زمین کے اندر دھنس گئے تھے اور ان کے اوپر بحیرۂ مردار کا پانی پھیل گیا تھا، کیونکہ اس بحیرے کا وہ حصہ جو ''اللسان'' نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے، صاف طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے اور قدیم بحیرۂ مردار کے جو آثار اس جزیرہ نما کے شمال تک نظر آتے ہیں وہ جنوب میں پائے جانے والے آثار سے بہت مختلف ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے اس بحیرے کی سطح سے بلند تھا، بعد میں کسی وقت دھنس کر اس کے نیچے چلا گیا۔ اس کے دھنسنے کا زمانہ بھی دو ہزار

Marfat.com

برس قبل مسیح کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے، اور یہی تاریخی طور پر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کا زمانہ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں آثارِ قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللّسان پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا ہے جس میں ۲۰ ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر ضرور آباد رہا ہوگا۔ مگر کسی ایسے شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو۔ اس سے بھی یہ شبہ تقویت پاتا ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرے میں غرق ہو چکا ہے۔ بحیرے کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، کول تار اور قدرتی گیس کے اتنے ذخائر پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا زلزلے کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾

(اور موسیٰ کی سرگزشت میں بھی نشانی ہے جبکہ ہم نے اس کو فرعون کی طرف ایک واضح سند کے ساتھ بھیجا۔ ۳۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت میں نشانی

اس کا عطف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت پر ہے۔ ہم نے ترجمے میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت میں نشانی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہدایت کیلئے ایک واضح سلطان کے ساتھ بھیجا۔ سلطان سے دو چیزیں مراد ہیں ایک تو یہ کہ آپ کو اتنے واضح معجزات دیئے گئے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کیلئے سندِ ماموریت کی حیثیت رکھتے تھے۔ حیران کر دینے والی اور خرقِ عادت چیزیں شعبدہ باز بھی دکھاتے ہیں اور جادوگر بھی۔ لیکن ان چیزوں کی مثال لانا یا ان کا توڑ کرنا ناممکن نہیں ہوتا۔ البتہ جس خرقِ عادت چیز کا اظہار اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی طرف سے ہوتا ہے کسی دوسرے انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اس کی مثال لا سکے۔ اس لئے اسے پیغمبر کا معجزہ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے جو دو معجزات دیئے گئے وہ اس قدر واضح تھے کہ کوئی شخص بھی بقائمی ہوش و حواس اس کی مثال لانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور فرعون نے جب اسے سحر قرار دے کر ملک بھر کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف ناکام رہا بلکہ جادوگر جو اس فن کے شناسا تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا معجزہ ہے اس لئے وہ فوراً ایمان لے آئے۔

سلطان کا دوسرا معنی رعب اور دبدبہ کے ہیں۔ اس صورت میں اس رعب اور دبدبہ کے واضح ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں فرعون کے سامنے تشریف لائے۔ آپ نے جس جرأت اور بے باکی سے فرعون کے سامنے اپنی دعوت پیش کی اور جس طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیں اس سے وہ اس حد تک مرعوب ہوا کہ باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیوی وسائل اور رعب و دبدبہ کے ذرائع میں سے کوئی چیز بھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔ بایں ہمہ فرعون کا حال یہ تھا کہ وہ آپ کی دعوت کے سلسلے میں بار بار افروختہ ہوا۔ اور بعض دفعہ اس نے آپ کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی۔ لیکن وہ اس پر عمل کبھی نہ کر سکا۔ اس نے آپ کی بے بسی کا

Marfat.com

مذاق اڑایا لیکن کبھی آپ پر دست درازی کی جرأت نہ کی۔ اور آپ کی دعوت کو روکنے کے جو ذرائع ہو سکتے تھے انہیں کبھی بروئے کار نہ لایا۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک نشانی جو فوراً ذہن میں ابھرتی ہے وہ وہی ہے جس کا اگلی آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

(اور اس نے غرور سے منہ پھیرا اور بولا یہ تو ایک جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ ۳۹)

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ کا مفہوم

رُکن کا معنی کندھا ہے اور "ب" سے اس کے اندر تعدی کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ جب کوئی شخص کسی چیز سے تکبر کے ساتھ منہ پھیرتا ہے تو وہ شانے اور کندھے جھٹکتا ہے۔ تو اس کے کندھے جھٹکنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے غرور کے ساتھ اعراض کیا اور منہ پھیرا۔ یہاں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات نے آپ کی نبوت اور رسالت کو بالکل واضح کر دیا تھا اور فرعون پر یہ بات کھل گئی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں۔ اس کے باوجود اس کا آپ کو ساحر یا مجنون قرار دینا سراسر تکبر کا نتیجہ تھا۔ اور تکبر اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بڑا جرم ہے اگلی آیت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾

(تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا، اور انہیں سمندر میں پھینک دیا، اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا۔ ۴۰)

فرعون کا انجام

یعنی اس کے تکبر کا نتیجہ ایک طرف اگر یہ ہوا کہ وہ حق سے دور ہو گیا اور ہدایت سے محروم رہا۔ اور دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر بھڑکا اور اس نے اسے اور اس کے لشکروں کو جن کے بل بوتے پر وہ غرور کا پیکر بنا ہوا تھا سمندر میں پھینک دیا۔ اس کے اور اس کی فوجوں کے غرق ہونے کی تفصیل چونکہ گزشتہ سورتوں میں بیان ہو چکی ہے اس لئے یہاں اس کو دہرایا نہیں گیا۔ قرآنِ کریم کا ہر طالب علم اس تفصیل سے آگاہ ہے۔ اور آیت کے آخری لفظ میں ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جب گرفت فرعون پر آئی تو پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے سارے جاہ و جلال اور فوجوں کے کروفر کے باوجود جب سمندر میں ڈبویا گیا تو اس وقت کی معلوم دنیا جو اس کی قوت سے ہمیشہ مرعوب رہتی تھی نے اس پر ایک کلمۂ تاسف تک نہ کہا۔ ہر ایک نے محسوس کیا کہ ایک ظالم اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ ایک ایسا حکمران جو اپنے انسان ہونے کو بھول گیا تھا کس قدر بے بسی کی موت مارا گیا تا کہ اس کی حقیقت لوگوں پر کھل جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے حوالے سے سورۃ الدخان میں قرآنِ کریم نے کس خوبصورت تاثر کا ذکر فرمایا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ "پھر نہ آسمان ان پر رویا نہ زمین۔" اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے ایک مومن اور عاجز بندے حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ سعد کی موت پر عرشِ معلیٰ پر لرزہ طاری ہوا۔

Marfat.com

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾

(اور عاد کی سرگزشت میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر ایک بادِ خشک بھیجی۔ ۴۱)

قومِ عاد کے انجام سے استدلال

عبرت حاصل کرنے والوں کیلئے قومِ عاد میں بھی نشانیاں موجود ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے رسول تشریف لائے۔ ان کی ہدایت کیلئے انہوں نے نہ جانے کب تک خونِ جگر پی پی کر ان کو سمجھایا۔ لیکن جب یہ لوگ راہِ راست پر آنے کی بجائے ان کی جان کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادِ خشک مسلط کر دی۔ عَقِيْم عربی زبان میں بانجھ عورت کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور ہر ایسی چیز کیلئے بھی جو بے فیض ہو، جس کے اندر نہ کوئی نفع رسانی کی طاقت ہو، نہ وہ خوشگوار ہو۔ لیکن جب یہ لفظ ریح کی صفت کے طور پر آتا ہے تو اس کا معنی ایسی ہوا بھی ہوتا ہے جو دوسروں کیلئے کوئی نفع نہ رکھتی ہو۔ نہ خوشگوار ہو، نہ بارش لانے والی اور درختوں کو بارآور کرنے والی ہو، غرضیکہ ان فائدوں میں سے کوئی فائدہ اس میں نہ ہو جس کیلئے ہوا کا چلنا مطلوب ہوتا ہے۔ اور دوسرا اس کا معنی ہے بادِ خشک۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ دونوں معنوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ عربی میں بارش لانے والی ہواؤں کو لَوَاقِح کہتے ہیں اور بے فیض اور مضر ہواؤں کو عَقِيْم کہا جاتا ہے۔ اور اس ہوا میں خاص طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک تندی اور تیزی بھی تھی۔ اس لئے حٰمٓ السجدۃ میں ارشاد فرمایا گیا مَا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِیْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ "پس ہم نے ان کے اوپر ہوائے تند مسلط کر دی نحوست کے دنوں میں۔"

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾

(وہ جس چیز پر بھی گزرتی اس کو بوسیدہ کر دیتی۔ ۴۲)

ہوا کی ہلاکت انگیزی

قومِ عاد پر جو ہوا بھیجی گئی یہ اس کی ہلاکت انگیزی کی تصویر ہے کہ وہ ایسی خشک اور ٹھنڈی تھی اور اس قدر تند تھی کہ جس چیز پر بھی اس کا گزر ہوا اس نے اس کو بوسیدہ اور ریزہ ریزہ کر دیا۔ رَمِيْم لکڑی، رسی اور ہڈی وغیرہ کے بوسیدہ ٹکڑوں اور ریزوں کو کہتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے دوسرے مقامات پر یہ وضاحت کی ہے کہ یہ ہوا صرف بے خیر اور خشک ہی نہ تھی بلکہ نہایت شدید آندھی کی شکل میں آئی تھی جس نے لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ دیا۔ گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنوں کے کندے ہیں۔

وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

(اور ثمود کی سرگزشت میں بھی نشانیاں ہیں جبکہ ان سے کہا گیا کہ تم ایک خاص وقت تک اور عیش کر لو۔ ۴۳) تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی، تو ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب نے ان کو آ لیا اور وہ دیکھتے رہے۔ ۴۴) پھر نہ وہ اٹھ ہی سکے اور نہ اپنا بچاؤ کر سکے۔ ۴۵)

Marfat.com

قومِ ثمود کے انجام کا ذکر

عاد کے بعد قومِ ثمود کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ عبرت حاصل کرنے والوں کیلئے ان میں بھی عبرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام کے معجزے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی غیر معمولی طریقے سے ان کے سامنے لا کھڑی کی۔ اور ہدایت کی کہ اسے نقصان نہ پہنچانا۔ لیکن ان میں سے ایک سرکش لیڈر نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تمہارے لئے زندگی سے متمتع ہونے اور نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کیلئے تین دن باقی ہیں۔ ان تین دنوں میں جو کھانا پینا چاہتے ہو، کھا پی لو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اس دھمکی اور تنبیہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ ممکن ہے اس میں ان کیلئے توبہ کا امکان بھی رکھا ہو۔ اس آیتِ کریمہ میں حِیْن کا لفظ ہے۔ لیکن سورۃ ہود میں اسے ثَلٰثَةَ اَیَّام کے ساتھ متعین کر دیا گیا ہے کہ یہ مدت تین دنوں کیلئے ہوگی۔ لیکن ان بدنصیبوں نے ان تین دنوں سے کوئی فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی بدنصیبی میں اضافہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس آخری مہلت کی بھی کوئی پرواہ نہ کی، بلکہ نہایت تکبر سے اپنی روش پر قائم رہے۔ تو آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔ سورۃ ہود میں اس عذاب کیلئے صیحة کا لفظ آیا ہے اور پیشِ نظر آیت میں صاعقه کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دھماکے کی طرح ان کو ایک ڈانٹ سنائی دی۔ اور اچانک ٹوٹ پڑنے والا عذاب ان پر مسلط ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ اس طرح کھلم کھلا ہوا کہ وہ دیکھ رہے تھے لیکن بچاؤ نہ کر سکتے تھے۔ چونکہ یہ عذاب دفعۃً آیا تھا اس لئے انہیں سنبھلنے کیلئے ایک لحہ بھی نہ مل سکا۔ سورۃ القمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ "ہم نے ان کے اوپر ایک ہی ڈانٹ بھیجی، تو وہ باڑے والے کے باڑے کی خشک اور ریزہ ریزہ لکڑیوں کے مانند ہو کر رہ گئے۔ اور اس چیخ اور دھماکے سے وہ اس حد تک سراسیمہ ہوئے اور اس کڑک نے ایسی دہشت ان پر طاری کی کہ وہ کھڑے ہونے کے قابل بھی نہ رہے اور زمین پر گر پڑے۔ سورۃ الاعراف میں اس کا حال یوں بیان کیا گیا ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ "پس ان کو کپکپی نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ کہاں تو یہ حال کہ وہ اپنے غرور و تکبر سے کسی کو خاطر میں لانے کیلئے تیار نہ تھے اور کہاں اب یہ حال کہ وہ اپنی مدافعت تک نہ کر سکتے تھے اور کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

(اور ان سب سے پہلے ہم نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا، بے شک وہ لوگ بھی نافرمان تھے۔ ۴۶)

قومِ نوح پر عذاب کا ذکر

اور ان واقعات کے آخر میں قومِ نوح کی ہلاکت اور طوفان سے ان کی تباہی کی طرف اشارہ فرمایا کہ سب سے پہلے یہی بدنصیب قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئی۔ تاریخی ترتیب کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر سب سے پہلے آنا چاہئے تھا۔ لیکن قرآنِ کریم نے یہاں ترتیب تاریخی اعتبار سے نہیں بلکہ قریش کی آگاہی کے اعتبار سے رکھی ہے۔ وہ ان قوموں کے واقعات سے آگاہ تھے جن کی روایات اور جن کے آثار ان کے ملک میں موجود تھے۔ طوفانِ نوح سے وہ کسی حد تک واقف تو تھے لیکن اس کے آثار ان کے قرب و جوار میں کہیں نہیں پائے جاتے تھے۔ اس لئے ہلاک ہونے والی قوموں میں قومِ نوح کا ذکر تو کیا لیکن اثر اندازی کے پہلو سے اسے آخر میں رکھا۔

Marfat.com

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا
لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ
خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾
كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ
مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ
بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ
يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

رکوع: ۳۔ (اور آسمان کو ہم نے بنایا اپنی قدرت سے، اور ہم بڑی ہی وسعت رکھنے والے ہیں۔ ۴۷) اور
زمین کو ہم نے بچھایا، پس کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔ ۴۸) اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اس
سے سبق لو۔ ۴۹) پس دوڑو اللہ کی طرف میں تمہارے لئے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔
۵۰) اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، میں اس کی جانب سے تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ ۵۱)
اسی طرح ہوتا رہا ہے کہ ان سے پہلے کی قوموں کے پاس جو رسول بھی آیا اس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ ٹھہرایا۔ ۵۲)
کیا انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اس کی وصیت کر چھوڑی ہے، نہیں بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔ ۵۳) پس

Marfat.com

آپ ان سے اعراض کریں، پس آپ پر کوئی ملامت نہیں۔ ۵۴) نصیحت کرتے رہئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع پہنچاتی ہے۔ ۵۵) میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ ۵۶) میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ۵۷) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود ہی رزاق، زور آور اور قوت والا ہے۔ ۵۸) پس ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا ویسا ہی مقرر پیمانہ ہے جیسا ان ہی جیسے لوگوں کیلئے تھا، یہ لوگ مجھ سے جلدی نہ مچائیں۔ ۵۹) پس تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا، ان کے اس دن کے سبب سے جس سے انہیں ڈرایا جارہا ہے۔ ۶۰)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

(اور آسمان کو ہم نے بنایا اپنی قدرت سے، اور ہم بڑی ہی وسعت رکھنے والے ہیں۔ ۴۷)

قدرت کی نشانیوں کے ضمن میں آسمان سے استدلال

آخرت کے حق میں تاریخی دلائل پیش کرنے کے بعد اپنی قدرت وربوبیت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ انہیں آفاقی دلائل بھی کہا جاسکتا ہے اور اسی ضمن میں توحید کی یاددہانی بھی کرائی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مشاہدات کے سلسلے میں سب سے پہلا مشاہدہ انسان کو اپنے سر پر تنے ہوئے آسمان کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ اور وہ جیسے جیسے غور کرتا ہے آسمان کے عجائب اس کے سامنے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ ایک وسیع چھت جس کے نیچے کوئی ستون نہیں اور جس کی وسعتوں کا کوئی اندازہ نہیں۔ جو ذات اس قدر عظیم مخلوق کی تخلیق کرسکتی ہے اور پھر اس میں بے شمار مخلوقات کو سامانِ تربیت مہیا کرسکتی ہے اس کی طاقت اور قدرت کیلئے انسان کو نئی زندگی دینا کیا مشکل ہے۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے سورۃ النزعت میں ارشاد فرمایا ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ''کیا تمہارا پیدا کیا جانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا۔'' پھر ایک غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم بڑی وسعت رکھنے والے اور بڑی قدرت رکھنے والے ہیں یعنی تمہیں یہ جو خیال ہے کہ کائنات کا خالق تو وہی ہے جسے ہم اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ لیکن اب فنا اور ہلاکت کے بعد دوبارہ انسانوں کو پیدا کیا جانا عقل سے مستبعد ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ آسمان کو پیدا کرکے اپنی ساری قوتیں نچوڑ چکا ہے اور اپنے سارے وسائل صرف کرچکا ہے اور اب از سرنو سے بنانا یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ ہماری قدرت اور وسعت میں کوئی کمی نہیں آئی، ہم جن قدرتوں کے مالک پہلے تھے آج بھی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ بعض دوسرے مقامات میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین یعنی ساری کائنات کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ''ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوئی۔'' یعنی ہم اسی طرح تازہ دم ہیں جس طرح پہلی دفعہ اس کائنات کے بنانے میں تھے۔ تھکاوٹ اور ماندگی مخلوق کی صفات ہیں، خالق کی نہیں۔

Marfat.com

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

(اور زمین کو ہم نے بچھایا، پس کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔ ۴۸)

آسمان کے بعد زمین کا ذکر

اپنی قدرت کے اظہار کیلئے اور دلائلِ آفاق کو بیان کرتے ہوئے آسمان کے بعد زمین کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ذرا اس زمین کو دیکھو کہ ہم نے کس طرح اس کو بچھایا، کس طرح اس کو انسان کی سکونت کے قابل بنایا۔ یہ آگ کے گولے کی مانند تھی، ہم نے اس کو نہایت آرام دہ بنا دیا۔ اس کو غیر متوازن ہونے سے بچانے کیلئے پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں، میدانی علاقوں میں دریا رواں کر دیئے اور پہاڑوں میں چشمے اور آبشاریں رواں کر دیں، سردیوں میں پہاڑوں پر برف جمائی، گرمیوں میں اسے پگھلا کر زمین کی آبیاری کا سامان کیا، اس کے اوپر کی سطح پر ایک ایسا چھلکا چڑھا دیا جس میں قوتِ روئیدگی رکھی اور مخلوقات کی غذا کا سامان فراہم کیا، سورج سے زمین کو خاص فاصلے پر رکھا اور اس کو اس طرح ۲۳ درجے ایک طرف جھکایا جس سے موسموں کے تغیرات پیدا ہوئے، سورج کی گرمی سے پانی کے ذخیروں سے بھاپ اٹھا کر بادل بنائے پھر ہواؤں کے ذریعے ہر جگہ ان کے برسنے کا انتظام کیا۔ غرضیکہ زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو قدم قدم پر انسان کو آخرت کے تصور سے بہرہ ور کرتی ہیں۔ اور یہ تصور دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کارنامہ عبث نہیں پیدا کیا۔ اور یہ بات اس کی حکمت اور ربوبیت کیخلاف ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے۔ حکمت و ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں ہر شخص اس دنیا کی زندگی سے متعلق مسؤل ٹھہرے۔ اور اس کی مسؤلیت سے متعلق اس کا حساب لیا جائے۔ وہ اپنی شکر گزاری کا صلہ پائے اور اپنی ناشکری اور نافرمانی کی سزا بھگتے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

(اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کیئے تاکہ تم اس سے سبق لو۔ ۴۹)

قانونِ تزویج سے توحید اور آخرت پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے مزید اظہار کیلئے فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کو قانونِ تزویج کے مطابق پیدا کیا۔ سارا کارخانۂ عالم اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ دو چیزوں کے جوڑ سے تیسری چیز وجود میں آتی ہے۔ اور یہ ترکیب اور تزویج کا اصول صرف حیوان اور انسان میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق میں کارفرما ہے۔ اس نے کوئی چیز منفرد پیدا نہیں کی۔ ہر چیز کا جوڑا پیدا فرمایا۔ فرق صرف یہ ہے کہ کہیں اس جوڑے کو نر اور مادہ کہا جاتا ہے اور کہیں نیگٹو اور پازیٹو اور کہیں دوسرے نام دیئے جاتے ہیں۔ لیکن تمام اشیاء کا زوج زوج ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس حقیقت سے جو نتیجہ خود بخود نکلتا ہے اور عقل جسے قبول کرتی ہے مشرکین اور ملحدین اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ جب ہر چیز کا ایک جوڑا ہے اور کوئی چیز اپنے جوڑے سے ملے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہوتی تو دنیا کی یہ زندگی

Marfat.com

کیسے بے جوڑ ہو سکتی ہے۔اس کا جوڑ الازماً آخرت ہے۔اگر دنیا اکیلی رہ کر اپنا وجود ختم کردے تو یہ بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گی۔اسے معنی خیز اور بامقصد بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ایک جوڑا ہو اور وہ یقیناً آخرت ہے۔

جس طرح ان دلائلِ آفاق اور اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کے اظہار سے آخرت کا وجود ثابت ہوتا ہے اسی طرح ان ہی دلائل سے توحید کا ثبوت بھی ملتا ہے۔یعنی جس طرح بارش کا انتظام، زمین کی ساخت، آسمان کی تخلیق، انسان کا اپنا وجود، کائنات میں قانونِ تزویج کی حیرت انگیز کارفرمائی، یہ ساری چیزیں آخرت کے امکان و وجوب پر گواہ ہیں اسی طرح یہی اس بات کی شہادت بھی دے رہی ہیں کہ یہ کائنات نہ بے خدا ہے، نہ اس کے بہت سے خدا ہیں، بلکہ ایک ایک خدائے حکیم وقادرِ مطلق ہی اس کا خالق و مالک اور مدبر ہے۔ورنہ ہم جو کائنات میں مختلف عناصر کی کارفرمائی دیکھتے ہیں جن کے اپنے اندر تخالف کی نسبت پائی جاتی ہے اگر کہیں کائنات کے خالق و مدبر ایک سے زیادہ ہوتے تو ان متخالف عناصر میں توافق کبھی پیدا نہ ہوتا۔آگ اور پانی، ہوا اور مٹی، اندھیرا اور اجالا کبھی مل کر ایک خدمت انجام نہ دیتے۔اور کائناتی زندگی کی بہتری کی بجائے ایک ایسی ابتری پیدا کردیتے جس سے انسان اور دیگر موجودات کا وجود ختم ہو کر رہ جاتا۔آیت کے آخر میں لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ لاکر ان ہی حقائق پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰

(پس دوڑو اللہ کی طرف میں تمہارے لئے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ ۵۰)

آخرت کی تیاری کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرنے اور بالخصوص اس کی قدرت اور اس کے مظاہر پر تدبر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آخرت کو مانے بغیر اس دنیا کو بامقصد اور باحکمت نہیں مانا جا سکتا اور اس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں رہتی۔اور اسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و حکیم اور کوئی نہیں۔وہی ایک ذات انسان کی پرستش، پرسش اور اطاعت کی مستحق ہے اور اسی کے سامنے آخرت میں جواب دہی کرنی ہے۔تو پھر اس بات کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اپنے اللہ کی طرف بھاگو، یعنی اسے اپنے دلوں میں بسا لو، اسے اپنا معبود و مسجود بنالو، اس کی خوشنودی کے حصول کو اپنی خواہش بنالو اور اسی کے دین کی بالاتری کو اپنی منزل سمجھو اور اپنی زندگی کا ہر فیصلہ اسی کے احکام کے تابع کردو۔اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔تم دنیا میں رہ کر کبھی آسودہ نہ ہو سکو گے اور آخرت میں برے انجام سے دوچار کئے جاؤ گے۔یہی وہ بات ہے جس کیلئے میں تمہیں صاف صاف طریقے سے آگاہ کررہا ہوں۔اور تمہارے برے انجام سے تمہیں ڈراتا ہوں۔مبین کا مطلب یہ ہے کہ میں اس میں کسی طرح کا اخفاء نہیں رکھنا چاہتا۔کیونکہ اس میں معمولی اخفاء بھی منزل کو نگاہوں سے اوجھل کرسکتا ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۱

(اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، میں اس کی جانب سے تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ ۵۱)

Marfat.com

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت

اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے یعنی متوجہ ہونے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی الوہیت میں کسی اور کو شریک کرنے لگو۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اس کے سوا غیر مشروط اطاعت کسی کی نہیں ہوسکتی۔ سب سے بالاتر محبت صرف اس کیلئے ہے، اسی کا دیا ہوا قانونِ شریعت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں واجب العمل ہے، اس کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جس پر توکل کیا جاسکے، اس کی نافرمانی میں اسی کے غضب سے ہمیشہ ڈرا جانا چاہئے۔ ہر طرح کی عظمتیں اسی کو زیب دیتی ہیں، وہ سب سے بڑا اور سب سے عظیم ہے کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی اس کی عظمت کے راستے میں حائل نہیں ہوسکتی۔ یہ اس کے لازمی حقوق ہیں اور یہ جس کیلئے مانے جائیں اسی کو اِلٰہ کہتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو اِلٰہ بنانے سے خاص طور پر روکا گیا ہے۔

سیاق وسباقِ کلام کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ پس منظر میں آخرت کا ذکر ہے اور مشرکینِ عرب اگرچہ آخرت کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں تھے لیکن ان میں سے جو لوگ آخرت کو کسی حد تک تسلیم کرتے تھے انہیں اس تصور نے آخرت کی طرف سے غافل کر رکھا تھا کہ اس دن ہمارے مزعومہ شرکاء وشفعاء ہمیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے۔ وہ ہماری سفارش کریں گے، ہم اللہ تعالیٰ کی ہر طرح کی گرفت سے محفوظ ہوجائیں گے۔ اس لئے یہاں فرمایا جارہا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کام نہیں آئے گا۔ اس دن سابقہ تمہیں صرف اللہ وحدہ لاشریک سے پڑے گا، دوسرے سہارے بے حقیقت ثابت ہوں گے۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾

(اسی طرح ہوتا رہا ہے کہ ان سے پہلے کی قوموں کے پاس جو رسول بھی آیا اس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ ٹھہرایا۔ ۵۲)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ قریش اور دیگر مشرکین آپ کے بارے میں جو یاوہ گوئی کرتے ہیں اور کبھی آپ کو ساحر قرار دیتے ہیں اور کبھی مجنون، آپ اس پر دل گرفتہ نہ ہوں۔ یہ واقعہ پہلی دفعہ پیش نہیں آیا بلکہ رسالت کی پوری تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول آیا اور اس نے اپنی قوم کو خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کیا جاسکتا، وہی تمہارا خالق ومعبود اور تمہاری قسمتوں کا مالک ومختار ہے۔ میں اس کی طرف سے تمہارے پاس رسول بن کر آیا ہوں۔ اس لئے میں جو بات کہتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں۔ تو لوگوں نے کہا کہ اچھا اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہو تو ہمیں کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جس سے یہ یقین ہوجائے کہ واقعی تمہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ ان کی طلب پر جب رسول نے انہیں کچھ نشانیاں دکھائیں یعنی معجزات دکھائے تو انہوں نے شور مچادیا کہ یہ جادوگر ہے جو اپنے جادو کے زور سے ہماری عقلوں کو ماؤف کرنا چاہتا ہے۔ اور جب اس رسول نے انہیں یہ بتایا کہ تم دنیا میں غیر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجے گئے، تمہیں اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور دیا ہے اور پھر وحی الٰہی کے

Marfat.com

ذریعے تمہیں حقیقت کا علم بخشا ہے۔ تمہاری یہ زندگی آخرت کی تیاری کیلئے ہے۔ اور آخرت میں تم نے اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔ تمہارا کارنامۂ حیات مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ تمہیں ازسرنو زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ تو یہ لوگ چیخ اٹھے کہ یہ پاگل ہے اور اس کی عقل ماری گئی ہے۔ یہی رویہ قریش اور دوسرے مشرکین نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہ اس میں کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے، آپ اس پر پریشان ہونے کی بجائے صبر سے کام لیجئے اور حالات کا مقابلہ کیجئے جس طرح آپ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے کیا۔ کیونکہ:

زمانہ یونہی اپنے محسنوں کو تنگ کرتا ہے
وہ درسِ صلح دیتے ہیں یہ ان سے جنگ کرتا ہے

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾

(کیا انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اس کی وصیت کر چھوڑی ہے، نہیں بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔ ۵۳)

رسولوں کی مخالفت میں یکسانی کا سبب

گزشتہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے مخالفین کی روش کی جس یکسانی کا ذکر فرمایا گیا ہے اس پر اظہارِ تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان لوگوں نے ایک دوسرے کو یہ نصیحت کر رکھی ہے کہ جب بھی ان کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول آئے تو اس کی مخالفت میں یہی رویہ اختیار کرنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی مختلف زمانوں میں آئے اور ان کی قوموں کا بھی ایک دوسرے سے کبھی کوئی تعلق نہ رہا۔ کسی نے کسی کو نہیں دیکھا اور کوئی دوسرے سے ملاقات نہ کر سکا۔ بااین ہمہ مخالفت میں ایک ہی جیسی باتیں اور ایک ہی جیسا رویہ، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ پروردگار نے ان کے اس رویئے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت ان کے اس رویئے میں یکسانی، ان کی طبیعتوں کے بگاڑ میں یکسانی کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی بندگی سے آزاد ہو کر اور جواب دہی سے بے خوف ہو کر شترِ بے مہار کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات پر کوئی قدغن برداشت نہیں کرتے۔ من چاہی زندگی ان کا اصل اسلوب ہے۔ اور باہمی مشورے سے اگر وہ کچھ اصول طے کرتے بھی ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں بلکہ انسانوں کی بندگی کا شعور شامل ہوتا ہے۔ اور یہ انسان کی ایسی کمزوری ہے جس میں بگڑے ہوئے انسان ہمیشہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہے ہیں۔ برائی میں ایک لذت ہے، خواہش کی پیروی انسان کے سفلی جذبات کو آسان کر دیتی ہے۔ پیسے کی ہوس، آرام و راحت کی طلب اور بے محنت عزت کی خواہش، ہمیشہ ہوائے نفس کی منزل رہی ہیں۔ جب کوئی شخص اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی بندگی، اخلاق کی پابندی، حقوق کا شعور اور ایثار و قربانی کی تعلیم دیتا ہے تو اسے قبول کرنا انسان کیلئے مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ ان چیزوں کا نمائندہ بن کر جو اس کیلئے ہوائے نفس نے منزل بنا رکھی ہیں ان چیزوں کا راستہ روکنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس میں چونکہ ہر دور کا انسان شریک رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی مخالفت ہر دور میں ایک ہی طریقے سے ہوتی رہی ہے۔ عاد و ثمود میں بھی یہی بیماری تھی اور قریش میں بھی یہی کمزوری ہے۔ وہ دونوں اپنی کمزوریوں میں یکساں ہیں حالانکہ ایک دوسرے سے شناسا نہیں۔ آج ذرائع اور وسائل کی شکلیں تبدیل ہوئی ہیں لیکن ان کے محرکات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ظالم اگر کل تلوار سے ظلم کرتا تھا تو آج ٹینک، ہوائی جہاز اور

Marfat.com

ہائیڈروجن بموں کا استعمال کرتا ہے۔ لیکن دونوں میں ظلم کے محرکات میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ اسی طرح آج کا ملحد اپنے الحاد کیلئے دلائل کے خواہ کتنے ہی انبار لگا تا رہے اس کے اس راہ پر جانے کے محرکات ابوجہل اور ابولہب سے مختلف نہیں۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

(پس آپ ان سے اعراض کریں، پس آپ پر کوئی ملامت نہیں۔ ۵۴) نصیحت کرتے رہئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع پہنچاتی ہے۔ ۵۵)

ان دو آیتوں میں پروردگار نے آنحضرت ﷺ کو دو اہم حقیقتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور آپ کے واسطے سے ہر اس داعیِ حق کو رہنمائی مہیا کی گئی ہے جو دعوت الی اللہ کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد بنا چکا ہے۔

نامور مخالفین پر اتمامِ حجت ہو چکا، عام لوگوں میں تذکیر کی ہدایت

پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر تبلیغ و دعوت کیلئے ہر طریقہ آزما کے دیکھ لیا اور زیادہ سے زیادہ وقت بھی صرف کیا اور نہ جانے کتنا خونِ جگر نچوڑا۔ جن کے بارے میں آپ کا گمان یہ تھا کہ یہ لوگ اگر اسلام کے راستے پر آجائیں تو ان کی وجہ سے لوگوں میں اسلام ایک تحریک کی شکل اختیار کر لے گا۔ اور جو غریب لوگ اس انتظار میں ہیں کہ یہ لوگ جن کی ہم نے ہمیشہ پیروی کی ہے اگر اسلام کو اللہ تعالیٰ کے دین کے طور پر قبول کر لیں تو ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور اسی میں ہماری دنیا و عقبیٰ کی بھلائی ہے۔ لیکن آپ کی یہ مساعیِ جمیلہ نتیجہ خیز نہ ہو سکیں۔ اور جن لوگوں پر آپ نے محنت کی وہ پہلے سے زیادہ دین کے دشمن ثابت ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر دین سے بیزاری انتہا کو پہنچی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی محرومی کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اب آپ مزید ان پر محنت نہ کریں۔ چونکہ یہ محنتوں اور اوقات کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن آپ یہ گمان نہ کیجئے کہ آپ کو اس کے بارے میں کوئی جواب دہی کرنا ہوگی اور شاید آپ پر اس کا کوئی الزام آئے کہ آپ کی بعثت جب اسی مقصد کیلئے ہوئی ہے تو پھر آپ اس کام کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کیلئے جس قدر محنت کرنا چاہئے تھی آپ اس سے بڑھ کر کر چکے۔ دوسری آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں میں اس کام کو جاری رکھئے، لیکن اس کا انداز ایسا ہو جس سے سب مستفید ہو سکیں۔ کیونکہ اصل مقصود تو ایسے لوگوں کو تلاش کرنا ہے جو قبولیتِ حق کیلئے مستعد ہو سکیں۔ اور اس کا علم ایک داعیِ حق کو بھی نہیں ہوتا کہ کون میری دعوت کو قبول کرے گا اور کون رد کر دے گا۔ اس کا حل یہی ہے کہ اس کام کو مسلسل جاری رکھئے۔ جو لوگ اس کو قبول کرنا چاہیں آپ ان پر محنت کیجئے۔ کیونکہ یہ ایک نصیحت ہے جس کا فائدہ مومنوں ہی کو پہنچتا ہے۔ یعنی جو اس کو مانتے اور دلوں میں جگہ دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ محض تضیعِ اوقات کیلئے آپ سے بحث کرنا چاہیں آپ ان سے منہ پھیر کر دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کریں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں آپ کی نصیحت جن کو نفع پہنچائے گی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ ۵۶)

Marfat.com

جن وانس کا مقصدِ تخلیق

گزشتہ آیت سے پیوستہ آیت میں نبی کریم ﷺ کو ہدایت کی گئی تھی کہ جو لوگ آپ کی مخالفت کیلئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور کسی طرح بھی آپ کی بات سننے کے روادار نہیں تھے اور آپ کی خیر خواہی اور دلسوزی کو حماقت اور جنون کا نام دیتے ہیں۔ اپنی تبلیغی مساعی کیلئے انہیں موضوع اور ہدف بنانے کی بجائے ان لوگوں کی طرف توجہ کیجئے جو آپ کی نصیحت کو کان لگا کر سنتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنی مسلسل مساعی سے ایک طرح سے ان پر اتمامِ حجت کر دیا ہے، اب اگر آپ ان سے روگردانی کرتے ہیں تو آپ پر ان کی ہدایت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اس سلسلے میں آپ سے جواب طلبی نہیں کی جائے گی۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اسی مضمون کو آگے بڑھاتے اور مستحکم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اپنی بندگی کیلئے کیا تھا۔ ان کی تخلیق کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور اسی کا احساس پیدا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے نشانیاں کھولیں اور انہیں جاننے اور پہچاننے کیلئے حواس کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، عقل کا نور عطا کیا، قوتِ تمیز بخشی اور قبولیتِ حق کی آسانی کیلئے فطرت کی رہنمائی مہیا کی۔ اور جو لوگ ان صلاحیتوں سے ہوائے نفس کی پیروی کی وجہ سے فائدہ اٹھانے سے قاصر رہتے ہیں ان کیلئے اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں، جنہوں نے ہر ممکن طریقے سے ان پر یہ بات واضح کی کہ ان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جو چیز ان کی تخلیق کا مقصد ہے اس کی طرف سے لاپرواہی اور بے نیازی ان کی زندگی کا مقصد بن کر رہ گئی ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح انسانوں اور جنوں کا خالق ہے اسی طرح باقی تمام مخلوقات کا خالق بھی ہے۔ تو پھر اگر خالق ہونے کی وجہ سے اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کیلئے کوئی مقصدِ زندگی متعین کرے۔ تو پھر اس میں جنوں اور انسانوں کی تخصیص کیوں؟ کیونکہ مخلوق ہونے میں تو تمام مخلوقات برابر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ مخلوق ہونے میں تمام مخلوقات برابر ہیں۔ لیکن ایک صلاحیت ایسی ہے جو صرف جنوں اور انسانوں کو عطا کی گئی ہے باقی مخلوقات کو نہیں۔ وہ صلاحیت یہ ہے کہ جنوں اور انسانوں کو یہ اختیار بخشا گیا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں اور اگر نہ چاہیں تو انہیں نافرمانی کا اختیار بھی حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑ کر دوسروں کی بندگی بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن باقی جتنی مخلوقات ہیں انہیں اس طرح کی کوئی آزادی حاصل نہیں۔ وہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہیں اور ان کی زندگی کا راز ان احکام کی تعمیل میں ہے۔ لیکن اس کے برعکس جنوں اور انسانوں کیلئے ایک شریعت نازل کی گئی ہے جس کی پابندی اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے اس بندگی کو کرنے یا اسے نظر انداز کرنے کا انہیں اختیار حاصل ہے۔ دنیا میں اس حوالے سے ان کا مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دنیا دارالعمل ہے دارالجزاء نہیں۔ کبھی کبھی توجہ دلانے کیلئے آزمائشیں تو نازل ہوں گی اور اتمامِ حجت کے بعد عذاب بھی آ سکتا ہے کیونکہ انہیں پیدا اسی مقصد کیلئے کیا گیا ہے اور قیامت کے دن اسی مقصد کی تعمیل نہ کرنے کے نتیجے میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف اس آیتِ کریمہ میں توجہ دلائی گئی ہے۔

Marfat.com

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

(میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ۵۷) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود ہی رزاق، زور آور اور قوت والا ہے۔ ۵۸)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی بندگی اور عبادت کیلئے پیدا کیا ہے کسی اور مقصد کیلئے نہیں۔ پیش نظر آیت کریمہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انسانوں کی بیشتر سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے نہیں بلکہ اپنی بندگی کیلئے ہیں۔ اس کیلئے مختلف شعبے اختیار کئے گئے ہیں اور ہر شعبے کے لوگ زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں رزق تلاش کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ کاشتکار زمین سے رزق تلاش کرتا ہے، ایک ملازم اپنی تنخواہ سے، ایک تاجر اپنی تجارت سے۔ غرضیکہ مزدور سے لے کر حکمرانوں تک ہر شخص پر ایک ہی دھن سوار ہے کہ میں اپنے اور اپنے بچوں کیلئے رزق حاصل کرلوں۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ رزق کے نام سے دولت کے انبار پیدا کئے جاتے ہیں جبکہ یہ رزق کا حصول اور دولت دنیا کی طلب اس کے مقاصد میں شامل نہیں۔ تو پھر اس کی تمام تر سرگرمیاں اس کیلئے وقف کیوں ہیں اور ہر شخص اسی کی طلب میں دیوانہ کیوں ہوا جارہا ہے۔ اسی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی، اس کے دین کی حفاظت، اس کے دین کی سربلندی اور اسی کے راستے میں سب کچھ قربان کردینا یہ انسانی زندگی کے مقاصد اور اہداف ہیں۔ رہا رزق تو اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر نہیں بلکہ اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ البتہ طلب معیشت کا انسان کو خود ذمہ دار ٹھہرایا ہے لیکن اس میں بھی اسے آلہ بنایا گیا ہے، تمام تر اس پر بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ جو شخص کاشت کرتا ہے وہ جسم کی جس توانائی اور عقل کے جس ہنر کو اس میں صرف کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس کا اپنا پیدا کردہ نہیں۔ جس زمین کو پھاڑتا اور اس میں بیج ڈالتا ہے وہ زمین بھی اس کی نہیں اور نہ وہ بیج اس کا ہے۔ پھر اس پر سہاگہ دے کر بیج کے دفن کردینے کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن بیج کے مرنے کی بجائے اس میں سے سوئی کی طرح ایک پتی کا نکلنا، پھر اس کا پودے کی شکل میں تبدیل ہونا، پھر اس کے ساتھ خوشوں کا لگنا اور ہر خوشے میں موتیوں کے طرح دانوں کا بھر جانا یہ کاشتکار کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ پھر ہواؤں کا ان پودوں کو لوریاں دینا، سورج کی گرمی سے اس غلے کو پکانا اور چاند کی حلاوت سے اس میں گداز پیدا کرنا اور بادلوں سے پانی برسا کر اس کی آبیاری کا سامان کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں جس میں بندے کا کوئی حصہ نہیں۔ بجز اس کے وہ ایک آلے کی طرح کام کرتا ہے۔ اسی پر رزق کے باقی ذرائع کو قیاس کرلینا چاہئے۔ اس لئے فرمایا کہ ہم نے رزق کا حصول تمہاری ذمہ داری نہیں بنایا بلکہ اسے ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور نہ پروردگار یہ چاہتا ہے کہ انسان مجھے کھلائیں۔ اس میں ایک تعریض بھی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں وہ ان کو رزق مہیا نہیں کرتے بلکہ یہ ان کو رزق مہیا کرتے ہیں۔ بت خانے ان کی مدد سے چلتے ہیں، طاغوتی قوتیں ان سے توانائی حاصل کرتی ہیں۔ حتیٰ کے انتہائی جہالت میں بتوں کے سامنے پوڑی حلوہ اور مختلف مٹھائیاں رکھ کر اپنی ضمیر کو بہلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس طرح ہم ان کو رزق مہیا کرتے ہیں جبکہ رزق دینے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ سب فریب نظر ہے یا بہلاوے۔

Marfat.com

ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا وہ یہ کہ جب کبھی ایمان لانے یا اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے وسائلِ رزق کے چھن جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے اور کفر کی طرف سے مطالبہ کیا جائے کہ دین سے ہاتھ اٹھالو ورنہ بھوکوں مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ، تو ان آیات میں تصور دیا گیا ہے کہ تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو بڑی قوت والا، سب کو رزق دینے والا اور بہت زور آور ہے۔ وہ ایسی جگہوں سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کر کے قربانیوں کی تاریخ زندہ کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت خود اپنے اندر رزاد راہ رکھتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کرنے والے کبھی فاقوں سے نہیں مرتے، اللہ تعالیٰ ان کیلئے روزی کا کوئی نہ کوئی سامان فرما دے گا۔

آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آیتِ کریمہ میں عبادت کو انسانوں اور جنوں کا مقصدِ تخلیق ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن یہ عبادت محض نماز، روزے اور اس نوع کے دوسرے معمولات کا نام نہیں۔ اگرچہ نماز، روزہ بھی عبادات میں شامل ہے اور تسبیح وتہلیل بھی عبادت ہی ہیں، لیکن یہ عبادت کا پورا مفہوم نہیں۔ اس لفظ کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جن اور انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش، اطاعت، فرمانبرداری اور نیازمندی کیلئے پیدا نہیں کئے گئے۔ ان کا کام کسی اور کے سامنے جھکنا، کسی اور کے احکام بجالانا اور کسی دوسری ہستی کے آگے دعا کیلئے ہاتھ پھیلانا نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر دائرے کو اللہ تعالیٰ کے دین کی تحویل میں دینے کا نام ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

(پس ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا ویسا ہی مقرر پیمانہ ہے جیسا ان ہی جیسے لوگوں کیلئے تھا، یہ لوگ مجھ سے جلدی نہ مچائیں۔ ۵۹)

قریش اور دیگر کفار کو تنبیہ

ذَنُوْب بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہیں، خالی ڈول کیلئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض دیہات یا بعض پبلک جگہوں میں ٹھنڈا پانی کم دستیاب ہوتا ہے تو ایسے کنویں تیار کئے جاتے ہیں جہاں سے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کر سکیں۔ اور ایسے کنوؤں پر ڈول کھینچنے کی چرکی لگائی جاتی ہے اور عام سائز سے بڑے ڈول لٹکائے جاتے ہیں۔ جب چند آدمی پانی لینے کیلئے جمع ہو جاتے ہیں تو ان کی باریاں مقرر کر دی جاتی ہیں اور اس طرح ہر شخص یا ہر گروہ اپنی باری پر پانی کھینچ لیتا ہے اور باہمی تصادم کی نوبت نہیں آتی۔ اس لئے بعض اہلِ لغت نے ذَنُوْب کا ترجمہ باری سے بھی کیا ہے۔ آیتِ کریمہ میں ذَنُوْب سے مراد زندگی، یعنی مہلتِ عمل ہے جو ہر شخص کو عطا کی گئی ہے۔ افراد بھی اس مہلتِ عمل سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور قومیں بھی۔ اپنی اپنی باری پر دنیا میں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ جو قوم بھی اپنی باری پر دنیا میں آئی اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ہر فرد کو عقل اور شعور کی دولت سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ہدایت کیلئے اپنے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ اور یہ بتایا گیا کہ اگر تم نے اس مہلتِ عمل کو جو پیمانے کے طور پر تمہیں ملی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اک ڈول ہے جسے تم نے بھرنا ہے۔ اگر تم نے اس مہلت عمل کو اپنے خالق و مالک کی ہدایت کے مطابق گزارا اور ڈول کو اس کی اطاعت سے بھر لیا تو یوں سمجھ لو کہ تم نے اپنی باری کا وقت ٹھیک گزارہ اور

Marfat.com

آخرت میں تم اس کا پھل کھاؤ گے اور اپنے بھرے ہوئے ڈول سے خوب تمتع کرو گے۔ لیکن اگر تم نے اس مہلتِ عمل کو غلط افکار اور غلط اعمال سے ظلم کے راستے پر ڈال دیا یعنی اس کی اصل حقیقت کو اور اس کے دینے والے کے حقوق کو جاننے اور تسلیم کرنے کی بجائے انکار کر کے اپنے اوپر اور اپنی فطرت پر ظلم کیا۔ تو پھر یاد رکھو تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ ہوگا جو تم سے پہلے گزرنے والی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ انہیں بھی تمہاری ہی طرح سب کچھ عطا کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی اس مہلتِ عمل کا غلط فائدہ اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو تباہ کر دیا۔ قریش کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے خیالات و اعمال میں تمہارے ہی جیسے اور تمہارے ہی ہم مشرب تھے۔ وہ اگر اپنے غلط فیصلوں اور فطرت پر ظلم کے نتیجے میں غلط انجام کو پہنچے ہیں تو تم بھی ویسے ہی انجام کو پہنچو گے۔ اس لئے حقیقت کو سمجھنے اور اپنی مہلتِ عمل سے صحیح فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ اسی سے تمہاری دنیا و عقبیٰ سنور سکتی ہے لیکن اگر تم نے وہی رویہ اختیار کیا جو تم سے پہلے تمہاری ہم مشرب قوموں نے اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے انہیں عذاب سے ڈرایا تو بجائے ڈرنے کے اور دلیر ہو گئے۔ اور بار بار استہزاء کے طور پر یہ کہنے لگے کہ وہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا اور آخر وہ کہاں رک کر رہ گیا ہے، تو آخر وہ ہلاک ہو گئے۔ تم بھی ان کی طرح مجھ سے عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرو، ورنہ جس طرح وہ تباہ ہوئے اور یہ جسارت انہیں بڑی مہنگی پڑی یہی انجام تمہارا بھی ہوگا۔

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ يَّوۡمِهِمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ۝٦٠

(پس تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا، ان کے اس دن کے سبب سے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ ٦٠)

آخرت کا انکار تباہ کن ثابت ہوگا

اللہ کے نبی اور رسول اپنی قوموں کو دو باتوں سے ڈراتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تم نے ہماری تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے دین کو ماننے سے انکار کیا اور آخرت کو محض ایک افسانہ سمجھا اس پر یقین کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے رہے تو یہ کفر کا رویہ تمہارے لئے عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر آئے گا اور تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اور دوسری جس بات سے ڈراتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت تم پر عذاب نہ بھیجا تو آخرت کے عذاب سے تم کسی طرح نہ بچ سکو گے۔ چنانچہ وہ لوگ جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول آئے انہوں نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انکار کیا بلکہ وہ آخرت کا بھی تمسخر اڑاتے رہے۔ اور بار بار یہ کہتے تھے کہ آخر وہ جہاز کہاں لنگر انداز ہو گیا ہے جو ہم تک پہنچنے نہیں پا رہا۔ ان کے حوالے سے قریش کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ بھی اپنی زندگیوں میں اس طرح کی جسارتیں کرتے رہے اور انہوں نے کفر ہی کا رویہ اختیار کئے رکھا تو انہیں آخرت کے جس دن سے ڈرایا جاتا رہا اور تنبیہ کی جاتی رہی ہے قیامت کے دن اسی دن کے باعث ان پر بڑی تباہی آئے گی۔ وہ ایسے عذاب سے دوچار کئے جائیں گے جس کا انہیں سان گمان بھی نہ تھا۔

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الطُّوْرِ

(۵۲)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الطُّوْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الطور ہے جو اس صورت کے پہلے ہی لفظ سے لیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں کوئی قطعی شہادت تو موجود نہیں، البتہ اس کے مضامین کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانے میں نازل ہوئی ہے جس زمانے میں سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ نازل ہوئی۔ اسے پڑھتے ہوئے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس کے زمانۂ نزول میں نبی کریم ﷺ کی مخالفت تو پورے زوروں پر تھی، البتہ اس کا انداز زبانی الزامات اور اعتراضات تک محدود تھا۔ ایذا رسانی اور ظلم وستم کا وہ دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا جو مکی زندگی کی علامت بن گیا ہے جس سے تنگ آ کر لوگوں کو ہجرت کرنا پڑی۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے چند تاریخی اور آفاقی حقائق کی قسم کھا کر انہیں اس بات کی شہادت کے طور پر پیش کیا گیا کہ تمہیں جس بات سے ڈرایا جا رہا اور جس عذاب کی دھمکی دی جا رہی ہے اس کیلئے جلدی نہ مچاؤ۔ البتہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اپنی روش تبدیل نہ کی تو پھر اس عذاب کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسے برپا ہونے سے روک سکے۔ اس کے بعد چند آیتوں میں اس عذاب کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ اور تکذیب کرنے والوں کا اس دن جو انجام ہو گا نہایت اختصار کے ساتھ اسے بیان فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد ان متقین کی تصویر کشی کی گئی ہے جنہوں نے نہ صرف اس دعوت کو قبول کیا بلکہ اس راہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے پایاں انعامات کی بارش کرے گا۔ اور پھر ان پر ایک خصوصی فضل کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جن نیک بندوں نے اپنی آل اولاد کی دنیا پر دین کو ترجیح دی اور ان کی عاقبت سنوارنے کی ہمیشہ کوشش کی، اللہ تعالیٰ ان کی باایمان اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ جمع کرے گا۔ وہ اگر اپنے اعمال کے اعتبار سے اس درجے کے مستحق نہ ہوئے جس میں ان کے آباؤ اجداد کو رکھا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے بزرگوں کا لحاظ فرماتے ہوئے ان کے درجے کو بلند فرمائے گا اور انہیں ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ رکھا جائے گا۔ لیکن ان کے آباء کے درجات میں کسی طرح کی کمی نہیں کی جائے گی۔

دوسرے رکوع میں اشرافِ قریش کے اس رویئے پر تنقید کی گئی ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کئے ہوئے تھے۔ ان کے ان الزامات کا ذکر کیا گیا جو لوگوں کو بہکانے کیلئے آنحضرت ﷺ پر لگاتے تھے تا کہ لوگ آپؐ کے پیغام کی طرف توجہ نہ دے

Marfat.com

سکیں۔ وہ آپؐ کی ذات کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کرتے تھے جیسے آپؐ ان کی اجتماعی زندگی کیلئے ایک مصیبت بن گئے ہیں۔ اور ان کی تبلیغ و دعوت کے اثرات سے ہر گھر میں اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ اور وہ آپ سے اس طرح بیزاری کا اظہار کرتے تھے جیسے کوئی چیز مانگنے کیلئے آپؐ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ مسلسل اس بات پر غور و فکر کرتے تھے کہ کس طرح اس دعوت کا راستہ روکا جائے اور آنحضرت ﷺ کی ناکامی کو یقینی بنایا جائے۔ لیکن آپؐ کی تمام تر مساعی کے باوجود انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ وہ کس طرح کے جاہلانہ عقائد میں مبتلاء ہیں اور آنحضرت ﷺ کس حکمت اور خیر خواہی سے ان کی حالت بدلنے کیلئے کوشاں ہیں۔ اس لئے ان کے سوالات کو بھی ذکر فرمایا گیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

خاتمۂ سورۃ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے آپ کفار کی تکذیب کی پرواہ نہ کریں بلکہ اپنا فرضِ تذکیر ادا کرتے رہیں تا کہ جن کو راہِ راست پر آنا ہو، وہ راہِ راست پر آ جائیں۔ اور جو اپنی گمراہی پر اڑے رہنا چاہیں ان پر حجت تمام ہو جائے۔

متمردین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کی تمام تدابیر ناکام اور ان کی ساری چالیں بیکار ہو جائیں گی اور وہ آخرت کے عذاب سے پہلے اس دنیا میں بھی عذاب سے دوچار ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپ صبر کے ساتھ ان مزاحمتوں کا مقابلے کئے چلے جائیں، اور اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کریں اور اطمینان رکھیں آپ ہر وقت ہماری نگاہوں میں ہیں، کوئی طاقت آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

صبر و استقامت کے حصول کیلئے حمد و تسبیح سے قوت حاصل کریں، بالخصوص شب اور سحر کی نمازوں کی تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ یہی اوقات ہیں جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندے کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٤٩	سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (٥٢)	رُكُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿١﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿٢﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿٣﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿٤﴾
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿٥﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿٦﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾
مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿٨﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾
فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿١٢﴾
يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا
تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿١٥﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا
اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ وَ
وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿١٨﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٢٠﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾
وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا

Marfat.com

لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَأْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ
مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا
قَبْلُ فِيْٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾
إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾

رکوع: ا۔ (قسم ہے طور کی۔ ۱) اور ایک لکھی ہوئی کتاب کی۔ ۲) جھلی کے کھلے ہوئے اوراق میں۔ ۳) اور قسم ہے آباد گھر کی۔ ۴) اور اونچی چھت کی۔ ۵) اور لبریز سمندر کی۔ ۶) بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ ۷) جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ ۸) اس دن کو یاد رکھو جس دن آسمان بری طرح ڈگمگائے گا۔ ۹) اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ ۱۰) پس تباہی ہے اس روز ان جھٹلانے والوں کیلئے۔ ۱۱) جو اپنی حجت بازیوں میں کھیل رہے ہیں۔ ۱۲) جس دن انہیں آتشِ دوزخ کی طرف دھکے مار مار کر لے جایا جائے گا۔ ۱۳) کہ یہ ہے وہ دوزخ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ۱۴) کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سجھائی نہیں دے رہا۔ ۱۵) اس میں داخل ہو جاؤ، تم خواہ صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لئے یکساں ہے، تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔ ۱۶) بے شک متقی لوگ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ ۱۷) وہ محظوظ ہو رہے ہوں گے ان نعمتوں سے جو ان کے رب نے ان کو دے رکھی ہوں گی، اور اس بات سے کہ ان کے رب نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ ۱۸) (ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ اور پیو رچتا ہوا، اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ ۱۹) وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے صف بہ صف تختوں کے اوپر، اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے۔ ۲۰) اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ان کی اولاد کو بھی ہم جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، ہر شخص اس کمائی کے بدلے میں رہن ہے جو اس نے کی ہوگی۔ ۲۱) اور ہم ان کو برابر دیتے رہیں گے ہر طرح کے پھل اور گوشت جیسے ان کا جی چاہے گا۔ ۲۲) ان کے درمیان ایسی شراب کے پیالوں کے تبادلے ہو رہے ہوں گے جس میں نہ یاوہ گوئی ہوگی اور نہ بدکرداری۔ ۲۳) اور دوڑتے پھر رہے ہوں گے ان کی خدمت میں ایسے لڑکے جو ان کیلئے ہوں گے، گویا کہ وہ چھپا کر رکھے گئے موتی ہیں۔ ۲۴) یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے دریافتِ حال کرتے ہوئے۔ ۲۵) یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے زندگی بسر

Marfat.com

کرتے تھے۔ ۲۶) تو اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ۲۷) ہم اس سے پہلے اسی کو پکارتے تھے، بے شک وہ بڑا ہی باوفا اور رحیم ہے۔ ۲۸)

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸

(قسم ہے طور کی۔ ۱) اور ایک لکھی ہوئی کتاب کی۔ ۲) جھلی کے کھلے ہوئے اوراق میں۔ ۳) اور قسم ہے آباد گھر کی۔ ۴) اور اونچی چھت کی۔ ۵) اور لبریز سمندر کی۔ ۶) بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ ۷) جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ ۸)

قسموں اور مقسم علیہ کا ذکر

ان آیات میں طور، کتابِ مسطور، بیت المعمور، سقفِ مرفوع اور بحرِ مسجود کی قسم کھائی گئی ہے۔ یعنی ان قسموں سے بعد میں آنے والے جوابِ قسم یا مقسم علیہ پر شہادت مہیا کی گئی یا دلیل لائی گئی ہے تاکہ اس جوابِ قسم یا مقسم علیہ کے ثبوت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ وہ جوابِ قسم یا مقسم علیہ یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے یا ہو کے رہے گا اور اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ یعنی اس کا آنا اور واقع ہونا یقینی ہے۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ قسمیں یا شہادتیں اس مقسم علیہ کو کس طرح ثابت کرتی ہیں اور اس قسموں کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

قسموں کا مفہوم

سب سے پہلے طور کی قسم کھائی گئی ہے۔ طور اگرچہ ایک پہاڑ ہے، لیکن مراد اس سے وہ جگہ ہے جہاں ایک دبی اور پسی ہوئی قوم کو اٹھانے اور ایک غالب وقاہر قوم کو گرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور یہ فیصلہ قانونِ طبعی کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانونِ اخلاقی اور قانونِ مکافات کی بنیاد پر تھا۔ اس لئے آخرت کے حق میں اسے تاریخی استدلال کے طور پر پیش کیا گیا۔ سب جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل نہایت پسے ہوئے اور دبے ہوئے لوگوں کی ایک قوم تھی۔ ان کی بے بسی نے پیغمبروں کی اولاد ہونے کے باوجود انہیں غلاموں کی تصویر بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو خود بے بسی اور بے مائیگی کی تصویر تھا۔ اقتدار اور نبوت کی دعوت میں تصادم ہوا۔ طاقت نے اخلاقی قوت کو اپنے سامنے جھکانا چاہا۔ لیکن آخر اقتدار اور طاقت کا نمائندہ اس اخلاقی قوت سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا اور چونکہ اس کی روشنی کوہِ طور سے پھوٹی تھی اور کوہِ طور ہی سے بنی اسرائیل کو وہ زندگی کا نظام ملا جسے تورات کہتے ہیں۔ اور ان کی اجتماعی غلطیوں کے نتیجے میں کوہِ طور ہی سے ان کو تنبیہات ہوتی رہیں۔ اس لئے کوہِ طور کی پوری تاریخ یہ گواہی دینے کیلئے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات جب حرکت میں آتا ہے تو طاقت اور اقتدار اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ قریش کو بھی اس آئینے میں اپنا مستقبل دیکھنا چاہئے۔

Marfat.com

اور دوسری قسم کھائی گئی ہے کتابِ مسطور کی۔اس سے مراد تورات بھی ہوسکتی ہے اور کتبِ مقدسہ کا مجموعہ بھی ہوسکتا ہے۔اور طور کے معاً بعد کتاب کے ذکر سے تورات کی طرف ذہن جاتا ہے کیونکہ یہ طور ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔اور باقی کتابیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نازل ہوئی ہیں ان میں احکام چونکہ تورات ہی کے باقی رکھے گئے اور اسی پر عمل کرنے کا سب کو حکم دیا گیا۔اس لئے اگر کتبِ مقدسہ کا مجموعہ اس سے مراد لیا جائے تو وہ بھی غلط نہیں۔مقسم علیہ پر اس کی گواہی اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور ان پر کتابیں نازل ہوئی ہیں ان میں کوئی کتاب ایسی نہیں جن میں آخرت کی خبر نہ دی گئی ہو، جس میں بعث بعد الموت کا حوالہ نہ ہو اور جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کا ذکر نہ ہو۔یہ گویا ان تمام سچے لوگوں کی گواہی ہے جن پر سچائی ہمیشہ ناز کرتی رہے گی اور جن کی نبوت اور رسالت کی سب سے بڑی دلیل ان کی عظمتِ کردار اور ان کی صداقت رہی ہے۔اگر ان پر نازل ہونے والی کتابیں آخرت کی خبر دیتی ہیں تو یہ خبر ایک ایسی گواہی ہے جس کے پیچھے مذہب کی پوری تاریخ کھڑی ہے اور جسے انبیائے کرام کے عظمتِ کردار نے توانا کر رکھا ہے اور جس کی صداقت پر تمام قومیں اختلاف کے باوجود اتفاق رکھتی ہیں۔

تیسری قسم بیت المعمور کی کھائی گئی ہے۔البیت المعمور سے مفسرین نے مختلف مفاہیم مراد لئے ہیں اور بعض اہلِ علم نے ان کے مصادیق متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن دل کو لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس سے مراد بیت اللہ ہے۔کیونکہ وہ ایک ایسا آباد گھر ہے جو طواف کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہا۔اس کی تاریخ اور اس کا وجود اس امر کی ناقابلِ تردید گواہی ہے کہ اس گھر کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی تائید، اس کا قانونِ مکافات، اس کے پیغمبروں کی صداقت اور ان کی دی ہوئی خبروں کی حقانیت قائم ہے۔کیونکہ یہ ان آیات کے نزول سے اڑھائی ہزار سال پہلے بے آب وگیاہ اور غیر آباد پہاڑوں میں ایک شخص کسی لاؤلشکر اور سروسامان کے بغیر آتا ہے اور اپنی ایک بیوی اور ایک شیر خوار بچے کو بالکل بے سہارا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔پھر وہی شخص کچھ مدت کے بعد اسی سنسان جگہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے ایک گھر بناتا ہے اور پکار کر کہتا ہے کہ لوگو، آؤ اور اس گھر کا حج کرو۔اس تعمیر اور اس پکار کو یہ حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ پورے ملک کا مرکز بن جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔اور پھر صرف اس گھر کی وجہ سے یہ پورا علاقہ امن کا گہوارہ بن جاتا ہے۔وہ لوگ جو پورے ملک میں کشت وخون کی داستان دہراتے ہیں وہ جب اس گھر میں داخل ہوتے ہیں تو بے دست وپا ہو کے رہ جاتے ہیں۔کسی کو کسی پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی۔اور اگر کسی بگڑے ہوئے حکمران نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور اسے ڈھا دینے کی کوشش کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا ایسا شکار ہوا کہ عبرت بن کر رہ گیا۔ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کی صورت میں یہ واقعہ ان آیات کے نزول سے صرف 45 برس پہلے پیش آیا۔اس کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے اس گھر کی عظمت، اس کے بنانے والے کی حقانیت اور اس میں مبعوث کئے جانے والے پیغمبر اور وہ آخرت کے جس عقیدے کی وہ شد ومد سے دعوت دے رہا ہے اس کی صداقت پر کسی مزید دلیل کی حاجت ہو۔اس گھر کی تاریخ اور اس کے ایک ایک ورق اور اہلِ عرب پر اس کے بے پناہ اثرات اور اس کی طاقت وہیبت کا مظاہرہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس گھر سے اٹھنے والی صدا جس میں آخرت کے تصور کو بنیادی عقیدے کی حیثیت حاصل ہے یقیناً آخرت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد السقف المرفوع یعنی بلند چھت کی قسم کھائی گئی ہے۔قرآنِ کریم بار بار اللہ تعالیٰ کی عظمت اور لوگوں پر اس کی کرم گستری کو بیان کرنے کیلئے آسمان کی تخلیق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ذرا اندازہ کیجئے کہ ایک ایسی نیلگوں چھت جس کے اور چھور کا کوئی اندازہ نہیں، جس کی نہ ابتداء معلوم ہے اور نہ انتہاء معلوم ہے، جس کے نیچے کوئی ستون نہیں، جو بے شمار صدیوں سے ستونوں کے بغیر کھڑا ہے اور اس میں کہیں شگاف واقع نہیں ہوا، بے شمار مخلوقات اس میں آباد ہیں، بے شمار کُرّے ثوابت اور سیاروں کی شکل میں اس کے نیچے رواں دواں ہیں، بے شمار نعمتیں وہاں سے اہلِ زمین پر اترتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ جو ذات اس عظیم اور ناپیدا کنار چھت کے بلند کر دینے پر قادر ہے، کون سا کام ہے جو اس کے دائرۂ قدرت سے باہر ہوسکتا ہے۔جو شخص روزانہ اس آسمان کو دیکھتا ہے اس کے دل و دماغ پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت چھا جاتی ہے۔اگر دوسرے عوارض اس کو لاحق نہ ہوں تو وہ کبھی یہ کہنے کی غلطی نہیں کرسکتا کہ جس اللہ نے ہمیں پہلی دفعہ پیدا کیا ہے وہ دوسری دفعہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔اور جس نے ہم پر اس قدر احسانات اور انعامات کئے اور ہمیں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ کبھی ہمیں شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ سکتا ہے۔وہ یقیناً ایک دن ایسا لائے گا جس میں ہمارے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

اس کے بعد البحر المسجور کی قسم کھائی ہے جس کا معنی ہے لبریز سمندر۔سجر کے معنی بھرنے کے ہیں۔ سجر الماء النهر ''پانی نے نہر کو لبریز کر دیا۔'' سمندر کی ناقابلِ بیان وسعت، اس میں بے حد و حساب حیوانات کی موجودگی، پھر ان حیوانات کے جسمانی نظام کا ٹھیک ٹھیک اس طرح بن جانا کہ وہ سمندر کی گہرائی کیلئے موزوں ہو۔اور پھر پانی کا نمکین ہونا تاکہ اس میں مرنے والی مخلوقات کی لاشیں سڑنے نہ پائیں۔ اور پھر سمندر کے پانی کا ایک خاص حد پر رکے رہنا کہ نہ وہ زمین کے اندر اترے اور نہ خشکی پر چڑھ کر اسے غرق کر دے۔اور پھر اس کے ذخیرۂ آب سے بھاپ کا اٹھ کر بادل بننا اور زمین کے خشک حصوں کو پانی سے سیراب کر دینا، اور پھر اس سے انسانوں کو مختلف غذاؤں کی شکل میں بہت سی چیزوں کا حاصل ہونا، کیا یہ سب کچھ کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔یقیناً سمندر کا وجود اپنے اندر بے شمار حکمتیں رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔اور یہ سب کچھ ہمیں یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ جس ذات نے زمین کی سطح پر ایسا بے پایاں سمندر پیدا کیا ہے اس پیدا کرنے والے کی ہیبت اور عظمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔اور جس نے انسانوں کیلئے رزق اور دیگر منافع کا ایسا سرچشمہ بہا فرمایا ہے کیا وہ انسان سے کبھی نہیں پوچھے گا کہ تو نے میرا رزق کھا کر اس کا حق کیسے ادا کیا؟ انسان سمندر کے سینے پر جہاز تر دوڑاتا پھرے لیکن یہ قدرت دینے والا اسے کبھی نہ پوچھے گا کہ تو نے یہ حق کس طرح استعمال کیا؟ اور اگر یہ سوالات اپنی کوئی اہمیت رکھتے ہیں تو یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہے کہ یقیناً ایک دن ایسا آئے گا جب انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا اور اسی کا نام آخرت ہے۔

یہ شہادتیں مہیا کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ قریش کو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اور جس یومِ آخرت کی خبر دے رہے ہیں یہ دونوں اپنے اپنے وقت میں ہو کر رہیں گی۔جب وہ عذاب آئے گا تو کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہوگا۔ اور ان کی قوت و جمعیت ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔اور نہ کوئی انہیں آخرت میں سہارا دے سکے گا۔اگر اتنی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں اور وہ عذاب کا مطالبہ کئے جا رہے ہیں تو اگر ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی گر جائے تو یہ اسے بھی ابرِ باراں سمجھ کر خوشی کا اظہار کریں گے۔لیکن جب وہ ان کے تباہ کر کے رکھ دے گا تو پھر ان کو پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

Marfat.com

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾

(اس دن کو یاد رکھو جس دن آسمان بری طرح ڈگمگائے گا۔ ۹) اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ ۱۰) پس تباہی ہے اس روز ان جھٹلانے والوں کیلئے۔ ۱۱) جو اپنی حجت بازیوں میں کھیل رہے ہیں۔ ۱۲)

قیامت کی تصویر اور شبہات کا ازالہ

اہلِ عرب کی عادت یہ تھی کہ جب آنحضرت ﷺ ان کے سامنے قیامت برپا ہونے کا ذکر فرماتے جس میں پہلے مرحلے پر ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور دوسرے مرحلے پر از سرِ نو زندگی برپا ہوگی تو وہ اعتراض کرتے ہوئے کہتے کہ یہ اتنا مستحکم بنا ہوا آسمان کیسے ٹوٹ پھوٹ جائے گا؟ اور زمین پر جمے ہوئے پہاڑ کیسے اپنی جگہ چھوڑ دیں گے؟ تو ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن آسمان بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکے گا۔ وہ مضطرب اور متردد ہو کر اِدھر اُدھر حرکت کرتا نظر آئے گا۔ یعنی اس روز عالمِ بالا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور وہ پہاڑ جنہیں تم بہت مستحکم سمجھتے ہو وہ ہوا میں اڑتے پھریں گے اور ایسے معلوم ہوگا جیسے وہ چل رہے ہیں۔ اور دوسری جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ پھر اس دن ان لوگوں کیلئے جو آنحضرت ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے اور آپ کی ہر بات میں مین میخ نکالتے، اور ان بنیادی موضوعات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی بجائے محض تفریحاً ان پر باتیں چھانٹتے، ان کیلئے فرمایا گیا ہے کہ اس دن ان کیلئے ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ انہوں نے ہر صداقت کی تکذیب کی اور پھر ان ہلا دینے والی باتوں کو استہزاء اور مذاق کا موضوع بنایا۔

خوض کا مفہوم

خوض کا معنی کسی چیز کے اندر گھسنے کے ہیں۔ خَاضَ الْقَوْمُ فِی الْحَدِيْثِ کا محاورہ اسی سے نکلا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ بات سے بات پیدا کرتے ہوئے کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ یہاں اس کے ساتھ يَلْعَبُوْنَ کا اضافہ کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ وہ نہ صرف آنحضرت ﷺ کی دعوت کو بے جا اور بے محابا گفتگو کا موضوع بناتے اور پھر کہیں کا کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ سب کچھ محض تفریحِ طبع کیلئے کرتے ہیں۔ متانت اور سنجیدگی انہیں چھو کر بھی نہ گزرتی۔ ان لوگوں کا یہ رویہ قیامت کے دن ان کیلئے تباہی کا باعث بنے گا۔ اور حق کی مخالفت میں ان کی یہ نکتہ آفرینیاں انہیں بہت مہنگی پڑیں گی۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(جس دن انہیں آتشِ دوزخ کی طرف دھکے مار مار کر لے جایا جائے گا۔ ۱۳) کہ یہ ہے وہ دوزخ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ۱۴)

Marfat.com

مذاق اڑانے والوں کا انجام

یہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کی تبلیغ ودعوت کو دل لگی کا موضوع بناتے اور اس کا تمسخر اڑاتے تھے، قیامت کے دن انہیں دھکے دیتے ہوئے نارِ جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ دَعّ کا معنی پوری شدت ونفرت کے ساتھ دھکا دینے کے ہیں۔ جہنم کی طرف یہ لوگ اسی طرح دھکے دے دے کے لے جائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے اور انکار کرتے تھے۔

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

(کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سجھائی نہیں دے رہا۔ ۱۵)

دنیا میں جب نبی کریم ﷺ انہیں آخرت سے ڈراتے یا عذاب کی دھمکی دیتے تھے، تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ محض الفاظ کی جادوگری ہے جس سے ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح سے آنحضرت ﷺ کی دعوت کو بے اثر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ قیامت کے دن ان کی اس یاوہ گوئی کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جائے گا کہ اب تمہیں جس جہنم میں پھینکا جا رہا ہے، غور سے دیکھو یہ جادوگری ہے یا حقیقت ہے۔ کیا اب بھی تمہیں دکھائی دے رہا ہے یا نہیں؟

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۖ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

(اس میں داخل ہو جاؤ، تم خواہ صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لئے یکساں ہے، تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔ ۱۶)

ان کی یاوہ گوئی کا جواب دینے کے بعد انہیں حکم دیا جائے گا کہ جاؤ اب جہنم میں داخل ہو جاؤ، یہ جگہ باتیں بنانے کی نہیں، یہاں تو حکم کی تعمیل کرنا ہوگی، اب تم صبر کرو یا بے صبری کرتے ہوئے واویلا مچاؤ، دونوں باتیں تمہارے لئے برابر ہیں۔ صبر پر داد کی امید نہ رکھو اور بے صبری پر شنوائی کی توقع نہ کرو۔ تمہیں یہاں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسا تم دنیا میں عمل کرتے رہے ہو۔ یہ عدل کی جگہ ہے یہاں کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔ ہر عمل کا صلہ ویسا ہی ملتا ہے جیسا وہ عمل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر تم بے صبری کر کے فریاد بھی کرو گے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾

(بے شک متقی لوگ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ ۱۷)

Marfat.com

مکذبین کے انجام کے بعد متقین کے اعزاز کا ذکر

مکذبین کا انجام بیان کرنے کے بعد اب متقین کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ اضداد کے ذکر سے حقائق کی وضاحت کرتا اور انہیں دلوں میں اتارتا ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متقی وہ لوگ ہوں گے جو مکذبین کی ضد ہوں گے۔ یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی رسالت اور نبوت کی تکذیب کرنے کی بجائے دل و جان سے قبول کیا ہوگا۔ مکذبین اگر جنت اور دوزخ کو ایک مذاق سمجھتے تھے یہ لوگ اسے حقیقت مان کر جنت کے استحقاق اور جہنم سے بچاؤ کی تیاری کر چکے ہوں گے۔ مکذبین نے اگر زندگی کو شترِ بے مہار کی طرح گزارا ہوگا تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام بن کر بندگی کے حقوق ادا کرتے ہوئے اور احکام کے حصار میں رہ کر زندگی گزارتے رہے ہوں گے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت مکذبین کا انجام اگر جہنم کا عذاب ٹھہرا ہے تو یہ اپنی بندگی اور غلامی کے باعث جنت میں جائیں گے اور جنت کی نعمتوں کے سزاوار ٹھہریں گے۔

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾

(وہ محظوظ ہو رہے ہوں گے ان نعمتوں سے جو ان کے رب نے ان کو دے رکھی ہوں گی، اور اس بات سے کہ ان کے رب نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ ۱۸)

متقین کا اظہارِ طمانیت

جنت میں متقین کو اللہ تعالیٰ جس طرح کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے گا اب اس کی ہلکی سی تفصیل بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی نعمتوں سے نوازے گا جن سے وہ نہایت خوشی اور مسرت سے محظوظ ہوں گے۔ اور جو کچھ ان کو عطا کیا جائے گا اس کی تفصیل کو مضمر رکھتے ہوئے ان نعمتوں کے بے پایاں اور انتہائی مسرت افزاء ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ان نعمتوں میں سب سے زیادہ جو چیز اہلِ جنت کو خوشی اور مسرت سے نہال کرے گی وہ یہ بات ہوگی کہ وہ جب اس بات پر غور کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچایا ہے۔ ورنہ جہاں تک ہمارے اعمال کا تعلق ہے ہمارا کوئی عمل اس قابل نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا مقام حاصل کر سکے۔ بشری کمزوریاں انسان کے اندر ایسی خرابیاں پیدا کر دیتی ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہو ان کا احساس بھی دشوار ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ آدمی یہ سمجھے کہ میں واقعی ایسی ہر کمزوری سے مبرا ہو گیا ہوں۔ اگر ہمارے اعمال کا انصاف اور عدل کے پیمانوں میں ٹھیک اس طرح تول تلتا جو عدل کا تقاضا ہے تو ہم کبھی جنت میں نہ پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت فضل و کرم فرمایا، ہماری کمزوریوں سے درگزر کیا، ہماری معمولی قربانیوں کو عزت بخشی اور ہمیں جہنم سے بچا کر جنت کی نعمتوں سے سرافراز فرمایا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

(ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ اور پیو رچتا ہوا، اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ ۱۹)

Marfat.com

مہمانوں کی قدرافزائی

اہلِ جنت کی حیثیت چونکہ مہمانوں کی بھی ہوگی اور جنت کے مالکوں کی بھی۔ لیکن جنت کی بے پایاں نعمتیں دیکھ کر طبیعتوں میں ایک ہچکچاہٹ ضرور ہوگی کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں جنت کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں لیکن یہ ان کا بے پایاں اور بے شمار ہونا یہ ایک ایسا انعام ہے جو ہمیں حیرت میں مبتلا کئے جارہا ہے۔ اس لئے ان کی اس ہچکچاہٹ اور حیرت کو دور کرنے کیلئے فرمایا جائے گا کہ یہ سب نعمتیں تمہارے لئے ہیں۔ اب جس طرح چاہو، جتنا چاہو اور جب چاہو کھاؤ پیو۔ تمہیں ان نعمتوں کے حصول کیلئے نہ کوئی محنت کرنا ہوگی، نہ تمہیں ان نعمتوں کے چھن جانے کا اندیشہ ہونا چاہئے۔ پھر ان میں سے کوئی نعمت ایسی نہیں جو کبھی ختم ہوجائے اور پھر ان کے حصول کیلئے تمہیں کسی کا احسان نہیں لینا پڑے گا بلکہ تمہیں جس چیز کی خواہش ہوگی وہ چیز تمہارے سامنے حاضر ہوجائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ ہے کہ اس نے یہ سب کچھ اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے لیکن تأثر یہ دیا جارہا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا صلہ ہے۔ اور ہماری کمائی کا ثمرہ ہے۔

دنیا میں قیمتی سے قیمتی نعمت بھی اگر بے محابا طریقے سے استعمال کی جائے تو عموماً نقصان دیتی ہے۔ پیٹ میں گرانی پیدا کرتی ہے، بعض دفعہ سوءِ ہضم لاحق ہوجاتا ہے۔ لیکن جنت کی نعمتیں ان تمام آلائشوں سے پاک ہوں گی۔ بلکہ وہاں ایسا بھی نہیں ہوگا کہ غذا کسی قسم کی غلاظت پیدا کرے۔ آدمی ہر حال میں سبک اور توانا ہوگا۔

ھَنِیۡٓءً فعیل کے وزن پر صفت ہے۔ اس کے معنی ہیں راس آنے والی چیز۔ ہم نے اسی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ترجمہ رچتا ہوا کیا ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٢٠﴾

(وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے صف بہ صف تختوں کے اوپر، اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے۔ ۲۰)

اہلِ جنت کی مجلسی زندگی

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں جنت کی نعمتوں سے اہلِ جنت کے محظوظ ہونے کا ذکر فرمایا گیا، یہ اسی کی مزید وضاحت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو کھانے پینے کی اشیاء کی وہ فراوانی ہوگی کہ آدمی دیکھتا ہی رہ جائے، لیکن کیا مجال ہے کہ اس سے ہاتھ رکے، طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہو یا آدمی اجنبیت محسوس کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مجلس آرائی کے لوازم ایسے کہ جس سے ہر شخص کی خوشیوں میں اضافہ ہو، محبتیں بڑھیں اور بے تکلفی کے سوتے پھوٹنے لگیں۔ ایسے قرینے سے ان کیلئے مسندیں بچھائی جائیں گی کہ کوئی مسند دوسری مسند سے آگے یا پیچھے نہیں ہوگی۔ اس قدر ہنرمندی سے ان مسندوں کو آراستہ کیا گیا ہوگا کہ لوگ جب ان مسندوں پر بیٹھیں گے تو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ جسے قرآنِ کریم نے دوسری جگہ مُتَقٰبِلِیۡنَ کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ ایک دوسرے کو دل وجان سے چاہتے اور احترام کرتے ہوں گے۔ آج کل کی نشستوں کی طرح کوئی شخص دوسرے سے بیزار اور برگشتہ نظر نہیں آئے گا۔ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم یہ ہوگا کہ مرد وعورت میں ایک دوسرے کیلئے جو خلاء پایا جاتا ہے

Marfat.com

جوایک دوسرے کے بغیر ہمیشہ نامکمل رہتا ہے اس خلاء کو خالی نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ خوشیوں کی تکمیل کیلئے ہر شخص کو ایسی بیوی ملے گی اور ہر شخص کے ساتھ ایسی رفیقۂ حیات ہوگی جو حُسن اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہوگی۔ اور اس کیلئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس سے ہمیں ایک تصور قائم کرنے میں مدد ملتی ہے ورنہ حقیقت ہمارے تصور سے کہیں خوبصورت ہوگی۔ لیکن آج اس کا علم ہمیں حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ عالمِ آخرت کی باتیں ہیں جن کی حقیقت سے آدمی وہیں جا کر واقف ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِۍ ٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

(اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ان کی اولاد کو بھی ہم جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، ہر شخص اس کمائی کے بدلے میں رہن ہے جو اس نے کی ہوگی۔ ۲۱)

اہلِ جنت پر ایک خصوصی انعام

اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت پر جو بے شمار انعامات کئے ہیں ان میں سے ایک انعام یہ بھی ہے جو درحقیقت اہلِ جنت کی خوشیوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے کہ اہلِ جنت کی اولاد یعنی ان کے بیٹے اور بیٹیاں اگر اپنے نیک ماں باپ کی پیروکار رہے اور انہوں نے بھی ایمان و عمل سے اپنی زندگیوں کو سنوارا تو اگر قیامت کے دن یہ بیٹے بیٹیاں اللہ تعالیٰ کے کرم سے جنت میں چلے گئے لیکن وہ مقام حاصل نہ کر سکے جو ان کے والدین کو اپنی عظیم قربانیوں کے صلے میں ملا ہے تو اللہ تعالیٰ محض ان کے ماں باپ کی خوشیوں کی تکمیل کیلئے یہ احسان فرمائے گا کہ ان کے بچوں کو ان کے مقام سے اٹھا کر اس مقام پر پہنچا دے گا جو مقام ان کے والدین کو حاصل ہوگا۔ حالانکہ یہ اپنے ایمان وعمل کے اعتبار سے جنتی ہونے کے باوجود اس عظیم مقام کو حاصل نہ کرسکیں گے۔ لیکن ان کو یہ مقام عطا کرنے کیلئے ان پر اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ ہوگا کہ ان کے ایمان وعمل کے صلے میں اضافہ کر دیا جائے گا اور انہیں بھی اس مقام کے قابل بنا دیا جائے گا جہاں ان کے والدین کو رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کیلئے والدین کے کسی عمل میں کمی نہیں کی جائے گی۔

اس سے ایک غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ شاید نیک ماں باپ کی اولاد ماں باپ کی نیکی کی وجہ سے جنت میں جانے کے قابل ہوگی اور انہیں خود وہ محنت نہیں کرنا پڑے گی جو ان کے والدین نے کی۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے فرمایا کہ نجات کیلئے اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے یعنی جیسا اس کے پاس ایمان وعمل کا سرمایہ ہوگا ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک ہوگا۔ عمل ہی اسے چھڑائے گا اور عمل ہی ہلاک کرے گا۔ ایمان وعمل کے بغیر نیکوں کی نسبت قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ البتہ اگر یہ اولاد اپنے ایمان وعمل کے باعث جنت میں جانے کے قابل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نجات کا فیصلہ کر دیا تو اب محض ان کے والدین کی خوشیوں کی تکمیل کیلئے ان کو ان کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا، بے شک یہ ان کے درجے میں جانے کے قابل نہ ہوں۔ اس سے نجات کا جو بنیادی اصول

Marfat.com

ہے وہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے اور پروردگار کا اہلِ جنت کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک ہے اس کا ظہور اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔ نیک لوگوں کی اولاد نجات کا استحقاق اپنے ایمان وعمل سے کرے گی لیکن اگر یہ اس اعلیٰ مرتبے تک نہ پہنچ سکے جو ان کے والدین حاصل کر چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے والدین کی خوشیوں کی تکمیل کیلئے یہ کرم فرمائے گا کہ انہیں والدین کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس لطف وکرم سے یہ امید کی جاتی ہے کہ جس طرح والدین کے بلند مرتبے میں ان کی کم درجہ اولاد کو محض والدین کی نیکی کی وجہ سے پہنچایا جائے گا اسی طرح اگر اولاد اپنے ایمان وعمل کے اعتبار سے کسی بلند مرتبے کی سزاوار ٹھہری اور والدین اس مرتبے کو حاصل نہ کر سکے تو بلند مرتبہ اولاد کی مسرت کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ ان کے باایمان والدین کو بھی اس مرتبے میں پہنچا دے گا جہاں ان کی اولاد ان کے انتظار میں ہوگی۔ کیونکہ اگر والدین کی خوشیاں بچوں کو بلند مرتبہ دلا سکتی ہیں تو یہی خوشیاں اور یہی نازک تعلقات ماں باپ کو بھی اولاد کا ہم مرتبہ بنا سکتے ہیں۔

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾

(اور ہم ان کو برابر دیتے رہیں گے ہر طرح کے پھل اور گوشت جیسے ان کا جی چاہے گا۔ ۲۲)

اہلِ جنت پر افضال وانعام کی ایک جھلک

بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ میں جو بات مجمل انداز میں فرمائی گئی تھی اب اس کو تھوڑا سا کھول دیا گیا ہے کہ ہم جو اہلِ جنت کو ہر طرح کی بے پایاں نعمتیں عطا کریں گے ان میں غذائی نعمتوں کے اعتبار سے ہر طرح کا پھل بھی دیں گے اور ہر طرح کا گوشت بھی فراہم کریں گے۔ کیونکہ انسان کی غذا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔ آدمی غذا میں مختلف چیزوں کا استعمال کرتا ہے، دالیں اور سبزیاں بھی کھائی جاتی ہیں اور گوشت بھی۔ لیکن گوشت کو سید الطعام کہا گیا ہے۔ اس لئے یہاں صرف گوشت کا ذکر فرمایا گیا، سبزی اور دالوں کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس کے تابع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور کھانے کے بعد آدمی تفکہ کے طور پر پھلوں سے محظوظ ہونا چاہتا ہے۔ اور وہ ایک پھل نہیں ہر طبیعت کا تقاضا مختلف ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار پھل دنیا میں بھی دیئے اور آخرت میں تو کہیں اس سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔ لیکن جہاں تک گوشت کا تعلق ہے یہ بات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ گوشت کس طرح کا ہوگا۔ سورۃ الواقعہ کی آیت ۲۱ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اہلِ جنت کی تواضع پرندوں کے گوشت سے کی جائے گی۔ لیکن یہاں گوشت کا مطلقاً ذکر یقیناً اپنے اندر ایک معنویت رکھتا ہے جس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی باقی نعمتیں دنیوی نعمتوں سے مختلف ہوں گی مثلاً جنت کا دودھ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا نہیں ہوگا۔ جنت کا شہد مکھیوں کے چھتے سے نہیں نکلے گا، اسی طرح جنت کی شراب پھلوں سے کشید نہیں کی جائے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ چیزیں چشموں سے نکلیں گی اور نہروں میں بہیں گی۔ اس سے قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ گوشت بھی جانوروں کا ذبیحہ نہیں ہوگا بلکہ قدرتی طور پر غیر معمولی طریقے سے وجود میں لایا جائے گا۔ اس کی صورت کیا ہوگی یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾

(ان کے درمیان ایسی شراب کے پیالوں کے تبادلے ہو[illegible] ہوگی اور نہ بدکرداری۔ ۲۳)

Marfat.com

اہلِ جنت کی بھرپور مجلسی زندگی

یَتَنَازَعُوْنَ تنازع سے ہے جس کا معنی عام طور پر جھگڑا کیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا استعمال الکاس کے ساتھ آتا ہے مثلاً تنازع الکاس تو پھر اس کے معنی ہیں جھگڑنا اور چھیننا شامل نہیں بلکہ اس کا معنی ہے ایک دوسرے کی طرف شراب کا جام بڑھانا۔

غذائی ضرورت پوری کرنے اور تفکہات کے بعد مجلسی خوشی کو دوبالا کرنے کیلئے مجلس کیلئے چند لوازم کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر طرح کی مجلس کیلئے الگ الگ ہوتے ہیں۔ شرفاء کی مجلسیں عام طور پر ٹھنڈے یا گرم مشروب سے پررونق ہوتی ہیں۔ اور آوارہ منش لوگوں کی مجلسیں شراب سے اپنی خوشیوں کی تکمیل کرتی ہیں۔ جنت چونکہ خوشیوں کی تکمیل کی جگہ ہے اس لئے وہاں شراب تو ضرور پیش کی جائے گی، لیکن جو چیز اسے شرفاء کے استعمال کے قابل نہیں رہنے دیتی وہ اس سے نکال دی جائے گی۔

اہلِ جنت کا حال یہ ہوگا کہ وہ خوشیوں کے حصول کیلئے ایک دوسرے کی طرف شراب کے جام بڑھائیں گے۔ ہر شخص چھینا جھپٹی کرنے کی بجائے دوسرے کو جام پیش کرے گا۔ اور پھر یہ لوگ شراب پینے کے بعد شراب کے اثرات سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ نہ کسی کی عقل پر نشہ غالب آئے گا، نہ کسی قسم کی شراب انسان میں بداخلاقی پیدا کرے گی۔ ہر طرح کی لغویت اور ہر طرح کا گناہ ان لوگوں سے دور رہے گا۔ اور دنیا کی شراب کے یہ دو ہی اثر ہیں کہ وہ آدمی کے حواس پر غالب آ کر اسے حشرات الارض کی طرح زمین پر پھینک دیتی ہے۔ اور یا اس کی عقل پر غالب آ کر اس کی زبان کو بے باک اور ضمیر کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ اور دنیا کے شرابی حیرت ہے کہ ان چیزوں پر فخر کرتے ہیں۔ جو شخص کسی حد تک ان چیزوں سے محفوظ رہتا ہے یہ لوگ اسے بادہ خوار نہیں سمجھتے۔ کہنے والے نے اسی لئے کہا:

یہ خاک پینا ہے کہ دو گھونٹ پیئے اور سو رہے
جو پی کے تھانے نہ پہنچے وہ بادہ خوار نہیں

لیکن جنت کی شراب ان تمام آلائشوں سے بالکل پاک ہوگی۔ اس سے آدمی نہ کسی لغوگوئی میں مبتلا ہوگا اور نہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرے گا۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

(اور دوڑتے پھر رہے ہوں گے ان کی خدمت میں ایسے لڑکے جوان کیلئے ہوں گے، گویا کہ وہ چھپا کر رکھے گئے موتی ہیں۔ ۲۴)

مجلسی زندگی اور خدمت کے امور کیلئے ہر وقت ایسے نوعمر لڑکے مستعد اور سرگرم رہیں گے جو اپنے پاکیزہ حُسن و جمال کی وجہ سے ایسے لگیں گے جیسے صدف سے نکلے ہوئے موتی ہیں۔ کسی چیز کو بھی غایت درجہ نفاست اور نزاکت کیلئے موتی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ لیکن موتی کی آب و تاب اسی صورت میں جوبن پر رہتی ہے جب اسے بیرونی آب و ہوا کے اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ کیونکہ خوبصورت چیز کا خاصا ہوتا ہے:

کہ ہوا بھی چھو جائے تو رنگ ہو میلا

لیکن ان کے رنگ و روپ کو دیکھ کر یوں محسوس ہوگا کہ یہ ابھی سیپیوں سے نکالے گئے موتی ہیں جو اہلِ جنت کی خدمت کیلئے نکالے گئے ہیں۔ غِلْمَانٌ کے ساتھ لَهُمْ کا استعمال شاید یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ خوبصورت بچے اہلِ جنت کی خدمت ہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

(یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے دریافتِ حال کرتے ہوئے۔ ۲۵)

اہلِ جنت کی بے تکلف مجلس آرائی

اہلِ جنت جب جنت میں باہم مجلس آرائی کریں گے تو چونکہ ان کے اندر ایک دوسرے کیلئے اخلاص ہوگا اور کسی کو کسی سے گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوگا اس لئے نہایت محبت اور پیار سے ایک دوسرے کے احوال معلوم کریں گے اور پھر اسی سلسلے میں دنیا میں گزری ہوئی زندگی کے حالات کے بارے میں بھی سوال کریں گے۔ اور خود جن کٹھن راہوں سے گزرے ہوں گے ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے بھی معلوم کرنا چاہیں گے کہ کیا ان کو بھی ایسی دشواریاں پیش آئیں یا نہیں۔ اور اسی سلسلے میں اہلِ خانہ بھی زیرِ بحث آئیں گے اور ایک دوسرے کی اولاد سے متعلق جاننے کی خواہش پیدا ہوگی۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

(یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے۔ ۲۶)

اہلِ جنت کے احساس کی سلامتی

اہلِ جنت ایک دوسرے کو بتائیں گے کہ ہمیں زندگی میں جس طرح اپنی فکر رہی کہ کوئی کام ایسا ہم سے سرزد نہ ہونے پائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اور اپنی ہمت کے مطابق ہم نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کی کوشش کی۔ اسی طرح ہم اپنے بچوں کی تربیت میں بھی اسی تصور سے گراں بار رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری ہم پر ڈالی ہے اور قیامت کے دن اس حوالے سے باز پرس ہونے والی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کسی کوتاہی کا شکار ہوں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی پریشان رکھتی تھی کہ ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں اس میں ہر شخص دنیا طلبی کا شکار ہے۔ دولت کی ہوس ایک ضرورت بن کر رہ گئی ہے۔ ہر شخص اپنی اولاد کی دنیا بنانے کی فکر میں ہے اور اسی حوالے سے ان کے مستقبل کی فکر رکھتا ہے۔ اگر ہم نے بھی ایسا ہی کیا تو ہمارے بچے دنیا کو اہمیت دیں گے اور دین ان کی نگاہوں میں قدر و قیمت کھو دے گا۔ اس لئے ہم نے جہاں بچوں کی دنیا بنانے کی کوشش کی وہیں ان کے دین کیلئے زیادہ فکرمندی اور دلسوزی کے ساتھ سرگرمِ عمل رہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ آج ہمارے ساتھ جنت میں ہماری اولاد بھی موجود ہے۔ اگر ہم نے ان کی تربیت اس احساس کے ساتھ نہ کی ہوتی تو آج ہمیں شدید پریشانی کا سامنا ہوتا۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

(تو اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ۲۷)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی قدر افزائی

ہمارے اسی احساس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم فرمایا۔ ہمیں بھی نیکی کی توفیق دی اور ہمارے بچوں کو بھی۔ اور مزید یہ احسان یہ فرمایا کہ ہمیں نہ صرف جنت عطا فرمائی اور جہنم سے بچایا بلکہ جہنم کی بادِ سموم سے بھی ہمیں محفوظ رکھا۔ عرب میں بادِ سموم ایسی گرم ہوا کو کہتے تھے جس کے چلنے سے بعض دفعہ ناک سے خون جاری ہو جاتا تھا اور آدمی یوں محسوس کرتا تھا جیسے اس پر آگ کے تھپڑے پڑ رہے ہوں۔ اور جہاں تک دوزخ کی بادِ سموم کا تعلق ہے اس کی لو کی لپٹوں کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا کرم یہ ہے کہ جہنم تو ایک نا قابلِ برداشت جگہ ہے لیکن اس نے ہمیں اس سے اٹھنے والی گرم ہوا کی جلن سے بھی محفوظ رکھا۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

(ہم اس سے پہلے اسی کو پکارتے تھے، بے شک وہ بڑا ہی باوفا اور رحیم ہے۔ ۲۸)

تمام کامیابیوں کی کلید

ہمیں چونکہ ہمیشہ اپنی اور اپنی اولاد کی فکر دامن گیر رہی اور ہم نے دنیا کو بھی دین کا ذریعہ بنایا۔ دنیا کو ایک ضرورت سمجھا اور دین کو مقصدِ حیات ٹھہرایا۔ اسی احساس کے تحت ہم نے ہمیشہ اپنے رب کو پکارا۔ اس راہ میں جو بھی مشکل پیش آئی اسی سے مدد مانگی۔ اور ہر چیز کی رہنمائی کیلئے اسی کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اس کی طرف سے ہم پر انعامات اور نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور اس نے دنیا میں اپنے رسول اور کتاب کے ذریعے اپنے بندوں سے جو وعدے کئے تھے انہیں نہ صرف پورا کیا کیونکہ وہ "بر" ہے بلکہ اس پر مزید کرم فرمایا اور ہماری کمزوریوں سے درگزر کرتے ہوئے اپنے بیش از بیش افضال سے نوازا۔ کیونکہ وہ رحیم ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ
رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ
الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ ؕ اَمْ تَاْمُرُهُمْ
اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ
لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ
خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ؕ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ

Marfat.com

وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ
الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم
بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا
فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾
أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ
إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ
السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ
الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ
يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾

رکوع: ۲۔ (پس اے پیغمبر! آپ نصیحت کرتے رہیں، آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ ۲۹) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردشِ روزگار کے منتظر ہیں۔ ۳۰) ان سے کہئے تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ ۳۱) کیا ان کی عقلیں انہیں اس بات کا حکم دیتی ہیں، یا یہ ہیں ہی سرکش لوگ۔ ۳۲) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو اس نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ۳۳) پس یہ اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں۔ ۳۴) کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ ۳۵) یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اصل بات

Marfat.com

یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ ۳۶) کیا آپ کے رب کے خزانے ان کے پاس ہیں یا وہ ان پر نگران بنائے گئے ہیں۔ ۳۷) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں، تو چاہئے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے۔ ۳۸) کیا اس کیلئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے۔ ۳۹) کیا آپ ان سے کوئی عوض مانگتے ہو کہ وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔ ۴۰) کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے، پس وہ خود ہی لکھ لیتے ہیں۔ ۴۱) کیا وہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں، تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی اس چال میں گرفتار ہوں گے۔ ۴۲) کیا اللہ کے سوا ان کیلئے اور کوئی معبود بھی ہے، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک کرتے ہیں۔ ۴۳) اگر یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے بھی گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کہیں گے یہ تو تہ بہ تہ بادل ہیں۔ ۴۴) پس اے نبی! انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس دن ان کے ہوش جاتے رہیں گے۔ ۴۵) جس دن نہ ان کی اپنی کوئی چال ان کے کسی کام آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ۴۶) بے شک ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا اس کے سوا بھی ایک عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔ ۴۷) اے پیغمبر آپ صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کیجئے، آپ ہماری نگاہوں میں ہیں، اور اپنے رب کی تسبیح کیجئے اس کی حمد کے ساتھ، جس وقت آپ اٹھتے ہیں۔ ۴۸) اور رات کو بھی اس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں کے پیچھے پلٹنے کے وقت بھی۔ ۴۹)

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ؕ ۲۹

(پس اے پیغمبر! آپ نصیحت کرتے رہیں، آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ ۲۹)

مخالفین کی یاوہ گوئی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی

آنحضرت ﷺ کی تبلیغ و دعوت کے جواب میں مخالفین نے جو رویہ اختیار کر رکھا تھا اور خاص طور پر آخرت کے حوالے سے وہ جس طرح مختلف اعتراضات اٹھا رہے تھے ان کا جواب دینے اور آخرت کی تصویر پیش کرنے کے بعد اب کلام کا رخ مخالفین کی ان ہٹ دھرمیوں اور زبان درازیوں کی طرف پھر گیا ہے جس کا اظہار وہ مختلف صورتوں میں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی یاوہ گوئی سے دل گرفتہ نہ ہوں بلکہ جس عظیم کام کیلئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہیں۔ اقرار کی صورت میں تبشیر سے کام لیں اور انکار کی صورت میں انذار سے۔ اس طرح سے انہیں اس عظیم کام کی یاد دہانی جاری رکھیں۔ رہی یہ بات کہ وہ آپ کے بارے میں جس طرح کی بدزبانیاں کرتے ہیں وہ صرف ان کی بے بسی اور کمزوری کے ثبوت کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب ایک شخص دلیل کے میدان میں ناکام ہو جاتا ہے اور صداقت کے جواب میں اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہتا تو وہ دلیل دینے والے اور صداقت کی طرف دعوت دینے والے کی شخصیت کو نشانہ بناتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف سے بدگمان ہو کر اس کی دعوت سے متاثر نہ ہونے پائیں۔ قریشِ مکہ اور دیگر مخالفین بھی یہی کچھ کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ جب انہیں قرآن پاک پڑھ کر سناتے اور یہ بھی بتاتے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو فرشتے کے واسطے سے مجھ پر نازل ہوا ہے۔ تو وہ بجائے قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت کا جواب دینے اور اس کے پیش کردہ نظامِ زندگی پر بحث کرنے کے آنحضرت ﷺ کو کبھی کاہن کہتے اور کبھی آپ کو مجنون ٹھہراتے۔

Marfat.com

کاہن کا مفہوم اور آنحضرت ﷺ پر اس الزام کا جواب

کاہن عربی زبان میں جوتشی اور غیب جاننے کا دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا جس کو بعض لوگ دنیا طلبی کیلئے اختیار کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے ضعفِ اعتقاد سے فائدہ اٹھاتے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی برتری کا رعب بٹھانے کیلئے کبھی ستارہ شناس ہونے کا دعویٰ کرتے اور کبھی ارواح اور شیاطین اور جنوں سے اپنے تعلق کا صور پھونکتے۔ اور لوگوں کے مختلف سوالوں کے جواب میں مسجع اور مقفع عبارت بولتے اور گول مول باتیں کرتے۔ مخصوص قسم کی وضع قطع بنائے رکھتے۔ لیکن ان تمام شعبدہ بازیوں اور عیاریوں سے طلبِ دنیا کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہوتا۔ یہ کاہن کا وہ تعارف ہے جس سے اس زمانے کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا۔ سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس تعارف کو سامنے رکھتے ہوئے کیسے کاہن قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنے رب کے فضل و کرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔ آپ کی زبان سے حکمت و معرفت کا چشمہ ابلتا ہے، راست بازی اور حق گوئی آپ کی علامت ہے، روح القدس آپ پر اترتے ہیں، آپ لوگوں کے دل و دماغ کی تطہیر کرتے اور ان کے اعمال میں پاکیزگی پیدا کرتے ہیں، آپ کی وضع قطع ایک عام آدمی جیسی ہے لیکن آپ کا حُسنِ کردار اور آپ کی فکری برتری اپنا لوہا منوائے بغیر نہیں رہتی۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے ورنہ جس ماحول میں آپ نے تربیت پائی اس میں ایسی باتوں کا تصور تک موجود نہ تھا۔ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کا اتباع کرتے ہیں وہ اپنے سیرت و کردار اور بول چال تک میں اپنے دور سے یکسر مختلف ہوجاتے ہیں۔ ان کے کردار کی بلندی اپنی غربت کے باوجود بھی چھپی نہیں رہتی۔ مخالفین بھی جانتے ہیں کہ آپ کا کہانت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور کاہنوں جیسی وضع قطع اور سیرت و کردار سے آپ کا دور کا رشتہ بھی نہیں۔

آپ پر مجنون کے الزام کی حقیقت

اسی طرح کفارِ مکہ کا آپ کو مجنون قرار دینا ایک الزام کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ الزام لگانے والے بھی جانتے ہیں کہ آپ جس بات کی دعوت دیتے اور لوگوں سے جس طرح حُسنِ سلوک سے پیش آتے اور اللہ تعالیٰ کا جو کلام پڑھ کر سناتے اور اپنے پاس آنے والوں کی جس طرح تربیت کرتے ہیں ان میں سے ایک ایک بات ایسی ہے جس پر عقل و دانش ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اس میں جنون والی بات کون سی ہے۔ رہی یہ بات کہ جب وحی آپ پر اترتی ہے تو آپ وحی کے جلال سے خاموش ہوجاتے، سر جھکا لیتے اور اس وقت تک دم بخود رہتے ہیں جب تک وحی کا سلسلہ ختم نہیں ہوجاتا۔ تو یہ تو آپ کی صداقت کی دلیل ہے نہ کہ آپ کے مجنون ہونے کی۔ لیکن جب کوئی شخص دشمنی کا ادھار کھا لیتا ہے اور وہ مخالفت میں شرم و حیاء کا ہر پردہ چاک کردیتا ہے تو وہ اپنی کمزوری کو چھپانے کیلئے الزامات سے داعیِ حق کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس طرح موجودہ زمانے میں بعض بے شرم مغربی مصنفین اسلام کیخلاف اپنے بغض کی آگ ٹھنڈی کرنے کیلئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضورؐ پر صرع یعنی مرگی کے دورے پڑتے تھے اور ان ہی دوروں میں جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا تھا لوگ اسے وحی سمجھ کر قبول کر لیتے تھے۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ بھی آنحضرت ﷺ پر مجنون ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ لیکن جو شخص بھی آپ کے لائے ہوئے دین اور آپ کی قیادت اور رہنمائی کے حیرت انگیز کارناموں پر غور کرے گا وہ ان الزامات کی حقیقت کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

Marfat.com

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا
فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردشِ روزگار کے منتظر ہیں۔ ۳۰)
ان سے کہیے تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ ۳۱)

آپؐ پر شاعر ہونے کا الزام اور اس کی حقیقت

قریشِ مکہ اور دیگر مخالفین کا دوسرا الزام یہ تھا کہ محمد ﷺ نے جو نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے یہ محض ایک فریب ہے۔ اور جس کلام کو وہ پیش کرتا ہے وہ اس کا اپنا بنایا ہوا یا کسی کا بنایا ہوا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ کا کلام کہہ کر پیش کیا جاتا ہے۔ رہی اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی اثر آفرینی تو وہ کوئی ایسی چیز نہیں، ہمارے یہاں کتنے شعراء ایسے گزرے ہیں جن کے اشعار قلوب کی دنیا میں ہلچل مچا دیتے تھے۔ یہ شخص بھی ایک بلند پایہ شاعر معلوم ہوتا ہے جس کے کلام کی تاثیر بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بات بھی کہتے تھے کہ اس شخص نے چونکہ ہمارے خداؤں کی توہین اور ہمارے دیوتاؤں کی مذمت کی ہے اس لئے ہمیں قوی امید ہے کہ ان کی مار اس پر پڑے گی۔ اور یہ گردشِ روزگار کا شکار ہو جائے گا۔ اور جس طرح پہلے شعراء کا کلام اپنی تمام خوبیوں کے باوجود خواب و خیال ہو کے رہ گیا ہے اس کا دعویٰ اور اس کا کلام بھی ایسے ہی مٹ کے رہ جائے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ان سے کہیے کہ تم میرے لئے جس طرح گردشِ ایام کے منتظر ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ میں اس کا شکار ہو کر ختم ہو جاؤں گا تو میں بھی تمہاری طرح انتظار کر رہا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وعیدوں کے مطابق عذاب کا باعث بنے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن ایسی برتری اور غلبہ عطا فرمائے گا کہ ہر طرف اللہ تعالیٰ کے دین کا پھریرا لہرائے گا۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾

(کیا ان کی عقلیں انہیں اس بات کا حکم دیتی ہیں، یا یہ ہیں ہی سرکش لوگ۔ ۳۲)

مخالفین کی مخالفت کی حقیقت

اس آیتِ کریمہ میں نہایت منطقی انداز میں مخالفین کی تمام باتوں کا پول کھول دیا گیا ہے۔ آیتِ کریمہ میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مخالفین اشرافِ قریش ہوں یا دوسرے لوگ، یہ سب اپنے تئیں عقلِ کل ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور ان کے نزدیک ان کی ہر بات عقل کے ترازو میں تل کے نکلتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم جس عظیم شخصیت پر کبھی کاہن اور مجنون ہونے کا الزام لگاتے ہو اور کبھی اسے شاعر قرار دے کر اس کی دعوت کو بے وزن کرنے کی کوشش کرتے ہو جبکہ وہ عظیم شخصیت تمہارے لئے اجنبی نہیں۔ مکے کا ہر قابلِ ذکر آدمی اسے جانتا اور پہچانتا ہے۔ تم میں سے ہر شخص اس سے بھی اور اس کے خاندان سے بھی اچھی طرح شناسا ہے۔ اور یہ بات بھی تمہیں تسلیم ہے کہ مکے کے

Marfat.com

فاسد اور مخربِ اخلاق ماحول میں اس کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جو اس ماحول کے اثرات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ تم اس کے کردار کی بلندی، اس کی دیانت وامانت کی پاکیزگی اور اس کی خدا ترسی اور دلسوزی کو پوری طرح تسلیم کرتے ہو۔ اور تم نے نبوت سے پہلے تک اسے الامین اور الصادق کہہ کر پکارا۔ اور تم نے ہمیشہ اسے عقل ودانش کا اعلیٰ ترین نمونہ سمجھا۔ لیکن اب یک لخت اسے مجنون قرار دینا یا کاہن بتلانا جو کہ کردار کے نہایت گرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اور شاعر قرار دینا کیا تمہاری عقل تمہیں اسی بات کا مشورہ دیتی ہے۔ اور اگر تمہاری عقل کے فیصلے ایسے ہی ہیں تو پھر بے عقلی کس کو کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل سے ایسے گئے گزرے نہیں ہو کہ ایسی معمولی باتیں بھی نہ سمجھ سکو۔ درحقیقت تم لوگ نہایت سرکش اور اخلاقی حدود کو پامال کرنے والے ہو۔ دشمنی اور عناد نے تم کو ایسا اندھا کیا ہے کہ اس عظیم ذات پر بے سروپا الزامات لگانے سے تمہیں تمہاری عقل نہیں روکتی۔ تمہاری اسی سرکشی نے تمہیں یہ راستہ دکھایا ہے اور اسی وجہ سے تم یہ سخن سازیاں کر رہے ہو۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

(کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو اس نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ۳۳) پس یہ اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں۔ ۳۴)

قرآن کے حوالے سے آپؐ پر ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

قریش کے ایک اور الزام کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ نبی کریم ﷺ پر لگاتے تھے اور اس کا جواب دیا گیا ہے۔ الزام یہ ہے کہ اس قرآنِ کریم کو آپ نے خود گھڑ لیا ہے۔ تَقَوُّلَ کا معنی ہوتا ہے کسی بات کو خود گھڑ کر دوسرے پر اس کا الزام لگانا۔ اسی بات کو قرآنِ کریم نے افترا کے لفظ بھی ادا کیا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ جو کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب کہہ کر پیش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہیں بلکہ وہ ان کا اپنا طبع زاد ہے جسے وہ خود اپنی محنت اور ذہانت سے بناتے ہیں۔ لیکن لوگوں پر رعب اور دھونس جمانے کیلئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مخالفین بھی جانتے ہیں کہ اس الزام کی حقیقت کیا ہے کیونکہ قرآنِ کریم اور آنحضرت ﷺ کے اپنے ارشادات کی زبان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ لیکن وہ اس طرح الزامات لگا کر درحقیقت قرآنِ کریم کی اثر آفرینی اور اس کے بینظیر ہونے سے توجہ ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ ساری حرکتیں اصل میں جس مقصد کی غماز ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ یہاں فعل ارادۂ فعل کے معنی میں معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس طرح کے الزام لگانے سے تمہارے عزائم کچھ بھی ہوں لیکن اگر تم ان میں سنجیدہ ہو تو پھر تمہارے لئے ضروری ہے کہ اس قرآن جیسی یعنی اس شان اور مرتبے کی کتاب تیار کر کے پیش کرو۔ تمہارے پاس تمہارے اپنے خطیبوں اور شاعروں کا ادبی سرمایہ ہوگا۔ ان کے پرانے ذخائر میں سے اس پایہ کی کوئی چیز تلاش کر کے پیش کرو۔ اور یا خود سر جوڑ کر بیٹھو اور کوئی ایسی چیز تیار کر کے لاؤ جسے تمہارے اپنے ملک کے کلام کے تیور شناس اور ادب کے ماہرین تسلیم کریں کہ یہ واقعی ویسی ہی چیز ہے جیسا قرآنِ کریم ہے۔ تو پھر یہ بات سمجھ لی جائے گی کہ تم واقعی اپنی بات میں سچے ہو۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ بات کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ تمہارا ارادہ اس طرح کی باتوں سے صرف یہ ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان نہیں لانا چاہتے۔

Marfat.com

قرآنِ کریم نے اس طرح کا چیلنج مختلف وقتوں میں قریش کو اور آنے والی دنیا کو بھی دیا ہے۔لیکن آج تک کوئی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔اس کی وجہ کیا ہے اور قرآنِ کریم میں اعجاز کی ایسی آخر کیا باتیں ہیں جس نے ساری نوعِ انسانی کو اس کے مقابلے سے عاجز کر رکھا ہے۔ہم اس سلسلے میں سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع میں اپنی گزارشات پیش کر چکے ہیں اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾

(کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ ۳۵) یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ ۳۶)

مخالفین سے چند سوالات

قریش اور دیگر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد مخالفین سے چند سوالات کئے گئے کہ اگر وہ آخرت کے منکر ہیں اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تو پھر وہ یہ بتائیں کہ وہ بغیر خالق ہی کے پیدا ہو گئے ہیں یا خود ہی اپنے خالق ہیں۔ساتھ ہی وہ یہ بات بھی بتائیں کہ کیا آسمان اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔یہ درحقیقت مخاطب کے مُسلّمات سے استدلال کرنے کی ایک صورت ہے۔کیونکہ مشرکینِ عرب اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق ہے۔اسی نے ہمارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔آسمان اور زمین اسی کی صفتِ تخلیق کا نتیجہ ہیں۔تو پھر سوال یہ ہے کہ جب وہ اپنا اور آسمان وزمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں تو اس کے عذاب اور اس کے روزِ جزاء وسزا کو بعید از امکان کیوں سمجھتے ہیں۔کیا ان کا گمان یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ پیدا کرنے کے بعد اپنی قوتِ تخلیق کھو بیٹھا ہے اور اب دوبارہ وہ پیدا کرنے کی اس میں قدرت نہیں۔اگر واقعی یہ بات ہے تو یہ تو ایک کھلی ہوئی حماقت ہے کہ جو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہو وہ دوسری بار پیدا کرنے سے عاجز کیسے ہو سکتا ہے۔

اور اگر واقعی وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر انہیں قیامت اور آخرت کے آنے سے انکار کیوں ہے؟ اور اگر یہ ساری نعمتیں اسی نے عطا کی ہیں اور اسی کی ربوبیت ہے جو ہر مخلوق کو پال رہی ہے، پھر کیا یہ بات ممکن ہے کہ وہ ان کو یونہی چھوڑے رکھے اور کسی دن ان سے یہ نہ پوچھے کہ اس نے ان کو جس مقصد کیلئے پیدا کیا تھا اس کو انہوں نے پورا کیا یا نہیں۔

اسی طرح وہ اس بات کا بھی جواب دیں کہ جس زمین پر وہ رہ رہے ہیں اور آسمان کی جو چھت ان کے سروں پر تنی ہوئی ہے اور جن کی گوناگوں نعمتوں سے وہ متمتع ہو رہے ہیں اور وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے تو کیا اس سے یہ بات ذہن میں نہیں ابھرتی کہ جس نے زمین وآسمان کا یہ گھر سجایا ہے اور انسانوں کو اس کا مکین بنایا ہے کیا اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بنائے ہوئے گھر کے مکینوں سے ان کے رویئے سے متعلق کبھی باز پرس کرے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ وہ اگر چہ اپنا، اپنے آباؤ اجداد کا اور زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن انہیں اس کا یقین نہیں۔ کیونکہ اگر وہ یقین کے ساتھ ان باتوں کو مانتے تو جو باتیں خود بخود اس اقرار و اعتراف سے نکلتی ہیں ان کا انکار کبھی نہ کرتے۔ یہ صورتحال اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ وہ جن حقائق کے ماننے کا اقرار کرتے ہیں ان پر وہ یقین نہیں رکھتے۔ کیونکہ یقین ہی وہ قوت ہے جو انسان کے اندر قوتِ عمل پیدا کرتی ہے اور ہر اس بات کو ماننے پر آمادہ کرتی ہے جو اس یقین کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی بہت سارے دیوتاؤں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور اپنے دیوتاؤں کے متعلق ان کا گمان یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا وقت آیا تو ہمارے دیوتا ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کے ذریعے عذاب سے بچالیں گے۔ اس طرح کے کمزور سہارے درحقیقت وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جنہیں اپنے اعتقادات پر یقین نہیں ہوتا۔ اپنے ضمیر کو سلانے کیلئے بعض حقائق کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داریوں سے بچنے کیلئے فرار کے راستے بھی تلاش کر لئے جاتے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(کیا آپ کے رب کے خزانے ان کے پاس ہیں یا وہ ان پر نگران بنائے گئے ہیں۔ ۳۷)

قریش کے اعتقادات کے تناظر میں ان سے چند سوالات

قریشِ مکہ کے بعض اعتقادات کی وجہ سے ان سے چند سوالات کئے گئے ہیں۔ ان کا ایک اعتقاد یہ تھا کہ نبوت اور رسالت ایک عظیم منصب ہے اس کا اہل اول تو انسان نہیں ہو سکتا، کسی فرشتے کو ہونا چاہئے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ انسانوں کی اصلاح کیلئے کسی انسان ہی کو رسول بن کر آنا چاہئے تو اسے یقیناً اپنے وقت کا دولت و ثروت کے حوالے سے کوئی نمایاں ترین فرد ہونا چاہئے تاکہ لوگ اس کی عظمت اور بڑائی کے سامنے جھکیں اور ان کے احترام کی وجہ سے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس دور میں نبوت دی بھی گئی تو ایک ایسے شخص کو جو یتیم پیدا ہوا اور نہایت عسرت سے زندگی گزاری۔ اور آج تک اسے ایسا مال و دولت حاصل نہیں ہو سکا جو اسے بڑے لوگوں میں شامل کر سکے۔ حالانکہ مکہ اور طائف میں ذاتی وجاہت اور دولت و ثروت کے اعتبار سے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ نبوت اگر دینا ہی تھی تو ایسے کسی شخص کو ملنی چاہئے تھی۔

یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ دنیا میں خوشحالی، اثر و رسوخ اور دولت و ثروت اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور یہ اسی شخص کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اس سے محروم رکھے جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے وہ یہ بات کہتے ہیں کہ آج خوشحالی ان لوگوں کو میسر ہے جو مدعیِ نبوت کی بات سننے کے روادار نہیں۔ دولت و ثروت کے وہ مالک ہیں جنہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کے ساتھ بیٹھیں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی مسلمانوں کو نہیں بلکہ ان لوگوں کو حاصل ہے جو پیغمبر پر ایمان نہیں لائے۔ اور اگر قیامت آ ہی گئی تو وہاں بھی ان ہی لوگوں کو سرفرازی حاصل ہوگی جو آج دولت و ثروت میں کھیل رہے ہیں۔ کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔

Marfat.com

ان دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور وہ اپنی رحمت کا مستحق کسے بناتا ہے یہ سراسر اس کا فیصلہ ہے۔ اور اس میں کوئی دوسرا شخص دخل نہیں دے سکتا۔ اسی طرح دولت وثروت بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے آتی ہے اور ان خزانوں کی مالک بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ مشرکینِ مکہ نے جس طرح خانہ ساز قسم کے خیالات اپنا رکھے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں کا مالک سمجھتے ہیں یا ان کا گمان یہ ہے کہ ان خزانوں کی تقسیم پر وہ مامور کیے گئے۔ جسے وہ پسند کریں ان کیلئے یہ خزانے کھلتے ہیں اور جنہیں وہ ناپسند کریں نہ انہیں نبوت مل سکتی ہے نہ انہیں دولت سے بہرہ ور کیا جاسکتا ہے۔

اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ‌ۚ فَلۡيَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍؕ ﴿۳۸﴾
اَمۡ لَـهُ الۡبَنٰتُ وَلَـكُمُ الۡبَنُوۡنَؕ ﴿۳۹﴾

(کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں، تو چاہیے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے۔ ۳۸) کیا اس کیلئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے۔ ۳۹)

مخالفین کو آنحضرت ﷺ پر جو اعتراضات تھے اور قرآنِ کریم کے بارے میں جو کچھ ان کے تحفظات تھے گزشتہ آیات میں ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائی گئیں کہ اگر تم قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سمجھتے اور تمہارا الزام یہ ہے کہ اسے خود محمد ﷺ نے لکھا ہے تو پھر اس کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کا آخری ذریعہ یہی ہوسکتا ہے کہ تم خود ایک ایسی کتاب بنا کے لاؤ جو قرآنِ کریم کی ہر لحاظ سے متبادل ہو یا اس سے بہتر ہو۔ اور اس میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہوں جو قرآنِ کریم کی خصوصیات ہیں۔ اسی طرح تمہیں اس بات کا اقرار ہے کہ تم مخلوق ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارا خالق ہے۔ اور ساری کائنات کو بھی اسی نے تخلیق فرمایا ہے۔ تو اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بجا طور پر خالق ہونے کی وجہ سے اپنی مخلوق کو زندگی گزارنے کیلئے ایک آئین، قانون اور آداب کا مجموعہ دینے کا حق حاصل ہے جس کی تعمیل مخلوق پر واجب ہو اور پھر اس کے حوالے سے قیامت میں جواب دہی کا بھی اسے پابند بنایا جائے۔ قرآنِ کریم کے مقابلے کی کتاب نہ لا کر تم نے یہ ثابت کردیا کہ قرآنِ کریم واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو خالق مان کر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس حق کو قبول کرلیا کہ وہ تمہیں شریعت دینے کا حق رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام جس پر اتارا اور جسے اپنا رسول بنا کر تمہاری رہنمائی کیلئے بھیجا اسے تو تم ماننے کیلئے تیار نہیں، بلکہ اس کی بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ تو پھر آخر اس رہنمائی اور اس شریعت کا ذریعہ اور کون سا ہوگا۔ تم اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم خود عالمِ بالا سے ایک رابطہ رکھتے ہیں۔ ہم میں اس کی صلاحیت موجود ہے کہ ہم خود آسمانوں پر پہنچیں اور فرشتوں سے یہ معلوم کریں کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں میں راضی ہے اور کن باتوں میں ناراض۔ اور ایسی باتیں تم واقعی معلوم کرچکے ہو اور اپنے ذریعۂ علم پر تم ہر طرح سے مطمئن ہو۔ اگر یہ بات ہے تو پھر بتایا جانا چاہیے کہ وہ ذریعہ کون ہے جو عالمِ بالا کی خبریں سنتا ہے اور تمہیں ان سے آگاہ کرتا ہے۔ اور اس پر کوئی مضبوط سند اور دلیل ہونی چاہیے۔ اور اگر ایسی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں اور تم عالمِ بالا سے رابطے کیلئے کوئی ذریعہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تم اس کی بات سننے کے بھی روادار نہیں ہو۔ تو پھر تمہیں اس طرح کے فضول تصورات اور

Marfat.com

لایعنی عقائد سے نہیں بچایا جا سکتا جنہیں بلا سوچے سمجھے تم عقیدے کے طور پر قبول کر چکے ہو۔ جن میں سے ایک بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیاں تسلیم کرتے ہو اور اپنے لئے بیٹے۔ ایسا عقیدہ قبول کرنا کسی بھی قوم کیلئے باعثِ ننگ و عار ہے۔ کیونکہ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ مخلوق سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نسبی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اولاد باپ کی ہمیشہ ہم جنس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے تو اس کی اولاد بھی خالق ہوگی، مخلوق نہیں۔ اور فرشتوں کو تم بھی مخلوق مانتے ہو۔ تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اور مخلوق فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اور مخلوق حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر احتیاج سے پاک ہے اور مخلوق سرتاپا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ متکبر ہے اور مخلوق اس کے سامنے عاجز۔ دونوں میں برابری یا نسب کا رشتہ کیسے ممکن ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر شرم کی بات یہ ہے کہ تم نے اس کیلئے فرشتوں کو بیٹیاں بنایا جبکہ تمہارے پاس فرشتوں کے مؤنث ہونے کی کوئی سند نہیں۔ اور دوسری یہ بات کہ اگر انہیں مؤنث تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تسلیم کرو اور اپنے لئے بیٹوں کو عزت کا ذریعہ سمجھو۔ اور اگر بیٹی پیدا ہو جائے تو شرم سے منہ چھپاتے پھرو۔ یعنی جو چیز تم اپنے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے جس جسارت کی ضرورت ہے نہ جانے وہ تمہیں کہاں سے ملی ہے۔ اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ عقیدہ و عمل کی تجویز کیلئے جس علم کی انسان کو احتیاج ہے وہ علم تمہارے پاس نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول وہی علم لے کر تمہارے پاس آئے ہیں اور اسی علم کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

(کیا آپ ان سے کوئی عوض مانگتے ہو کہ وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔ ۴۰)

آپ ﷺ سے سوال کی صورت میں مخالفین کے رویئے کی مذمت

سوال بظاہر آنحضرت ﷺ سے ہے لیکن روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ آپ جو انہیں اللہ تعالیٰ کا دین سکھا رہے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے آگاہ کر رہے ہیں اور ان کی زندگی کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا رہے ہیں۔ اور انہیں باطل کی تاریکیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کی روشنی میں لا رہے ہیں اور اس کیلئے آپ نے اس قدر دلسوزی، ہمدردی اور فکرمندی سے کام کیا ہے کہ اس سلسلے میں آپ کا اپنا کاروبار تباہ ہو گیا، آپ کی صحت متاثر ہوئی جا رہی ہے۔ شب و روز اس کام کے سوا آپ کو کسی بات کی فکر نہیں۔ تو کیا اس پر آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں اور وہ معاوضہ اتنا بڑا ہے کہ جس کے بوجھ تلے وہ دبے جا رہے ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر آپ کے لائے ہوئے دین سے ان کی بیزاری اور آپ کی دعوت و تبلیغ سے ان کے تنفر کی وجہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اپنی ذات میں اُمّی ہیں جن کے پاس علم کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر کوئی صاحب علم ان کو علم کی روشنی سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل تک پہنچانا چاہتا ہے۔ تو ان لوگوں کو تو آپ کا شکرگزار ہونا چاہئے اور علم کی اس مشعل کو اٹھا کر خود اسے گھر گھر پہنچانے کی فکر کرنی چاہئے چہ جائیکہ وہ آپ کی دشمنی پر اتر آئیں جبکہ ان ہی میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دین کے نام پر دنیا کما رہے ہیں۔ لیکن آپ نے ان کی خیرخواہی اور ہمدردی کیلئے اپنی دنیا اجاڑ لی ہے۔ اس کے باوجود یہ آپ سے بھاگتے ہیں اور دین کے سوداگروں کے پاس جاتے ہیں۔

Marfat.com

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

(کیاان کے پاس غیب کاعلم ہے، پس وہ خود ہی لکھ لیتے ہیں۔ ۴۱)

گزشتہ مضمون کا منطقی نتیجہ

گزشتہ آیت میں جوسوال اٹھایا گیا ہےاسی کوآگے بڑھاتے ہوئے ارشادفرمایا گیا ہے کہ آپ ان کوزندگی کے جن حقائق کاعلم دے رہے ہیں اوروہ ان سے بھاگ رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس غیب کاعلم ہے جس سے وہ تمام ضروری باتیں معلوم کر کے لکھ لیتے ہیں۔حالانکہ ایسا کوئی ذریعۂ علم ان کے پاس موجودنہیں، کیونکہ انہیں یہ بات خودتسلیم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے پاس کوئی پیغمبرنہیں آیا۔ان کی لائی ہوئی تعلیم اہلِ عرب کی جہالت کی نذر ہوگئی۔ان کا کوئی صحیفہ یا کوئی کتاب ان کے پاس موجودنہیں، ان کے اسوۂ حسنہ کو یہ بالکل بھول چکے۔اب جوکچھ ان کے پاس شریعت ہے وہ سب ان کے وضعی خیالات ہیں۔چندرسم ورواج ہیں جنہیں انہوں نے عقائد کی شکل دے رکھی ہے۔ان کی خواہشات اور چنداوہام ہیں جوان کے یہاں روایت کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔یہی ان کا علمی سرمایہ ہے جس کے بل بوتے پروہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت اوراس پراترنے والی کتاب کاانکارکررہے ہیں۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

(کیاوہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں،توجن لوگوں نے کفرکیاوہی اس چال میں گرفتارہوں گے۔ ۴۲)

مخالفین کی مخالفت کی حقیقت

سوال کے انداز میں اصل حقیقت کاانکشاف فرمایا گیا ہے کہ مخالفین کی یہ ساری دلیل بازیاں اورسخن سازیاں تومحض ظاہرکاپردہ ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کے فروغ میں انہیں اپنی سیادت کاخاتمہ نظرآتا ہے۔اوروہ محسوس کررہے ہیں کہ جیسے جیسے یہ دعوت پھیلتی جارہی ہے ہماری جہالت اورعصبیت سمٹتی جارہی ہے۔ہمیں اپنی جس طاقت اورافرادی قوت پرنازرہاہے ہرگھرمیں اس دعوت کا اثرپہنچنے کی وجہ سے اس کی دیواروں میں دراڑیں پڑتی جارہی ہیں۔تواب ان کاخیال یہ ہے کہ ہمیں کوئی ایسی تدبیریں کرنی چاہئیں جس سے اس دعوت کافروغ رک جائے بلکہ دعوت دینے والی زبان گنگ ہوکررہ جائے۔اورلوگوں کومختلف طریقوں سے اس دین کی دعوت اوراس کے پیش کرنے والے سے اس حدتک بدگمان کردیا جائے کہ لوگ اس دعوت اوراس کے داعی کے قریب نہ جائیں۔چنانچہ انہیں وارننگ دیتے ہوئے ارشادفرمایا گیا ہے کہ اگریہ مخالفین ایسی کسی تدبیر کی فکرمیں ہیں جس سے دعوت اورداعی کونقصان پہنچے بلکہ یہ دعوت ختم ہوکررہ جائے تو انہیں معلوم ہوناچاہئے کہ ایسی ہرتدبیران پرالٹ دی جائے گی اوروہ بری طرح نہ صرف اس میں ناکام ہوں گے بلکہ ان کی اپنی بقاءخطرے میں پڑجائے گی۔چنانچہ جب یہ تنبیہ کی گئی توحیرانی کی بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی طاقت نہ تھی۔بے سروسامان لوگوں کاایک گروہ تھاجوتنہالادینی قوتوں سے برسرپیکارتھا۔جس شخص نے بھی اس تنبیہ کوسنااس نے اسے بے وقت کی راگنی سمجھااوربے لگام عقیدت کا

Marfat.com

اظہار جانا۔لیکن چند ہی سال بعد کفر کی بساط الٹ گئی اور قریش اپنے کروفر کے باوجود ناکام و نامراد ہو کر آنحضرت ﷺ سے عفو و درگزر کے طالب ہوئے۔اور صرف ۲۳ سال کے عرصے میں پورے جزیرۂ عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

(کیا اللہ کے سوا ان کیلئے اور کوئی معبود بھی ہے، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک کرتے ہیں۔ ۴۳)

مشرکین کا اپنی جہالت پر اصرار کا نتیجہ

مشرکین کی اسی جہالت کا نتیجہ ہے جو وہ دین کے مقابلے میں اختیار کر چکے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو الٰہ ماننے کے ساتھ اور بھی کئی قوتوں کو الٰہ تسلیم کر رکھا ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔وہ محض ان کے توہمات ہیں اور اعتقادات کی خرابی ہے کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کا شریک بنا رکھا ہے۔تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی دعوت لے کر اٹھا ہے اور اس کی زبان پر اسی کے دین کی دعوت اور اسی کی کتاب کی تلاوت ہے۔اور وہ اپنا ساری توانائیاں اسی کے دین کی سربلندی کیلئے صرف کر رہا ہے۔اور جن قوتوں کو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے ان میں سے ایک ایک کی تردید کر رہا ہے اور شرک کے ہر تصور کو دل و دماغ سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔اس کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہے وہی اس کا ہتھیار ہے اور وہی اس کی منزل ہے۔ایسے شخص کو وہ لوگ نقصان نہیں پہنچا سکتے جن کی صلاحیتیں اور جن کے دل و دماغ کی قوتیں مختلف آستانوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔وہ ایک سے تعلق مضبوط کرنے اور ایک پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف سہارے تجویز کر چکے ہیں اور مختلف مراکزِ عقیدت و عبادت کو اپنے لئے منزل بنا چکے ہیں۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

(اگر یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے بھی گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کہیں گے یہ تو تہ بہ تہ بادل ہیں۔ ۴۴)

مخالفین کی ہٹ دھرمی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی

مخالفین کی ہٹ دھرمیوں کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ مخالفین جس طرح آئے روز نئے سے نئے معجزات طلب کر کے آپ کیلئے پریشانی کا باعث بن رہے ہیں آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔کفار کی طرف سے معجزات کی طلب کوئی نئی بات نہیں۔جن لوگوں کو حق کی طلب ہوتی ہے وہ بھی بعض دفعہ معجزہ دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ان کے مطالبے آئے روز جاری نہیں رہتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی زندگی اپنی ذات میں خود معجزہ ہوتی ہے۔اور ہر طرح کی مخالفت میں اس کی استقامت، انتہائی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد اور اپنے فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ بے پناہ لگن، ان میں سے کون سی بات ہے جو معجزات سے کم کہی جا سکتی ہے۔بایں ہمہ مختلف وقتوں میں پیغمبر سے معجزات کا ظہور ہوتا رہا ہے لیکن جب ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے معجزے کی طلب شروع ہوتی ہے اور لوگ اسے اپنے ایمان کی شرط بنا لیتے ہیں تو ایسے لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔آنحضرت ﷺ

Marfat.com

کو تسلی دیتے ہوئے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا جارہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طلب پر کبھی اللہ تعالیٰ سے کسی معجزے کے ظہور کی دعا نہ فرمائیں۔ وہ ایسے معجزات دیکھ کر بھی اپنے کفر پر جمے رہنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرلیں گے۔ اسی سلسلے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ آسمان کے ٹکڑے بھی گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کہیں گے کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہیں جو بارش کیلئے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں لیکن قومِ ثمود کی طرح انہیں ان بادلوں کو عذاب سمجھنے کی توفیق نہیں ہوگی۔ ایسے ہٹ دھرم لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

(پس اے نبی! انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس دن ان کے ہوش جاتے رہیں گے۔ ۴۵) جس دن نہ ان کی اپنی کوئی چال ان کے کسی کام آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ۴۶)

یعنی جب یہ بات کھل گئی کہ یہ درحقیقت اپنی سخن سازیوں کے پردے میں اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کیخلاف کوئی چال چل رہے ہیں تو اب ان کو سمجھانے بجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب ان کو اس دن کے حوالے کردیجئے جس دن صورِ اسرافیل سے ان پر غشی طاری ہوجائے گی۔ یہ اشارہ اس دن کی طرف ہے جس کی ہولناکی کی تصویر سورۂ حج میں بدیں الفاظ کھینچی گئی ہے۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ''اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے اور یہ مدہوشی شراب کی نہیں ہوگی بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔''

مزید فرمایا گیا ہے کہ یہ دن ایسا ہولناک ہوگا کہ چالیں چلنے والوں کی کوئی چال وہاں نہیں چل سکے گی اور اپنی تدبیروں سے کوئی کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ اور ان کے اعوان و انصار خود ان کی مدد نہیں کرسکیں گے۔ اور جن کو دنیا میں انہوں نے شفیع سمجھ رکھا ہے وہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات سے واسطہ پڑے گا اور وہ ایمان و عمل کے حوالے سے ان سے معاملہ کرے گی۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

(بے شک ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا اس کے سوا بھی ایک عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔ ۴۷)

عذابِ آخرت سے پہلے عذاب کا ذکر

جو کفار اپنی ہٹ دھرمیوں کے باعث عذابِ آخرت کے مستحق ہوچکے ہیں انہیں عذابِ آخرت تو قیامت کے دن ہوگا لیکن ان کی زندگی میں چھوٹے موٹے عذابوں کا مزہ انہیں چکھایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائیں۔ یعنی دنیا میں وقتاً فوقتاً شخصی اور قومی مصیبتیں نازل کرکے پروردگار انہیں یاد دلاتا رہتا ہے کہ کوئی بالاتر طاقت ان کی قسمتوں کے فیصلے کررہی ہے اور کوئی اس کے فیصلوں کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن جو لوگ اپنی ہٹ دھرمی کے باعث اللہ تعالیٰ کے رسول کے دیئے ہوئے علم سے بیگانہ رہتے ہیں وہ کبھی ان واقعات سے

Marfat.com

سبق نہیں لیتے، بلکہ اپنے وضعی علم ودانش کے زعم میں یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ حوادث اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں بلکہ یہ ویسے ہی حوادث ہیں جو دنیا میں اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے جہلِ مرکب کی وجہ سے خود بھی ہمیشہ گمراہ رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ جانے ان کے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ کائنات کے مالک کی مرضی کے بغیر یہاں کوئی حادثہ رونما نہیں ہوتا۔ زمانہ خود سے کسی چیز کو جنم نہیں دیتا۔ اور نہ حالات اتفاقات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات سمجھ لی جائے کہ ہر چھوٹے بڑے واقعہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیت کام کرتی ہے تو اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے بلکہ آدمی کے سیرت و کردار میں خوشگوار تبدیلی آتی ہے۔ اور آدمی بہت سارے واہموں سے بچ کر مضبوط شخصیت کا مالک ہو جاتا ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾

(اے پیغمبر آپ صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کیجئے، آپ ہماری نگاہوں میں ہیں، اور اپنے رب کی تسبیح کیجئے اس کی حمد کے ساتھ، جس وقت آپ اٹھتے ہیں۔ ۴۸) اور رات کو بھی اس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں کے پیچھے پلٹنے کے وقت بھی۔ ۴۹)

مخالفین کی مخالفت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر کو نہایت دلنواز انداز میں صبر کی تلقین فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ صبر کی طاقت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ اور وہ طاقت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تسبیح و تحمید یعنی عبادت ہے۔

پھر تسبیح و تحمید کی مختلف اوقات کے حوالے سے تین ہدایات ارشاد فرمائیں جن میں پہلی ہدایت کی وضاحت میں مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے صاحب تفہیم القرآن نے اسے سمیٹتے ہوئے نہایت احسن طریق سے لکھا:

ایک مفہوم یہ ہے کہ جب بھی تم کسی مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح کر کے اٹھو۔ نبی کریم ﷺ خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے اور آپ نے مسلمانوں کو بھی یہ ہدایت فرمائی تھی کہ کسی مجلس سے اٹھتے وقت اللہ کی حمد و تسبیح کر لیا کریں اس سے ان تمام باتوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے جو اس مجلس میں ہوئی ہوں۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا ہو اور اس میں خوب قیل و قال ہوئی ہو، وہ اگر اٹھنے سے پہلے یہ الفاظ کہے تو اللہ ان باتوں کو معاف کر دیتا ہے جو وہاں ہوں: **سبحانک اللھم وبحمدک، اشھد ان لا الٰہ الا انت، استغفرک واتوب الیک** "خداوندا، میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔"

دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو کر اپنے بستر سے اٹھو تو اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ اس پر بھی نبی کریم ﷺ خود عمل فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو آپ نے یہ تعلیم دی تھی کہ نیند سے جب بیدار ہوں تو یہ الفاظ کہا کریں: **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر،**

Marfat.com

سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، ولا حول ولا قوۃ الاباللہ (مسند احمد، بخاری بروایت عبادہ بن الصامت)

تیسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ جب تم نماز کیلئے کھڑے ہوتو اللہ کی حمد و تسبیح سے اس کا آغاز کرو۔اسی حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ نماز کی ابتدا تکبیر تحریمہ کے بعد ان الفاظ سے کی جائے: سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولاالہ غیرک

چوتھا مفہوم اس کا یہ ہے کہ جب تم اللہ کی طرف دعوت دینے کیلئے اٹھوتو اللہ کی حمد و تسبیح سے اس کا آغاز کرو۔یہ بھی نبی کریم ﷺ کا مستقل معمول تھا کہ آپ ہمیشہ اپنے خطبوں کا آغاز حمد و ثنا سے فرمایا کرتے تھے۔

مفسر ابن جریر نے اس کا ایک اور مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جب تم دوپہر کو قیلولہ کر کے اٹھو تو نماز پڑھو اور اس سے مراد نماز ظہر ہے۔

اور آخری آیت سے مراد مغرب اور عشاء اور تہجد کی نمازیں ہیں۔اور تلاوتِ قرآن بھی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی۔اور ستاروں کے پلٹنے سے مراد رات کے آخری حصہ میں ان کا غروب ہونا اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے پر ان کی روشنی کا ماند پڑ جانا ہے، یہ نماز فجر کا وقت ہے۔اس سے مراد نمازِ فجر اور اس کی تسبیحات ہیں۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ النَّجْمِ

(۵۳)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ النَّجْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلنَّجْم ہے۔ یہ سورۃ کے پہلے ہی لفظ سے ماخوذ ہے، لیکن یہ سورۃ کا عنوان نہیں، محض علامت کے طور پر اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ اس کے زمانۂ نزول کے تعین میں ہمیں دو باتوں سے مدد ملتی ہے۔ ایک تو اس بات سے کہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ رجب ۵ نبوی میں صحابہ کرام کی مختصر سی جماعت حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ لیکن جب اسی سال رمضان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے قریش کے مجمع عام میں اس سورۃ کی تلاوت فرمائی اور سورۃ کے خاتمے پر جب آپ نے سجدہ فرمایا تو سب کافر و مومن آپ کے ساتھ سجدہ ریز ہو گئے۔ حبش میں یہ خبر اس طرح پہنچی کہ قریش مسلمان ہو چکے ہیں اور مخالفت دم توڑ چکی ہے۔ جو مسلمان وہاں ہجرت کر کے گئے تھے وہ سن کر شوال ۵ نبوی میں مکہ واپس آ گئے۔ یہاں آ کر انہیں معلوم ہوا کہ حالات ویسے ہی ہیں جیسے ہم چھوڑ کر گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا نزول رمضان ۵ نبوی میں ہوا ہے۔

اور دوسری بات جس سے ہمیں اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے تعین میں مدد ملتی ہے وہ، وہ روایات ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ النجم کی تلاوت قریش کے مجمع عام میں آنحضرت ﷺ نے رمضان ۵ نبوی میں کی تھی۔ اور اس کے شدید تاثر کی وجہ سے غیر مسلم بھی سجدے میں گر گئے تھے۔ ان روایات میں چونکہ ۵ نبوی کا ذکر ہے تو اس سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ اس سورۃ کا نزول ۵ نبوی میں ہوا ہے۔

تاریخی پس منظر:۔ ۵ نبوی میں مخالفت میں شدت پیدا ہو چکی تھی اور قریش نے آنحضرت ﷺ کی شخصیت اور قرآنِ کریم کی دلوں میں اتر جانے والی فصاحت و بلاغت سے مرعوب ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب بھی آنحضرت ﷺ یا آپ کے رفقاء میں سے کوئی قرآنِ کریم کی تلاوت کریں تو نہ اسے سنا جائے اور نہ دوسرے لوگوں کو سننے کا موقع دیا جائے بلکہ شور مچایا جائے تاکہ کسی کے کان میں اس کی آواز نہ پہنچنے پائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ نہایت زوردار طریقے سے اس بات کو شہرت دی جائے کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول کہتا ہے یہ ایک بہکا ہوا آدمی ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہے۔ البتہ اس کا کلام چونکہ شعر کی صورت میں ہے اس لئے بعض طبیعتوں پر بہت گہرے اثرات چھوڑتا ہے اور وہ اس سے متاثر ہو کر اسلام کو قبول کر لیتے ہیں، لیکن اس میں سچائی کی کوئی بات نہیں۔

Marfat.com

ان حالات میں آنحضرت ﷺ کیلئے قریش کے کسی مجمعِ عام کو خطاب کرنا یا اس میں قرآنِ کریم پڑھ کر سنانا بہت حد تک ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن ایک روز جبکہ قریش کے لوگ اپنے معمول کے مطابق صحنِ حرم میں ایک بڑی تعداد میں موجود تھے کہ اچانک آنحضرت ﷺ تقریر کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر سورۃ النجم جاری فرمادی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ اسی وقت نازل ہوئی۔ اس کلام کی شدتِ تاثیر اور آنحضرت ﷺ کی دلآویز شخصیت کی وجہ سے قریش کو شور مچانے کا ہوش نہ رہا۔ آپ قرآن کو قرآن میں ڈوب کر پڑھتے گئے اور قریش بے خود ہو کر خاموشی سے اسے سنتے رہے۔ حتیٰ کے جب سورۃ کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے آیتِ سجدہ پر سجدہ فرمایا تو سب لوگ آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ ان لوگوں نے بھی اسے بیان کیا ہے جو اس وقت اس مجلس میں موجود تھے اور بعد میں انہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی سعادت بخشی۔ ان میں حضرت عبداللہ ابنِ مسعود جیسے لوگ تو تاریخ کی عظیم شخصیت ہیں۔ البتہ ایک اور عینی شاہد مطلب بن وداعہ بھی ہیں جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ نے سورۃ النجم کے آخر میں سجدہ فرمایا اور سب حاضرین آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے تو میں نے سجدہ نہ کیا اور اسی کی تلافی اب میں اس طرح کرتا ہوں کہ اس سورۃ کی تلاوت کے وقت سجدہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ (مسند احمد، نسائی)

قریش کا اس طرح سجدے میں گر جانا ایسا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا جو مکے کی فضا میں باعثِ سوال نہ بنتا۔ چنانچہ لوگوں نے قریش سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ لوگ تو قرآن سننے کے روادار نہیں، یہ اچانک آخر کیا ہوا کہ آپ نے نہ صرف قرآن سنا بلکہ آیتِ سجدہ پر تم لوگ سجدے میں بھی گر گئے۔ قریش کو اس سے بڑی خفت بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔ تو انہوں نے آخر ایک جھوٹی بات گھڑ کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی کہ محمد ﷺ نے جب یہ آیات پڑھیں اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی، وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی تو اس کے ساتھ ہی ہم نے ان کی زبان سے یہ الفاظ بھی سنے تلک الغرانقة العلى، وان شفاعتهن لترجى "یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی ضرور امید کی جاتی ہے۔" تو اس سے ہمیں یہ خوش فہمی ہوئی کہ محمد ﷺ ہمارے طریقے پر واپس آ گئے ہیں۔ تو ہم نے اس سے خوش ہو کر سجدہ کیا۔ حالانکہ جو شخص بھی اس سورۃ کے مضمون کو سمجھتے ہوئے سیاق و سباق پر غور کرے گا تو وہ کبھی بھی اس حماقت کا ارتکاب نہیں کر سکتا کہ قریش نے جو کچھ کہا اس کی کوئی حقیقت تھی۔ یہ سراسر ایک عذر لنگ تھا جو محض اپنی عزت بچانے کیلئے اختراع کیا گیا تھا۔

سورۃ کے مضامین

پہلی سولہ آیتوں میں نبی کریم ﷺ کی حیثیت کو واضح فرمایا گیا ہے اور قریش کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ قریش کا پراپیگنڈا یہ تھا کہ محمد ﷺ ایک بہکے اور بھٹکے ہوئے آدمی ہیں۔ اور جو کلام وہ پیش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا نہیں بلکہ کوئی جن انہیں القاء کرتا ہے اور وہ اسے وحی کا نام دے کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تردید کرتے ہوئے اس فرشتے کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں جو قرآن کو لے کر آپ پر نازل ہوتا ہے۔ اور پھر اس کلام پر توجہ دلاتے ہوئے زور دے کر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اس کلام میں کسی ضلالت یا غوایت کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ اس کی ہر بات مبنی بر حقیقت اور اٹل ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کلام اپنی طرف سے اختراع کر لیا ہے

Marfat.com

حالانکہ وہ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ خالص وحی ہے جوان پر نازل کی جاتی ہے۔اوروہ جو بات بھی کہتے ہیں ان کے اپنے قیاس وگمان کی آفریدہ نہیں ہوتی بلکہ ان کی آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔مشرکین اس فرشتے کو جن قرار دیتے تھے جو آنحضرت ﷺ پر وحی لے کر اترتا تھا۔اور یہ تاثر دیتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو جن کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔اس لئے ان آیات میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس فرشتے کو دو دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اتنے قریب سے دیکھا جو قرب کی آخری حد ہے۔اور پھر آپ وحی کے ذریعے جو باتیں ارشاد فرماتے ہیں وہ بھی ان کی شنید نہیں بلکہ کتنی عظیم نشانیاں ہیں جن کا براہِ راست آپ نے مشاہدہ کیا ہے۔اور پھر آپ نے دیکھنے میں کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا۔کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تم لوگ ان سے جھگڑ رہے ہو حالانکہ تمہارا ان سے جھگڑنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا آنکھوں والے سے اس چیز پر جھگڑا کرے جو اسے نظر نہیں آتی،اور آنکھوں والا اسے دیکھ رہا ہے۔

اس کے بعد چند بنیادی حقائق کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں تو ہزاروں اعتراضات ہیں لیکن تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تمہاری ساری دینی زندگی محض گمان اور من مانے مفروضات پر قائم ہے۔تم نے ایسے معبود اختراع کر رکھے ہیں جن کی ناموں کے سوا کوئی حقیقت نہیں۔اور تمہارے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں۔حالانکہ ظن وگمان حقیقت کی جگہ کبھی نہیں لے سکتے۔اور انہیں حقیقت قرار دینے سے وہ حقیقت بن نہیں سکتے جبکہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایت آچکی ہے۔اور پھر اللہ تعالیٰ کو ماننے کے ساتھ ساتھ تم نے اس کی صفات میں جس طرح شرک کا ارتکاب کیا ہے اس کی دینی حیثیت تو کیا ہوگی،اس کی علمی حیثیت بھی کوئی نہیں،وہ تمہاری سراسر جہالت کا نتیجہ ہے۔تم نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنا رکھا ہے حالانکہ تم خود بیٹی کو عار سمجھتے ہو۔اور پھر فرشتوں کے بارے میں تم نے یہ تصور کرلیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہاری بات منوا سکتے ہیں۔اسی طرح تم نے جھوٹی آرزوؤں کے خیالی محل تیار کر رکھے ہیں۔حالانکہ انسان کو سابقہ اپنی تمناؤں سے نہیں بلکہ حقائق سے پیش آئے گا۔ان ہی جھوٹی آرزوؤں میں تمہارا خودساختہ سفارش کا عقیدہ بھی ہے۔جس کی وجہ سے تم آخرت میں جوابدہی سے نچنت ہو گئے ہو۔

یہ بات بہت زور دے کر کہی گئی ہے کہ آسمان وزمین کا بلاشرکت وغیرے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے،کسی کی مجال نہیں کہ وہ بروں کو اس کی پکڑ سے بچا سکے یا نیکوں کو ان کی نیکی کے صلہ سے محروم کر سکے۔نیک بننے کیلئے ضروری ہے کہ بڑے گناہوں اور کھلی بے حیائیوں سے اجتناب کیا جائے۔یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار ہوں گے۔اور اگر کبھی بچنے کے باوجود کسی برائی میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے۔جن لوگوں نے اپنے حسب ونسب اور اپنے خیالی معبودوں کی سفارش کے بل بوتے پر اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں اونچے اونچے مراتب محفوظ کر رکھے ہیں وہ اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر طرح سے ان کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ان کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔اپنی زبان سے اپنی پاکیزگی کے دعوے اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں چلیں گے،وہاں فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوگا۔

دینِ حق کے وہ چند بنیادی امور لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے ہیں جو قرآنِ مجید کے نزول سے صدہا برس پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بیان ہو چکے تھے تاکہ تمام انبیائے کرام کی دین میں وحدت کا تصور لوگوں کے دلوں میں اترے۔اور وہ اپنی اپنی گروہ بندی سے نکل کر اس بات کو سمجھیں کہ ان کا حسب ونسب اور ان کے انتسابات ان کو جنت کا مستحق نہیں بنائیں گے۔اس لئے

Marfat.com

سابق انبیائے کرام کی تعلیمات اوران کی عظیم قربانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اور پھر یہ بات بھی واضح فرمائی گئی ہے کہ عاداور ثموداور قومِ نوح اور قومِ لوط کی تباہی اتفاقی حوادث کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم وطغیان کی پاداش میں ان کو ہلاک کیا تھا جن پر آج قریشِ مکہ اڑے ہوئے ہیں۔خاتمۂ سورۃ میں قرآن کی عظمت کی یاد دہانی ہے کہ یہ کاہنوں اور نجومیوں کے قسم کا کلام نہیں ہے۔قرآن کے نزول اور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اب تمہارے فیصلے کی گھڑی سر پر آ گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے تم کو کوئی بھی بچانے والا نہیں بنے گا۔اور یہ وہ بات ہے جس سے پہلے لوگوں کو بھی متنبہ کیا گیا تھا۔ایک ایسی حقیقت جس کا اعلان ہر دور میں ہر رسولِ عظیم کی زبان سے کیا گیا۔تم نے آج بھی اگر اس کی مخالفت کی اور اس حقیقت کو تم نے ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی، بلکہ اس کے دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔تم نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے یہ سراسر نادانی ہے جس پر تمہیں ہنسنے کی بجائے رونا چاہئے۔اس سے باز آ جاؤ، اپنی اس روش کو بدلو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاؤ۔

یہی وہ زوردار ترغیب تھی جسے سن کر مخالفین بھی ضبط نہ کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے اختیار سجدے میں گر گئے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٦٢	سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (٥٣)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
الْهَوٰى ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿٥﴾ ذُوْ مِرَّةٍ
فَاسْتَوٰى ﴿٦﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ﴿٧﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ
قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ﴿٩﴾ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ﴿١١﴾ أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ﴿١٣﴾
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿١٥﴾ إِذْ يَغْشَى
السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ
اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ
الْأُخْرٰى ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾
إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾

Marfat.com

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ ع

رکوع: ا۔ (قسم ہے ستاروں کی، جب وہ غروب ہوگئے۔ ۱) تمہارا ساتھی نہ بھٹکا ہے اور نہ گمراہ ہوا ہے۔ ۲) وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ ۳) وہ تو ایک وحی ہے جو اسے کی جاتی ہے۔ ۴) اور اس کو تعلیم دی ہے زبردست قوتوں والے نے۔ ۵) جو بڑا صاحبِ حکمت ہے، وہ نمودار ہوا۔ ۶) اور وہ بالائی افق پر تھا۔ ۷) پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہوگیا۔ ۸) پس دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ ۹) پھر اس نے وحی کی اللہ کے بندے کی طرف جو وحی کی۔ ۱۰) جو کچھ آپ نے دیکھا، دل نے اس میں جھوٹ نہیں ملایا۔ ۱۱) تو کیا تم اس سے اس چیز پر جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ۱۲) اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ دیکھا۔ ۱۳) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ ۱۴) اسی کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے۔ ۱۵) اس وقت چھا رہا تھا سدرۃ پر جو کچھ بھی چھا رہا تھا۔ ۱۶) نہ نگاہ کج ہوئی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ ۱۷) اور آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ ۱۸) کیا تم نے غور کیا ہے لات اور عزیٰ۔ ۱۹) اور منات پر جو تیسری اور درجہ کے اعتبار سے دوسری ہے۔ ۲۰) کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں خدا کیلئے۔ ۲۱) یہ تو بڑی ہی بھونڈی تقسیم ہوئی۔ ۲۲) یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں، اللہ نے اس کیلئے کوئی سند نازل نہیں کی، یہ لوگ محض گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ ۲۳) کیا انسان کیلئے وہی حق ہے جس کی وہ تمنا کرے۔ ۲۴) سو یاد رکھو کہ آخرت اور دنیا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ۲۵)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾

(قسم ہے ستاروں کی، جب وہ غروب ہوگئے۔ ۱) تمہارا ساتھی نہ بھٹکا ہے اور نہ گمراہ ہوا ہے۔ ۲)
وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ ۳) وہ تو ایک وحی ہے جو اسے کی جاتی ہے۔ ۴)

اَلنَّجْم سے مراد کیا ہے؟

عام طور پر مفسرین اَلنَّجْمِ سے ثریا مراد لیتے ہیں۔ بعض اہلِ علم نے اس سے زہرہ مراد لیا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کو مراد لینے پر بھی کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ابو عبید نحوی کا قول زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہاں النجم بول کر جنسِ نجوم مراد لی گئی ہے، یعنی یہ اسمِ جنس کے مفہوم میں ہے۔ جیسے قرآنِ کریم نے سورۃ النحل اور سورۃ الرحمٰن میں اس سے اسمِ جنس ہی مراد لیا ہے۔ جیسے

Marfat.com

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ''وہ ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔'' یا وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ''اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی آیت کے پہلے لفظ یعنی النجم سے پروردگار نے ستاروں کی قسم کھائی ہے لیکن ان ستاروں کی جب وہ غروب ہو جاتے ہیں۔ یعنی صرف ستاروں کی قسم نہیں بلکہ غروب ہونے والے ستاروں کی قسم ہے۔ اور ہم کئی دفعہ یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ قسم کی حیثیت گواہ یا دلیل کی ہوتی ہے اور اس کے بعد کا آنے والا جملہ جوابِ قسم یا مقسم علیہ ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسری آیت میں یہ جو فرمایا گیا کہ تمہارے صاحب یعنی نبی کریم ﷺ نہ بھٹکے ہیں اور نہ گمراہ ہوئے ہیں۔ یہ جوابِ قسم ہونے کی وجہ سے دعویٰ ہے جس کے ثبوت کیلئے قسم کی صورت میں دلیل پیش کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جو آنحضرت ﷺ کی دعوت کو بے اثر کرنے اور قرآنِ کریم کو لوگوں کیلئے اجنبی بنانے میں جس پراپیگنڈے سے کام لیا ہے اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بھٹک گئے اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جو ان کی دعوت کا مضمون ہیں۔ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ تمہارے صاحب اور تمہارے ساتھی ہیں۔ تمہارے لئے وہ کوئی اجنبی آدمی نہیں۔ تم ان کے بچپن، ان کے لڑکپن، اُن کی جوانی اور ان کی ڈھلتی عمر سے واقف ہو۔ ان کے معاملات کی ایک ایک چیز تمہارے سامنے واضح ہے، ان کی زندگی ایک ایسی کھلی کتاب کی طرح ہے جس کے ایک ایک ورق سے تم آگاہ ہو۔ ان کی سیرت و کردار اور ان کے عادات و خصائل میں سے کوئی چیز بھی تمہاری نگاہوں سے مخفی نہیں۔ تو ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ گمراہ ہیں یا وہ بھٹکے ہوئے آدمی ہیں یہ ایک ایسی جسارت ہے جسے دشمنی میں اندھے آدمی کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ اس کی دلیل پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ستارے جب ٹمٹماتے رہتے ہیں تو ان کی دھیمی دھیمی اور مدھم سے روشنی میں چلنے والے، دیکھنے والے اور اندازہ لگانے والے قدم قدم پر غلطیاں کرتے ہیں۔ وہ اشیاء کی دھندلی سی شکلیں دیکھتے ہیں اور حقیقت کی پہچان میں عجیب و غریب غلطیاں کرتے ہیں۔ کسی درخت کو بھوت سمجھ بیٹھتے ہیں، ریت میں کوئی ابھری ہوئی چٹان دیکھ کر درندہ گمان کرتے ہیں۔ کیونکہ دھندلی روشنی جس میں اندھیرا غالب اور روشنی مغلوب ہوتی ہے آدمی کو غلط اندازہ لگانے سے بچا نہیں سکتی۔ لیکن جب ستارے ڈوب جائیں اور صبح روشن نمودار ہو جائے تو ہر چیز اپنی اصلی شکل میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس وقت کسی چیز کی اصلیت میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ یہی معاملہ نبی کریم ﷺ کا ہے۔ اگر وہ تمہارے صاحب نہ ہوتے، یعنی تمہارے لئے اجنبی ہوتے اور کہیں باہر سے اچانک تمہارے شہر میں آکر نبوت کا دعویٰ کرتے تو تمہارے لئے اس بات کا ہزار دفعہ امکان تھا کہ تم ان کے بارے میں کچھ بھی گمان کر سکتے تھے۔ لیکن اب جبکہ ان کی زندگی اور شخصیت صبحِ روشن کی طرح تم پر پوری طرح عیاں ہے تو پھر تم انہیں گمراہ یا بھٹکا ہوا آدمی قرار دیتے ہو، تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ چالیس سال کی عمر تک جو شخص تمہارے لئے الامین، الصادق، نہایت عقیل اور معاملہ فہم انسان تھا آج یکلخت گمراہ کیسے ہو گیا؟ اور اس نے جان بوجھ کر ایک ٹیڑھی راہ کیسے اختیار کر لی اور دوسرے لوگوں کو بھی اس ٹیڑھی راہ کی طرف دعوت دینے لگا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم اس معاملہ کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھ رہے ہو۔

پھر اسی سلسلۂ مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھٹکا ہوا اور بہکا ہوا آدمی وہ ہوتا ہے جو خواہشِ نفس کی پیروی کرتا ہے۔ خواہشات کی تکمیل اور مفادات کے حصول کیلئے اپنے جی سے غلط سلط باتیں بناتا ہے اور لوگوں کے سامنے پیش کر کے اپنی غلط شخصیت کو استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ ایسی حرکتیں کرنے اور ایسے غلط عزائم پالنے کی عمر جوانی کی ہوتی ہے، ڈھلتی جوانی کی نہیں۔ اور جس شخص نے جوانی ایسی گزاری ہو کہ دشمن بھی اس کی پاکیزگی کی قسم کھاتے ہوں اور اسے جاننے والے

Marfat.com

اس کی اصابتِ رائے کے گن گاتے ہوں اس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہوائے نفس کے تحت ایسا کلام لوگوں کے سامنے پیش کرے گا جو اس کی اندرونی خواہشات کا آئینہ دار ہوگا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عظیم بندہ کبھی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، بلکہ جب بھی بولتا ہے وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی جاتی ہے۔ آیت میں وحی کے لفظ کا سب سے پہلا مصداق یقیناً قرآنِ کریم ہے کہ آنحضرت ﷺ اس قرآنِ کریم کو اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی کیا جاتا ہے، وہ ان کا اپنا تصنیف کردہ نہیں ہوتا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ آپ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ ایک وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔ کیا اس کا اطلاق صرف قرآنِ کریم پر ہوتا ہے یا کسی اور چیز پر بھی، اسے بہت اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت چار حوالوں سے عبارت ہے۔ پہلا حوالہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کے اصول، اسلام کی بنیادی تعلیمات، اسلام کے بنیادی نظریات یعنی عقائد، اسلام کی عائد کردہ عبادات اور احکام۔ انہیں نہایت اختصار کے ساتھ قرآنِ کریم کی صورت میں پیش کیا اور اسے لوگوں تک پہنچایا۔

دوسرا حوالہ آپ کی شخصیت کا یہ ہے کہ آپ نے ان اصولوں کو فروع کے ساتھ مرتبط کر کے قابلِ فہم اور قابلِ عمل بنایا۔ آپ نے ہر مجمل کی تفصیل بیان فرمائی، ہر مبہم چیز کو کھولا اور تھیوری کو پریکٹس میں لا کر عملی شکل مہیا فرمائی۔ اور یہ وہ چیز ہے جو وحی کی صورت میں آپ پر نازل کی گئی لیکن اسے وحیِ خفی کہتے ہیں۔

تیسرا حوالہ آپ کی شخصیت کا یہ ہے کہ اگر کسی معاملے میں وحی نازل نہیں ہوئی تو آپ نے اس پر اجتہاد فرمایا۔ یعنی پیش آمدہ معاملہ کیلئے ایسا حکم تجویز کیا جسے اسلامی حکم قرار دیا گیا۔ لیکن اس میں ہم ایک عجیب حیرت انگیز چیز دیکھتے ہیں کہ بعض اجتہادات کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاح فرمائی گئی اور ضرورت محسوس ہوئی تو اس میں کسی چیز کو بدل دیا گیا اور باقی اجتہادات کو کبھی صراحتاً دین کی شکل دی گئی اور کبھی اس پر خاموشی اختیار کر کے اسے آنحضرت ﷺ کی سنت بنا دیا گیا۔

آپ کی شخصیت کا چوتھا حوالہ یہ ہے کہ آپ نے عادات و خصائل کے طور پر بعض چیزیں اختیار کیں، بعض چیزوں کو آپ نے پسند و ناپسند کا شرف بخشا، بعض چیزوں پر آپ نے خاموشی اختیار کی، اور بعض چیزیں آپ کی عادات کی صورت اختیار کر گئیں۔ ان تمام چیزوں کا تعلق آپ کے مزاج اور آپ کے ذوق سے ہے۔ مزاج ہمیشہ ایسے تصورات سے جنم لیتا ہے جو کسی بھی شخصیت کے بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور ذوق کبھی جمالیاتی ذوق کی صورت اختیار کرتا ہے اور کبھی عفو و درگزر کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں آتی اور آپ اس کیلئے اجتہاد بھی نہیں فرماتے۔ لیکن یہ وہ چیزیں ہیں جو مزاج اور ذوق کی صورت میں خود بخود عملی صورت اختیار کرتی جاتی ہیں۔ لیکن انہیں حق اس معنی میں قرار دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم پیدا فرمایا ہے۔ عصمت ہر حال میں آپ کی نگرانی کرتی ہے۔ وہ کبھی آپ سے ایسا فعل سرزد نہیں ہونے دیتے جو اسلام کے کسی تقاضے سے بھی متصادم ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس

Marfat.com

ذات کی جس نے مجھ پر قرآنِ کریم نازل کیا ہے، میرے ہونٹوں سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔اوراسی طرح آپ نے یہ بات بھی ارشادفرمائی کہ مجھ سے جس بات کا ظہور رات کی تاریکی میں دیکھو، دن کے اجالے میں اس کا اعلان کردو۔ کیونکہ میں کوئی ایسا کام نہیں کرسکتا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل نہ ہواور جسے اسلامی قرار نہ دیا جاسکے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْمِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝

(اوراس کو تعلیم دی ہے زبردست قوتوں والے نے۔ ۵) جو بڑا صاحبِ حکمت ہے، وہ نمودار ہوا۔ ۶) اور وہ بالائی افق پر تھا۔ ۷)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفات

قریش کا یہ بھی الزام تھا کہ محمد ﷺ پر کوئی جن اترتا ہے جو اسے مختلف باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔اورکبھی وہ یہ کہتے کہ کوئی غلام ہے جو نہایت پڑھا لکھا ہے اور وہ آپ کو قرآنِ کریم کی عبارت بنانے میں مدد دیتا ہے۔ چنانچہ ایسی تمام لایعنی باتوں کی تردید کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ آپ کو نہ کسی جن نے سکھایا ہے اور نہ کسی انسان نے آپ کو کوئی تعلیم دی ہے بلکہ آپ کو تعلیم دی ہے اس فوق البشر شخصیت نے جو بہت قوتوں والی ہے اور اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ پروردگار نے انہیں شدید القویٰ یعنی بہت قوتوں والا قرار دیا ہے اور اگلی آیت میں اسے ذُوْمِرَّةٍ فرمایا گیا ہے۔یعنی وہ اپنی عقل اور اپنے کردار میں نہایت محکم ہے۔وہ صاحبِ حکمت ہے۔یعنی نہ اس کی قوت میں کوئی مقابل ہوسکتا ہے اور نہ عقل اور کردار میں اس کا کوئی مثیل ہوسکتا ہے۔ سورۃ التکویر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر بدیں الفاظ میں ہے **انه لقول رسول كريم، ذى قوة عند ذى العرش مكين، مطاع ثم امين** ''یہ ایک باعزت فرشتے کا بیان ہے، وہ بڑی قوت والا اور عرش والے کے نزدیک بارسوخ ہے، اس کی اطاعت کی جاتی ہے، مزید برآں وہ نہایت امین ہے۔'' یعنی وہ فرشتہ جو ان خصوصیات کا حامل ہے اور ایسی اعلیٰ صلاحیتوں سے بھرپور ہے اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ کوئی دوسری روح اس کو متاثر یا مرعوب کرسکے اور نہ کوئی قوت اس کی امانت میں نقص پیدا کرسکتی ہے یا اس کی تعلیم میں خلطِ مبحث کرسکتی ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب اس کا حکم لے کر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا ہے تو وہ اسے بغیر کسی خلل وفساد کے پوری دیانت وامانت کے ساتھ آپ تک پہنچاتا ہے۔اور دوسری آیت میں مزید فرمایا کہ وہ غیر معمولی قوتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عقل اور کردار میں بھی نہایت محکم ہے۔اس کا امکان نہیں ہے کہ وہ کوئی دھوکہ کھا سکے یا کوئی اس کو دھوکہ دے سکے یا وہ کسی کے ہاتھ بک سکے یا کوئی اس کو خرید سکے۔ پھر اس فرشتے کی شخصیت محض تصوراتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کی اصلی شکل میں بھی اور دوسری شکلوں میں بھی۔ پھر اس رویت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ مستوی القامت ہوکر آپ کے سامنے نمودار ہوا اور اس کی نمودار ہونے کی جگہ آسمان کے افقِ اعلیٰ میں تھی۔افقِ اعلیٰ سے مراد آسمان کا بالائی مشرقی کنارہ ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور دن کی روشنی پھیلتی ہے۔ پہلی مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب نبی کریم ﷺ کو نظر آئے تو اس وقت وہ آسمان کے مشرقی کنارے سے نمودار ہوئے تھے اور متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنی اصلی صورت میں تھے۔اور جس کے بارے میں حدیث میں کہا گیا ہے کہ آپ کے جسم نے پورے افق کو بھر دیا تھا۔

Marfat.com

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾

(پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہوگیا۔ ۸) پس دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ ۹)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رویت کا منظر

جب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آسمان کے بالائی مشرقی کنارے سے نمودار ہوئے اور نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو انہوں نے آپ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ بڑھتے بڑھتے آپ کے اوپر آ کر فضا میں معلق ہو گئے۔ اور آپ کے اور ان کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ قَابَ قَوْسَيْنِ کا ترجمہ تو ہے دو کمانوں کے بقدر۔ لیکن اہلِ عرب اسے غایت قرب کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اہلِ عرب چونکہ تیر و کمان سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے ان کے ذوق کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرائیل امین علیہ اسلام کی قربت کو دو کمانوں کے بقدر کہہ کر واضح فرمایا ہے۔ اَوْ اَدْنٰی کا معنی ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار کو اس فاصلے کے بارے میں شاید شک تھا، اس لئے اَوْ کا استعمال فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں شک کا گزر نہیں ہوتا۔ یہاں اَوْ کا استعمال شک کیلئے نہیں بلکہ اس بات کی طرف اشارے کیلئے ہے کہ ساری کمانیں ایک ناپ کی نہیں ہوتیں۔ اس لئے جب بھی دو کمانوں کے بقدر فاصلے کا ذکر کیا جائے گا تو کمانوں کے کم و بیش ہونے کی وجہ سے فاصلے کی مقدار میں بھی کمی بیشی ہو جائے گی۔ لیکن اگر یہ بات ذہن میں رہے کہ ان الفاظ کا استعمال صرف غایتِ قرب کیلئے ہوتا ہے تو پھر اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿١٠﴾

(پھر اس نے وحی کی اللہ کے بندے کی طرف جو وحی کی۔ ۱۰)

آیت کا مفہوم

اس آیت کے تین ترجمے ممکن ہیں۔ (۱) حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ اس صورت میں مضاف الیہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہوگا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو بھی کی۔ اس صورت میں اَوْحٰی کا فاعل حضرت جبرائیل نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ (۳) حضرت جبرائیل نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کچھ بھی کی۔ اس صورت میں مضاف الیہ کی ضمیر کا مرجع حضرت جبرائیل ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ تیسرا ترجمہ ہر لحاظ سے مردود ہے۔ نہ سیاق و سباق اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ حقیقتِ نفس الامری اس کی اجازت دیتی ہے۔ البتہ پہلے دونوں ترجمے صحیح ہیں۔ لیکن مفسرین نے بالعموم سب سے پہلے ترجمے کو اختیار کیا ہے۔ یعنی اَوْحٰی کا فاعل حضرت جبرائیل ہیں اور یہ سیاق و سباق سے ثابت ہے۔ اور عَبْدِهٖ میں مضاف الیہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ تو پھر اسے مرجع کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرجع کا تعین ہمیشہ قرینہ سے ہوتا ہے۔ اور یہاں منشاءِ کلام قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور سیاقِ کلام

Marfat.com

اس کی تائید کر رہا ہے۔قرآنِ کریم میں اس کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔مثلاً اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ''ہم نے اس کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔'' یہاں قرآن کا سرے سے کہیں ذکر نہیں، مگر سیاقِ کلام خود بتا رہا ہے کہ ضمیر کا مرجع قرآنِ کریم ہے۔اسی طرح سورۃ یٰسین میں فرمایا گیا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ ''ہم نے اسے شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ شاعری اس کو زیب دیتی ہے۔'' یہاں نبی کریم ﷺ کا کوئی ذکر نہیں، مگر کلام بتا رہا ہے کہ ضمیروں کے مرجع آپؐ ہیں۔اسی طرح اور بھی مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔مختصر یہ کہ پہلا ترجمہ ہی بہتر ہے اور وہی فحوائے کلام سے واضح ہے کہ حضرت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی۔اور وحی سے مراد وہ سب کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے واسطے سے آپ پر نازل کرنا چاہا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪

(جو کچھ آپ نے دیکھا، دل نے اس میں جھوٹ نہیں ملایا۔ ۱۱)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے مشاہدے کی تصویب

پروردگار کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے مشاہدے کی تصدیق و تصویب کی جارہی ہے۔ظاہر ہے کہ اس مشاہدے کی حقیقت اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون جانتا ہے۔اس کی تصدیق ہی اصل تصدیق ہے۔اس کے باوجود کسی کا انکار یا تکذیب فریبِ نفس اور دوسروں کو دھوکہ دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔اور اس تصدیق کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ نبی کریم ﷺ جب اس طرح کے مشاہدات مخالفین کے سامنے ذکر کرتے تھے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے، اور لوگوں کو یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے کہ یہ شخص جس طرح کے ارمان اپنے دل میں رکھتا ہے اور جیسی کچھ اس کی آرزوئیں ہیں انہیں کو الفاظ کا جامہ پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے۔حالانکہ ان باتوں کی حقیقت اس کے اپنے ذہن کی خیال آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ایسے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ باتیں آنحضرت ﷺ کے ذہنی خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ تو مشاہدے میں آئی ہوئی باتیں ہیں۔جو فرشتہ آپ پر وحی لے کر آتا ہے آپ نے نہ صرف اسے انسانی شکل میں بارہا دیکھا بلکہ اس کی اصلی شکل میں بھی اس کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ جس میں دل و دماغ کی خیال آرائی کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔کیونکہ آپ کا یہ مشاہدہ پوری بیداری کی حالت میں اور دن کی پوری روشنی میں تھا۔اسے نہ نظر کا دھوکہ کہا جاسکتا ہے نہ کسی واہمہ کا نتیجہ۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮

(تو کیا تم اس سے اس چیز پر جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ۱۲) اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ دیکھا۔ ۱۳) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ ۱۴) اسی کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے۔ ۱۵)

Marfat.com

شک کرنے والوں کو ملامت

جو لوگ آنحضرت ﷺ کے مشاہدات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے یا شبے کا اظہار کر رہے تھے انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا اور نبی کریم ﷺ کا معاملہ عجیب ہے کہ حضورؐ تمہیں ان باتوں کی خبر دے رہے ہیں جنہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ اور وہ باتیں اس جہان کی ہیں جو تمہاری دسترس سے بہت دور ہے۔ تم ہزار کوشش کرو اس کا سراغ تک نہیں پا سکتے۔ لیکن تمہاری جسارت کی داد دینی چاہئے کہ بجائے اپنی کوتاہ علمی اور بے بضاعتی پر نادم ہونے کے تم آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے اور ان کے مشاہدات پر ہنستے ہو۔ یہ جسارت تو اس سے بھی بڑی ہے کہ کوئی اندھا آنکھوں والوں کی کسی خبر پر ہنسے اور وہ کسی چیز کی جو کیفیت بیان کریں یہ اسے ماننے سے انکار کردے۔ حالانکہ اندھا جن باتوں کا انکار کر رہا ہے وہ اسی دنیا کی ہیں جس میں وہ رہ رہا ہے۔ لیکن تم تو اس دنیا کے مشاہدات کا انکار کر رہے ہو جو تمہارے احساسات اور عقل و خرد سے بھی بلند و بالا ہے۔

مزید فرمایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ حضرت جبرائیل کے حوالے سے جس رویت کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایک دفعہ نہیں ہوئی بلکہ آپ نے حضرت جبرائیل کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا ہے۔ اس وقت بھی آپ اصلی حالت میں تھے جس میں آپ کو پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی پہلا مشاہدہ اس دنیا کا تھا اور دوسرا مشاہدہ اس دنیا کا جہاں عالمِ ناسوت ختم ہو جاتا ہے۔

سِدْرَةِ الْمُنْتَھٰی کی وضاحت

سوال یہ ہے کہ یہ سدرۃ المنتہٰی کیا ہے؟ سدرۃ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ اور منتہٰی کا معنی ہے آخری سرا۔ تو سدرۃ المنتہٰی کا ترجمہ ہوگا وہ بیری کا درخت جو اس کائنات کے آخری سرے پر واقع ہے۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس پر ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے، آگے جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہمارے بیشتر مفسرین کرام اسی مفہوم کو روایت نقل کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہٰی ایک ایسا مقام ہے جہاں عالمِ ناسوت کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں۔ اور عالمِ لاہوت کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔ نیچے کے امور وہاں جا کر رک جاتے ہیں اور اوپر سے آنے والے احکام یہاں فرشتوں کی تحویل میں دیئے جاتے ہیں۔ گویا یہ دونوں جہانوں کے درمیان جنرل پوسٹ آفس کے مانند ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کو یہ نام کیوں دیا گیا ہے، یہ چیز متشابہات میں داخل ہے۔ اس لئے ہم صرف اس پر ایمان لانے کے پابند ہیں، اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اور اس کی حقیقت جاننے کے درپے ہونے سے ہمیں روکا گیا ہے۔

سدرۃ المنتہٰی کے مقام کی نشان دہی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سدرۃ المنتہٰی عالمِ ناسوت کی آخری سرحد پر ہے، اسی طرح جنت الماویٰ عالمِ لاہوت کے نقطۂ آغاز پر ہے۔ اس نشان دہی سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرائیل کا دوبارہ مشاہدہ دونوں عالموں کے نقطۂ اتصال پر ہوا ہوگا۔

Marfat.com

جنت الماویٰ کے لغوی معنی ہیں وہ جنت جو قیام گاہ ہے۔حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ یہ وہی جنت ہے جو آخرت میں اہلِ ایمان و تقویٰ کو ملنے والی ہے۔اور پیشِ نظر آیت سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ جنت آسمان میں ہے۔قتادہ کہتے ہیں کہ یہ وہ جنت ہے جس میں شہداء کی ارواح رکھی جاتی ہیں۔اس سے مراد وہ جنت نہیں ہے جو آخرت میں ملنے والی ہے۔ابنِ عباس بھی یہی کہتے ہیں۔ اور اس پر وہ یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ آخرت میں جو جنت اہلِ ایمان کو دی جائے گی وہ آسمان میں نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ یہی زمین ہے۔

اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ﴿١٦﴾

(اس وقت چھا رہا تھا سدرۃ پر جو کچھ بھی چھا رہا تھا۔ ۱۶)

سدرة پر تجلیات کا ورود

نبی کریم ﷺ نے جب سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا تو اس مشاہدے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس وقت سدرۃ کا حال یہ تھا کہ اس کی شان اور اس کی کیفیت بیان سے باہر تھی سدرۃ پر ایسی تجلیات چھا رہی تھیں کہ ہر لحظہ اس کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا۔اور ایسے انوار برس رہے تھے کہ ہر آن اس کی کیفیت میں تبدیلی آ رہی تھی۔اور اس پر ایک ایسا حُسن برس رہا تھا جس کی تعبیر الفاظ کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾

(نہ نگاہ کج ہوئی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ ۱۷)

تجلیات کے ہجوم پر آنحضرت ﷺ کا قرار و سکون

زَاغَ کا مصدر زَیْغ ہے۔اس کا معنی ہے کج ہونا۔اور طَغٰی طغیان سے ہے۔یہ حد سے متجاوز ہونے کو کہتے ہیں۔سدرۃ المنتہیٰ پر بلاشبہ انوار و تجلیات کا ایسا ہجوم تھا جسے الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔لیکن آنحضرت ﷺ کے کمالِ تحمل کا حال یہ تھا کہ ایسی زبردست تجلیات کے سامنے بھی آپؐ کی نگاہ میں کوئی چکا چوند پیدا نہیں ہوئی اور آپؐ پورے سکون کے ساتھ اس کو دیکھتے رہے۔ایسے کیفیات کو دیکھتے ہوئے کہ نظر جن کو دیکھنے کی عادی نہ ہو۔عام طور پر نگاہوں میں کجی آ جاتی اور چکا چوند پیدا ہو جاتی ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ ایسی حیران کن تجلیات کے سامنے بھی ایسی کسی بے بسی کا شکار نہیں ہوئے۔اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے ضبط اور یکسوئی کا عالم یہ تھا کہ آپ نے جو کچھ بھی دیکھا نہایت توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دیکھا۔اور کہیں بھی آپ کی نظر حدود سے متجاوز نہیں ہونے پائی۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی نگاہوں میں ایسی قوت اور وسعت پیدا کر دی تھی کہ ایسی غیر معمولی کیفیات میں بھی وہ بے قابو نہیں ہونے پائے۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾

(اور آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ ۱۸)

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کے مشاہدات کی حقیقت

گزشتہ آیات میں آپ نے جو حیران کن مشاہدات کئے ان میں خاص طور پر ایک ایسے وجود کا افقِ اعلیٰ پر نمودار ہونا اور پھر انتہائی قریب آ جانا اور آپ پر وحی کا اتارنا، اس سے کسی کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ نہ جانے اس سے کیا مراد ہے۔ لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ نے ایسے تمام واہموں کو ختم کر کے رکھ دیا اور حتمی انداز میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ عالمِ ناسوت کی انتہا اور عالمِ لاہوت کی ابتداء کے نقطۂ اتصال پر آپ نے جسے دیکھا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات تھیں۔ یعنی وہ بڑی بڑی نشانیاں تھیں جنہیں صرف آنحضرت ﷺ ہی دیکھ سکتے تھے۔ اور پھر ان نشانیوں کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ کیونکہ وہ نہ ہماری عقل کی گرفت میں آ سکتیں اور نہ ہمارا وجدان ان کا ادراک کر سکتا۔ البتہ کبریٰ کے لفظ نے اس بات کا تعین کر دیا کہ وہ نشانیاں ان نشانیوں سے بالاتر تھیں جن کا مشاہدہ آفاق و انفس میں ہر قدم پر ہر صاحب نظر کو ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان مشاہدات میں سے چند کا تذکرہ معراج کی روایات میں کیا گیا ہے۔ اور جس وجود کو آپ نے افقِ اعلیٰ پر پہلی مرتبہ دیکھا اور پھر اسے دوسری دفعہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ وہ بھی اللہ نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے عظیم فرشتے حضرت جبرائیل تھے۔ کیونکہ اگر آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر پروردگار کی زیارت کی ہوتی تو یہ ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہوتا جس کا ذکر قرآنِ کریم میں ضرور ہوتا جبکہ قرآنِ کریم اس بات کا ذکر کر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جلالتِ قدر کے باوجود جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تو پروردگار نے انکار فرما دیا کہ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شرف صرف آنحضرت ﷺ کو عطا کیا گیا کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآنِ کریم آنے والی دنیا کو اس عظیم شرف کی آگاہی سے محروم رکھتا۔ لیکن قرآنِ کریم میں کہیں اشارہ تک نہیں کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ بلکہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنے بندے کو اس لئے لے گئے تھے کہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ اور یہاں سدرۃ المنتہیٰ پر حاضری کے سلسلے میں بھی یہ فرمایا گیا کہ اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اس لئے اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں کہ آپ نے معراج کے سفر میں پروردگار کو دیکھا تھا یا نہیں۔

مزید برآں یہ کہ حضرت عائشہ ؓ کی روایات نے اس معاملے کو اس قدر مبرہن کر دیا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

> بخاری، کتاب التفسیر میں حضرت مسروق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے عرض کیا "اماں جان، محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" انہوں نے جواب دیا: "تمہاری اس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو جھوٹا دعویٰ کرے گا" (ان میں سے پہلی بات حضرت عائشہ ؓ نے یہ فرمائی) کہ "جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔" پھر حضرت عائشہ ؓ نے یہ آیتیں پڑھیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا

Marfat.com

اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَایَشَآءُ (کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ وہ چاہے)۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا ''لیکن رسول ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا۔''

اس حدیث کا ایک حصہ بخاری، کتاب التوحید، باب ۴ میں ہے اور کتاب بدء الخلق میں مسروق کی جو روایت امام بخاری نے نقل کی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر عرض کیا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی ؟ اس پر انہوں نے فرمایا ''اس سے مراد جبرئیل ہیں۔ وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے انسانی شکل میں آیا کرتے تھے مگر اس موقع پر وہ اپنی اصلی شکل میں آپ کے پاس آئے اور سارا افق ان سے بھر گیا۔''

مسلم کتاب الایمان باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ میں حضرت عائشہؓ سے مسروق کی یہ گفتگو زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور اس کا سب سے اہم حصہ یہ ہے: حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے۔'' مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یہ بات سن کر میں اٹھ بیٹھا اور میں نے عرض کیا، ام المومنین جلدی نہ فرمایئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ؟ اور لَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے اس معاملے کو دریافت کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا انما ھو جبریل علیہ السلام، لم ارہٗ علٰی صورتہ التی خلق علیھا غیرھا تین المرتین، رایتہٗ منھبطا من السمآء سادًا عظم خلقہ مابین السّماء والارض ''وہ تو جبریل علیہ السلام تھے۔ میں نے ان کو ان کی اس اصلی صورت میں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ ان دو مواقع پر میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔''

ابن مردویہ نے مسروق کی اس روایت کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے وہ یہ ہیں ''حضرت عائشہؓ نے فرمایا، سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضورؐ نے جواب دیا نہیں، میں نے تو جبرئیل علیہ السلام کو آسمان سے اترتے دیکھا تھا۔'' (تفہیم القرآن)

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾

(کیا تم نے غور کیا ہے لات اور عزیٰ۔ ۱۹) اور منات پر جو تیسری اور درجہ کے اعتبار سے دوسری ہے۔ ۲۰)

Marfat.com

قریش کو ملامت

اس آیتِ کریمہ کے اندر سوال میں تعجب کا پہلو بھی ہے اور استخفاف اور تحقیر کا بھی۔ تعجب اس بات پر کہ جس ذاتِ عزیز نے تمہارے اندر نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ ذات تمہارے لئے اجنبی نہیں۔ تم اس کی زندگی کے ہر دور سے پوری طرح آگاہ ہو۔ اس کا حُسنِ کردار اور اصابتِ رائے ہمیشہ تمہاری نظروں میں قابلِ اعتماد رہی ہے اور تم نے ہمیشہ اسے عزت و احترام سے یاد کیا ہے۔ اور پھر زندگی کے جن حقائق کی تمہیں وہ دعوت دے رہا ہے ان میں سے ایک ایک بات نہ صرف اپنے اندر معقولیت رکھتی ہے بلکہ حقیقت اور صداقت کا اعلیٰ ترین معیار بھی ہے۔ اور تمہیں اس نے جس اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی صفات کو تسلیم کرنے کی ترغیب دی ہے تم اسے خالق و مالک مانتے، رزق رساں سمجھتے اور تمام تر عظمتوں کا مالک گردانتے ہو۔ اسے بجا طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ ایک مکلف مخلوق پر شریعت نازل کرے اور اس پر عمل کیلئے اس کو پابند بنائے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تم اس کے مقابلے میں دیویوں کے سامنے سر جھکاتے ہو، ان سے مرادیں مانگتے ہو اور انہیں اپنا معبود سمجھتے ہو۔ اور ان کی طرف منسوب رسم و رواج کو اپنے لئے شریعت سمجھتے ہو۔

سوال میں تخفیف اور تحقیر کا پہلو ان معنوں میں ہے کہ محمد کریم ﷺ نے تمہارے سامنے ایک ایسا کلام پیش کیا ہے جس کی نظیر لانے پر تم قادر نہیں۔ اور جو فرشتہ ان پر یہ کلام لے کر اترا ہے وہ اپنی حد درجہ بلند و بالا اور مقدس و محترم صفات کے حوالے سے اپنی نظیر آپ ہے۔ اور پھر جن حقائق کو اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے وہ اپنی نگاہوں سے انہیں دیکھ بھی چکا ہے۔ اور پھر جتنی صفات اس فرشتے کی ذکر کی گئی ہیں وہ تمام مردانہ ہیں جن میں نسوانیت کی بو تک نہیں۔ کس قدر ذلت کی بات ہے کہ تم اس مردانہ صفات کے حامل فرشتے کے لائے ہوئے پیغام اور اللہ تعالیٰ جیسے خالق و مالک کی بجائے چند دیویوں پر ایمان رکھتے ہو۔ جنہیں تم فرشتہ سمجھتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں گردانتے ہو۔

تین دیویوں کی وضاحت

ان میں نمونے کے طور پر تین دیویوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو عقیدت اور مرجعیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں۔ اور عرب کا ہر قبیلہ ان کی عظمت کی زنجیر میں بندھا ہوا تھا۔ ان تین دیویوں کا نام لات، عزیٰ اور منات تھا۔ جن اہلِ علم نے اَلْاُخْـرٰی کا ترجمہ ادنیٰ کے متضاد کے طور پر کیا ہے یعنی کم درجے والی۔ وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اگرچہ عقیدت و عظمت میں عرب اس کا بھی ویسے ہی احترام کرتے تھے جیسے پہلی دونوں کا، لیکن پھر بھی یہ مرتبے میں ان سے دوسرے درجے پر تھیں۔ لیکن دیگر اہلِ علم نے اس کا ترجمہ دوسری یا ایک اور کے لفظ سے کیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی دونوں دیویوں کی طرح یہ تیسری دیوی بھی تھی۔ یہ تینوں ایک ہی زمرے میں شمار ہوتی تھیں۔ اور سب اپنے مراتب اور مدارج میں برابر تھیں اور سب کے ساتھ ایک ہی طرح عرب عقیدت رکھتے تھے۔

ان میں سے پہلی ہے لات۔ اس کا استھان طائف میں تھا۔ بنو ثقیف اس کے بہت زیادہ معتقد تھے۔ اس کے معنی اور مادۂ استقاق میں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو لَـتّ کے مادہ سے لیا ہے جس کے معنی گوندنے اور متھنے کے ہیں۔ ان کا گمان یہ

Marfat.com

ہے کہ یہ دراصل ایک شخص تھا جو طائف کے قریب ایک چٹان پر رہتا تھا۔ اور زمانۂ حج میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس چٹان پر اس کا استھان بنالیا اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ قرآنِ کریم نے اس لفظ کی تا کو ساکن بیان فرمایا ہے جبکہ مادۂ اشتقاق کے اعتبار سے اسے مشدد پڑھا گیا ہے۔ اور دوسری یہ بات کہ اس رائے میں اس شخص کو مذکر کہا گیا ہے جبکہ قرآنِ کریم اسے دیوی قرار دیتا اور مؤنث روایت کرتا ہے۔

عزیٰ...... یہ عزیز اور اعز کی مؤنث ہے۔ اس کا معنی ہے عزت والی۔ اس کا استھان مکہ اور طائف کے درمیان وادیِ نخلہ میں حراض کے مقام پر واقع تھا۔ قریش اور دوسرے قبائل کے لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس کیلئے قربانیاں کرتے تھے۔

منات...... اس کا استھان مکہ اور مدینہ کے درمیان بحرِ احمر کے کنارے قدید کے مقام پر تھا۔ اسے مُنْیَۃ کے مادہ سے بنایا گیا ہے اس کا معنی ہے وہ دیوی جو آرزوؤں کے برآنے کا ذریعہ ہو۔ اوس وخزرج اور خزاعہ کے لوگ اس کے بہت معتقد تھے۔

اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَـهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْـكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾

(کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں خدا کیلئے۔ ۲۱) یہ تو بڑی ہی بھونڈی تقسیم ہوئی۔ ۲۲)

دیویوں کے پرستاروں پر طنز

ان دیویوں کے پرستاروں پر طنز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم ان بتوں کو دیویاں ٹھہرا کر مؤنث قرار دیتے ہو۔ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہو اور لڑکیوں سے اس درجہ نفرت کرتے ہو کہ جس کے یہاں لڑکی پیدا ہو جائے وہ شرم کے مارے منہ چھپاتا پھرتا ہے۔ گویا کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہونا باعثِ شرم اور باعثِ ذلت ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور رازق بھی مانتے ہو اور خود مخلوق ہوتے ہوئے خالق کی عظمت کے قائل بھی ہو۔ اور بیٹیوں کو توہین کی علامت بھی سمجھتے ہو۔ بایں ہمہ تم نے اپنے لئے نرینہ اولاد منتخب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیاں پسند کرتے ہو۔ غور کرو یہ تقسیم کس قدر بھونڈی تقسیم ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ پیدا تو ہر چیز اللہ تعالیٰ نے کی ہے لیکن بیٹیاں تم اس کے حصے میں ڈالو اور بیٹے اپنے حصے میں۔ ایک معمولی آدمی بھی یہ بات سمجھتا ہے کہ جو چیز تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کیا تمہیں شرم دامن گیر نہیں ہوتی۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾

(یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں، اللہ نے اس کیلئے کوئی سند نازل نہیں کی، یہ لوگ محض گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ ۲۳)

Marfat.com

نام جن کا کوئی مسمی نہیں

جن بتوں کو فرشتوں کی دیویاں قرار دے کر لوگ پوج رہے تھے ان کی حقیقت واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ محض تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے رکھے ہوئے نام ہیں جن کا مسمی کوئی نہیں۔ جو شخص بھی غیر جانبدار طریقے سے ان کی حقیقت کا کھوج لگائے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ کسی کو دیوی یا دیوتا ماننا اور پھر اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی طرف منسوب کرنا اور اس کی اسی طرح پوجا پاٹ کرنا جیسے ایک معبود کی جاتی ہے اس کیلئے یقیناً کوئی سند یا دلیل ہونی چاہئے۔ اور ایسی سند مہیا کرنے کا حق نہ تمہیں ہے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد کو۔ تم اگر کسی کو پوجنا شروع کر دو تو تمہارا کسی کو پوجنا دلیل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح تمہارے آباؤ اجداد کی یہ روش بھی تمہارے لئے دلیل نہیں۔ دلیل اور سند اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ وہی ہے جو ہدایت اور رہنمائی کا سر چشمہ ہے، باقی سب مخلوق ہیں وہ ان کا خالق ہے، یہ عابد ہیں اور وہ ان کا معبود ہے، یہ مربوب ہیں اور وہ ان کا رب ہے۔ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اس کو ہے۔ جب تک اس کی طرف سے ایسی کوئی سند یا دلیل نازل نہ ہو جس میں کسی کو خاص صفات یا خاص حقوق الاٹ کئے گئے ہوں اس وقت تک اسے سند یا دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ تم جس طرح ان دیویوں کی پوجا کر رہے ہو یا بتوں کی پرستش کر رہے ہو اس کے پیچھے صرف تمہارا ظن و گمان کام کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ظن حقیقت کی جگہ نہیں لے سکتا اور یا پھر تم اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہو۔ جہاں تمہارا جی چاہا وہیں تم نے استھان بنا لیا۔ اور جہاں تمہاری طبیعت کا تقاضا ہوا اسے تم نے معبود بنا لیا۔ اور یہ حرکت تم صرف اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں دراصل اپنی بے روک زندگی پر کوئی قدغن گوارا نہیں۔ تم شتر بے مہار بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو، جس میں حلت و حرمت کا کوئی سوال نہ ہو۔ اور جائز اور ناجائز کی کوئی تقسیم نہ ہو۔ ایک من چاہی زندگی جس پر کوئی قدغن نہ ہو۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ محض اپنے ضمیر کو دھوکہ دینے کیلئے کسی کو معبود بنا لو لیکن وہ اپنے طور پر کوئی قانون دینے یا کوئی شریعت نافذ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور تم یہ سب کچھ ایسے حالات میں کر رہے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ہدایت نازل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اللہ تعالیٰ کی شریعت لے کر تمہارے درمیان مبعوث ہو چکے ہیں۔ اسے تمہاری بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾

(کیا انسان کیلئے وہی حق ہے جس کی وہ تمنا کرے۔ ۲۴) سو یاد رکھو کہ آخرت اور دنیا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ۲۵)

ایک اہم حقیقت کا اظہار

اس آیت کریمہ میں نہایت اختصار سے ایک اہم حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس کی اپنی مرضی سے نہیں ہوتی، اس کی شکل و صورت میں اس کے اختیار کو دخل نہیں، وہ اپنی قسمت اپنی مرضی سے نہیں بناتا، دنیا میں اسے مکمل طور پر ہر چیز کو حاصل کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اسی طرح اسے اس بات کا بھی اختیار نہیں کہ وہ جسے چاہے حق بنا دے اور جسے چاہے باطل ٹھہرا دے۔ جسے چاہے حلال قرار دے دے اور جسے چاہے حرام کر دے۔ جس طرح اس کی دنیوی زندگی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح اسے زندگی گزارنے کیلئے شریعت دینا، ایک آئین مہیا کرنا، آدابِ زندگی طے کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ انسان کی خرابی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو بات میری خواہشِ نفس تقاضا کرے گی وہی میرے لئے حق ہوگا۔ حالانکہ انسان کو عقل معقولات میں استعمال کرنے

Marfat.com

کیلئے دی گئی ہے۔ اور احساس محسوسات میں استعمال کرنے کیلئے۔ لیکن جن چیزوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضامندی یا ناراضی سے ہے اور جن کاموں سے آخرت بنتی یا بگڑتی ہے یا جن امور کا تعلق برزخی یا اخری زندگی سے ہے اور جو معاملات عالمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ نظامِ اخلاق جس سے انسانیت کی تعمیر ہوتی ہے اور فوز و فلاح کے وہ اصول جن سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کامیاب و کامران ہوتی ہے، انہیں طے کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ان کی حقیقت کو صرف وہ ذات جانتی ہے اور وہی اس کیلئے ہدایت بھی دے سکتی ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا اور جو دنیا اور آخرت کی مالک ہے۔ دنیا کے مالک ہونے کی وجہ سے وہ دنیا میں رہنے والی اپنی مخلوقات کو رہنمائی دینے کا حق رکھتی ہے۔ اور جن مخلوقات کو اس نے تکلیف شرعی سے گراں بار کیا ہے اس کے بارے میں آخرت میں جواب طلبی کا حق بھی رکھتی ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾
وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ
مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ؕ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا
اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی شفاعت ذرا بھی کام آنے والی نہیں، مگر بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے جس کو چاہے اور جس کیلئے پسند کرے۔ ۲۶) بے شک جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان ہی نے فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ چھوڑے ہیں۔ ۲۷) حالانکہ اس معاملہ میں ان کو کوئی علم نہیں، وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں، اور گمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں ہو سکتا۔ ۲۸) پس اے نبی ان لوگوں سے اعراض کیجئے جنہوں نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا جنہیں کچھ مطلوب نہیں۔ ۲۹) یہ ہے ان کے علم کی رسائی، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہ اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ پا گیا ہے۔ ۳۰) اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تا کہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جن لوگوں نے برے کام کیئے اور ان لوگوں کو اچھی جزاء دے جن لوگوں نے اچھے کام کیئے۔ ۳۱) جو لوگ بچتے رہے بڑے بڑے گناہوں اور کھلی بے حیائیوں سے، مگر کچھ ہلکے اور گناہ کی شروعات، بے شک تیرے رب کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے، وہ تم کو خوب جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے، پس تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔ ۳۲)

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ
اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾

(اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی شفاعت ذرا بھی کام آنے والی نہیں، مگر بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے جس کو چاہے اور جس کیلئے پسند کرے۔ ۲۶)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

اوپر والے مضمون ہی کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارے جی نے چاہا تو تم نے بعض دیویوں اور دیوتاؤں کو اپنا معبود بنالیا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اولاً تو قیامت آئے گی نہیں اور اگر آ ہی گئی تو یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گی۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم ان دیویوں کو فرشتے قرار دے کر اپنے لئے شفاعت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہو حالانکہ آسمانوں پر بے شمار فرشتے ہیں لیکن کسی کے اختیار میں اپنے طور سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کرنا نہیں ہے۔ اگر وہ سارے مل کر بھی کسی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کریں تو ان کی سفارش سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بجز اس کے کہ جس کے بارے میں وہ سفارش کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی اجازت دے دے۔ اور پھر وہ سفارش اسی معاملے میں کر سکیں گے جس میں اللہ تعالیٰ سفارش کو پسند فرمائے گا۔ یعنی اپنے طور پر نہ وہ سفارش کے لئے زبان کھول سکتے ہیں اور نہ کوئی سفارش اللہ تعالیٰ کے یہاں بار پا سکے گی۔ صرف اذنِ خداوندی ہے جس سے کسی کو یہ موقع مل سکتا ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

(بے شک جولوگ آخرت کونہیں مانتے ان ہی نے فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ چھوڑے ہیں۔ ۲۷)

شرک کی بے سروپا باتیں کرنے والے کون ہیں؟

اب اس بات کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ آخرایسی بے سروپا باتیں کون اختیار کرتا ہےاور کس نے ایسی نامعقول باتوں کا آغاز کیا ہے۔فرشتوں کواللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینااورانہیں مؤنث ٹھہرانااوراپنے لئے بیٹیوں کوذلت کا باعث سمجھناایسی گری ہوئی باتوں کی ایک عام آدمی سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔چہ جائیکہ ایک پوری قوم اس میں مبتلا ہوجائے۔اس گرہ کوکھولتے ہوئے ارشادفرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جولوگ آخرت پریقین نہیں رکھتے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ موت کا ایک جھونکا زندگی کے چراغ کو ہمیشہ کیلئے گل کردے گااس کے بعدنہ کوئی زندگی ہے،نہ کوئی عدالت جہاں زندگی کے اعمال کیلئے جواب دہی کرناپڑے۔یہ لوگ زندگی کے اعمال کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہیں۔ جوان کے منہ میں آتا ہے کہہ گزرتے ہیں،جس تصورکوعقیدہ بنانا چاہیں ان کیلئے کوئی روک نہیں۔یہ سب کچھ ان ہی لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے نہ کسی فرشتے کودیکھااورنہ ہی یہ اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدافرمایا تھا۔توپھرتذکیروتانیث کی بحث اس بے خبری کے باوجود کیسے وجود میں آگئی۔اس لئے اس کے سوااور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ایسےلوگوں کی ترنگ ہے جوزندگی میں سنجیدگی سے محروم اورلاابالی پن کا شکار ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾

(حالانکہ اس معاملہ میں ان کوکوئی علم نہیں،وہ محض گمان کی پیروی کررہے ہیں،اورگمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں ہوسکتا۔ ۲۸)

شرک کی بنیادظن پر ہے

انکارِآخرت کا یہ عقیدہ اورملائکہ کے بارے میں یہ بے سروپا تصورات انہوں نے اس لئے اختیارنہیں کئے کہ ان کے پاس اس کا کوئی علم آگیا ہے بلکہ شریعت کی پابندیوں سے بچنے کیلئے اورکسی حدتک اپنے ضمیرکومطمئن رکھنے کیلئے انہوں نے متعددتصورات اختیارکررکھے ہیں جوسراسران کے ظن وگمان کا نتیجہ ہیں۔یہاں ظن علم اورحق کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔بعض چیزوں کا علم انسان کوفطرت اورعقل کے ذریعے سے ملتا ہےاوربعض چیزوں کا علم وحیِ الٰہی کے ذریعے سے۔اوریہی وہ علم ہے جس کوالھدیٰ بھی کہا گیا ہے۔اورایسا علم ہرشبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔لیکن ان لوگوں نے اس طرح کے خرافات کے اختیارکرنے میں نہ فطرت اورعقل سے کوئی رہنمائی لی ہےاورنہ کبھی وحیِ الٰہی کی رہنمائی کوجاننے کی کوشش کی۔ان دونوں ذرائع سے بے نیاز ہوکرجوراستہ اختیارکیاجائے گاوہ ظن وگمان کا راستہ ہے جوسراسرباطل ہے۔اورحق جب وحیِ الٰہی کی صورت میں نازل ہوچکا ہوپھراس کے مقابلے میں ظن وگمان سے کام لیناہلاکت کودعوت دینے کے مترادف ہے۔ایساظن وگمان حق کی ذمہ داریوں سے بچانے کے کام نہیں آسکتا۔البتہ تباہی اورہلاکت کوقریب کردیتا ہے۔

Marfat.com

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ ﴿۲۹﴾

(پس اے نبی ان لوگوں سے اعراض کیجئے جنہوں نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا جنہیں کچھ مطلوب نہیں۔ ۲۹)

ہدایت سے اعراض کرنے والوں سے اعراض کی ہدایت

اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپ اس شخص کی ہدایت کیلئے فکرمند نہ ہوں اور اسے راہ راست پر لانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کو نچوڑ دینے کی کوشش نہ کریں۔ اور اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کرے تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں جس شخص نے حیاتِ آخرت کے بارے میں غور کرنے کی بھی کبھی زحمت نہیں کی، وہ یہ سمجھتا ہے کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی ہے، یہیں کے دکھ اور یہیں کی خوشیاں آدمی کے اصل دکھ اور اصل خوشیاں ہیں۔ جس شخص نے اس زندگی میں شہرت اور ناموری حاصل کر لی اسے کامیابیوں کا خزانہ مل گیا۔ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ اور کوئی ایسا دن کبھی نہیں آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا پڑے۔ آپ کی دعوت ایسے شخص کیلئے بالکل بیکار ہے۔ آپ اس کے سامنے قرآنِ کریم کا معجزانہ نظام بھی پیش کریں تو وہ اس کو بے وقت کی راگنی سمجھتا ہے۔ آپ اسے آخرت کے دن سے ڈرائیں تو وہ اسے واہمہ سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں۔ ایسے شخص کو سمجھانا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ جس بات کی طرف آپ اسے دعوت دے رہے ہیں وہ اسے محض آپ کی خوش فہمی یا آپ کی ضعیف الاعتقادی یا آپ کے وہم کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور قرآنِ کریم کا چونکہ مرکزی مضمون یہی ہے اس لئے وہ اس سے بھی روگردانی کرتا ہے اور سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔

ذکر سے مراد یاددہانی اور نصیحت بھی ہو سکتی ہے اور قرآنِ کریم بھی۔ لیکن قرینِ صواب یہ ہے کہ اس سے قرآنِ کریم مراد لیا جائے کیونکہ قرآنِ کریم نے بیشتر مواقع پر اس لفظ کو قرآنِ کریم کے طور پر استعمال کیا ہے اور اہلِ علم نے بھی اسے قرآنِ کریم کے ذاتی ناموں میں شمار کیا ہے۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰی ﴿۳۰﴾

(یہ ہے ان کے علم کی رسائی، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہ اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ پا گیا ہے۔ ۳۰)

علمی نارسائی

جن لوگوں نے حیاتِ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے وہی ان کا مطلوب بھی ہے اور وہی منتہائے فکر بھی۔ ان کی کمزوری یہ ہے کہ ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے۔ وہ صرف ظاہر کے پردے کو دیکھتے ہیں اس کے پیچھے جو حقائق مضمر ہیں انہیں نہ ان کا علم ہے اور نہ وہ انہیں جاننا چاہتے ہیں۔ دنیا اور دنیوی معاملات چونکہ ان کا موضوعِ فکر رہے ہیں اس لئے اس میں ان کے علم نے خوب ترقی کی ہے۔ لیکن آخرت کبھی ان کے فکر کا حصہ نہیں رہی، اس لئے وہ اس سے بالکل بے خبر ہیں۔ قرآنِ کریم نے اسی کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

Marfat.com

وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ "وہ حیاتِ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔" حالانکہ اگر آخرت کا انکار کر دیا جائے تو یہ دنیا ایک اندھیر نگری اور ایک بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتی ہے۔ اور یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ ایک قدیر و حکیم ذات نہیں جس کے کاموں میں حکمت پائی جاتی ہے، بلکہ وہ ایسا کھلنڈرا ہے کہ جس نے یہ سارا کارخانہ ایک کھیل کے طور پر بنا ڈالا۔

زندگی اگر محض اکل و شرب، عیش و عشرت، آرام و راحت اور ہوائے نفس کی پیروی کا نام ہوتا تو پھر تو یقیناً حیاتِ دنیا پر اکتفا کر لینا صحیح بات ہوتی۔ لیکن زندگی ان چیزوں سے آگے بڑھ کر کچھ چیزوں کے جاننے اور پھر ان پر عمل کرنے کا نام ہے۔ انسان ایک مکلّف مخلوق ہے۔ وہ عقل بھی رکھتا ہے اور شعور بھی۔ یقیناً وہ یہ بات طے کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں ایک مخلوق ہوں تو میرا خالق کون ہے؟ میں ایک عبد ہوں تو میرا معبود کون ہے؟ میری یہ زندگی جو قسم قسم کی نعمتوں سے گراں بار اور مختلف قسم کے احساسات سے بھرپور ہے آخر اس زندگی کا کوئی مقصد تو ہوگا۔ اگر حیاتِ دنیا ہی میرا مقصود ہے تو پھر مجھ میں اور دیگر حیوانات میں کیا فرق ہے۔ اور اگر میری زندگی کی انتہا موت ہے تو پھر میری زندگی کے مقاصد اور میرے خالق و مالک کا دیا ہوا نظامِ زندگی، اس کے بارے میں کون فیصلہ کر سکے گا کہ میں نے اس کا حق ادا کیا ہے یا نہیں۔ اور میں نے اگر کوئی بھلے کام کئے ہیں تو کیا مجھے اس کا بھرپور صلہ نہیں ملنا چاہئے۔ اور اگر میں نے جان بوجھ کر غلط کام کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کو پامال کیا ہے اور اپنے دیگر ابنائے جنس کو نقصان پہنچایا ہے تو کیا مجھے اس کی سزا نہیں ملنی چاہئے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو بالکل سامنے کی باتیں ہیں اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی کہ جس طرح زندگی دینا پھر اس کی بقاء کا سامان کرنا اور اس کیلئے غذا فراہم کرنا میری ذمہ داری ہے اسی طرح زندگی کا صحیح شعور دینا، حقوق کی معرفت عطا کرنا، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ناراضی کے عقدے کو کھولنا اور جزاء و سزا کے تصور کیلئے آخرت کو لانا بھی میری ذمہ داری ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ تیرا رب ہی اس بات کو جانتا ہے کہ کون ہے جو راہ سے بھٹک گیا اور کون ہے جو راہِ ہدایت پر چلنے میں کامیاب ٹھہرا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۚ ﴿۳۱﴾

(اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جن لوگوں نے برے کام کئے اور ان لوگوں کو اچھی جزاء دے جن لوگوں نے اچھے کام کئے۔ ۳۱)

ہدایت و ضلالت کا سررشتہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے

ہدایت و ضلالت کا سررشتہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک اور اسی کے اختیار میں ہے۔ اس لئے اسے بجا طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان پر اپنی حکمت و مشیت کے مطابق احکام اور شریعت نافذ کرے۔ اور پھر ایک ایسا دن لائے جس میں اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزاری اور نہایت خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے رہے۔ اور کون لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی۔ پھر اسے

Marfat.com

ہی حق پہنچتا ہے کہ وہ نیک عمل کرنے والوں کو جزاء دے۔ اور برائی کرنے والوں کو سزا دے۔ البتہ اس نے ان دونوں باتوں میں ایک نہایت نازک فرق رکھا ہے کہ وہ برائی کرنے والوں کے ساتھ عدل کا معاملہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ عادل ہے۔ عدل کا معاملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کے سامنے وہ بے کم و کاست ان کے اعمال پیش کر دے گا۔ ان میں نہ کمی کرے گا نہ زیادتی کرے گا۔ اور انہوں نے جس درجے کی نافرمانی کی ہوگی نہایت ناپ تول کے اس کے مطابق ان کو سزا ملے گی۔ لیکن جہاں تک نیک لوگوں کا تعلق ہے ان کے ساتھ اس کا معاملہ صرف عدل کا نہیں بلکہ فضل و انعام کا ہوگا۔ وہ چونکہ عادل ہے اس لئے کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرے گا وہ صاحب فضل و انعام بھی ہے اس لئے اپنے نیک بندوں کے ساتھ جود و فضل کا معاملہ کرے گا۔ ان کی چھوٹی موٹی کمزوریوں سے درگزر فرمائے گا اور ان کے کارناموں پر زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا کرے گا۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾

(جو لوگ بچتے رہے بڑے بڑے گناہوں اور کھلی بے حیائیوں سے، مگر کچھ ہلکے اور گناہ کی شروعات، بے شک تیرے رب کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے، وہ تم کو خوب جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے، پس تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔ ۳۲)

نیک لوگوں کی صفات

نیک لوگوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے اور کھلی بے حیائیوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ یعنی ان کا مزاج اس طرح اسلامی سانچے میں ڈھل جاتا ہے کہ ایسی صاف نافرمانی اور ایسی کھلی بے حیائی جسے جذبات کے ہیجان میں بھی آدمی محسوس نہ کر سکے کبھی ان سے صادر نہیں ہوتی۔ وہ کبھی فرائض و واجبات کے تارک نہیں ہوتے۔ دوسروں کی حق تلفیاں اور دوسروں پر ظلم و تشدد ان کے مزاج کے قریب بھی نہیں جاتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کبھی حالات کے دباؤ، خواہشات کے ہجوم یا نسیان کا شکار ہو کر کوئی صغیرہ گناہ ان سے سرزد ہو جائے۔ یا کبھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھیں تو متنبہ ہوتے ہی ان کے اندر ایک آگ سلگ اٹھے کہ میں یہ کیا کر بیٹھا اور فوراً توبہ کے ذریعے اس کی اصلاح کے درپے ہو جائیں۔ لَمَمٌ سلف صالحین کے یہاں اس کا اطلاق دو ہی چیزوں پر ہوتا ہے، ایک صغائر پر اور دوسرا ایسے کبائر پر جس کی شروعات کے بعد آدمی اس سے تائب ہو جائے۔ اور یا وہ اسے کر بیٹھے تو فوراً اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے صغائر پر بھی دلیر نہیں ہوتے۔ وہ جانتے ہیں کہ شعلہ ایک صغیر سے چیز ہے لیکن اسے الاؤ بنتے دیر نہیں لگتی۔ اس لئے جو الاؤ سے بچنا چاہتا ہے اسے شعلے سے بھی احتیاط کرنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص صغائر میں بے احتیاطی برتتا ہے اس کا کبیرہ گناہوں میں آلودہ ہو جانا بہت دور کی بات نہیں رہتی۔ لیکن جو شخص سختی سے کبیرہ گناہوں سے دور رہتا ہے اس سے اس بات کی امید نہیں

Marfat.com

جاسکتی کہ وہ صغائر پر دلیر ہوگا۔ کیونکہ جو شخص لاکھوں میں خیانت نہیں کرتا وہ چند روپوں میں بھی خیانت نہیں کر سکتا۔ رہی یہ بات کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں فرق کیا ہے اور کس قسم کے گناہ صغیرہ اور کس قسم کے کبیرہ ہیں تو اس معاملے میں صاحب تفہیم القرآن کا ایک چھوٹا سے ایک نوٹ ہے ہم اسے نقل کیے دیتے ہیں:

"ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے کتاب وسنت کی کسی نص صریح نے حرام قرار دیا ہو یا اس کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دنیا میں کوئی سزا مقرر کی ہو یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہو یا اس کے مرتکبین پر نزولِ عذاب کی خبر دی ہو۔" اس نوعیت کے گناہوں کے ماسوا جتنے افعال بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ سب صغائر کی تعریف میں آتے ہیں۔ اسی طرح کبیرہ کی محض خواہش یا اس کا ارادہ بھی کبیرہ نہیں بلکہ صغیرہ ہے حتیٰ کہ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر جانا بھی اس وقت تک گناہ کبیرہ نہیں ہے جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گزرے۔ البتہ گناہ صغیرہ بھی ایسی حالت میں کبیرہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ دین کے استخفاف اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں استکبار کے جذبہ سے کیا جائے اور اس کا مرتکب اس شریعت کو کسی اعتناء کے لائق نہ سمجھے جس نے اسے ایک برائی قرار دیا ہے۔ (تفہیم القرآن)

شیطان نے انسانوں میں جو گناہ کا بیج بویا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو طبیعتوں کیلئے آسان کر دیا ہے تو اس کیلئے جو طریقے اختیار کیے گئے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بعض انسانوں کو اپنے نام ونسب اور اپنی نسبتوں کے حوالے سے یہ بات ذہن میں ڈال دی گئی ہے کہ تم تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہو، تمہاری نسبتیں بہت عظیم ہیں اور جن کے تم دامن گرفتہ ہو وہ تمہاری بخشش کیلئے قیامت کے دن کافی ہوں گے۔ اس لئے تمہیں گناہوں کی کیا فکر۔ یہود کو اس بات نے تباہ کیا کہ ہم انبیاء کی اولاد اور اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ اور نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عجیب وغریب عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس نہ رہا۔ اور مسلمانوں میں جن لوگوں کا نسبی تعلق آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے ہے یا وہ بزرگوں کی اولاد ہیں یا انہیں یہ خیال ہے کہ فلاں بزرگ ہماری شفاعت کریں گے تو ان کے اندر گناہوں پر ایسی جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے بھی ذرا نہیں گھبراتے کہ جنت تو ہمارے لئے ہی بنی ہے اس لئے ہمیں جہنم میں جانے کا کوئی ڈر نہیں۔ ایسے سب لوگوں کے حوالے سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ تمہیں اس نے زمین کے اجزاء سے پیدا کیا ہے اور اس سے بڑھ کر اس بات سے کون واقف ہے کہ جب تم ایک ناپاک قطرے کے نتیجے میں رحمِ مادر میں پل رہے تھے اور تمہاری حالت ابھی جنین کی تھی اور تمہیں جس طرح کی غذا دی جا رہی تھی اور تمہارے اندر جو تبدیلیاں آ رہی تھیں ان میں سے ہر حالت سے وہ واقف ہے۔ جو مخلوق زمین کے اجزاء سے پیدا ہوا اور رحم مادر میں ان تبدیلیوں سے گزر کر عالمِ وجود میں آئے کیا اسے یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنی پاکی کا دعویٰ کرے۔ اور پھر جس طرح کے احساسات اس کے اندر پیدا کیے گئے ہیں اور جس طرح کی خواہشات کے سائے میں وہ زندگی گزارتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ اس نے کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے اور کہاں اس نے تقویٰ کا خلعت زیب تن کیا ہے۔ اس لئے تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ مت کرو۔ ایمان اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور اس میں بھی کسی دعویٰ کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ یہی وہ دولت ہے جو قیامت کے دن کام آنے والی ہے۔

Marfat.com

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ
اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ
صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ
يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَ
اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ
النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ
الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ
نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ
اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا
نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَ
لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة

Marfat.com

رکوع: ۳۔ (اے پیغمبر! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو پشت پھیر گیا۔ ۳۳) اور تھوڑا دے کر رک گیا۔ ۳۴) کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے، کہ وہ حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ ۳۵) کیا اسے خبر نہیں دی گئی ان باتوں کی جو حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں۔ ۳۶) اور اس ابراہیم کے صحیفوں میں ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔ ۳۷) یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ۳۸) اور یہ کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کمائی کی ہوگی۔ ۳۹) اور یہ کہ اس کی کمائی عنقریب دیکھی جائے گی۔ ۴۰) اور پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ۴۱) اور یہ کہ سب کا منتہیٰ تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ ۴۲) بے شک وہی ہے جو ہنساتا ہے اور رولاتا ہے۔ ۴۳) اور بے شک وہی ہے جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔ ۴۴) اور بے شک وہی ہے جس نے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ پیدا کیئے۔ ۴۵) ایک بوند سے جب وہ ٹپکا دی جاتی ہے۔ ۴۶) اور بے شک دوبارہ اٹھانا اسی کی ذمہ داری ہے۔ ۴۷) یہ کہ اسی نے غنی کیا اور اسی نے سرمایہ دار کیا۔ ۴۸) اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے۔ ۴۹) اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اولیٰ کو۔ ۵۰) اور ثمود کو بھی، پس ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ ۵۱) اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی، بے شک وہ نہایت ظالم اور سرکش لوگ تھے۔ ۵۲) اور اوندھی گرنے والی بستیوں کو بھی اٹھا پھینکا۔ ۵۳) پس ان کو ڈھانک دیا جس چیز نے ڈھانک دیا۔ ۵۴) پس اے مخاطب اپنے رب کی کن کن نشانیوں کے بارے میں تو شک کرے گا۔ ۵۵) یہ نذیر ہے پہلے آئے ہوئے نذیروں میں سے۔ ۵۶) قریب آنے والی گھڑی قریب آ گئی ہے۔ ۵۷) اللہ کے سوا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ ۵۸) تو کیا تم اس کلام پر اظہار تعجب کرتے ہو۔ ۵۹) اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔ ۶۰) اور تم مدہوش پڑے ہو۔ ۶۱) پس اللہ ہی کو سجدہ کرو اور اسی کی بندگی بجالاؤ۔ ۶۲)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾

(اے پیغمبر! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو پشت پھیر گیا۔ ۳۳) اور تھوڑا دے کر رک گیا۔ ۳۴) کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے، کہ وہ حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ ۳۵)

قریش کے سرداروں کی فکری نارسائیاں

اسلام نے ایمان لانے والوں میں جو خصائل وفضائل پیدا کیے ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد یہود اور قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی فکری نارسائیوں اور عملی بے ہودگیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے تا کہ ہر عقل رکھنے والا شخص اندازہ کر سکے کہ اسلام اپنے اندر کیا فکری اور عملی تبدیلی کا پیغام لے کر آیا ہے جس کے نتیجے میں جو لوگ تیار ہوتے ہیں ان میں وہ فضائل پیدا ہو جاتے ہیں جن کا ذکر گزشتہ آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اور جو لوگ اس سے دور رہتے ہیں اور اپنی مالی برتری اور معاشرتی تفوق کے پیدا کردہ استکبار کے نتیجے میں جن گمراہیوں اور کمزوریوں کا شکار

Marfat.com

ہیں انہیں مثل شکل میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ابنِ جریر طبری کی روایت کے مطابق اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جو قریش کے بڑے سرداروں میں سے ایک تھا۔ یہ شخص کسی حد تک نبی کریم ﷺ کی دعوت سے متاثر ہوا اور قبولیتِ ایمان کی طرف قدم بڑھایا۔ لیکن جب اس کے ایک مشرک دوست کو علم ہوا کہ وہ مسلمان ہونے کا ارادہ کر رہا ہے تو اس نے آ کر اس سے بات کی۔ اسے اندازہ ہوا کہ ولید عذابِ آخرت کے خوف میں مبتلا ہو کر یہ اقدام کرنا چاہتا ہے۔ تو اس نے اس سے کہا کہ تم اگر اتنی رقم مجھے دینے کا وعدہ کرو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آخرت ہوئی تو میں تمہارے حصے کا عذاب اپنے اوپر لے لوں گا اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دوں گا۔ ولید نے اس کی بات مان لی اور ایمان کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور اس کی محرومی گہری ہو گئی۔ مگر اس کے بعد اس نے اپنے مشرک دوست سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا نہ کیا۔ کچھ رقم دی پھر ہاتھ روک لیا۔ اس میں بتانا یہ ہے کہ ایسے بڑے بڑے سرداروں کی فکری نارسائیوں کا یہ عالم تھا کہ نہ وہ آخرت کی حقیقت کو جانتے تھے اور نہ جزاء وسزا کے صحیح تصور سے آگاہ تھے۔ اور دوسری طرف حال ان کا یہ تھا کہ ایفائے عہد میں انتہائی کچے، اور مالی معاملات میں نہایت ناقص۔ نہ وعدہ پورا کرنا جانتے تھے اور نہ مالی معاملات میں پورا اترتے تھے۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ اولاً تو یہ روایت ہی روایت ودرایت کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ ان آیات میں اسی واقعہ کا حوالہ ہے۔ غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ پہلی آیت میں شخصِ معہود کے تذکرے کیلئے اَلَّـذِیْ کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ عام طور پر معرفہ ہونے کی وجہ سے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کوئی خاص شخص مراد ہے اور جب اس کو تلاش کرنے کیلئے نکلے تو اس روایت پر ان کی نظر پڑ گئی اور انہوں نے اس سے مراد ولید بن مغیرہ کو لے لیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اَلَّذِیْ یا اَلَّتِیْ کسی خاص مرد یا کسی خاص عورت ہی کیلئے نہیں آتے بلکہ بعض مواقع میں تمثیل کیلئے آتے ہیں۔ اور مقصود اس سے کسی گروہ یا جماعت کے مجموعی کردار کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ اور قرآنِ کریم میں جابجا اس کی مثالیں موجود ہیں۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں بھی قریش اور یہود کے مجموعی کردار کو ایک تمثیل کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔

اَکْدٰی یہ اکدی الحافر سے نکلا ہوا محارہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کھودنے والے کے آگے کھدائی کے وقت کوئی ایسی چٹان آ گئی جس کا توڑنا اس کیلئے دشوار ہو گیا۔ اس کا استعمال ایسے بخیلوں کیلئے کیا جاتا ہے، کہ اولاً تو یہ غریبوں پر خرچ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور مارے باندھے کبھی کچھ خرچ کرتے بھی ہیں تو فوراً اندر کا بخل ان کا ہاتھ روک دیتا ہے۔ اور اندیشہ ہائے دور دراز کا شکار ہو کر پیسے پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس لفظ سے قریش اور یہود کے بڑے بڑے سرداروں کے بخل کی تصویر کھینچنا مقصود ہے۔

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۸﴾

(کیا اسے خبر نہیں دی گئی ان باتوں کی جو حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں۔ ۳۶) اور اس ابراہیم کے صحیفوں میں ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔ ۳۷) یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ۳۸)

Marfat.com

تاریخ سے استدلال

قریش میں جو فکری اور عملی گمراہیاں پیدا ہوگئی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ان کے بڑے بڑے سردار اور ان کا طبقۂ امراء یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے، ہمیں جزیرۂ عرب میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، قبائل ہماری عظمت کو تسلیم کرتے ہیں، قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ ہمیں اسی طرح نعمتوں سے نوازے گا اور عزتوں اور رفعتوں سے سرافراز کرے گا، کیونکہ ہماری موجودہ حالت اس بات کی غماز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول اور پسندیدہ لوگ ہیں۔ ظاہر ہے وہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو قیامت کے دن سزا نہیں دے گا۔

دوسری خرابی ان میں یہ تھی کہ اولاً تو وہ قیامت کے وجود ہی کے منکر تھے۔ لیکن مفروضے کے طور پر اگر وہ قیامت کے وجود کو تسلیم بھی کرتے تھے تو ان کو اس بات نے ایمان وعمل کی پابندیوں سے نچنت کر دیا تھا کہ جن بزرگوں اور انبیائے کرام کے ہم ماننے والے ہیں وہ یقیناً وہاں ہمارے کام آئیں گے اور ہماری شفاعت کریں گے۔ پیشِ نظر آیاتِ کریمہ میں ان ہی دونوں باتوں کی تردید فرمائی گئی ہے۔ پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ تم میں علم کے دعویدار اور مذہب کے وارث کہلانے والے یہود ہیں۔ اور تم اپنے آپ کو ابراہیمی وراثت کا مالک سمجھتے ہو۔ کیا ان دونوں کے صحیفوں میں جو کچھ تھا کیا تم تک اس کی خبر نہیں پہنچی۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تعلق ہے وہ تو آج بھی تورات میں موجود ہیں۔ اور ان میں جابجا ایمان وعمل کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ قیامت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ لوگوں کو اس سے ڈرایا گیا اور اس کیلئے تیاری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ دولت وامارت کو اس کی بنیاد بنانے کی بجائے ایمان وعمل کو اخری سرافرازی کی ضمانت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور شفاعت کے اس تصور سے انکار کیا گیا ہے جس میں ایمان وعمل کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اسی طرح قریش جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا وارث سمجھتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ بات تو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عہدِ وفا کے سب سے زیادہ پورا کرنے والے تھے۔ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے قربان کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کی رضا کے حصول کیلئے انہوں نے سب کچھ راہِ خدا میں جھونک دیا۔ جہاں تک ان کے صحیفوں کا تعلق ہے آج ہمارے پاس ان کا کوئی صحیفہ موجود نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صحیفوں میں پیش کی جانے والی تعلیم عربوں میں امی ہونے کی وجہ سے سینہ بہ سینہ پھیلتی رہی۔ لیکن مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ وہ تعلیمات نسیان کا شکار ہوتی گئیں اور ان میں حک واضافہ بھی ہوتا رہا۔ قرآنِ کریم نے ان کی تعلیمات کو صرف دو جگہ ذکر فرمایا ہے۔ ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الاعلیٰ میں۔ البتہ جب تورات کی مٹ جانے کے بعد از سرِ نو تدوین کی گئی تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ اور ان کی تعلیمات بھی جمع کر دی گئیں۔ ممکن ہے صحفِ ابراہیم سے وہی صحیفے مراد لئے گئے ہوں۔

جو تعلیمات ان صحیفوں میں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ہر شخص خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہے۔ ایک شخص کے فعل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ بجز اس کے کہ اس فعل کے صدور میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو۔ اس طرح اگر کوئی شخص چاہے بھی تو کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ اصل مجرم کو اس بنا پر نہیں چھوڑا جاسکتا ہے کہ اس کی جگہ سزا بھگتنے کیلئے کوئی اور آدمی اپنے آپ کو پیش کر رہا ہے۔

Marfat.com

لیکن کس قدر حیران کن بات ہے کہ نجات کے بارے میں یہ بنیادی تصورات حضرت ابراہیم کی تعلیمات میں بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والوں نے نہ جانے کس کس کو شفیع بنایا۔ حتیٰ کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اپنی شفاعت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اسی طرح یہود نے بھی اہلِ کتاب ہونے کے باوجود کہیں حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا بنایا اور کہیں اپنے بزرگوں اور انبیائے کرام کو اپنا شفیع قرار دیا۔ اور ایمان و عمل کی ہزار خرابیوں کے باوجود اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اس لئے ہمیں جہنم کی آگ چھو بھی نہیں سکتی۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

(اور یہ کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کمائی کی ہوگی۔ ۳۹) اور یہ کہ اس کی کمائی عنقریب دیکھی جائے گی۔ ۴۰) اور پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ۴۱)

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت

اس آیت میں اوپر والی آیت کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ یعنی گزشتہ صحیفوں میں یہ بات بھی واضح کردی گئی تھی کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اپنی محنت کا حاصل پائے گا۔ یعنی یہ نہیں ہوگا کہ نیکی کوئی کرے اور اس کا پھل کسی اور کو ملے۔ اس طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص برائی کرے اور اس کی سزا کوئی اور بھگتے۔ یعنی مالک اور زمیندار کے جرم میں مملوک اور ہاری پکڑا جائے۔ اور صاحب کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اسے پکڑنے کی قانون میں ہمت نہیں یا اسے گرفت میں نہیں لایا جاسکتا۔ اس سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گزشتہ امتوں میں اور اس امت میں بھی یہ تصور کہ اگر آباؤ اجداد بڑے نیک لوگ اور بڑی فضیلت کے مالک تھے تو ان کے جانشین چاہے وہ سیرت و کردار کی کیسی قباحتوں میں ملوث ہوں وہ اپنے آباؤ اجداد کی خوبیوں کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ یہ برائی چونکہ بہت پرانی ہے اس لئے قرآنِ کریم نے کئی جگہ اس کا ذکر فرمایا۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۴ میں ارشاد فرمایا گیا تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ "یہ ایک گروہ تھا جو گزر گیا، اس کو ملے گا جو اس نے کمایا اور تمہیں ملے گا جو تم کماؤ گے" اگر نیک باپ کے اعمال کے صلہ میں بیٹے کی بخشش ہوسکتی ہے تو حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ نیک کون ہوسکتا ہے۔ اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے خلیل اللہ کی دعا کافر باپ کیلئے قبول ہوسکتی تو آذر راندۂ درگاہ نہ ہوتا۔ ایک مومن کو دوسرے مومن کی نیکی کا فائدہ صرف دو صورتوں میں پہنچتا ہے۔ ایک یہ کہ نیکی ایمان کے رشتۂ محبت پر مبنی ہو۔ مثلاً ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کیلئے دعا کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اور دوسرا یہ کہ آدمی کو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس نیکی میں کوئی دخل ہو۔ مثلاً باپ کا حُسنِ تربیت، استاد کا اخلاص کے ساتھ شاگردوں کو تعلیم دینا اور اپنا عملی نمونہ پیش کرنا یا تعلیم کیلئے صاحب حیثیت لوگوں کا وسائل فراہم کرنا۔ اس طرح کا کوئی دخل بھی اس نیکی میں اسے فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ ورنہ اصولی طور پر نیکی اسی کیلئے مفید ہے جس سے وہ صادر ہوتی ہے۔ اور برائی بھی اسی کیلئے نقصان دہ ہے جو اس کا ارتکاب کرتا ہے۔

مزید فرمایا کہ نیکی کا اجر اور برائی پر سزا یہ محض خیالی باتیں نہیں۔ بلکہ جس نے بھی نیکی یا برائی کا ارتکاب کیا وہ قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ اس کے نامۂ عمل میں اس کی ایک ایک نیکی موجود ہوگی اور اس کے تمام اعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور پھر ایسا نہیں ہوگا کہ کسی کی نیکی کے بدلے میں کمی کی جائے اور کسی برائی کی سزا میں اضافہ کردیا جائے۔ ہر شخص جزاء و سزا کے معاملے میں عدل و انصاف کو بروئے کار آتے دیکھے گا۔

Marfat.com

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی ﴿۴۲﴾

(اور یہ کہ سب کا منتہیٰ تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ ۴۲)

سب کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ ہے

ہر مسافر کی ایک منزل ہے، اور ہر چیز کا ایک مرجع ہے۔ تمام مخلوقات بالخصوص جن وانس اپنے رب ہی کی طرف پلٹیں گے چونکہ وہی ان کی انتہا اور وہی ان کی منزل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا مولیٰ و مرجع کوئی نہیں، جو اسے اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا اس کی عدالت کے بعد کوئی عدالت نہیں۔

وَاَنَّـهٗ هُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّـهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّـهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾

(بے شک وہی ہے جو ہنساتا ہے اور رولاتا ہے۔ ۴۳) اور بے شک وہی ہے جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔ ۴۴) اور بے شک وہی ہے جس نے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ پیدا کئے۔ ۴۵) ایک بوند سے جب وہ ٹپکا دی جاتی ہے۔ ۴۶) اور بے شک دوبارہ اٹھانا اسی کی ذمہ داری ہے۔ ۴۷)

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کی وسعت کی مثالیں

اب چند ایسی باتیں بیان کی جا رہی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی بے کراں قدرت، بے پناہ علم اور بیش بہا نعمتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ جس ذات عزیز کے اس قدر احسانات ہوں گے اور جو اپنی قدرت وعلم میں اس قدر مخلوقات پر چھائی ہوئی ہوگی اس کے سوا اور کون ہوسکتا ہے جو مولیٰ اور مرجع ہو۔ سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ ہنسا خوشی کا نتیجہ ہے اور رونا غم کا نتیجہ ہے۔ اور مسلسل خوشیاں اچھی قسمت کی علامت ہیں اور مسلسل غم قسمت کے بگڑ جانے کی۔ قسمت کا بنانا یا بگاڑنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اور اگر تھوڑا سا تدبر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ طبیعت میں خوشی کی لہر کا اٹھنا اور یا صحیح موقع پر طبیعت میں حقیقی غم کا پیدا ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو ہجوم کار اور دولت کی ریل پیل نے احساسات سے محروم کر دیا۔ اور کتنے ایسے لوگ ہیں جنہیں اقتدار کے نشے اور کرسی کی محبت نے خوشی اور غم کے تصورات سے بے نیاز کر دیا۔ اس لئے جس کسی کو بھی یہ پاکیزہ احساسات نصیب ہوتے ہیں یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہے۔ کسی نے سچ کہا تھا:

گلشن میں جتنے پھول تھے، رنگ سب کے فق ملے
میں ہنس دیا کہ ان کو بھی ہنسنے کا حق ملے
دل کا ہر ایک گوشہ ٹٹولا بہ ایں خیال
ممکن ہے دوستی کی یہیں کچھ رمق ملے

Marfat.com

اس کے بعد ارشاد فرمایا موت بھی وہی دیتا ہے اور زندگی بھی وہی عطا کرتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی حقیقتیں حیات و ممات ہیں۔ ساری دنیا مل کر بھی کسی کو زندگی نہیں دے سکتی۔ اور اگر کوئی شخص زندگی سے مایوس ہو کر موت مانگے تو ظلم کے سوا دنیا اسے موت نہیں دے سکتی۔ غالب نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید

نا امیدی اس کی دیکھا چاہئے

مزید فرمایا کہ وہی ذات ہے جس نے مرد اور عورت کے جوڑے پیدا کئے، پانی کی ایسی بوند سے جسے ٹپکایا جاتا ہے۔ یعنی رحم مادر میں جب پانی کی بوند ٹپکتی ہے تو اس کے بعد کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس کی نشو و نما کیسے ہوگی۔ اس سے لڑکی پیدا ہوگی یا لڑکا، اس کی تکمیل ہوگی یا نا تمام ہی رہے گا، اس کی شکل و صورت کیسی ہوگی، اس کی سعادت و شقاوت کا کیا حال ہوگا، اس کی قسمت کیسی بنے گی۔ یہ ساری باتیں صرف وہ جانتا ہے جس نے مرد و عورت کے جوڑے پیدا کئے۔ پھر ان کے اندر جو حیرت انگیز تناسب پایا جاتا ہے یعنی کوئی ملک ایسا نہیں جس میں مرد زیادہ ہوں یا عورتیں زیادہ۔ معمولی فرق کے ساتھ کسی جگہ تناسب میں دراڑ نہیں پڑتی۔ یہ بجائے خود علم اور قدرت کی ایسی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے مولیٰ و مرجع ہونے کا ایسا ثبوت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آخر میں فرمایا کہ جس کی قدرت اور علم کا حال ہم نے محولہ بالا مثالوں میں دیکھا اس کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ وہ ایک دفعہ انسان کو پیدا کر کے تھک گیا ہے اب دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا یا اس کا علم اس قدر لاغر ہو گیا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ کوئی شخص کہاں مرا اور کہاں دفن ہوا اور اس کے جسم کے ذرات کہاں ہیں۔ اور نہ اسے یہ خبر ہے کہ ہر شخص کے اعمال کیا ہیں اور کتنے ہیں۔ اس کی سوچ اور اس کے زاویۂ نگاہ پر تاسف کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے۔

وَاَنَّـهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّـهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

(یہ کہ اسی نے غنی کیا اور اسی نے سرمایہ دار کیا۔ ۴۸) اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے۔ ۴۹)

اللہ تعالیٰ ہی سب کا مرجع اور مولیٰ ہے۔ اس لئے وہی ہر شخص کو غنی کرتا ہے یعنی فقر کو غنا سے بدلتا ہے اور تنگ حالی اور بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کرتا ہے۔ آج کے غریب اور نادار کل کو رئیس بن جاتے ہیں۔ کیونکہ فقر کو غنا میں تبدیل کرنا اس کی قدرت میں بھی ہے اور وہ اپنے علم سے بھی جانتا ہے کہ کب کسی کیلئے غنا بہتر ہے اور کب کسی کیلئے فقر بہتر ہے۔ وہی ذات ہے جس کے بس میں ہے کہ جس آدمی کو اس نے غنی کیا ہے اسے وہ مالدار بھی کر دے۔ اس کیلئے سرمایہ داری کے راستے کھول دے۔ وہ صرف ضروریات سے ہی مستغنی نہ ہو بلکہ اتنی دولت کا مالک بھی ہو جائے کہ وہ دوسروں کی مدد کر سکے۔ اسی کو عربی زبان میں قُنْيَةٌ کہتے ہیں۔ اَقْنٰی اسی سے مشتق ہے۔ قُـنْيَةٌ جمع کئے ہوئے مال کو کہتے ہیں، یعنی محفوظ رہنے والا مال۔ جیسے مکان، اراضی، باغات، مویشی وغیرہ۔ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ناداری کے چنگل سے نجات کو غنا کہتے ہیں۔ اور اس غنا کے بعد مال و اسباب اور جائیداد کا جمع ہو جانا قُـنْيَةٌ کہلاتا ہے۔ اور یہ دو الگ الگ صفتیں ہیں جو بیک وقت پروردگار میں پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جو موسمِ بہار میں طلوع ہوتا ہے۔ یہ آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے جو سورج سے ۲۳ گنا زیادہ روشن ہے، مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے۔ مشرکینِ عرب اس کو بہت مبارک سمجھتے تھے۔ اور بہار کی تمام شادابیاں اور تمام تجارتی سرگرمیاں اسی سے منسوب کرتے تھے۔ مصر چونکہ زرعی ملک ہے اور ان کی زراعت کا دارومدار دریائے نیل پر ہے۔ اور اس ستارے کے طلوع کے زمانے میں نیل کا فیضان شروع ہوتا تھا۔ اس لئے ان کا گمان یہ تھا کہ دریائے نیل کے فیضان میں شعریٰ کے طلوع کا اثر ہے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اسی طرح ہر چیز کا فیضان اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ نہ تخلیق میں کسی اور کا دخل ہے اور نہ کسی کے فیضان میں کوئی اور مؤثر ہے۔ تم شعریٰ کو بہار کی شادابیوں اور تجارتی سرگرمیوں میں مؤثر مانتے ہو جبکہ شعریٰ کا رب بھی وہی ہے جو تمہارا رب ہے۔

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا۟ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾

(اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اولیٰ کو۔ ۵۰) اور ثمود کو بھی، پس ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ ۵۱) اور ان سے پہلے قومِ نوح کو بھی، بے شک وہ نہایت ظالم اور سرکش لوگ تھے۔ ۵۲)

تاریخ کے حوالہ سے قریش کو تنبیہ

یہ آیتیں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کی آیتیں ہوں یا ان کی حیثیت توسیعِ کلام کی ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کلام دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور اس سے مقصود قریش کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم نے جو آج ہمارے رسول کے خلاف روش اختیار کر رکھی ہے اور تم اس کی تکذیب پر تلے ہوئے ہو اور تمہاری ایذا رسانی حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی روش ان قوموں نے بھی اختیار کی جن میں سب سے پہلی قوم، قومِ عاد تھی۔ اس سے مراد وہ قدیم قومِ عاد ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حضرت ہود علیہ السلام کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کا حکم دیا اور اس قوم کو عذاب کے ذریعے تباہ و برباد کر دیا۔ پھر ان میں جو لوگ باقی بچے اور وہ حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے ان کی نسل کو عادِ اخریٰ کہا جاتا ہے اور ثمود ان ہی کے بقایا میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دوائر میں خوب ترقی کی۔ انہوں نے پہاڑوں میں اپنے محلات کھودے۔ یہ اس زمانے کی ایسی ترقی یافتہ قوم تھی کہ جن کی قوت کی داستانیں آج بھی ضرب المثل ہیں۔ لیکن جب انہوں نے بھی تکذیب کا راستہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی دعوت کو قبول کرنا تو کجا سننا بھی گوارا نہ کیا۔ تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب برسا اور ان کو ایسا تباہ کیا کہ کسی ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گزر چکی ہے۔ وہ عاد و ثمود سے بھی بڑھ کر ظالم اور سرکش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی پانی کا سیلاب بھیجا اور انہیں تباہ کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی بعض قومیں ہلاک کی گئیں، لیکن ان میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جن پر یہ تباہی اللہ تعالیٰ کے ظلم کا نتیجہ ہو۔ بلکہ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ ان کے حد سے بڑھتے ہوئے بگاڑ اور سرکشی کا نتیجہ تھا۔

Marfat.com

قریش کو اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عادل ہے۔ وہ نہ کسی بھی ظلم کرتی ہے اور نہ کسی کی سرکشی کو حد سے بڑھ کر برداشت کرتی ہے۔ قریش نے بھی اگر اپنی روش نہ بدلی تو یہ بھی اس انجام سے بچ نہیں سکیں گے جو اس سے پہلی امتوں کا ہو چکا ہے۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰی ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾

(اور اوندھی گرنے والی بستیوں کو بھی اٹھا پھینکا۔ ۵۳) پس ان کو ڈھانک دیا جس چیز نے ڈھانک دیا۔ ۵۴)

قومِ لوط کے انجام کی طرف اشارہ

ان آیتوں میں قومِ لوط پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر ہے۔ اوندھی گرنے والی بستیوں سے مراد، قومِ لوط کی بستیاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرتِ حق نے اس دھرتی کو الٹ ڈالا، اور تمام بستیاں اوندھے منہ گر گئیں۔ لیکن بعض اہلِ علم کا گمان یہ ہے کہ موتفکات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو زمین کو بالکل تل پٹ کر دیتی ہیں۔ قومِ لوط پر بھی اللہ تعالیٰ نے غبار انگیز ہوا بھیجی جو تند ہو کر بالآخر حاصب یعنی کنکر پتھر برسانی والی طوفانی ہوا بن گئی۔ اس سے اول تو ان کے اوپر کنکروں اور پتھروں کی بارش ہوئی، پھر اس نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ اس کے زور سے ان کے مکانات بھی الٹ گئے۔ عذاب کی شدت کے اظہار کیلئے ان دونوں آراء میں کوئی اختلاف نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ قومِ لوط پر ایسا ہولناک عذاب آیا جس نے ان کی بستیاں الٹ ڈالیں۔ اور پھر یہ ہوا کہ ان بستیوں کے اوپر وہ چیز چھا گئی اور اس نے انہیں ڈھانک دیا جو چیز چھا گئی۔ عربی اسلوب میں یہ انتہائی غیظ و غضب کی علامت بھی ہے اور عذاب کی شدت کی بھی۔ اور اگر اسے امرِ واقع کا بیان سمجھا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان پر بحرِ مردار کا پانی پھیل گیا۔ اور آج بھی وہ بستیاں ماہرینِ ارض کے خیال کے مطابق اس پانی کے نیچے مدفون ہیں۔ اور اس پانی نے اس طرح ان بستیوں کو ڈھانک لیا کہ ان کا نشان تک نظر نہیں آتا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾

(پس اے مخاطب اپنے رب کی کن کن نشانیوں کے بارے میں تو شک کرے گا۔ ۵۵)

قریش کو ملامت

جن قوموں نے بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا، انہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہلاک اور تباہ کیا اس کا ذکر کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی دعوت کے ہر مخاطب کو فرداً فرداً متوجہ کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کن کن نشانیوں پر شک کرو گے۔ اور پیغمبر جن عقائد، جن نظریات اور جن تصورات کی دعوت دیتا ہے ان میں سے تم کس کس کے بارے میں جھگڑا کرو گے۔ کیونکہ محولہ بالا قوموں کی تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جن باتوں کی وجہ۔ ، ہم بدترین انجام سے دوچار ہوئے ہیں لوگو! تم اس سے پرہیز کرنا۔ اور وہ رویہ اختیار نہ کرنا جس کی پاداش میں ہم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برسا۔

Marfat.com

آیتِ کریمہ میں ‌‌ الآءِ کالفظ استعمال ہوا ہے جو اِلٰی کی جمع ہے۔اس کا معنی عام طور پر نعمت سے کیا جاتا ہے۔لیکن یہ اس لفظ کا ادھورا مفہوم ہے۔جس طرح اس کا اطلاق نعمت پر ہوتا ہے اسی طرح کرشمے، نشانیوں، عجائبِ قدرت اور کارناموں پر بھی ہوتا ہے۔اسی طرح آیت میں تَتَمَارٰی کالفظ آیا ہے، جس کا معنی شک کرنا بھی ہوتا ہے اور جھگڑنا بھی۔مقصود یہ ہے کہ سابقہ معذب قوموں نے اپنے نبیوں کی دعوت میں شک کیا۔اور انہوں نے جن حقائق کے قبول کرنے کی دعوت دی ان کی صحت میں شک بھی کیا اور لڑنے جھگڑنے کیلئے تیار بھی ہوگئے۔اور پھر ان باتوں کو دشمنی کا موضوع بنالیا۔اور وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ اسی کی عطا ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔اور سابقہ امتوں کے انجام میں ہمارے لئے کیسی کیسی نشانیاں ہیں۔انہوں نے ان نشانیوں سے عبرت حاصل کرنے سے بھی انکار کردیا۔اور ہر بات میں شک کے راستے پر چل نکلے۔ان کا انجام واضح ہے تم ان سے عبرت حاصل کرو۔اور وہ روش اختیار نہ کرو جو ان کیلئے ہلاکت کا باعث ہوئی۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾

(یہ نذیر ہے پہلے آئے ہوئے نذیروں میں سے۔ ۵۶)

آنحضرت ﷺ ہی رسالت کی حقیقتِ ثابتہ کا استمرار ہیں

یہاں نذیر سے مراد قرآنِ کریم بھی ہوسکتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی۔لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔اللہ تعالیٰ کا رسول بھی دنیا میں انذار کیلئے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعے وہ انذار کرتا ہے۔اس لئے دونوں مل کر اس انذار کی تکمیل کرتے ہیں جس کیلئے ان کی بعثت ہوئی ہے۔یہاں کہنا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی ان ہی رسولوں کی طرح رسول بن کر آئے ہیں جو سابقہ معذب قوموں کی طرف آئے تھے۔اور انہوں نے ان ہی حقائق اور بنیادی صداقتوں کی طرف دعوت دی ہے جن کی طرف سابقہ انبیاء و رُسل دیتے رہے ہیں۔قریش کے لوگو! اگر تم نے اس آخری نبی کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ وہی روش اختیار کی جو معذب قوموں نے کی تو پھر تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے ایسی امتوں کا ہوچکا ہے۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾

(قریب آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔ ۵۷) اللہ کے سوا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ ۵۸)

ایک حقیقتِ نفس الامری کا بیان

اٰزِفَةُ کا معنی ہے قریب آنے والی۔اس سے مراد عذاب کی وہ گھڑی ہے جس سے لوگوں کو بار بار ڈرایا جارہا تھا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول نہ کیا تو کسی وقت بھی وہ عذاب آسکتا ہے جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے آجانے کے بعد مہلت دراز نہیں ہوتی۔رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت کیلئے آتا ہے۔جب اتمامِ حجت ہوجاتا ہے اور قوم رسول کی تکذیب پر

Marfat.com

اڑی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آ کر ان کا کام تمام کر دیتا ہے۔ قریش کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کے آ جانے کے بعد تم پر اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے۔ اب اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو ماننے میں تاخیر کی تو یہ تاخیر تمہارے لئے بہت مہنگی ثابت ہوگی۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس وقت کو غنیمت جانو اور بلا تاخیر فیصلہ کر ڈالو۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾

(تو کیا تم اس کلام پر اظہارِ تعجب کرتے ہو۔ ۵۹) اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔ ۶۰)

قریش کے رویئے پر اظہارِ تعجب

پروردگار اظہارِ تعجب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کلام اور جس دعوت کے قبول نہ کرنے پر پہلی امتیں عذاب کا شکار ہوئیں جب اسی عذاب سے نبی کریم ﷺ ڈراتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ تم اس عذاب کا منہ چڑاتے اور مذاق کرتے ہو۔ اور خوش فعلیوں کا موضوع بنا لیتے ہو۔ حالانکہ تمہاری یہ روش ہنسنے کی نہیں بلکہ رونے کا باعث ہے۔ کیونکہ جس شخص کو اندازہ ہو کہ میں عنقریب ایک بڑے خطرے سے دوچار ہونے والا ہوں تو وہ اس خطرے کی اطلاع دینے والے پر ہنسا نہیں کرتا۔ اور جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ میں اب اس برے انجام سے انہیں بچ سکتا جو میرے کرتوتوں کی وجہ سے میرے لئے مقدر ہو چکا ہے تو پھر وہ روتا ہے۔ لیکن تمہارا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾

(اور تم مدہوش پڑے ہو۔ ۶۱)

سَمَدٌ اور سُمُوْد کے معنی مدہوش ہونے کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ کتاب تو تمہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے جگا رہی ہے اور نبی کریم ﷺ پوری دلسوزی کے ساتھ تمہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر کے اور تمہارے مستقبل کے بارے میں فکر مندی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن تمہارا عجیب حال ہے کہ تم سے غفلت کا پردہ ہٹنے میں نہیں آتا۔ اور تم ایسے مدہوش پڑے ہو کہ کسی طرح ہوش میں نہیں آتے۔ اور دوسرا معنی جو بعض تابعین سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ یمنی زبان میں سمود کا معنی گانے بجانے کے ہیں۔ اور اس آیت میں ان کی اس روش پر ملامت کی گئی ہے کہ بجائے اس کے کہ تم اپنی حالت پر روؤ اور اپنے انجام کی فکر کرو۔ اس کے برعکس تم گانے بجانے کے ذریعے قرآن کی آواز کو دبانے اور لوگوں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہو۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ ع السجدة

(پس اللہ ہی کو سجدہ کرو اور اسی کی بندگی بجا لاؤ۔ ۶۲)

Marfat.com

خیرت وعافیت کے لیے نسخۂ کیمیا

سجدہ عاجزی اور فروتنی کی علامت ہے۔اور عبادت پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں دے دینے کا نام ہے۔یعنی تمہاری خیریت اب اسی میں ہے اور تم اپنے برے انجام سے اسی صورت بچ سکتے ہو کہ خوابِ غفلت سے جاگو اور دوسرے دیویوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ کر اپنے رب ہی کو سجدہ کرو اور اسی کی بندگی بجالاؤ۔بجائے سرکشی کے عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرو۔اور وہ زندگی جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اسے دوسرے کی مرضی کے مطابق بسر کرنے کی بجائے اس کی اطاعت اور رضا کے تابع کر دو۔

ہم اس سے پہلے یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس سورۃ کو حرم میں لوگوں کے سامنے تلاوت کیا تھا تو آیتِ سجدہ پر پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا اور مسلم اور کافر سب سجدے میں گر گئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کی آخری آیت کو آیتِ سجدہ سمجھتے اور اس پر سجدہ کرتے تھے۔اسی سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور اکثر اہلِ علم اس آیت پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔لیکن امام مالک اور بعض دیگر اہلِ علم حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت کی وجہ سے اس سورۃ کی آخری آیت پر سجدہ کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ نجم پڑھی اور حضورؐ نے سجدہ نہ کیا۔لیکن اس سے آیتِ سجدہ پر سجدہ کا لازم نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔کیونکہ آیتِ سجدہ سننے کے فوراً بعد سجدہ کرنا ضروری نہیں ہوتا، دوسرے وقت میں بھی سجدہ کیا جاسکتا ہے۔حضرت زیدؓ نے جب یہ سورۃ آنحضرت ﷺ کے سامنے پڑھی تو ممکن ہے کسی عذر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سجدہ نہ کر سکے ہوں۔اس لئے صحیح رائے یہی ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا لازم ہے۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْقَمَرِ

(۵۴)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْقَمَرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام القمر ہے جو اس سورۃ کی پہلی ہی آیت سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ اس سورۃ میں شق القمر کے واقعہ کا ذکر آیا ہے اور محدثین ومفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے مکہ معظمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی ہے اور ہجرت سے پانچ سال پہلے اس کا نزول ہوا ہے۔

مضامین:۔ اس سورۃ کے پہلے ہی جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا زیادہ زور اس زمانے میں اثباتِ قیامت اور وقوعِ قیامت پر تھا۔ اور مشرکینِ مکہ کی قطعی اکثریت اس کے امکان ہی کی منکر تھی۔ اور جو لوگ کسی حد تک اس کو تسلیم کرتے تھے وہ بھی اس کو زندگی سے اس قدر دور سمجھتے تھے کہ اس کی خاطر اپنی زندگی کو بے رنگ اور بدمزہ کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کی اس ہٹ دھرمی پر تنقید کرتے ہوئے قیامت کے قریب آنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور دلیل کے طور پر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے منیٰ میں شق القمر کا حیرت انگیز واقعہ پیش آچکا ہے جس سے دو باتیں سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ایک تو یہ بات کہ وقوعِ قیامت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلے مرحلے میں کائنات کی ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ تمام سیارے شکست وریخت کا شکار ہو جائیں گے اور ہر چیز تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔ اور دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ از سرِ نو ہر چیز وجود میں آئے گی، بالخصوص انسانوں کو زندہ کیا جائے گا اور وہ نفخۂ ثانیہ پر اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسی بکھری ہوئی ٹڈیاں ہوتی ہیں اور تیزی سے پکارنے والے کی پکار پر دوڑتے ہوئے چلے جائیں گے۔ شق القمر نے ان دونوں باتوں کو ہمارے سامنے لا رکھا ہے۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چاند پھٹا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف چلا گیا۔ اور پھر ایک ہی لمحے کے بعد دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے اور چاند ویسے ہی ہو گیا جیسے پہلے تھا۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ نظامِ عالم ازلی وابدی اور غیر فانی نہیں ہے۔ وہ درہم برہم بھی ہو سکتا ہے۔ اور ستارے اور سیارے اسی طرح ٹوٹ پھوٹ سکتے ہیں جیسے چاند سب کی آنکھوں کے سامنے دولخت ہوا ہے۔ اور دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح چاند کے دونوں ٹکڑے سینکڑوں میل دور چلے جانے کے بعد پلٹ آئے اور آپس میں جڑ گئے اور چاند پہلے کی طرح چمکنے لگا۔ اسی طرح کائنات کی ہر چیز از سرِ نو وجود میں آئے گی۔ انسان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور میدانِ حشر میں جواب دہی کیلئے حاضر ہو جائیں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قیامت کا وجود اب دور نہیں۔

Marfat.com

کیونکہ چاند کے ٹوٹنے نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ قیامت کے پہلے مرحلے کا آغاز ہوگیا ہے۔اس لحاظ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔اور مزید یہ کہ مشرکینِ مکہ کی ہٹ دھرمی پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ بڑی سے بڑی نشانی کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے اسے جادو قرار دے کر ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور یہاں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں نہ وہ پیغمبر کی دلآویز شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ قرآنِ کریم کے پیغام کی عظمت وسطوت کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔اور مزید یہ کہ ان کے سامنے تاریخی حوالوں سے ان قوموں کے احوال بیان کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی پیغمبروں کی تکذیب کی اور قیامت کو ماننے سے انکار کیا تو آخر تباہی اور بربادی کا شکار ہو گئے۔ایسے لوگوں کو ظاہر ہے کہ سمجھایا بجھایا نہیں جاسکتا۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر سمجھنے والی بات سے آنکھیں بند کر چکے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ بھی انہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں اور ان کی ہدایت کیلئے دل گرفتہ نہ ہوں۔یہ نہ تاریخ سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور نہ آنکھوں سے صریح نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔انہیں ایک ہی چیز ماننے پر مجبور کرے گی جب قیامت فی الواقع برپا ہو جائے گی اور وہ قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کیلئے ہانکے جارہے ہوں گے لیکن اس وقت ان کا ماننا ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔

پھر منکرینِ قیامت اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والوں پر مزید اتمامِ حجت کرتے ہوئے قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ لوط اور آلِ فرعون کے مختصر احوال بیان کئے گئے ہیں تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ یہ وہ قومیں ہیں جو ان سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھیں۔منظم حکومتوں کی مالک اور بڑی طاقت اور حیثیت کی دعویدار تھیں۔بایں ہمہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکیں۔تمہارے لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم ان کے تذکرے سے عبرت حاصل کرو۔اور یہ قرآن ان کے واقعات کو اسی لئے پیش کر رہا ہے کہ انسانی واقعات انسانوں کی زندگی بدلنے میں ہمیشہ زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔لیکن اگر تم قرآنِ پاک کی اس کاوش سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے اور احمقوں کی طرح عذاب کیلئے ہی اصرار کرو گے۔تو پھر یہ عذاب تمہیں تباہ تو کرے گا لیکن تمہیں اس سے نصیحت حاصل کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔

مشرکینِ مکہ کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ گزشتہ قوموں کی تاریخ تمہارے سامنے ہے، ان کے طرزِ عمل سے بھی تم واقف ہو اور ان کے کھنڈرات سے گزرتے ہوئے ان پر آنے والے عذاب کو بھی تم کسی حد تک اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔لیکن اس کے باوجود تمہیں اپنے طرزِ عمل کو بدلنے کی توفیق نہیں ہوتی۔کس قدر حیرانی کی بات ہے کہ تم اگر ویسی ہی زندگی اختیار کرو جس پر تم سے پہلی قوموں پر عذاب نازل ہو چکا ہے تو تمہیں ایسے کیا سرخاب کے پَر لگے ہیں کہ تم کسی عذاب کی گرفت میں نہ آؤ۔یا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص معافی نامہ لکھ کے دے دیا تھا اور اجازت دے دی تھی کہ تم جو چاہو کرتے رہو، تمہیں کبھی نہیں پکڑا جائے گا۔ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری برأت کا ایسا کوئی اعلان کبھی نہیں ہوا۔پھر ایک ہی صورت ہے کہ تمہیں اپنی جمعیت اور اپنے قبیلوں کی قوت پر بھروسہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو تم اس کا مقابلہ کر لو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ وقت دور نہیں کہ تمہاری یہ جمعیت شکست کھا کر بھاگتی نظر آئے گی اور پھر جب تم قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر کئے جاؤ گے تو وہاں تمہیں سخت ترین عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔

Marfat.com

سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت برپا کرنے کیلئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں۔ وہ انسانوں کی طرح کسی بھی کام کرنے سے پہلے کامیابی کیلئے مطلوب اسباب فراہم نہیں کیا کرتا۔ بلکہ وہ ایسی قدرتِ کاملہ کا مالک ہے کہ اسے ہر چھوٹا یا بڑا کام کرنے سے پہلے صرف ایک حکم دینا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں پلک جھپکتے ہی کام ہو جاتا ہے۔ قیامت بھی اسی طرح اس کے حکم سے پلک جھپکنے سے بھی پہلے برپا ہو جائے گی۔ رہی یہ بات کہ اس کے برپا کرنے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی طرح نظامِ عالم اور نوعِ انسانی کی ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔ یعنی ہر ایک کو ایک مہلت ملی ہوئی ہے اور اس کی نتیجہ خیزی کا ایک وقت مقرر ہے، وہی اس کی اجل ہے۔ جب تک وہ اجل نہیں آ جاتی اور مہلتِ عمل کا اختتام نہیں ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی کے خاتمے کیلئے قیامت کو برپا نہیں کرے گا۔ جو شخص قیامت کو مان کر تیاری کرے گا وہ قیامت کے دن سرخرو ٹھہرے گا۔ لیکن جو اس کا انکار یا شک میں مبتلا ہو کر زندگی کو شترِ بے مہار کی طرح گزار کر قیامت میں حاضر ہو گا اسے نہایت سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص جو اعمال کرتا ہے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کا باقاعدہ تحریری ریکارڈ تیار کیا جاتا ہے۔ اور کوئی چھوٹی بڑی بات اس میں چھوٹنے نہیں پاتی۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گزارنے والے ہیں ان کے اعمال بھی محفوظ ہو رہے ہیں اور ان لوگوں کے بھی جو خواہشاتِ نفس کی پیروی میں زندگی گزار رہے ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے انجام کو دیکھے گا۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٥٥	سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (٥٤)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا
تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾
خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ
مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾
فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ
مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ
قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً
لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ
كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

Marfat.com

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

رکوع: ا۔ (قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند شق ہوگیا۔ ۱) اور اگر یہ کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ ۲) اور انہوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی، اور ہر کام کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ ۳) ان لوگوں کے پاس (گزشتہ قوموں کی) سرگزشتیں آ چکی ہیں جن میں کافی سامانِ عبرت موجود ہے۔ ۴) اور ایسی حکمت جو دلوں میں اتر جانے والی ہے۔ پس کیا کام آئیں تنبیہات؟ ۵) پس اے پیغمبر! آپ ان سے اعراض کیجئے، (اور اس دن کا انتظار کیجئے) جس دن پکارنے والا انہیں ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ۶) ان کی نگاہیں سراسیمگی سے جھکی ہوئی ہوں گی، اور یہ قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ منتشر ٹڈیاں ہیں۔ ۷) دوڑتے ہوئے پکارنے والے کی طرف، کافر کہیں گے یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ ۸) ان سے پہلے قوم نوح نے بھی جھٹلایا، انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا یہ تو دیوانہ ہے اور وہ بری طرح جھڑکا گیا۔ ۹) تو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہو چکا اب تو ان سے انتقام لے۔ ۱۰) پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلادھار بارش سے کھول دیئے ہیں۔ ۱۱) اور زمین کو چشموں کی صورت میں پھاڑ دیا، پس پانی جا لگا اس نشان پر جو ٹھہرا لیا گیا تھا۔ ۱۲) اور ہم نے نوح کو ایک تختوں والی اور میخوں والی پر سوار کر دیا۔ ۱۳) جو ہماری حفاظت میں چل رہی تھی، یہ ہم نے اس شخص کا بدلہ لینے کیلئے کیا جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ ۱۴) اور ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ۱۵) دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۱۶) اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۱۷) عاد نے بھی تکذیب کی، تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۱۸) ہم نے ان پر ایک بادِ تند بھیجی مسلسل نحوست کے دن میں۔ ۱۹) جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔ ۲۰) تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۲۱) اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۲۲)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾

(قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند شق ہوگیا۔ ۱) اور اگر یہ کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ ۲)

Marfat.com

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول جس پر قرآنِ کریم کے الفاظ بھی شاہد ہیں اور احادیث سے بھی اس کی نہ صرف تائید ہوتی ہے بلکہ تفصیلی حالات کا علم بھی ہوتا ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور احادیث کی دیگر معتبر کتابوں میں بکثرت سندوں کے ساتھ مختلف صحابہ سے اس واقعہ کو روایت کیا گیا ہے۔ جن میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ اس واقعہ کے عینی شاہدوں میں سے ہیں۔ اور دیگر صحابہ نے ظاہر ہے کہ ان ہی سے سن کر اس واقعہ کو بیان کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے قمری مہینے کی چودھویں شب میں جبکہ چاند ابھی طلوع ہوا تھا یکایک پھٹا اور اس کا ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کی ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت بس ایک ہی لحظہ رہی اور پھر دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ نبی کریم ﷺ اس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا، دیکھو اور گواہ رہو۔ قرآنِ کریم نے بھی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت قریب آ گئی جبکہ تم اسے بہت دور سمجھتے ہو اور اس کا وقوع بعید از عقل تصور کرتے ہو۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چاند تمہارے سامنے پھٹا، اس کے دو ٹکڑے پہاڑ کے دائیں اور بائیں جاتے ہوئے دیکھے گئے اور پھر دونوں آپس میں مل گئے اور چاند چمکنے لگا۔ تمہارے لئے قیامت کو خلافِ عقل قرار دینے کیلئے سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آخر یہ کائنات شکست و ریخت کا شکار کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ زمین یہ پہاڑ کیسے ٹوٹ پھوٹ سکتے ہیں۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چاند ایک بہت بڑا کُرّہ ہے، سیاروں میں سے ایک سیارہ ہے۔ اگر وہ دو حصوں میں پھٹ سکتا ہے اور جڑ بھی سکتا ہے تو تم اس عالم اور نظامِ عالم کو ابدی اور غیر فانی کیسے قرار دے سکتے ہو۔ چاند کا پھٹنا اس کا قطعی ثبوت ہے کہ جس طرح چاند جیسا سیارہ پھٹا ہے، اسی طرح باقی کُرّے اور باقی سیارے بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں گے۔ اور چاند کے ٹوٹنے سے اس شکست و ریخت کا آغاز ہو گیا ہے۔ اور اس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ اب قیامت کا وقوع بہت دور نہیں کیونکہ چاند کے ٹوٹنے نے اس کی ابتدا کر دی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب لوگوں نے چاند کو اپنی آنکھوں سے دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا تو مشرکینِ مکہ میں سے جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے بھی وہ جادو کے زور سے ہم سے بعض چیزیں منوا لیتے ہیں، یہ جادو بھی اسی کا ایک حصہ ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ تو دوسرے لوگوں نے کہا کہ چلئے اگر ہم پر محمد (ﷺ) نے جادو کر دیا ہے تو ہم باہر سے آنے والے لوگوں سے پوچھیں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ لیکن جب باہر سے آنے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی تو تب بھی انہوں نے اسے جادو قرار دے کر ماننے سے انکار کر دیا اور یہ وہ روش ہے جو ہمیشہ سے ہر رسول کی نبوت کے منکرین نے اختیار کی اور وہی روش مشرکینِ مکہ بھی اختیار کر چکے ہیں۔

بعض غیر مصدقہ باتیں

اس سلسلے میں بعض ایسی باتیں بھی کہی جاتی ہیں جو کسی نہ کسی حد تک محلِ نظر ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ شق القمر کا واقعہ ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ پیش آیا۔ اور اس کی تائید میں حضرت انسؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے جبکہ حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایات سے اس کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ دوسری روایات میں مـرتین نہیں بلکہ فـرقتین اور شـقتین کے الفاظ آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

کتابت کی غلطی یا راوی کی غلطی سے یہ الفاظ مرتین میں تبدیل ہو گئے۔ اور اس کی تائید میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ کسی اور مستند روایت سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی اور مزید یہ کہ قرآنِ کریم میں بھی ایک ہی دفعہ انشقاق کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری بات جو عام طور پر عوام میں بہت مشہور ہے اور ہمارے واعظینِ کرام بڑے شوق سے اسے بیان بھی کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ چاند آنحضرت ﷺ کی انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے ہوا اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چاند کا ایک ٹکڑا آپ کے گریبان میں داخل ہو کر آپ کی آستین سے نکل گیا۔ یہ دونوں باتیں بالکل بے اصل اور حقیقت سے عاری ہیں۔ کسی حدیث میں ایسے کسی واقعہ کا ذکر نہیں۔

ایک دوسری بات جس کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کی حقیقی نوعیت کیا تھی؟ کہ کیا یہ ایک معجزہ تھا جو کفارِ مکہ کے مطالبہ پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی رسالت کے ثبوت میں دکھایا تھا۔ یا ایک حادثہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چاند میں پیش آیا اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اس کی طرف توجہ صرف اس غرض کیلئے دلائی کہ یہ امکانِ قیامت اور قربِ قیامت کی ایک نشانی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنِ کریم نے اسے قربِ قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کیا، آنحضرت ﷺ کے معجزے کے طور پر نہیں۔ اس لئے اس میں علماء کی رائے میں اختلاف ہوا۔ بعض لوگ اسے معجزہ قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ اسے قربِ قیامت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ فتح الباری میں علامہ ابنِ حجر نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ قصہ جتنے طریقوں سے منقول ہوا ہے ان میں سے کسی میں بھی حضرت انسؓ کی حدیث کے سوا یہ مضمون میری نگاہ سے نہیں گزرا کہ شق القمر کا واقعہ مشرکین کے مطالبہ پر ہوا تھا۔ اور کتبِ حدیث میں کسی مستند روایت میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ علمائے اسلام کی قطعی اکثریت اسے ایک معجزے کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ قرآنِ کریم اور مستند احادیث نے اسے اگر قربِ قیامت کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے تو وہ بالکل صحیح ہے اور علماء اگر اسے معجزے کے طور پر پیش کرتے ہیں تو ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت مخالفین کی طرف سے ایسا کوئی معجزہ دکھانے کا آپ سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت نہ سہی اس سے پہلے متعدد دفعہ ایسا ہو چکا تھا کہ کفارِ مکہ آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کوئی ایسی نشانی دکھایئے کہ ہمارے لئے اس سے انکار کرنا مشکل ہو جائے، تب ہم آپ کی نبوت کو تسلیم کرلیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ ان ہی مطالبات کے تسلسل میں یہ واقعہ پیش آیا تو جس طرح یہ قربِ قیامت کی علامت ہے اسی طرح یقیناً آنحضرت ﷺ کا معجزہ بھی ہے، کیونکہ اس سے آپ کی نبوت کا اثبات ہوتا ہے۔

اعتراضات اور ان کا جواب

آج کے دور میں معترضین اس پر دو طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے نزدیک ایسا ہونا ممکن نہیں کہ چاند جیسا عظیم کُرّہ پھٹ کر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے اور پھر دونوں ٹکڑے آپس میں آ کر مل جائیں۔ اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا میں ایک دھوم مچ جاتی، تاریخوں میں اس کا تذکرہ ہوتا، جبکہ ایسا نہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں تو یہ بات چل سکتی تھی، لیکن آج جبکہ سائنس نے سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات مہیا کی ہیں ان کی بناء پر کون پڑھا لکھا شخص اس کا انکار کر سکتا ہے کہ ایک کُرّہ اپنے اندر کی آتش فشانی کے باعث پھٹ بھی سکتا ہے اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی قوت کے سبب سے دوبارہ جڑ بھی سکتا ہے۔ اور یہ بات تو سکول کے طالب علم بھی جانتے ہیں جو سائنس ہی کے حوالے سے کہی جاتی ہے کہ ہماری یہ زمین سورج ہی کا ایک ٹکڑا ہے جو کسی بڑے سیارے کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے کٹ کر اس سے الگ ہوا۔ لیکن آج تک اسے ناممکن نہیں کہا گیا۔ رہا دوسرا اعتراض تو

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک لمحے کیلئے پیش آیا جبکہ اس سے پہلے نہ کوئی اعلان ہوا تھا اور نہ کوئی دھما کہ ہوا کہ لوگ سر اٹھا کر دیکھنے لگتے۔ اور پھر مواصلاتی ذرائع اتنے محدود تھے کہ مؤرخین تک ایسے واقعات کی خبر کہاں پہنچتی تھی۔ آج کی طرح رصدگاہیں نہ تھیں جو ایسے واقعات کو ریکارڈ کر سکتیں۔ اس کے باوجود مالابار کی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے کہ وہاں کے ایک راجہ نے یہ منظر دیکھا تھا اور اس نے اسے اپنے دربار میں بیان کیا اور اس ملک کی تاریخ میں اسے باقاعدہ لکھا گیا اور آج بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳

(اور انہوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کی، اور ہر کام کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ ۳)

اتنی بڑی نشانی دیکھنے کے بعد بھی نہ ماننے کی وجہ

قریش اور دیگر مشرکینِ مکہ نے اتنے بڑے واقعہ کو دیکھنے یا معتبر راویوں سے سننے کے باوجود اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی جاری رکھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر ہم نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لیں اور یہ بھی مان لیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی کتاب نازل ہوئی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام اترتے ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن ہم سے بازپرس ہونے والی ہے تو پھر وہ زندگی جو شترِ بے مہار کی طرح اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی میں ہم گزار رہے ہیں یکسر ترک کرنا پڑے گی۔ اپنے خیالات، تصورات، اعمال، ترجیحات اور اذواق کو اس سانچے میں ڈھالنا پڑے گا جس کیلئے حضور اسوہ بن کر تشریف لائے ہیں۔ وہ اس پابند اور مہذب زندگی کا تصور کرنے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اتنی بڑی نشانی دیکھ کر بھی اپنی خواہشِ نفس کے مطابق قیامت کو ماننے سے انکار کر دیا۔

ایک سوال کا جواب

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے افہام و تفہیم، دعوت و نصیحت اور اتنی بڑی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی راہِ راست اختیار کرنے کو تیار نہیں تو پھر ایسے لوگوں کو زمین کے بوجھ کے طور پر باقی رکھنے کا کیا جواز ہے۔ یہ تو اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب تباہ کر دے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کیلئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر چیز کی ایک اجل ہے۔ اسی طرح انسانوں کو بھی سنبھلنے، زاویۂ نگاہ اور طرزِ عمل بدلنے کیلئے مہلت دے رکھی ہے۔ جبکہ تک وہ مہلت ختم نہیں ہوتی اور فیصلے کی گھڑی نہیں آ جاتی جس کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا عذاب اس قوم پر نہیں آتا۔ قریش اور مشرکینِ مکہ یا دیگر مخالفین جو اس عذاب سے بچے ہوئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ان کی مہلتِ عمل ختم نہیں ہوئی۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵

(ان لوگوں کے پاس (گزشتہ قوموں کی) سرگزشتیں آ چکی ہیں جن میں کافی سامانِ عبرت موجود ہے۔ ۴)

اور ایسی حکمت جو دلوں میں اتر جانے والی ہے۔ پس کیا کام آئیں تنبیہات؟ ۵)

Marfat.com

انسان کی بے بصیرتی

انشقاقِ قمر جیسی نشانی دیکھنے کے بعد بھی قریش نے جو رویہ اختیار کیا اور انکار کی جس روش پر وہ آگے بڑھتے رہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یہ کوئی نئی بات نہیں ماضی میں ایسی قومیں گزر چکی ہیں جن کے حالات سینہ بہ سینہ جزیرۂ عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ قریش جیسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ جو شخص بھی ان کے طرزِ عمل اور اللہ تعالیٰ کے عذاب پر تدبر کی نگاہ سے غور کرے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ ان کے حالات میں قدم قدم پر عبرت کا سامان موجود ہے۔ اور غور وفکر کی ایسی باتیں ہیں جن کے اثرات دل میں اتر جاتے ہیں۔ لیکن جب قومیں ہٹ دھرمی کا شکار ہو جاتی ہیں اور ہوائے نفس کی پیروکار بن کر اپنی من چاہی زندگی پر ایسی ریجھ جاتی ہیں کہ دوسری کوئی بات انہیں متاثر نہیں کرسکتی۔ بڑی سے بڑی مثال ان کیلئے عبرت کا سامان فراہم نہیں کرتی۔ قریش کا بھی یہی حال ہے کہ یہ ایسی بہت سی سرگزشتوں کو جانتے ہوئے بھی نہ اس سے عبرت حاصل کرنے کیلئے تیار ہیں اور نہ ان سرگزشتوں میں مضمر حکمت ودانش ان کے دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ چنانچہ اسی روش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے ہر چند انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بار بار آگاہ کیا۔ اس کی تنبیہات ان تک پہنچائیں، لیکن ان کے حالات کو دیکھئے کہ کیا یہ تنبیہات اور یہ ڈراوے ان کے کسی کام آئے۔ ظاہر ہے کہ اگر کام آتے تو وہ عذاب کا شکار نہ ہوتیں۔ قریش بھی اگر اسی روش پر آگے بڑھتے رہے تو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی تنبیہات بھی شاید ان پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٦ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٧ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨

(پس اے پیغمبر! آپ ان سے اعراض کیجئے، (اور اس دن کا انتظار کیجئے) جس دن پکارنے والا انہیں ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ٦) ان کی نگاہیں سراسیمگی سے جھکی ہوئی ہوں گی، اور یہ قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ منتشر ٹڈیاں ہیں۔ ٧) دوڑتے ہوئے پکارنے والے کی طرف، کافر کہیں گے یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ ٨)

آنحضرت ﷺ کو تسلی آمیز ہدایت

آیت میں تَـوَلَّ کا لفظ انتظر کے مفہوم پر متضمن ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اور قریش کیلئے سخت وارننگ ہے۔ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ جہاں تک تبلیغ ودعوت، ہمدردی وخیر خواہی اور افہام وتفہیم کا تعلق ہے آپ نے اس میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔ ہر مرحلے پر آپ نے سخت باتیں سنیں، تہمتیں برداشت کیں اور اذیتیں سہیں، لیکن ہمیشہ انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش جاری رکھی۔ اب آپ ان سے اعراض کیجئے۔ آپ اپنی ذمہ داری ادا کرچکے۔ کیونکہ نہ ان پر آپ کی تبلیغ ودعوت کا اثر ہو رہا ہے اور نہ تاریخی حقائق ان پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اب تو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب ان کو پکارنے والا ایک ہولناک چیز کی طرف پکارے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کا فرشتہ صور پھونکے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ وہ دن ایسا ہولناک ہوگا اور ان کیلئے ایسا ناگوار کہ ایک طرف تو اس کی ہولناکی اور

Marfat.com

اس کی ہیبت ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہوگی اور دوسری طرف یہ خیال انہیں چین نہیں لینے دے گا کہ جس دن کا ہم شدت سے انکار کرتے رہے ہیں آج اسی سے ہمیں سابقہ پیش آرہا ہے۔اس احساس کے تحت ان کی نگاہیں سراسیمگی سے جھکی ہوئی ہوں گی اور ندامت انہیں سر اٹھانے نہیں دے گی۔اور یہ اس طرح قبروں سے نکلیں گے گویا کہ منتشر ٹڈیاں ہیں اور تیزی سے پکارنے والے کی پکار کی طرف بھاگتے چلے جائیں گے۔ جس طرح برسات کے دنوں میں پتنگے زمین سے ابلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح یہ بھی اپنی قبروں یعنی ان جگہوں سے جہاں یہ لوگ مرے تھے چاہے وہ سمندر کا پانی ہو، زمین کا پیٹ ہو یا کسی درندے کا پیٹ اور یا جہاں بھی ان کی خاک کا کوئی ذرہ موجود ہوگا اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہیں سے ان کو اٹھایا جائے گا اور یہ بے شمار تعداد میں ٹڈیوں کی طرح زمین سے ابلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔اور میدانِ حشر کی طرف تیزی سے بھاگتے ہوئے چلے جائیں گے۔اور وہ قیامت کا انکار کرنے والے جو محض اسے ایک مذاق سمجھتے تھے وہ کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن اور سخت دن ہے۔اے کاش ہم نے اس دن کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی ہدایت کے مطابق تیاری کی ہوتی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾

(ان سے پہلے قومِ نوح نے بھی جھٹلایا، انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا یہ تو دیوانہ ہے اور وہ بری طرح جھڑکا گیا۔ ۹)

قومِ نوح کے انجام کی تفصیل

آیت چار میں معذب قوموں کی جس تاریخ کی طرف اشارہ کیا گیا تھا یہ اسی کی کسی حد تک تفصیل ہے۔سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا۔کیونکہ معلوم تاریخ میں وہ سب سے پہلی قوم ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئی۔اور قریش بھی اس حد تک انہیں جانتے تھے کہ دجلہ اور فرات کے دوآبے میں ایک قوم آباد تھی جس کی طرف حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے،ان کی صدیوں کی تبلیغ و دعوت کے باوجود جب اس قوم نے تکذیب کی انتہا کر دی اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف سے ان پر اتمامِ حجت ہو گیا تو تب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔اسی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس قوم نے ہمارے بندے یعنی حضرت نوح کو جھٹلایا، جھوٹا قرار دیا، تکذیب کی، ان کی نبوت کو ماننے سے انکار کیا اور ان کے اس دعوے کا تمسخر اڑایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت کیلئے آئے ہیں۔اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب انہوں نے عالمِ غیب کی خبریں دیں اور ان کی کامرانی و ناکامی کو ایمان سے مشروط کیا اور نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو قوم کا رویہ اصلاح پذیر ہونے کی بجائے اور بگڑتا گیا اور تکذیب پر اڑتے چلے گئے اور پیغمبر کی ہر کوشش کو انہوں نے ناکام بنا دیا تو پیغمبر نے قدم قدم پر انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی دھمکی دی اور نہایت ہمدردی کے ساتھ انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔تو قوم نے گالیوں کے مقابلے میں ان کی دعائیں سن کر، اذیتوں کے مقابلے میں ان کی ہمدردی اور خیر خواہی دیکھ کر اور نہایت دلسوزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انذار اور قیامت کے عذاب کی تنبیہ کو دیکھ کر اسے مجنون کہنا شروع کر دیا کہ یہ ایک ایسا دیوانہ ہے جسے سوائے عذاب اور قیامت کے اور کوئی بات نہیں آتی۔ہم جبکہ اپنے علاقے میں ہر طرح سے محفوظ ہیں اور ہمیں ہر طرح سے عزت و دولت حاصل ہے تو ہم آخر کس طرح عذاب کا شکار ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ اگر ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں دنیا میں عزت و وجاہت سے نہ نوازتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے خوش ہے۔تو آخر وہ قیامت کے دن ہمیں عذاب کیوں دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پیغمبر کی باتیں دیوانگی اور پاگل پن کے سوا

Marfat.com

کچھ نہیں۔اسے تو عذاب اور قیامت کا مالیخولیا ہوگیا ہے۔اسی لئے ہر وقت عذاب کی رٹ لگائے رکھتا ہے۔پھرانہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر موقع پر پیغمبر کی توہین کی،اسے بری طرح جھڑکا،حتیٰ کہ اس قدر برہمی کا اظہار کیا کہ سنگسار کرنے کی دھمکی دے دی۔سورۃ شعراء میں اسی حکایت کو بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ "قومِ نوح نے کہا،اے نوح!اگر تم اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو سنگسار کیے ہوئے لوگوں میں سے ہوکے رہوگے۔"

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾

(تو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہو چکا اب تو ان سے انتقام لے۔ ۱۰)

قومِ نوح جب ان کی جان کے درپے ہوگئی تو تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! قوم کو سمجھانے بجھانے کے سلسلے میں،میں اپنی کوشش وتوانائی کا آخری قطرہ تک نچوڑ چکا ہوں،میں نے ان کی ہدایت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی،لیکن اب یہ لوگ میرے ہی خون کے پیاسے ہورہے ہیں اور مجھے سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔میں ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ اب تجھ ہی سے فریاد ہے کہ تو ان سرکشوں سے انتقام لے۔

انتصار کے معنی مدافعت کرنے کے بھی ہیں اور انتقام لینے کے بھی۔آیت میں انتقام کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ لوگ میری ہمدردی اور خیرخواہی کا صلہ جس طرح دشمنی کی صورت میں دے رہے ہیں اور میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں تو ہی ان سے نمٹ اور ان سے انتقام لے۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا
فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾

(پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش سے کھول دیئے ہیں۔ ۱۱) اور زمین کو چشموں کی صورت میں پھاڑ دیا،پس پانی جا ٹکا اس نشان پر جو ٹھہرالیا گیا تھا۔ ۱۲)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور پروردگار نے اس طرح ان کی قوم سے انتقام لیا کہ ایسی موسلا دھار اور تیز بارش ہوئی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بارش کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور زمین سے ہر طرف سے پانی ابلنے لگا۔ایسا لگتا تھا کہ ساری زمین چشموں کی صورت اختیار کرگئی ہے اور ہر طرف پانی ہی پانی نظر آرہا تھا اور ہر چیز پانی میں غرقاب ہوکر رہ گئی تھی۔زمین کا کوئی حصہ تو کیا نظر آتا چھوٹے موٹے پہاڑ بھی پانی میں چھپ گئے تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار نے ایک نشان مقرر کردیا تھا کہ جب پانی وہاں تک پہنچے تو بارش کو روک دیا جائے گا۔چنانچہ جب پانی اس نقطہ تک پہنچ گیا اور پوری قومِ نوح اس پانی سے تباہ و برباد ہوگئی تو تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طوفان روک دیا گیا۔

Marfat.com

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾

(اور ہم نے نوح کو ایک تختوں والی اور میخوں والی پر سوار کر دیا۔ ۱۳) جو ہماری حفاظت میں چل رہی تھی، یہ ہم نے اس شخص کا بدلہ لینے کیلئے کیا جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ ۱۴)

ایسے طوفان کے سامنے کسی کے کھڑے ہونے یا بچنے کا کیا سوال تھا، انسان ہی نہیں ہر چیز غرقاب ہو کر رہ گئی، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ عذاب کی صورت میں پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا جاتا۔ چنانچہ اسی کے تحت اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس کشتی پر سوار ہونے کا حکم دیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی مقصد کیلئے حضرت نوح علیہ السلام تیار کر چکے تھے۔ لیکن اس کشتی کا نام لئے بغیر اسے تختوں والی اور میخوں والی کہہ کر یاد فرمایا گیا ہے۔ شاید اشارہ اس جانب ہے کہ دیکھو ایسے خوفناک طوفان میں جبکہ بحری جہاز بھی غرقابی سے بچ نہیں سکتے ہم نے ایسی کشتی میں پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچایا جو محض چند تختے اور میخوں سے بنائی گئی تھی۔ سمندر میں جب طوفان اٹھتے ہیں تو بعض دفعہ بڑے بڑے جہاز ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ طوفانِ نوح سے بڑھ کر اور طوفان کیا ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جنہیں بچانا تھا انہیں محض ایک ایسی کشتی پر سوار کر کے بچایا جو چند تختوں اور میخوں سے بنائی گئی تھی۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ اس کشتی میں بظاہر ایسی کوئی بات نہ تھی کہ وہ طوفانِ نوح کا مقابلہ کر سکتی۔ بجز اس کے کہ اس کا چلنا اور پانی پر اس کا رواں ہونا اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں تھا۔ وہ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچانے کا وعدہ کر چکا تھا اس لئے اس کشتی کو اس نے ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رکھا۔ نہ تیز ہوا اسے نقصان پہنچا سکی اور نہ تیز بارش اس کا کچھ بگاڑ سکی۔

مزید فرمایا کہ قومِ نوح نے عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کا رویہ اپنا رکھا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے سنبھلنے کی مہلت دیتا رہا۔ لیکن جب اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور آپ کی جان کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ اس بات کا بدلہ تھا کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کے سفیر اور اس کے رسول کی نہ صرف توہین کرے گی بلکہ اس کی آواز کو ہمیشہ کیلئے خاموش کرنے کی کوشش کرے گی، اللہ تعالیٰ اس سے ضرور انتقام لے گا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق ان سے ایسا انتقام لیا گیا کہ ان کی جڑ تک اکھاڑ کر رکھ دی گئی۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾

(اور ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ۱۵)

ضمیر کے مرجع میں اختلاف اور عبرت آموزی کی ترغیب

تَرَكْنٰهَآ کی ضمیر مفعول کا مرجع متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اس کا مرجع وہ سرگزشت ہے جس کا ذکر اس واقعہ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کی اولاد تک محدود نہیں رکھا بلکہ بعد میں آنے والے آسمانی صحیفوں میں بھی مسلسل اس کا ذکر ہوتا رہا ہے تاکہ بعد کی آنے والی قومیں اس سے عبرت حاصل کریں۔ لیکن بعض اہلِ

Marfat.com

علم کا خیال ہے کہ اس ضمیر کا مرجع وہ کشتی ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات دی گئی۔ اور اس کشتی کو اللہ تعالیٰ نے نشانِ عبرت کے طور پر عرصہ دراز تک باقی رکھا۔ امام بخاری، ابنِ ابی حاتم، عبدالرزاق اور ابنِ جریر نے قتادہ سے یہ روایات نقل کی ہیں کہ مسلمانوں کی فتح عراق والجزیرہ کے زمانے میں یہ کشتی جودی پر اور ایک روایت کے مطابق باقرویٰ نامی بستی کے قریب موجود تھی۔ اور ابتدائی دور کے اہلِ اسلام نے اس کو دیکھا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی ہوائی جہازوں سے پرواز کرتے ہوئے بعض لوگوں نے اس علاقے کی ایک چوٹی پر ایک کشتی نما چیز پڑی دیکھی ہے جس پر شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ سفینہ نوح ہے۔ اتنے بڑے واقعہ اور اتنے بڑے حوالے کے بعد بھی کیا عبرت حاصل کرنے کیلئے کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو عبرت حاصل کرنا ہے اس کیلئے تو اس واقعہ میں عبرت کا بہت سامان موجود ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾

(دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۱۶)

قومِ نوح پر عذاب آنے سے پہلے ایک طویل عرصے تک حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا دین پہنچایا اور ان کے انکار کی صورت میں بار بار اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ڈرایا۔ اور ہر موقع پر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار نہ کیا اور اپنی زندگیوں میں تبدیلی کیلئے تیار نہ ہوئے تو پھر تم کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آسکتے ہو اور تمہاری بداعمالیاں کسی وقت بھی اس کے غضب کا باعث بن سکتی ہیں۔ لیکن اس قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت پر کان نہیں دھرا۔ حتیٰ کہ انہیں سنگسار کرنے کیلئے تیار ہوگئے۔ تب ان پر وہ عذاب آیا جسے ہم طوفانِ نوح کے نام سے جانتے ہیں اور جس نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اس کے حوالے سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھ لو میں نے عذاب سے پہلے اپنے پیغمبر کی معرفت کتنے طویل عرصے تک انہیں تنبیہات کیں اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیا۔ لیکن جب ان کی تکذیب اور سرکشی میں کوئی کمی نہ آئی تو پھر بالآخر میرا عذاب ان پر آیا اور اس عذاب کو غور سے دیکھو کہ اس نے ایک ایک بات سچی کر دکھائی جس سے ہمارا رسول ان کو ڈراتا رہا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

(اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۱۷)

قرآن کے آسان ہونے کا مفہوم

اس آیت کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم ایک آسان کتاب ہے جس کیلئے کسی محنت اور جان ماری کی ضرورت نہیں، حتیٰ کہ عربی زبان جانے بغیر بھی اسے نہ صرف سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے عالم ہونے کا دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کیلئے نہ حدیث کی ضرورت ہے نہ علمِ تفسیر جاننے کی اور نہ اس بات کو جاننے کی ضرورت ہے کہ اس کتاب سے احکام معلوم کرنے اور جزئیات کو استنباط کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ سیاق و سباق کو اگر غور سے دیکھا جائے تو جو بات بالکل صاف اور سیدھی بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی دعوت کے مخالفین نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے رسول نے

Marfat.com

انہیں اس تکذیب کے نتیجے میں عذاب سے ڈرایا تو وہ بجائے خوفزدہ ہونے کے اس پر اصرار کرنے لگے کہ آپ ہمیں عذاب لا کے دکھایئے تب ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانیں گے۔ ایسے لوگوں کو سمجھانے کیلئے یہ بات کہی جارہی ہے کہ تم کتنے نادان ہو کہ تم عذاب دیکھ کر قرآنِ کریم کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ حالانکہ عذاب آنے کے بعد تمہارے پاس اس کا موقع نہیں ہوگا کہ تم اس دعوت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکو۔ عذاب تو مکمل تباہی اور ہلاکت کا نام ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کیلئے قرآنِ کریم کو تمہارے لئے نہایت آسان کردیا ہے۔ اس میں دلائلِ آفاق بھی ہیں اور دلائلِ انفس بھی۔ اس میں تمہاری ذہنی الجھنوں کو بھی دور کیا گیا ہے اور تاریخ سے استدلال کرتے ہوئے تمہارے لئے عبرت حاصل کرنے کے مواقع مہیا کئے گئے ہیں۔ تمہاری عقل اور فطرت کیلئے وہ مقدمات مہیا کئے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر تم آسانی سے اپنے اشتباہات سے نکل سکتے ہو۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ تم بجائے قرآنِ کریم کی تعلیم و تذکیر سے فائدہ اٹھانے کے عذاب کی نشانی دیکھنے پر اصرار کررہے ہو۔ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے جو اس عظیم نعمت کو چھوڑ کر عذاب کے تازیانے پر اصرار کرے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾

(عاد نے بھی تکذیب کی، تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۱۸)

عبرت آموزی کیلئے قومِ عاد کا حوالہ

جس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی سرگزشت بیان فرمائی ہے اسی مقصد کیلئے عاد، ثمود، قومِ لوط اور آلِ فرعون کی سرگزشتیں بھی بیان کی جارہی ہیں۔ سب سے پہلے قومِ عاد کا وہ مرض بیان فرمایا گیا ہے جو ساری قوموں کا ایک مشترکہ مرض ہے۔ کیونکہ کسی قوم نے بھی اپنی طرف آنے والے اللہ تعالیٰ کے رسول کو آسانی سے قبول نہیں کیا۔ چنانچہ قومِ عاد نے بھی اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کی اور ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ انہوں نے بار بار انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہات کی گئیں لیکن انہوں نے کوئی بات مان کر نہ دی، بلکہ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ڈگر پر چلتے رہے حتیٰ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آگیا۔ چنانچہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ دیکھ لو کہ کس طرح میرے عذاب نے آخر ان کی جڑ کھود کر رکھ دی۔ اور اس سے پہلے میرے رسول نے بار بار ان تک میری تنبیہات پہنچائیں تاکہ وہ کل کو یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری طرف کوئی نذیر انذار کرنے کیلئے نہیں آیا تھا ورنہ ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بن جاتے۔

اِنَّـآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾
تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾

(ہم نے ان پر ایک بادِ تند بھیجی مسلسل نحوست کے دن میں۔ ۱۹) جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔ ۲۰)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بادِ تند کا عذاب بھیجا، ایک تیز آندھی آئی اور اس کی تفصیل ہم اس سے پہلے مختلف مواقع پر پڑھ چکے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ آندھی ایک دن نہیں بلکہ آٹھ دن اور سات راتیں پوری قوت سے چلتی رہی۔ اور اس کی وجہ سے اس قوم کے در و دیوار، ان کے مکانات، ان کے چوپال اور ان کے بڑے چھوٹے محلات اس طرح نحوست کی منہ بولتی تصویر بن گئے کہ ہر دیکھنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ علاقہ کسی بڑے عذاب کا شکار ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس عذاب کا آغاز بدھ کے دن سے ہوا اور پھر اسی نسبت سے بدھ کو منحوس ٹھہرا دیا گیا اور اس کی تائید میں بعض روایات بھی گھڑی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات صحیح نہیں ہے۔ روح المعانی میں علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ سارے دن یکساں ہیں، بدھ کی کوئی تخصیص نہیں۔ رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جو کسی کیلئے اچھی اور کسی دوسرے کیلئے بری نہ ہو۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کسی کیلئے موافق اور کسی کیلئے ناموافق حالات پیدا کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس تیز ہوا اور آندھی نے ان کا یہ حال کر دیا کہ وہ لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔ جب یہ بادِ تند چلنے لگی تو جو جہاں تھا وہیں زمین سے چمٹ کر رہ گیا، لیکن ہوا کا زور بڑھتا ہی گیا اس وجہ سے کسی کو اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اور ان کی لاشیں اس طرح بکھری ہوئی اور ہوا کے زور پر لڑھکتی پھرتی تھیں جس طرح کھجوروں کے کھوکھلے تنے لڑھکتے پھرتے ہیں۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

(تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۲۱) اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۲۲)

یہ دونوں آیتیں قومِ نوح کی سرگزشت کے آخر میں گزر چکی ہیں اور ان کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔ یہ ہر واقعہ کے آخر میں ٹیپ کے بند کے طور پر بار بار آ رہی ہیں۔ قریش اور مخالفین کے مخالفانہ رویئے کے باعث انہیں بار بار توجہ دلائی جا رہی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِىَ
الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ
الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ
وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾
فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

Marfat.com

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ
بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾
نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم
بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا
أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع

رکوع: ۲۔ (ثمود نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا۔ ۲۳) انہوں نے کہا ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے کیا اب ہم اس کی پیروی کریں گے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم کھلی گمراہی اور جہنم میں جا پڑیں گے۔ ۲۴) کیا ہمارے اندر سے اسی پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا ہے، نہیں، بلکہ وہ پرلے درجے کا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ ۲۵) وہ کل کو جان لیں گے کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ ۲۶) ہم اونٹنی کو ان کیلئے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں، تو آپ ان پر نگاہ رکھئے اور صبر کیجئے۔ ۲۷) اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہے، ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ ۲۸) پس انہوں نے اپنے آدمی کو پکارا، پس وہ بڑھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ ۲۹) تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۳۰) ہم نے ان پر ایک ہی ڈانٹ بھیجی، اور وہ باڑے والے کی روندی ہوئی باڑھ کے چورے کی طرح ہو کر رہ گئے۔ ۳۱) اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۳۲) قومِ لوط نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا۔ ۳۳) تو ہم نے ان پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دی، صرف آلِ لوط اس سے بچے، ہم نے ان کو نجات دی سحر کے وقت۔ ۳۴) خاص اپنے فضل سے، اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں ہر اس شخص کو جو شکر گزار ہوتا ہے۔ ۳۵) حضرت لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے خبردار کیا، لیکن وہ تنبیہات میں شک کا ہی اظہار کرتے رہے۔ ۳۶) اور انہوں نے حضرت لوط کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں، اور چکھو میرا عذاب اور میری تنبیہات۔ ۳۷) اور ان پر آ گیا صبح سویرے ایک اٹک جانے والا عذاب۔ ۳۸) پس چکھو میرا عذاب اور میری تنبیہات۔ ۳۹) اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۴۰)

Marfat.com

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾

(ثمود نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا۔ ۲۳) انہوں نے کہا ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے کیا اب ہم اس کی پیروی کریں گے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم کھلی گمراہی اور جہنم میں جا پڑیں گے۔ ۲۴)

قومِ ثمود کی سرگزشت کا حوالہ

قومِ ثمود نے بھی قومِ عاد ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کی۔ اور ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے۔ اور تکذیب کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا کہ ہم ایسی شخصیت کا اتباع کیسے کر سکتے ہیں جن میں تین باتیں ہیں جو ہمارے لئے نا قابلِ قبول ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ بشر ہے، نبوت اور رسالت بہت عظیم منصب ہے۔ وہ کسی بشر کو نہیں مل سکتا۔ اور دوسری یہ بات کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آیا کہ ہم اس کی بڑائی تسلیم کر لیں۔ وہ ہماری اپنی ہی قوم کا ایک فرد ہے۔ اگر کہیں باہر سے آیا ہوتا جس کی نسبت عظیم ہوتی اور وہ ہم سے برتر قوم سے تعلق رکھتا تو تب بھی ہم اس کی پیروی کر لیتے۔ تیسری بات انہوں نے یہ کہی کہ وہ اکیلا ہے جس کے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہیں۔ وہ کسی قبیلے کا سربراہ نہیں، وہ خدم وحشم کا مالک نہیں۔ تو آخر اس کی پیروی کیسے کریں۔ اور اگر ان تینوں باتوں کی موجودگی میں ہم اس کی پیروی کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم حقیقت سے بہت دور چلے گئے۔ اور آخرت میں ہم اسی کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ کیونکہ گمراہی اور جہنم میں ایسا التزام ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

(کیا ہمارے اندر سے اسی پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا ہے، نہیں، بلکہ وہ پرلے درجے کا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ ۲۵)

اول تو یہی بات قابلِ تسلیم نہیں کہ کسی بشر کو نبوت جیسا عظیم منصب مل جائے۔ لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے تو اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ اس کارِ عظیم کیلئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا گیا ہے جو قوم کا نہایت نا قابلِ ذکر آدمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا ہے، یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اس نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ بہت بڑا جھوٹا آدمی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ شیخی باز بھی ہے اسی لئے رسالت کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو بڑا آدمی ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾

(وہ کل کو جان لیں گے کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ ۲۶)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بات کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ ہمارے پیغمبر کے بارے میں جو انتہائی غلط باتیں کہہ رہے ہیں انہیں کل ہی یعنی بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا ہمارا رسول ہے یا یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ شیخی باز اور برخود غلط، ان میں سے ایک ایک شخص ہے یا ہمارا رسول ہے۔

Marfat.com

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾

(ہم اونٹنی کو ان کیلئے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں، تو آپ ان پر نگاہ رکھئے اور صبر کیجئے۔ ۲۷)

مخالفین کی یاوہ گوئی کا جواب یہ ہے کہ ہم ایک خاص اونٹنی کو ان کیلئے آزمائش بنا کر بھیج رہے ہیں۔ ان سے اس اونٹنی کے بارے میں کچھ وعدے لئے جائیں گے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں یا سچے۔ اب آپ کا کام صبر کے ساتھ ان کے رویئے کو دیکھنا ہے کہ وہ اونٹنی کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان میں شیخی باز کون ہے۔ آپ غور سے دیکھتے جایئے کہ اس آزمائش میں یہ پورا اترتے ہیں یا ناکام ہو جاتے ہیں۔

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ ۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

(اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہے، ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ ۲۸)

یعنی ان کے درمیان اور اونٹنی کے درمیان پانی کے ذخیرے سے پانی لینے کیلئے باریاں مقرر کر دی گئی ہیں۔ جو باری اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کیلئے مقرر کر دی گئی ہے کسی کیلئے اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ اس کی باری میں کوئی اس سے تعرض کرے۔ اگر انہوں نے اس باری کی پابندی نہ کی تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ کذابوں کا گروہ ہے۔ اور اگر ناقہ کو نقصان پہنچایا اور اپنی باری سے بڑھ کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شیخی باز لوگ ہیں۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

(پس انہوں نے اپنے آدمی کو پکارا، پس وہ بڑھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ ۲۹)

اونٹنی کے سلسلے میں وہ جس آزمائش میں ڈالے گئے تھے یعنی ان کیلئے پانی تقسیم کر دیا گیا تھا اور اس ناقہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فتنہ بنایا گیا تھا تا کہ انہیں آزمایا جائے کہ وہ اس کے حقوق ادا کرتے ہیں یا نہیں، لیکن وہ اس میں پورا نہ اترے۔ ایک عرصے تک تو اونٹنی ان کے درمیان دندناتی پھری اور یہ سمجھ کہ اس کی پشت پر کسی عظیم قوت کا ہاتھ ہے وہ اس سے تعرض نہ کر سکے۔ آخر اپنے میں سے ایک ایسے آدمی کو جوان میں سب سے زیادہ شقی اور لڑاکا تھا اسے تیار کیا کہ وہ اونٹنی کو مار ڈالے۔ چنانچہ وہ اٹھا اور اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

(تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ۳۰) ہم نے ان پر ایک ہی ڈانٹ بھیجی، اور وہ باڑے والے کی روندی ہوئی باڑھ کے چورے کی طرح ہو کر رہ گئے۔ ۳۱)

Marfat.com

اس عذاب کی تفصیل ہم اس سے پہلے مختلف مواقع پر پڑھ چکے ہیں۔ بادِ تند اور تیز بارش نے ان کو اس طرح ریزہ ریزہ کر ڈالا کہ جس طرح مویشی پالنے والے جانوروں کیلئے ایک باڑہ بناتے ہیں اور پھر ان کی حفاظت کیلئے اس کے ارد گرد لکڑیوں اور جھاڑیوں کی ایک باڑھ بنا دیتے ہیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ جھاڑیاں سوکھ کر جھڑ جاتی ہیں اور ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ قومِ ثمود بھی اسی طرح ریزہ ریزہ ہو کر رہ گئی۔ یعنی ان کی لاشیں بھی سلامت نہ رہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

(اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ٣٢)

اس کی تشریح گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾

(قومِ لوط نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا۔ ٣٣) تو ہم نے ان پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دی، صرف آلِ لوط اس سے بچے، ہم نے ان کو نجات دی سحر کے وقت۔ ٣٤) خاص اپنے فضل سے، اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں ہر اس شخص کو جو شکر گزار ہوتا ہے۔ ٣٥)

قومِ لوط کی سرگزشت کا حوالہ

قومِ لوط نے بھی اللہ تعالیٰ کے رسول کی تنبیہات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے نبی کی رسالت، اس کے لائے ہوئے پیغام اور نہ ماننے کی صورت میں اس کی تنبیہات کو جھٹلاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ان کی تکذیب اس حد تک پہنچی کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی جان کے دشمن ہو گئے اور شرافت کی ہر قدر کو انہوں نے پامال کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے ان پر ایک پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی۔ اس کی تفصیل ہم اس سے پہلے مختلف مواقع پر بیان کر چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان کے طور پر بھیجا گیا۔ وہ لوگ اپنی خست اور دنائت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر حملہ آور ہوئے اور ان سے مہمانوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بے حد منت سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز رہیں، مگر انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ تب لڑکوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر اپنی اصل حقیقت ظاہر کی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت کی کہ صبح ہونے سے پہلے وہ اس بستی سے نکل جائیں۔ اور ان کے نکلتے ہی ان پر ایک ہولناک عذاب نازل ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے حضرت لوط اور آلِ لوط کو ہر طرح کی ایذا سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نافرمان قوموں پر نازل ہونے والے عذاب سے انہیں متاثر نہیں ہونے دیتا۔

Marfat.com

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

(حضرت لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے خبردار کیا، لیکن وہ تنبیہات میں شک کا ہی اظہار کرتے رہے۔ ۳۶)

عذاب آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی تکذیب اوران کے مکروہ رویئے کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔ اور برابر انہیں تنبیہات کرتے رہے۔ لیکن قومِ لوط نے کبھی سنجیدگی سے انہیں نہ لیا۔ بلکہ جب بھی حضرت لوط انہیں ایسی کوئی تنبیہ کرتے تو وہ ہمیشہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

(اورانہوں نے حضرت لوط کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں، اور چکھو میرا عذاب اور میری تنبیہات۔ ۳۷)

اس بدنصیب قوم نے جب دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس چند خوبصورت لڑکے آئے ہیں تو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان لڑکوں کو حوالے کرنے کیلئے ہر طرح سے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ جب حضرت لوط علیہ السلام ان کی اس کمینہ حرکت پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو تب انہوں نے گھر میں زبردستی داخل ہو کر لڑکوں کو پکڑنا چاہا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔ جب کوئی قوم یا کسی قوم کے افراد اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہوتا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برسے۔ چنانچہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ اب میرے اس عذاب کا اور ان تنبیہات کے نتیجے کا مزہ چکھو جنہیں تم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾

(اور ان پر آ گیا صبح سویرے ایک ٹک جانے والا عذاب۔ ۳۸)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو جب بستی سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تو وہ رات کا پہلا حصہ تھا، لیکن صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے وہ اس علاقے سے باہر نکل چکے تھے تب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا جبکہ سحر طلوع ہو چکی تھی۔ اس طرح سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہلِ خانہ اور ان پر ایمان لانے والے ہر طرح سے محفوظ رہے۔ اس عذاب کی صفت کے طور پر مستقر کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی مستقل یا ٹک جانے والا عذاب۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عذاب ایسا نہ تھا جو ہوا کے ایک جھونکے کی طرح آیا اور نکل گیا۔ بلکہ ایسا عذاب تھا جو کسی قوم کی تباہی کیلئے آتا ہے اور پھر ان کی تباہی سے پہلے واپسی کا نام نہیں لیتا۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

(پس چکھو میرا عذاب اور میری تنبیہات۔ ۳۹) اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ ۴۰)

یہ وہی ٹیپ کی آیتیں ہیں جو اس سے پہلے گزر چکی اور ان کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا
فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ
بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ
الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى
وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى
النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ
بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ
اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَ
كُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾
فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

رکوع: ۳۔ (اورآلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئیں۔ ۴۱) انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے ان کو ایک غالب اور قوت والے کے پکڑنے کی طرح پکڑا۔ ۴۲) کیا تمہارے کفار ان قوموں کے کفار سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں کوئی معافی لکھی ہوئی ہے۔ ۴۳) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں، اپنا دفاع کرسکتے ہیں۔ ۴۴) عنقریب ان کی جمعیت شکست کھا جائے گی، اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ۴۵) بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور بڑا ہی کڑوا ہوگا۔ ۴۶) بے شک یہ گمراہ لوگ گمراہی میں ہیں اور جہنم میں پڑیں گے۔ ۴۷) جس دن یہ کافر لوگ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اس روز ان سے کہا جائے گا) اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزہ۔ ۴۸) ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی ہے۔ ۴۹) اور ہمارا حکم تو بس ایک ہی دفعہ پلک جھپکنے کی طرح پورا ہوگا۔ ۵۰) ہم تم جیسے لوگوں کو ہلاک

Marfat.com

کر چکے ہیں تو کوئی ہے ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنے والا۔ ۵۱) اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے سب رجسٹروں میں درج ہے۔ ۵۲) اور ہر چھوٹی بڑی بات ان میں لکھی ہوئی ہے۔ ۵۳) بے شک اللہ سے ڈرنے والے یقیناً باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ ۵۴) سچی عزت کی جگہ میں ایک بڑے مقتدر بادشاہ کے پاس۔ ۵۵)

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

(اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئیں۔ ۴۱) انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے ان کو ایک غالب اور قوت والے کے پکڑنے کی طرح پکڑا۔ ۴۲)

فرعون اور آلِ فرعون کا حوالہ

جن معذب قوموں کی سرگزشتوں سے استدلال کرتے ہوئے قریش کو سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے اس میں آخری سرگزشت فرعون اور آلِ فرعون کی بیان فرمائی گئی ہے۔ تفصیل اس لئے ذکر نہیں کی گئی کہ ہم اس سے پہلے متعدد مواقع پر اس سرگزشت کے مختلف اجزاء پڑھ چکے ہیں۔ یہاں اشارۃً صرف اتنی بات فرمائی گئی ہے کہ ہم نے فرعون اور آلِ فرعون کی طرف بھی اپنی تنبیہات بھیجیں۔ ہمارے رسول گئے اور انہیں ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ اور ان کے سامنے ایسے ایسے معجزات ظاہر کئے گئے جن کو دیکھنے کے بعد انکار اور تکذیب اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہو جاتی ہے۔ لیکن فرعون اور آلِ فرعون کے دل اس حد تک سخت ہو چکے تھے کہ انہوں نے ہر نشانی دیکھی اور اسے سحر قرار دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ قرآنِ کریم نے ان مختلف نشانیوں کو جابجا ذکر کیا ہے اور تورات میں تو تفصیل کے ساتھ انہیں بیان کیا گیا۔ لیکن جب ان پر اتمامِ حجت ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر بحر قلزم کے کنارے پہنچ گئے تو اس قوم نے آپ کا تعاقب کر کے آپ کو اور بنی اسرائیل کو تہِ تیغ کرنے کی کوشش کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح پکڑا جیسا ایک طاقتور کے پکڑنے کا حق ہوتا ہے۔ فرعون چونکہ اپنی حکومت کی قوت پر نازاں تھا۔ ہمعصر ممالک میں اس کی فوجوں کی برتری تسلیم کی جاتی تھی۔ اور کوئی ملک مصر کی طرح استحکام رکھتا تھا اور نہ خوشحالی رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مراعات نے بری طرح اس کا دماغ خراب کر دیا تھا اور وہ تکبر کی وجہ سے کسی کو بھی خاطر میں لانے کو تیار نہ تھا۔ تو اس کی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ہم نے اسے پکڑا تو اس طرح پکڑا جیسے زبردست اور بے پناہ قوت والا پکڑتا ہے تاکہ اس کی بڑائی کا خناس نہ صرف اس کے دماغ سے نکلے بلکہ اس کی ہمعصر دنیا پر بھی اس کی حقیقت پوری طرح واشگاف ہو جائے۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾

(کیا تمہارے کفار ان قوموں کے کفار سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں کوئی معافی لکھی ہوئی ہے۔ ۴۳)

Marfat.com

براہِ راست قریش سے خطاب

معذب قوموں کی سرگزشتوں کا حوالہ دینے کے بعداب براہِ راست قریش سے خطاب فرمایا جارہا ہے کہ تم نے متذکرہ بالا مثالوں میں دیکھا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف اس لئے آیا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے انذار کا مذاق اڑایا۔ بڑی سے بڑی نشانی دیکھ کر بھی اسے سحر قرار دے کر ماننے سے انکار کردیا۔ اور مخالفت میں شرافت کے ہر ٹانکے کو توڑ ڈالا۔ تو تب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کی کمر توڑ دی۔ اور آج بھی ان کے کھنڈرات عبرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ قریش کے لوگو! تم نے بھی وہی روش اختیار کررکھی ہے۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے انہوں نے تو سعادت اور ہدایت کی راہ اختیار کرلی۔ لیکن تم میں سے جن لوگوں نے بالکل گزشتہ قوموں کی طرح استکبار، انکار اور تمسخر کا طریقہ اختیار کیا تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آئے گا۔ جبکہ ان کا رویہ بالکل وہی ہے جس رویئے کی وجہ سے گزشتہ قومیں عذاب کا شکار ہوئیں۔ تو آخر تمہارے کفار میں ایسی کون سی خوبی ہے۔ جس کی وجہ سے تم یہ سمجھتے ہو کہ جن پر عذاب آنا تھا آ گیا لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آئے گا۔ جب جرم ایک ہے تو فیصلے مختلف کیوں ہوں گے۔ تمہاری اللہ تعالیٰ سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے کہ تم اپنے جرائم پر گرفت سے بچے رہو۔ اس کی ذات عادل ذات ہے وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔ اس لئے وہ تمہارے ساتھ اپنے عدل کے تقاضے اور اپنے قانون کے تحت معاملہ کرے گا۔ اس کا قانون یہ ہے کہ وہ محسنین کو دنیا و آخرت میں تقرب سے نوازتا ہے اور منکرین اور کافروں کو دنیا میں بھی تباہ کرتا ہے اور آخرت میں بدترین عذاب سے دوچار کرے گا۔

دوسری بات اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمائی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے شاید اس لئے بے نیاز اور نچنت ہو کے بیٹھے ہو کہ شاید آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی معافی لکھی گئی ہے کہ تم جو چاہو کرتے رہو ہم تمہیں کبھی سزا نہیں دیں گے۔ جس طرح یہود کو یہ غلط فہمی تھی کہ ہمیں جہنم کی آگ کبھی نہیں چھوئیگی۔ اور اسی تصور نے ان کی عملی زندگی تباہ کر کے رکھ دی۔ تمہیں بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ہی خوش فہمی ہے جس کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات ماننے سے انکار کرتے ہو۔ اور وہ عذاب سے ڈراتا ہے تو تم اس کا مذاق اڑاتے ہو۔ حالانکہ پہلی کتابوں کے پڑھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ بے ایمان اور بدعمل قوم کیلئے اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب میں کوئی معافی نامہ نازل نہیں فرمایا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

(کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں، اپنا دفاع کرسکتے ہیں۔ ۴۴) عنقریب ان کی جمعیت شکست کھا جائے گی، اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ۴۵)

قریش کی غلط فہمیاں اور ایک عظیم پیشگوئی

اب قریش سے منہ پھیر کر اور دوسروں کو متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان کی خوش فہمیوں کا سلسلہ جو رکتا دکھائی نہیں دیتا تو کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایک مضبوط جتھہ اور مضبوط جمعیت ہے۔ اور ہم دفاع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر ہم پر کسی طرف سے حملہ ہوا یا ہمیں کسی عذاب کا نشانہ بنایا گیا تو ہماری جمعیت اس کا مقابلہ اور دفاع کرے گی۔ دوسری آیتِ کریمہ میں ان کی حماقت کا طلسم

Marfat.com

توڑتے ہوئے فرمایا کہ تم جس جمعیت کو بڑا مضبوط سمجھتے ہو تمہیں اندازہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہاری جمعیت تو کوئی شے ہی نہیں۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ٹھہر نہیں سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا تو تم اس کے عذاب کی تاب نہیں لاسکو گے۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ ایک پیشگوئی ہے جو انتہائی نامساعد ماحول میں بڑے اعتماد کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور سننے والوں میں اس کے وقوع کا دور دور تک کوئی امکان نہ تھا۔ کیونکہ اس آیتِ کریمہ کا نزول ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی طاقت کا عالم یہ تھا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جا چکی تھی اور وہاں وہ بادشاہ کی پناہ میں بہت آرام سے زندگی گزار رہے تھے۔ اور پیچھے رہ جانے والے شعبِ ابی طالب میں محصور رہنے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکے تھے کیونکہ قریش کے مقاطعہ اور محاصرہ نے انہیں بھوکوں مار دیا تھا۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا تھا کہ عنقریب حالات میں ایسی تبدیلی آئے گی کہ وہ مسلمان جن کے پاس طاقت نام کی کوئی چیز نہیں وہ کفار کی قوت کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب سورۃ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کون سی جمعیت ہے جو شکست کھائے گی۔ مگر جب جنگِ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں۔ اور آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ ہزیمت جس کی خبر قرآنِ کریم میں دی گئی تھی۔ (ابنِ جریر، ابنِ ابی حاتم)

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾

(بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور بڑا ہی کڑوا ہوگا۔ ۴۶)

قریش ہی کے حوالے سے فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں ان کی جمعیت تو مسلمانوں کے ہاتھوں یقیناً شکست کھائے گی اور یہ لوگ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگیں گے۔ لیکن یہ ان کی آخری سزا نہیں۔ ان کو جو وعید سنائی جارہی ہے ان کے ظہور کا اصلی دن قیامت کا دن ہے۔ اس دن ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تب انہیں اندازہ ہوگا کہ قیامت کا دن بڑا کٹھن دن ہے یعنی ایسی مصیبت کا دن ہوگا کہ اس دن کسی کو کچھ سجھائی نہیں دے گا۔ اور ایسا کڑوا اور تلخ ہوگا کہ جس کی شدت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾

(بے شک یہ گمراہ لوگ گمراہی میں ہیں اور جہنم میں پڑیں گے۔ ۴۷)

عذابِ دنیا کے بعد عذابِ آخرت

آج ان مخالفین کو اپنی قوت و شوکت پر بڑا ناز ہے اور وہ عذاب اور جہنم کو ایک افسانہ سمجھتے ہیں لیکن قیامت کے دن وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے بھی رسول کے انذار کی تکذیب کی وہ سب گمراہی میں تھے۔ اور اس گمراہی کا نتیجہ جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاری ہوئی زندگی جنت کا استحقاق پیدا کر لیتی ہے اسی طرح گمراہی میں ڈوب کر جو زندگی گزرتی ہے اس کا ٹھکانہ یقیناً جہنم ہوگا۔

Marfat.com

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

(جس دن یہ کافر لوگ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اس روز ان سے کہا جائے گا) اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزہ۔ ۴۸)

قیامت کے روز بدترین انجام

قریش اور دیگر کفار کو آئینہ دکھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ آج یہ لوگ کیسے ہی استکبار کا اظہار کریں اور اپنے بارے میں کیسی ہی خود فریبی میں مبتلا ہوں، قیامت کے دن یہ ذلت کی بدترین تصویر ہوں گے۔ انہیں جہنم میں چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا۔ چہروں کے بل کسی کا گھسیٹا جانا ذلت کی بدترین صورت ہے۔ لیکن ان کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے محض غرور کے سبب سے ایک واضح حقیقت کو جھٹلایا۔ اور پھر انہیں یاد دلایا جائے گا کہ تم نہ قیامت کو مانتے تھے اور نہ قیامت کے عذاب کو۔ آج تم جہنم کے عذاب کی لپٹ کا مزہ چکھو تاکہ تمہیں اچھی طرح قیامت کا یقین آ جائے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

(ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی ہے۔ ۴۹)

ایک سوال کا جواب

یہ ایک سوال کا جواب ہے جو ذہنوں میں ابھرتا ہے ممکن ہے زبانوں پر بھی آتا ہو کہ قریش اور دیگر مخالفین نے افہام و تفہیم اور دعوت و تبلیغ اور ہمدردی اور خیر خواہی کی ہر کوشش کو حقارت سے ٹھکرایا۔ حتیٰ کہ گزشتہ معذب قوموں کی سرگزشتیں ان کے سامنے دہرائی گئیں کہ شاید وہ ان سے عبرت حاصل کریں۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برسے۔ تو قریش اور دیگر مخالفین اب تک اس سے بچے ہوئے کیوں ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ ایک مقررہ وقت پر بنتی ہے۔ ایک خاص شکل اختیار کرتی اور ایک خاص حد تک نشوونما پاتی ہے۔ اور ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے۔ اسی عالمگیر ضابطہ کے مطابق اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے جس کے تحت یہ دنیا ایک خاص وقت تک باقی رکھی جائے گی اور ایک وقتِ خاص پر اسے ختم کر دیا جائے گا۔ اسی کو اجلِ مسمیٰ کا نام بھی دیا جاتا ہے قوموں کے ساتھ معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کا اسی اصول پر ہے۔ کوئی قوم سرکشی کی راہ اختیار کرتی ہے تو وہ اس کو فوراً نہیں پکڑ لیتا بلکہ اس کو اتنی مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی خیر و شر کی تمام صلاحیتیں اجاگر کر سکے، تاکہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ یہی معاملہ قریش اور دیگر منکرین کا بھی ہے۔ انہیں ایک مہلتِ عمل دی گئی ہے تاکہ وہ اگر اپنی اصلاح کرنی چاہیں تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی ہدایت کے مطابق اصلاح کر لیں۔ اور اگر انہیں ہدایت سے یکسر انکار ہے تو پھر ان کو اس لئے مہلت دی گئی ہے کہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں تاکہ جب پکڑے جائیں تو انہیں یہ شکایت نہ ہو کہ ہمارے ساتھ جلدی کی گئی ہے۔ چنانچہ جیسے ہی ان کی مہلت ختم ہوگی تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان پر نافذ ہو جائے گا۔

Marfat.com

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۞۵۰

(اور ہمارا حکم تو بس ایک ہی دفعہ پلک جھپکنے کی طرح پورا ہوگا۔ ۵۰)

ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت

اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دونوں مرحلے ایک شکست و ریخت کا اور دوسرا نئی زندگی اور محشر میں حساب و کتاب کا۔ لوگ ان میں سے ہر مرحلے کو بے شک ناممکن کہیں اور امکان کی صورت میں اس کے وقوع پذیر ہونے کیلئے لمبی مدت کا گمان کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے کوئی چھوٹی بڑی بات تیاری کی محتاج نہیں ہوتی۔ ہم کسی چیز کے وجود میں آنے کیلئے ایک ہی دفعہ حکم دیتے ہیں اور پھر اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس حکم پر عمل اس قدر تیزی سے ہوتا ہے جس طرح چشم و ابرو کا اشارہ ظہور میں آتا ہے۔ اس لئے قریش اور دیگر مخالفین اگر قیامت یا عذاب سے اس لئے بے فکر بیٹھے ہیں کہ اولاً تو یہ ممکن ہی نہیں لیکن اگر امکان ہوا بھی تو اس کے وقوع پذیر ہونے کیلئے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ انہیں اچھی طرح اس بات کا استحضار پیدا کر لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی کام کیلئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو قیامت برپا کرنے یا عذاب لانے کیلئے بھی اسے کسی تیاری کی ضرورت کیوں ہوگی۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞۵۱

(ہم تم جیسے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں تو کوئی ہے ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنے والا۔ ۵۱)

آنحضرت ﷺ جب عذاب یا قیامت کا ذکر فرماتے تو مخالفین یہ کہتے کہ اگر عذاب کو آنا ہوتا تو اب تک آچکا ہوتا۔ اس کی تاخیر کا تو کوئی سبب ہمیں نظر نہیں آتا۔ تو یہ بے سبب تاخیر ہمارے نزدیک اس وجہ سے ہے کہ سرے سے عذاب یا قیامت کے آنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس واہمے کے ازالے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم نے گزشتہ معذب قوموں کی سرگزشتیں پڑھی ہیں جو سابقہ آیات میں ذکر کی گئی ہیں۔ آخر ان کے انجام سے تمہارے ذہنوں میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر وہ ہلاک کیے جا سکتے ہیں جو تمہاری نسبت ہر پہلو سے زیادہ مضبوط اور زیادہ ترقی یافتہ تھے تو تمہیں ہلاک کیے جانے میں آخر کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ تمہارے لئے عقل کی بات یہ ہے کہ دوسروں کے انجام سے سبق حاصل کرو۔ جو دوسروں کے انجام سے سبق حاصل نہیں کرتا اسے پھر زمانہ سبق سکھاتا ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۞۵۲ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۞۵۳

(اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے سب رجسٹروں میں درج ہے۔ ۵۲) اور ہر چھوٹی بڑی بات ان میں لکھی ہوئی ہے۔ ۵۳)

مخالفین کے ایک اور واہمے کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ زندگی میں جو اعمال کیے جاتے ہیں ان کا ریکارڈ کہاں ہوگا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی عمل ایسا نہیں جو کیا گیا ہو وہ سب رجسٹروں میں موجود ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات ان رجسٹروں میں لکھی ہوئی

Marfat.com

ہے۔اور یہی وہ نوشتے ہیں جو قیامت کے دن ہر شخص کے ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے۔اور ہر شخص اپنا اعمال نامہ دیکھ کر چیخ اٹھے گا کہ مَالِهٰذَاالْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا ''یہ اعمال نامہ کیسا ہے جس میں کوئی چھوٹی بڑی بات چھوڑی نہیں گئی بلکہ ہر بات کا شمار کرلیا گیا ہے۔''

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾

(بے شک اللہ سے ڈرنے والے یقیناً باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ ۵۴)

اس سے پہلے مجرمین اوران کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے،اب متقین کا ذکر کیا جارہا ہے۔متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے حضور پیشی اور جزاء وسزا سے برابر ڈرتے رہے۔انہوں نے ہر عمل کرنے سے پہلے کتاب وسنت کو دیکھا اوراس کے مطابق عمل کو شکل دی۔ اور پھر ہمیشہ عمل کے محرکات اوراپنے احساسات کو زیادہ سے زیادہ پاکیزہ بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ باغات عنایت فرمائے گا جن میں نہریں رواں دواں ہوں گی۔ ہر جنتی کیلئے کئی کئی باغات ہوں گے۔اور وہ ان میں اپنی چاہت کے مطابق محظوظ ہوگا۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

(سچی عزت کی جگہ میں ایک بڑے مقتدر بادشاہ کے پاس۔ ۵۵)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا اصل اعزاز یہ ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور وہ ایسا شہنشاہ ہے جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ملیک میں ملک سے بڑھ کر زور ہے اور مقتدر کی صفت اس زور میں مزید اضافہ کررہی ہے۔اس میں ایک بہت بڑی غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے۔بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی عزت و وجاہت کی اصل منزل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہوجائے۔اور یا وہ اللہ تعالیٰ میں ضم ہوجائے۔لیکن یہاں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہوجانے کا تصور ایک ایسی بے ہودگی ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔البتہ ایک انسان کا بلند سے بلند مقام اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب کی عزت عطا فرمائے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک محیطِ بے کراں ہے اور انسان اس کے سامنے ذراسی آب جُو ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایک بے پایاں سمندر ہے تو انسان ایک قطرہ ہے۔اس کی عزت یہ نہیں کہ وہ سمندر میں غرق ہوجائے۔کیونکہ سمندر سے مل جانے میں اس کی فنائیت مضمر ہے۔اس کی عزت اس میں ہے کہ وہ قطرہ رہ کر اپنے اندر سمندر کے خواص پیدا کرے۔اور یہی وہ چیز ہے جس کو قربِ الٰہی کہتے ہیں۔اوراسی کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ ''اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔'' اور آخرت میں بھی انتہائی قرب کے حوالے سے فرمایا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے عرشِ الٰہی کے سایہ تلے ہوں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ

(۵۵)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الرحمٰن ہے جو اس سورۃ کا پہلا لفظ ہے اور اسی کو نام قرار دیا گیا ہے۔

مقامِ نزول اور زمانۂ نزول: یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور اس کے مکی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض روایات میں بعض بزرگوں کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ لیکن ان ہی بزرگوں سے اس سورۃ کے مکی ہونے کو بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف پہلے قول کی نسبت صحیح نہیں۔ اور معتبر روایات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور فلاں سورۃ سے پہلے نازل ہوئی ہے جس کے مکی ہونے پر اتفاق ہے۔ اور جہاں تک اس میں بیان کردہ مضامین اور سورۃ کے اسلوب کا تعلق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے، مدنی نہیں۔

ایک روایت میں ہے جسے حاکم اور حافظ ابوبکر بزاز نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور لوگ تلاوت کے دوران خاموشی سے سنتے رہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جب یہ سورۃ جنوں کے سامنے پڑھی تھی تو انہوں نے اس کا بہت اچھا جواب دیا تھا، لیکن تم نے ویسا جواب نہیں دیا۔ میں جب اس سورۃ کی تلاوت کے دوران یہ آیت تلاوت کرتا تھا کہ ''اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' تو سننے والے جن اس کے جواب میں کہتے تھے لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ ''اے ہمارے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، حمد تیرے ہی لئے ہے۔'' اہلِ علم جانتے ہیں کہ لیلۃ الجن سے وہ رات مراد ہے جب آپ سفرِ طائف سے واپسی پر وادیٔ نخلاء میں رات کو اس سورۃ کی تلاوت کر رہے تھے کہ جنوں کا ایک گروہ وہاں سے گزرا تھا اور انہوں نے قرآنِ کریم سنا اور اس سے متاثر ہوئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو اس وقت جنات کے بارے میں علم نہیں ہوسکا، بعد میں پروردگار نے آپ کو یہ سب کچھ بتایا۔ اور اس کا ذکر سورۃ الاحقاف میں بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الاحقاف سے پہلے سورۃ الرحمٰن نازل ہو چکی تھی۔ اسی لئے سورۃ الاحقاف میں جنات کے اس سورۃ کو سننے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ طائف کا سفر دس سنِ نبوی میں پیش آیا تھا۔ اور ایک اور روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ ابنِ اسحاق حضرت عروہ بن زبیرؓ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرام نے آپس میں کہا کہ قریش نے کبھی کسی کو علانیہ باآوازِ بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا۔ ہم میں سے کون ہے جو ایک دفعہ ان کو یہ کلام پاک سنا ڈالے۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے کہا: میں یہ کام کرتا ہوں۔ صحابہ نے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ تم پر زیادتی کریں گے۔ ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہئے جس کا

Marfat.com

خاندان زبردست ہوتا کہ اگر قریش کے لوگ اس پر دست درازی کریں تو اس کے خاندان والے اس کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے یہ کام کر ڈالنے دو، میرا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے جبکہ قریش کے سردار وہاں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے۔ حضرت عبداللہ نے مقامِ ابراہیم میں پہنچ کر پورے زور سے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش کے لوگ پہلے تو سوچتے رہے کہ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر جب انہیں اندازہ ہوا کہ یہ وہ کلام ہے جسے محمد (ﷺ) کلام اللہ کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر تھپڑ مارنے لگے۔ مگر حضرت عبداللہ نے پرواہ نہ کی، پٹتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے۔ جب تک ان کے دم میں دم رہا قرآن سنائے چلے گئے۔ آخر کار جب وہ اپنا سوجا ہوا منہ لئے کر پلٹے تو ساتھیوں نے کہا: ہمیں اسی چیز کا ڈر تھا۔ انہوں نے جواب دیا آج سے بڑھ کر یہ خدا کے دشمن میرے لئے کبھی اتنے ہلکے نہ تھے، تم کہو تو کل پھر انہیں قرآن سناؤں۔ سب نے کہا: بس اتنا ہی کافی ہے۔ جو کچھ وہ نہیں سننا چاہتے تھے وہ تم نے انہیں سنا دیا۔ (سیرت ابنِ ہشام، جلد اول: ص، ۳۳۶)

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے تمہید کے طور پر اللہ تعالیٰ کا وہ نام ذکر کیا گیا ہے جو اس کی صفتِ رحمت کا مظہر ہے۔ اس کی رحمت تمام مخلوقات کیلئے عام بھی ہے لیکن ہر مخلوق کی حالت و کیفیت کے مطابق اپنا اظہار رکھتی ہے۔ چنانچہ انسان کیلئے اس کی صفتِ رحمت کا سب سے زیادہ اظہار اس کی معنوی اور روحانی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ہوا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے قرآنِ کریم کے نزول اور اس کی تعلیم کا ذکر فرمایا۔ اور پھر اس احسان کی تکمیل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کو بیان و ادراک کی قوت بھی عطا فرمائی تا کہ وہ اس قرآن سے استفادہ بھی کرے اور اس کے افادہ کا فرض بھی انجام دے۔

مزید فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز چاہے وہ اجرامِ فلکی ہوں یا زمین پر بسنے والی مخلوقات، اللہ تعالیٰ نے سب کی زندگیوں کو راست رکھنے اور محفوظ کرنے کیلئے انہیں ایک قانون اور ضابطہ کا پابند ٹھہرایا ہے۔ سورج اور چاند ایک ضابطے میں بندھے ہوئے ہیں۔ اور تارے اور درخت وہ بھی اس کی حکمرانی کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس سے اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اور فرمانروائی کا احساس ہوتا ہے تو دوسری طرف کائنات کی ہر چیز کی بندگی اور تابع فرمان ہونے کا بھی یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ حقیقت واشگاف فرمائی ہے کہ کائنات کی بلند سے بلند تر مخلوق اور زمین کی پست سے پست تر مخلوق کی زندگی توازن کی وجہ سے قائم ہے۔ جن و انس کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان میں کہیں بھی تصادم نہیں ہوتا۔ اور کوئی کسی حادثے کا شکار نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک قانون کے تابع فرمان ہونے اور ایک ایسے نظام کے پابند ہونے کی وجہ سے جس میں نہایت توازن پایا جاتا ہے ان کو ایک ایسے عدل پر قائم کر دیا گیا ہے، جس میں کسی بگاڑ اور کسی تصادم کا کوئی اندیشہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر مخلوقات میں سے بعض نمایاں نشانیوں کو اس لئے ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ خالق کائنات عدل پسند ہے۔ اپنی اس دنیا کے کسی گوشے میں وہ تعدی، طغیان اور حدود سے تجاوز کو پسند نہیں فرماتا۔

Marfat.com

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ ربوبیت کو بیان فرماتے ہوئے مختلف پھلوں اور مختلف غلوں کا ذکر فرمایا ہے جس میں اس کی شانِ ربوبیت بھی جھلکتی ہے اور شانِ رحمت بھی۔ ایک طرف تمام مخلوقات کیلئے جسمانی غذا فراہم کی گئی ہے اور دوسری طرف وہ مخلوقات جن کو ذوقِ جمالیات بخشا گیا ہے ان کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان نعمتوں کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ جن وانس سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حکمران اور اپنا آقا سمجھو اور اس کیلئے بندگی کے اطوار اختیار کرو۔ اور اگر تم اس میں کوتاہی کرو گے تو پھر تم ہی بتلاؤ کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

پھر انسان اور جن دونوں کو یہ حقیقت یاد دلائی گئی ہے کہ اس کائنات میں ایک خدا کے سوا کوئی غیر فانی اور لازوال نہیں ہے۔ اور چھوٹے سے بڑے تک کوئی موجود ایسا نہیں جو اپنے وجود اور ضروریاتِ وجود کیلئے اللہ تعالیٰ کا محتاج نہ ہو۔ زمین سے لے کر آسمانوں تک شب و روز جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسی کی کارفرمائی سے ہو رہا ہے۔

اس کے بعد جن وانس پر اپنی عنایات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے مادۂ تخلیق اور جنوں کے مادۂ تخلیق کا ذکر فرمایا ہے تاکہ دونوں مکلف مخلوقات اپنی بے بضاعتی کے باوجود اپنی ترقی، اولوالعزمی، مہمات پسندی اور ذوقِ ایجاد کو دیکھتے ہوئے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو محسوس کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔

پھر یہ بھی احساس دلایا گیا ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی کے تصرف میں ہے۔ مشرق و مغرب دونوں کا رب وہی ہے۔ جو طلوع ہوتے ہیں اسی کے حکم سے طلوع ہوتے ہیں۔ اور جو ڈوبتے ہیں اسی کے حکم سے ڈوبتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب جن وانس دونوں سے بازپرس کی جائے گی۔ اس بازپرس سے تم بچ کر کہیں نہیں جاسکتے، اللہ تعالیٰ کی خدائی تمہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اس سے نکل کر بھاگ جانا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ اگر تم اس گھمنڈ میں مبتلا ہو کہ اس سے بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دیکھو۔ اس کے بعد قیامت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ حساب کتاب اور جزائے اعمال کا ایک دن ضرور آئے گا۔ اس دن نہ کوئی انسان خدا کے قابو سے باہر نکل سکے گا اور نہ کوئی جن۔ اس دن کسی مجرم کا جرم ثابت کرنے کیلئے کسی ثبوت اور گواہی کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ مجرموں کی پیشانیاں خود ان کے مجرم ہونے کی گواہی دیں گی۔ پھر وہ چوٹی اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد سورۃ کے آخر تک وہ انعامات بیان کئے گئے ہیں جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عطا فرمائے گا جن میں انسان بھی ہوں گے اور جن بھی ہوں گے۔ مقربین کو جو جنتیں ملیں گی ان کو بھی بیان کیا گیا ہے اور جو اصحاب الیمین کو ملیں گی ان کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس سورۃ کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ بتمام وکمال خطابت کی زبان میں ہے۔ ایک پُر جوش اور نہایت بلیغ خطبہ ہے جس میں ان لوگوں کو پوری طرح جھنجھوڑا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے متمتع تو ہوتے ہیں اس کے کمالات اور اس کی قدرتوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن نہ اس کا شکر بجالاتے ہیں اور نہ اس کے سامنے جواب دہی سے ڈرتے ہیں۔ ان سے بار بار پوچھا گیا ہے کہ تم آخر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، قدرتوں اور کمالات سے کیسے انکار کرو گے۔ اور جب تم انکار نہیں کرسکو گے تو پھر اس کے نتیجے میں جس سزا کے تم سزاوار ٹھہرو گے اس سزا سے تمہیں ضرور گزرنا ہوگا۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٧٨	سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ (٥٥)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۙ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءَ
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيْمُوا
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ ﴿١٠﴾
فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ
وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ ﴿١٥﴾ فَبِاَىِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ ﴿١٧﴾ فَبِاَىِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ ﴿٢٠﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ
وَالْمَرْجَانُ ۚ ﴿٢٢﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ
فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ ﴿٢٤﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ا۔ (رحمٰن نے۔ ۱) قرآن کی تعلیم دی ہے۔ ۲) اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ ۳) اور اسے گویائی سکھائی۔ ۴) سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔ ۵) اور ستارے اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں۔ ۶) اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور اس میں میزان رکھی۔ ۷) یہ کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ ۸) اور ٹھیک تولو انصاف کے ساتھ، اور وزن میں کمی نہ کرو۔ ۹) اور زمین کو اس نے بچھایا مخلوقات کیلئے۔ ۱۰) اس میں میوے اور کھجور ہیں جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ۱۱) اور بھس والے غلے بھی ہیں اور خوشبودار پھول بھی۔ ۱۲) پس اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۳) اس نے انسان کو پیدا کیا ٹھیکری جیسے سڑے ہوئے گارے سے۔ ۱۴) اور جنات کو پیدا کیا، آگ کے شعلہ سے۔ ۱۵) تو اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۶) وہی دونوں مشرق کا رب ہے اور وہی دونوں مغرب کا رب ہے۔ ۱۷) تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۸) اس نے چھوڑے دو سمندر اور وہ دونوں آپس میں ٹکراتے ہیں۔ ۱۹) لیکن ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ ۲۰) تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۱) ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ ۲۲) پس اے جن و انس تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۳) اور اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح اٹھے ہوئے جہاز۔ ۲۴) پس اے جن و انس تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۵)

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲

(رحمٰن نے۔ ۱) قرآن کی تعلیم دی ہے۔ ۲)

نزولِ قرآن اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت ہے

اس سورۃ کا پہلا لفظ الرحمٰن ہے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا تعارف بھی ہے اور بعض اعتراضات کا جواب بھی۔ تعارف ان معنوں میں کہ انسان ایک مخلوق ہے اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔ اس مخلوق کی جسمانی ضروریات ہیں، ان ضروریات کی فراہمی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک وسیع دسترخوانِ ربوبیت پھیلا رکھا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا رب ہے۔ لیکن یہ تعارف جس طرح انسان کیلئے کافی ہے اسی طرح حیوانات اور دیگر مخلوقات کیلئے بھی کافی ہے۔ کیونکہ تمام مخلوقات اسی نے تخلیق فرمائی ہیں اور وہی ہے جو ہر مخلوق کو روزی فراہم کر رہا ہے اور ان کی ہر طرح کی ضروریات کو مہیا فرما رہا ہے۔ لیکن انسان اس کے علاوہ بھی اپنے وجود کے تقاضے رکھتا ہے۔ اس کے اندر ایک جمالیاتی ذوق بھی ہے۔ اسے جوہرِ عقل سے بھی نوازا گیا ہے۔ اس کے اندر خیر و شر میں امتیاز کی قوت بھی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اندر منفی جذبات بھی رکھتا ہے۔ خواہشات کا اسیر بھی ہے۔ ہوائے نفس کے تقاضے اسے راہ سے اتار بھی سکتے ہیں۔ اور اس کے منفی جذبات اس سے ان امور کو بھی صادر کروا سکتے ہیں جنہیں خود اس کی عقل اور اس کی اخلاقی حِس غلط سمجھتی ہے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے رحمٰن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صفتِ تخلیق نے تو دوسری مخلوقات کی طرح انسان کو پیدا کیا۔ لیکن اس کی صفتِ رحمت نے اسے ذوقِ جمال سے نوازا۔ اسے تنوع پسند بنایا۔ اسے نازک احساسات اور پاکیزہ

Marfat.com

جذبات سے آراستہ کیا۔ وہ دوسری مخلوقات کی طرح صرف جسمانی ضرورتیں نہیں رکھتا بلکہ اپنے اندر ایک ایسے نظام کی طلب رکھتا ہے جو اس کے منفی جذبات کو سرد رکھے اور مثبت جذبات کو بروئے کار لائے، جو اس کی خواہشات اور ہوائے نفس کو عقل اور اخلاق پر غالب نہ آنے دے۔ اور جو معاملات کی دنیا میں اسے ہوس اور مفاد کی محبت کی بجائے ایک توازن، عدل اور ایثار کا پیکر بنائے۔ چنانچہ یہ وہ ربوبیتِ معنوی اور روحانی ہے جس نے انسان کی انسانیت کو محفوظ رکھا، اور جس نے اسے باقی مخلوقات پر شرف عطا فرمایا۔ اور یہ اس کی صرف صفتِ ربوبیت نہیں بلکہ اس کی رحمت کا ظہور ہے۔ چنانچہ اسے بروئے کار لانے کیلئے اس نے جن وانس کو سختی، تشدد اور عذاب کے ذریعے راہِ راست پر رکھنے کی بجائے تعلیم و تربیت سے راہِ راست پر چلانے کو پسند فرمایا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ کیونکہ قرآنِ کریم کے اندر وہ رہنمائی اور وہ نظامِ زندگی موجود ہے جس کو بروئے کار لانے سے انسانی زندگی میں ہمواری اور خوش اطواری پیدا ہو سکتی ہے۔ اور ساتھ یہ ساتھ اسی سے مشرکینِ مکہ کا یہ اعتراض بھی رد کیا گیا ہے کہ قرآن شاید محمد (ﷺ) کی اپنی تصنیف ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ ان کی تصنیف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا معاملہ کرتے ہوئے اسے اس کی تعلیم دی ہے۔ اور اسے باقی نوعِ انسانی کی تعلیم کیلئے واسطہ بنایا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

(اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ ۳) اور اسے گویائی سکھائی۔ ۴)

تخلیقِ انسان کا تقاضا انسان کی ہدایت ہے

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک ایسی صفت کا ذکر فرمایا ہے جسے اہلِ عرب تسلیم کرتے تھے، لیکن اسے تسلیم کرنے کے بعد اس سے جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں ان پر کان دھرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانتے ہو تو تمہیں یہ بات کیوں سجھائی نہیں دیتی کہ جو کسی چیز کو تخلیق کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو وہ راستہ بتائے جس سے وہ اپنے مقصدِ وجود کو پورا کر سکے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ خالق نہیں اور یا وہ تخلیق کے تقاضوں کو نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بدرجہا بلند ہے کہ اس کے بارے میں ایسی بدگمانی کی جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے خالق ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے کہ وہ انسانوں کو اپنا مقصدِ وجود پورا کرنے کا ایک نظام بھی عطا فرمائے گا اور اس کا فہم بھی بخشے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ''بے شک ہدایت اور رہنمائی ہماری ذمہ داری ہے۔'' ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ''یہ اللہ کے ذمہ ہے کہ سیدھا راستہ بتائے، اور ٹیڑھے راستے بہت سے ہیں۔'' چنانچہ اس نے سیدھا راستہ بتانے کیلئے قرآن اتارا، اور اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ بیان: بولنے اور گویائی کو کہتے ہیں۔ لیکن معمولی تدبر کے بعد یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ صرف بول لینا انسانی ضرورت کی کفایت نہیں کرتا۔ کیونکہ بول تو طوطا بھی سکتا ہے اگر اس کے سدھایا جائے۔ لیکن صرف بولنے سے اس کے اندر آدمیت تو نہیں آ جاتی۔ ذوق نے ٹھیک کہا:

آدمی کچھ اور شے ہے، آدمیت اور ہے
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

Marfat.com

کیونکہ اس گویائی اور اظہار مافی الضمیر کے پیچھے خیر وشر اور بھلائی اور برائی میں امتیاز کی قوت اور جوہر عقل کی نمود بھی ضروری ہے ورنہ ان کے بغیر صرف بول لینا انسانی ضروریات کیلئے کافی نہیں۔ ایک آدمی اگر عقل وشعور، فہم وادراک، تمیز وارادہ، اور دوسری ذہنی قوتوں سے مالا مال نہیں تو محض اس کے بولنے کی قوت اسے نہ تو دوسرے حیوانات سے ممیز کرتی ہے اور نہ اس سے انسانیت کی خدمت ہوتی ہے۔ اور پھر قرآنِ کریم کے نزول کے بعد اس پر ایمان لانے والوں کو اس کے دیئے ہوئے پیغام کو دوسرے تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے اور جس ذاتِ عزیز پر یہ قرآنِ کریم اتارا گیا ہے اسے خاتم النبیین بنایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے آخری رسول پر ایمان لاکر اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کو مان کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ درحقیقت ایک مبلغ اور منادی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس پہلو سے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان، یعنی دوسروں تک اس پیغام کو پہنچانے کی صلاحیت دے کر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور انسان نے اسی صلاحیت کو آگے بڑھاتے ہوئے استدلال، استنباط اور اجتہاد کے اصول وضع کیے، اس کی تربیت کے ادارے کھولے، اس کیلئے کتابیں مرتب کی گئیں، پھر اس کیلئے رجال سازی کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے مدارس کھولے گئے اور ایک باقاعدہ نظام تعلیم وتربیت وجود میں آیا۔ اور یہ سب کچھ اس بیان کا تقاضا اور اس کا شاخسانہ ہے جس کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر کیا گیا۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶

(سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔ ۵) اور ستارے اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں۔ ۶)

کائنات کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابند ہے

انسانوں کیلئے قرآن کی صورت میں ایک نظامِ زندگی کا ذکر کرنے کے بعد ایک ایسی بات ارشاد فرمائی گئی ہے جس سے انسانوں کیلئے اس نظامِ زندگی کی پیروی، انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اس کی تنفیذ، اس کی تعلیم وتربیت اور اس کی نشر واشاعت کی پابندی کا احساس ابھرتا ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ یہی درحقیقت وہ چیز ہے جو ہماری بقاء اور فوز وفلاح کی ضامن ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ تم اجرامِ فلکی کو دیکھو جن میں سب سے بڑے سیارے سورج اور چاند ہیں۔ تم نے کبھی دیکھا ہے کہ سورج نے کبھی اپنا فرض انجام دینے میں کوتاہی کی، کبھی اس نے اپنا محور بدلا ہو، کبھی اس نے راستہ بدلنے کی کوشش کی ہو، اور اس نے کبھی طلوع وغروب میں پس وپیش کا ثبوت دیا ہو۔ اسی طرح چاند، اس نے کبھی اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہو، کبھی اس نے اپنی منزلیں بدلی ہوں، کبھی اس نے اپنے فرائض کے ضابطے میں تبدیلی کی ہو۔ دونوں نہایت نظم وضبط کے ساتھ اس فرض کو انجام دے رہے ہیں جو ان پر عائد کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ''نہ سورج کیلئے یہ روا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے، اور نہ رات کو یہ حق ہے کہ وہ دن سے سبقت کر جائے، ہر ایک اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔'' اس کے نظم وضبط نے انسانوں کیلئے حساب کا ایک ایسا معیار قائم کر دیا ہے کہ نہ کبھی شمسی حساب میں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے اور نہ قمری حساب میں آج تک کبھی کسی غلطی کا امکان ہوا ہے۔ ورنہ ہماری جنتریاں اور ہمارے حساب کے تمام قواعد وضوابط غلط ہو کر رہ جاتے۔ اور اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ستارے ہوں یا درخت یعنی دیگر اجرامِ فلکی ہوں یا زمین پر سر اٹھا کر کھڑے ہونے والے درخت یا دیگر نباتات وہ سب اللہ تعالیٰ کے نافذ کردہ قانون کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ زمین نے آج تک کبھی نباتات کو

Marfat.com

اگانے میں پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ سورج نے کبھی غلے کو پکانے میں تساہل نہیں برتا۔ اس کی کرنوں نے کبھی سمندر سے پانی کے بھاپ اٹھانے میں دریغ نہیں کیا اور ہواؤں نے آبیاری میں اپنا فرض انجام دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور پھر یہ عناصر باہمی تخالف کے باوجود ایک برتر قانون کے سامنے اس طرح توافق کا اظہار کرتے ہیں کہ کبھی اس میں انحراف کا پہلو سامنے نہیں آتا۔ اور کبھی کسی جگہ کوئی فساد رونما نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نافذ کردہ تکوینی نظام پوری طرح کائنات کی ہر مخلوق اور ہر ذرے پر نافذ ہے اور اس قانون کی اطاعت میں جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کبھی کسی کی طرف سے معصیت یا سرکشی کا ظہور نہیں ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری کائنات جن وانس کے علاوہ اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہے، اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہے اور کبھی اس میں کسی فساد یا خلل کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا۔ جن وانس کیلئے بھی عافیت کا راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ وہ نظام جو اس نے قرآن کی صورت میں جن وانس کا عطا فرمایا ہے اگر خوش دلی، خوش اسلوبی اور پوری آمادگی سے زندگی کے ہر دائرے میں اس کی اطاعت اور پابندی قبول کرلی جائے تو ہر طرح کی خرابی دور ہوسکتی ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی جائے، حقوق کے ادا کرنے میں پس وپیش نہ ہو، اپنی حیثیت کو پہچان کر اپنی حدود میں رہا جائے اور دوسرے کی حیثیت کو جان کر کبھی اس میں خلل انداز ہونے کی کوشش نہ کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون حواس وعقل، فہم وادراک سے لے کر گھروں، محلوں، بازاروں، منڈیوں، عدالتوں سے گزرتا ہوا ایوان ہائے حکومت تک پوری طرح کارفرما ہو تو کسی جگہ کسی خرابی کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿۷﴾

(اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور اس میں میزان رکھی۔ ۷)

آسمان کا وجود اور اس کی بلندی عدل اور توازن کے باعث ہے

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اس قدر بلند کیا ہے کہ آج تک اس کی بلندی کا اندازہ نہیں کیا جاسکا۔ سائنس دان آج تک اس کے وجود کو نہ جان سکے اور اس دکھائی دینے والی نیلگونی چیز کو حدِ نگاہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن آسمان کے وجود سے ان کی بے خبری کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ عدمِ علم عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ کتنے ایسے حقائق ہیں جن سے آگاہی سائنس نے رفتہ رفتہ حاصل کی ہے۔ اسی طرح آج بھی بہت سی ایسی حقیقتیں ہیں جن کی طرف سفر جاری ہے لیکن منزل اب تک بھی کوسوں دور معلوم ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نہ کسی دن سائنس آسمان کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے۔ لیکن ہمارے لئے مخبرِ صادق ﷺ کی خبر کافی ہے کیونکہ آپ معراج کے سفر میں نہ صرف آسمانوں کو دیکھ چکے ہیں بلکہ ان کی سیر بھی کر چکے ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جتنے بھی عظیم انبیاء ورسل تشریف لائے ہیں سب نے آسمان کے وجود کا اعتراف کیا اور خبر دی ہے۔ اور مزید یہ کہ اتنی عظیم مخلوق کے اعتراف کے باوجود آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ اسے ستونوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ ایک بے ستون چھت ہے جس نے ساری کائنات کو گھیر رکھا ہے۔ اور اس کے ثابت وقائم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک میزان رکھی ہے۔ اور بیشتر مفسرین نے میزان سے مراد عدل اور توازن لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اس پورے

Marfat.com

نظام کو عدل پر قائم کیا ہے۔ اور یہ بے حد وحساب تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں اور یہ عظیم الشان قوتیں جو اس عالم میں کام کر رہی ہیں اور یہ لاتعداد مخلوقات اور اشیاء جو اس جہان میں پائی جاتی ہیں ان سب کے درمیان اگر کمال درجہ کا عدل و توازن نہ قائم کیا ہوتا تو یہ کارگاہِ ہستی ایک لمحہ کیلئے بھی نہ چل سکتی تھی۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ﴿۸﴾

(یہ کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ ۸)

انسان کی عافیت بھی عدل اور توازن میں ہے

یعنی جس طرح ساری کائنات توازن اور عدل کے ذریعے اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے اور اپنے مقاصدِ حیات کو بروئے کار لا رہی ہے اور جس میں کہیں جھول پیدا نہیں ہوتا، تم بھی اسی طرح اپنی زندگی کے نظام کو عدل پر قائم کرو۔ یعنی زندگی کے جس دائرے میں تمہیں اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اس میں اپنے اختیار کی صحیح حدود کو سمجھو، اور پھر اس سے سرمو انحراف نہ کرو۔ جن حقداروں کے حقوق تمہارے تصرف میں ہیں ان کے حقوق ادا کرو۔ اور اپنے فرائض کے کبھی تارک نہ بنو۔ جب زندگی کے ہر دائرے میں تم ظلم اور سرکشی کو ختم کر دو گے تو تمہاری زندگی بھی باقی کائنات کی طرح ہر طرح کے فساد اور ہر طرح کی خرابی سے بچ جائے گی۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ﴿۹﴾

(اور ٹھیک تولو انصاف کے ساتھ، اور وزن میں کمی نہ کرو۔ ۹)

میزان کی حقیقت کو انسانی زندگی میں ملحوظ رکھنے کا حکم

اوپر کی دو آیات میں ہمیں اس بنیادی حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ آسمان کا بے ستون قائم ہونا اور کائناتی نظام کا بے غل وغش جاری وساری رہنا صرف ایک میزان اور توازن کی وجہ سے ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے قیام و بقاء کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی اس منشاء کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اپنے دائرہ اختیار میں اسی طرح توازن، عدل اور قسط کو ملحوظ رکھیں۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد اب ایک دوسری حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایک میزان پر قائم کیا ہے اور وہ انسانوں سے بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اپنے دائرۂ کار میں اس توازن، عدل اور قسط کو قائم رکھے۔ وہ اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ انسان روزمرہ کے لین دین اور ناپ تول میں ڈنڈی مارے، توازن اور انصاف کے اصولوں کو مجروح کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا ایک منفرد برائی نہیں بلکہ پورے نظامِ تمدن کو درہم برہم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور جب کوئی قوم اس فساد کو قبول کر لیتی ہے تو وہ درحقیقت اپنے نظامِ بقاء کو خطرے میں ڈال دیتی ہے۔ قومِ شعیب کی سرگزشت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ نہ صرف اس برائی میں مبتلا تھے بلکہ یہ برائی ان کی دوسری برائیوں سے بھی نمایاں ہو گئی تھی، اور جس نے ان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا تھا۔ تو

Marfat.com

آخر یہی برائی ان کی تباہی کا باعث بنی۔ اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ناپ تول میں کمی صرف کاروبار اور تجارت تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے برے اثرات زندگی کے ہر دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے اس قوم کے تمدن کا ہر ٹانکا ادھڑ کے رہ جاتا ہے۔ اور وہ قوم نہ صرف اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے توڑ لیتی ہے بلکہ اس کے اندر سے عدل اور انصاف بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۪ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾

(اور زمین کو اس نے بچھایا مخلوقات کیلئے۔ ۱۰) اس میں میوے اور کھجور ہیں جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ۱۱) اور بھس والے غلے بھی ہیں اور خوشبودار پھول بھی۔ ۱۲)

زمین پر پھیلے ہوئے خوانِ ربوبیت کا ذکر

آسمان کے ذکر کے حوالے سے بعض اہم حقائق کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب زمین کا ذکر فرمایا جارہا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خوانِ ربوبیت بچھا رکھا ہے۔ اور الفاظ کا انتخاب بلاغت کا شاہکار ہے۔ آسمان کیلئے رَفَع کا لفظ استعمال فرمایا، اور زمین کیلئے وضع کا لفظ۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ آسمان کو اس طرح بلند کیا جس طرح چھت کو بلند کیا جاتا ہے۔ اور زمین کو فرش کی طرح بچھا دیا۔ اس طرح سے مخلوقات کیلئے زمین و آسمان کی صورت میں ایک آرام دہ مکان بنا دیا۔ اور پھر جس طرح آسمان میں سورج، چاند اور ستاروں کے چراغ اور قمقمے روشن کیے تاکہ اس گھر کو روشنی اور حرارت ملے۔ اسی طرح زمین کو مختلف قسم کے پھلوں، غلوں اور پھولوں سے گراں بار کر دیا تاکہ اس زمین پر رہنے والوں کو غذا میسر آئے۔ اور غذا بھی ایسی جس سے ہر نوع کی مخلوق متمتع ہو سکے۔ اور پھر ان نعمتوں کی صورت میں صرف پیٹ بھرنے کا انتظام نہیں کیا بلکہ لذتِ کام و دہن کا سامان بھی کیا اور جمالیاتی ذوق کی تسکین کا بھی۔ پیٹ بھرنے کیلئے اگر غلے پیدا فرمائے تو لذتِ کام و دہن کیلئے قسم قسم کے میوے پیدا کیے۔ اور ذوقِ جمال کی تسکین کیلئے خوشبودار پھول پیدا فرمائے۔ اور شوقِ آرائش کا سامان کرنے کیلئے ان کو ایسے رنگ بخشے کہ جس میں نگاہ ٹھٹھک کے رہ جاتی ہے۔ اور پھر اس ربوبیت کا اہتمام ایسا ہے کہ میوے عطا فرمائے تو ان کی پیکنگ میں ایسا کمال پیدا کیا کہ انسان دیکھ کے دنگ رہ جاتا ہے۔ اور غلے عطا فرمائے تو ان کی حفاظت کا ایسا سامان کیا کہ انہیں ذوالعصف بنایا۔ یعنی اس طرح غلے اور پھل عطا نہیں کیے جیسے کسی فقیر کو خیرات دی جاتی ہے۔ بلکہ اس طرح عطا فرمائے جیسے نہایت عزت کے ساتھ کسی مہمان کو پیش کیے جاتے ہیں۔ اور اس اہتمام سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی پروردگاری کا حق پہچانے اور اس کا شکر گزار رہے۔ اور ہمیشہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ جس ذات والاتبار نے بغیر کسی استحقاق کے سب کچھ عطا فرمایا ہے وہ ان نعمتوں سے متمتع ہونے والے کو یونہی شتر بے مہار کی طرح چھوڑے نہیں رکھے گا بلکہ حساب کا ایک دن بھی آئے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

(پس اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۳)

Marfat.com

یہ آیت ترجیع ہے اس میں لفظ اٰلَآءِ اور دیگر حقائق کا مفہوم

یہ آیت اس سورۃ میں بار بار آ رہی ہے۔ ایسی آیت جو بار بار آئے اس کو آیتِ ترجیع کہتے ہیں جس سے سامعین کو غور وفکر کی طرف متوجہ کرنا اور جھنجھوڑنا مقصود ہوتا ہے۔ اس آیت کے الفاظ کو سمجھنے کیلئے دو باتوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اس میں لفظِ اٰلَآءِ استعمال ہوا ہے۔ ہمارے مترجمین بالعموم اس کا ترجمہ نعمتوں سے کرتے ہیں۔ اور یہ ترجمہ صحیح ہے۔ لیکن اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ لفظ صرف نعمتوں کے حوالے سے ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کے اور معانی بھی ہیں۔

اٰلَآءِ جمع ہے اِلَی۔ اَلَی اور اِلْیٌ کی۔ نعمتوں کے علاوہ اس لفظ کے دوسرے جو معانی مستعمل ہیں ان میں سے ایک ہے قدرت اور عجائبِ قدرت یا کمالاتِ قدرت۔ ابنِ جریر طبری نے ابنِ زید کا قول نقل کیا ہے کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا کے معنی ہیں فَبِاَیِّ قُدْرَةِ اللّٰهِ امام رازی نے بھی آیات ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیات بیانِ نعمت کیلئے نہیں، بیانِ قدرت کیلئے ہیں۔ اور آیات ۲۲، ۲۳ کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے عجائبِ قدرت کے بیان میں ہیں نہ کہ نعمتوں کے بیان میں۔

اس کے دوسرے معنی ہیں خوبیاں، اوصافِ حمیدہ اور کمالات وفضائل۔ اس معنی میں اس لفظ کو اہلِ لغت اور اہلِ تفسیر نے تو بیان نہیں کیا لیکن دورِ جاہلیت کے شعراء جن کا کلام حجت سمجھا جاتا ہے انہوں نے کثرت سے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ اٰلَآءِ کے تین معنی ہیں (۱) نعمتیں، (۲) قدرت، عجائبِ قدرت یا کمالاتِ قدرت، (۳) خوبیاں، اوصافِ حمیدہ اور کمالات و فضائل۔ بہتر یہ ہے کہ اس لفظ کو اس کے وسیع معنی میں لیا جائے اور ہر جگہ موقع ومحل کے لحاظ سے جو معنی مناسب نظر آئے وہ مراد لئے جائیں۔

دوسری بات جو اس آیت میں قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ اس میں رَبِّکُمَا تثنیہ کی ضمیر استعمال ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ آگے چل کر آیت نمبر ۳۳ میں جن وانس کو خطاب کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں مخاطب انسانوں کے ساتھ جن بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب بے سبب تو نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ جس طرح انسان نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے اس دین کے مخاطب اور مکلف ہیں اور ان کیلئے لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختمِ رسالت کو بھی تسلیم کریں اور آخرت پر بھی یقین لائیں۔ یہی باتیں جنات کیلئے بھی لازمی ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی جنات کیلئے ان ہی باتوں کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں دیکھ لیجئے کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات اور اس کے بے حدوحساب احسانات، اس کے مقابلے میں ان کی عاجزی اور بے بسی اور اس کے حضور ان کی جواب دہی کا احساس دلا کر اس کی نافرمانی کے انجامِ بد سے ڈرایا گیا ہے۔ اور فرماں برداری کے بہترین نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ سورۃ الاحقاف میں بھی جنات کے سابقہ انبیائے کرام پر ایمان کا ذکر ہے۔ اور ان کی سابقہ کتابوں کے مطالعہ ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے قرآنِ کریم کو سنتے ہی یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے جنات تھے۔ سورۃ الجن میں بھی جنات کا ذکر ایمان و اسلام کے حوالے سے آیا ہے اور کفر وشرک سے ان کی بیزاری کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی انسانوں ہی کی طرح کافر ومومن اور مطیع اور سرکش پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس خطاب نے قطعی طور پر اس بات کو واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ مجید کی دعوت جن اور انس دونوں ہی کیلئے ہے اور حضورؐ کی رسالت صرف انسانوں ہی تک محدود نہیں ہے۔ اور اگر احادیث وروایات کو دیکھا جائے تو اس میں جنات کے

Marfat.com

حوالے سے ہمیں احکام دیئے گئے ہیں اور ہمارے حوالے سے جنات کو دیئے گئے احکام کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح جو چیزیں ان کیلئے حرام کی گئی ہیں حدیث میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقائد، اخلاق، آدابِ زندگی میں تو جن وانس میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن ان کی زندگی کے حوالے سے بعض ایسے احکام بھی ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور وہ بھی انہیں نبی کریم ﷺ کی معرفت دیئے گئے ہیں۔ جس طرح ہمارے لئے شرعی احکام کی بنیاد تو یقیناً قرآنِ کریم ہے لیکن تفصیلی احکام اور مبہمات کی وضاحت اور عملی دشواریوں کا حل سنت میں موجود ہے اور ہم اسی سے رہنمائی حاصل کرنے کے پابند ہیں۔ اسی طرح جنات سے جو آنحضرت ﷺ کی ملاقاتوں کا ذکر حدیث میں آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی معرفت انہیں اسلام کی وہ تعلیم بھی پہنچی ہے جس کے جن وانس دونوں مکلف ہیں۔ اور وہ احکام بھی دیئے گئے ہیں جو صرف ان کیلئے مخصوص تھے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے اور اس کے اس قدر شواہد موجود ہیں کہ جن کا انکار کرنا آسان نہیں کہ جنات انسانی شکلوں میں بعض دینی مدارس یا بعض بڑے علماء سے شخصی طور پر استفادہ کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اور کبھی یہ سوال نہیں اٹھا کہ ان کا مذہب اسلام کے علاوہ کچھ اور ہے۔ اور ان کی طرف کوئی نبی مبعوث کئے گئے ہیں۔

پیشِ نظر آیت میں ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات جن وانس سے بار بار فرمائی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں، اس کی قدرت کے کرشموں میں سے کس کس کا انکار کرو گے اور کس کس کو جھٹلاؤ گے۔ سوال یہ ہے کہ جھٹلانے سے کیا مراد ہے؟ اس کی متعدد صورتیں ہیں جو تھوڑے سے غور وفکر سے سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کو ان نعمتوں کا خالق ماننے سے انکار کر دیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جو کچھ ہم اپنے گرد وپیش میں دیکھ رہے ہیں یہ سب مادے کے اتفاقی ہیجان کا نتیجہ ہے، یا ایک حادثہ ہے جس میں کسی حکمت اور صناعی کا کوئی دخل نہیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ایسا کہنے والے عام لوگ نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جنہیں علم ودانش کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب موجود نہیں کہ اس کائنات میں ایک نظم وضبط ہے، ایک ترتیب ہے، ایک حکمت ہے، ایک قانون ہے جو غیر مرئی ہونے کے باوجود تمام مخلوقات پر مسلط ہے جبکہ ہم اپنے تجربے سے اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ اگر کسی بندر کو ایک ہزار سال تک کسی ٹائپ رائٹر پر بٹھا دیا جائے اور وہ مسلسل ٹائپ کرتا رہے تو بھی اس کے اندر سے نہ کوئی ڈکشنری نکلے گی، نہ شکسپیئر کے ڈرامے برآمد ہوں گے، اور نہ افلاطون کے مکالمے نکلیں گے۔ تو آخر مادے میں ایک اتفاقی ہیجان یہ حکمت سے بھرپور کائنات کو وجود کیسے دے سکتا ہے۔ اور یہ حکمت اور صناعی ایک حادثے کے نتیجے میں کیسے وجود میں آ سکتی ہے۔

۲۔ تکذیب کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالق تو مانا جائے لیکن اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کر لیا جائے جس سے یہ دلچسپ صورتحال پیدا ہوتی ہے کہ نعمتیں دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، لیکن شکریہ دوسروں کا ادا کیا جا رہا ہے، اور گن دوسروں کے گائے جا رہے ہیں۔

۳۔ تکذیب کی ایک تیسری شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالق ومالک تو مانا جائے مگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے کہ اس خالق ومالک کے احکام کی اطاعت اور اس کی ہدایات کی پیروی کرنا بھی ضروری ہے۔ اور یا اگر اسے زبانی حد تک تسلیم بھی کیا جائے لیکن عملی حیثیت سے دور دور تک اس کا وجود نہ ہو۔ اور اس کی زندگی پر اس کے کوئی اثرات نہ ہوں۔

ایسی تمام ممکن صورتیں اس تکذیب سے مراد ہیں اور ان ہی پر ملامت اور تنبیہ کی جا رہی ہے۔

Marfat.com

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

(اس نے انسان کو پیدا کیا ٹھیکری جیسے سڑے ہوئے گارے سے۔ ۱۴) اور جنات کو پیدا کیا، آگ کے شعلہ سے۔
۱۵) تو اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۶)

جن وانس کے مادۂ خلقت سے یاددہانی

انسان کے اندر جو شرک پایا جاتا ہے اور آخرت سے انکار یا اعراض عام دیکھا جاتا ہے اس کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ انسان زبان سے اپنے رب کو سب کچھ تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کو اس طرح ماننے کو تیار نہیں ہوتا جس سے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اس کے یہاں کوئی چیز ناممکن نہیں اور کوئی ذات اس کے برابر نہیں۔ اس کے سوا کسی کو کبریائی زیب نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے کبھی کسی کو اس کا شریک ٹھہرا دیا جاتا ہے اور کبھی آخرت کو بعید از عقل قرار دے کر انکار کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے پیشِ نظر آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی تخلیق کے حوالے سے اپنی قدرت کا ذکر فرمایا ہے تا کہ اس کا احساس ہو سکے کہ اس کی قدرت کتنی عظیم اور کتنی بے پناہ ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ارشاد فرمائی کہ یہ انسان جو آج اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ رہا ہے اور جس کی فتوحات نے فی الواقع زمین پر ایک تہلکہ مچا رکھا ہے اور جس کی قوتِ ایجاد نے ایسی حیرت انگیز چیزوں کو وجود بخشا ہے کہ عام آدمی کیلئے جس کا جاننا بھی مشکل ہو گیا ہے اور جسکی سائنس فہم و ادراک کی حدود سے آگے نکل گئی ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اسے قدرت نے جس طریقے او جن عناصر سے تخلیق فرمایا ہے وہ انسان کی بے بسی کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے۔ چنانچہ جب ہم اس حوالے سے قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں تخلیقِ انسانی کے مختلف مراتب نظر آتے ہیں جن کو اگر ایک ترتیب سے بیان کیا جائے تو وہ اس طرح سے ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تراب یعنی مٹی سے پیدا فرمایا ہے اور پھر کبھی اسے طِیْنٍ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے یعنی وہ گارا جو مٹی میں پانی ملا کر بنایا جاتا ہے۔ پھر اسی کو طِیْنٍ لَازِبٍ قرار دیا گیا یعنی لیس دار گارا۔ اور پھر اسے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ قرار دیا گیا۔ یعنی وہ گارا جس کے اندر بو پیدا ہو جائے۔ اور پھر اسے صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ سے یاد کیا گیا یعنی وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد پکی ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔ اور آخری مرحلہ میں اسے بشر کا نام دیا گیا۔ یہ تخلیقِ انسانی کی آخری صورت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح پھونکی اور اسے فرشتوں کا مسجود بنا دیا گیا۔ اور پھر آگے اس کی نسل ایک حقیر پانی کے ست سے چلائی گئی جسے نطفہ بھی کہا گیا ہے۔ انسان اپنی تخلیق کے مراتب پر غور کرے تو اسے اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت نظر آئے گی تو دوسری طرف اپنی کم مائیگی اور بے بسی کا احساس بھی ہوگا۔

اور پھر جنوں کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے انہیں آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ہے۔ یہ آگ دنیا کی آگ نہیں بلکہ وہ خاص نوعیت کی آگ ہے اور مارج اس شعلہ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جدِ امجد کو اسی شعلۂ آتش سے پیدا کیا گیا۔ اور بعد میں اس کی ذریت سے جنوں کی نسل پیدا ہوئی۔ اور اب آگے ان کی ذریت کیسے بڑھ رہی ہے ہم ان کے توالد و تناسل کی حقیقت سے کما حقہ واقف

Marfat.com

نہیں۔لیکن جن بھی جب اس اپنی تخلیق پر غور کریں تو انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت اور اپنی بے بسی کا احساس پیدا ہوگا۔اور اسی حوالے سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس عظیم ذات نے تم پر یہ احسانات کئے ہیں اور تم اس کی قدرت کے شاہکار کے طور پر آج دنیا میں موجود ہو تو تم اس کی قدرتوں کا کس طرح انکار کر سکتے ہو۔اور اس کے تقاضوں کی صورت میں تم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں کیسے جھٹلا سکتے ہو۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾

(وہی دونوں مشرق کا رب ہے اور وہی دونوں مغرب کا رب ہے۔ ۱۷) تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۸)

مشرقین و مغربین کا مفہوم

ہم چونکہ چار جہتوں سے مانوس ہیں مشرق، مغرب، شمال اور جنوب۔اس لئے دو مشرق اور دو مغرب عجیب سے بات معلوم ہوتے ہیں۔لیکن اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں یہ الفاظ واحد، مثنیٰ اور جمع تینوں صورتوں میں آئے ہیں اور تینوں ہی صورتوں میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔تثنیہ کی صورت میں دونوں اطراف کا احاطہ مقصود ہوتا ہے۔اور جمع کی شکل میں اس میں اطراف و اکناف کی بے نہایت وسعت بھی شامل ہو جاتی ہے۔اس لحاظ سے یہ لفظ کسی طرح بھی استعمال ہو معنی کے اعتبار سے بالکل واضح ہے اس میں کسی الجھن کا امکان نہیں۔اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ موسموں کی تبدیلی کے حوالے سے یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جاڑے کے چھوٹے سے چھوٹے دن اور گرمی کے بڑے سے بڑے دن کے مشرق و مغرب الگ الگ ہوتے ہیں۔کیونکہ جاڑے کے سب سے چھوٹے دن میں سورج ایک نہایت تنگ زاویہ بنا کر طلوع و غروب ہوتا ہے اور گرمیوں کے بڑے دن میں وہ انتہائی وسیع زاویہ بناتے ہوئے نکلتا اور ڈوبتا ہے۔اور ان دونوں کے درمیان ہر روز اس کا مطلع اور مغرب مختلف ہوتا رہتا ہے۔اس کی بے نہایت وسعت کو دیکھ کر ان الفاظ کو جمع بھی لایا جا سکتا ہے اور دونوں بدلتے ہوئے اطراف کو دیکھ کر مثنیٰ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ زمین کے نصف کُرّے میں جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے اسی وقت دوسرے نصف کُرّے میں وہ غروب ہوتا ہے۔اس طرح زمین کے دو مشرق اور دو مغرب بن جاتے ہیں۔لیکن تمام صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔وہ ایک مشرق کا بھی رب ہے اور تمام مشارق کا بھی۔اور ایک مغرب کا بھی رب ہے اور تمام مغارب کا بھی۔ہر لحاظ سے تمام کُرّے اسی کے احکام کے پابند ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا تصور دل و دماغ میں ابھرتا ہے۔اور اسی حوالے سے اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں تمہارے سامنے ہیں، ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم ان قدرتوں میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾

(اس نے چھوڑے دو سمندر اور وہ دونوں آپس میں ٹکراتے ہیں۔ ۱۹) لیکن ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ ۲۰) تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۱)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی مزید قدرت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی مزید قدرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ تم سمندروں کو غور سے دیکھو، تمہیں بعض جگہ نظر آئے گا کہ سمندر میں دو لہریں چل رہی ہیں اور وہ دونوں سمندر کا حصہ ہیں۔ ان کی موجوں اور طغیانی میں دوسرے سمندر کی نسبت کوئی فرق نہیں۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کھاری ہے اور دوسرا شیریں۔ آپس میں دونوں ٹکرار ہے ہیں لیکن کیا مجال ہے جو ایک دوسرے میں شامل ہونے پائیں۔ ہر ایک اپنے اپنے مزاج پر قائم رہتا ہے۔ کھاری پانی شیریں نہیں ہونے پاتا۔ اور شیریں پانی میں کڑواہٹ نہیں آتی۔ بحرین کے قریب اور دمام کے جوار میں دونوں طرح کے پانیوں کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ اور ماضی میں بے شمار بحری جہاز وہاں سے اپنی ضرورت کیلئے ٹھنڈا اور شیریں پانی حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد مواقع پر سمندر میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سمندروں کے درمیان ایک غیر مرئی پردہ حائل کر رکھا ہے۔ وہ نگاہوں میں نہیں آتا، لیکن بہنے والا پانی اس سے تجاوز نہیں کر پاتا۔ اس کے طوفانوں کی موجیں اس پردے کو عبور نہیں کر پاتیں۔ یہی وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس کی طرف توجہ دلانے کے بعد فرمایا کہ تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے اور کن کن کمالات سے انکار کرو گے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾

(ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ ۲۲) پس اے جن و انس تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا بیان اور ایک اعتراض کا جواب

یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال یہ ہے کہ پانی دو طرح کا ہے جس کے صرف مزے ہی میں فرق نہیں بلکہ خواص میں بھی فرق ہے۔ اس کے باوجود ان دونوں پانیوں سے الگ الگ یا اس کے مجموعے سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ موتی اور مونگے تو صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں، پھر یہ کیسے کہا گیا کہ میٹھے اور کھاری دونوں پانیوں سے یہ چیزیں نکلتی ہیں۔ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں جن میں سے کوئی بھی غلط نہیں۔ لیکن وہ جواب جو آج کے ذہن کو زیادہ اپیل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اعتراض اہلِ مغرب کی طرف سے آیا ہے جبکہ ان کی علمی کتاب انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جس کے مندرجات اہلِ علم کی نگاہوں میں بہت وقعت رکھتے ہیں قرآنِ کریم کی تائید کر رہی ہے میں اس کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں۔ اس کا مضمون نگار لکھتا ہے:

> نصف کرۂ شمالی کے منطقہ معتدلہ میں میٹھے پانی کے سیپ کے کیڑے، بہت قیمتی موتی پیدا کرتے رہے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے میٹھے پانی کے موتی زیادہ تر دریائے مس سس پی سے نکلتے ہیں۔ برطانیہ میں موتی نکالنے کی صنعت اب زوال پر ہے، لیکن سکاٹ لینڈ کے دریاؤں، سٹے اور طے اور شمالی ویلز کے دریا کان وے سے نکلنے والے موتیوں کی ایک زمانے میں بہت مانگ رہی ہے۔ چین میں میٹھے پانی سے موتی نکالنے کی صنعت ہزار برس قبل مسیح سے معروف ہے۔

Marfat.com

اس اقتباس سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ موتی صرف کھاری پانی سے ہی نہیں نکلتے بلکہ میٹھے پانی سے بھی نکلتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم کے الفاظ سے یہ بات بھی مترشح ہو رہی ہے کہ سمندروں میں جہاں میٹھا اور کھاری دونوں طرح کا پانی جمع ہوتا ہے ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اس کی تہ میں میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے ہوں۔ بحرین میں جہاں قدیم ترین زمانے سے موتی نکالے جا رہے ہیں وہاں تو یہ بات ثابت ہے کہ خلیج کی تہ میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ تو کوئی تعجب نہیں کہ موتیوں کی پرورش میں ان دونوں پانیوں کا عمل دخل رہا ہو۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾

(اور اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح اٹھے ہوئے جہاز۔ ۲۴) پس اے جن و انس تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۵)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور نشانی

پانی کی فطرت یہ ہے کہ کوئی وزن رکھنے والی چھوٹی بڑی چیز پانی کے اندر ڈالی جائے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی کیسی قدرت ہے کہ وہ بحری جہاز جو ہزاروں ٹن سامان لے کر پانی کو چیرتے ہوئے چلتے ہیں، لیکن پھر بھی ڈوبنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ باہمی دو متضاد چیزوں میں موافقت و سازگاری پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، ورنہ پانی کبھی بھاری چیز کو اٹھانے پر تیار نہیں ہوتا۔ اور کوئی بھی بھاری چیز اپنے ارادے سے پانی پر تیر نہیں سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تضادات کی موجودگی کے باوجود انہیں اپنے قانون کا پابند بنا رکھا ہے۔ انسان ایک محدود طاقت رکھنے والی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے یہ صلاحیت بخشی ہے کہ سمندروں کو پار کرنے کیلئے جہاز بنائے۔ اور پھر جو سامان جہاز کی تیاری کیلئے ضروری ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ اور پانی کو بھی اپنے حکم سے اس خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ یہ اس کی قدرت اور اس کے کمالات کے کرشمے ہیں، ان سے صرف وہی انکار کر سکتا ہے جو انتہائی برخود غلط اور یا اپنی کھوپڑی میں عقل نام کی کوئی چیز نہ رکھتا ہو۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْــَٔـلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ

Marfat.com

هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ
الثَّقَلَانِ ﴿٣١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٢﴾ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ
إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا
لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴿٣٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ
عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ
وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ
بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾

رکوع: ۲۔ (ہر چیز جو روئے زمین پر ہے فنا ہوجانے والی ہے۔ ۲۶) صرف آپ کے رب کی عظمت اور عزت والی ذات باقی رہنے والی ہے۔ ۲۷) تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۸) اسی سے مانگتا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ ہر وقت ایک نئی شان میں ہے۔ ۲۹) اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۰) اے زمین کے بوجھو، ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہو رہے ہیں۔ ۳۱) تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۲) اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو، تم نہیں بھاگ سکتے، مگر سلطان کے ساتھ۔ ۳۳) تو تم اپنے رب کے کن کن اختیارات کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۴) تم پر مارے جائیں گے آگ کے شعلے اور تابنے، جس کا تم مقابلہ نہ کرسکو گے۔ ۳۵) تو تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھلاؤ گے۔ ۳۶) اور یاد رکھو اس وقت کو جب آسمان پھٹے گا اور کھال کی طرح سرخ ہوجائے گا۔

Marfat.com

۳۷) اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۸) پس اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت پوچھا نہیں جائے گا۔ ۳۹) تو اے جن وانس! تم اپنے رب کے کن کن احسانات کا انکار کرو گے۔ ۴۰) مجرم اپنی علامتوں سے پہچان لئے جائیں گے، اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ ۴۱) پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۲) یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرم تکذیب کرتے رہے تھے۔ ۴۳) وہ اس کے اور اس کے کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گردش کرتے رہیں گے۔ ۴۴) اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۵)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾

(ہر چیز جو روئے زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے۔ ۲۶) صرف آپ کے رب کی عظمت اور عزت والی ذات باقی رہنے والی ہے۔ ۲۷) تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ۲۸)

پہلی آیت میں ضمیر مجرور کا مرجع الارض (زمین) ہے، جس کا ذکر آیت دس سے چلا آ رہا ہے۔

جن وانس کو ایک اہم حقیقت کی طرف رہنمائی

جن وانس جو دونوں مکلف مخلوق ہیں، مختلف حوالوں سے ان سے خطاب ہو رہا ہے۔ زمین پر ان کی ذمہ داری اور تکلیفِ شرعی کے پیشِ نظر یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جن ہو یا انسان ان دونوں میں بگاڑ کا سب سے بڑا سبب عرفانِ ذات سے محرومی ہے۔ جب بھی ان میں سے کوئی اپنی ذات کی حقیقت سے بے خبر ہوتا یا غفلت کا شکار ہوتا ہے تو وہ اپنی حدود و قیود پامال کرتا ہوا ایسے امور انجام دیتا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا۔ استکبار اس پر نسیان کا پردہ تان دیتا ہے۔ جواب دہی سے غفلت اسے حقوق کی ادائیگی سے محروم کر دیتی ہے۔ اور اگر اس بات کا احساس دلا دیا جائے کہ تم اس زمین پر ہمیشہ رہنے والے نہیں بلکہ تمہاری زندگی اور یہاں قیام اس قدر ناپائیدار ہے کہ تمہیں کسی وقت بھی بلاوا آ سکتا ہے۔ پانی کے بلبلے کو ٹوٹتے ہوئے کچھ دیر لگتی ہے لیکن تمہاری حیات کا بلبلہ جب ٹوٹنے پر آتا ہے تو ایک لمحے میں ٹوٹ جاتا ہے۔ نہ یہاں کسی کا تخت سلامت ہے اور نہ کسی کی کرسی۔ عہدہ و منصب کا فخر و ناز اپنی جگہ رہ جاتا ہے اور اس کا موصوف اچانک سفر پر چلا جاتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو احساس دلایا گیا کہ تم اگر اپنی حیثیت کے جامہ میں رہنا چاہتے اور اپنی اصل حیثیت کو جاننا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اس بات کو دل و دماغ میں اتار لو کہ اس زمین پر بسنے والی ہر چیز فنا کی گھاٹ اترنے والی ہے۔ تم بھی اپنی زندگی کا سفر ختم کر کے کسی وقت بھی رخصت ہو جاؤ گے۔ لیکن جس ذات نے تمہیں زندگی جیسی بیش قیمت نعمت عطا فرمائی ہے اس کو فنا نہیں، وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ یہاں مختلف لوگوں نے جھوٹی عزتوں کے دعوے کئے ہیں۔ اور جھوٹی نام و نمود کی سروں پر کلغیاں سجائی ہیں، لیکن ان میں سے کسی کو بقا

Marfat.com

نہیں۔ ہر چیز معرضِ خطر میں ہے۔ اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر دنیا میں اپنے کیے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس وقت اندازہ ہو جائے گا کہ حقیقی عزت اور حقیقی عظمت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے تھی باقی سب فریب نظر کا شکار تھے۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ یہ زندگی اور پھر اس کی بقا کیلئے بے شمار اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، احساسات، خیالات اور تصورات کی صورت میں بے شمار احسانات، یہ سب اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں۔ جب بھی جن وانس میں سے کوئی اپنی حیثیت کو بھولتا ہے تو وہ درحقیقت ان نعمتوں اور ان احسانات کو جھٹلاتا ہے۔ اس لئے دونوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے گرد وپیش اور اپنی شخصیتوں کے اندر اور باہر طائرانہ نظر ڈال کے دیکھو کہ تم کس قدر نعمتوں اور احسانوں سے گراں بار ہو۔ تو آخر تم اللہ تعالیٰ کے کس کس احسان کو جھٹلاؤ گے۔

یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ۚ﴿۲۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

(اسی سے مانگتا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ ہر وقت ایک نئی شان میں ہے۔ ۲۹) اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۰)

سب کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہے

آسمانوں اور زمین میں جو مخلوق بھی بستی ہے حقیقت میں اس کا دستِ سوال صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلتا ہے۔ اس کا جسم، اس کی جان، اس کی صلاحیتیں، اس کے احساسات سب اس کی دین ہیں۔ اسے جتنی ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں وہ چاہے کسی واسطے سے بھی اسے ملیں حقیقی واسطہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ درجہ بدرجہ دینے والے سب اللہ تعالیٰ ہی کے گھر کے سوالی ہیں۔ اس لئے عقل مندی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مولیٰ ومرجع سمجھا جائے اسی سے التجا اور درخواست کی جائے۔ اور اگر کسی اور ذریعے سے بھی واسطہ پڑے تو یہ یقین رہے کہ اس واسطے کو توفیق دینے والی بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور میرے حال پر اسے متوجہ کرنے والی بھی وہی ذاتِ بابرکات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ کسی کو پیدا کر رہا ہے، کسی کو مار رہا ہے، کسی کو اٹھا رہا ہے اور کسی کو گرا رہا ہے۔ کسی کو بیماری میں مبتلا کر رہا ہے اور کسی کو شفا دے رہا ہے۔ کہیں کوئی نئی کونپل پھوٹتی ہے تو اسی کے اختیار سے پھوٹتی ہے۔ اور کہیں کوئی پھول کھلتا ہے تو اسی کے حکم سے مہک دیتا ہے۔ بے شمار مخلوقات اس کے سامنے اپنی ضرورتیں پیش کرتی ہیں اور وہ ہر وقت ان کی ضرورتوں کو پورا فرما رہا ہے۔ خوشی اور غم، بخشش اور محرومی، عزت اور ذلت، حکمرانی اور محکومی، سب اسی کے گھر کی لونڈی ہیں۔ اور وہ ہر وقت کسی نہ کسی کو ان میں مبتلا کر رہا ہے۔ اسی طرح کی ان گنت اس کی شانیں ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وہ ہر وقت کسی نہ کسی شان میں ہوتا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ہر وقت دنیا کے انتظام وانصرام میں لگا ہوا ہے اور اس کی شانیں اس کائنات کے گوشہ گوشہ سے نمایاں ہو رہی ہیں تو اے جن وانس! تم اس کی کس کس شان کا انکار کرو گے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

(اے زمین کے بوجھو، ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہو رہے ہیں۔ ۳۱) تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۲)

Marfat.com

ثقلان اور فراغت کا مفہوم

ثَقَلٰنِ، ثَقَلٌ کا تثنیہ ہے۔اس کا مادہ ثَقل ہے۔ ثِقل بوجھ کو کہتے ہیں۔اور ثَقل اس بوجھ کو کہتے ہیں جو سواری پر لدا ہوا ہو۔اس لحاظ سے ثَقَلٰن کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم جن اور انس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی زمین پر دو بوجھوں کی طرح لدے ہوئے ہو۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی سے انحراف اور اس کے دیئے ہوئے تصورات سے انکار کی وجہ سے تم زمین کے خلیفہ اور زمین کے سنگھار نہیں رہے بلکہ اس دھرتی کا بوجھ بن گئے ہو۔دھرتی پر تمہیں برداشت کیا جارہا ہے ورنہ حقیقت میں تم اپنا استحقاق کھو بیٹھے ہو۔ہم عنقریب تمہاری بازپرس کیلئے اور تمہاری شتر بے مہار زندگی کے حوالے سے جواب طلبی کیلئے فارغ ہو رہے ہیں۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک ثَقَلٰن سے مراد جن وانس کی دونوں جماعتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک چونکہ اپنے آپ کو بڑی حیثیت کی مالک سمجھتی ہیں اور اپنی قوت اور اپنی تعداد پر بڑا ناز رکھتی ہیں، ان سے یہ بات فرمائی جارہی ہے کہ تم اپنے آپ کو کتنا بھی طاقتور سمجھو لیکن وہ وقت دور نہیں جب تم اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤ گے اور وہ تنہا تم دونوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میرا گمان یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مفہوم میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، کہنا ان سے صرف یہ ہے کہ تم نے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین سے بے نیاز ہو کر اپنی مرضی کا مختار سمجھ لیا ہے اور کسی کے سامنے جواب دہی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہیں، ہم تمہیں تنبیہ کئے دیتے ہیں کہ ہم نے کائنات کے نظم ونسق کا ایک اوقات نامہ بنا رکھا ہے اس اوقات نامہ کے تحت انسانوں اور جنوں کیلئے ایک مہلتِ عمل ہے جس میں انہیں اپنے اپنے طریقے سے زندگی گزارنے کا موقع دیا گیا ہے۔اور یہ موقع اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔پھر ایک دن اچانک تمام جن و انسان اور دیگر مخلوقات پر ہلاکت غالب آجائے گی اور ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔پھر ایک مدت کے بعد نوعِ انسانی اور نوعِ جن دونوں سے بازپرس کیلئے ان کے اولین و آخرین کو از سرِ نو زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع کر دیا جائے گا۔اور وہاں ہم ان سے ان کے ایک ایک عمل کا حساب لیں گے۔ابھی دنیا پہلے مرحلے میں ہے، فنا ہو جانے کے بعد پھر وہ مرحلہ آئے گا جب انہیں زندہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کا حساب لے گا۔آیتِ کریمہ میں جس فراغت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ یہی آخری مرحلہ ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پروردگار کو ایک ایک کام کیلئے الگ الگ وقت نکالنا پڑتا ہے اور وہ بیک وقت سب کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا جس میں ہم کو نوعِ جن اور نوعِ انسانی کے اعمال کا حساب لینا ہے۔جب وہ وقت آئے گا تو پھر ہم اس کیلئے فارغ ہوں گے۔اس وقت تم سے پوچھیں گے کہ تم جو دنیا میں ہماری ناشکریاں کرتے رہے ہو آج بتاؤ کہ تم ہماری نعمتوں کا کس طرح انکار کرتے رہے ہو۔اور آج بھی سوچو کہ تمہیں مہلتِ عمل دے کر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں آخر تم اسے کس طرح جھٹلا سکتے ہو۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۳۳ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۳۴

(اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو، تم نہیں بھاگ سکتے، مگر سلطان کے ساتھ۔ ۳۳) تو تم اپنے رب کے کن کن اختیارات کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۴)

Marfat.com

کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں

براہِ راست جنوں اور انسانوں سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تم بالکل غیر مسؤل اور مطلق العنان ہو۔ نہ اس دنیا میں تم پر کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آخرت میں تمہیں کسی باز پرس کا اندیشہ ہے۔ بلکہ اس زمین و آسمان کو تم اپنی جولان گاہ سمجھتے ہو کہ جب چاہو اس کی حدود سے نکل سکتے ہو۔ اور کوئی ایسی بڑی ذات نہیں جو تمہیں اس سے نکلنے سے روکے۔ جس طرح آج خلائی فتوحات کے بعد بعض غیر ذمہ دار حکمرانوں نے اس طرح کی باتیں کیں کہ ہم نے تو خلاء میں بھی اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈا لیکن وہ ہمیں کہیں نہیں ملا۔ گویا وہ اپنے آپ کو یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم اگر چاہیں تو زمین کی حدود سے نکل کر خلاء میں کہیں بھی جا سکتے ہیں۔ لیکن انہیں اندازہ نہیں کہ اولاً تو ان کی عمر کی مہلت ہی کتنی ہے یہ وہ نہیں جانتے۔ اور پھر جس خلاء کو وہ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح زمین اس کی ہے، زمین سے اوپر بھی جو کچھ ہے وہ سب کچھ اس کا ہے۔ وہ عالمِ بالا اور عالمِ زیریں دونوں کا مالک ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں اگر اپنی طاقت کا ایسا ہی گھمنڈ ہے تو پھر اس دنیا میں بھی اور جب آخرت کا وقت آئے گا تو اس وقت بھی کائنات سے نکلنے کی کوشش کر دیکھو، لیکن تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ کائنات سے نکلنے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں یا تو طاقت اور اختیار و اقتدار اور یا سند یعنی اجازت نامہ۔ لیکن ان یہ دونوں چیزیں تمہارے پاس نہیں۔ تم نہ تو وہ اختیار و اقتدار اور طاقت رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نکل بھاگو اور نہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نامہ ملا ہے کہ تم جہاں چاہے چلے جاؤ تمہیں کوئی روکنے والا نہ ہو۔ سلطان ان دونوں معنوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

آگے آیتِ ترجیع ہے جو بار بار آ رہی ہے تاکہ جن و انس کے غفلت کے پردے کو اتارا جائے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

(تم پر مارے جائیں گے آگ کے شعلے اور تانبے، جس کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔ ۳۵)

تو تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھلاؤ گے۔ ۳۶)

صاحب تدبرِ قرآن نے اس کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے ہم استفادہ کیلئے اسے نقل کر رہے ہیں:

یعنی اگر تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا تو اس پر آگ کے شعلوں اور پگھلے ہوئے تانبے کی مار پڑے گی اور وہ ایسی بے پناہ ہوگی کہ تم میں سے کوئی بھی اس سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکے گا۔

شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ سے مراد شہابِ ثاقب ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ یہ ان شیاطین الجن پر پھینکے جاتے ہیں جو ملاءِ اعلیٰ کے حدود میں دراندازی اور غیب کی باتوں کی ٹوہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن میں خود جنوں کی زبان سے اُس امرِ واقعی کا اعتراف یوں نقل ہوا ہے وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا (الجن: ۱۲) (اور ہم نے اچھی طرح اندازہ کر لیا ہے کہ نہ ہم زمین میں چھپ کر اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہیں نہ آسمانوں میں بھاگ کر اس سے نکل سکتے ہیں)۔

Marfat.com

شُوَاظٌ اور نُحَاسٌ کا مفہوم

نُحَاسٌ کے معنی عام طور پر ہمارے مفسرین ومترجمین نے دھوئیں کے لئے ہیں لیکن یہ لفظ اس معنی می معروف نہیں ہے۔ بعض اہلِ لغت نے اگر چہ ایک شاذ معنی کی حیثیت سے اس کا ذکر کیا ہے اور نابغہ کے ایک شعر کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن اول تو وہ شعر محلِ نظر ہے دوسرے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ دھوئیں کیلئے معروف لفظ دُخَانٌ چھوڑ کر، جو قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، ایک غیر معروف لفظ لانے کی وجہ کیا ہے جبکہ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ اس وجہ سے ہم کو نُحَاسٌ کے یہ معنی قبول کرنے میں تردد ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اپنے معروف معنی ہی میں استعمال ہوا ہے اور یہ انہی شہابوں کی ایک قسم ہے جن کا ذکر شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ کے الفاظ سے ہوا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سائنس کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بیشتر شہابیے تو گرتے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے فلزاتی اور حجری گولوں کی شکل میں گرتے ہیں لیکن اشیاء کی حرکی توانائی (KINETIC ENERGY) غلافِ جوی میں داخل ہوتے ہی زیادہ تر حرارت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس سے شہاب پگھل کر آگ کے گولوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور زمین کی طرف گرنے کے دوران ان کا فلزاتی اور حجری مادہ بڑی حد تک ضائع ہو جاتا ہے یا عملِ تبخیر اسے غبار کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تاہم جو شہاب زمین پر پائے گئے ہیں ان کو 3 گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ فلزاتی شہاب (SIDERITES)

۲۔ حجری شہاب (AEROLITES)

۳۔ حجری۔فلزاتی شہاب (SIDEROLETES)

ان شہابوں کے اندر جس طرح لوہے اور پتھر کے اجزاء پائے گئے ہیں اسی طرح تحقیق سے ان کے اندر کانسی وتانبے کے اجزاء بھی پائے گئے ہیں جس کا آیت زیر بحث میں نُحَاسٌ کے لفظ سے ذکر آیا ہے۔ یہ فلزاتی اجزاء زیادہ تر شدت حرارت سے تحلیل ہو جانے والے ہیں تاہم زمین پر گرنے والے شہابوں میں ان کا پایا جانا قرآن کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔

اس کے بعد ترجیع کی آیت ہے جو اپنے مفہوم میں واضح ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

(اور یاد رکھو اس وقت کو جب آسمان پھٹے گا اور کھال کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ ۳۷)

اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۳۸)

Marfat.com

روزِ قیامت کا منظر

دِهَـــانٌ کے معنی کھال کے ہیں۔اور سرخی کی تشبیہ کیلئے کھال زیادہ موزوں ہے۔اور قرآنِ کریم کی سورۃ التکویر میں فرمایا گیا ہے کہ وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھال کھینچ لینے کے بعد جس طرح جسم کا گوشت سرخ دکھائی دیتا ہے اسی طرح آسمان بھی سرخ دکھائی دے گا۔اور پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اسی سرخی کو کھال سے تشبیہ دی گئی ہے۔یہ روزِ قیامت کا ذکر ہے۔آسمان کے پھٹنے سے مراد بندشِ افلاک کا کھل جانا اور عالمِ بالا کے نظم کا درہم برہم ہو جانا ہے۔اور اس صورتحال کو کھال کی سرخی سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جو شخص بھی اس وقت آسمان کی طرف دیکھے گا اسے یوں معلوم ہوگا جیسے سارے عالمِ بالا پر ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ آج تم قیامت کا انکار کر رہے ہو،لیکن اس وقت تم کیا کرو گے جب آسمان شق ہو جائے گا اور یہ آسمان سرخ کھال کی طرح نظر آئے گا۔تو اس وقت اپنے رب کی کن کن شانوں اور قدرتوں کا انکار کرو گے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾

(پس اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت پوچھا نہیں جائے گا۔ ۳۹) تو اے جن وانس! تم اپنے رب کے کن کن احسانات کا انکار کرو گے۔ ۴۰) مجرم اپنی علامتوں سے پہچان لئے جائیں گے،اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ ۴۱) پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۲)

منکرین کا جرم چہروں سے عیاں ہوگا

تم اولاً تو وقوعِ قیامت ہی کے منکر ہو،لیکن جو لوگ مفروضے کی حد تک قیامت کو تسلیم کرتے ہیں انہیں بھی یہ اطمینان ہے کہ وہاں ہمارے جرائم کی کسے خبر ہوگی اور زندگی بھر کے جرائم کون شمار کر سکتا ہے۔انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس دن کسی انسان اور کسی جن سے ان کے جرائم اور ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان سے اگر پوچھا جائے گا تو گناہ کے محرکات کے بارے میں سوال ہوگا،ورنہ قیامت کی ہولناکی اور اس کی ہیبت کی وجہ سے ہر مجرم کا اترا ہوا چہرہ اور پتھرائی ہوئی آنکھیں اس کے جرائم کے ثبوت کیلئے کافی ہوں گی۔

آج جو اس نے اس ساری صورتحال کو باقی رکھا ہے اور آج اگر مجرم جرائم کی دنیا سے نکلنا چاہیں تو کسی وقت بھی ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے وہ احسانات ہیں کہ اگر آج ان سے پوچھا جائے تو یہ ان احسانات کو جھٹلانے پر قادر نہیں۔تو ترجیع کی آیت میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

تیسری آیت میں اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال کیوں نہیں کیا جائے گا۔اس کا سبب یہ ہے کہ جرائم ان کے چہروں پر لکھے ہوں گے۔اس کا ایک مطلب تو یہ ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجرم لوگوں کے چہرے اپنے جرائم کی وجہ سے ایسے سیاہ ہوں گے کہ وہ مجرم ہونے کی حیثیت سے پہچانے جائیں گے۔اور نیک لوگوں کے چہرے ان کی نیکیوں کی وجہ سے روشن ہوں گے۔اور پھر ان مجرموں کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور ان کے قدموں سے پکڑ کر انہیں گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔یہ ان کے پکڑے جانے کی تصویر کھینچی گئی ہے اس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ آج یہ لوگ استکبار کا شکار اور کسی اچھی بات سننے کے روادار نہیں۔لیکن قیامت کے روز ذلت سے انہیں گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینکا جائے گا اور یہی ان کی اصل حیثیت ہوگی۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾

(یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرم تکذیب کرتے رہے تھے۔ ۴۳) وہ اس کے اور اس کے کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گردش کرتے رہیں گے۔ ۴۴) اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۵)

منکرینِ قیامت کو تنبیہ

مجرمین کو جہنم میں پھینکنے کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ وہ جہنم ہے دنیا میں مجرم جس کا انکار کرتے رہے اور اس کی خبر کو جھوٹ بتلاتے رہے ہیں، لیکن آج جب اسی جہنم میں انہیں ڈالا جائے گا تو تب انہیں یقین آجائے گا کہ جہنم کی خبر غلط نہ تھی۔پھر اس جہنم کے عذاب کی شدت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ جس ان کو جھلسے گی تو وہ پانی کی تلاش میں بھاگیں گے تو انہیں اچانک پانی دکھائی دے گا، جب وہ پیاس بجھانے کیلئے اس کی طرف لپکیں گے تو وہاں انہیں ایسے پانی سے سابقہ پڑے گا جو گرمی اور جوش کے آخری نقطہ تک پہنچا ہوا ہوگا۔اس کھولتے ہوئے پانی سے جب انتڑیاں جل اٹھیں گی تو پھر وہ جہنم کی طرف بھاگیں گے لیکن جب جہنم کے عذاب کی شدت سے پیاس بھڑکے گی تو وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف دوڑیں گے۔بس اسی گردش میں ان کے شب و روز گزریں گے۔نہ اِدھر چین ہوگا اور نہ اُدھر چین ہوگا۔

"اٰنٍ" یہ اس پانی کی صفت کیلئے آتا ہے جس کی گرمی اپنے آخری نقطہ پر پہنچی ہو۔قرآنِ کریم میں سورۃ الغاشیۃ میں اسی معنی میں اسے استعمال کیا گیا ہے۔ارشاد فرمایا تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ○ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ "وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے اور جب پانی مانگیں گے تو ان کو آخری درجے میں گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔"

تیسری آیت ترجیع کی آیت ہے جس کا مفہوم واضح ہے۔یہ ترجیع کی آیات بار بار اس لئے آئی ہیں تاکہ جو لوگ بڑی ڈھٹائی سے آخرت اور عذاب کا انکار کر رہے ہیں انہیں بار بار تنبیہ کی جائے اور کبھی نعمتوں اور کبھی قدرتوں کا ذکر فرما کر انہیں ان کے غلط طرزِ عمل پر توجہ دلائی جائے۔

Marfat.com

وَلِمَنْ خَافَ
مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ
وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ
قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا
عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ
وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ
حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ
لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ

Marfat.com

مُدْهَآمَّتٰنِ﴿٦٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٦٥﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴿٦٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٦٧﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ﴿٦٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٦٩﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ﴿٧٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ﴿٧٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٧٣﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ﴿٧٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ

خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ﴿٧٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿٧٧﴾
تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ﴿٧٨﴾

رکوع: ۳۔ (اور اس شخص کیلئے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے سے ڈرتا رہا دو باغ ہیں۔ ۴۶) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۷) (نہایت ہری بھری ڈالیوں والے۔ ۴۸) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۹) (ان دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ ۵۰) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۱) (ان باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی۔ ۵۲) پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۳) (وہ ایسے فرشوں پر ٹیک لگا کر بیٹھیں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پھل ان کے سروں پر لٹک رہے ہوں گے۔ ۵۴) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۵) (ان میں شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جن کو ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔ ۵۶) تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۷) وہ حوریں ایسی ہوں گی گویا یاقوت اور مونگے ہوں۔ ۵۸) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۹) (نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ۶۰) پھر اے جن و انس! تم اپنے رب کے کن کن احسانوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۶۱) (ان دو باغوں کے سوا اور بھی دو باغ ہوں گے۔ ۶۲) تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۶۳) (گھنے سرسبز و شاداب باغ۔ ۶۴) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۶۵) (ان میں دو چشمے ہوں گے ابلتے ہوئے۔ ۶۶) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۶۷) (ان میں پھل کھجور اور انار ہوں گے۔ ۶۸) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔ ۶۹) (ان میں خوب سیرت اور خوبصورت بیویاں ہوں گی۔ ۷۰) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۷۱) حوریں خیموں میں رہنے والیاں۔ ۷۲) تم اپنے رب کے کن کن انعامت کو جھٹلاؤ گے۔ ۷۳) ان سے پہلے ان کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ، نہ کسی جن نے۔ ۷۴) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۷۵) (وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے سبز قالینوں اور نفیس اور نادر فرشوں پر۔ ۷۶) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۷۷) (بڑا ہی بابرکت ہے نام تیرے عظمت والے اور سزاوار تکریم رب کا۔ ۷۸)

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾

(اور اس شخص کیلئے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے سے ڈرتا رہا دو باغ ہیں۔ ۴۶) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۷)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا انجام

گزشتہ رکوع کا آغاز بھی اسی حقیقت کے بیان سے ہوا تھا کہ زمین پر بسنے والی ہر مخلوق فنا ہونے والی ہے اور باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ لوگ اپنی موت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے بہرہ ور ہو کر زندگی کے طرزِ عمل کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اس رکوع کے آغاز میں بھی اسی حقیقت کو دوسرے پہلو سے نمایاں کیا گیا کہ آخرت کا انکار کرنے والے اپنے تئیں کیسے ہی استکبار کا شکار ہوں اور اپنے بارے میں جیسی چاہیں غلط فہمیاں پال لیں اور اس کے حصار میں رہنے کی کوشش کریں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آخرت کائنات کے وجود کی توجیہ اور جن وانس کی اخلاقی زندگی کا ایسا تقاضا ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ جس شخص نے بھی دنیا میں اس حقیقت کو پالیا اور اس نے شترِ بے مہار بن کر زندگی گزارنے کی بجائے انسانیت اور عبدیت کے دائرے میں زندگی گزاری، اس نے اپنے مقصدِ وجود کو سمجھا اور اس بات کا یقین پیدا کر لیا کہ ایک نہ ایک روز مجھے اپنے رب کے حضور پیش ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ تو اس سے خود بخود دل سے یہ بات ابھرتی ہے کہ اعمال کے جواب دہی میں کامیابی اسی صورت میں ہوگی جب زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اور اس کے احکام کی تعمیل میں گزری ہوگی۔ پھر خود بخود پاؤں ان راستوں کی طرف نہیں بڑھتے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف جاتے ہیں۔ ہاتھ اس طرف دراز نہیں ہوتے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ اور نگاہ کبھی آوارہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنی جواب دہی کے احساس کو بھول جائے۔ ایسا ہی شخص ہے جو قیامت کے دن نوازا جائے گا۔ اسی لئے دوسری جگہ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی، فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاوٰی ”جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور ہوائے نفس کی پیروی سے اپنے آپ کو روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔“ پیشِ نظر آیت میں یہی فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرتا رہا تو قیامت کے دن اس کیلئے دو باغ ہوں گے۔ یعنی ایک باغ تو ہر اس جنتی کو ملے گا جسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں جانے کا استحقاق بخشا۔ لیکن یہاں جن لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے معلوم ہوتا ہے یہ مقربینِ بارگاہ ہیں، جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اعمال ہی انجام نہیں دیئے بلکہ نامساعد حالات میں اعلائے کلمۃ الحق کیلئے بڑی سے بڑی قربانی بھی دی۔ ان کیلئے دو باغ ہوں گے۔ ان کی کیفیت اور تفصیل کیا ہوگی یہ عالمِ غیب کی باتیں ہیں جن کے بارے میں آج کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے اور اس میں اٰلَآءِ کا لفظ نعمتوں یا قدرتوں کے معنی میں آخر سورۃ تک استعمال ہوا ہے۔ اس میں بھی خطاب ان ہی لوگوں کو ہے جو آخرت کا انکار کرتے تھے اور تمسخر اڑاتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جو غریبوں کا طبقہ اور فقیر مسلمانوں کا گروہ جنت کے شوق میں خواہشاتِ نفس کی پیروی سے گریز کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہتا ہے اسے گمان یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسی کیلئے پیدا فرمائی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے جنہیں دنیا میں سرافراز کیا ہے وہی آخرت میں بھی سرافراز ہوں گے۔ اور یہ لوگ نعمتوں کو یہاں بھی ترستے رہے، وہاں بھی ترستے رہیں گے۔ ان سے بار بار یہ بات کہی جارہی ہے کہ تم آج جو چاہو سمجھو، لیکن حقیقت میں جنت کی نعمتیں ان ہی لوگوں کو ملیں گی جنہیں آج یہ نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے دماغوں سے اس خناس کو نکالنے کیلئے بار بار اس آیت کو لایا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو عزت دی جائے اور یہ نام نہاد سر بلند لوگ اپنے انجام کو دیکھ سکیں۔

Marfat.com

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

(نہایت ہری بھری ڈالیوں والے۔ ۴۸) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۴۹)

جنت کے درختوں کی شادابی

یعنی وہ دو باغ جو ان اہلِ جنت کو ملیں گے ان باغوں کا ہر درخت زرخیزی اور شادابی اور برگ و بار کی کثرت سے گراں بار ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ باغ کی خوبصورتی اور رعنائی کا دارومدار صرف اس بات پر ہوتا ہے کہ درختوں کی چھاؤں کتنی گھنی ہے۔ ہر درخت کی شاخیں کیسی خوش رنگ اور سرسبز سبزی وشادابی کی امین ہیں۔ چنانچہ ان باغوں کے درخت ایسی ہی خوبصورتیوں سے مالا مال ہوں گے۔

اگلی آیت ترجیع کی آیت ہے اس میں ان نعمتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہم ایسی نعمتیں جب اپنے نیک بندوں کو دیں گے تو تم کس طرح ان کی تکذیب کرو گے اور کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

(ان دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ ۵۰) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۱)

جنت میں بہتے ہوئے چشمے

اہلِ جنت کو جو باغات دیئے جائیں گے ان کی سیرابی کیلئے الگ الگ دو چشمے بھی رواں دواں ہوں گے۔ کیونکہ پانی ہی کسی بھی باغ کی سرسبزی وشادابی کی ضمانت ہوتا ہے۔ ان باغوں کی بھی سرسبزی کیلئے اس ضمانت کو فراہم کیا جائے گا۔ آگے آیتِ ترجیع ہے جو اپنے مفہوم میں واضح ہے۔

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

(ان باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی۔ ۵۲) پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۳)

مختلف قسموں کے پھل

یعنی ان باغوں میں ایک ہی قسم کے پھل نہیں ہوں گے جیسے دنیا میں ہر باغ میں ہوتے ہیں بلکہ دونوں میں الگ الگ قسموں کے پھل ہوں گے۔ ان باغوں کے پھلوں کی بھی شکلیں مختلف ہوں گی اور ان کے پھلوں کا لطف ولذت ایک دوسرے سے الگ الگ ہوگا۔ تنوع اس قدر ہوگا کہ نہ آنکھیں اس سے سیراب ہوں گی اور نہ کام ودہن کی لذت ختم ہونے میں آئے گی۔ اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جو بالکل واضح ہے۔

Marfat.com

مُتَّكِـئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۗ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

(وہ ایسے فرشوں پر ٹیک لگا کر بیٹھیں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پھل ان کے سروں پر لٹک رہے ہوں گے۔ ۵۴) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۵)

اہلِ جنت کی نشست اور آرام گاہ

اہلِ جنت ایسے تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے جن پر بچھے ہوئے فرشوں کے استر موٹے اور دبیز ریشم کے ہوں گے۔ اور اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ جن بچھے ہوئے فرشوں کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے ان کے ابرے کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ اور پھلدار درختوں کی ٹہنیاں اپنے پھلوں کے ساتھ اس قدر جھکی ہوئی ہوں گی کہ وہ بالکل سروں پر لٹک رہے ہوں گے تاکہ توڑنے میں کوئی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

(ان میں شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جن کو ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔ ۵۶) تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۷) وہ حوریں ایسی ہوں گی گویا یاقوت اور مونگے ہوں۔ ۵۸) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۵۹)

اہلِ جنت کے حرم کی شان

انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہزاروں نعمتوں کے باوجود بیوی کی عدم موجودگی میں اپنی شخصیت میں خلاء محسوس کرتا ہے۔ اور اس کی خوشیاں بھی ناتمام رہتی ہیں۔ چنانچہ اسی فطرت کے لحاظ سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جنت کا عیش تو عیشِ دوام ہوگا، اس کی خوشیاں بھی مکمل اور پائیدار ہوں گی۔ ایسی جنتوں میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اہلِ جنت کو حوروں کی صورت میں بیویاں نہ دی جائیں۔ لیکن وہ بیویاں ایسی ہوں گی جو شرم وحیا والی، عفت مآب اور شرمیلی نگاہوں والی ہوں گی۔ کیونکہ ایک عورت کو جو چیز جنت نگاہ بناتی ہے وہ اس کا حُسن بھی ہے اور اس سے بڑھ کر اس کا شرمیلا پن بھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ شرمیلا پن اس کے حُسن کا بھی محافظ ہے اور اس کے اخلاق کا بھی۔ کیونکہ جس عورت میں شرم و حیا کا فقدان ہے وہ ہرجائی تو ہوسکتی ہے، وفادار نہیں ہوسکتی۔ اور اس کی جگہ اپنے رفیقِ حیات کا دل نہیں بلکہ باہر کی دلچسپیاں ہیں۔ اس لئے جنت کی بیویوں اور حوروں میں لاجواب حُسن وجمال کے ساتھ ساتھ عفت مآبی، شرم وحیا اور اس کا شرمیلا پن ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حقیقت یہ

Marfat.com

ہے کہ جس حُسن کو آزادانہ نگاہیں خراج ادا کریں یا وہ حُسن جو دوسروں کی نگاہوں سے قبولیت کی سند چاہتا ہو، اس میں سب کچھ ہو سکتا ہے پاکیزہ جمالی نہیں ہو سکتی۔ جگر نے بالکل ٹھیک کہا:

رنگ آ ہی نہیں سکتا پاکیزہ جمالی کا
بے باک نگاہوں کے رَوندے ہوئے چہرے پر

دوسری بات اس آیت میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت کی ان حوروں کو اس سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے ہاتھ لگایا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کنواری اور باکرہ ہوں گی۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں خواہ کوئی عورت کنواری مری ہو یا کسی کی بیوی کی حیثیت سے، جوان مری ہو یا بوڑھی ہو کر، آخرت میں جب یہ سب نیک خواتین جنت میں جائیں گی تو جوان اور کنواری بنا دی جائیں گی۔ وہاں ان میں سے جس خاتون کو بھی کسی نیک مرد کی رفیقۂ حیات بنایا جائے گا وہ جنت میں اپنے اس شوہر سے پہلے کسی سے تعلق رکھنے والی نہ ہوگی۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنت میں صرف نیک انسان ہی نہیں جائیں گے بلکہ نیک جن بھی جائیں گے۔ اور وہاں جس طرح انسان مردوں کیلئے انسان عورتیں ہوں گی، اسی طرح جن مردوں کیلئے جن عورتیں بھی ہوں گی۔ دونوں کی رفاقت کیلئے ان ہی کے ہم جنس جوڑے ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ جنات کی جنت الگ ہوگی یا انسانوں کے قریب اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن اور انسان دونوں جنسوں کی عورتیں حیادار اور اچھوتی ہوں گی۔ اس کے بعد ترجیع کی آیت ہے اور اس کا موقع ومحل واضح ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں ان ہی جنتی عورتوں کے حُسن کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ایسی ہیں جیسے یاقوت اور مرجان۔ ان دونوں کا ذکر ان کے چہروں کی رعنائی، رنگت کی صفائی اور خوبصورتی کی انتہا کے حوالے سے بھی ہے۔ اور اس بات کیلئے بھی کہ ان کا حُسن ایسا ہی محفوظ اور مکنون ہے جیسے ہیرے اور موتی محفوظ اور چھپا کے رکھے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ترجیع کی آیت ہے جس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

(نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ٦٠) پھر اے جن وانس! تم اپنے رب کے کن کن احسانوں کو جھٹلاؤ گے۔ ٦١)

جزاء وسزا کے حق میں عقل وفطرت کی گواہی

اس آیتِ کریمہ میں ایک بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ دنیوی زندگی اپنے اندر ایک ایسا حُسن رکھتی ہے جس میں ہر ایک کیلئے اپیل موجود ہے۔ اور پھر خواہشاتِ نفس اپنے اندر ایسی اکساہٹ رکھتی ہیں کہ جس سے بچ نکلنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود جو شخص نہ دنیا کے خوبصورتیوں اور آسانیوں کی طرف توجہ دیتا ہے اور نہ خواہشاتِ نفس اسے اپنا گرویدہ بنانے میں کامیاب ہوتی ہیں، محض اس لئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا عزیز ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے کبھی اپنا دامن دنیا کی آلودگیوں سے تر نہیں ہونے دیتا۔ تو کیا اس کی ان نیکیوں کا اسے صلہ نہیں ملنا چاہئے، کیا اس کی قربانیوں کا کوئی بدلہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہو تو پھر خیر وشر کی کیا حقیقت باقی رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی سربلندی کا کیا تصور باقی رہے گا۔ جس دنیا میں خیر کا صلہ نہ ہو اور شر کی سزا نہ ہو اس دنیا کے مالک کے بارے میں کیا تصور قائم کیا جا سکتا ہے کہ وہ عادل اور رحیم ہے

Marfat.com

یا شر کوسپورٹ کرنے والا یا دنیا کے معاملات سے بے نیاز ہے۔ اور اگر وہ واقعی خیر کی سر بلندی چاہتا ہے اور برائی سے اسے نفرت ہے اور اس کے باوجود وہ برائی کرنے والے کو سزا نہیں دیتا تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ قادر و عادل ہے اور نہ قاہر و جابر۔ وہ ایک کمزور خدا ہے جس نے کائنات کو پیدا تو کر دیا لیکن اس کے بعد یہاں خیر کو غلبہ دینے اور شر کو ناکام کرنے سے عاجز رہ گیا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے ایسے تصورات انتہائی واہیات اور عقل سے گرے ہوئے ہیں۔ عقل کا فتویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور رحیم و کریم بھی۔ اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ احسان کا صلہ احسان سے دے۔ اور جن لوگوں نے ہر طرح کے حالات میں نیکی کا دامن تھامے رکھا ان کو انعامات سے نوازے۔ اور جن لوگوں نے اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کیا انہیں سزا دے۔ اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جس کا مفہوم واضح ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾

(ان دو باغوں کے سوا اور بھی دو باغ ہوں گے۔ ٦٢) تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ٦٣)

اصحابُ الیمین کی جنت

دُوْنِهِمَا اس کا ایک معنی تو ہے ان دونوں کے علاوہ۔ اور دوسرا معنی ہے ان دونوں سے فروتر۔ معنی کے اسی فرق کی وجہ سے اس آیت کے مفہوم کے تعین میں دشواری ہو رہی ہے، لیکن جب ہم سورۃ الواقعۃ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو دو گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ایک گروہ ہے السابقون کا۔ اور دوسرا گروہ ہے جنہیں اصحابُ الیمین اور اصحابُ المیمنۃ کہا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوا ہے کہ اس سے پہلے جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے اور ان ہی نعمتوں میں دو باغوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے یہ سب نعمتیں سابقون کو دی جائیں گی جو مقربینِ بارگاہِ الٰہی میں سب سے بالا قامت ہیں اور اب جن باغات اور نعمتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے ان سے اصحابُ الیمین کو نوازا جائے گا۔ اصحابُ الیمین اہلِ جنت میں سے ہونے کے باوجود مقام و مرتبہ میں سابقون کے بعد ہیں۔ اس لئے ان کی نعمتیں بھی نسبتاً ہزار رفعتوں کے باوجود دوسرے درجے کی ہوں گی۔ چنانچہ یہاں جن دو باغوں کا ذکر ہے یہ پہلے دونوں باغوں سے کسی حد تک فروتر ہوں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ان کے صاحبزادے ابوبکر اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو جنتیں سابقین یا مقربین کیلئے ہوں گی، جن کے برتن اور آرائش کی ہر چیز سونے کی ہوگی۔ اور دو جنتیں تابعین یا اصحابُ الیمین کیلئے ہوں گی، جن کی ہر چیز چاندی کی ہوگی۔ (فتح الباری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الرحمٰن) اس کے بعد آیتِ ترجیع کا مفہوم واضح ہے۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾

(گھنے سر سبز و شاداب باغ۔ ٦٤) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ٦٥)

گزشتہ آیت میں جن باغوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ انتہائی گھنے اور سر سبز ہوں گے۔ حتیٰ کہ ان کی سر سبزی سیاہی مائل ہو چکی ہوگی۔ مُدْهَآمَّةٌ ایسی گھنی سر سبزی کو کہتے ہیں جو انتہائی شادابی کے بعد سیاہی مائل ہو گئی ہو۔ اور کسی بھی شاداب باغ کا سب سے خوبصورت رنگ یہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جو موقع و محل کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

Marfat.com

فِيهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾

(ان میں دو چشمے ہوں گے ابلتے ہوے۔ ٦٦) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ٦٧)

اس سے پہلے گزشتہ آیات میں عَيْنٰنِ کی صفت تَجْرِيٰنِ گزر چکی ہے۔معلوم ہوتا ہے وہاں میدانی چشموں کا ذکر ہے اور میدان میں چشمے عام طور پر بہتے ہیں، لیکن یہاں پہاڑی چشموں کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ نضح کے معنی جوش مارنے اور ابلنے کے ہیں۔اور پہاڑی چشمے عام طور پر جوش کے ساتھ ابلتے ہیں اور اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جس کا مفہوم واضح ہے۔

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾

(ان میں پھل کھجور اور انار ہوں گے۔ ٦٨) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔ ٦٩)

فَاكِهَة پھلوں کو بھی کہتے ہیں اور میووں کو بھی۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ پہلے میووں کا ذکر فرمایا،اس کے بعد کھجور اور انار کا بطور پھل کے ذکر کیا۔اور اگر فَاكِهَة کا ترجمہ پھل کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ عام کے بعد خاص کے طور پر کھجور اور انار کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اس سے پہلے آیات میں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ارشاد فرمایا گیا ہے۔وہ سابقون کیلئے تھا اور یہ اصحاب الیمین کیلئے ہے۔اور ان دونوں میں فرق واضح ہے۔اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جس کے مفہوم میں کوئی الجھن نہیں۔

فِيهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۤنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾

(ان میں خوب سیرت اور خوبصورت بیویاں ہوں گی۔ ٧٠) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ٧١) حوریں خیموں میں رہنے والیاں۔ ٧٢) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ٧٣) ان سے پہلے ان کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا، نہ کسی جن نے۔ ٧٤) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ٧٥)

اصحاب الیمین کو بھی جو بیویاں ملیں گی ان کے بھی دو وصف نمایاں ہوں گے۔ایک یہ کہ وہ پاکیزہ سیرت ہوں گی اور دوسرا یہ کہ وہ پاکیزہ صورت ہوں گی۔سیرت کا ذکر صورت سے پہلے فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ سیرت دراصل صورت کی محافظ ہے۔اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے۔پھر فرمایا ایسی حوریں ہوں گی جو خیموں میں ٹھہرائی جائیں گی۔خیموں کی رہائش اہلِ عرب کی پسندیدہ رہائش رہی ہے۔ان کے ذوق کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔دورِ جاہلیت کا لٹریچر پڑھ کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امرائے عرب کے خیمے اور شامیانے ان کے شاندار محلوں کیلئے بھی قابلِ رشک ہوتے تھے۔اور یہاں تو جنت کے خیموں کا ذکر ہے جن کی خوبصورتی کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہم محض استفادے کیلئے تفہیم القرآن کا ایک اقتباس دے رہے ہیں کہ اسے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

Marfat.com

اغلب یہ ہے کہ اہلِ جنت کی بیویاں ان کے ساتھ ان کے قصروں میں رہیں گی اور ان کی سیر گاہوں میں جگہ جگہ خیمے لگے ہوں گے جن میں حوریں ان کیلئے لطف ولذت کا سامان فراہم کریں گے ہمارے اس قیاس کی بنا یہ ہے کہ پہلے خوب سیرت اور خوبصورت بیویوں کا ذکر کیا جا چکا ہے اس کے بعد اب حوروں کا ذکر الگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ ان بیویوں سے مختلف قسم کی خواتین ہوں گی۔ اس قیاس کو مزید تقویت اس حدیث سے حاصل ہوتی ہے جو حضرت ام سلمہ سے مروی ہے۔ وفرماتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ، دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟ حضورؐ نے جواب دیا، دنیا کی عورتوں کو حوروں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ابرے کو استر پر ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کس بنا پر؟ فرمایا اس لئے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔" (طبرانی)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کی بیویاں تو وہ خواتین ہوں گی جو دنیا میں ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کرتی ہوئی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ یہ اپنے ایمان وحُسنِ عمل کے نتیجے میں داخلِ جنت ہوں گی اور بذاتِ خود جنت کی نعمتوں کی مستحق ہوں گی۔ یہ اپنی مرضی اور پسند کے مطابق یا تو اپنے سابق شوہروں کی بیویاں بنیں گی اگر وہ بھی جنتی ہوں یا پھر اللہ تعالیٰ کسی دوسرے جنتی سے ان کو بیاہ دے گا جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی رفاقت پسند کریں۔ رہیں حوریں، تو وہ اپنے کسی حُسنِ عمل کے نتیجے میں خود اپنے استحقاق کی بنا پر جنتی نہیں بنیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ جنت کی دوسری نعمتوں کی طرح انہیں بھی اہلِ جنت کیلئے ایک نعمت کے طور پر جوان اور حسین وجمیل عورتوں کی شکل دے کر جنتیوں کو عطا کر دے گا تاکہ وہ ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن بہرحال یہ جن وپری کی قسم کی مخلوق نہ ہوں گی، کیونکہ انسان کبھی صحبتِ ناجنس سے مانوس نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اغلب یہ ہے کہ یہ وہ معصوم لڑکیاں ہوں گی جو نابالغی کی حالت میں فوت ہوگئیں اور ان کے والدین جنت کے مستحق نہ ہوئے کہ وہ ان کی ذُرّیت کی حیثیت سے جنت میں ان کے ساتھ رکھی جائیں۔ (تفہیم القرآن)

اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اصحابُ الیمین کو جو بیویاں عطا کرے گا انہیں نہ کسی انسان اور کسی جن نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہوگا۔ اس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ اور اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جس کا مفہوم واضح ہے۔

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾

(وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے سبز قالینوں اور نفیس اور نادر فرشوں پر۔ ۷۶) تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ۷۷)

عَبْـقَـرِيٍّ نادر اور قیمتی چیزوں کیلئے آتا ہے اور موقع ومحل کی رعایت سے اس کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہوسکتا ہے۔ عرب جاہلیت کے افسانوں میں جنوں کے دارالسلطنت کا نام عبقر تھا جسے ہم اردو میں پرستان کہتے ہیں۔ اسی کی نسبت سے عرب کے لوگ ہر نفیس اور نادر چیز کو عبقری کہتے تھے۔ انسانوں میں جو شخص غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ہو، اسے عبقری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہ نفیس ترین اور نادر چیز کے معنی میں ہے۔ وہ اہلِ جنت سرسبز قالینوں پر اور نہایت نفیس اور نادر فرشوں یا چاندنیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اس کے بعد آیتِ ترجیع ہے جس کا موقع ومحل واضح ہے۔

Marfat.com

تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝٧٨

(بڑا ہی بابرکت ہے نام تیرے عظمت والے اور سزاوارِ تکریم رب کا۔ ۷۸)

خاتمۂ سورۃ

آخری آیت میں فرمایا کہ تیرے رب کا نام بڑی برکت والا ہے اور وہ اپنی ذات میں جلیل و کریم بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اہلِ جنت کیلئے جتنے انعامات اور جس قدر نعمتوں کا ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی برکت کا اظہار ہے۔ اور جہاں اس نے دین کے دشمنوں اور مخالفین کیلئے سزاؤں کا ذکر کیا ہے وہ اس کی عظمت کا اظہار ہے۔ اور آیاتِ ترجیع میں بار بار جو اس نے کفار اور مشرکین کو توجہ دلانے کا قصد فرمایا ہے یہ اس کی کرامت، اس کے شرف اور اس کی عزت کا اظہار ہے۔ ورنہ جہاں تک اس کی قدرت کا تعلق ہے کائنات چشمِ زدن میں صرف اس کے ایک حکم سے تباہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی کرامت اور اس کا شرف ہمیشہ انسانوں کے حال پر اس کے التفاتِ خصوصی کو متوجہ رکھتا ہے۔ اور یہی زمین پر بسنے والوں کیلئے سب سے بڑی اس کی عنایت اور رحمت ہے۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

(٥٦)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلْوَاقِعَۃ ہے جو اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ علامہ سیوطی نے الاتقان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ اَلْوَاقِعَۃ کے نزول سے پہلے سورۃ طٰہٰ نازل ہو چکی تھی اور اس کے بعد سورۃ الواقعۃ نازل ہوئی ہے۔ اگر اس ترتیب کو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سورۃ کا نزول پانچ نبوی میں ہو چکا تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے جب اپنی بہن کے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں سورۃ طٰہٰ پڑھی جا رہی تھی۔ حضرت عمر کے پاؤں کی آہٹ سن کر ان لوگوں نے قرآن کے اوراق چھپا لئے۔ آپ نے پہلے بہنوئی کو مارا اور پھر بہن پر تشدد کیا۔ بہن کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ تو حضرت عمرؓ کو سخت ندامت ہوئی۔ ذرا نرم پڑے اور کہا کہ مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جسے تم نے چھپا لیا ہے۔ تو بہن نے کہا کہ ہم وہ صحیفہ آپ کو نہیں دے سکتے کیونکہ انه لایمسها الاالطاهر ''اس صحیفے کو صرف طاہر آدمی ہی چھو سکتا ہے۔'' اور آپ اپنے شرک کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور پھر اس صحیفے کو لے کر پڑھا۔ حضرت عمرؓ کی بہن نے جس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات کہی وہ آیت سورۃ الواقعۃ میں نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ اور تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ ہجرت حبشہ کے بعد پانچ نبوی میں ایمان لائے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس سورۃ کا نزول پانچ نبوی میں ہو چکا تھا۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ قیامت کا آنا ایک طے شدہ امر ہے۔ اس کے واقعہ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس دن آج جو لوگ اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہیں وہ پست کر دیئے جائیں گے اور ایمان وعمل سے بہرہ ور لوگ بلند کئے جائیں گے۔ ایمان اور سیرت و کردار کے حوالے سے لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ اصحاب الیمین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الشمال کا اور تیسرا گروہ سابقون الاولون کا ہوگا۔

ان تینوں گروہوں میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے مقرب سابقون الاولون ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں انہیں جو عزت و منزلت نصیب ہوگی اور جن کثیر اور عظیم نعمتوں سے وہ نوازے جائیں گے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس گروہ میں شامل ہونے والوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

السابقون الاولون کے بعد دوسرا درجہ اصحاب الیمین کا ہوگا۔اس گروہ میں جو لوگ شامل ہوں گے ان کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں اور انہیں جس طرح کی جنتوں سے نوازا جائے گا ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تیسرا گروہ اصحاب الشمال کا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ان کے بعض جرائم کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر ان کے اس انجام کو بیان کیا گیا ہے جس سے انہیں سابقہ پیش آنے والا ہے۔

اس کے بعد قریش کے متکبرین کو خطاب کر کے یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تم نے اصحاب الشمال کا جو انجام سنا ہے تمہارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔اگر تم نے اپنی اس روش کو نہ بدلا تو تمہیں بھی سخت انجام سے واسطہ پڑنے والا ہے۔پھر ان پر مزید اتمامِ حجت کرتے ہوئے قیامت اور جزاء وسزا کے بارے میں بعض بدیہی دلائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے نہ ماننے کی قسم کھا رکھی ہو۔

اس کے بعد قرآنِ کریم کے بارے میں ان کے شکوک کی تردید کی گئی ہے۔اور انہیں ملامت کرتے ہوئے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ تم ایسے بدنصیب لوگ ہو کہ یہ عظیم الشان نعمت تمہارے پاس آئی ہے لیکن تم اسے جھٹلا کر اپنی قسمت پھوڑ رہے ہو اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے لاپرواہی کا ثبوت دے رہے ہو۔پھر نہایت اختصار کے ساتھ قرآنِ کریم کی صادقت کی دلیل پیش کی گئی ہے کہ اس کے اندر ویسا ہی محکم نظام دیا گیا ہے جیسے کائنات کے ستاروں اور سیاروں کا نظام محکم ہے۔اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کتاب میں ایک محکم نظام دینے والی وہی ذاتِ عزیز ہے جس نے کائنات کا یہ نظام بنایا ہے۔پھر کفار سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ کتاب اس نوشتۂ تقدیر میں ثبت ہے جو مخلوق کی دسترس سے باہر ہے اور مخلوقات کی اس تک رسائی نہیں ہوتی۔وہاں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے دل پر نازل ہونے تک پاک نفس فرشتوں کے سوا کسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

آخر میں موت کو بطور دلیل پیش کر کے انسان کی بے بسی کو واضح کیا گیا ہے۔کہ جو انسان اپنی موت کے بارے میں اس قدر بے بس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبے اور اس کی جزاء وسزا کو کس طرح روک سکتا ہے۔انسان مانے یا نہ مانے موت کے بعد ہر مرنے والا اپنا انجام دیکھ کر رہے گا۔تو جو لوگ آج قیامت کو نہیں مانتے ان کا انجام نہایت دردناک ہوگا۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٩٦	سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (٥٦)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾
إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً
مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ
الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَأَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ
السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ
الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ
عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ
وَّأَبَارِيْقَ ۙ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾
وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَ
حُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا
سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ
مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَاءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾
وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾

Marfat.com

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾

رکوع: ا۔ (یادرکھوجبکہ واقع ہوجائے گی واقع ہونے والی۔ ا) تو اس کے واقع ہونے کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ ۲) وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔ ۳) جبکہ زمین یکبارگی ہلا دی جائے گی۔ ۴) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔ ۵) پس وہ پراگندہ غبار بن کررہ جائیں گے۔ ۶) اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہوجاؤ گے۔ ۷) دائیں بازو والے، تو کیا کہنے ہیں دائیں بازو والوں کے۔ ۸) اور بائیں بازو والے، تو کیا حال ہوگا بائیں بازو والوں کا۔ ۹) اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ ۱۰) (وہی لوگ مقرب ہوں گے۔ ۱۱) نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے۔ ۱۲) اگلوں میں سے بہت ہوں گے۔ ۱۳) اور پچھلوں میں تھوڑے ہوں گے۔ ۱۴) (مرصع تختوں پر۔ ۱۵) ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ۱۶) ان کی خدمت میں لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ ۱۷) پیالے، جگ اور شراب خالص کے ساغر لئے ہوئے دوڑتے پھرتے ہوں گے۔ ۱۸) جسے پی کر نہ ان کا سر چکرائے گا اور نہ وہ فتورِ عقل میں مبتلا ہوں گے۔ ۱۹) اور میوے ان کی پسند کے۔ ۲۰) اور پرندوں کے گوشت ان کی رغبت کے۔ ۲۱) اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گے۔ ۲۲) چھپا کر رکھے ہوئے موتیوں کی مانند۔ ۲۳) صلہ ان کے اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ ۲۴) وہ اس جنت میں کوئی لغو اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے۔ ۲۵) مگر ایک بولنا سلام سلام۔ ۲۶) اور دائیں بازو والے کیا کہنے ہیں دائیں بازو والوں کے۔ ۲۷) وہ بے خار بیریوں۔ ۲۸) اور تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلوں۔ ۲۹) اور پھیلے ہوئے سایوں میں۔ ۳۰) اور بہایا ہوا پانی۔ ۳۱) اور فراواں میوے۔ ۳۲) اور کبھی نہ ختم ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے۔ ۳۳) اور اونچے بستر ہوں گے۔ ۳۴) اور ان کی بیویوں کو ہم نے خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ ۳۵) ہم ان کو رکھیں گے کنواریاں۔ ۳۶) دلربا اور عمر میں ہم سن۔ ۳۷) یہ نعمتیں دائیں بازو والوں کیلئے ہوں گی۔ ۳۸)

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾

(یادرکھوجبکہ واقع ہوجائے گی واقع ہونے والی۔ ا) تو اس کے واقع ہونے کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ ۲)

Marfat.com

قیامت کا آنا یقینی ہے

سورۃ قٓ سے لے کر گزشتہ سورۃ تک مسلسل ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو وقوع قیامت کے بارے میں کئے جا رہے تھے۔ اور اس قیامت کے واقع ہونے پر ہر طرح کے دلائل بھی پیش کئے گئے جن میں دلائلِ آفاق بھی اور دلائلِ انفس بھی۔ اخلاقی دلائل بھی ہیں اور عقلی دلائل بھی۔ اب بجائے وقوع پر دلیل دینے کے براہِ راست یہ بات فرمائی گئی ہے کہ تم اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے قیامت کے وقوع کو تسلیم کرو یا نہ کرو اور تمہارے شبہات و سوالات کا جو جواب دیا گیا ہے ان پر اطمینان محسوس کرو یا نہ کرو، لیکن تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے۔ وہ اخلاقی ضرورت بھی ہے اور عقل کا تقاضا بھی۔ اور کائنات کے وجوہ کی توجیہ بھی۔ اور انسان کو مکلف مخلوق بنانے اور بے شمار نعمتوں سے نوازنے کا جواز بھی۔ اس لئے اس کا آنا ایسا حتمی اور یقینی ہے کہ جس سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی لئے قیامت کیلئے واقعہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی قریب قریب وہی ہیں جس کیلئے اردو زبان میں ہونی شدنی کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

دوسری آیت میں اس کے واقعہ ہونے کے بارے میں كَاذِبَةٌ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اس کو اسمِ فاعل کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس قیامت کا آنا ایسا یقینی ہے کہ جب وہ قیامت آ جائے گی تو اس کا جھٹلانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی کوشش کرے کہ اس کو روک دیا جائے اور اس حادثے کو وقوع پذیر نہ ہونے دیا جائے تو ایسا کرنا کسی کیلئے ممکن نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ كَاذِبَةٌ کو عاقبة اور عافية کی طرح مصدر سمجھا جائے۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے واقع ہونے میں کسی شک و شبہ اور جھوٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ محض ایک ڈراوا ہے اور اس لئے دیا جا رہا ہے تا کہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں تو یہ اس کی بھول ہے۔ یہ ایک امرِ واقعہ ہے جس سے بہر حال ہر شخص کو دوچار ہونا ہے۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

(وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔ ۳)

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ قریش اور بعض دیگر منکرینِ قیامت نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ جو سربلندی ہمیں آج حاصل ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دین ہے، وہ ہمیشہ حاصل رہے گی۔ ہم دنیا میں بھی سربلند ہیں اور آخرت میں بھی سربلند رہیں گے۔ اور جنہیں دنیا میں نہایت حقیر سمجھا جاتا ہے اور مال و دولت کے اعتبار سے تہی دامن ہیں ان کا آخرت میں بھی یہی حال ہوگا۔ ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے آنے کے بعد جو محض دنیا کی وجہ سے سربلند ہیں وہ حقیر اور پست ہو جائیں گے۔ اور جنہیں محض ایمان اور سیرت و کردار کی سزا کے طور پر دنیا میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور انہیں تکلیف میں مبتلا رکھا گیا وہ وہاں سربلند ہوں گے۔ آخرت کی دنیا نئے قوانین کے تحت وجود میں آئے گی۔ آج عزت و شرف کے جو معیارات ہیں وہ یکسر تبدیل ہو جائیں گے۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ قیامت گرانے والی اور اٹھانے والی ہوگی۔ یعنی ہر چیز تہ و بالا ہو کر رہ جائے گی۔ اور وہ ہر چیز کو الٹ پلٹ کر رکھ دے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، زمین پر پانی پھیل جائے گا اور زمین شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی۔ بلاشبہ قیامت کے بارے میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں اور اس آیت کے مفہوم میں ان دونوں باتوں کی گنجائش ہے۔

Marfat.com

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶

(جبکہ زمین یکبارگی ہلا دی جائے گی۔ ۴) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ ۵)
پس وہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔ ۶)

قیامت کے پہلے مرحلے کی تصویر

یہ قیامت کے پہلے مرحلے کی تصویر ہے کہ اس وقت ساری زمین یکبارگی ہلا دی جائے گی۔ یہ کوئی مقامی زلزلہ نہیں ہوگا جو کسی محدود علاقے میں آتا ہے بلکہ قیامت کا وقوع پوری زمین پر ہوگا۔ اور اس کو اس طرح ہلایا جائے گا کہ اونچے اونچے پہاڑ جنہیں لوگ غیر فانی اور غیر متزلزل گمان کئے بیٹھے ہیں، ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی ساری بلندیاں پست کر دی جائیں گی۔ تمام ایوان اور محلوں کو زمین بوس کر دیا جائے گا۔ اسی مضمون کو سورۃ الحاقۃ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۔ ''اور اس دن زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا کر یک دفعہ پاش پاش کر دیئے جائیں گے۔ پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔''

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰

(اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ ۷) دائیں بازو والے، تو کیا کہنے ہیں دائیں بازو والوں کے۔ ۸)
اور بائیں بازو والے، تو کیا حال ہوگا بائیں بازو والوں کا۔ ۹) اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ ۱۰)

لوگوں کی تقسیم تین گروہوں میں

آیت میں خطاب اگرچہ ان لوگوں سے ہے جو اس وقت قرآنِ کریم کے مخاطب تھے، لیکن حقیقت میں اس کی مخاطب پوری نوعِ انسانی ہے۔ کیونکہ یہ تین گروہوں کی تقسیم قیامت کے دن ہونے والی ہے جس کی بنیاد ایمان اور اعمالِ صالح ہوگی۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک سب لوگ اس تقسیم میں شریک ہوں گے۔ اس سے پہلے یہ جو فرمایا گیا ہے کہ وہ قیامت گرانے والی اور اٹھانے والی ہوگی، یہ دراصل اسی کی تفصیل ہے۔ اس تقسیم میں سب سے پہلے **اصحاب المیمنۃ** کا ذکر فرمایا گیا جس کے معنی ہیں سیدھے ہاتھ والے، دائیں بازو والے یا داہنے والے۔ اس کی لغوی بحث میں اسے یمین سے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے اور یمن سے بھی۔ لیکن ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ **سورۃ الحاقۃ** میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ''تو اس دن جس کا اعمال نامہ اس کے دہنے پکڑایا جائے گا وہ لوگوں سے خوش ہو کر کہے گا کہ یہ میرا اعمال نامہ، پڑھو'' اور دوسرے وہ لوگ ہوں گے جنہیں **اصحاب المشئمۃ** کہا گیا ہے۔

Marfat.com

اس کا معنی ہے بائیں بازو والے۔ اس کی بھی لغوی تحقیق کی ضرورت نہیں، قرآنِ کریم میں اس کی مراد کی صراحت کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ "رہا وہ جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ کاش میرا اعمال نامہ مجھ کو نہ ملتا۔"

تیسرا گروہ وہ ہے جس کو سابقون کہا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دعوتِ حق کے قبول کرنے میں سبقت کر گئے۔ بھلائی کے ہر کام میں سب سے آگے رہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کی پکار پر سب سے پہلے لبیک کہی۔ جہاد کا معاملہ ہو یا انفاق کا، ہمیشہ دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور اس کے سربلندی کیلئے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ یہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن سب سے آگے رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں ان پر نچھاور ہوں گی۔ یہ لوگ وہاں تک پہنچیں گے جو انسانی شرف وفضیلت کا آخری نقطہ ہے۔ اور اس نقطۂ کمال کا اندازہ آج کسی کے بس میں نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الیمین وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاص اور نیکیوں کی کثرت کی وجہ سے ان کی بخشش کا فیصلہ ہوگا۔ اور اعزاز کے طور پر ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ رہے وہ مسلمان جو اپنے گناہوں کی پاداش میں پکڑے جائیں گے اور سزا جھیلنے کے بعد ایمان پر خاتمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا اور آخر وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ ان لوگوں کا شمار اصحاب الیمین میں نہیں ہوگا۔

اسی طرح اصحاب المشئمه وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین سے انکار یا نفاق کی وجہ سے نفرت وکراہت کے سزاوار ٹھہریں گے۔ ان کی بدبختی اور بدانجامی کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور الفاظ اس کے بوجھ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۴﴾

(وہی لوگ مقرب ہوں گے۔ ۱۱) نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے۔ ۱۲) اگلوں میں سے بہت ہوں گے۔ ۱۳) اور پچھلوں میں تھوڑے ہوں گے.. ۱۴)

سابقون کا اعزاز

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی تائید ونصرت کیلئے سب سے آگے بڑھ کر قربانیاں دیں اور خدمت انجام دی وہی لوگ سب سے آگے بڑھنے والے ہوں گے۔ اور وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوں گے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں گلِ سرسبد اور سرخیلِ قافلہ کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس لئے سب سے پہلے ان کا ذکر فرمایا گیا۔ انہیں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ قیامت کے دن یہ نعمتوں سے بھرپور باغوں میں قیام پذیر ہوں گے۔ جنت تو ان تمام لوگوں کو ملے گی جو بخشش کے سزاوار ٹھہریں گے۔ لیکن سب کا درجہ برابر نہیں ہوگا اور درجے کے اعتبار سے انعام میں بھی تفاوت ہوگا۔ اس لحاظ سے سب جنتیں یکساں نہیں ہوں گی۔ اور نہ سب کو ایک ہی جنت ملے گی، بلکہ جو

Marfat.com

مقربینِ بارگاہ ہیں انہیں کئی کئی جنتوں سے نوازا جائے گا۔ ایسے خوش نصیب لوگ اگلوں میں زیادہ ہوں گے اور پچھلوں میں کم۔ ثُلَّةٌ ویسے تو گروہ اور جماعت کے معنی میں بولا جاتا ہے لیکن یہاں چونکہ اس کے مقابل میں قَلِيلٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس کو گروہ کثیر کے معنی میں لیا جائے۔

اولین و آخرین سے مراد کیا ہے، اس کے بارے میں اہلِ علم میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے نبی کریم ﷺ کی بعثت تک جتنی امتیں گزری ہیں وہ اولین ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لوگ آخرین میں شامل ہیں۔ بعض دیگر اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہاں اولین و آخرین سے مراد نبی کریم ﷺ کی امت کے اولین و آخرین ہیں۔ یعنی آپ کی امت میں ابتدائی دور کے لوگ اولین ہیں جن میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین کی تعداد کم ہوگی۔ قرآنِ کریم کو دیکھتے ہوئے دوسرا مفہوم راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں یہ صراحت فرمائی گئی ہے کہ جن خوش نصیبوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد و انفاق کی سعادت حاصل کی، بعد والوں کے جہاد و انفاق کا درجہ وہ نہیں ہوگا۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا وعدہ دونوں ہی سے اچھا ہے۔ یعنی بعد والے اگرچہ من حیث العموم اگلوں کے مرتبے کو تو نہ پہنچیں گے تاہم اپنے اخلاص و حُسنِ عمل سے ان کیلئے اصحاب الیمین میں جگہ حاصل کرنے کی راہ کھلی ہوگی۔

وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور جن کو بیش از بیش انعامات سے نوازا جائے گا ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اگلوں میں بڑی تعداد میں ہوں گے اور پچھلوں میں کم ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت اور راہِ خدا میں انفاق میں سبقت کر گئے وہ یقیناً مقربین میں شامل ہوں گے۔ لیکن سب کا مقام یکساں نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو ثُلَّةٌ کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ ان کی اکثریت کو تو یہ مقام ضرور حاصل ہوگا لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اصحاب الیمین میں تو شمار ہوں گے لیکن مقربین کے مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اور اس امت کے پچھلوں میں اگرچہ تھوڑے ہوں گے لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی عزیمت اور استقامت کی وجہ سے مقربین میں جگہ پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

(مرصع تختوں پر۔ ۱۵) ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ۱۶) ان کی خدمت میں لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ ۱۷) پیالے، جگ اور شرابِ خالص کے ساغر لئے ہوئے دوڑتے پھرتے ہوں گے۔ ۱۸) جسے پی کر نہ ان کا سر چکرائے گا اور نہ وہ فتورِ عقل میں مبتلا ہوں گے۔ ۱۹) اور میوے ان کی پسند کے۔ ۲۰) اور پرندوں کے گوشت ان کی رغبت کے۔ ۲۱) اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گے۔ ۲۲) چھپا کر رکھے ہوئے موتیوں کی مانند۔ ۲۳) صلہ ان کے اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ ۲۴)

Marfat.com

مقربین کی جنت کی تصویر

اللہ تعالیٰ ان مقربین کو جنت میں جن نعمتوں سے نوازے گا اس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ سب سے پہلے ان کی نشست گاہ اوران کے اندازِ نشست کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ جن تختوں پر تشریف فرما ہوں گے وہ سونے چاندی سے مرصع ہوں گے۔ اور گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اور بے تکلفی سے آمنے سامنے بیٹھنے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ دل کے صاف، کدورت سے دور اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ گویا ان کی نشست ایسی ہوگی جیسے دنیا میں شاہانِ عجم کا دربار ہوتا تھا۔

اس کے بعد سامانِ ضیافت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس سے مقربین کی تواضع کی جائے گی۔ اور خدمت گزار مختلف عمروں کے لوگ نہیں بلکہ ایسے نوعمر لڑکے ہوں گے جنہیں قرآنِ کریم نے دوسری جگہ غلمان کے نام سے یاد کیا ہے جو ہمیشہ ایک ہی عمر کے رہیں گے۔ اور وہ ان کی نشستوں میں پیالے، جگ اور شرابِ خالص کے جام لئے ہوئے ہر وقت چکر لگاتے رہیں گے تاکہ جس کو جس چیز کی اشتہا پیدا ہو وہ اس کے سامنے موجود رہے۔ بلاشبہ خدام کیلئے مستعد اور چست ہونا خدمت کا پہلا زینہ سمجھا جاتا ہے اور اس کیلئے نوعمری سے بہتر اور کوئی عمر نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شاید پیدا ہی اس کام کیلئے کیا گیا ہوگا۔ بعض اہلِ علم نے ان لڑکوں کے بارے میں مختلف باتیں کہی ہیں کہ یہ کفار کے بچے ہوں گے جو نابالغی میں وفات پا گئے، یا ان مسلمانوں کی اولاد ہوگی کہ جن کے والدین جنت میں نہ جا سکے اور وہ خود نابالغ ہونے کی وجہ سے حساب کتاب سے بچے رہے۔ لیکن صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ لڑکے مقربین کی خدمت ہی کیلئے ایک ہی عمر کے پیدا کئے جائیں گے اور اسی کے مطابق ان کو تربیت دی جائے گی۔

وہ جن برتنوں میں مقربین کو شرابِ طہور پیش کریں گے ان کیلئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ کسی حد تک وضاحت طلب ہیں۔ اکواب، کوب کی جمع ہے۔ کوب اور کپ ایک ہی چیز ہے جو پیالے پر بولا جاتا ہے۔ اباریق، ابریق کی جمع ہے، یہ فارسی کے آب ریز سے معرب معلوم ہوتا ہے۔ کأس ظرف اور مظروف یعنی شراب اور جامِ شراب دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور مَعِین شرابِ خالص کا ایک چشمہ ہے جو جنت میں ہے۔

اس شراب کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں پی جانے والی شراب سے جو مضر اثرات ہوتے ہیں یہ شراب ان تمام مضر اثرات سے پاک ہوگی۔ دنیوی شراب سے جس طرح جسم ٹوٹتا، خمار پیدا ہوتا اور دردِ سر لاحق ہوتا ہے، جنت کی شراب ایسے تمام مفاسد سے پاک ہوگی۔ دنیوی شراب سے عقل جاتی رہتی ہے لیکن جنت کی شراب اس زہر سے محفوظ ہوگی۔

جنت کے ساتھ جو لوازم مہیا کئے جائیں گے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کے سامنے بڑی مقدار میں ایسے پھل پیش کئے جائیں گے جو ان کا اپنا انتخاب ہوگا۔ اور اگر وہ گوشت کھانا چاہیں گے تو ان پرندوں کا گوشت ان کے سامنے پیش کیا جائے گا جو ان کو پسند ہوں گے۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ چیزیں غیر معمولی طریقے سے جنت ہی میں ان کیلئے مہیا کی جائیں۔ یعنی وہاں صرف پیٹ ہی کی غذا مہیا نہیں کی جائے گی بلکہ ہر شخص کے ذوق اور انتخاب کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔

Marfat.com

اس کے بعد اس نعمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے بغیر ہر شخص کی شخصیت میں خلاء باقی رہ جاتا ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو انسان کی شخصیت کو مکمل کرتی اور اس کے لطف ولذت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ اس سے مراد وہ بیویاں ہیں جو خوبصورت حوروں کی شکل میں انہیں ملیں گی۔ اور وہ اس قدر اچھوتی اور پاکیزہ ہوں گی جیسے دُرِ مکنون ہوتا ہے۔ یعنی وہ موتی جسے نگاہوں سے بھی چھپا کے رکھا گیا ہو اور جس کے حُسن کا عالم یہ ہو کہ:

ہوا بھی چھو جائے تو رنگ ہو میلا

ان ساری نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ ساری نعمتیں ان کو ان کے اعمال کے صلے میں ملیں گی۔ انہوں نے دنیا میں اپنی اطاعت اور استقامت سے ان نعمتوں کا استحقاق پیدا کیا ہوگا۔ اور رب کریم ان کو حق کے طور پر یہ سب کچھ عطا فرمائے گا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی کریمی کا جس حد تک بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ یقیناً عطاو بخشش سے بھی خوش ہوتا ہے لیکن اسے حقیقی خوشی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اسے کوئی غیر معمولی چیز حق کے طور پر ملتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کا حال یہ ہے کہ کوئی شخص ہزار کوشش بھی کرے تو اس کا کوئی عمل اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل ہو۔ اس لئے اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور فضل کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے کمزور اعمال کو بھی اتنی عزت عطا فرمائے گا کہ اپنی بیش از بیش نعمتوں کو ان کے اعمال کا صلہ قرار دے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

(وہ اس جنت میں کوئی لغو اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے۔ ۲۵) مگر ایک بولنا سلام سلام۔ ۲۶)

اہلِ جنت کے ذوق کی پاسداری

اہلِ جنت جس پاکیزہ ذوق کے مالک ہوں گے اگر تمام نعمتوں کے باوجود ان کے ذوق کی تسکین کا سامان نہ ہوتا تو وہ نعمتیں شاید انہیں وہ خوشی مہیا نہ کر سکتیں جو انہیں ملنی چاہئے تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذوق کا لحاظ کرتے ہوئے اس بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کو کم نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ چونکہ دنیا میں مخالفین کی طرف سے ہر طرح کی تہمتوں، نکتہ چینیوں اور ژاژ خائیوں کے ہدف بنے رہے ہیں۔ اب ان کا صلہ یہ دیا جائے گا کہ وہاں وہ کسی بکواس کرنے والے کی بکواس نہیں سنیں گے، کوئی گناہ کی بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ وہاں انہیں ہر طرف وہ کچھ سننے کو ملے گا جو ان کے ذوق کی طلب ہوگی۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ وہ کوئی بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے بلکہ ہر طرف فرشتوں کی طرف سے اور ساتھیوں کی طرف سے سلام ہی سلام سننے کو ملے گا۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾
وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾
وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾

Marfat.com

(اور دائیں بازو والے کیا کہنے ہیں دائیں بازو والوں کے۔ ۲۷) وہ بے خار بیریوں۔ ۲۸) اور تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلوں۔ ۲۹) اور پھیلے ہوئے سایوں میں۔ ۳۰) اور بہایا ہوا پانی۔ ۳۱) اور فراواں میوے۔ ۳۲) اور کبھی نہ ختم ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے۔ ۳۳) اور اونچے بستر ہوں گے۔ ۳۴) اور ان کی بیویوں کو ہم نے خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ ۳۵) ہم ان کو رکھیں گے کنواریاں۔ ۳۶) دلربا اور عمر میں ہم سن۔ ۳۷) یہ نعمتیں دائیں بازو والوں کیلئے ہوں گی۔ ۳۸)

اصحابُ الیمین کو جنت میں ملنے والی نعمتوں کا ذکر

یہاں سے اصحاب الیمین کو جنت میں جو انعامات ملیں گے اور جن نعمتوں سے انہیں نوازا جائے گا، ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اوپر جن خوش نصیبوں کا ذکر اصحاب المیمنہ کے الفاظ سے ہوا ہے ان ہی کا ذکر اب اصحاب الیمین کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ ان کی عظمت و شان اور ان کے مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دائیں بازو والوں کی کیا بات ہے۔ یعنی الفاظ اس کے ذکر کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پھر جن پھلوں سے جنت میں ان کی تواضع کی جائے گی ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کو ایسی بیریوں کے بیر کھانے کو ملیں گے جن کے کانٹے نہیں ہوں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی آدمی خود سے بیری سے بیر اتار کر کھانا چاہے تو کانٹے اس کے ہاتھوں کو زخمی کر دیں۔ اور دنیا میں بھی یہ دیکھا ہے کہ جن بیریوں کے بیر خوش ذائقہ اور خوشبودار ہوتے ہیں ان بیریوں پر کانٹے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور مزید یہ بات بھی ہے کہ ہمارے علاقے میں تو بیری کے درخت کی کوئی خاص وقعت نہیں۔ لیکن بعض علاقوں میں اس پھل کو نہایت اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ نہایت لذیذ، خوشبودار اور خوش رنگ ہوتا ہے۔ اس لئے سورۃ سبا میں جن جنت نشان باغوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بیری کے درخت بھی تھے جو تباہ ہونے کے بعد جھاڑ بن کر رہ گئے تھے۔ اور سب سے زیادہ جو قابلِ توجہ بات ہے وہ یہ ہے کہ یہاں جن بیریوں کا ذکر ہے یہ جنت کی بیریاں ہیں جن کی اصل حقیقت جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس درخت کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسی وجہ سے وہ درخت جس پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور جسے آنحضرت ﷺ نے عالمِ ناسوت اور عالمِ لاہوت کے نقطۂ اتصال پر دیکھا تھا جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس درخت سے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی اور تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا، کوئی تعجب نہیں کہ وہ بھی بیری ہی کا درخت ہو۔ جنت کے جس دوسرے پھل کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ کیلا ہے۔ اور وہ کیلا بھی ایسا ہوگا جو تہ در تہ ایک دوسرے سے پیوست ہوگا۔ پھلوں کے بعد جنت کی شادابی اور خوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہاں کے درخت ایک دوسرے سے متصل اور اس قدر شاداب اور سرسبز ہوں گے کہ ان کے اندر دھوپ کا گزر نہیں ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر طرف سایہ ہی سایہ ہوگا۔ اور پانی چونکہ وہاں کبھی ختم نہیں ہوگا اس مسلسل پانی کی وجہ سے اس کی شادابی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مزید فرمایا کہ اوپر جن پھلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا ذکر محض مثال کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ وہاں اہلِ جنت کو بکثرت دوسرے پھل بھی دیے جائیں گے۔ اور وہ پھل ایسے ہوں گے جو کسی موسم کے بدلنے سے متاثر نہیں ہوں گے۔ بلکہ ہر وقت دستیاب اور سدا بہار رہیں گے۔ ایسا بھی نہیں ہوگا کہ کبھی کوئی روکنے والا ان پھلوں سے روکے، یا باغوں پر ایسی افتاد آئے کہ پھل ضائع ہو کے رہ جائے۔ پھر اہلِ جنت کی نشست گاہوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے

Marfat.com

بیٹھنے کیلئے اونچی نشست گاہیں بنائی جائیں گی۔ آرام کرنے کیلئے اونچے بچھونے ہوں گے۔ اور اسی کی نسبت سے بیویوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم ان کی بیویوں کو نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں خاص اٹھان پر اٹھایا جائے گا۔ حوروں کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ بیویاں مراد ہیں جو اپنے ایمان اور عملِ صالح کی وجہ سے جنت کی مستحق ٹھہریں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں از سرِ نو جوان بنا دے گا چاہے ان کا انتقال کسی عمر میں بھی ہوا ہو۔ اور وہ شکل و صورت میں کیسی بھی رہی ہوں انہیں نہایت خوبصورت، کنواری اور باکرہ بنا دیا جائے گا۔ اور یہ کیفیت ان کی ہمیشہ رہے گی۔ اور ایسی شکل و صورت ان کو عطا کی جائے گی جنہیں عُـرُبٌ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ عُـرُوبٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں محبوب اور دلربا بیوی، جو بہترین نسوانی خوبیوں کی حامل ہو۔ خوش اطوار اور خوش گفتار ہو، اور شوہر کو دل و جان سے چاہتی ہو اور اس کا شوہر بھی اس پر فدا ہو۔ اور مزید ان کی خوبی یہ ہے کہ انہیں اَتراب بنایا جائے گا۔ اتراب، تِرْبٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے ہم سن اور ہم عمر۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنی شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ آپس میں ہم سن ہوں گی۔ یعنی تمام جنتی عورتیں ایک ہی عمر کی ہوں گی اور ہمیشہ اسی عمر کی رہیں گی۔ کوئی بعید نہیں کہ یہ دونوں باتیں ہی بیک وقت صحیح ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا کی زندگی میں اس حال میں مری ہیں کہ وہ بوڑھی پھونس تھیں، آنکھوں میں چیپڑ، سر کے بال سفید۔ اس بڑھاپے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر سے باکرہ پیدا کر دے گا۔ حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ اگر کسی عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہ چکے ہوں اور وہ سب جنت میں جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ملے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جسے چاہے چن لے۔ اور وہ اس شخص کو چنے گی جو ان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گی کہ اے رب! اس کا برتاؤ میرے ساتھ سب سے اچھا تھا، اس لئے مجھے اس کی بیوی بنا دے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے ام سلمہؓ! حُسنِ اخلاق دنیا اور آخرت کی ساری بھلائی لوٹ لے گیا ہے۔

اس کے بعد پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ یہ ساری نعمتیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں اصحاب الیمین کیلئے ہیں۔ یعنی دائیں بازو والے ان نعمتوں سے متمتع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں بیش از بیش شرف عطا فرمائے گا۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾
وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ﴿٤٢﴾
وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿٤٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ
ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾
وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا

Marfat.com

لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا
الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ
شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ
فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ
اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ
بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ
اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ
اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ
اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ
مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (ان اگلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ۔ ۳۹) اور پچھلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ۔ ۴۰) اور بائیں بازو والے، اور بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا۔ ۴۱) وہ لُو کی لپیٹ اور کھولتے ہوئے پانی۔ ۴۲) اور کالے دھویں کے سایہ میں ہوں گے۔ ۴۳) جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ۔ ۴۴) یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس سے پہلے خوشحال تھے۔ ۴۵) اور سب سے بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔ ۴۶) اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو پھر اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔ ۴۷) اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ ۴۸) اے پیغمبر کہہ دیجئے! بے شک اگلے اور پچھلے۔ ۴۹) سب جمع کیے جائیں گے، ایک معین دن کی مقررہ مدت تک۔ ۵۰) اے گمراہو، اور جھٹلانے والو! ۵۱) تم شجرِ زقوم کی غذا کھاؤ گے۔ ۵۲) پھر اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے۔ ۵۳) پھر اس پر کھولتا پانی پیو گے۔ ۵۴) تو نس لگے ہوئے اونٹوں کی طرح۔ ۵۵) یہ ان کی پہلی مہمانی ہوگی جزاء کے دن کی۔ ۵۶) ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم کیوں تصدیق نہیں کرتے ہو؟ ۵۷) کیا تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم ٹپکا دیتے ہو۔ ۵۸) اس سے بچہ تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ۵۹) ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کی ہے، اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ ۶۰) اس بات سے کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے مانند بنا دیں، اور تمہیں اس عالم میں اٹھائیں جس کو تم نہیں جانتے۔ ۶۱) اپنی پہلی پیدائش کو تم جانتے ہو، تو پھر کیوں سبق حاصل نہیں کرتے۔ ۶۲) کبھی تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم بوتے ہو۔ ۶۳) اس کی کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں۔ ۶۴) ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کردیں، اور تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔ ۶۵) کہ ہم پر تو الٹی چٹی پڑ گئی۔ ۶۶) بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم رہے۔ ۶۷) کیا تم نے اس پانی کو دیکھا ہے جو تم پیتے ہو۔ ۶۸) کیا تم نے اس کو بادلوں سے اتارا ہے یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں۔ ۶۹) اگر ہم چاہیں تو اس کو سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر تم شکر کیوں ادا نہیں کرتے۔ ۷۰) ذرا غور تو کرو اس آگ پر جس کو تم جلاتے ہو۔ ۷۱) اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ ۷۲) ہم نے اس کو یاد دہانی اور حاجت مندوں کیلئے سامان زیست بنایا ہے۔ ۷۳) پس اے نبی اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ ۷۴)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

(ان اگلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ۔ ۳۹) اور پچھلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ۔ ۴۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ سابقون کی تعداد تو پہلے لوگوں میں زیادہ ہوگی۔ اور پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ سعادت کم خوش بختوں کو حاصل ہوگی۔ لیکن دائیں بازو والے پہلوں میں بھی اور بعد کے آنے والوں میں بھی بڑی تعداد میں ہوں گے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد تو سارے صحابہ ہی اصحاب الیمین میں شامل ہیں اور اسی طرح تابعین بھی بڑی تعداد میں شامل رہے ہوں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ قیامت تک جتنے مسلمان آئیں گے ان میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کا شمار دائیں بازو والوں میں ہوگا۔

Marfat.com

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۵ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾

وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾

(اور بائیں بازو والے، اور بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا۔ ۴۱) وہ لُو کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی۔ ۴۲)
اور کالے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔ ۴۳) جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ۔ ۴۴)

اصحابُ الشمال کا انجام

یہاں سے ان لوگوں کی بدنصیبی کا حال شروع ہو رہا ہے جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ ان کی بدنصیبی کا عالم یہ ہوگا کہ انہیں لُو کی لپٹ میں ڈالا جائے گا۔ جہنم کی آگ انہیں جلائے گی۔ اور جب وہ اس سے گھبرا کر پانی کی طرف بھاگیں گے تو انہیں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ اور یہی بھاگ دوڑ ان کی زندگی ہوگی۔ کبھی انہیں اگر جہنم کی آگ سے نکلنے کا موقع ملے گا تو وہ عذاب کی شدت میں کمی کیلئے سایہ ڈھونڈیں گے۔ تو سیاہ دھوئیں کا سایہ انہیں میسر آئے گا۔ اور یہ سایہ ایسا ہوگا کہ نہ تو اس میں سائے جیسی ٹھنڈک ہوگی اور نہ کسی اور پہلو سے ان کیلئے فائدہ بخش ہوگا۔ البتہ اس میں وہ ساری اذیتیں ہوں گی جو گرم سائے میں ہو سکتی ہیں۔

اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَکَانُوْا
یَقُوْلُوْنَ ۵ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

(یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس سے پہلے خوشحال تھے۔ ۴۵) اور سب سے بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔ ۴۶) اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ ۴۷) اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ ۴۸)

اصحابُ الشمال کے بڑے بڑے جرائم کا ذکر

گزشتہ آیات میں جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے اب ان کے بڑے بڑے جرائم کا ذکر کیا جا رہا ہے اور یہی وہ جرائم ہیں جن کے سبب سے وہ انجامِ بد کو پہنچے۔ ان میں سے پہلا جرم یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بڑے مالدار اور خوشحال تھے۔ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزر رہی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں پر شکر کرنے کی بجائے استکبار کا رویہ اختیار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کے جواب میں یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھی رفاہیت بخشی ہے اور آخرت میں بھی ہمیں سرافراز کرے گا۔ اور جہاں تک تم مسلمانوں کا تعلق ہے تم دنیا میں بھی دھکے کھا رہے ہو اور آخرت میں بھی تمہارا مقدر محرومیاں ہوں گی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا حال یہ تھا کہ وہ گناہِ عظیم پر اصرار کرتے تھے۔ عظیم کے لفظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم نے شرک کو ظلمِ عظیم سے تعبیر کیا ہے۔ ہزار سمجھانے کے باوجود وہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے کی بجائے شرک پر اصرار کرتے تھے۔ اور جب انہیں ان کے انجام بد سے ڈرایا جاتا اور آخرت یاد دلائی جاتی تو وہ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ آخرت کو ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں تک الگ الگ ہو جائیں گی تو ہم از سر نو زندہ کئے جائیں گے۔ بلکہ صرف ہم ہی نہیں تمہاری باتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے وآباؤ اجداد بھی زندہ کئے جائیں گے جو مدتوں پہلے گزر چکے ہیں اور پھر وہ نہایت برہمی کے انداز میں پوچھتے کہ تم ہی کہو کہ ایسی انہونی باتیں قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم محض لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہو۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے! بے شک اگلے اور پچھلے۔ ۴۹) سب جمع کئے جائیں گے، ایک معین دن کی مقررہ مدت تک۔ ۵۰)

قریش کو تنبیہ

اصحاب الشمال کے جرائم بیان کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اپنے مخالفین سے کہئے کہ تم بھی آخرت کے عقیدے کے جواب میں اسی طرح کی فرسودہ باتیں کرتے ہو، اور بار بار یہ سوال اٹھاتے ہو کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے تو آخر دوبارہ ہمیں کیسے اٹھایا جائے گا۔ تمہیں خوب معلوم ہونا چاہئے کہ جتنے بھی اگلے اور پچھلے ہیں سب ایک معین دن کی مقررہ میعاد تک جمع کئے جاتے رہیں گے۔ اور جب وہ میعاد آ جائے گی تو جزاء و سزا کیلئے اٹھائے جائیں گے۔ یعنی تم یہ سمجھتے ہو کہ جو مر جاتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کی یاد تمہارے حافظوں سے محو بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ ختم نہیں ہوتے، انہیں عالم برزخ میں جمع کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں بھی ان کے جسم کے اجزاء موجود ہوں گے مقررہ میعاد کے آنے پر سب جمع کئے جائیں گے اور انہیں انسانی جسموں میں تبدیل کر کے بولتے ہوئے انسان بنا کر محشر میں پہنچا دیا جائے گا اور وہاں وہ اپنے اعمال کی جواب دہی کریں گے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾

(اے گمراہو، اور جھٹلانے والو! ۵۱) تم شجر زقوم کی غذا کھاؤ گے۔ ۵۲) پھر اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے۔ ۵۳) پھر اس پر کھولتا پانی پیو گے۔ ۵۴) تونس لگے ہوئے اونٹوں کی طرح۔ ۵۵) یہ ان کی پہلی مہمانی ہوگی جزاء کے دن کی۔ ۵۶)

قریش سے مزید کہا گیا، اے گمراہو اور جھٹلانے والو! کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی بجائے شرک کا راستہ اختیار کیا، اور آخرت کو تم ہمیشہ جھٹلاتے رہے۔ اب تم آخرت میں پکڑے گئے ہو، اب تمہیں جہنم میں زقوم کے خاردار اور کڑوے پھلوں سے اپنا پیٹ بھرنا ہوگا۔ اور جب تمہاری پیاس بھڑکے گی تو تم کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ اور اس طرح پیو گے جیسے تونس لگے ہوئے اونٹ پیتے ہیں۔

Marfat.com

هِیْم جمع ہے اَهْيَم کی۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کو ھیام یعنی تونس کی بیماری لگ جائے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ پانی پیتا چلا جاتا ہے، لیکن اس کی پیاس نہیں بجھتی۔

آخر میں فرمایا کہ یہ ان بدبختوں کی جہنم میں پہلی ضیافت ہوگی جو ان کے سامنے پیش کی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اس نے جسم وجان کی رعنائیوں اور بے شمار نعمتوں سے انہیں نوازا۔ لیکن بجائے شکر ادا کرنے کے، استکبار کا رویہ اختیار کیا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کی بجائے اکڑ گئے۔ تو اب جہنم میں ان کے ساتھ وہ سلوک ہو رہا ہے جو کسی ذلیل ترین انسان سے بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اس پہلی ضیافت کے بعد کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

(ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم کیوں تصدیق نہیں کرتے ہو؟ ۵۷)

خطاب ان ہی منکرین سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بھی انکار کرتے تھے اور آخرت کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کے سامنے ایک ہی دلیل رکھی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا، اگر تم اپنی خلقت پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تمہاری تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کا دخل نہیں، وہی واحد خالق و مالک ہے۔ اور قادر مطلق ہے کہ وہ اولین تخلیق پر بھی قادر ہے تو دوسری تخلیق پر بھی وہی قادر ہے۔ پھر اگلی آیت میں اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

(کیا تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم ٹپکا دیتے ہو۔ ۵۸) اس سے بچہ تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ۵۹)

انسان کی اپنی خلقت سے قیامت پر دلیل

اس میں انسان سے خود اس کی خلقت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ مقصود یہ نہیں کہ وہ جواب دے بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ اس پر غور کرے اور دیکھے کہ انسان کی تخلیق میں خود انسان کا کتنا حصہ ہے۔ اور پھر کیا اس میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے یا نہیں۔ جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ پانی کی ایک بوند عورت کے رحم میں ٹپکا کر الگ ہو جاتا ہے۔ اس بوند میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اور نہ یہ صلاحیت ہے کہ جو کچھ پیدا ہو وہ انسان ہی کا بچہ ہو۔ اور نہ اس میں کسی اور قوت کا دخل ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو اس بوند کو تہ بہ تہ تاریکیوں کے اندر گوناگوں مراحل سے گزار کر ایک بھلے چنگے بچہ کی صورت میں عورت کے پیٹ سے باہر لاتی ہے اور پھر اس کو بچپن، بلوغ، جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گزار کر نوعِ انسانی کا گلِ سرسبد بنا دیتی ہے۔ اس کی تفصیلات میں آدمی جتنا اترتا چلا جائے اتنا ہی حیرت میں ڈوبتا جاتا ہے کہ پانی کی یہ بوند پہلے ایک کیڑے کی شکل اختیار کرتی ہے جو طاقتور خوردبین کے بغیر نظر تک نہیں آسکتا۔ پھر یہ کیڑا عورت کے جسم کی تاریکیوں میں کسی وقت اس نسوانی انڈے سے جا ملتا ہے جو اسی کی طرح ایک

Marfat.com

حقیر سا خوردبینی وجود ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں کے ملنے سے ایک چھوٹا سا زندہ خلیہ (Cell) بن جاتا ہے جو حیاتِ انسانی کا نقطۂ آغاز ہے۔ پھر اس کے بعد جو اس میں تبدیلیاں آتی ہیں اور درجہ بدرجہ جس طرح یہ خلیہ بچے کی صورت اختیار کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔ تو جس شخص کی نگاہوں میں خلقتِ انسانی کا یہ پورا سلسلہ موجود ہو وہ کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ اس کی خلقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی کارفرمائی بھی شامل ہے۔ اور یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں بھی یہ قدرت ہے کہ وہ ایسا حیرت انگیز کارنامہ وجود میں لا سکے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

(ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کی ہے، اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ ٦٠) اس بات سے کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے مانند بنا دیں، اور تمہیں اس عالم میں اٹھائیں جس کو تم نہیں جانتے۔ ٦١)

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا حوالہ

یعنی جس طرح ہم تمہاری صورت گری اور تمہاری تخلیق پر قادر ہیں اسی طرح ہم تمہاری موت پر بھی قادر ہیں۔ ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر رکھی ہے۔ یہ بات ہم طے کرتے ہیں کہ کس کو ماں کے پیٹ ہی میں اور کسے پیدا ہوتے ہیں مر جانا ہے اور کسے کس عمر تک پہنچ کر مرنا ہے۔ نہ کوئی وقت سے پہلے مر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی آئی ہوئی موت کو روک سکتا ہے۔ اور ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ تمہیں ایک ایسے عالم میں اٹھا کھڑا کریں جس کے نوامیس و قوانین اس عالم سے بالکل مختلف ہوں گے اور تم انہیں بالکل نہیں جانتے۔ تمہیں اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد مجرد ایک نفخۂ صور سے ساری خلقت از سرِ نو وجود میں کیسے آ جائے گی۔ اور پھر کیسے ایک ایک فرد کا حساب ہوگا۔ اور پھر جنت اور دوزخ ابدی کیسے ہو سکتی ہیں، لیکن تمہارے اس اشکال کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم جس دنیا میں رہ رہے ہو اسی کے قوانین سے واقف ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک ایسا جہان پیدا کرے جس کے نوامیس و قوانین دنیا سے بالکل الگ ہوں۔ جس طرح یہاں فنا ہر چیز کا مقدر ہے اسی طرح وہاں ہر چیز کیلئے ابدیت لازم ہوگی۔ یہاں موت کے بعد بظاہر زندگی کے آثار نظر نہیں آتے اور زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن وہاں نئی زندگی کے بعد موت ختم ہو جائے گی۔ جہنم کی آگ کسی کو موت سے ہمکنار نہ کر سکے گی۔ دنیا میں بھی جو قوانین کارفرما ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے ہیں اور آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوگا اور اسی کے فیصلے کی تعبیر ہوگی۔ لیکن آج چونکہ اس جہان کو ہم نہیں جانتے اس لئے اس پر ایمان لانے میں انسان کو دشواری پیش آ رہی ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا یقین پیدا کر لے تو پھر اس کیلئے کوئی دشواری پیدا نہیں ہو سکتی۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

(اپنی پہلی پیدائش کو تم جانتے ہو، تو پھر کیوں سبق حاصل نہیں کرتے۔ ٦٢)

Marfat.com

یعنی اگر تم نے عالمِ آخرت کو نہیں دیکھا جس میں انسان نئی زندگی پا کر پہنچے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم آخرت کا انکار کر دو، اور اس کی تکذیب پر اصرار کرنے لگو۔ آخر تم نے دنیا کی زندگی کو تو دیکھا ہے اس سے سبق حاصل کیوں نہیں کرتے، اور وہ سبق یہ ہے کہ ہماری تخلیق اور ہماری یہ دنیا اور یہاں چلنے والے قوانین سب اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو کرنے پر قادر ہے۔ لیکن اس کے بالکل برعکس یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ چونکہ یہاں کی ہر چیز فانی اور ختم ہونے والی ہے تو ہم آخر اس دنیا کو کیسے تسلیم کر لیں جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس میں الجھن صرف اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ ہم دنیا کو حتمی اور دائمی سمجھتے ہیں، اور اس میں ہونے والی ہر بات کو حالات کا تقاضا جانتے ہیں۔ لیکن اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے کہ یہ کچھ ہو رہا ہے سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہو رہا ہے اور اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ جس طرح دنیا بنا سکتا ہے، اسی طرح وہ آخرت بھی بنا سکتا ہے۔ ہمیں یہاں کوئی الجھن پیش نہیں آتی تو وہاں آخر کیوں آئے گی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں، وہ دنیا ہماری آنکھوں سے اوجھل اور عقل کی رسائی سے ماوراء ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾

(کبھی تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم بوتے ہو۔ ۶۳) اس کی کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں۔ ۶۴)

نظامِ ربوبیت سے استدلال

انسان کی خلقت سے استدلال کرنے کے بعد انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ جس طرح تمہارا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے اسی طرح تمہاری بقاء کا سامان جس غذا سے ہو رہا ہے وہ بھی اس ربِ کریم کی ربوبیت کا فیضان ہے۔ اور اس میں بھی نہ اس ربِ کریم کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ کسی اور کی قدرت میں ہے کہ وہ غذا کا سامان بہم پہنچا سکے۔ جس طرح انسان کی تخلیق میں انسان کا دخل صرف اتنا تھا کہ وہ پانی کی ایک بوند عورت کے رحم میں ٹپکا کر الگ ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی حال ہے کہ کسان کھیتی میں بیج ڈال کر الگ ہو جاتا ہے۔ نہ یہ زمین اس کی ہے جسے اس نے بیج ڈالنے کیلئے انتخاب کیا ہے۔ نہ اس زمین کو روئیدگی کی صلاحیت اس نے بخشی ہے۔ اس میں وہ مادے جن سے انسان کی غذا کا سامان بہم پہنچتا ہے انسان نے فراہم نہیں کئے۔ پھر اس بیج کی نشو و نما میں انسان کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کاشت کو لہلہاتی کھیتیوں میں تبدیل کرنے کیلئے زمین کے اندر جس عمل اور زمین کے اوپر جس ہوا، پانی، حرارت، برودت اور موسمی کیفیت کی ضرورت ہے ان میں سے کوئی چیز انسان کی تدبیر کا نتیجہ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور اسی کی پروردگاری کا کرشمہ ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾

(ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیں، اور تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔ ۶۵) کہ ہم پر تو الٹی چٹی پڑ گئی۔ ۶۶) بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم رہے۔ ۶۷)

یعنی اس معاملے میں انسان کی بے بسی کا حال تو یہ ہے کہ وہ جس بیج کو کاشت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور رحمت سے پروان چڑھتا اور کھیتی کی صورت میں لہلہانے لگتا ہے۔ اگر اسے کوئی افتاد پہنچ جائے تو انسان اس کو بچانے پر قادر نہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اگر

Marfat.com

چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کردیں۔ جس وقت تمہارا یہ حال ہو کہ تم کھیتی کے پک جانے کے بعد اب اس کے توڑنے یا کاٹنے کی فکر میں ہو اور اس کا کھلیان گھر لے جانے کا انتظام کر رہے ہو کہ اچانک اللہ تعالیٰ بادِ تند بھیج کر یا ژالہ باری کر کے چشمِ زدن میں بالکل ریزہ ریزہ کر کے رکھ دے تو تم پھر باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔ یعنی تمہاری کسی کی سمجھ میں نہ آئے کہ اس حادثہ کی کیا توجیہ کرے اور اپنے نقصان کا اندازہ دوسروں کو کیا بتائے۔ بلکہ تم تو سرتاپا حسرت بن کر اپنے تباہ ہو جانے کا ماتم کرنے لگو۔ کہ سال بھر کی کمائی لٹ گئی اور ہم تو بالکل ہی محروم رہ گئے۔ جو کچھ لگایا وہ بھی پلے نہ پڑا۔ اس کے بعد ہماری گزر بسر کا سامان کیا ہوگا۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

(کیا تم نے اس پانی کو دیکھا ہے جو تم پیتے ہو۔ ۶۸) کیا تم نے اس کو بادلوں سے اتارا ہے یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں۔ ۶۹)

انزالِ ماء سے استدلال

فیضانِ ربوبیت کا دوسرا ثمرہ غذائی نعمتوں کے سلسلے میں یہ پانی کی نعمت ہے جس کی احتیاج انسان کیلئے غذا سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ذرا غور سے دیکھو یہ پانی جو تم پیتے ہو اس کو بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم اس کے اتارنے والے ہیں۔ سمندر کی کرنیں پانی کو بھاپ بنا کر اڑاتی ہیں اور پھر پانی میں ہم نے یہ خاصیت پیدا کی ہے کہ جو چیزیں اس کے اندر تحلیل ہو چکی ہوتی ہیں بھاپ انہیں ساتھ لے کر نہیں اڑتی، بلکہ ان کو سمندر میں جھٹک کر خالص پانی کے ذرات لے کر ایک خاص درجۂ حرارت پر فضا میں پھیل جاتی ہے۔ پھر ہماری ہوائیں اسے لے کر اٹھتی ہیں۔ ہماری قدرت اور حکمت سے وہ بھاپ جمع ہو کر بادل کی شکل اختیار کرتی ہے۔ ہمارے حکم سے یہ بادل ایک خاص تناسب سے تقسیم ہو کر زمین کے مختلف خطوں میں پھیلتے ہیں۔ جس خطۂ زمین کو جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اتنا پانی برسایا جاتا ہے۔ اور زمین اپنی ضرورت کے مطابق اسے چوستی ہے اور باقی ندی نالوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اور پہاڑوں پر برف کی صورت میں پانی جما دیا جاتا ہے۔ گرمیوں میں وہ پگھل پگھل کر پانی کی شکل اختیار کر کے ندی نالوں اور دریاؤں پہنچ جاتا ہے اور انسانی کھیتیوں کی سیرابی کے کام آتا ہے۔

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

(اگر ہم چاہیں تو اس کو سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر تم شکر کیوں ادا نہیں کرتے۔ ۷۰)

ہم بادلوں سے زمین پر جو پانی برساتے ہیں وہ نہایت صاف ستھرا، صحت افزاء اور میٹھا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ جس سمندر سے بھاپ بن کر اٹھتا ہے اس سمندر کے پانی میں نمک ہوتا ہے۔ وہ نہ پینے کے قابل ہوتا ہے اور نہ اس سے زمین کی سیرابی ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بھاپ میں یہ خاصیت نہ رکھتا کہ وہ ساری آمیزشیں نیچے چھوڑ دے اور صرف اصل آبی اجزاء کو لے کر ہوا میں اڑے۔ تو ایسا پانی زمین پر برسنے کے بعد زمین کو زمینِ شور میں تبدیل کر دیتا۔ نہ کسی قسم کی نباتات اگتی اور نہ انسان کی پیاس بجھنے کا انتظام ہوتا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو اس پانی کو کھاری اور تلخ بنا دیتے۔ تو کیا انسانوں پر اتنے بڑے احسان کے بعد یہ حق عائد نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں اللہ تعالیٰ کے ان ہی احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ انسان کو سوچنا چاہئے کہ:

Marfat.com

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی یہ خوئے انقلاب

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿٧٢﴾
نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾

(ذرا غور تو کرو اس آگ پر جس کو تم جلاتے ہو۔ ۷۱) اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ ۷۲) ہم نے اس کو یاد دہانی اور حاجت مندوں کیلئے سامان زیست بنایا ہے۔ ۷۳)

آگ جیسی نعمت سے استدلال

غذا اور پانی جیسی نعمتوں کے احسانات کا ذکر کرنے کے بعد، اب آگ کی نعمت کا ذکر فرمایا۔ یہ بھی انسان کی غذائی ضرورتوں میں بہت اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ضرورت تو آج کے جدید اور متمدن دور میں بھی کم نہیں ہوئی بلکہ شاید پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ پہلے تو صرف ہاتھ تاپنے اور کھانا پکانے کے کام آتی تھی اور اب تو ہماری صنعت اور ایجاد کا بہت کچھ دار و مدار آگ پر ہے۔ پرانے وقتوں میں جبکہ دیا سلائی ابھی ایجاد نہیں ہوئی تھی، آبادیوں میں بھی آگ کو سنبھال کر رکھا جاتا تھا اور صحرا میں سفر کرنے والوں کیلئے تو اس کا حصول بہت بڑی نعمت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے پتھر پیدا فرمائے جن کی رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے عجیب تر بات یہ کہ اس نے دو ایسے درخت پیدا کئے جن کی ہری بھری دو ٹہنیوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر آگ بھڑکائی جاسکتی تھی۔ ان کو مرخ اور عفار کہتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ جن درختوں سے تم آگ نکالتے ہو کیا وہ درخت تم نے پیدا کئے ہیں یا ہم نے پیدا کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے، انسان تو کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ انسان کیلئے یہ بات تعجب خیز ہے کہ جہنم کی آگ میں زقوم کا درخت کیسے پیدا ہو گیا۔ اور کتنے ملحدین ہیں جو اسے اعتراض کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن اے کاش! وہ کبھی یہ بھی سوچیں کہ جس پروردگار نے ایسے درخت پیدا کئے ہیں جن کی تر شاخوں کے ٹکرانے سے آگ جھڑتی ہے وہ جہنم میں درخت کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ درخت اور آگ دو متصادم چیزیں ہیں جن میں یکجائی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہے کہ یہ کائنات تو متخالف عناصر کی رزم گاہ ہے لیکن وہ آپس میں ٹکرانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قانونِ برتر کی اطاعت اور تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ اس آگ کو ہم نے یاد دہانی کا ذریعہ بنایا ہے کہ وہ روشن ہو کر انسان کو یاد دلاتی رہے کہ اگر آگ نہ ہوتی تو انسان کی زندگی حیوان کی زندگی سے مختلف نہ ہوتی۔ انسان بھی حیوان کی طرح کچی غذائیں کھا کر پلتا۔ آگ نے ہمارے کھانوں کو پکایا اور ہمارے اندر شائستگی پیدا کی۔ اور پھر اس کیلئے صنعت و ایجاد کے نئے نئے دروازے کھلتے چلے گئے۔

Marfat.com

مُقْوِیْنَ کے معنی اہلِ لغت نے مختلف لکھے ہیں۔ بعض اسے صحرا میں اترے ہوئے مسافروں کے معنی میں لیتے ہیں۔ بعض اس کے معنی بھوکے آدمی کے لیتے ہیں۔ ہر معنی کے لحاظ سے آگ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جس نے انسانوں کیلئے بیش بہا آسانیاں پیدا کی ہیں۔ انسان اس کی افادیت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں کھو جاتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

(پس اے نبی اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ ۷۴)

تسبیح سے قوت حاصل کرنے کا حکم

بحث کے آخر میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ مخالفین کی مخالفت اور ان کی بے ہودگیوں کا اثر قبول نہ کریں۔ دلائل کی حد تک ان کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں رہی۔ آپ نے ہمدردی اور خیر خواہی کا آخری قطرہ تک نچوڑ ڈالا۔ اب بھی اگر یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تو بجائے ان کے اس رویئے سے متاثر ہونے سے آپ اپنے رب کی تسبیح میں لگ جائیے۔ انہوں نے شرک کو جس طرح اپنا شعار بنا رکھا ہے اس کے نتیجے میں ان کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت نکل گئی ہے۔ اور وہ زبان سے کہیں یا نہ کہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات دوسری قوتوں کی طرف منسوب کر کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تصور کو گہنا دیا ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ آپ ایسے ہر برے تصور سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پاکیزگی کا اعلان کریں اور اس کی عظمت کے گن گاتے ہوئے ان کی نام نہاد عظمتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ
النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾
فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ
رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنتُمْ
حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿٨٥﴾
فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٨٧﴾ فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۵

Marfat.com

وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ
لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ
الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

رکوع: ۳۔ (پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مواقع کی۔ ۷۵) بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو۔ ۷۶) بے شک یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ۷۷) ایک محفوظ کتاب میں۔ ۷۸) اسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ ۷۹) یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ ۸۰) کیا تم اس کلام سے بے اعتنائی برتتے ہو۔ ۸۱) اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو۔ ۸۲) پھر کیوں نہیں، جب جان حلق تک جا پہنچی۔ ۸۳) اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ ۸۴) اور ہم اس (مبتلائے نزع) شخص سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں، لیکن تم دیکھ نہیں پاتے۔ ۸۵) پس کیوں نہیں، اگر تم غیر محکوم ہو۔ ۸۶) تو اس جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے، اگر تم سچے ہو۔ ۸۷) پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہوا۔ ۸۸) تو اس کیلئے راحت اور سرور اور نعمت کا باغ ہے۔ ۸۹) اور اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہوا۔ ۹۰) تو تیرے لئے سلامتی ہے اے صاحب یمین۔ ۹۱) اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہوا۔ ۹۲) تو اس کیلئے کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے۔ ۹۳) اور جہنم میں جھونکا جانا ہے۔ ۹۴) بے شک یہ سب کچھ قطعی حق ہے۔ ۹۵) تو اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ ۹۶)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾

(پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مواقع کی۔ ۷۵) بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو۔ ۷۶) بے شک یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ۷۷)

لَآ کا محمل اور قسم کا مفہوم

لَآ فعل اُقْسِمُ کا حصہ نہیں۔ اس کی حیثیت اس سے بالکل الگ ہے۔ مخاطب کے زعم باطل کی تردید کیلئے اس طرح نفی کا لانا عربی زبان اور قرآن میں معروف ہے۔ مثلاً سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ''پس نہیں! تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات میں آپ کو حَکَم نہ

Marfat.com

بنائیں۔'' منافقین یہ سمجھتے تھے کہ محض کلمہ پڑھ لینے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی کامل اطاعت کی ضرورت نہیں۔ لَآ کہہ کران کے ان خیالاتِ باطلہ کی تردید کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد قسم کھا کر حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی لَآ کہہ کر مخالفین کے ان خیالاتِ باطلہ کی تردید کی گئی ہے جن کا اظہار وہ قرآنِ کریم کے بارے میں کرتے رہتے تھے۔ کبھی اسے آنحضرت ﷺ کی تصنیف قرار دیتے، کبھی القائے شیطانی کا نتیجہ ٹھہراتے۔ غرضیکہ مختلف قسم کی لایعنی باتیں کہتے رہتے تھے۔ لَآ سے ان کے ان خیالاتِ باطلہ کی تردید کی گئی ہے۔ اس کے بعد قسم کھا کر اصل حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ہم بارہا یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں قسم بالعموم دلیل یا شہادت کے طور پر لائی جاتی ہے۔ اور اس کا مقسم علیہ دعویٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں قسم کھائی گئی ہے نجوم کے مواقع کی۔ سوال یہ ہے کہ نجوم کے مواقع سے مراد کیا ہے؟ بعض اہلِ علم نے نجوم سے شہابِ ثاقب مراد لئے ہیں اور مواقع ان کے نزدیک وہ ٹھکانے یا کمین گاہیں ہیں جن پر شیاطین کے تعاقب میں شہابِ ثاقب پھینکے جاتے ہیں۔ اس مفہوم کو غلط تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ اس میں تکلف کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا مفہوم جو اکثر اہلِ علم مراد لیتے ہیں اور جو ہر طرح کے تکلف سے پاک ہے وہ یہ ہے کہ نجوم سے مراد عام تارے یا سیارے ہیں۔ اور مواقع سے مراد ان کے مقامات، ان کی منزلیں اور ان کے مدار ہیں۔ اس قسم سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ تم اگر عالمِ بالا میں اجرامِ فلکی کے نظام کا مشاہدہ کرو تو تمہیں محسوس ہوگا کہ یہ نظام ایسا محکم اور مضبوط ہے جسے دیکھ کر آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ کائنات کی بے شمار کہکشائیں ہیں اور ہر ایک کہکشاں کے اندر بے حد و حساب تارے اور سیارے ہیں۔ لیکن ان میں اس طرح کا ربط و نظم پایا جاتا ہے مجال نہیں کہ ایک دوسرے سے ان کا تصادم ہو جائے۔ بظاہر وہ بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ باہمی اس قدر مربوط اور منظم ہیں کہ ایک دوسرے سے انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بالکل اسی طرح قرآنِ کریم بھی کمال درجہ کا مربوط اور منظم ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے۔ اس کے متعین عقائد ہیں۔ اور اس میں دیا ہوا پورا نظامِ زندگی جن میں اخلاق، عبادات، تہذیب، تمدن، معیشت، معاشرت، قانون، صلح و جنگ، غرضیکہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل ہدایات دی گئی ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی عقائد کی حدود سے باہر نکلنے نہیں پاتی۔ ہر ہدایت کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی حاکمیت دکھائی دیتی ہے۔ اس کی وضاحت و صراحت، اس کے نمونے اور نظائر کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر ایک کی تہ میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا گہرا احساس پایا جاتا ہے۔ بظاہر یہ پورا نظام متفرق آیات اور مختلف مواقع پر دیئے ہوئے خطبوں میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زندگی سے اس کا رشتہ کہیں بھی کمزور ہونے میں نہیں آتا۔

دوسری آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو۔ یعنی ایک بہت بڑی شہادت اور بہت بڑی دلیل ہے۔ لیکن کسی شہادت اور دلیل کی عظمت کا دار و مدار مخاطب کے نزدیک بیان کردہ عظمت کے اعتراف پر ہوتا ہے۔ تو قرآنِ کریم کے مخالفین چونکہ قرآنِ کریم کو مناسب وزن دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔ تو ان سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ اس قسم کی اہمیت کو محسوس نہیں کریں گے۔ اس لئے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمانوں کا نظام اگرچہ بہت دور سے دکھائی دیتا ہے لیکن امّی معاشروں میں بھی ستاروں اور کہکشاؤں کے بارے میں ہمیشہ گراں قدر معلومات موجود رہی ہیں۔ اس لئے ان سے امید کی جا سکتی تھی کہ یہ عالمِ بالا کے نظام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوں گے تو اس کو بطورِ شہادت پیش کرتے ہوئے قرآنِ کریم کی عظمت کو ان کے سامنے کھولا گیا اور ساتھ ہی تنبیہ بھی کی گئی کہ اس عظمت کے اعتراف کیلئے اس کے نظام کو جاننا پہچاننا اور غور کرنا ضروری ہے۔ البتہ اس کی عظمت کی ایسی باتیں جو عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے صرف دو کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

(ایک محفوظ کتاب میں۔ ۷۸) اسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ ۷۹)

قرآنِ کریم کی عظمت کا بیان

اس میں قرآنِ کریم کی عظمت وجلالت کا بیان بھی ہے اور مخالفین کے رویئے پر ملامت بھی۔ عظمت وجلال کا بیان ان معنوں میں ہے کہ یہ قرآنِ کریم ایک کتابِ مکنون میں محفوظ ہے۔ اس سے مراد ہے لوحِ محفوظ۔ یعنی ایسا نوشتہ جو نگاہوں سے اتنا بلند اور مخلوق کے احساس سے اس قدر ماورا کہ کسی کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ وہ لوحِ محفوظ جس میں اس کتاب کو محفوظ رکھا گیا ہے اس قدر پاکیزہ ہے کہ پاکیزہ فرشتوں کے سوا کوئی اسے چھو نہیں سکتا۔ اور انہیں پاکیزہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کوئی برا خیال ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ کسی برائی کی پرچھائیں بھی ان تک نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ظاہری اور معنوی ہر طرح کی گندگیوں سے معرا ہیں۔

مخالفین کے رویئے پر ملامت اس طرح کی گئی ہے کہ جو کتاب لوحِ محفوظ میں رکھی گئی ہو اور جس تک فرشتوں کے سوا کسی کی رسائی نہ ہو، تم اس کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ اسے شیطان نبی کریم ﷺ کریم پر القاء کرتا ہے۔ اسی لئے سورۃ شعراء میں ارشاد فرمایا گیا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ، وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ''اس کو لے کر شیاطین نہیں اترے ہیں، نہ یہ کلام ان کو سجتا ہے، اور نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں، وہ تو اس کی سماعت تک سے دور رکھے گئے ہیں۔''

مسِّ قرآن کا مفہوم

لَا یَمَسُّهٗۤ میں ضمیر کا مرجع اگر مَّكْنُوْنٍ کو بنایا جائے تو پھر تو بحث ہی کوئی نہیں۔ لیکن اگر اس کا مرجع قرآن کو بنایا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ سیاقِ کلام سے تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآنِ کریم ایسی بلند پایہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے محفوظ نوشتے میں ثبت ہے، جس میں کسی مخلوق کی دراندازی کا کوئی امکان نہیں اور فرشتوں کے سوا کوئی اسے چھو نہیں سکتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اس بات کا کوئی دخل نہیں کہ ناپاکی کی حالت میں انسان اس کو چھو سکتے ہیں یا نہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ جب فرشتے اسے اس لئے چھو سکتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہیں اور طہارت ان کی اصل صفت ہے تو فحوائے کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں جو لوگ اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں انہیں بھی ناپاکی کی حالت میں اسے چھونے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ البتہ ان لوگوں میں یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ آیتِ کریمہ میں لَا یَمَسُّهٗۤ پر جو لا آیا ہے وہ نفی کے معنی میں ہے یا نہی کے معنی میں۔ اکثر اہلِ علم اسے نفی کا لا قرار دیتے ہیں لیکن یہ نہی کے معنی میں ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد المسلم اخو المسلم لایظلمه ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔'' اس میں لَا اگرچہ نفی کیلئے ہے اور اس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ مسلمان، مسلمان پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن اس سے یہ حکم نکلتا ہے کہ مسلمان، مسلمان پر ظلم نہ کرے۔ اسی طرح یہاں بھی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو بھی ناپاکی کی حالت میں قرآن کو نہیں چھونا چاہئے۔

Marfat.com

لیکن حقیقت یہ ہے کہ فحوائے کلام سے یقیناً اس بات کی طرف اشارہ تو ملتا ہے۔ لیکن اس آیت سے ایک حکم استنباط کرنا اور اسے اس آیت کی تفصیل قرار دینا مناسب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم نے قرآنِ پاک کو ناپاکی کی حالت میں چھونے کا عدمِ جواز ثابت کرنے کیلئے اس آیت سے نہیں بلکہ احادیثِ صحیحہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اس بارے میں ایک سے زیادہ احادیث موجود ہیں۔ اور پھر ان ہی احادیث کی بنیاد پر فقہاء نے اپنے اپنے مسالک مدون کیے ہیں اور یہی صحیح رویہ ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾

(یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ ۸۰)

یعنی قرآنِ کریم اتنی عظیم کتاب ہے کہ یہ انسانی دماغ کا نتیجہ قرار نہیں دی جاسکتی۔ مشرکینِ مکہ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کو ایک کاہن قرار دے کر قرآنِ کریم کو القائے شیطانی کا نتیجہ قرار دیا، وہ نہایت گھٹیا حرکت ہے۔ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور جو شخص بھی اس کی حیثیت پر غور کرے گا اس کیلئے اس بات کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾

(کیا تم اس کلام سے بے اعتنائی برتتے ہو۔ ۸۱) اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو۔ ۸۲)

قرآن سے بے اعتنائی برتنے والوں کو تنبیہ

مُدْهِنُوْنَ، اِدْهَانٌ سے ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز سے مداہنت برتنا، اہمیت نہ دینا، اعراض کرنا وغیرہ۔ قرآنِ کریم کی عظمت بیان کرنے کے بعد تعجب کی صورت میں یہ سوال کیا جارہا ہے کہ تم نے اچھی طرح یہ بات سن لی کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ انسانی زندگی کی رہنمائی کیلئے اس کے سوا دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں جو انسان کو مکمل طور پر اعتماد دے سکتی ہو۔ اور جس کا پیش کردہ نظام ہر طرح کی غلطی اور ہر طرح کی تبدیلی سے محفوظ ہو۔ اور جس پر زمانے کے نشیب و فراز کا اثر نہ ہوسکتا ہو۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ایسی کتاب تم پر نازل کی گئی ہے اور تم اسے کسی طرح کی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہو۔ بلکہ تم اس بات سے بھی انکاری ہو کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اگر یہ تمہاری بدذوقی اور بے بصیرتی ہوتی تو اسے ایک عذر قرار دیا جاسکتا تھا۔ لیکن اُمّی ہونے کے باوجود دنیوی معاملات میں تمہاری ذہانت و فطانت ایک مسلّم امر ہے۔ تم دراصل حسد کے مارے اور دشمنی میں اندھے لوگ ہو جس نے تم سے بصیرت چھین لی ہے۔ مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہاری زندگیوں کیلئے رزق کی حیثیت سے اتارا تھا۔ جس طرح کوئی شخص غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح تمہاری معنوی، روحانی اور ملّی زندگی کا دار و مدار اس کتاب کی تعلیم پر تھا لیکن تم نے اسے رزق بنانے کی بجائے اپنا حصہ اس سے یہ سمجھا ہے کہ تم بس اس کی مخالفت کرو۔ امام رازی کے نزدیک اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم قرآن کی تکذیب اس لئے کر رہے ہو کہ تمہارے خیال میں اس کی تعلیمات تمہاری عیش پرستی کیلئے تو نقصان دہ یقیناً ہوگی لیکن تم اسے اپنے کاروبار اور اپنی دولت کے حصول کیلئے بھی نقصان دہ سمجھتے ہو۔ اس لئے اپنی خوش عیشی اور اپنی دولت و رفاہیت کو باقی رکھنے کیلئے تم نے اس کی مخالفت کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

Marfat.com

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ
وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

(پھر کیوں نہیں، جب جان حلق تک جا پہنچی۔ ۸۳) اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ ۸۴) اور ہم اس (مبتلائے نزع) شخص سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں، لیکن تم دیکھ نہیں پاتے۔ ۸۵) پس کیوں نہیں، اگر تم غیر محکوم ہو۔ ۸۶) تو اس جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے، اگر تم سچے ہو۔ ۸۷)

اللہ تعالیٰ کی قدرت سب پر حاوی ہے

ان آیاتِ کریمہ میں نفسیاتی پہلو سے مخالفین کو یہ بات یاد دلائی گئی ہے کہ تمہیں قرآنِ کریم کی تعلیمات اس لئے گوارا نہیں کہ وہ تمہاری من چاہی اور شتر بے مہار زندگی سے تمہیں روکتی ہے۔ اور تمہاری آزادیوں کو محدود کر کے تم پر وہ حدود و قیود عائد کرتی ہے جو انسان کو انسانیت کے جامے میں لانے کیلئے ضروری ہیں۔ جو انسان کیلئے شروع میں تو یقیناً کھٹکنے والی چیزیں ہیں کیونکہ وہ بہر حال اپنے لئے انہیں زنجیریں سمجھتا ہے۔ اور گمان کرتا ہے کہ میری آزادیوں کو سلب کر لیا گیا ہے۔ لیکن جب وہ انسان کو دوسرے انسانوں کا حصہ قرار دے کر انسان کی اجتماعی ضرورتوں اور چاہتوں کو سامنے رکھ کر سوچتا ہے تو تب اس کو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پابندیاں نہیں بلکہ آزادیوں کو محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن ان مخالفین کو اس کی طرف مائل کرنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ہر طرح کی پابندی کو اپنی آزادی کے خلاف سمجھتے ہو جبکہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کی غلامی میں بری طرح مبتلا ہو۔ تو پھر تم بتاؤ کہ جب جان نزع کے وقت حلق تک پہنچ جاتی ہے اور سانس رکنے لگتی ہے اور تم نزع میں مبتلا شخص کے اردگرد بیٹھے ہوئے اس کی بے بسی کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور اس کے معالج اور اطباء اس کی جان بچانے کیلئے کوششوں میں مصروف ہوتے ہیں، لیکن موت کا فرشتہ ان سب کے سامنے اس کی جان نکال کر لے جاتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ تم کبھی اس مبتلائے نزع کو دیکھتے ہو اور کبھی اپنے اطباء کی کوششوں کو۔ لیکن ہم جبکہ مرنے والے کی شہ رگ سے بھی قریب ہوتے ہیں اور ہمارا فرشتہ اس کی جان لیتا ہے، لیکن ہم تمہیں دکھائی نہیں دیتے۔ تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ جس نے زندگی عطا کی ہے، زندگی واپس لے لینا یا چھین لینا اس کیلئے کوئی مشکل نہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے پابند نہ ہوتے اور تم کسی اور کے حکم کے زیرِ اثر ہوتے، تو پھر ہونا تو یہ چاہئے کہ اولاً تو تم اس کی جان نکلنے نہ دیتے، اور اگر فرشتہ نکال ہی لے گیا تھا تو تم اسے واپس لے آتے۔ تمہاری یہ بے بسی اس بات کا ثبوت ہے کہ تم اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے محکوم و مقہور ہو۔ مدینین کا معنی مظلوم و مقہور ہی ہوتا ہے۔ اور وہی جان جس کے تم محکوم ہو اور جس طرح اس کے حکم سے تمہاری جان نکالی جا سکتی ہے اور تم اس کے سامنے بے بسی سے آنسو بہانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے، اسی طرح ایک دن آئے گا جب اللہ تعالیٰ تم سے اس زندگی کا حساب لے گا جو تم نے شتر بے مہار کی طرح گزاری ہوگی۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۵ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾

(پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہوا۔ ۸۸) تو اس کیلئے راحت اور سرور اور نعمت کا باغ ہے۔ ۸۹)

Marfat.com

مشرکین کو تنبیہ

اس میں مشرکینِ مکہ کیلئے ایک تنبیہ ہے کہ تمہاری بے بسی صرف اس حد تک نہیں کہ تمہاری محبوب شخصیت تمہارے سامنے دم توڑ گئی اور فرشتہ اس کی جان نکال کرلے گیا، لیکن تم کچھ نہ کرسکے۔ بلکہ تمہارے لئے تنبیہ تو یہ ہے کہ موت کے ساتھ تمہارا خاتمہ نہیں ہوجائے گا اور مرنے والے کا معاملہ صرف موت پر ختم ہونے والا نہیں، بلکہ تم میں سے ہر ایک موت سے گزرنے کے بعد مختلف مراحل سے ہوتا ہوا آخر میدانِ حشر تک پہنچے گا۔ اور جس طرح پیچھے گزر چکا کہ وہاں لوگ تین حصوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ایک گروہ مقربین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الیمین کا اور تیسرا اصحاب الشمال کا۔ اگر مرنے والا مقربین میں سے ہوا تو اس کیلئے ابدی راحت اور سرور اور نعمت کا باغ ہے۔

رَوْحٌ کا معنی راحت ہے۔ اور رَیْحَانٌ کا معنی اگرچہ پھول ہے لیکن وہ پھول کے لوازم کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ یعنی خوشبو اور سرور وغیرہ کے معنی میں۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾

(اور اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہوا۔ ۹۰) تو تیرے لئے سلامتی ہے اے صاحبِ یمین۔ ۹۱)

آیت میں مِـــنْ سلام کے صلے کے طور پر نہیں، بلکہ ضمیرِ خطاب کے بیان کیلئے آیا ہے۔ اس لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے صاحبِ یمین تیرے لئے سلامتی ہو۔ یعنی تیرے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جس میں ہر قدم پر سلامتی تیرے انتظار میں ہوگی۔ اور تجھے ان نعمتوں سے نوازا جائے گا جن کا ذکر اسی سورۃ میں پہلے ہوچکا ہے۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾

(اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہوا۔ ۹۲) تو اس کیلئے کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے۔ ۹۳) اور جہنم میں جھونکا جانا ہے۔ ۹۴)

اصحابُ الشمال کا انجام

یہاں سے تیسرے گروہ اصحابُ الشمال کا انجام بیان ہورہا ہے۔ لیکن ان کا ذکر اصحابُ الشمال کی بجائے ان کے اصل جرم کے حوالہ سے کیا جارہا ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کی، آخرت کی خبر کو جھٹلایا۔ اور ان پر عذاب کے حوالے جو عالمِ غیب کی خبریں دی گئیں انہیں گمراہی قرار دیا۔ ان کی اولین ضیافت جو ان کیلئے جہنم میں جاتے ہی پیش کی جائے گی، جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے۔ اور اس کے بعد انہیں جہنم کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

(بے شک یہ سب کچھ قطعی حق ہے۔ ۹۵) تو اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ ۹۶)

Marfat.com

کفار کیلئے اتمامِ حجت

کفار کیلئے اتمامِ حجت ہے اور آنحضرت ﷺ کیلئے صبر و استقامت کی تلقین ہے کہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کا ایک ایک حرف یقینی حقائق پر مشتمل ہے۔ اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور اگر مخالفین اس کا مذاق یا تمسخر اڑاتے ہیں اور ہر بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیجئے۔ اور اس سے پہلے اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

حضرت عقبیٰ بن عامر جہنیؓ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو تم لوگ اپنے رکوع میں رکھ دو۔ یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہا کرو۔ اور جب سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا، اسے سجدے میں رکھو۔

صدق الله العظيم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ

(۵۷)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْحَدِیْدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلْحَدِیْدِ ہے جو آیت ۲۵ سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ صرف نام ہے اس سورۃ کا عنوان نہیں۔

زمانۂ نزول:۔ تمام مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ جنگِ احد اور صلح حدیبیہ کے درمیان کسی زمانے میں نازل ہوئی ہوگی۔ اور یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جنگِ احد کی جزوی شکست کے بعد مسلمانوں کے حالات میں تشویش کا پہلو غالب آ گیا تھا۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح نے مسلمانوں کی طاقت وہیبت کا ایک بھرم قائم کر دیا تھا۔ یہود، منافقین اور اڑوس پڑوس کے قبائل مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ لیکن جنگِ احد میں شکست نے یہ صورتحال یکسر بدل ڈالی۔ نفاق نے بہت حد تک گھونگٹ الٹ دی۔ دشمن پہلے کی نسبت دلیر ہو گئے۔ چنانچہ اس صورتحال کے تحت اس سورۃ میں پروردگار نے مسلمانوں سے جہاں ایثار و سرفروشی کا مطالبہ کیا وہیں مالی قربانی کی بھی ترغیب دی۔ اور بطورِ خاص یہ بات ارشاد فرمائی کہ آج جبکہ حالات نہایت نامساعد ہیں حالات میں تبدیلی کے بعد جب اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے تو اس وقت کا کیا ہوا انفاق اور مالی قربانی یقیناً اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا باعث بنے گی۔ لیکن وہ مالی قربانی آج کے نامساعد حالات میں کی ہوئی قربانی کے برابر نہیں ہو سکتی۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

پہلی ۶ آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات عزت، حکمت، قدرت، علم، خلق اور تدبیر کو بیان کرتے ہوئے یہ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف ہو وہی آخرت میں سب کا مرجع و مولیٰ بھی ہوگی۔ اس وجہ سے وہی حمد و تسبیح کی سزاوار ہے۔ اور اس کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ اور یہ حقیقت انسانوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ بھی اسی کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اس کے بعد تین آیات میں مسلمانوں کو عموماً اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو خصوصاً یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے ہاتھ پر ایمان لا کر جو عہد کیا ہے نہایت عزم و ہمت کے ساتھ اس عہد کو پورا کریں۔ اور آج کے نامساعد حالات میں جس طرح جہاد اور سرفروشی کی ضرورت ہے اسی طرح انفاق بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جہاد انفاق کے بغیر ممکن نہیں۔ اور پھر مدینے کے مخصوص حالات انفاق کا اس لئے زیادہ تقاضا کرتے ہیں کہ مہاجرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی ضروریات کا پورا کرنا صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی سے ممکن نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کیلئے اپنی ہمت سے بڑھ کر ایثار سے کام نہ لیا جائے۔ جب تک اس طرح کے حالات باقی رہیں گے تو انفاق و جہاد کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ مقام ہوگا جو ان لوگوں کا نہیں ہو سکتا جو فتح کے بعد انفاق کرنے والوں کا ہوگا۔ اگرچہ انفاق ہر حال میں ایک قابلِ قدر عمل ہے اور جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے وعدے بھی فرمائے ہیں۔ لیکن حالات کی شدت اور نرمی کو دیکھتے ہوئے یقیناً اس میں تبدیلی آتی ہے۔

Marfat.com

۱۱ سے ۱۵ آیت تک بیان فرمایا گیا ہے کہ انفاق قیامت کے دن ان لوگوں کیلئے روشنی بنے گا جو اخلاص کے ساتھ انفاق کریں گے۔ اور وہ لوگ اس روشنی سے محروم رہیں گے جو نفاق کی وجہ سے انفاق سے جی چراتے رہے اور یا اگر انفاق کیا تو بے دلی سے اور حالات کا جبر سمجھ کے کیا۔ قیامت کے دن یہ لوگ اہلِ ایمان سے درخواست کریں گے کہ ہمیں بھی اپنی روشنی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیجئے۔ لیکن ان کو جواب ملے گا کہ اس روشنی کو حاصل کرنے کا وقت پیچھے تھا جو تم نے کھو دیا، اب تمہیں یہ روشنی نصیب نہ ہوگی۔ پھر ان کی اور اہلِ ایمان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی اور دوسری جانب اس کا عذاب بھڑک رہا ہوگا۔

۱۶ اور ۱۷ آیت میں منافقین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تمہارا یہ تردد اور تذبذب جاری رہا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں انفاق سے جی چراتے رہے تو اندیشہ ہے کہ تمہارے دل بھی اسی طرح سخت ہو جائیں گے جس طرح یہود کے دل سخت ہو گئے۔ اور پھر تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کا ہوا۔

۱۸ اور ۱۹ آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق اور جہاد کرنے والوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو ضائع کرنے والا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کا صلہ بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔ اور اسی کے نتیجے میں انہیں وہ مرتبہ نصیب ہوگا جو صدیقین اور شہداء کیلئے مخصوص ہوگا۔ اور اسی کے صلہ میں ان کو وہ روشنی ملے گی جس سے منافقین محروم رکھے جائیں گے۔

پھر اس کے بعد کی دو آیتوں میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی محض چند روز کی بہار اور ایک متاعِ غرور ہے۔ یہاں کی کھیل کود، یہاں کی دلچسپیاں، یہاں کی آرائش و زیبائش، یہاں کی بڑائیوں پر فخر اور یہاں کا دھن دولت جس میں لوگ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوششیں کرتے ہیں سب کچھ ناپائیدار ہے۔ اس کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو پہلے سرسبز ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آخر کار بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ پائیدار زندگی دراصل آخرت کی زندگی ہے جہاں بڑے نتائج نکلنے والے ہیں۔ تمہیں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنی ہے تو یہ کوشش جنت کی طرف دوڑنے میں صرف کرو۔

اس کے بعد کی آیتوں میں یہ حقیقت واشگاف فرمائی گئی ہے کہ فقر و غنا کا تعلق انسان کی اپنی سعی و تدبیر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تقدیر سے ہے۔ انسان کیلئے صحیح رویہ یہ ہے کہ مصیبت آئے تو ہمت نہ ہار بیٹھے، اور راحت آئے تو اترانے نہ لگے۔ نعمت پا کر پھول جانا اور فخر جتانے لگنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے تنگ دلی دکھانا یہ منافقین کا کام ہے، مومنین کا نہیں۔ وہ جس طرح عطا فرماتا ہے اسی طرح چھین بھی لیتا ہے۔

اس کے بعد یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ جہاد انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور رہبانیت نصاریٰ کی ایجاد کردہ بدعت ہے جو انہوں نے اپنے دین میں غلو کی راہ سے پیدا کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو کتاب اور میزانِ عدل دے کر بھیجا، اسی طرح لوہا بھی نازل کیا تا کہ حق قائم کرنے اور باطل کا سر نیچا کرنے کیلئے طاقت کا استعمال کیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ انسانوں میں سے کون لوگ ایسے نکلتے ہیں جو اس کے دین کی حمایت اور نصرت کیلئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کی خاطر جان لڑا دیں۔

آخر میں مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سرفروشانہ جہاد کیلئے اٹھو اور اس راہ میں پوری فیاضی سے اپنے مال خرچ کرو۔ اسی مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو بھیجا۔ اہلِ کتاب میں سے جو مفسدین تمہارے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کر رہے ہیں کہ جہاد ایک دنیا دارانہ کام ہے۔ ان کی وسوسہ اندازی کو نظر انداز کر کے قیامِ عدل کیلئے اپنی کوششیں وقف کر دو۔ نصاریٰ نے جو رہبانیت اختیار کی ہے اسے حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ آج بھی اگر نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کا دہرا حصہ عطا فرمائے گا اور انہیں وہ نور بخشے گا جو زندگی کی ہر الجھن میں ان کیلئے روشنی کا باعث ہوگی۔

Marfat.com

رُكُوْعَاتُهَا ۴	سُوْرَةُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّةٌ (۵۷)	اٰیَاتُهَا ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ
الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ
الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی
الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ
مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ
عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ
مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۷﴾
وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ
قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی
عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ
وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾

رکوع: ۱۔ (اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۱) (آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک وہی ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲) (وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۳) (وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے، وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ۴) (وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اور تمام معاملات فیصلے کیلئے اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔ ۵) (وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور وہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور وہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ ۶) (ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے، پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کیلئے بڑا اجر ہے۔ ۷) (اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔ ۸) (وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور بے شک اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ ۹) (اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کیلئے ہے، تم میں سے جو لوگ فتح سے پہلے انفاق اور جہاد کریں گے اور جو بعد میں انفاق اور جہاد کریں گے یکساں نہیں ہوں گے، ان لوگوں کا درجہ ان سے بڑا ہو گا جو بعد میں انفاق اور جہاد کریں گے، اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۰)

Marfat.com

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱
(اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۱)

تسبیح کا مفہوم

سَبَّحَ اگرچہ فعل ماضی ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس نے تسبیح کی ہے۔ لیکن قرآنِ کریم نے مختلف مواقع پر یُسَبِّحُ یعنی فعل مضارع بھی استعمال کیا ہے جس کا معنی ہے کہ وہ تسبیح کرتا ہے یا کرے گا۔ دونوں کو ملانے سے جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کیلئے کوئی زمانہ مخصوص نہیں۔ جب سے مخلوق کو وجود ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہے۔ یہ عمل اس وقت بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

تسبیح کے اندر تنزیہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور بندگی و عبادت کا بھی۔ یعنی ہر چیز اپنے خالق کو اپنے قول اور عمل سے پاکیزہ اور منزہ ثابت کرتی ہے۔ یعنی وہ ایسی ذات ہے جو ہر نقص، ہر کمزوری، ہر عیب اور ہر خطا سے پاک ہے۔ یہ پاکیزگی اس کی ذات کا بھی حصہ ہے اور اس کی صفات کا بھی، اس کے افعال کا بھی اور اس کے احکام کا بھی۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کی تقدیس بیان کرنا زبانی تسبیح ہے۔ اور نماز پڑھنا اور اس کے حضور میں قیام، رکوع اور سجود کرنا یہ عملی تسبیح ہے۔ اسی طرح اس کے احکام یعنی اس کے دین کو روئے زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا اور دنیا کے ہر قانون، ہر ازم اور حُسن و قبح کے ہر معیار پر اللہ تعالیٰ کے دین کی برتری ثابت کرنا اس کی قولی اور عملی تسبیح کا تقاضا ہے۔

قرآنِ کریم جب اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو یاد دہانی کرائی جائے کہ جب کائنات کی وہ چیزیں جو درجہ اور مقام میں انسان کے مقابلے میں نہایت فروتر ہیں اور جنہیں نعمتیں بھی انسان کے مقابلے میں بہت کم ملی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں شب و روز مشغول ہیں تو انسان کو تو بدرجہ اولیٰ اس کی تسبیح کرنی چاہیے۔ اور ساتھ ہی ساتھ انسان کیلئے اس میں حوصلہ افزائی کا سامان بھی ہے کہ جب دنیا ایسے بحران میں مبتلا ہو جائے کہ جس میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد نظر نہ آتی ہو اور کہیں بھی اس کا حوالہ سنائی نہ دیتا ہو اور جو چند لوگ اس کی یاد سینے سے لگائے بیٹھے ہوں انہیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ انسان اگر اپنے مالک و خالق کو بھول چکے ہیں اور کسی طرح بھی اسے یاد کرنے کیلئے تیار نہیں کہ کائنات کی ایک ایک چیز جو میرے گرد و پیش میں ہے یا مجھ سے دور ہے وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی تسبیح سے غافل نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے اس کا یاد کرنے والا تنہا نہیں بلکہ ہر طرف اس کے ہم زبان اور ہم دل بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں اس لئے مشغول ہے اور انسانوں کو بھی اس لئے اس کی تسبیح کرنی چاہیے کہ وہ عزیز ہے۔ وہ ایسا زور دار، ایسا زبردست اور ایسا غالب ہے کہ کوئی شخص اس کے حکم کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر نہیں ہے اور کوئی شخص اس کے فیصلے کو رد نہیں کر سکتا جبکہ دنیا میں بڑی سے بڑی طاقت کا دعویدار بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس کی بڑائی کو چیلنج نہ کر سکے اور وہ ایسی ہمہ پہلو قوت رکھتا ہو کہ کہیں بھی اس کی احتیاج دکھائی نہ دے۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ حکیم بھی ہے۔ کیونکہ نری طاقت ایک اندھی قوت کا نام ہے۔ اسی لئے اقبال نے توجہ دلاتے ہوئے یہ بات کہی:

Marfat.com

اے صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم عزیز کی صفت کے ساتھ قوی، مقتدر، جبار اور ذوانتقام جیسے الفاظ خاص حوالے کے بغیر ذکر نہیں کرتا بلکہ حکیم اور اس سے ملتی جلتی صفات کا ذکر فرماتا ہے۔ کہیں علیم کا ذکر ملتا ہے اور کہیں رحیم کا، کہیں غفور کا اور کہیں وہاب کا۔ اور اس طرح صفات کا اجتماع اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور قوت وحشمت رکھنے والے کے ساتھ ممکن نہیں۔ اور پھر اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت بھی ہے تو کیا اس کا یہ تقاضا نہیں کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں ان لوگوں کو صلہ عطا فرمائے جنہوں نے اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر زندگی گزاری۔ اور ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے اس کی حدود سے تجاوز کیا۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲

(آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک وہی ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲)

اللہ تعالیٰ کے ہمہ مقتدر ہونے کی وضاحت

اللہ تعالیٰ کے ہمہ مقتدر اور غالب ہونے کی جو بات گزشتہ آیت میں فرمائی گئی یہ اسی کی مزید وضاحت ہے کہ وہ اتنی بڑی طاقت کا مالک اور اتنی بڑی حکومت کا حکمران ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کے قبضے میں ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔ کوئی دوسرا اس کے اقتدار میں شریک نہیں، کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس کے کسی کام میں مداخلت کر سکے۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت جو ہر مخلوق کا اصل الاصول ہے اس کا سر رشتہ بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے موت وارد کر دیتا ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا کسی کی زندگی نہیں چھین سکتا جب تک اسے منظور نہ ہو۔ اور کسی کو زندگی دے نہیں سکتا جب تک وہ نہ چاہے۔ اور اس کی قدرت کی ہمہ گیری کا عالم یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ وہ کائنات کی بساط بچھانے میں کسی کا محتاج نہ تھا۔ اور جب اسے ختم کرنے کا وقت آئے گا اور پھر از سرِ نو بنانے کا تب بھی اسے کسی کی احتیاج نہیں ہوگی۔ وہ اپنی مملکت کے ایک ایک انچ پر پوری طرح قابض ومتصرف ہے۔ جو چاہے اپنے کلمۂ کُن سے کر سکتا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳

(وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۳)

اللہ تعالیٰ کی مزید صفات

وہ صرف قادرِ مطلق ہی نہیں بلکہ کلی علم کا تاجدار بھی ہے۔ اس کے احاطۂ علم کا حال یہ ہے کہ وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ یعنی جب کچھ نہیں تھا، وہ تھا۔ اور جب کچھ نہیں ہوگا تب بھی وہ ہوگا۔ وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے۔ کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے۔ اور وہی باطن ہے یعنی ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے۔ کیونکہ اس کا ادراک کرنے میں نہ حواس

Marfat.com

کام دیتے ہیں اور نہ عقل کام دیتی ہے۔ کسی طرح بھی اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دعا میں ان الفاظ کی جو وضاحت فرمائی ہے اس سے بہتر وضاحت ممکن نہیں۔ آپ نے فرمایا **انت الاول فلیس قبلک شیء** ''تو ہی سب سے پہلے ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں۔'' **وانت الاخر فلیس بعدک شیء** ''تو ہی آخر ہے، کوئی تیرے بعد نہیں۔'' **وانت الظاھر فلیس فوقک شیء** ''تو ہی ظاہر ہے، کوئی تجھ سے اوپر نہیں۔'' **وانت الباطن فلیس دونک شیء** ''تو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں۔'' اور یہ معنی بھی اس کا ہو سکتا ہے کہ کوئی تجھ سے اوجھل نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اندر اور باہر ہر چیز پر محیط ہے۔ چنانچہ اس کو سمیٹتے ہوئے قاعدہ کلیہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کیلئے ظاہر و باطن سب یکساں ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾

(وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے، وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ۴)

صفتِ علم کی وسعت

اس کے علم کی وسعت کا حال یہ ہے کہ وہ صرف کلیات کا عالم نہیں بلکہ جزئیات کا علم بھی رکھتا ہے۔ اس نے چھ دنوں میں یعنی چھ ادوار میں زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور پھر ایسا نہیں کہ پیدا کر کے کسی اور کے حوالے کر کے کہیں آرام کیلئے بیٹھ گیا ہو یا کسی گوشے میں جا چھپا ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس طرح زمین و آسمان کا پیدا کرنا اس کے سوا کسی کے بس میں نہیں۔ اسی طرح اس کا انتظام و انصرام اور اس کی دیکھ بھال بھی اس کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں۔ ایک ایک دانہ جو زمین میں بویا جاتا اور اس کی تہوں میں اتر جاتا ہے اور پھر ہر دانے سے ایک سوئی نکلتی ہے اور ہر پودے سے جو کونپل پھوٹتی ہے وہ سب کو جانتا ہے۔ اسی طرح جو کچھ آسمان سے اترتا ہے چاہے وہ بارش کے قطروں کی شکل میں ہو یا اللہ تعالیٰ کے احکام کی صورت میں۔ چاہے وہ رحمت کا ظہور ہو یا عذاب کی نمود، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے وہ بخارات کی شکل میں ہو، یا مظلوموں کی دعاؤں کی شکل میں، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ زمین و آسمان کے بے شمار تغیرات ہیں۔ اور زمین و آسمان سے مخلوقات کو ملنے والی بے شمار ضروریات ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں۔ کوئی انسان کہیں بھی اور کسی حال میں بھی ہو اور انسانوں کے اعمال زمین پر کیسے بھی اثرات پیدا کر رہے ہیں اور خیر و شر کے حوالے سے کیسے بھی معرکے برپا ہوں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی سے بھی غافل نہیں۔ ہر وقت اس کا علم ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہوتا ہے۔

Marfat.com

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾

(وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اور تمام معاملات فیصلے کیلئے اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔ ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح کائنات کی ہر چیز اور ہر تبدیلی سے واقف ہے اسی طرح وہ کائنات کی وسعتوں کے باوجود مکمل طور پر اس کا مرجع وماویٰ بھی ہے۔ سارے امور اسی کے حکم سے جاری ہوتے ہیں اور پھر ان سب کی رپورٹ اسی کے آگے پیش ہوتی ہے۔ کارکنانِ قضاء و قدر اسی کے احکام کو نافذ کرتے ہیں۔ اور اسی کے سامنے جوابدہی کے پابند ہیں۔ کوئی کارکن بھی اپنی صوابدید پر کام کرنے کا مجاز نہیں۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَھُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

(وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور وہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور وہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ ۶)

رات کو دن میں داخل کرنے اور دن کو رات میں داخل کرنے سے مراد شب و روز کی آمد و رفت ہے۔ دن جاتا ہے تو رات آتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن آتا ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک آٹومیٹک سسٹم ہے جو خود بخود ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی، دونوں کا لانے والا وہی ہے۔ جب رات کی تاریکی پوری طرح چھا جاتی ہے تو کوئی توقع نہیں کرسکتا کہ اب کبھی اجالے کی نمود بھی ہوگی۔ اور جب سورج کی گرمی پوری تمازت پر ہوتی ہے تو کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ رات کی ٹھنڈک بھی آئے گی۔ لیکن ہم اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہر روز دیکھتے ہیں۔ اور پھر اتنا بڑا واقعہ اس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے کہ آہٹ تک سنائی نہیں دیتی۔ رات دن پر لپٹی چلی آرہی ہے اور دن رات پر لپٹا چلا آرہا ہے جس کو قرآنِ کریم نے تکویر سے تعبیر کیا ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ﴿۷﴾

(ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے،
پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کیلئے بڑا اجر ہے۔ ۷)

ایمان و انفاق کا مطالبہ اور اس پر دلیل

اللہ تعالیٰ کی چند صفات کو بیان فرمانے کے بعد مسلمانوں سے ایمان و انفاق کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب اپنی ذات میں ہمہ مقتدر اور غیر معمولی وسعتِ علم کا مالک ہے تو کیا اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے واقعی مقتدر مانا جائے، اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اپنی اور اس کی حیثیت کا ادراک حاصل کرنے کے بعد اس کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ لیکن اس کے فوراً بعد انفاق کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ انفاق کا حکم اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ خطاب

Marfat.com

غیر مسلموں سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان کا دعویٰ تو رکھتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضوں سے جی چراتے ہیں۔اس لحاظ سے اٰمِنُوْا اپنے حقیقی اور کامل معنی میں استعمال ہوا ہے۔یعنی ایمان لانے کا صرف یہ مطلب نہ سمجھو کہ تم نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ دیا تو گویا ایمان کا حق ادا ہو گیا۔ بلکہ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ویسے ایمان لاؤ جیسے ایمان لانے کا حق ہے کہ اس کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک نہ کرو۔اور اللہ تعالیٰ کے رسول پر اس طرح ایمان لاؤ کہ اس کی غیر مشروط اطاعت میں اپنے ارادے سے کبھی کمی نہ کرو۔اور پھر اس ایمان کے لازمی تقاضے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال و دولت دے رکھا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد و قتال اور ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی ضروریات کی فراہمی میں خرچ کرو۔کیونکہ جس پروردگارِ عالم کو تم نے سب سے بڑی ذات کے طور پر قبول کیا ہے اور جس کی عظمت کے سامنے تم سرنگوں ہوئے ہو اسی کا بھیجا ہوا دین آج حالتِ خطر میں ہے۔اور اس کا گھر جسے اس کے بنانے والے نے توحید کا مرکز بنایا تھا وہ نہ صرف بت خانے میں تبدیل ہو چکا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والوں کیلئے اس کے راستے بھی بند ہیں۔اس صورتحال کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ کفر کے اس تسلط کو ختم کیا جائے۔ان کی طاقت کا بھرم توڑ کر اللہ تعالیٰ کے گھر کو واگزار کرایا جائے اور پھر سے اللہ تعالیٰ کے اس گھر کو مرکزِ توحید بنایا جائے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد و قتال نہیں ہو گا۔ اور اس کا اس وقت تک امکان نہیں جب تک اس کیلئے مسلمانوں کے اندر ایثار و انفاق کے سوتے نہیں پھوٹیں گے۔اس لئے ایمان کے ساتھ اس کے لازمی تقاضے کے طور پر انفاق کا ذکر فرمایا۔لیکن انفاق ایسے شخص کیلئے جو مال و دولت سے بے پناہ محبت رکھتا ہو ایک مشکل مرحلہ ہے۔ اس لئے اس کی تسہیل کیلئے دلیل بھی ارشاد فرمائی کہ تمہارے پاس جو مال و دولت ہے یہ تمہاری اپنی ملکیت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بخشا ہوا مال ہے۔تم بذاتِ خود اس کے مالک نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کی حیثیت سے اسے تمہارے تصرف میں دیا ہے۔ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کے تصرف میں بطورِ امانت دی جاتی ہے مالک کو بجا طور پر اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ امانت کے بارے میں جواب طلب کرے۔اس لئے اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ مال و دولت چونکہ تمہارے پاس امانت ہے اس لئے جب اللہ تعالیٰ جو اس کے اصل مالک ہیں جب اس کو خرچ کرنے کا حکم دے رہے ہیں تو تمہارے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں کہ تم اس مال کو خرچ کرنے سے جی چراؤ۔

آیتِ کریمہ کے آخر میں فرمایا کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کیلئے بڑا اجر ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انفاق کو ایمان کی شہادت کے طور پر لایا گیا ہے یعنی جو لوگ ایمان لانے کے بعد انفاق سے جی چراتے ہیں وہ دعوائے ایمان میں کچے ہیں۔اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہر حکم کو ماننے کے دعویٰ کے بعد وہ اپنی مال کو اس کے راستے میں خرچ کرنے سے دریغ کرتے۔کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ نہیں کر سکتا، وہ پسینہ کیسے بہائے گا اور ضرورت پڑی تو خون کیسے دے گا۔یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایمان لانے والا سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے تیاگ چکا ہو۔اور قرآنِ کریم کی زبان میں حیاتِ دنیا کو آخرت کے بدلے میں بیچ چکا ہو۔جس شخص نے ایمان و انفاق کو جمع کر لیا اسے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بہت بڑا اجر ہے۔اس نے اسے ایسے نفع بخش کاروبار میں سرمایہ لگایا ہے جس میں نقصان کا تو کوئی اندیشہ نہیں البتہ نفع کے ایسے امکانات ہیں جس کا دنیا میں تصور بھی مشکل ہے۔

Marfat.com

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨

(اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔ ۸)

کمزور مسلمانوں کو نصیحت

اس آیتِ کریمہ میں کمزور مسلمانوں اور منافقین کو ملامت کے انداز میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ظاہر ہے اس سے مراد صرف اقرار و اعتراف نہیں بلکہ مکمل ایمان مراد ہے جس میں عبادت اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت غیر مشروط طور پر اللہ تعالیٰ کے رسول کی۔ اور محبت دونوں سے جس پر کوئی اور محبت غالب نہ آ سکے۔ اور مزید ملامت کی بات یہ ہے کہ تمہیں ایمان لانے کی دعوت کوئی اور نہیں خود اللہ تعالیٰ کا رسول دے رہا ہے جس کی تشریف آوری سے اتمامِ حجت ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جب تم نے ایمان کا اقرار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے تم سے سمع و اطاعت کا عہد لیا تھا۔ اور بار بار تمہیں تاکید کی گئی تھی۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ کا رسول اس عہد کے بعد تمہیں ایمان کے تقاضے پورے کرنے کیلئے کہہ رہا ہے تو تم اس سے اعراض کر رہے ہو یا جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر تم واقعی ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر یہ روش تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتی۔ اور اگر اس روش کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو پھر ایمان کا دعویٰ بہت بڑی مسٔولیت بن جائے گا۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٩

(وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور بے شک اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ ۹)

آیات کا نزول تاریکی سے نور میں لانے کا سبب ہے

مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر جو ہر لحاظ سے تمہاری غیر مشروط عبادت اور اطاعت کا مستحق ہے اور جس کے دین کی بالاتری اور سربلندی تمہاری زندگی کا مقصدِ اولین ہے وہ جب تمہیں اس کے حوالے سے انفاق کی دعوت دے رہا ہے تو چونکہ اس میں مال اپنے ہاتھ سے دینا پڑتا ہے جو طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ یہ گرانی تمہیں بھی لاحق ہو، جبکہ ایسی کسی بات کی پرچھائیں بھی تم پر نہیں پڑنی چاہئے۔ کیونکہ مال اور جان کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اور اس کے دین کی بالادستی کے تقاضوں کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اور یہ ایک ایسی تاریکی ہے جس میں تمہارا حقیقی مقصد گم ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس لئے

Marfat.com

وہ آیات جن سے حقیقی مقصد ابھر کر سامنے آجائے اور ہر طرح کی تاریکی کافور ہونے لگے ان آیات کو گراں سمجھنا اور خواہشاتِ نفس اور حُبِ دنیا کی تاریکیوں میں ڈوبتے چلے جانا یہ وہ حادثہ ہے جو کسی بھی دینی اور اخروی نقصان کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان نقصانات سے بچانے کیلئے ایسے واضح احکام نازل کر رہا ہے جو ان تمام تاریکیوں سے نکال کر انفاق کے اس راستے کو روشن کر رہے ہیں جو زندگی کے بلند ترین مقصد کو غالب کر کے دنیا کو بھی آسان کر دیتا ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی کا سامان کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کا راستہ جہاد اور انفاق سے کھلتا ہے اس لئے جہاد اور انفاق سے متعلق ترغیبات یقیناً اپنے اندر اس نور کو لئے ہوئے ہیں جو خواہشاتِ نفس اور حُبِ دنیا کی تمام تاریکیوں کو مٹا دینے کیلئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایسے احکام نازل کرنا انسانوں کو کسی مشقت میں ڈالنے کیلئے نہیں بلکہ اس کی اس رأفت و رحمت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ مسلمانوں کے حال پر رہتی ہے۔

وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾

(اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کیلئے ہے، تم میں سے جو لوگ فتح سے پہلے انفاق اور جہاد کریں گے اور جو بعد میں انفاق اور جہاد کریں گے یکساں نہیں ہوں گے، ان لوگوں کا درجہ ان سے بڑا ہوگا جو بعد میں انفاق اور جہاد کریں گے، اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۰)

انفاق کی مزید ترغیب اور وساوس کے ازالے کے دلائل

انفاق کا حکم اگرچہ اس سے پہلے بھی مسلمانوں کو دیا جاچکا ہے لیکن یہاں مزید ترغیب دینے اور دلوں میں اٹھنے والے وساوس کے ازالے کیلئے بار دگر نہ صرف حکم دیا جا رہا ہے بلکہ وساوس کو ختم کرنے کے دلائل بھی دیئے جا رہے ہیں۔ پہلی دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب ہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو مال ہمیں میسر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ ہمیں تو عارضی اور محدود طور پر اس میں تصرف کا حق دیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے پروردگار نے ہمیں اپنی ملکیت میں خلیفہ اور امین کی حیثیت دے رکھی ہے۔ تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جب مالک امین سے اپنا مال دینے کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ اس میں مار گنج بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر اسے دیتا بھی ہے تو بے دلی کے ساتھ۔ حالانکہ جس نے اس کی تحویل میں اپنی امانت رکھی ہے اس کے ساتھ اس کا یہ رویہ نہ عقل میں آنے والی بات ہے اور نہ اخلاق اس کی اجازت دیتے ہیں۔

اور دوسری دلیل جو اس سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی جب مال خرچ کرتا ہے تو ہمیشہ اسے فقر اور تنگدستی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اگر میں اسی طرح مال خرچ کرتا رہا تو آخر ایک دن فقیر ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ اس آیتِ کریمہ میں یہ فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک ہے۔ یعنی سب کچھ اس کی ملکیت ہے اور اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ تم جب اس کے راستے

Marfat.com

میں اس کے حکم سے دینے کی ہمت کرو گے تو درحقیقت اس کے خزانوں کی کلید تمہارے ہاتھ میں آ جائے گی۔اس نے جتنا تمہیں پہلے دے رکھا تھا عین ممکن ہے کہ تمہارے اس انفاق اور ایثار سے خوش ہو کر وہ تمہیں اس سے بھی زیادہ عطا کرے۔قرآنِ کریم میں ارشاد ہے قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سبا: ۳۹) (اے پیغمبر! ان سے کہئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہی مزید رزق تمہیں دیتا ہے اور وہ بہترین رازق ہے)۔

تیسری دلیل جو اس آیت میں ارشاد فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انفاق اور جہاد بلاشبہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ترین عبادات ہیں۔لیکن حالات میں تبدیلی سے ان کے اجروثواب میں بھی تبدیلی آتی ہے جن لوگوں نے اسلام ایسے حالات میں قبول کیا جبکہ ایمان کی قیمت کا تصور کرتے ہوئے کپکپی چھوٹ جاتی تھی۔جان وتن کی بے شمار آزمائشیں منہ کھول دیتی تھیں اور فاقے روز کا معمول بن جاتے تھے۔اور ایسے حالات میں انفاق سے کام لیا۔جب دور دور یہ امکان نظر نہ آتا تھا کہ کبھی فتوحات سے ان قربانیوں کی تلافی ہو سکے گی۔تو ظاہر ہے ایسے حالات میں انفاق و جہاد کا اجروثواب بعد کے آنے والے کسی دور سے یقیناً مختلف ہوگا۔اس لئے یہاں فرمایا گیا ہے کہ فتحِ مکہ سے بہت پہلے مکی اور مدنی دونوں طرح کی زندگی میں مسلمان جن حالات سے گزرے ہیں وہ پتہ پانی کر دینے کیلئے کافی ہے۔جن لوگوں نے ایسے حالات میں بالخصوص مدینہ منورہ میں جہاد و انفاق سے کام لیا اور اپنا پیٹ کاٹ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہے ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتحِ مکہ کے بعد جہاد میں حصہ لیا اور اپنے مال و دولت کو خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی آسودگی کا سامان کیا۔یقیناً وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کے سزاوار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی اجروثواب کا وعدہ کر رکھا ہے۔لیکن حالات میں اختلاف کی وجہ سے دونوں اجروثواب میں یکساں نہیں ہو سکتے۔پہلی قسم کے لوگ یقیناً درجے میں ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہوں گے جنہوں نے فتح کے بعد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد و انفاق سے کام لیا۔

بعض اہلِ علم نے فتح سے مراد صلح حدیبیہ لیا ہے۔یقیناً یہ رائے غلط نہیں کہی جا سکتی لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ فتح اس عظیم فتح کا پیش خیمہ تھی جسے فتحِ مکہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔معاہدۂ حدیبیہ نے یقیناً فتحِ مکہ کیلئے اسباب پیدا کئے۔راستے کھولے اور مسلمانوں کو تیاری کا موقع دیا۔لیکن اسلام کی سربلندی، اللہ تعالیٰ کے دین کی بالادستی اور کفر کی مغلوبیت کو جس واقعہ نے حقیقت میں تبدیل کیا ہے وہ فتحِ مکہ ہی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗۤ
اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ
اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا
الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ ذٰلِكَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ

Marfat.com

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ
قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ
بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿١٣﴾
يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ
وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ
غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾
اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ
مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ
عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ

Marfat.com

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿19﴾

رکوع: ۲۔ (کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، تا کہ وہ اس کو اس کیلئے بڑھائے اور اس کیلئے بہترین اجر ہے۔ ۱۱) (اس دن کو یاد رکھو جس دن تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، (ان سے کہا جائے گا کہ) آج بشارت ہے تمہارے لئے باغوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے وہ بڑی کامیابی۔ ۱۲) (جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو آواز دیں گی، ذرا ہماری طرف دیکھو تا کہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں، مگر ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹو اور وہاں روشنی تلاش کرو، پھر ان کے اور اہلِ ایمان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندر کی جانب میں رحمت ہوگی اور ان کے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ ۱۳) (وہ مومنوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ مومن جواب دیں گے کہ ساتھ تو تھے لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا رکھا، اور موقعوں کے انتظار میں رہے، اور شبہات میں مبتلا رہے، اور آرزوئیں تمہیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا، اور فریب دینے والے نے تمہیں اللہ کے بارے میں مبتلائے فریب ہی رکھا۔ ۱۴) (پس آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، تم سب کا ٹھکانہ آگ ہے، وہی تمہارا مرجع ہے اور بدترین ٹھکانہ ہے۔ ۱۵) (کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ ۱۶) (خوب جان لو کہ اللہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں واضح کر کے بیان کر دی ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔ ۱۷) (بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسن دیا ہے، ان کا دیا ہوا ان کیلئے بڑھایا جائے گا، اور ان کیلئے بہترین اجر ہے۔ ۱۸) (اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیقوں اور شہداء کے زمرے میں ہوں گے، ان کیلئے ان کا اجر بھی ہے اور ان کا نور بھی، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔ ۱۹)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿11﴾

(کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، تا کہ وہ اس کو اس کیلئے بڑھائے اور اس کیلئے بہترین اجر ہے۔ ۱۱)

Marfat.com

جہاد کیلئے مالی اعانت کی اپیل

اس آیتِ کریمہ میں نہایت واضح اور مؤثر انداز میں جہاد کیلئے مالی اعانت کی اپیل کی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی پورے جوش میں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں ایثار کا جذبہ ابھار کر درحقیقت انہیں مالا مال کر دینا چاہتا ہے۔ اس نے جس مال کا مسلمانوں سے مطالبہ کیا ہے اسے اس نے اپنے ذمے قرض کا نام دیا ہے حالانکہ ہر شخص کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس شخص کے پاس اس کی امانت ہے۔ امانت کو امین کا مال قرار دینا اور پھر اس مال کو بطور قرض کے طلب کرنا یہ ایک ایسی عنایت اور مہربانی ہے جس کی توقع صرف اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہی سے کی جاسکتی ہے انسان کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر دینے والے کیلئے اس میں ایک ضمانت بھی ہے کیونکہ آدمی مال خرچ کرتا ہوا اس لئے گھبراتا ہے کہ یہ مال پھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔ لیکن جب اسے قرض قرار دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض تو قرض دینے والے کو واپس کیا جاتا ہے اور مقروض اس حد تک اس کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ قرض خواہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ البتہ اس میں ایک شرط لگائی گئی ہے کہ اس قرض کو قرضِ حسن ہونا چاہئے۔ یعنی یہ قرض خالص نیت کے ساتھ کسی ذاتی غرض کے بغیر دیا جائے۔ کسی قسم کی ریاکاری اور شہرت اور ناموری کی حرص اس میں شامل نہ ہو، دے کر کسی پر احسان نہ جتایا جائے۔ جو مال دیا جائے وہ اچھا مال ہو، محض چھدا اتارنے کی کوشش نہ ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ عطا و بخشش محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہو، کوئی اور مقصد پیشِ نظر نہ ہو۔

مزید حوصلہ افزائی کیلئے فرمایا کہ ایسا قرض نہ صرف کہ واپس ملتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس دیتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ دیئے ہوئے مال میں جو بڑھوتری ہوگی اس کا تعلق یقیناً دیئے ہوئے مال سے ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ایسا اجر بھی عطا فرمائیں گے جس کا تعلق دیئے ہوئے مال سے نہیں بلکہ اس جذبے سے ہے جس کے تحت یہ ایثار اور انفاق کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس جذبے کی مثالیں یوں تو دورِ صحابہ میں بے شمار ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک مثال استفادے کیلئے عرض کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے لوگوں نے اس کو سنا تو حضرت ابوالدحداح انصاری نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا، ہاں، اے ابوالدحداح۔ انہوں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھایئے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دے دیا۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ اسی میں ان کا گھر تھا اور وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا: دحداح کی ماں نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولی تم نے نفع کا سودا کیا، دحداح کے باپ۔ اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل گئیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾

(اس دن کو یاد رکھو جس دن تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، (ان سے کہا جائے گا کہ) آج بشارت ہے تمہارے لئے باغوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے وہ بڑی کامیابی۔ ۱۲)

Marfat.com

اجرِ کریم کا ایک پہلو

گزشتہ آیت میں جس اجرِ کریم کا ذکر فرمایا گیا یہ اسی کے ایک خاص پہلو کی وضاحت ہے کہ میدانِ حشر میں نور ان انفاق و جہاد کرنے والوں کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا اور ان کے دائیں جانب ساتھ ساتھ چل رہا ہوگا۔ اور کفار و منافقین اور فساق و فجار تاریکی میں بھٹک رہے ہوں گے۔ ہدایت کی روشنی سے جس طرح وہ دنیا میں محروم رہے اسی طرح آج ایمان و عمل کی روشنی سے بھی محروم رہیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے مشکل حالات میں انفاق و جہاد کی جو شمع روشن کی ہوگی وہی میدانِ حشر میں روشنی بن کر کام آئے گی۔ کیونکہ انفاق سے ہی نفاق کی جڑ کٹتی ہے۔ اور اسی سے وہ نورِ حکمت عطا ہوتا ہے جو اس دنیا کی تاریکیوں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور آخرت میں بھی یہ رہنمائی کرے گا۔ جس شخص کا ایمان و عمل اور انفاق و جہاد جتنا تابندہ ہوگا اس کے وجود کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کا نور اتنا تیز ہوگا کہ مدینہ سے عدن تک مسافت کے برابر فاصلے تک پہنچ رہا ہوگا۔ اور کسی کا نور مدینہ سے صنعاء تک۔ اور کسی کا اس سے کم۔ یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہوگا جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہ بڑھے گا۔ (ابنِ جریر)

میدانِ حشر میں نور کی یہ بخشش جنت کے راستے کو آسان کرنے کیلئے ہوگی۔ اس دن کی اصل بشارت تو وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور جس میں جانے والے ہمیشہ اس کے مکین بن کر رہیں گے۔ یہی وہ بڑی کامیابی ہے جو اسلامی زندگی اور جہاد و انفاق کا اصل ثمرہ ہے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۭ ﴿۱۳﴾

(جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو آواز دیں گی، ذرا ہماری طرف دیکھو تا کہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں، مگر ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹو اور وہاں روشنی تلاش کرو، پھر ان کے اور اہلِ ایمان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندر کی جانب میں رحمت ہوگی اور ان کے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ ۱۳)

منافقین کی نور سے محرومی

اس آیتِ کریمہ میں منافقین کا حال بیان کی گیا ہے جس سے وہ میدانِ حشر میں دوچار ہوں گے۔ انہوں نے ایمان و عمل سے چونکہ اپنے سیرت و کردار میں کوئی روشنی پیدا نہیں کی ہوگی تو میدانِ حشر میں اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے۔ جب وہ اچانک دیکھیں گے کہ صاحب ایمان لوگ اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں روشنی میں چل رہے ہیں اور وہ روشنی پوری طرح ان کی رہنمائی کر رہی ہے۔ وہ ان کے آگے آگے دوڑ رہی

Marfat.com

ہے اور ان کی دائیں جانب پوری طرح اجالا بکھرا ہوا ہے۔ تو وہ نہایت حسرت کے ساتھ اہلِ ایمان سے درخواست کریں گے کہ ذرا ہماری طرف توجہ کیجئے اور ہمیں بھی موقع دیجئے کہ ہم تمہاری روشنی سے فائدہ اٹھا سکیں۔ تو اہلِ ایمان کی طرف سے ان کو جواب ملے گا کہ اپنے پیچھے پلٹ جاؤ۔ کیونکہ روشنی پیدا کرنے کی جگہ وہ تھی جو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ مراد اس سے دنیا ہے کہ اب تم دارالجزاء میں ہو۔ یہاں تو روشنی اسے نصیب ہوگی جس نے دنیا میں اپنے اندر ایمان وعمل سے روشنی کی ہوگی۔ وہاں اگر جا سکتے ہو تو جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو۔ یہاں تو حسرت وندامت اور تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس جواب کے بعد ان کے اور اہلِ ایمان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں صرف ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندر کے حصے میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب میں عذاب ہوگا۔ اہلِ ایمان اس دروازے سے جنت میں چلے جائیں گے اور دروازہ بند ہو جائے گا۔ منافقین کیلئے اس حدِ فاصل کو عبور کرنا ممکن نہ ہوگا جو ان کے اور جنت کے درمیان حائل ہوگی۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾

(وہ مومنوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ مومن جواب دیں گے کہ ساتھ تو تھے لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا رکھا، اور موقعوں کے انتظار میں رہے، اور شبہات میں مبتلا رہے، اور آرزوئیں تمہیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا، اور فریب دینے والے نے تمہیں اللہ کے بارے میں مبتلائے فریب ہی رکھا۔ ۱۴)

منافقین کی استدعا کا جواب

منافقین جب دیکھیں گے کہ وہ روشنی جو ہمارے لئے راستہ روشن کر سکتی تھی وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی اور وہ ہم سے بالکل جدا ہو گئے ہیں اور روشنی ہم سے اوجھل ہو گئی ہے۔ تو وہ نہایت پریشان ہو کر مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ مسلم معاشرہ میں نہیں رہتے تھے، تو تم نے ہم سے یکسر رابطہ منقطع کیوں کر دیا، تو مومن جواب میں کہیں گے کہ تم ہمارے ساتھ رہتے تو تھے لیکن تمہارے دل ہمارے ساتھ کبھی نہیں رہے بلکہ تم ان ہی فتنوں میں مبتلاء رہے جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو نکالنا چاہا۔

تَرَبَّصْتُمْ ، تَرَبُّص سے ہے جس کا معنی انتظار کرنا ہے۔ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ تم نے ہمیشہ ہمارے لئے گردشِ روزگار اور آفاتِ زمانہ کا انتظار کیا۔ کوئی جنگ ہوئی تو ہمارے لئے شکست کی امید میں رہے۔ حالات بگڑے تو تم ہماری ناکامیوں اور تباہی کے امیدوار ہو کر بیٹھ گئے۔ دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ حق وباطل کی کشمکش میں تم ہمیشہ موقع شناسی سے کام لیتے رہے۔ یعنی تم نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ ہمارا فائدہ کس طرف جانے میں ہے، کفر کی طرف یا اسلام کی طرف۔ تم نے کبھی بھی کھل کر اپنا وزن اسلام کے پلڑے میں نہیں ڈالا۔ مسلمانوں پر کیسی ہی قیامتیں ٹوٹیں لیکن تمہارے دلوں نے کبھی اس کا اثر قبول نہ کیا۔ بلکہ تمہارا حال ہمیشہ یہ رہا:

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دھن تراشتے رہے
اور آشیاں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے بقیہات کی جو دولت تقسیم کی اور حالات کے بارے میں بعض پیشگوئیاں بھی فرمائیں، لیکن تمہیں ہر بات میں ہمیشہ شک رہا۔ منافق کی پہچان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر بات کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ نہ اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا یقین آتا ہے اور نہ رسول کی صداقت کا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سنتا ہے لیکن اس کے کلام اللہ ہونے کا یقین نہیں آتا۔ آخرت کی باز پرس اس کے اندر کوئی تہلکہ نہیں مچاتی۔ حق و باطل کی کشمکش کو وہ ہمیشہ شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہی حال ہمیشہ ان لوگوں کا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ایمان نے نہ دنیا میں برگ و بار پیدا کئے اور نہ اخروی اجر وثواب کی کوئی صورت پیدا ہوئی۔ تمہاری آرزوؤں نے جو جھوٹے گھروندے بنا رکھے تھے وہ کبھی مسمار نہ ہوئے۔ تم اسی شش و پنج میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ گیا، یعنی تمہاری موت کا وقت آ گیا یا اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو گیا اور تمہاری خواہشات نے دم توڑ دیا۔ شیطان نے تمہیں ہمیشہ دھوکے میں رکھا اور یہی دھوکہ تمہاری تباہی کا باعث بنا جس سے دنیا بھی تباہ ہوئی اور آخرت بھی تباہ ہوئی۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾

(پس آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، تم سب کا ٹھکانہ آگ ہے، وہی تمہارا مرجع ہے اور بدترین ٹھکانہ ہے۔ ۱۵)

جب تم نے اپنے آپ کو بری طرح فتنوں میں مبتلا رکھا اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ تحفظات کا شکار رہے، کبھی بھی تمہارے اندر ایمان کی شمع روشن نہ ہو سکی۔ تم ایمانیات کے بارے میں بھی ہمیشہ شک وشبہ میں مبتلاء رہے۔ تو اس کے بعد کیا امید کی جاسکتی تھی۔ اس لئے صاف صاف فرما دیا گیا ہے کہ آج تم سے کوئی فدیہ اور معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ قیامت کے دن یوں تو فدیہ دینے کیلئے کوئی چیز میسر نہیں آئے گی۔ لیکن سزا کی سختی اور قیامت کی ہولناکی کو دیکھ کر ہر مجرم یہ کوشش کرے گا کہ کاش میں کوئی بھی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا۔ لیکن وہاں ایسا نہ ہو سکے گا۔ بلکہ تمہارا انجام ان کافروں جیسا ہو گا جنہوں نے کھلا کھلا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ کیونکہ عملاً تم میں اور ان میں کوئی فرق نہ رہا۔ بلکہ تم دونوں گروہ اسلام دشمنی میں ایک دوسرے کے مددگار رہے۔ تم دونوں کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہو گا۔ تم نے اللہ تعالیٰ کو چونکہ کبھی اپنا کارساز نہ بنایا اور نہ کبھی اپنا ہمدرد وغمگسار اور مرجع سمجھا اس لئے اب تمہارا مولیٰ اور مرجع اور کارساز سب کچھ جہنم کی آگ ہو گا۔ اس لئے اب تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دادوفریاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب تمہیں دوزخ ہی میں رہنا ہے اور جو کچھ پاؤ گے وہیں سے پاؤ گے اور یہ دوزخ بدترین ٹھکانہ ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾

(کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ ۱۶)

Marfat.com

کمزور ایمان والوں کو تنبیہ اور آگہی

اس آیتِ کریمہ میں جن ایمان لانے والوں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ خاص گروہ ہے جو ایمان کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں شامل تو ہو گیا تھا لیکن ایمان کی حقیقت ان کے دلوں میں اتری نہیں تھی۔ اور یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مرضِ نفاق میں تو مبتلا نہ تھے لیکن ابھی ان کے ایمان میں پختگی نہیں آئی تھی۔ اگر اس سے پہلا گروہ مراد لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کے خوابیدہ ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جس حقیقت پر یہ زبانی حد تک ایمان لائے ہیں اس کیلئے عرب کی سرزمین تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ کفر کی تمام طاقتیں اس کو مٹا دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ مسلمان ہر طرف سے سمٹ کر مدینے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اہلِ مدینہ کیلئے یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے وہ اگرچہ انصار ہونے کا ہر ممکن حق ادا کر رہے ہیں۔ بااین ہمہ مسلمانوں کی ضروریات کی فراہمی تنہا ان کے بس کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ پھر مصائب کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ مخلص مسلمانوں کو بار بار میدانِ جہاد و قتال میں بھی آزمائش سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ عرب کی تمام قوتیں ان کو تہہ تیغ کر دینا چاہتی ہیں اور یہ مٹھی بھر مسلمان ان کے سامنے سینہ تان کے کھڑے ہیں۔ ایسے خطرناک اور دل ہلا دینے والے حالات میں منافقین کا یہ گروہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے ان کے اندر ایثار و قربانی اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہونے کا نام نہیں لیتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کے ایمان میں کچھ بھی سچائی ہے تو کیا ان کا یہ رویہ کچھ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ منظر دیکھ کر ان کے دل پگھل جاتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت و حرمت کو قائم رکھنے کیلئے اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دیتے۔ لیکن ان کا یہ رویہ اگر ایسے ہی قائم رہا تو اندیشہ ہے کہ اہلِ کتاب کی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل مزید سخت نہ ہو جائیں۔ اور اگر ایسا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی سنت دیکھتے ہوئے اس کا شدید خطرہ ہے تو پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے نور سے بہت حد تک محروم کر دیئے جائیں گے جیسے اہلِ کتاب محروم ہوئے۔ اور آج ان کی نافرمانی کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے تورات کو بھی اپنے ہاتھوں سے کھویا اور اب قرآنِ کریم کے فیضان سے بھی اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے۔

اور اگر کمزور مسلمانوں کو اس آیتِ کریمہ کا مخاطب سمجھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دعوتِ حق کی صداقت و حقانیت کے شواہد کھلتے جا رہے ہیں۔ اور جن لوگوں کو اسلام ایک اجنبی چیز معلوم ہوتا تھا اور وہ اسے چند دنوں کی بات سمجھتے تھے وہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام نہ صرف جزیرۂ عرب کی ایک قابلِ ذکر قوت بنتا جا رہا ہے بلکہ اس کی صداقت بھی دلوں پر واضح ہوتی جا رہی ہے۔ تو کیا ان لوگوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے ایمان میں استحکام پیدا ہو۔ اور اسلام کی بنیادی صداقتوں کے بارے میں انہیں جو شکوک و شبہات لاحق ہیں وہ ختم ہو جائیں اور یہ پورے اخلاص کے ساتھ اسلام کو اپنے دلوں کا نور بنا لیں۔ انہیں آگاہ رہنا چاہیے کہ آج تو صرف معاملہ شکوک و شبہات تک ہے لیکن اگر انہوں نے اپنا رویہ نہ بدلا تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ان کے دل سخت ہو سکتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد ان کے سنبھلنے کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔

ایمان درحقیقت دل کے یقین کا نام ہے۔ زبان کا اقرار آغاز کا کام دیتا ہے اور دماغ کا اطمینان اس میں اضافہ کرتا ہے۔ صرف ایک دل کا یقین ہے کہ جو زبان کے اقرار اور دماغ کے اطمینان کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کی طرف اس آیتِ کریمہ میں توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اور اس کیلئے ذکر اللہ اور نزولِ حق دو تعبیریں اختیار کی گئی ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق ہے جو کبھی محبت کی شکل اختیار کرتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے خوف کی۔ اور نزولِ حق سے مراد اسلام کے بنیادی عقائد، کلیات

Marfat.com

اور احکام کا وہ مجموعہ ہے جو شریعت کے نام سے قرآنِ کریم میں نازل کیا گیا ہے۔ اولاً تو دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کے راستے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ غیبی امور کو عقیدے کے طور پر ماننا اور شرعی احکام پر عمل کرنا ہے جس سے عام طور پر طبیعتیں ابا کرتی ہیں۔ لیکن جب تک اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے پر مستعد نہیں ہوتے اور دل کا یقین ان کو غذا فراہم نہیں کرتا اس وقت تک انسان میں وہ چیز پیدا نہیں ہوتی جو اس آیتِ کریمہ کا حاصل ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

(خوب جان لو کہ اللہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں واضح کر کے بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ۱۷)

مزید تنبیہ اور امید کی جھلک

گزشتہ آیتِ کریمہ میں منافقین اور کمزور مسلمانوں کو جس طرح جھنجھوڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں بھی اسی حقیقت کی طرف مزید توجہ دلانے کیلئے زیادہ پرزور انداز اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے لفظ سے ہی خوابِ غفلت سے جگانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ خوب جان لو، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی آمد اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی بعثت اپنے اثرات و نتائج میں ایسے ہی ہے جیسے نزولِ باراں۔ بارش کے نزول سے پہلے زمین سورج کی گرمی سے جھلس چکی ہوتی ہے، کسی جگہ ہریاول کا نشان تک نظر نہیں آتا، کسی جگہ سے کوئی کونپل پھوٹتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، زمین بالکل مردہ ہو چکی ہوتی ہے کہ بارانِ رحمت کا ایک چھینٹا پڑتے ہیں زمین لہلہا اٹھتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف ہریاول پھیل جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے زمین نے مخملی لباس پہن لیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس ملک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایک نبی مبعوث ہوتا ہے اور وحی و کتاب کا نزول اس پر شروع ہوتا ہے تو مری ہوئی انسانیت میں زندگی کی لہر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ عقائدِ صحیحہ، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ حسنہ کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اور وہ تمام نیکیاں جو جاہلیت کے اثر سے مٹ چکی ہوتی ہیں، از سرِ نو زندہ ہونے لگتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے بھی چند ہی سالوں میں شدید مخالفت کے باوجود انسانیت نے وہ برگ و بار پیدا کیے کہ جس کی مثال اس سے پہلے بہت کم دیکھی گئی تھی۔ صحابہ کرام کے پاکیزہ معاشرے میں ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جن میں عبادت سے لے کر اخلاق تک اور دیانت و امانت سے لے کر احساس کی پاکیزگی تک ایسی حیرت انگیز تبدیلی دکھائی دیتی ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ ہمہ گیر تبدیلی اور حسنات و خیر کا یہ خوشگوار منظر منافقین اور کمزور مسلمانوں کے سامنے تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اگر انسان خوبصورت انسانیت کے پتلے کا نام ہے اور وہی اس دھرتی کا اصل زیور ہے اور انسانوں کی زندگی اسی کی وجہ سے آسودہ اور خوشگوار ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا دین انفرادی اور اجتماعی زندگی میں غالب آ سکتا ہے تو پھر اس کی ابتدا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب یہ تبدیلی پہلے جزیرۂ عرب کو اور پھر دنیا کے بیشتر حصے کو اپنی آغوش میں لے لے گی۔ تو اتنی بڑی دلیل اور اتنی بڑی نشانی کو دیکھ کر بھی اگر وہ صحیح رویہ اختیار نہیں کرتے اور ان کے دل حق کے سامنے نہیں پگھلتے تو پھر اور ایسی کیا نشانی ہو سکتی ہے جو ان کے اندر تبدیلی کی ضمانت بن سکتی ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾

(بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسن دیا ہے، ان کا دیا ہوا ان کیلئے بڑھایا جائے گا، اور ان کیلئے بہترین اجر ہے۔ ۱۸)

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے اجرِ عظیم کے مستحق ہیں

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو نفاق کے مرض سے بھی محفوظ ہیں اور جن کا ایمان ہر طرح کے شک و ارتیاب کی کمزوری سے بھی پاک ہے۔ وہ صرف راہِ حق میں جان لڑانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے مال کو بھی اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر جب بھی موقع آتا ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں بے دریغ خرچ کرنے میں تأمل نہیں کرتے۔ اس کیلئے دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ایک اَلْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ اور دوسرا اَقْرَضُوْا پہلا لفظ فاعل ہے اور دوسرا لفظ فعل کی صورت میں ہے۔ فاعل یا صفت دوام اور استمرار پر دلالت کرتے ہیں۔ اور فعل وقوعِ فعل پر۔ یہاں مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو طرح سے انفاق کرتے ہیں۔ ایک تو ان کا انفاق وہ ہے جس کا مطالبہ ہر ذی استطاعت مسلمان سے عام حالات میں ہوتا ہے۔ یعنی ہر شخص پر جو زکوٰۃ دینے کی استطاعت رکھتا ہے زکوٰۃ دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ جو فطرانہ دے سکتا ہے اس سے فطرانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو دوسرے مالی حقوق کسی شخص پر عائد ہوتے ہیں تو ان کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ وہ انفاق ہے جو وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ جب تک زندگی اور استطاعت باقی ہے یہ مطالبات بھی باقی ہیں۔ اور دوسرا انفاق وہ ہے جو ہنگامی طور پر ناگہانی ضرورت کے تحت کسی مسلمان سے کیا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت چونکہ کبھی کبھی پیش آتی ہے اس لئے اس کو فعل سے ذکر فرمایا کہ جب بھی اس کا مطالبہ کیا جائے گا اس کی ادائیگی لازمی ہے۔

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ حقیقی ایمان سے بہرہ ور ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ صدقاتِ واجبہ ادا کرنے میں ایک چشمے کی مانند ہیں۔ جیسے چشمہ ہمیشہ ابلتا ہے یہ بھی ہمیشہ ابلتے رہتے ہیں۔ جس طرح چاند سے چاندنی، سورج سے روشنی اور برف سے ٹھنڈک الگ نہیں کی جا سکتی، اسی طرح ان لوگوں سے اس جوہر کو چھینا نہیں جا سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس داد و دہش کو صدقہ سے تعبیر فرمایا۔ صدقہ اسلام کی اصطلاح میں اس عطیئے کو کہتے ہیں جو سچے دل اور خالص نیت کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے دیا جائے جس میں کوئی ریاکاری نہ ہو، کسی پر احسان نہ جتایا جائے۔ وہ عطیہ جس میں خالص جذبہ نہ ہو اسی صدقہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں یہ لفظ لا کر اس طرح توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے خالص جذبے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہمیشہ انفاق کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور اگر کبھی کسی ہنگامی ضرورت کیلئے ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ کبھی اپنے دیگر عطیات کا حوالہ دے کر ہاتھ روکنے والے نہیں ہوتے بلکہ اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور پھر اس جذبے میں مرد اور عورت کی کوئی تقسیم نہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دے رکھی ہے چاہے مرد ہو یا عورت وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے والے لوگ ہیں۔ اور ہنگامی ضرورت کے تحت جو کچھ دیا جاتا ہے اسے یہاں اللہ تعالیٰ نے قرض سے تعبیر فرمایا ہے جس سے یہ تأثر دینا مقصود ہے کہ ایسے عطیئے کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمے قرض سمجھتا ہے اور جس طرح قرض کی واپسی لازمی ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس عطیئے کو نہ صرف دینے والے کو واپس کرتا ہے بلکہ اس میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اضافے کی کوئی انتہا نہیں۔ دینے والے نے اخلاص کی جتنی بڑی مقدار اس میں صرف کی ہوگی، اتنا ہی اس میں اضافہ فرمایا جائے گا۔ اور پھر اسی

Marfat.com

پر اکتفا نہیں بلکہ اپنی طرف سے پروردگار مزید بھی عطا فرمائے گا جسے اجرِ کریم فرمایا گیا ہے۔اور اجرِ کریم وہ چیز ہے جسے کسی پیمانے سے ناپا نہیں جاسکتا۔اور دنیا میں کسی طرح بھی اس کی حدود کا تعین ممکن نہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾

(اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیقوں اور شہداء کے زمرے میں ہوں گے،ان کیلئے ان کا اجر بھی ہے اور ان کا نور بھی،اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔ ۱۹)

ایمانِ کامل کے مدارج

اس آیت میں ایمان سے مراد ایمانِ کامل ہے۔جس طرح گزشتہ آیتِ کریمہ میں ان کی زندگی کے ایک پہلو کی جھلک دکھائی گئی ہے،اسی طرح یہاں بھی ان کی زندگی کے بعض دوسرے پہلوؤں کی منظر کشی کی گئی ہے۔وہ چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اس طرح کا ایمان رکھتے ہیں جیسے ایمان لانے کا حق ہے۔اس لئے ان کے ایمان میں کسی نفاق یا کسی کمزوری کے شائبہ کا تو سوال ہی نہیں،ان کا ایمان تو اس درجے کا ہے جو صدیقوں اور شہیدوں کا ایمان ہے۔صدیق صدق کا مبالغہ ہے۔صدق محض سچے اور مطابقِ حقیقت قول کو نہیں کہتے بلکہ اس کا اطلاق اس قول پر ہوتا ہے جو بجائے خود بھی سچا ہو اور جس کا قائل بھی سچے دل سے اس حقیقت کو مانتا ہو۔اگر ایک شخص سچی بات کہتا ہے لیکن خود اس کا ضمیر اس پر مطمئن نہیں تو اسے صادق نہیں کہا جاسکتا۔کیونکہ صدق کیلئے ضروری ہے کہ قول کی مطابقت حقیقت کے ساتھ بھی ہو اور قائل کے ضمیر کے ساتھ بھی۔لیکن جب یہ صدق آزمائش کے ہر موقع پر پورا اترے اور اپنی بات کی ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہو اور بڑے سے بڑا پریشر بھی اس قول کو بدلنے سے عاجز رہے۔وہ اپنی سچائی کی قیمت ادا کرتے ہوئے جان تو دے سکتا ہو لیکن اپنی بات کو کبھی بدل نہ سکتا ہو،ایسے شخص کو صدیق کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ذات راست بازی کی اعلیٰ مثال ہوتی ہے۔اسی طرح شہید اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی صداقت کی قیمت ادا کرتا ہوا جان دے دے۔لوگ کوشش کریں اور اسے ڈرائیں کہ اگر تم نے اپنی بات واپس نہ لی تو تمہیں جان سے مار دیا جائے گا۔تو وہ اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کیلئے جان دینے پر تیار ہو جائے لیکن بات کو ہاتھ سے نہ دے۔اس شخص کا جان دے دینا یہ اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔کیونکہ کسی شخص کیلئے بھی جان سے بڑھ کر کوئی شے عزیز نہیں۔جب وہ اپنی عزیز ترین چیز کو کسی صداقت کیلئے قربان کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔تو جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی صداقت سمجھ کر قبول کرتے ہیں تو وہ اس دین کے صدیق بھی ہیں اور شہید بھی۔اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں اس کا اجر عطاء فرمائے گا۔اور ساتھ ہی ساتھ انہیں وہ نور بھی عطا ہوگا جو جنت میں جانے کیلئے ان کے راستے میں روشنی کا سامان کرے گا۔اسی طرح جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور اس کے دین کو جھٹلایا۔تو جس طرح صدیق اور شہید سب سے بڑے انعام کے مستحق ہیں،یہ سب سے بڑی سزا کے مستحق ہوں گے اور جہنم سے بڑھ کر اور سزا کیا ہوسکتی ہے۔اس لئے انہیں جہنم والے قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ
تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ
اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ
وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَ
مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى
الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا
بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ
وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ
شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

Marfat.com

رکوع: ۳۔ (خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور زیب و زینت اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولا میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، اس کی مثال اس بارش جیسی ہے ہے جس سے پیدا ہونے والی فصل کاشتکار کے دل کو موہ لے، پھر وہ پک جائے، تو تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو جاتی ہے، پھر وہ بھس بن کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں ایک عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی، اور دنیوی زندگی تو بس دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔ ۲۰) (مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور ایک ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے، وہ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ۲۱) (اور تمہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی نہ زمینی پیداوار میں اور نہ تمہارے اپنے نفوس میں، مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم اس کو وجود دیں، لکھی ہوئی ہے، یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ ۲۲) (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تاکہ جو چیز جاتی رہے اس پر غم نہ کرو، اور جو کچھ تمہیں اللہ عطا فرمائے اس پر مت اتراؤ، اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اکڑنے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔ ۲۳) (جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کا مشورہ دیتے ہیں، اور جو اعراض کرتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اللہ بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ ۲۴) (ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں، اور لوہا اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کیلئے فوائد ہیں، یہ اس لئے کیا گیا تاکہ وہ ان لوگوں کو ممیز کر دے جو اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ ۲۵)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

(خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور زیب و زینت اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولا میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، اس کی مثال اس بارش جیسی ہے ہے جس سے پیدا ہونے والی فصل کاشتکار کے دل کو موہ لے، پھر وہ پک جائے، تو تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو جاتی ہے، پھر وہ بھس بن کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں ایک عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی، اور دنیوی زندگی تو بس دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔ ۲۰)

Marfat.com

ایک اہم حقیقت کی رہنمائی

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ایک ایسی گرہ کو کھولا گیا ہے اور ایک ایسے عقدے کی نقاب کشائی کی گئی ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی میں بے شمار گرہیں پڑ چکی ہیں۔ یہ حق و باطل کی کشمکش اور کفر و ایمان کا جھگڑا اور کامیابی و ناکامی کے معیارات کا فرق اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں نے اس بات کا فیصلہ بہت کم کیا ہے کہ انسان کی منزل دنیا ہے یا آخرت۔ جن لوگوں نے اپنی منزل دنیا کو سمجھا ہے ان کی مساعی کا ہدف بالکل دوسرا ہے۔ اور جنہوں نے اپنی منزل آخرت کو بنایا ہے ان کی زندگی کا رنگ و روپ بالکل الگ ہے۔ جو لوگ اپنی منزل آخرت کو سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے دین پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ساری زندگی آخرت کو بنانے اور اسی کو مقصد بنا کر اس کے حصول میں صرف ہو جاتی ہے۔ وہ دنیا اور دنیوی زندگی کو محض ضرورت کا درجہ دیتے ہیں، اسے مقصد قرار دینے کی غلطی کبھی نہیں کرتے۔ لیکن جو لوگ دنیا کو اپنی منزل بنا لیتے ہیں ان کے نزدیک آخرت ایک موہوم تصور کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے یہاں اس بنیادی سوال کو اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ حیاتِ دنیا جس کو تم اپنی منزل بنا چکے ہو اس کی ہر چیز عارضی اور وقتی ہے۔ تم اگر غور کرو گے تو دیکھو گے کہ دنیوی زندگی میں ایک آدمی کے بیشتر معمولات لہولعب پر مشتمل ہیں۔ وہ تفریح کو زندگی سمجھتا ہے۔ اور اگر تفریح میسر نہیں تو ایسی زندگی کو بے نمک اور بے کیف سمجھ کر ایک بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔ وہ ایک ایسی کھیل کو پسند کرتا ہے جس میں کئی دن صرف ہو جائیں اور جس کی وجہ سے زندگی کے تلخ حقائق نظر انداز ہو جائیں، کاروباری زندگی ٹھپ ہو کر رہ جائے، تعلیم کے معیارات بدل کر رہ جائیں، لیکن وہ یہ سارے نقصانات گوارا کر لیتا ہے لیکن کئی روزہ کھیل کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو بہت سے قیمتی لمحات کو سینما ہاؤسز میں اور کلبوں کی نذر کرنے میں بھی تامل نہیں کرتا۔ اور جب یہی دنیوی زندگی کی محبت دلوں میں اتر جاتی ہے تو پھر زندگی کی ضروریات، ضروریات تک محدود نہیں رہتیں بلکہ زندگی کا بیشتر حصہ اسی کے حصول میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس پر قیمتی رشتے قربان کر دیئے جاتے ہیں، والدین کا رشتہ اپنا احترام کھو دیتا ہے، میاں بیوی کا بنیادی تعلق خیانت کا شکار ہو کر پاکیزگی سے محروم ہو جاتا ہے، بچے زندگی کا سرمایہ ہونے کے باوجود ماں باپ کو صرف اپنی کامیابیوں کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جب وہ اس منزل کو پا لیتے ہیں تو پھر یہ تعلق اپنی نزاکتیں کھو دیتا ہے۔ اس لئے نہایت اہتمام کے ساتھ اور زور دے کر اس پر توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری حیاتِ دنیا لہو و لعب، زیب و زینت، کثرتِ مال پہ فخر اور دنیوی مناصب پر اترانے کے سوا اور کیا ہے۔ ایک زمانے تک انسان اولاد کی کثرت پر بھی فخر کرتا تھا لیکن اب نہیں کرتا۔ سرمایہ دارانہ زندگی انسان کی منزل بن کر رہ گئی تھی۔ اب اس کے خلاف سرمایہ دارانہ ملکوں میں ہنگامے زوروں پر ہیں۔ اور دنیا کا بہت بڑا حصہ سوشلزم کے نام پر اس سے بغاوت کر چکا ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں جس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے ایک بارش ہوتی ہے اس سے پیداوار لہلہانے لگتی ہے تو کاشتکار اس کو دیکھ کر نہ جانے کیسے کیسے ارمان پالتا اور کیسی موہوم زندگی کا تصور باندھنے لگتا ہے تو پھر وہ اچانک دیکھتا ہے کہ وہی فصل زرد پڑنے لگتی ہے اور پھر خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ دنیوی زندگی کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ایک شخص جو شب و روز محنت کر کے مال و دولت کا خزانہ جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اپنے لئے مالی سلطنت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن موت کا ایک جھونکا اس سارے طلسم کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس آخرت فنا ہونے والی نہیں ابدی زندگی کا نام ہے وہاں آدمی کو یا ہمیشہ کی کامیابیاں یا ہمیشہ کی ناکامیاں میسر آئیں گی۔ ایک طرف جنت ہے جس کی نعمتوں کو زوال نہیں اور دوسری طرف جہنم ہے جس کے عذاب کا

Marfat.com

کوئی مداوا نہیں۔ یہ دونوں طرح کی زندگی کے تصورات سامنے رکھ کر انسانوں کے سامنے یہ سوال رکھ دیا گیا ہے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے اپنے برے اعمال کی بخشش چاہتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب ہو۔ یا دنیوی زندگی اختیار کر کے ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار ہونا چاہتے ہو جبکہ آخرت ایک حقیقت ہے اور دنیوی زندگی متاع غرور کے سوا کچھ نہیں۔ یہ چندروزہ زندگی آخرت کی زندگی کی تیاری کیلئے دی گئی تھی لیکن ہم نے اسی کو مقصد بنا کر اس کے حصول میں ایسے اندھے ہوئے کہ آخرت کی زندگی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

(مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور ایک ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے، وہ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ۲۱)

اصل میدانِ مسابقت

گزشتہ آیتِ کریمہ میں فرمایا کہ اہلِ کفر کی بھاگ دوڑ اور ان کا تکاثر و تفاخر تو بس اس دنیا کی عارضی وفانی مطلوبات و مرغوبات کی راہ میں ہے۔ وہ اس سے آگے جانے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور اسی کو اپنی منزل سمجھتے ہیں۔ لیکن اہلِ ایمان کا نصب العین اپنے رب کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ وہ دنیا کو ایک تنگنائے سمجھتے ہیں۔ ان کی اولوالعزمی اور ان کی پرواز کی قوت انہیں دنیا تک محدود نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی منزل آخرت کو سمجھتے ہیں۔ دنیا کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں اور اس کو بہتر سے بہتر استعمال کر کے آخرت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس راہ میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کو یہاں مسابقت کا نام دیا گیا ہے۔ وہ دنیا کی لذتوں سے شادکام ہوتے ہیں لیکن اس حد تک جس کا تصورِ آخرت اجازت دیتا ہے۔ وہ دنیوی خوشیوں کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں بشرطیکہ آخرت کا تصور اس سے گدلانے نہ پائے۔ اس لئے یہاں اسی تصور کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہیں بھی اگر مسابقت کرنی ہے تو اس آخرت کے حصول کیلئے کرو جس کا پھل جنت ہے۔ اور پھر جنت کا شوق دلانے کیلئے فرمایا کہ جنت کی وسعتوں کا عالم یہ ہے کہ آسمان و زمین کی وسعتیں اس میں گم ہو جائیں۔ یہاں لفظ اگرچہ عرض کا بولا گیا ہے جس کا معنی چوڑائی ہوتا ہے لیکن یہاں مراد اس سے وسعت ہے۔ اس جنت کا حصول اور اس کیلئے مغفرت کا حصول مومن کا اصل گول اور ہدف ہے۔ دنیا کو ضرورت کی حد تک حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کیلئے مسابقت کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ طلبِ دنیا میں مسابقت اسے آنحضرت ﷺ نے ہماری تباہی کا پیش خیمہ قرار دیا۔

ارشاد فرمایا لااخشی علیکم الفقر ولکنی اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کماتنافسوھا فتھلککم کمااھلکتھم ”میں تم پر غربت سے نہیں ڈرتا، لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کھول دی جائے گی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کھولی گئی اور پھر تم اس کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں لگ جاؤ گے، پھر وہ تمہیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جیسے اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا جو تم سے پہلے تھے۔

Marfat.com

آخر میں فرمایا یہ جنت ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر حقیقی ایمان رکھتے ہوں۔ کیونکہ برائے نام ایمان تو کسی اجر وثواب کا مستحق نہیں۔ اور حقیقی ایمان سے ہی ایک مومن پر ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ ہونا ہی ایمان کا اصل تقاضا ہے۔ تو جس شخص نے بھی ان تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا اور اپنی زندگی ان کے مطابق گزاری یہ جنت ایسے لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور پھر ایسا بھی نہیں کہ اس کی تیاری کوئی بہت دور کی چیز ہوگی بلکہ یوں سمجھئے کہ جیسے ہی آدمی اپنے امتحان سے نکلا تو جنت اس کیلئے بے نقاب ہو جائے گی۔ رہا جنتوں کی وسعتوں کا بے پایاں ہونا، تو یہ بات ہمارے لئے تو تعجب خیز ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں، وہ تو بڑا فضل والا ہے۔ اس کے فضل وکرم کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ جسے چاہے جتنا بھی بخش دے اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۲۳﴾

(اور تمہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی نہ زمینی پیداوار میں اور نہ تمہارے اپنے نفوس میں، مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم اس کو وجود دیں، لکھی ہوئی ہے، یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ ۲۲) (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تاکہ جو چیز جاتی رہے اس پر غم نہ کرو، اور جو کچھ تمہیں اللہ عطا فرمائے اس پر مت اتراؤ، اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اکڑنے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔ ۲۳)

ایک اور اہم ہدایت

گزشتہ آیات میں دنیوی زندگی، مال ودولت اور پیش آنے والے مسائل کے حوالے سے ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن سے ایک مومن اور کافر میں تصورات اور اعمال کے اعتبار سے فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اور ہدایات کو قبول کرنے سے مومن کے ایمان کو جلا ملتی ہے اور انکار کی صورت میں ایک کافر اور منافق اسلام کے بنیادی تصورات سے اور دور ہٹ جاتا ہے۔ دنیا کو ضرورت بتانے کے بعد آخرت کو مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اور جہاد وانفاق کو ایمان کی علامت قرار دے کر ایک مومن کیلئے مطلوب ومرغوب بنا دیا گیا ہے۔ اور پھر ایک مومن کیلئے اجر وثواب کے طور پر جو انعامات مقرر کیے گئے ہیں ان کی نوید سنائی گئی اور کافر اور منافق کو سخت ترین عذاب سے متنبہ کیا گیا۔ پیش نظر آیت کریمہ میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایک مومن جب دنیا، مال ودولت اور انفاق وجہاد کے بارے میں اسلامی تصورات کو قبول کر لیتا ہے تو اسے اس بات کا احساس ہونا چاہئے اور یہ خیال بھی اس کے دماغ کی زینت بن جانا چاہئے کہ حق وباطل کی کشمکش اور عام معمول کی زندگی میں بھی ایک مومن کو مشکلات پیش آتی ہیں اور جن مصائب سے انہیں واسطہ پڑتا ہے وہ مشکلات اور وہ مصائب اپنے آپ پیش آنے والے نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر بات کا فیصلہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے۔ اور انسانی زندگی کے وجود میں آنے سے پہلے انہیں ایک کتاب

Marfat.com

یعنی لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔ ہمارے لئے اس بات کا جاننا فی الواقع مشکل ہے کہ جو چیز ابھی وجود میں نہیں آئی اس کا کسی کتاب میں لکھے جانے کا کیا معنی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے ایسا کرنا نہایت آسان ہے کیونکہ لوحِ محفوظ علمِ الٰہی کی تعبیر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم زمانوں میں مقید نہیں۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل کی تمام حدود و قیود سے مبرا ہے۔ وہ اس وقت بھی ان چیزوں سے واقف تھا جب وہ چیزیں کسی کے تصور میں بھی نہ آئی تھیں اور وہ تب بھی واقف ہوگا جب وہ خواب و خیال ہو چکی ہوں گی۔ لیکن اصحابِ ایمان کو اس حقیقت سے بہرہ ور کرنا اس لئے ضروری ہے کہ تاکہ جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں کوئی مصیبت پیش آئے اور یا وہ اسلامی زندگی گزارتے ہوئے کسی مشکل میں گرفتار ہو جائیں تو کبھی اس سے دل آزردہ نہ ہوں، کبھی شکست خوردہ نہ ہوں، کبھی اس سے ہمت نہ ہارنے پائیں۔ کیونکہ انہیں اس بات کا اطمینان ہونا چاہئے کہ اس بات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہو۔ تو پھر اگر مجھے ہر حال میں اس کی خوشنودی پیشِ نظر ہے تو میں اس سے دل گرفتگی کیوں محسوس کروں۔ اور اسی طرح اگر اسے زندگی کے معمولات یا حق و باطل کی کشمکش میں کوئی کامیابی نصیب ہو یا کوئی بڑی منفعت ہاتھ آئے تو اسے کبھی اس پر اترانا اور فخر نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ جس طرح مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی طرح سے مسرت و شادمانی اور فلاح و کامیابی بھی تو اسی کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک میں مبتلا کر کے اصل میں مومن کا امتحان لیتا ہے جو اس کی تربیت کیلئے لازمی ہے۔

آج اگر مسلمان مدینہ طیبہ میں ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہیں اور آئے دن کسی نہ کسی ابتلاء سے دوچار ہو رہے ہیں اور دشمن نے ان کا مالی مقاطعہ کر رکھا ہے اور ان کی زندگی دشوار تر ہو گئی ہے تو انہیں کسی طرح بھی اس سے آزردہ اور دل گرفتہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے یہاں پہلے سے طے پا چکی ہیں کہ مسلمانوں کی تربیت کیلئے ان مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر آئندہ چل کر مسلمانوں کو کامیابیاں ملنے والی ہیں اور عسر کے بعد یسر کی زندگی شروع ہونے والے ہے جیسا کہ خلافتِ راشدہ میں ہوا تو تب بھی انہیں کسی کمزوری کا شکار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کوئی کامیابی اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کسی مومن کو نصیب نہیں ہوتی۔ ہر بات کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا تھا اور اسی کے مطابق وقوع پذیر ہوا تو پھر آخر مسلمان یہ کیوں سوچیں کہ یہ کامیابیاں چونکہ ہماری کوششوں کی مرہونِ منت ہیں تو ہمیں اس پر فخر کرنے اور اترانے کا بجا طور پر حق ہے۔ یہ بات ایک مسلمان کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔ مصائب پر صبر، نفع اور کامیابی پر شکر یہ ایک مومن کی سیرت و کردار کے دو پہلو ہیں جس میں ذرا سی کمزوری اس کی ایمانی زندگی کیلئے نقصان دہ ہے۔ چونکہ ہر طرح کی بڑائی اور ہر طرح کی عظمت اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے اس لئے جو شخص بھی اکڑنے اور فخر کرنے لگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ صاحبِ ایمان لوگوں کی شکل میں تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت تیار کر رہا ہے جو انسانوں کیلئے نمونے کی جماعت ہوگی۔ ظاہر ہے ان لوگوں میں اس طرح کی کسی بات کا تصور بھی ناقابلِ قبول ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

(جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کا مشورہ دیتے ہیں، اور جو اعراض کرتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اللہ بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ ۲۴)

Marfat.com

مال ودولت پر اترانے والوں کو تنبیہ

خود پسند، اترانے والے اور فخر کرنے والے وہ لوگ نہیں ہوتے جن کے اعمال واطوار کا نقشہ گزشتہ آیات میں دیا گیا ہے۔ اور جن کی خصوصی حیثیت کے حوالے سے انہیں خصوصی ہدایات سے نوازا گیا ہے بلکہ یہ بیماریاں ان لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں جو مال و دولت کو اپنی محنت کا ثمرہ اور اپنی کوششوں کا حاصل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو مال و دولت کے بارے میں غلط تصور رکھنے کی وجہ سے انہیں اس بات کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے کہ اگر ہم نے اس طرح ہاتھ کھول دیئے تو خزانے بھی ختم ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ایک نہ ایک دن ختم ہوسکتا ہے، اسے بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہاتھ روک کے رکھو اور بخل سے کام لو۔ اور اپنی بخالت پر پردہ ڈالنے کیلئے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کو بھی بخل کرنے کا مشورہ دیں۔ امر کا معنی جس طرح حکم دینا ہوتا ہے اسی طرح مشورہ دینا بھی ہوتا ہے۔ اور مشورہ یہاں اکسانے کے مفہوم میں بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دوسروں کو اکساتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور ملت کی راہ میں اگر تم اسی طرح خرچ کرتے رہو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب کبھی تمہیں کوئی ناگہانی صورت پیش آگئی تو پھر تم مشکل میں گرفتار ہوجاؤ گے۔ اور اس وقت کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ بچایا ہوا سرمایہ ہی کام آتا ہے اس لئے اپنے سرمائے کو بچاؤ۔ آخر میں نہایت تہدید آمیز الفاظ میں اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ان کلماتِ نصیحت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کیلئے خلوص، فرمانبرداری اور ایثار و قربانی کا طریقہ اختیار نہیں کرتا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ ایسے ہر شخص سے بے نیاز ہے۔ وہ انفاق کی دعوت اس لئے نہیں دے رہا کہ وہ کسی کا محتاج ہے اور اس کے خزانوں میں کوئی کمی ہے۔ بلکہ اس نے انفاق کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ اپنے بندوں کے مال و دولت میں اضافہ کرے اور ان کیلئے ابدی نفع کمانے کی ایک راہ کھولے۔ وہ اپنی ذات میں ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی حاجت لوگوں کے انفاق و ایثار پر رکی ہوئی نہیں۔ اور وہ حمید ہے یعنی ستودہ صفات ہے۔ اس کے ہاں اچھی صفات رکھنے والے لوگ ہی مقبول ہوسکتے ہیں۔ ان صفات سے محروم لوگ اس کے لازوال خزانوں سے بھی ہمیشہ محروم رہیں گے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾

(ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں، اور لوہا اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کیلئے فوائد ہیں، یہ اس لئے کیا گیا تاکہ وہ ان لوگوں کو ممیز کردے جو اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ ۲۵)

Marfat.com

رسولوں کی بعثت کا مقصد

اللہ تعالیٰ کے رسول انسانوں میں جس سیرت و کردار کی تعمیر کیلئے تشریف لاتے ہیں اس کی بنیادی صفات کو گزشتہ آیات کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول انسانوں میں جن صفات کو ابھار رہے ہیں اور یہ خاص صفات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کیا ان کی طبع زاد ہوتی ہیں۔اور پھر لوگوں میں ایسی صفات کا پیدا کرنا ہی ان کے پیشِ نظر ہوتا ہے یا حقیقت میں کوئی اور مقصد ہے جسے حاصل کرنے کیلئے یہ خاص جماعت تیار کی جاتی ہے۔پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں رسولوں کے اصل مقصد کو بیان فرمایا گیا ہے اور اس کیلئے جن ذرائع سے وہ کام لیتے ہیں ان کی بھی خبر دی گئی ہے۔ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اپنے رسولوں کو بنیادی عقائد کی تعلیم و تفہیم کیلئے واضح دلائل کے ساتھ مسلح کر کے بھیجتے ہیں۔اولاً تو ان کی ذات ہی اپنی دعوت اور اپنے موقف کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے اور پھر وہ آیاتِ آفاق و انفس سے اپنے دعوے کو ثابت کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔اور پھر جو بات بھی کہتے ہیں نہایت واضح انداز میں کہتے ہیں ان میں کوئی پیچ پیچ نہیں ہوتا۔اور یہ باتیں صرف خیالی باتیں نہیں ہوتی اور خطابیات کا ایسا مجموعہ بھی نہیں ہوتا جو ہوا میں تحلیل ہو کے رہ جائے بلکہ انہیں ہدایات کے مجموعے کو ایک کتاب کی شکل میں نازل کیا جاتا ہے جس میں عقائد کی تعلیم بھی ہوتی ہے اور احکام کی تفصیل بھی، آداب کی وضاحت بھی اور انفرادی زندگی کی تطہیر کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تعلیم بھی، اجتماعی زندگی میں معاملات کی اصلاح کیلئے عدالتی قانون بھی اور حکومت اور سیاست کی درستی کیلئے آئینی ہدایات بھی، عائلی زندگی کی تعمیر اور درستی کیلئے شخصی قوانین بھی اور معاشرت اور معیشت کی نہج کو درست رکھنے کیلئے بنیادی تعلیمات بھی۔غرضیکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے آئینی، قانونی، تہذیبی اور تمدنی اصلاحات نہ کی ہوں۔اور پھر مزید طرہ یہ کہ اس پورے نظام میں ایک ایسی حیرت انگیز مناسبت رکھی گئی ہے فرد اور اجتماع میں ایسی پیوستگی پیدا کی گئی ہے، اخلاق اور قانون میں ایسا مضبوط تعلق جوڑا گیا ہے اور تحریک اور تعلیم کو ایسا ہم رنگ کیا گیا ہے اور اس طرح سے انفرادی اور اجتماعی زندگی، شخصی اور قومی زندگی، ملکی اور بین الاقوامی زندگی میں ایسا توازن پیدا کیا گیا ہے۔جس میں ہم قدم قدم پر اپنے پاس ایک ایسی میزان دیکھتے ہیں جس سے ہم پوری طرح اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو ہم وزن، ہم ذوق اور ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔یہ اجمال ہے اس تعلیم کا جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر نازل کی جاتی ہے اور مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں انصاف اور عدل قائم ہو۔افراد آپس میں ہم آہنگی محسوس کریں، گھر حقوق و فرائض کے اعتبار سے توازن کا مجموعہ ہو۔معاشرت مضبوط بندھنوں میں جکڑی ہوئی ہو اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں گہرا ارتباط پایا جاتا ہو۔اور ہماری عدالتی حکمرانی اس کیلئے نگہبانی اور رہنمائی کا فرض انجام دے رہی ہو۔لیکن یہ ایک فطری بات ہے کہ انسانی طبیعیں یکساں نہیں ہوتیں۔بہتر سے بہتر تعلیم ہر طبیعت کیلئے قابل قبول نہیں ہوتی۔اور بہتر سے بہتر علاج ہر شخص کیلئے نسخۂ شفاء نہیں ہوتا۔بہت سے مفسد عناصر اس میں دراڑیں پیدا کرنے بلکہ اس نظام کو ناکام کرنے کی کوششیں جاری رکھتے ہیں اور بسا اوقات بیرونی قوتیں حسد و بغض یا دشمنی کے باعث اس چشمۂ صافی کو گدلا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔اگر یہ نظام صرف کلماتِ نصیحت پر مشتمل ہوتا یا اس کی حیثیت صرف ایک اسکیم کی ہوتی تو پھر ایسے مفسد عناصر اور ان دشمن قوتوں سے نبرد آزما ہونے اور ان کے برے اثرات کو روکنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔اس لئے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے لوہا نازل کیا۔یہ اس کی منفعت، اس کے اہتمام اور اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔مقصود اس سے ایک

Marfat.com

ایسا نظام ہے جس میں دفاعی قوت بھی ہو اور جس میں مفسد عناصر کو دبانے کیلئے طاقت بھی ہو۔ یعنی ایسا ایک مضبوط نظام نافذ کیا جائے کہ جس کی عدالتیں مفسد عناصر کو سزا دینے پر قادر ہوں۔ ایک ایسا سیاسی نظام ہو جو لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا کرنے والوں کیلئے مؤثر رکاوٹ کی حیثیت رکھتا ہو۔ اور ایک ایسی عادلانہ حکومت ہو جو پورے توازن کے ساتھ تمام طبقاتِ زندگی میں نظم و ضبط قائم کرنے پر قادر ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ تعمیراتی اور تمدنی امور بھی سرانجام دیئے جانے میں کوئی تساہل نہ ہو۔

یہ تمام امور سرانجام دینے اور مسلمانوں میں ایک غالب نظام قائم کرنے اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور حفاظت کے وسائل فراہم کرنے میں اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ اگر چاہے تو ان میں سے ہر کام اپنی قدرت سے چشم زدن میں کر سکتا ہے۔ لیکن ان تمام امور کا صاحبِ ایمان لوگوں کو مکلف بنا کر وہ امتحان کرنا چاہتا ہے کہ ان میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ اور اس کو دیکھے بغیر اس کے احکام پر جان دیتا اور اس کی عزت و حرمت کیلئے اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے۔ بنابریں مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان تمام ذمہ داریوں کو نبھانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی میں تمہاری زندگی ہے اور اسی میں تمہاری عزت و حرمت کی پاسداری ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ
ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾
ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ
وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ
اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا
بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ
بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

Marfat.com

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾

رکوع: ۴۔ (ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی، پس ان کی اولاد میں سے کچھ تو ہدایت پانے والے بنے اور بہت سے فاسق ہو گئے۔ ۲۶) پھر ان ہی کے نقشِ قدم پر پے در پے ہم نے اپنے رسول بھیجے اور ان ہی کے نقشِ قدم پر ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا اور اسے انجیل عطا کی، اور ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اس کی پیروی کی رافت ورحمت رکھ دی، اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب، پھر انہوں نے اس کی پابندی نہیں کی جیسا اس کی پابندی کا حق تھا، پس ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے ان کا اجر عطا فرمایا، اور زیادہ ان میں سے نافرمان نکلے۔ ۲۷) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تمہیں وہ نور عطا کرے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے، اور تمہاری مغفرت فرمائے گا، اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ ۲۸) تاکہ اہلِ کتاب کو معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور وہ بڑے فضل والا ہے۔ ۲۹)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾

(ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی، پس ان کی اولاد میں سے کچھ تو ہدایت پانے والے بنے اور بہت سے فاسق ہو گئے۔ ۲۶)

تاریخ انبیاء سے ایک تاثر

انبیائے کرام کی بعثت کا مقصدِ وحید بیان کرنے کے بعد انبیائے کرام کی تاریخ کے حوالے سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ انبیائے کرام کی اولاد نے اس مقصد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حالانکہ تمام انبیائے کرام کا مقصد عدل وقسط قائم کرنا تھا، لیکن ان کی اولاد میں سے تھوڑے لوگ ایسے نکلے جنہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا، ورنہ بیشتر لوگوں نے نافرمانی ہی کو اپنا طریقہ بنایا۔ یا تو ان پیغمبروں کو ماننے سے انکار کر دیا اور یا پھر ایمان لائے تو اپنی بدعت پسندیوں کے باعث اس نصب العین سے منحرف ہو کر نافرمان بن گئے۔

Marfat.com

ان میں نام صرف دو انبیائے کرام کا لیا گیا ہے ایک حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی حیثیت آدمِ ثانی کی ہے۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے جدِ امجد ہیں۔ان دونوں سلسلوں میں جو انبیائے کرام تشریف لائے وہ ان کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔اس لحاظ سے ان دو بزرگوں کے ذکر سے نبوت کے تمام سلسلوں کا ذکر ہو گیا۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

(پھر ان ہی کے نقشِ قدم پر پے در پے ہم نے اپنے رسول بھیجے اور ان ہی کے نقشِ قدم پر ہم نے عیسٰی ابنِ مریم کو بھیجا اور اسے انجیل عطا کی،اور ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اس کی پیروی کی رافت ورحمت رکھ دی، اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی،ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا،مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب،پھر انہوں نے اس کی پابندی نہیں کی جیسا اس کی پابندی کا حق تھا،پس ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے ان کا اجر عطا فرمایا،اور زیادہ ان میں سے نافرمان نکلے۔ ۲۷)

چند حقائق کا بیان اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ

اس آیتِ کریمہ میں چند حقائق ارشاد فرمائے گئے جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔پہلی حقیقت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے جو رسول بھیجے وہ اسی مقصد کو لے کر آئے جس کا ہم نے گزشتہ آیت میں ذکر کیا ہے۔ان ہی کے نقشِ قدم پر حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی تشریف لائے۔وہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔اور ان کے پیشِ نظر وہی ایک مقصد تھا جو اس سے پہلے رسولوں کے پیشِ نظر رہا۔اور اسی کی رہنمائی کیلئے ہم نے ان کو انجیل عطا کی۔البتہ یہ ضرور ہے کہ یہود جس طرح تورات کی تعلیم کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں قساوتِ قلبی کا شکار ہوئے اور انہوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں جابجا اس کا ثبوت بھی فراہم کیا۔اور پھر ان کے رویئے اور ان کی تعلیمات میں بھی اس کا اثر اس حد تک گہرا ہوا کہ وہ دین کی حقیقی روح سے بیگانہ ہو گئے۔ان کے پاس الفاظ کا انبار تو رہا لیکن روحانیت جاتی رہی۔حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان کی قساوتِ قلبی کے پیشِ نظر اپنے ماننے والوں میں رافت ورحمت کی تبلیغ کی۔رافت دل کی اس نرمی کو کہتے ہیں جو کسی کو تکلیف ومصیبت میں دیکھ کر ایک شخص کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔اور رحمت سے مراد وہ جذبہ ہے جو مظلوم مقہور آدمی کی مدد پر اکساتا ہے۔لیکن مقصود اس رافت ورحمت سے دلوں کو نرم کرنا،قساوتِ قلبی کو ختم کرنا اور اس کی جگہ ہمدردی وخیر خواہی کے جذبے کو پیدا کرنا تھا۔اور یہ بات کوئی نئی نہ تھی ہر پیغمبر نے اسی کی تعلیم دی۔اور خود آنحضرت ﷺ اسی کا پیکر تھے۔اور مسلمانوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی تھی کہ اہلِ ایمان باہمی ہمدردی اور دردمندی میں اس طرح ہیں جس طرح ایک جسم کے اعضاء

Marfat.com

باہم دگر ہوتے ہیں۔لیکن بعد کے مبتدعین نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے اسے رہبانیت تک پہنچا دیا۔اور پھر رہبانیت عیسائیت کی پہچان بن گئی۔رہبانیت اصطلاحی طور پر ترکِ دنیا کو کہتے ہیں۔یعنی اگر کوئی شخص کسی خوف میں مبتلا ہو کر چاہے وہ کسی ظلم کا ہو یا اپنے نفس کے فتنوں کا تارک الدنیا بن جاتا ہے۔اور دنیوی زندگی سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لے لیتا ہے تو ایسے شخص کو راہب کہتے ہیں۔اس بات کا حکم پروردگار نے عیسائیوں کو نہیں دیا تھا۔انہوں نے اس رہبانیت کو خود اختیار کیا اور ایک بدعت کے طور پر دین میں اسے داخل کر دیا۔حالانکہ انہیں جس بات کا حکم دیا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہے اور یہ بات بھی تمام انبیائے کرام کے دین کا مقصد رہی ہے۔پھر اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ انہوں نے رہبانیت کیلئے جو حدود وقیود مقرر کیے تھے اس کی پابندی اور پاسداری نہ کر سکے۔بعد میں رہبانیت نے جو شکل اختیار کی جسے ترکِ دنیا کا نام دیا گیا وہ ابتدائی صدیوں میں نہ تھی۔بدعت چونکہ ایک جگہ نہیں رکتی وہ مختلف شکلیں اختیار کرتی چلی جاتی ہے، یہاں بھی یہی حادثہ پیش آیا۔نبی کریم ﷺ نے اس کی مزید توضیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **لارھبانية في الاسلام** ''اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں۔''اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔بلکہ اس رہبانیت سے بچانے کیلئے آنحضرت ﷺ نے تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے،ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے سخت پکڑا، دیکھ لو ان کے بقایا راہب خانوں اور کلیسوں میں موجود ہیں۔'' (ابوداؤد)

یہ دیکھنے کیلئے کہ رہبانیت نے کیا شکل اختیار کی۔اور جس رہبانیت کو ابتدائی طور پر اختیار کیا گیا تھا اس میں کیسے کچھ اضافے ہوئے اور پھر رفتہ رفتہ اس نے کیسی مکروہ شکل اختیار کر لی،اس کیلئے مسیحی رہبانیت کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے انہیں ان کا پورا اجر دیا۔ذکر چونکہ اس آیتِ کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیواؤں کا ہے اس لئے یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ یہاں ایمان لانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور پھر اپنے ایمان پر ہر طرح کے حالات میں ثابت قدم رہے۔یہاں **اٰمَنُوْا** اپنے کامل معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے ایمان میں حالات کے دباؤ کے تحت کوئی کمی بیشی نہیں ہونے دی۔معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے خلیفہ حضرت شمعون اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے نصاریٰ ہیں۔اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جب اسلام کی دعوت بلند ہوئی تو ان ہی کے نام لیواؤں اور ان کے راستے پر چلنے والوں نے نہایت خوشدلی کے ساتھ اسلام کی دعوت کا خیر مقدم کیا۔ان کے علاوہ باقی لوگوں میں سے بیشتر لوگوں نے تثلیث اور رہبانیت کی بدعتیں ایجاد کر کے دینِ مسیح کا حلیہ بگاڑا۔اور یہی وہ لوگ ہیں جو سینٹ پال کے پیروکار بنے۔ان ہی کو اس آیتِ کریمہ میں فاسق بتایا گیا ہے۔کیونکہ یہ لوگ ضال بھی تھے اور مضل بھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸

لِّـئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

Marfat.com

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہوں، اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تمہیں وہ نور عطا کرے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے، اور تمہاری مغفرت فرمائے گا، اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ ۲۸) تا کہ اہلِ کتاب کو معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور وہ بڑے فضل والا ہے۔ ۲۹)

مخلص نصاریٰ کو دعوتِ ایمان

اس آیتِ کریمہ میں خطاب ان ہی نصاریٰ سے ہے جن کا اوپر والی آیت کے آخر میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جب گزشتہ آیت میں ان کے ذکر کی تقریب پیدا ہوئی تو پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں انہیں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دو طرح کے لوگ تھے جن کے اندر کسی نہ کسی حد تک ایمان پایا جاتا تھا۔ ایک وہ لوگ تھے کہ جو حضرت شمعون کے پوری طرح پیروکار تھے اور وہ جانتے تھے کہ تورات وانجیل میں نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ہمیں ان کی پاسداری اور اس پیغمبر پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے سورۃ المائدہ میں نصاریٰ کے جس گروہ کا ذکر ہے وہ یہی گروہ ہے۔ وہاں ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ٥

”تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین قریش کو پاؤ گے اور اہلِ ایمان کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ بات اس وجہ سے ہے کہ ان کے اندر علماء اور راہب موجود ہیں اور یہ لوگ استکبار میں مبتلا نہیں ہیں، یہ لوگ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تو اس حق کو پہچان لینے کے سبب سے جو اس کے اندر موجود ہے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں، وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے رب! ہم ایمان لائے، تو ہمیں آخری رسول کی گواہی دینے والوں میں لکھ۔“ (المائدۃ ۵: ۸۲-۸۳)

اور ان میں دوسرا گروہ وہ تھا جو نبی کریم ﷺ کے بارے میں یقین رکھتا تھا کہ یہ وہی نبی امّی ہیں جن کی پیشگوئی انجیل میں کی گئی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اسلام کے بدترین مخالف تھے یہ ان کی مخالفت سے گھبرا کر کھل کر اپنے یقین کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور اندیشہ رکھتے تھے کہ اگر ہم نے اس صحیح بات کا اظہار شروع کر دیا تو یہ لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے

Marfat.com

ہوئے ایمان سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی بجائے بندوں سے ڈرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف نظر انداز کر دیا تو تمہیں خوب معلوم ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ چنانچہ ان دونوں گروہوں میں ایمان لانے والوں سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر تم نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دہرا اجر عطا فرمائے گا۔ ایک تو اس بات پر کہ تم نے اس حق کی گواہی دی جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان سے پہلے آنے والے انبیاء پر نازل ہوا تھا۔ اور اب تم نے اس حق کی گواہی دی ہے جسے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائے ہیں اور دونوں میں تم نے کسی تفریق و تحزب کا ارتکاب نہیں کیا۔ بنا بریں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دو حصوں کے مستحق ہو گئے ہو۔ لیکن قرآنِ کریم کی سورۃ سبا کی آیت ۳۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین صالحین کیلئے بھی دوگنا اجر ہے۔ تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی امت اس لئے دہرے اجر کی حقدار ہے کہ انہوں نے اس حق کی بھی گواہی دی جو سابق انبیائے کرام پر نازل ہوا اور اس حق پر بھی ایمان لائے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ مزید یہ فرمایا کہ اگر تم نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لاؤ گے اور پھر اپنے اس ایمان پر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسا نور عطا فرمائے گا جو آخرت کے اندھیرے میں تمہارے لئے روشنی کا سامان ہوگا۔ تم بھی اس روشنی میں چلو گے اور اس راستے پر چلنے والے بھی اس سے کسب نور کریں گے۔ یہ وہی بشارت ہے جس کا ذکر اسی سورۃ کی آیت ۱۲ میں گزر چکا ہے۔

دوسری آیتِ کریمہ کے پہلے لفظ میں لاَ زائدہ ہے۔ یہ لِیُعلم کے معنی میں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں جو احکام اور بشارتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس لئے ہیں تا کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اجارہ نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے مستحق تھے جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کا حق ادا کیا۔ اب وہ اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے مستحق ہو سکتے ہیں کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ ہمیشہ کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اور رحمتیں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اس میں کوئی شخص دخل اندازی کی جرأت نہیں کر سکتا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الْمُجَادَلَۃِ

(۵۸)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کے دونام معروف ہیں اَلْمُجَادَلَة اور اَلْمُجَادِلَة۔ یہ دونوں مفاعلۃ کا مصدر ہیں۔ پہلے نام کا معنی ہے بحث وتکرار۔ اور دوسرے کا معنی ہے بحث وتکرار کرنے والی۔ کیونکہ وہ اسمِ فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، ۴۷۳ کلمے اور ۱۷۹۲ احروف ہیں۔

زمانۂ نزول:۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ لیکن کسی روایت سے اس کے ٹھیک زمانۂ نزول کا تعین مشکل ہے۔ البتہ سورۃ الاحزاب سے ایک اشارہ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ سورۃ الاحزاب کے نزول کے بعد نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ سورۃ الاحزاب میں ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سورۃ میں اس کے تفصیلی احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ، سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے۔

شانِ نزول:۔ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ اپنے چچازاد اوس بن صامت کے نکاح میں تھیں۔ حضرت اوس جب بوڑھے ہوگئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا۔ بات بات پر لڑنا جھگڑنا شروع کردیتے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوب الغضب ہوجایا کرتے تھے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ "تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ۔" زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے، بلکہ طلاق سے بھی شدید تر۔ خولہ یہ سن کر ازحد پریشان ہوئیں اور حضرت اوس کا بھی جب غصہ اترا تو وہ بھی ازحد نادم ہوئے۔ بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کی فکر نے انہیں بے چین کردیا۔ بارگاہِ رسالت میں آ کر اپنے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں طلاق ہوگئی ہے اور تم اپنے شوہر کے پاس نہیں رہ سکتیں۔ لیکن حضرت خولہ نہایت پریشانی سے عرض کرتی رہیں کہ میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی، میرے بچوں کا کیا بنے گا، میرا بنابنایا گھر اجڑ جائے گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کوئی واضح حکم نہ آنے کی وجہ سے واضح جواب نہ دے سکے اور انہیں ٹالتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوگئے۔

مضامین:۔ ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو پوری سختی کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ اسلام کے بعد بھی جاہلیت کے طریقوں پر قائم رہنا اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑنا یا ان کی پابندی سے انکار کرنا یا ان کے مقابلہ میں خود اپنی مرضی سے کچھ اور قاعدے اور قوانین بنالینا قطعی طور پر ایمان کے منافی حرکت ہے۔

Marfat.com

آیات ۷ تا ۱۰ میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کیخلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے تھے انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ جہاں بھی تم سرجوڑ کر بیٹھتے اور سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور وہ تمہاری باتوں کو سن رہا ہوتا ہے۔ تمہاری یہ سازشیں اور سرگوشیاں اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ تمہیں جو اخلاقی تعلیم دی گئی ہے تم اس کے مطابق کام کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ سچے اہلِ ایمان کا کام گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول کی نافرمانی کیلئے سرگوشیاں کرنا نہیں۔ اور اگر کہیں سرگوشی کرنا پڑے تو وہ نیکی اور تقویٰ کیلئے ہونی چاہیئے۔

آیت ۱۱ تا ۱۳ میں مسلمانوں کو مجلسی تہذیب کے کچھ آداب سکھائے گئے ہیں۔ اور بعض ایسے معاشرتی عیوب کو دور کرنے کیلئے ہدایات دی گئی ہیں جو پہلے بھی لوگوں میں پائے جاتے تھے اور آج بھی پائے جاتے ہیں کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آجائے تو سکڑ جاؤ اور اسے اپنے پہلو میں جگہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ اسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو، یا وہ محروم واپس چلا جائے اور یا یہ دیکھ کر کہ مجلس میں ابھی کافی گنجائش موجود ہے حاضرین کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے تم آگے پہنچنے کی کوشش مت کرو۔ اسی طرح جس شخص کی ملاقات کیلئے تم آئے ہو اس کی مصروفیتیں اپنی بھی ہیں اس لئے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اسی طرح کی کئی اور رسمیں عہدِ جاہلیت میں مجلسی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں ان کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

ایک عجیب بات لوگوں میں یہ تھی کہ ہر شخص کی خواہش ہوتی کہ خواہ مخواہ آنحضرت ﷺ سے تخلیہ میں بات کرے یا آپ کے قریب جا کر سرگوشی کے انداز میں آپ سے بات کرنے کی کوشش کرے۔ یہ چیز آنحضرت ﷺ کیلئے تکلیف دہ تھی اور مجلس میں موجود دوسرے لوگوں کو ناگوار بھی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی لگا دی کہ جو شخص بھی آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہے وہ پہلے صدقہ دے۔ مقصود صرف یہ تھا کہ لوگوں کو اس بری عادت پر متنبہ کیا جائے تاکہ وہ اسے ترک کر دیں۔ چنانچہ یہ پابندی تھوڑی دیر کیلئے رکھی گئی اور جب لوگوں نے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لی تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔

آخری رکوع میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں، ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے۔ اور پھر دونوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں تاکہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ سے وابستگی اختیار کرنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ۲۲	سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۵۸)	رُكُوْعَاتُهَا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ
اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (۱)
اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ
اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (۲) وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ
مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ (۳) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ
قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ
ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ

Marfat.com

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝5 يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ
اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝6

رکوع: ا۔ (اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے تکرار کر رہی تھی، اور ساتھ ہی اللہ سے فریاد کئے جا رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۱) جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے، بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ، اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ ۲) جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۳) پس جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ تم تابع فرمان ہو جاؤ اللہ اور اس کے رسول کے، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کیلئے دردناک سزا ہے۔ ۴) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کئے گئے، بے شک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں اور کافروں کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔ ۵) یاد کرو جس روز اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور انہیں بتائے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے ہیں، اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔ ۶)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ڰ
وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝1

(اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے تکرار کر رہی تھی، اور ساتھ ہی اللہ سے فریاد کئے جا رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۱)

Marfat.com

شانِ نزول

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا وہ حضرت اوسؓ ابن الصامت اور حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ کے درمیان پیش آیا۔اس آیت کا شانِ نزول وہی واقعہ ہے۔وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت عبادہؓ کے بھائی اوسؓ ابن الصامت اپنی بیوی حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے۔بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا۔غصے میں مغلوب الغضب ہو جایا کرتے تھے۔حالتِ غضب میں اپنی بیوی سے کہا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ ''تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت۔'' زبان سے تو یہ بات کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی،اس نیک بندی نے جواب دیا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرما دیں تم میرے نزدیک نہیں آ سکتے۔حضرت خولہؓ اٹھیں اور حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے پیارے رسول!اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی تو اس وقت میں جوان تھی،صاحبِ مال تھی،میرے گھر والے بھی موجود تھے،اب میرا شباب رخصت ہو چکا،میں بوڑھی ہو گئی،میرے گھر والے بھی نہ رہے،مال بھی خرچ ہو گیا۔اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضورؐ کیا ہمارے لئے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تو اپنے شوہر کیلئے حرام ہو گئی ہے۔تو اس پر حضرت خولہؓ نے عرض کیا،یارسول اللہ!اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔حضرت خولہؓ انتہائی پریشانی کی حالت میں بار بار اپنی بات کو دہراتی رہیں اور آنحضرت ﷺ سے اصرار کرتی رہیں کہ حضورؐ ہمارے لئے کوئی راستہ نکالیں۔اور ساتھ ہی ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے بھی شکایت،شکوہ اور فریاد کرتی رہیں کہ الٰہی!میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ درج ہیں اپنے فاقہ اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ سے کرتی ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں،اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے،اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مریں گے۔بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں۔معلوم ہوتا ہے کہ کبھی وہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوتیں اور آپ سے مدد کی درخواست کرتیں اور کبھی اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگتیں کہ وہ میرے حسبِ حال کوئی حکم نازل فرمائے۔یہ سلسلہ جاری تھا کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔افاقے کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے فرمایا:اے خولہ!مبارک ہو،اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرما دیا۔اس میں نہایت سبق آموز بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نیک بندی اپنا معاملہ لے کر اللہ تعالیٰ کے رسول کے حضور پہنچتی ہے۔تو کس قدر کریم النفس ہے اللہ تعالیٰ کا رسول کہ وہ بار بار ان سے اپنے مسئلے کا حل چاہتی ہیں۔لیکن وہ ناراض ہونے یا تنگ آنے کی بجائے نہایت تحمل سے اس کی ہر بات کو برداشت کرتے ہیں۔اور پھر کتنا رحیم و کریم ہے ہمارا پروردگار کہ وہ اپنی اس بندی کی باتیں سنتا ہے،وہ اس کے رسول سے بحث و تکرار کرتی ہے اور وہ برابر سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے۔وہ بار بار اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نظرانداز کرنے کی بجائے اس کے مسئلے کا حل نازل فرماتا ہے اور اس کی عزت میں ایسے چار چاند لگا دیتا ہے جو قیامت تک کیلئے اسے مخدومہ کا مقام دے دیتے ہیں۔حضرت عائشہؓ ان کی اس عزت افزائی کو دیکھتے ہوئے پکار اٹھتی ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس کا سماع تمام آوازوں کو محیط ہے۔ہر ایک کی آواز سنتا ہے۔میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھی جب خولہ بنتِ ثعلبہ اپنے شوہر کی شکایت بیان کر رہی

Marfat.com

تھیں۔مگر اتنے قریب ہونے کے باوجود ان کی بعض باتیں نہ سن سکی تھی۔مگر حق تعالیٰ نے ان سب کو سنا اور قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل فرمائی۔ان کی بات کو بارگاہِ ایزدی میں مسموع ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام میں وہ عزت ملی کہ انہیں صحابہ کرام میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہوگیا۔بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کچھ صحابہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔راستے میں ایک عورت ملی،اس نے ان کو روکا،آپ فوراً رک گئے۔سر جھکا کر دیر تک اس کی بات سنتے رہے۔اور جب تک اس نے بات ختم نہ کرلی،آپؓ کھڑے رہے۔ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا:امیر المومنین! آپؓ نے قریش کے سرداروں کو اس بڑھیا کیلئے اتنی دیر روکے رکھا؟ فرمایا: جانتے بھی ہو یہ کون ہے۔یہ خولہ بنتِ ثعلبہ ہیں۔یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت سات آسمانوں پر سنی گئی۔خدا کی قسم اگر یہ رات تک مجھے کھڑا رکھتی تو میں کھڑا رہتا۔میں نمازوں کے اوقات پر اس سے معذرت کرلیتا۔استیعاب میں قتادہؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ یہ خاتون راستے میں حضرت عمرؓ کو ملی تو آپ نے ان کو سلام کیا۔یہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہنے لگیں،اوہو،اے عمر! ایک وقت تک جب میں نے تم کو بازارِ عکاظ میں دیکھا تھا اس وقت تم عمیر کہلاتے تھے، لاٹھی ہاتھ میں لئے بکریاں چراتے تھے، پھر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ تم عمر کہلانے لگے، پھر ایک وقت آیا کہ تم امیر المومنین کہے جانے لگے۔ذرا رعیت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو،اور یاد رکھو کہ جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کیلئے دور کا آدمی بھی قریبی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے۔اور جو موت سے ڈرتا ہے اس کے حق میں اندیشہ ہے کہ وہ اس چیز کو کھودے گا جسے بچانا چاہتا ہے۔اس پر جارود عبدی جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے بولے، اے عورت تو نے امیر المومنین کے ساتھ بہت زبان درازی کی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: انہیں کہنے دو۔جانتے بھی ہو یہ کون ہیں،ان کی بات تو سات آسمانوں کے اوپر سنی گئی تھی۔عمرؓ کو تو بدرجہ اولیٰ سنی چاہیے۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲

(جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں،ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے،بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ،اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ ۲)

ظہار کی حقیقت اور اس کا پہلا حکم

اس آیتِ کریمہ میں ظہار کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی حیثیت واضح فرمائی ہے۔اس لئے سب سے پہلے ظہار کی حقیقت جاننی چاہئے۔اس آیت میں يُظٰهِرُوْنَ بکسر ظاء ظہار سے مشتق ہے جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلینے کی ایک خاص صورت کیلئے بولا جاتا ہے۔دورِ جاہلیت میں جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا تھا اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ تو اس کی بیوی اس پر طلاقِ مغلظہ سے بھی بڑھ کر حرام ہوجاتی تھی جس میں دوبارہ میاں بیوی کے یکجا ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔اس جملے میں تو صرف ظہر کا لفظ ہے جو پشت پر بولا جاتا ہے۔لیکن اصطلاحِ شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرماتِ ابدیہ ماں،بہن،بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا

Marfat.com

جس کو دیکھنا اس کیلئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کیلئے بولا جاتا تھا۔ جس میں رجعت یا نکاحِ جدید کا کوئی سوال نہ تھا۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ اور بعد کی آیات میں اس رسمِ بد کی اصلاح فرمائی۔ سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ بیوی سے علیحدگی کا طریقہ طلاق ہے، ظہار نہیں۔ کیونکہ اپنی بیوی کو ماں، بہن یا بیٹی کے کسی عضو سے تشبیہ دینا سراسر ایک لغو اور جھوٹی بات ہے۔ چونکہ ان کا عام معمول بیوی کو ماں کی پشت سے تشبیہ دینے کا تھا اس لئے خاص طور پر اس کے بارے میں فرمایا کہ ماں تو صرف وہ ہے جس نے اسے جنا ہے۔ کوئی دوسری عورت اس کی ماں کیسے ہوسکتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک نہایت بے ہودہ اور لغو بات بھی ہے اور سراسر جھوٹ بھی۔ یعنی اگر وہ شخص یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں کہ میری بیوی آج سے میری ماں ہے۔ اس بنا پر اسے ابدی حرمت حاصل ہے تو یہ اطلاع سراسر جھوٹ پر مبنی ہے، کیونکہ جس نے اسے جنا نہیں وہ محض کہہ دینے یا فرض کر لینے سے تو ماں نہیں بن جاتی۔ اور ویسے بھی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا ایک بے ہودہ حرکت کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی مہذب شخص ایسی بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ایسی بات صرف وہ شخص کہہ سکتا ہے جو اخلاقی لحاظ سے انتہائی پست واقع ہوا ہو۔ چنانچہ یہ پہلا فیصلہ ہے جو پروردگار نے ظہار کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اس میں دورِ جاہلیت کے اس تصور کو رد کردیا گیا کہ ایسا کہنے سے عورت شوہر سے ہمیشہ کیلئے الگ ہوجاتی ہے۔ یوں تو اس بے ہودہ بات پر بہت سخت سزا ملنی چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ بہت درگزر فرمانے والے ہیں اس لئے وہ اس پر سزا نہیں بلکہ عفوودرگزر کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ کس قدر پروردگار کی مہربانی ہے کہ اس نے اول تو ظہار کے معاملہ میں جاہلیت کے قانون کو منسوخ کرکے خانگی زندگی کو تباہی سے بچالیا۔ اور مزید کرم اس کا یہ ہے کہ اس فعل کا ارتکاب کرنے والوں کیلئے نہ صرف ایک ہلکی سی سزا تجویز کی بلکہ اس سزا کو عبادات اور نیکیوں کی شکل دے دی جو نفس کی اصلاح کرنے والی اور معاشرے میں بھلائی پھیلانے والی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٣ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤

(جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۳) پس جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ حکم اس لئے دیا جارہا ہے تاکہ تم تابع فرمان ہوجاؤ اللہ اور اس کے رسول کے، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کیلئے دردناک سزا ہے۔ ۴)

Marfat.com

ظہار کا کفارہ

اس آیتِ کریمہ میں ظہار کے حوالے سے دوسری اصلاح فرمائی گئی ہے کہ ظہار تو بجائے خود ایک لغو اور بے ہودہ بات اور جھوٹ کا شاہکار ہے جس پر سرزنش اور طلبِ مغفرت کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اگر کوئی شخص ایسی حرکت کر ہی ڈالے اور پھر وہ یہ بھی چاہے کہ بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط و انتفاع کرتا رہے اور اس کیلئے کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اسلام نے ایسی کھلی چھٹی بھی نہیں دی، بلکہ اس پر ایک جرمانہ کفارہ کا لگایا گیا ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہئیں یعنی وہ اپنے ظہار سے تائب ہو کر دوبارہ بیوی سے تعلقات پیدا کرنا چاہیں، اور حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت کے مطابق وہ اس پر نادم بھی ہوں تو ان کیلئے بیوی سے اختلاط سے پہلے کفارہ کا ادا کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر بیوی حلال نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار اس کفارہ کی علت نہیں بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے۔ اس لئے بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور پھر بیوی سے اختلاط نہ رکھنا چاہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ البتہ اس میں بیوی کی حق تلفی ہے جو سراسر ناجائز ہے۔ اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے۔ اگر یہ خود نہ کرے تو بیوی حاکمِ اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔

تو ظہار کا وہ کفارہ جو بیوی سے اختلاط کو جائز کرنے کا ذریعہ ہے وہ یہ ہے کہ شوہر ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ اور اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار مسلسل روزے رکھے۔ اور اگر کسی بیماری یا ضعف کے سبب اتنے روزوں پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دے دے۔ فطرہ کی مقدار ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے پونے دو سیر گندم ہے البتہ اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

ان سزاؤں کا حقیقی فائدہ

آخر میں فرمایا کہ تمہیں یہ احکام اس لئے دیئے گئے اور یہ سزائیں اس لئے تجویز کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر تمہارا ایمان مستحکم ہو۔ یہاں لِتُؤْمِنُوْا میں فعل عربیت کے معروف اسلوب کے مطابق اپنے کامل معنی میں ہے کہ ایمان اس آخری درجے کو پہنچ جائے جس میں اشتعال یا شدتِ غضب میں ظہار جیسی حرکتیں ایک مومن سے سرزد نہ ہوں بلکہ جب بھی وہ ایسی لغو بات کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان اسے روک دے۔ اس لئے بعض اہلِ علم نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے ای ذالک لتکونوا مطیعین للہ تعالی واقفین عندحدودہ ولاتتعدوھا ''یعنی تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ، اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو'' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پامال کرتے اور اسے ماننے سے انکار کرتے ہیں، دراصل وہ کافر ہیں۔ یہاں کافر سے مراد منکرِ خدا اور رسالت نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جو خدا اور رسول کو ماننے کا اقرار اور اظہار کرنے کے بعد بھی وہ طرزِ عمل اختیار کرے جو ایک کافر کے کرنے کا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ایسا کرنا کافروں کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم سنیں اور اپنی مرضی کرتے رہیں۔ دنیا میں تو ہم ایسے لوگوں کو کافروں میں شمار نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے لوگوں کا شمار مومنین میں نہیں ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ ⑤

(بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل وخوار کئے گئے، بے شک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں اور کافروں کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔ ۵)

محاداۃ کا مفہوم اور ایسا کرنے والوں کا انجام

يُحَآدُّوْنَ کا مصدر محاداۃ ہے۔ لسان العرب کے مصنف نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ المحادۃ المماداۃ والمخالفة والمنازعة وهو مفاعلة من الحد كان كل واحد منهما يجاوز حداه الى الاخر ''محاداۃ کا معنی عداوت کرنا، مخالفت کرنا اور جھگڑا کرنا ہے۔ اس کا اصل ماخذ حَدٌّ ہے۔ کیونکہ دونوں اپنی اپنی حد سے تجاوز کرکے دوسرے کی حد میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اسے محاداۃ کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بندگی کی حدود کو پھاند کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حدود میں مداخلتِ بے جا کا ارتکاب کرتے ہیں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس رسول کیلئے مخصوص ہے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کیلئے خود قانون وضع کرنا شروع کردیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیتِ طیبہ میں کیا جارہا ہے۔ علامہ آلوسی نے اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ حکومت کو نئی قانون سازی کا کہاں کہاں اختیار ہے اور کہاں اختیار نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

فوجوں کی تربیت، انہیں جنگی مشقیں کرانا، انہیں ہر قسم کا اسلحہ مہیا کرنا جس سے دشمن پر غلبہ پانے کے امکانات روشن ہوں۔ جنگ کیلئے منصوبہ بندی، میدانِ جنگ میں فوجوں کی نقل وحرکت کے ضابطے۔ ان تمام امور میں حکامِ وقت کو کلی اختیارات حاصل ہیں۔ مسلمانوں کیلئے جو بہتر اور مفید ہو اس کیلئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح مناسب مقامات پر قلعوں کو تعمیر کرنا۔ شہروں کی حفاظت کیلئے تجاویز سوچنا بھی حکام کا کام ہے۔ وہ جرائم جن کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ان کیلئے مناسب سزائیں مقرر کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ان جرائم کیلئے ایسی مؤثر سزائیں مقرر کرنی چاہئیں جن سے جرائم کا سدباب ہوسکے، لیکن ان تعزیرات کو اتنا سخت کرنا بھی درست نہیں جو بسا اوقات قتل سے بھی زیادہ دردناک اور اذیت رساں ہوں۔

اسی طرح کاروبار اور لین دین کیلئے ایسے قواعد وضوابط مرتب کرنا جن سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو، درست ہے لیکن کوئی ایسا ضابطہ بنانا جس سے کسی شرعی حکم کی صراحتاً خلاف ورزی لازم آئے ہرگز جائز نہیں جیسے سود کے جواز کا قول کرنا اور اس کے بغیر معاشی اور صنعتی ترقی کو محال سمجھنا یہ سب حرام ہے۔

بیت المال اور اراضی کے بارے میں جو احکام صحیح روایات سے حضور رحمتِ عالم ﷺ سے ثابت ہیں ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں بھی جائز نہیں، لیکن جو احکام خلفاء کرام نے اپنے اجتہاد سے وضع کئے اگر زمانہ کے حالات کے

Marfat.com

پیش نظر ان کے بارے میں ایسے احکام وضع کئے جائیں جن میں لوگوں کیلئے آسانی اور سہولت ہو اور ان میں عوام کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن خلفاء کے اجتہادی احکام کے بجائے ایسے جدید قوانین مرتب کرنا جن میں لوگوں کی مشقتوں میں اضافہ ہو جائے یہ کسی طرح جائز نہیں۔

وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے چوروں، بدکاروں اور راہزنوں کے بارے میں مقرر کی ہیں ان میں کسی قسم کا ردو بدل روا نہیں ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلامی قوانین کو ناقص سمجھتا ہے اور ان کی تحقیر کرتا ہے اور جدید وضع کردہ قوانین کو ان سے بہتر اور زیادہ مفید کہتا ہے اس کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت اور اس کے احکام سے بغاوت کرنے والے اسی طرح رسوا کئے جائیں گے۔ دنیا میں ہر عزت کے مقام سے دھکے دے کر نکال دیئے جائیں گے اور ان کی ہر جگہ تذلیل ہوگی جس طرح ان سے پہلے ذلیل کئے گئے اور رسوا کئے گئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کیخلاف خود قوانین بنائے یا دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کیا۔ یہ رسوائی تو صرف دنیا میں ہوگی اور آخرت میں رسوا کن عذاب ہوگا۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ۧ

(یاد کرو جس روز اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور انہیں بتائے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے ہیں، اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔ ۶)

آخرت میں مخالفین کا انجام

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس کے قانون کی توہین کرتے ہیں اور ان کی نگاہوں میں وضعی قوانین کی تو عزت ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون کو از کار رفتہ سمجھتے ہیں اور انہیں اپنی یہ نافرمانیاں کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آتیں کیونکہ وہ ان باتوں کو یاد رکھنے کے قابل نہیں سمجھتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب آخرت میں ان کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور یہ لوگ میدانِ حشر میں جمع کئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ایک ایک نافرمانی کو شمار کر کے ان کے سامنے رکھ دے گا۔ اور انہیں بتائے گا کہ یہ تمہاری زیادتیاں اور نافرمانیاں ہیں اور حدود سے تجاوز ہے جنہیں تم نے بیکار سمجھ کے بھلا دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اور اس کے رسول کی کوئی بھی نافرمانی ایسی نہیں جس کو بھلایا جاسکے۔ آج تمہیں اپنی ان جسارتوں اور تجاوزات کا جواب دینا ہوگا۔ تمہارے ان باتوں کو بھول جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس پروردگار سے تمہیں واسطہ ہے وہ تو ہر چیز کا شاہد ہے۔

دو آیتیں پہلے ظہار کا قانون بیان ہو چکا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کے بارے میں احکام دیئے تھے فی الجملہ ان کا ذکر کر دیا گیا۔ لیکن فقہاءِ اسلام نے اس آیت کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور اسلام کے اصولِ عامہ سے جو قانون اخذ کیا ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں جیسے ہم تفہیم القرآن سے نقل کر رہے ہیں۔

Marfat.com

قانونِ ظہار کی فقہی تفصیلات

ا۔ ظہار کا یہ قانون عرب جاہلیت کے اس رواج کو منسوخ کرتا ہے جس کی رو سے یہ فعل نکاح کے رشتے کو توڑ دیتا تھا اور عورت شوہر کیلئے ابداً حرام ہو جاتی تھی۔ اسی طرح یہ قانون ان تمام قوانین اور رواجوں کو بھی منسوخ کرتا ہے جو ظہار کو بے معنی اور بے اثر سمجھتے ہوں اور آدمی کیلئے اس بات کو جائز رکھتے ہوں کہ وہ اپنی بیوی کو ماں یا محرمات سے تشبیہ دے کر بھی اس کے ساتھ حسب سابق زن وشو کا تعلق جاری رکھے، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں ماں اور دوسری محرمات کی حرمت ایسی معمولی چیز نہیں ہے کہ انسان ان کے اور بیوی کے درمیان مشابہت کا خیال بھی کرے، کجا کہ اس کو زبان پر لائے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اسلامی قانون نے اس معاملہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ تین بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ عورت بدستور شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ظہار سے عورت وقتی طور پر شوہر کیلئے حرام ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حرمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک شوہر کفارہ ادا نہ کر دے اور یہ کہ صرف کفارہ ہی اس حرمت کو رفع کر سکتا ہے۔

۲۔ ظہار کرنے والے شخص کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ اس شوہر کا ظہار معتبر ہے جو عاقل و بالغ ہو اور بحالتِ ہوش وحواس ظہار کے الفاظ زبان سے ادا کرے۔ بچے اور مجنون کا ظہار معتبر نہیں ہے۔ نیز ایسے شخص کا ظہار بھی معتبر نہیں جو ان الفاظ کو ادا کرتے وقت اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو، مثلاً سوتے میں بڑبڑائے، یا کسی نوعیت کی بے ہوشی میں مبتلا ہو گیا ہو۔ اس کے بعد حسب ذیل امور میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

الف۔ نشے کی حالت میں ظہار کرنے والے کے متعلق آئمہ اربعہ سمیت فقہاء کی عظیم اکثریت یہ کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے۔ البتہ اگر مرض کی وجہ سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو، یا پیاس کی شدت میں وہ جان بچانے کیلئے شراب پینے پر مجبور ہوا ہو تو اس طرح کے نشے کی حالت میں اس کے ظہار وطلاق کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔ احناف اور شوافع اور حنابلہ کی رائے یہی ہے اور صحابہ کا عام مسلک بھی یہی تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عثمانؓ کا قول یہ ہے کہ نشے کی حالت میں طلاق وظہار معتبر نہیں ہے۔ احناف میں سے امام طحاویؒ اور کرخیؒ اس قول کو ترجیح دیتے ہیں اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ایسے نشے کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کر رہا ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

ب۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ظہار صرف اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو۔ ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ قرآن مجید میں اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں جن کا خطاب مسلمانوں سے ہے اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ ذمیوں کیلئے نہیں

Marfat.com

ہوسکتا۔امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ احکام ذمی اور مسلمان، دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے، البتہ ذمی کیلئے روزہ نہیں ہے۔وہ یا غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

ج۔ کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کرسکتی ہے؟ مثلاً اگر وہ شوہر سے کہے کہ تو میرے لئے میرے باپ کی طرح ہے، یا میں تیرے لئے تیری ماں کی طرح ہوں، تو کیا یہ بھی ظہار ہوگا؟ آئمہ اربعہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے اور اس پر ظہار کے قانونی احکام کا سرے سے اطلاق نہیں ہوتا۔کیونکہ قرآنِ مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کیلئے بیان کئے ہیں جبکہ شوہر بیویوں سے ظہار کریں اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہوسکتے ہیں جسے طلاق دینے کا اختیار ہے۔عورت کو شریعت نے جس طرح یہ اختیار نہیں دیا کہ شوہر کو طلاق دے دے اسی طرح اسے یہ اختیار بھی نہیں دیا کہ اپنے آپ کو شوہر کیلئے حرام کرلے۔یہ رائے سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور لیث بن سعد کی ہے کہ عورت کا ایسا قول بالکل بے معنی اور بے اثر ہے۔امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ ظہار تو نہیں ہے، مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا کیونکہ عورت کا ایسے الفاظ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے۔امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی ابن قدامہ نے یہی نقل کیا ہے۔امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ میں اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لئے ایسا ہے جیسے میرا باپ، تو یہ ظہار ہوگا اور اگر شادی کے بعد کہے تو یہ قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارۂ یمین لازم آئے گا۔بخلاف اس کے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور حسن بن زیاد لولوئی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارۂ ظہار لازم آئے گا، البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے۔ابراہیم نخعی اس کی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کی صاحبزادی عائشہ سے حضرت زبیر کے صاحبزادے مصعب نے نکاح کا پیغام دیا۔انہوں نے اسے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو هُوَ عَلَیَّ کَظَهْرِ اَبِیْ۔ (وہ میرے اوپر ایسے ہوں جیسے میرے باپ کی پیٹھ)۔کچھ مدت بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں۔مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فقہاء نے جن میں متعدد صحابہ بھی شامل تھے، یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم ہے۔اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا، مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لئے کفارہ ان پر واجب ہوگیا۔

۳۔ جو عاقل و بالغ آدمی ظہار کے صریح الفاظ بحالتِ ہوش و حواس زبان سے ادا کرے اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کہ اس نے غصے میں، یا مذاق مذاق میں، یا پیار سے ایسا کہا، یا یہ کہ اس کی نیت ظہار کی نہ تھی۔البتہ جو الفاظ اس معاملہ میں صریح نہیں ہیں، اور جن میں مختلف معنوں کا احتمال ہے، ان کا حکم الفاظ کی نوعیت پر منحصر ہے۔آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ ظہار کے صریح الفاظ کون سے ہیں اور غیر صریح کون سے۔

Marfat.com

۴۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اس عورت سے کیا جا سکتا ہے جو آدمی کے نکاح میں ہو۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا غیر عورت سے بھی ظہار ہو سکتا ہے، اس معاملہ میں مختلف مسالک یہ ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں کہ غیر عورت سے اگر آدمی یہ کہے کہ "میں تجھ سے نکاح کروں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔" تو جب بھی وہ اس سے نکاح کرے گا کفارہ ادا کئے بغیر اسے ہاتھ نہ لگا سکے گا۔ یہی حضرت عمرؓ کا فتویٰ ہے۔ ان کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے یہ بات کہی اور بعد میں اس سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے کفارۂ ظہار دینا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ بھی یہی بات کہتے ہیں، اور وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اگر عورت کی تخصیص نہ کی گئی ہو بلکہ کہنے والے نے یوں کہا ہو کہ تمام عورتیں میرے اوپر ایسی ہیں، تو جس سے بھی وہ نکاح کرے گا اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ یہی رائے سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ کی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے ظہار بالکل بے معنی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ کی بھی یہی رائے ہے۔

۵۔ کیا ظہار ایک خاص وقت تک کیلئے ہو سکتا ہے؟ حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ اگر آدمی نے کسی خاص وقت کی تعیین کر کے ظہار کیا ہو تو جب تک وہ وقت باقی ہے، بیوی کو ہاتھ لگانے سے کفارہ لازم آئے گا اور اس وقت کے گزر جانے پر ظہار غیر مؤثر ہو جائے گا۔ اس کی دلیل سلمہ بن صخر بیاضی کا واقعہ ہے جس میں انہوں نے اپنی بیوی سے رمضان کیلئے ظہار کیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وقت کی تعیین بے معنی ہے۔ بخلاف اس کے امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ظہار جب بھی کیا جائے گا، ہمیشہ کیلئے ہوگا اور وقت کی تخصیص غیر مؤثر ہوگی کیونکہ جو حرمت واقع ہو چکی ہے وہ وقت گزر جانے پر آپ سے آپ ختم نہیں ہو سکتی۔

۶۔ مشروط ظہار کیا گیا ہو تو جس وقت بھی شرط کی خلاف ورزی ہوگی، کفارہ لازم آ جائے گا۔ مثلاً آدمی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ "اگر میں گھر میں آؤں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔" اس صورت میں وہ جب بھی گھر میں داخل ہوگا، کفارہ ادا کئے بغیر بیوی کو ہاتھ نہ لگا سکے گا۔

۷۔ ایک بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کے الفاظ کہے گئے ہوں تو حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ خواہ ایک ہی نشست میں ایسا کیا گیا ہو یا متعدد نشستوں میں، بہر حال جتنی مرتبہ یہ الفاظ کہے گئے ہوں اتنے ہی کفارے لازم آئیں گے۔ اِلّا یہ کہ کہنے والے نے ایک دفعہ کہنے کے بعد اس قول کی تکرار محض اپنے پہلے قول کی تاکید کیلئے کی ہو۔ بخلاف اس کے امام مالک اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی مرتبہ اس قول کی تکرار کی گئی ہو، قطع نظر اس سے کہ اعادہ کی نیت ہو یا تاکید کی، کفارہ ایک ہی لازم ہوگا۔ یہی قول شعبی، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، اور اوزاعی رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر تکرار ایک نشست میں کی گئی ہو تو ایک یہ کفارہ ہوگا، اور مختلف نشستوں میں ہو تو جتنی نشستوں میں کی گئی ہو اتنے ہی کفارے دینے ہوں گے۔ قتادہ اور عمرو بن دینار کی رائے بھی یہی ہے۔

Marfat.com

۸۔ دو یا زائد بیویوں سے بیک وقت اور بیک لفظ ظہار کیا جائے، مثلاً ان کو مخاطب کر کے شوہر کہے کہ تم میرے اوپر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ تو حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو حلال کرنے کیلئے الگ الگ کفارے دینے ہوں گے۔ یہی رائے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عروہ بن زبیر، طاؤس، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور ابن شہاب زہری کی ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں سب کیلئے ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ ربیعہ، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کی بھی یہی رائے ہے۔

۹۔ ایک ظہار کا کفارہ دینے کے بعد اگر آدمی پھر ظہار کر بیٹھے تو یہ امر متفق علیہ ہے کہ پھر کفارہ دیئے بغیر بیوی اس کیلئے حلال نہ ہوگی۔

۱۰۔ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر بیوی سے تعلقِ زن وشو قائم کر بیٹھا ہو تو آئمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ گناہ ہے اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہئے، اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہئے، مگر کفارہ اسے ایک ہی دینا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ نے یہ تو فرمایا تھا کہ استغفار کرو اور اس وقت تک بیوی سے الگ رہو جب تک کفارہ ادا نہ کردو، مگر یہ حکم آپ نے نہیں دیا تھا کہ کفارۂ ظہار کے علاوہ انہیں کوئی اور کفارہ بھی دینا ہوگا۔ حضرت عمرو بن عاص، قبیصہ بن ذؤیب، سعید بن جبیر، زہری اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی کی رائے یہ ہے کہ تین کفارے دینے ہوں گے۔ غالباً ان حضرات کو وہ احادیث نہ پہنچی ہوں گی جن میں اس مسئلہ پر حضورؐ کا فیصلہ بیان ہوا ہے۔

۱۱۔ بیوی کو کس سے تشبیہ دینا ظہار ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

عامر شعبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ ظہار ہے، اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ ماں کی بھی صرف پیٹھ سے تشبیہ ظہار ہے، باقی اور کسی بات پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مگر فقہاءِ امت میں سے کسی گروہ نے بھی اس سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا ہے، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ نہایت بے ہودہ اور جھوٹی بات ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا بے ہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ کا حکم ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں اس حکم میں تمام وہ عورتیں داخل ہیں جو نسب یا رضاعت، یا ازدواجی رشتہ کی بنا پر آدمی کیلئے ابداً حرام ہیں۔ مگر وقتی طور پر جو عورتیں حرام ہوں اور کسی وقت حلال ہوسکتی ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، جیسے بیوی کی بہن، اس کی خالہ، اس کی پھوپھی، یا غیر عورت جو آدمی کے نکاح میں نہ ہو۔ ابدی محرمات میں سے کسی عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس پر نظر ڈالنا آدمی کیلئے حلال نہ ہو، ظہار ہوگا۔ البتہ بیوی کے ہاتھ، پاؤں، سر، بال، دانت وغیرہ کو ابداً حرام عورت کی پیٹھ سے، یا بیوی کو اس کے سر، ہاتھ، پاؤں جیسے اجزائے جسم سے تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا کیونکہ ماں، بہن کے ان اعضاء پر نگاہ ڈالنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تیرا ہاتھ میری ماں کے ہاتھ جیسا ہے، یا تیرا پاؤں میری ماں کے پاؤں جیسا ہے، ظہار نہیں ہے۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں صرف وہی عورتیں داخل ہیں جو ہمیشہ حرام تھیں اور ہمیشہ حرام رہیں، یعنی ماں، بہن، بیٹی وغیرہ۔ مگر وہ عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں جو کبھی حلال رہ چکی ہوں، جیسے رضاعی ماں، بہن، ساس اور بہو، یا کسی وقت حلال ہوسکتی ہوں، جیسے سالی۔ ان عارضی یا وقتی حرام عورتوں کے ماسوا ابدی حرمت رکھنے والی عورتوں میں سے کسی کے ان اعضا کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہوگا جن کا ذکر بغرضِ اظہارِ اکرام و توقیر عادۃً نہیں کیا جاتا۔ رہے وہ اعضاء جن کا اظہارِ اکرام و توقیر کیلئے کیا جاتا ہے تو ان سے تشبیہ صرف اس صورت میں ظہار ہوگی جبکہ یہ بات ظہار کی نیت سے کہی جائے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لئے میری ماں کی آنکھ یا جان کی طرح ہے، یا ماں کے ہاتھ، پاؤں یا پیٹ کی طرح ہے، یا ماں کے پیٹ یا سینے سے بیوی کے پیٹ یا سینے کو تشبیہ دینا، یا بیوی کے سر، پیٹھ یا ہاتھ کو اپنے لئے ماں کی پیٹھ جیسا قرار دینا، یا بیوی کو یہ کہنا کہ تو میرے لئے میری ماں جیسی ہے، ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے اور عزت کی نیت سے ہو تو عزت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر عورت جو آدمی کیلئے حرام ہو، اس سے بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے، حتیٰ کہ بیوی سے یہ کہنا بھی ظہار کی تعریف میں آتا ہے کہ تو میرے اوپر فلاں غیر عورت کی پیٹھ جیسی ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ماں اور ابدی محرمات کے کسی عضو سے بیوی کو یا بیوی کے کسی عضو کو تشبیہ دینا ظہار ہے، اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اعضاء ایسے ہوں جن پر نظر ڈالنا حلال نہ ہو، کیونکہ ماں کے کسی عضو پر بھی اس طرح کی نظر ڈالنا جیسی بیوی پر ڈالی جاتی ہے، حلال نہیں ہے۔

حنابلہ اس حکم میں تمام ان عورتوں کو داخل سمجھتے ہیں جو ابداً حرام ہوں، خواہ وہ پہلے کبھی حلال رہ چکی ہوں، مثلاً ساس، یا دودھ پلانے والی ماں۔ رہیں وہ عورتیں جو بعد میں کسی وقت حلال ہوسکتی ہوں (مثلاً سالی)، تو ان کے معاملہ میں امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ بھی ظہار ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ ظہار نہیں ہے۔ نیز حنابلہ کے نزدیک بیوی کے کسی عضو کو محرمات کے کسی عضو سے تشبیہ دینا ظہار کی تعریف میں آجاتا ہے۔ البتہ بال، ناخن، دانت جیسے غیر مستقل اجزاء جسم اس حکم سے خارج ہیں۔

۱۲۔ اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ ''تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے'' صریح ظہار ہے کیونکہ اہلِ عرب میں یہ ظہار کا طریقہ تھا اور قرآن مجید کا حکم اس کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ البتہ اس امر میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ دوسرے الفاظ میں سے کون سے ایسے ہیں جو صریح ظہار کے حکم میں ہیں، اور کون سے ایسے ہیں جن کے ظہار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قائل کی نیت پر کیا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر حلال عورت (بیوی) کو حرام عورت (یعنی محرماتِ ابدیہ میں سے کسی عورت) سے تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو سے دی گئی ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، جیسے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ماں یا فلاں حرام عورت کے پیٹ یا ران جیسی ہے۔ ان کے سوا دوسرے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اگر کہے کہ ''تو میرے اوپر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ'' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صریح ظہار ہے، لیکن امام

Marfat.com

ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہے اور طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہے۔ اگر کہے کہ ''تو میری ماں جیسی ہے یا میری ماں کی طرح ہے'' تو حنفیہ کا عام فتویٰ یہ ہے کہ یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق بائن، اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو بے معنی ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک یہ قطعی ظہار ہے۔ اگر بیوی کو ماں یا بہن یا بیٹی کہہ کر پکارے تو یہ سخت بے ہودہ بات ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا تھا، مگر اسے ظہار نہیں قرار دیا۔ اگر کہے کہ ''تو میرے اوپر ماں کی طرح حرام ہے'' تو یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق ہے، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ اگر کہے کہ ''تو میرے لئے ماں کی طرح یا ماں جیسی ہے'' تو نیت پوچھی جائے گی۔ عزت اور توقیر کی نیت سے کہا ہو تو عزت اور توقیر ہے۔ ظہار کی نیت سے کہا ہو تو ظہار ہے۔ طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہے۔ کوئی نیت نہ ہو اور یونہی یہ بات کہہ دی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بے معنی ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر ظہار کا تو نہیں مگر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، اور امام محمد کے نزدیک یہ ظہار ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے تو میرے نزدیک، یا میرے ساتھ، یا میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یا تیرا جسم، یا تیرا بدن، یا تیرا نفس میرے لئے میری ماں کے جسم یا بدن یا نفس کی طرح ہے۔ ان کے سوا باقی تمام الفاظ میں قائل کی نیت پر فیصلہ ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک ہر وہ لفظ جس سے کسی شخص نے بیوی کو یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو کو کسی ایسی عورت سے جو اس کیلئے حرام ہے، یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو سے صاف صاف تشبیہ دی ہو، ظہار کے معاملہ میں صریح مانا جائے گا۔

مالکیہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے، البتہ تفصیلات میں ان کے فتوے الگ الگ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا بیوی سے کہنا کہ ''تو میرے لئے میری ماں جیسی ہے یا میری ماں کی طرح ہے'' مالکیوں کے نزدیک ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے، طلاق کی نیت سے ہو تو طلاق ہے، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ حنبلیوں کے نزدیک یہ بشرطِ نیت صرف ظہار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ ''تو میری ماں ہے'' تو مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ بات اگر جھگڑے اور غصے کی حالت میں ہی گئی ہو تو ظہار ہے، اور پیار محبت کی بات چیت میں کہی گئی ہو تو گو یہ بہت ہی بری بات ہے لیکن ظہار نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے ''تجھے طلاق ہے تو میری ماں کی طرح ہے'' تو حنابلہ کے نزدیک یہ طلاق ہے نہ کہ ظہار، اور اگر کہے ''تو میری ماں کی طرح ہے تجھے طلاق ہے'' تو ظہار اور طلاق دونوں واقع ہو جائیں گے۔ یہ کہنا کہ ''تو میرے اوپر ایسی حرام ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ'' مالکیہ اور حنابلہ دونوں کے نزدیک ظہار ہے خواہ طلاق ہی کی نیت سے یہ الفاظ کہے گئے ہوں، یا نیت کچھ بھی ہو۔

الفاظِ ظہار کی اس بحث میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فقہاء نے اس بات میں جتنی بحثیں کی ہیں وہ سب عربی زبان کے الفاظ اور محاورات سے تعلق رکھتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والے نہ عربی زبان میں

Marfat.com

ظہار کریں گے، نہ ظہار کرتے وقت عربی الفاظ اور فقروں کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ زبان سے ادا کریں گے۔ اس لئے کسی لفظ یا فقرے کے متعلق اگر یہ فیصلہ کرنا ہو کہ وہ ظہار کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں، تو اسے اس لحاظ سے نہیں جانچنا چاہئے کہ وہ فقہاء کے بیان کردہ الفاظ میں سے کس کا صحیح ترجمہ ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا قائل نے بیوی کو جنسی (Sexual) تعلق کے لحاظ سے محرمات میں سے کسی کے ساتھ صاف صاف تشبیہ دی ہے یا اس کے الفاظ میں دوسرے مفہومات کا بھی احتمال ہے؟ اس کی نمایاں ترین مثال خود وہ فقرہ ہے جس کے متعلق تمام فقہاء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ عرب میں ظہار کیلئے وہی بولا جاتا تھا اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے، یعنی اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں، اور کم از کم اردو کی حد تک تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس زبان میں کوئی ظہار کرنے والا ایسے الفاظ استعمال نہیں کرسکتا جو اس عربی فقرے کا لفظی ترجمہ ہوں۔ البتہ وہ اپنی زبان کے ایسے الفاظ ضرور استعمال کرسکتا ہے جن کا مفہوم ٹھیک وہی ہو جسے ادا کرنے کیلئے ایک عرب یہ فقرہ بولا کرتا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ "تجھ سے مباشرت میرے لئے ایسی ہے جیسے اپنی ماں سے مباشرت" یا جیسے بعض جہلا بیوی سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ "تیرے پاس آؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں۔"

۱۳۔ قرآن مجید میں جس چیز کو کفارہ لازم آنے کا سبب قرار دیا گیا ہے وہ محض ظہار نہیں ہے بلکہ ظہار کے بعد "عود" ہے۔ یعنی اگر آدمی صرف ظہار کر کے رہ جائے اور عود نہ کرے تو اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ عود کیا ہے جو کفارہ کا موجب ہے؟ اس بارے میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں کہ عود سے مراد مباشرت کا ارادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض ارادے اور خواہش پر کفارہ لازم آجائے، حتیٰ کہ اگر آدمی ارادہ کر کے رہ جائے اور عملی اقدام نہ کرے تب بھی اسے کفارہ دینا پڑے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حرمت کو رفع کرنا چاہے جو اس نے ظہار کر کے بیوی کے ساتھ تعلقِ زن وشو کے معاملہ میں اپنے اوپر عائد کرلی تھی وہ پہلے کفارہ دے، کیونکہ یہ حرمت کفارہ کے بغیر رفع نہیں ہوسکتی۔

امام مالکؒ کے اس معاملہ میں تین قول ہیں، مگر مالکیہ کے ہاں ان کا مشہورترین اور صحیح ترین قول اس مسلک کے مطابق ہے جو اوپر حنفیہ کا بیان ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار سے جس چیز کو اس نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کا تعلق تھا۔ اس کے بعد عود یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ یہی تعلق رکھنے کیلئے پلٹے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی ابن قدامہ نے قریب قریب وہی نقل کیا ہے جو اوپر دونوں اماموں کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار کے بعد مباشرت کے حلال ہونے کیلئے کفارہ شرط ہے۔ ظہار کرنے والا جو شخص اسے حلال کرنا چاہے وہ گویا تحریم سے پلٹنا چاہتا ہے۔ اس لئے اسے حکم دیا گیا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے کفارہ دے، ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی شخص ایک غیر عورت کو اپنے لئے حلال کرنا چاہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے نکاح کرے۔

امام شافعیؒ کا مسلک ان تینوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اسے حسب

Marfat.com

سابق بیوی بنائے رکھنا یا بالفاظِ دیگر اسے بیوی کی حیثیت سے روکے رکھنا عود ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا اسی وقت گویا اس نے اپنے لئے یہ بات حرام کرلی کہ اسے بیوی بنا کر رکھے۔ لہٰذا اگر اس نے ظہار کرتے ہی فوراً اسے طلاق نہ دی اور اتنی دیر تک اسے روکے رکھا جس میں وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال سکتا تھا، تو اس نے عود کرلیا اور اس پر کفارہ واجب ہوگیا۔ اس کے معنی یہ ہے کہ ایک سانس میں ظہار کرنے کے بعد اگر آدمی دوسرے ہی سانس میں طلاق نہ دے دے تو کفارہ لازم آجائے گا، خواجہ بعد میں اس کا فیصلہ یہی ہو کہ اس عورت کو بیوی بنا کر نہیں رکھنا ہے، اور اس کا کوئی ارادہ اس کے ساتھ تعلق زن وشور رکھنے کا نہ ہو۔ حتیٰ کہ چند منٹ غور کرکے وہ بیوی کو طلاق بھی دے ڈالے تو امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے کفارہ اس کے ذمہ لازم رہے گا۔

۱۴۔ قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا کفارہ دے قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو "مس" کریں۔ آئمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں مس سے مراد چھونا ہے، اس لئے کفارہ سے پہلے صرف مباشرت ہی حرام نہیں ہے بلکہ شوہر کسی طرح بھی بیوی کو چھو نہیں سکتا۔ شافعیہ شہوت کے ساتھ چھونے کو حرام کہتے ہیں، حنابلہ ہر طرح کے تلذّذ کو حرام قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ لذت کیلئے بیوی کے جسم پر بھی نظر ڈالنے کو ناجائز ٹھہراتے ہیں اور ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں پر نظر ڈالنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۵۔ ظہار کے بعد اگر آدمی بیوی کو طلاق دے دے تو رجعی طلاق ہونے کی صورت میں رجوع کرکے بھی وہ کفارہ دیئے بغیر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ بائن ہونے کی صورت میں اگر اس سے دوبارہ نکاح کرے تب بھی اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر تین طلاق دے چکا ہو، اور عورت دوسرے آدمی سے نکاح کرنے کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو چکی ہو، اور اس کے بعد ظہار کرنے والا شوہر اس سے ازسرِنو نکاح کرلے، پھر بھی کفارے کے بغیر وہ اس کیلئے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اسے ماں یا محرمات سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر ایک دفعہ حرام کرچکا ہے اور یہ حرمت کفارے کے بغیر رفع نہیں ہوسکتی۔ اس پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

۱۶۔ عورت کیلئے لازم ہے کہ جس شوہر نے اس کے ساتھ ظہار کیا ہے اسے ہاتھ نہ لگانے دے جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ اور چونکہ تعلقِ زن وشو عورت کا حق ہے، جس سے ظہار کرکے شوہر نے اسے محروم کیا ہے، اس لئے اگر وہ کفارہ نہ دے تو بیوی عدالت سے رجوع کرسکتی ہے۔ عدالت اس کے شوہر کو مجبور کرے گی کہ وہ کفارہ دے کر حرمت کی وہ دیوار ہٹائے جو اس نے اپنے اور اس کے درمیان حائل کرلی ہے۔ اور اگر وہ نہ مانے تو عدالت اسے ضرب یا قید یا دونوں طرح کی سزائیں دے سکتی ہے۔ یہ بات بھی چاروں مذاہب فقہ میں متفق علیہ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مذہب حنفی میں عورت کیلئے صرف یہی ایک چارۂ کار ہے، ورنہ ظہار پر خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے عورت کو اگر عدالت اس مشکل سے نہ نکالے تو وہ تمام عمر معلق رہے گی، کیونکہ ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا، صرف شوہر کا حقِ تمتع سلب ہوتا ہے۔ مالکی مذہب میں اگر شوہر عورت کو ستانے کیلئے ظہار کرکے معلق چھوڑ دے تو اس پر ایلاء کے احکام جاری ہوں گے یعنی وہ چار مہینے سے زیادہ

Marfat.com

عورت کوروک کر نہیں رکھ سکتا۔(احکام ایلاء کیلئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، البقرۃ، حواشی ۲۴۵ تا ۲۴۷)۔شافعیہ کے نزدیک اگر چہ ظہار میں احکام ایلاء تو صرف اس وقت جاری ہو سکتے ہیں جبکہ شوہر نے ایک مدتِ خاص کیلئے ظہار کیا ہو اور وہ مدت چار مہینے سے زیادہ ہو، لیکن چونکہ مذہب شافعی کی رو سے شوہر پر اسی وقت کفارہ واجب ہو جاتا ہے جب وہ عورت کو بیوی بنا کر رکھے رہے، اس لئے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ کسی طویل مدت تک اس کو معلق رکھے۔

۱۷۔ قرآن اور سنت میں تصریح ہے کہ ظہار کا پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔اس سے آدمی عاجز ہو تب دو مہینے کے روزوں کی شکل میں کفارہ دے سکتا ہے۔اور اس سے بھی عاجز ہو تب 60 مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔لیکن اگر تینوں کفاروں سے کوئی شخص عاجز ہو تو چونکہ شریعت میں کفارے کی کوئی اور شکل نہیں رکھی گئی ہے اس لئے اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک وہ ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے۔البتہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ ایسے شخص کی مدد کی جانی چاہئے تا کہ وہ تیسرا کفارہ ادا کر سکے۔نبی کریم ﷺ نے بیت المال سے ایسے لوگوں کی مدد فرمائی ہے جو اپنی غلطی سے اس مشکل میں پھنس گئے تھے اور تینوں کفاروں سے عاجز تھے۔

۱۸۔ قرآن مجید کفارہ میں رقبہ آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے جس کا اطلاق لونڈی اور غلام دونوں پر ہوتا ہے اور اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔شیر خوار بچہ بھی اگر غلامی کی حالت میں ہو تو اسے آزاد کر دینا کفارہ کیلئے کافی ہے۔البتہ فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا مومن اور کافر، دونوں قسم کے غلام آزاد کئے جاسکتے ہیں یا صرف مومن غلام ہی آزاد کرنا ہوگا۔حنفیہ اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ غلام خواہ مومن ہو یا کافر، اس کا آزاد کر دینا کفارۂ ظہار کیلئے کافی ہے، کیونکہ قرآن میں مطلق رقبہ کا ذکر ہے، یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ مومن ہی ہونا چاہئے۔بخلاف اس کے شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ اس کیلئے مومن کی شرط لگاتے ہیں، اور انہوں نے اس حکم کو ان دوسرے کفاروں پر قیاس کیا ہے جن میں رقبہ کے ساتھ قرآن مجید میں مومن کی قید لگائی گئی ہے۔

۱۹۔ غلام نہ پانے کی صورت میں قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔اس فرمانِ الٰہی پر عمل کرنے کی تفصیلات مختلف فقہی مذاہب میں حسب ذیل ہیں:

الف۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ مہینوں سے مراد ہلالی مہینے ہیں۔اگر طلوع ہلال سے روزوں کا آغاز کیا جائے تو دو مہینے پورے کرنے ہوں گے۔اگر بیچ میں کسی تاریخ سے شروع کیا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں اور شافعیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور تیسرے مہینے میں مجموعی طور پر ۳۰ روزے رکھے اور بیچ کا ہلالی مہینہ خواہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا، اس کے روزے رکھ لینے کافی ہیں۔

ب۔ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ روزے ایسے وقت شروع کرنے چاہئیں جبکہ بیچ میں نہ رمضان آئے نہ عیدین نہ یوم النحر اور ایامِ تشریق، کیونکہ کفارہ کے روزے رکھنے کے دوران میں رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین اور یوم النحر اور ایامِ تشریق کے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔حنابلہ کہتے ہیں کہ بیچ میں رمضان کے روزے رکھنے اور حرام دنوں کے روزے نہ رکھنے سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔

Marfat.com

ج۔ دو مہینوں کے دوران میں خواہ آدمی کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑے یا بلا عذر، دونوں صورتوں میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ یہی رائے امام محمد باقر، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری کی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مرض یا سفر کے عذر سے بیچ میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے اور اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ البتہ بلا عذر روزہ چھوڑ دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ کفارہ کے روزے رمضان کے فرض روزوں سے زیادہ موکد نہیں ہیں۔ جب ان کو عذر کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو نہ چھوڑا جا سکے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، عمرو بن دینار، شعبی، طاؤس، مجاہد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید اور ابوثور کا ہے۔

د۔ دو مہینوں کے دوران میں اگر آدمی اس بیوی سے مباشرت کر بیٹھے جس سے اس نے ظہار کیا ہو تو تمام آئمہ کے نزدیک اس سے تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے کیونکہ ہاتھ لگانے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۰۔ قرآن اور سنت کی رو سے تیسرا کفارہ (یعنی ۶۰ مسکینوں کا کھانا) وہ شخص دے سکتا ہے جو دوسرے کفارے (دو مہینے کے مسلسل روزوں) کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ اس حکم پر عملدر آمد کرنے کیلئے فقہاء نے جو تفصیلی احکام مرتب کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

الف۔ آئمہ اربعہ کے نزدیک روزوں پر قادر نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یا تو بڑھاپے کی وجہ سے قادر نہ ہو، یا مرض کے سبب سے، یا اس سبب سے کہ وہ مسلسل دو مہینے تک مباشرت سے پرہیز نہ کر سکتا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اس دوران میں کہیں بے صبری نہ کر بیٹھے۔ ان تینوں عذرات کا صحیح ہونا ان احادیث سے ثابت ہے جو اوس بن صامت انصاری اور سلمہ بن صخر بیاضی کے معاملہ میں وارد ہوئی ہیں۔ البتہ مرض کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرض کا عذر اس صورت میں صحیح ہوگا جبکہ یا تو اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو، یا روزوں سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر روزوں سے ایسی شدید مشقت لاحق ہوتی ہو جس سے آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ دو مہینے کے دوران میں کہیں سلسلہ منقطع نہ کرنا پڑے تو یہ عذر بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کا گمانِ غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے گا تو انتظار کرے اور اگر گمانِ غالب اس قابل نہ ہو سکنے کا ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ بالکل کافی عذر ہے۔

ب۔ کھانا صرف ان مساکین کو دیا جا سکتا ہے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب نہ ہوتا ہو۔

ج۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا مسلمان اور ذمی، دونوں قسم کے مساکین کو دیا جا سکتا ہے، البتہ حربی اور مستامن کفار کو نہیں دیا جا سکتا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ صرف مسلمان مساکین ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

د۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ کھانا دینے سے مراد دو وقت کا پیٹ بھر کھانا دینا ہے۔ البتہ کھانا دینے کے مفہوم میں اختلاف

Marfat.com

ہے۔حنفیہ کہتے ہیں کہ دووقت کی شکم سیری کے قابل غلہ دے دینا، یا کھانا پکا کر دووقت کھلا دینا، دونوں یکساں صحیح ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اطعام کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خوراک دینے کے بھی ہیں اور کھلانے کے بھی۔مگر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ پکا کر کھلانے کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ غلہ دے دینا ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔غلہ دینے کی صورت میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ غلہ دینا چاہئے جو اس شہر یا علاقے کے لوگوں کی عام غذا ہو۔اور سب مسکینوں کو برابر دینا چاہئے۔

ھ۔ حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن رات کھانا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے، البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی دن اسے ۶۰ دنوں کی خوراک دے دی جائے۔لیکن باقی تینوں مذاہب ایک مسکین کو دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ان کے نزدیک ۶۰ ہی مساکین کو دینا ضروری ہے۔اور یہ بات چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے کہ ۶۰ آدمیوں کو ایک وقت کی خوراک اور دوسرے ۶۰ آدمیوں کو دوسرے وقت کی خوراک دی جائے۔

و۔ یہ بات چاروں مذاہب میں سے کسی میں جائز نہیں ہے کہ آدمی ۳۰ دن کے روزے رکھے اور ۳۰ مسکینوں کو کھانا دے۔دو کفارے جمع نہیں کئے جا سکتے۔روزے رکھنے ہوں تو پورے دو مہینوں کے مسلسل رکھنے چاہئیں۔کھانا کھلانا ہو تو ۶۰ مسکینوں کو کھلایا جائے۔

ز۔ اگرچہ قرآن مجید میں کفارۂ طعام کے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں کہ یہ کفارہ بھی زوجین کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا ہونا چاہئے لیکن فحوائے کلام اس کا مقتضی ہے کہ اس تیسرے کفارے پر بھی اس قید کا اطلاق ہوگا۔اسی لئے آئمۂ اربعہ نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ کفارۂ طعام کے دوران میں آدمی بیوی کے پاس جائے۔البتہ فرق یہ ہے کہ جو شخص ایسا کر بیٹھے اس کے متعلق حنابلہ یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے از سر نو کھانا دینا ہوگا۔اور حنفیہ اس معاملہ میں رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اس تیسرے کفارے کے معاملے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا کی صراحت نہیں ہے اور یہ چیز رعایت کی گنجائش دیتی ہے۔

یہ احکام فقہ کی حسب ذیل کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں: فقہ حنفی: ہدایہ۔فتح القدیر۔بدائع الصنائع۔احکام القرآن للجصاص۔فقہ شافعی: المنہاج للنووی مع شرح مغنی المحتاج۔تفسیر کبیر۔فقہ مالکی: حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ہدایۃ المجتہد۔احکام القرآن ابن عربی۔فقہ حنبلی: المغنی لابن قدامہ۔فقہ ظاہری: المحلّٰی لابن حزم۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ
اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی

Marfat.com

مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ
يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ۝٧ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ
لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ
يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ۝٩ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ
تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ
انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١١ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

Marfat.com

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ
تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

رکوع: ۲۔ (کیا سمجھتے نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں، مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں وہ ہوں، پھر وہ انہیں قیامت کے دن آگاہ کرے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے، بے شک اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔ ۷) کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی حرکت کئے جا رہے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور یہ لوگ گناہ، تعدی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا، اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا، ان کیلئے جہنم ہی کافی ہے، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ۸) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں کوئی خفیہ مشورہ کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم جمع کئے جاؤ گے۔ ۹) یہ سرگوشیاں شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو غم پہنچائے، حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ ان کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ ۱۰) اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو، تو کھل کر بیٹھو، اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ، تو اٹھ جایا کرو، اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے اہلِ ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، درجات بلند فرمائے گا اور اللہ اس چیز سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے۔ ۱۱) اے ایمان والو! جب تم رسول سے تخلیہ میں بات کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات سے پہلے کچھ صدقہ دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پس اگر تم کوئی صدقہ نہ پاؤ تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۱۲) کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تم صدقات پیش کرو گے، پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے تم پر رحم فرمایا، تو نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۳)

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾

(کیا سمجھتے نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں، مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں وہ ہوں، پھر وہ انہیں قیامت کے دن آگاہ کرے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے، بے شک اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔ ۷)

نجویٰ، اسمِ مصدر ہے۔ صاحب لسان العرب کی رائے کے مطابق دو آدمیوں کے رازداری سے بات کرنے کو نجویٰ کہتے ہیں۔ اردو زبان میں اسی کیلئے سرگوشی کا لفظ مروج ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت سے منافقین کو تنبیہ

اوپر کی آیت سے یہ مضمون چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا اور ہر بھید سے باخبر ہے۔ کوئی شخص ہزار کوشش سے بھی اس سے کسی بات کو چھپا نہیں سکتا۔ دنیا میں بعض باتوں پر پردہ پڑا ہوا ہے لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق تمام لوگوں کو بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو۔ کرنے والے بے شک اپنے کرتوتوں کو بھول چکے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کسی بات کو نہیں بھولتا، وہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ چنانچہ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ منافقین اور یہود جو آپ کی مجلسوں میں آتے اور بظاہر اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں، یہ نہ جانے اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ جب اللہ تعالیٰ ہر بات کو جانتا ہے اور زمین و آسمان میں کوئی بات اس سے مخفی نہیں تو کیا وہ ان کی سرگوشیوں کو نہیں جانتا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سرگوشیاں کرنے والے دو ہوں تو تیسرا ان میں اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ چار یا پانچ ہوں تو چھٹی اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ اس سے کم و بیش ہوں تو جب بھی ان کی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے دور نہیں ہوتی۔ وہ جہاں بھی ہوں اور جس حال میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے۔ پاس ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس کا کوئی جسم ہے اور وہ وہیں کہیں قریب چھپ کر ان کی باتیں سنتا رہا ہے۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ وہ ہر وقت علیم و خبیر ہے، سمیع و بصیر ہے۔ کائنات کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں، تو ان کی باتیں اس سے کیسے مخفی ہو سکتی ہیں؟ یہ الگ بات ہے کہ دنیا میں اپنے رسول کی معرفت کبھی کسی بات کو ظاہر کر دیتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ لیکن قیامت کے دن ان کو بتائے گا کہ وہ مسلمانوں میں گھلے ملے ہونے کے باوجود مسلمانوں کیخلاف کیا سرگوشیاں کرتے تھے، کیا منصوبے بناتے اور کیا سازشیں تیار کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان منافقین نے اپنے گروہ اور دھڑے بنا رکھے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی مجلسوں میں جاتے تاکہ ان کے نفاق پر پردہ پڑا رہے۔ لیکن ان مجلسوں میں بھی ان کی دھڑے بندی جاری رہتی۔ وہ ہمیشہ ایک ساتھ مل کر بیٹھتے اور دبی زبان میں جس کی آواز دوسروں تک نہ پہنچ سکے آنحضرت ﷺ کے ارشادات پر تبصرے جاری رکھتے۔ کبھی مسلمانوں کے معمولات پر رائے زنی کرتے اور کبھی بعض مسلمانوں کو اپنی نگاہوں کا ہدف بنا کر پریشان کرتے۔ آنحضرت ﷺ اپنی کریم النفسی کے باعث بہت کم ان سے تعرض کرتے۔ لیکن مسلمان ان کی وجہ سے مستقل پریشانی میں تھے۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کے بلند اخلاق سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے۔

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۸﴾

(کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کردیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی حرکت کئے جارہے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور یہ لوگ گناہ، تعدی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا، اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا، ان کیلئے جہنم ہی کافی ہے، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ۸)

نجویٰ سے منافقین کا مقصد

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے منافقین کی اس حرکت کی آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔ آپ نے انہیں سرگوشیاں کرنے سے روک دیا لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا انہوں نے نہ صرف اپنا طرزِ عمل جاری رکھا بلکہ اس میں اور اضافہ ہوگیا۔ تب پروردگار نے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کا نوٹس لیا۔ مسلمان اب تک صرف ان کی اشارہ بازی کو دیکھتے اور ان کے سر جوڑ کر بیٹھنے سے پریشان ہوتے تھے کہ یہ ضرور مسلمانوں ہی کیخلاف کوئی منصوبہ بندی کررہے ہوں گے۔ لیکن وہ چونکہ اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے تھے اس لئے یقینی طور پر ان کے بارے میں کوئی بات کہنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے پروردگار نے ان کے راز کو افشا کردیا اور ساتھ ہی منافقین پر بھی یہ بات واضح کردی کہ تم جو باتیں سرگوشیوں میں کرتے ہو، ہم چونکہ انہیں سنتے ہیں اس لئے ہم ان سے آگاہ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان منافقین کی سرگوشیاں گناہ، تعدی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اِثم حق تلفی کو کہتے ہیں اور عدوان ہر طرح کی تعدی اور تجاوز کو۔ لیکن جب ان دونوں کا ایک ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس میں گناہ کی تمام اقسام شامل ہوجاتی ہیں۔ یعنی ان لوگوں میں نہ ایمان ہے نہ اخلاق۔ یہ ہر طرح کی باتیں کرتے اور ہر بری سے بری بات کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے اور مسلمانوں میں کسی طرح اس کی تخم ریزی کی جائے۔ اس کے بعد اس کی ایک مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی جسارت کا عالم یہ ہے کہ جب اے پیغمبر یہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو آکر سلام کہنے کی بجائے جس سے مراد سلامتی کی دعا ہوتی ہے۔ سلام کے لفظ کو بگاڑ کر اس طرح کہتے ہیں کہ وہ سلامتی کی بجائے موت کے مفہوم میں تبدیل ہوجاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی اور رحمت بھیجتا ہے اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں۔ لیکن ان بدبختوں کا طریقہ یہ تھا اور اس میں یہود اور منافقین دونوں شامل تھے کہ آنحضرت ﷺ سے دبی زبان میں کہتے السام علیکم، جس کا معنی ہے تمہیں موت آئے۔ اور اس لفظ کو اس طرح ادا کرتے کہ سننے والا غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک روز انہوں نے اسی طرح آنحضرت ﷺ کو سلام کیا، یعنی انہوں نے سلام کی بجائے سام کہا۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم، (اور تم پر بھی)۔ حضرت عائشہؓ کہیں سن رہی تھیں، ان سے برداشت نہ ہوسکا، غصہ سے فرمایا السام

Marfat.com

علیکم، ولعنکم الله، وغضب علیکم ۔ "موت تمہیں آئے ، اور تم پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار پڑے۔" آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: مهلاً یاعائشه، علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش "اے عائشہ! صبر کرو، نرمی سے پیش آؤ، اور بدکلامی نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے غور نہیں فرمایا انہوں نے کیا کہا؟ فرمایا میں نے جواب میں کہہ دیا۔ وعلیکم، اور تم پر بھی موت آئے۔ اس طرح سے وہ ذاتِ رسالت مآب کو دبی زبان میں بدزبانی کا نشانہ بنا کر اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے اور درپردہ کوشش یہ ہوتی کہ آپ کی مرکزیت کو مجروح کیا جائے اور مسلمانوں کی آپ سے وابستگی کو جہاں تک ممکن ہو سکے ہلکا کیا جائے۔ اور آنحضرت ﷺ کی تربیت سے جو ایک عظیم امت تیار ہو رہی ہے اس کے شیرازے کو پراگندہ کیا جائے۔ اور پھر اپنی اس روش کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کیخلاف آپس میں ایک دلیل کے طور پر پیش کرتے کہ دیکھو ہم انہیں سلام کی بجائے بددعا دیتے ہیں، لیکن ان کو پتہ تک نہیں چلتا۔ اور اگر چلتا بھی ہے تو ہمارا آج تک کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے نبی کی توہین کو کبھی برداشت نہیں کرتا۔ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو ہمیں ہماری گستاخی کی سزا ضرور ملتی اور ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جاتا۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ صاحب اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی اس بات کو افشا کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم دنیا میں اگر لوگوں کی بداعمالیوں کی سزا دینے لگتے تو کوئی کافر اور منافق زمین پر زندہ نظر نہ آتا۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے اس لئے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے، دارالجزاء نہیں۔ قیامت کے دن ہم انہیں پکڑیں گے وہاں انہیں ان کی بداعمالیوں اور گستاخیوں کی سزا کے طور پر جہنم میں ڈالیں گے اور وہ اتنی بڑی سزا ہے کہ اس سے بڑھ کر سزا کا کوئی تصور ممکن نہیں۔ وہ ایسا برا ٹھکانہ ہے کہ اس سے زیادہ کسی اور بدتر ٹھکانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں کوئی خفیہ مشورہ کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم جمع کئے جاؤ گے۔ ۹)

نجویٰ ایک اجتماعی ضرورت ہے لیکن اس کا مقصد پاکیزہ ہونا چاہیے

منافقین پر تنقید کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ آپس میں رازداری کی باتیں اور سرگوشیاں کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کی ضرورت ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بعض معاملات میں کچھ ذمہ دار لوگوں کو الگ تھلگ بیٹھ کر مشاورت کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ ادارے جو باہمی مشاورت ہی کیلئے بنائے جاتے ہیں ان میں بھی بعض مسائل پر کھلی بحث نہیں ہوتی، کیونکہ بعض معاملات کی ہر بات ہر شخص کے سمجھ میں آنے والی نہیں ہوتی۔ لازماً اس میں سے کچھ چیدہ چیدہ لوگ الگ بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں اور کسی ایک نتیجے پر پہنچ کر باقی سب کو اعتماد میں لیا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باہمی مشاورت اور رازداری کی باتیں کوئی برائی نہیں، برائی صرف یہ ہے کہ اس رازداری کو خیر کا واسطہ بنانے کی بجائے شر کا واسطہ بنایا جائے، جیسا منافقین کرتے تھے۔ ان کے یہاں نجویٰ اور سرگوشی، گناہ تعدی اور معصیتِ رسول کے مقصد سے ہوتی تھی۔ اہلِ ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کی سرگوشیاں بھلائی اور نیکی کیلئے ہونی چاہئیں۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کو مستحضر رکھ کر باہم مشاورت ہونی چاہئے۔ اگر ایسا ہوگا تو آدمی ہر حال میں ایسی بات کہے گا جس کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کر سکے۔

Marfat.com

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

(یہ سرگوشیاں شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو غم پہنچائے، حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ ان کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ۱۰)

مسلمانوں کو تسلی

اس میں ان مخلص مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے جو منافقین کی سرگوشیوں سے بعض دفعہ پریشان ہو جاتے تھے، اور وہ چونکہ بار بار انہیں اپنی نگاہوں کا ہدف بنائے رکھتے تھے اس لئے انہیں گمان ہوتا کہ شاید وہ ہمارے خلاف کوئی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ منافقین اور یہود کی اس طرح کی سرگرمیاں شیطان کی تحریک اور اس کی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہے۔ اور شیطان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ وہ آپ کے دلوں میں رنج اور ملال پیدا کر دے۔ اس سے زیادہ ضرر پہنچانا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم نہیں دیتا اس وقت تک وہ بات وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے اہلِ ایمان کو چاہئے کہ جو کچھ منافقین کر رہے ہیں وہ چونکہ شیطانی اثرات ہیں اس لئے ان کی بالکل پرواہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین پر ثابت قدم رہتے ہوئے اپنا کام جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل ایک ایسی ڈھال ہے جس پر شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔

بلاشبہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع پیش آتے ہیں جب نجویٰ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے بجائے خود اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں، لیکن بعض دفعہ اگر اس میں احتیاط نہ برتی جائے تو باہمی غلط فہمیوں کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں جو آدابِ مجلس کی تعلیم دی ہے اس میں واضح طور پر ارشاد فرمایا اذا کان ثلثة فلايتنا جی اثنان دون الواحد۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے جسے صحیحین نے روایت کیا ہے اذا کنتم ثلاثة فلايتناجی اثنان دون الاخر حتی تختلطوا بالناس من اجل ان يحزنه اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو مشورہ نہ کرنے لگ جاؤ، کیونکہ یہ تیسرے آدمی کیلئے باعثِ رنج ہوگا، یعنی وہ یہ خیال کرے گا کہ ان دونوں نے مجھے بیگانہ سمجھا ہے یا ان کی نظروں میں میری کوئی عزت نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

(اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو، تو کھل کر بیٹھو، اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ، تو اٹھ جایا کرو، اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے اہلِ ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، درجات بلند فرمائے گا اور اللہ اس چیز سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے۔ ۱۱)

Marfat.com

مجلسی آداب کی تعلیم

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کی مجالس میں آنے والوں اور پہلے سے موجود لوگوں کو کچھ آداب سکھائے گئے ہیں۔ جن کا لحاظ کرنے سے ایک مجلس حقیقی آداب کی نمائندہ بن جاتی ہے اور جنہیں نظر انداز کرنے سے اچھی بھلی مجلس مچھلی منڈی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جماعتِ مسلمین کو جو ہر لحاظ سے تربیت کے مراحل سے گزر رہی تھی اور انہیں عبادات کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن کی ہر بات کی تعلیم بھی دی جا رہی تھی۔ باہمی میل جول اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب بھی سکھائے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے سرگوشیوں کے حوالے سے جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے ان کا تعلق بھی مجلسی زندگی سے تھا۔ لیکن اس سے ہمیں ایک خاص ہدایت ملتی ہے وہ یہ کہ یہاں آیتِ کریمہ میں اگرچہ لفظ مجالس کا آیا ہے جو مجلس کی جمع ہے لیکن مقصود اس سے مجلسِ نبوی ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر جمع کا لفظ کیوں آیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح تمام مساجد مسجدِ نبوی کی اولاد ہیں اس لحاظ سے لفظ جمع بھی بولا جائے تو مسجدِ نبوی اس میں شامل ہوتی ہے۔ اور اگر صرف مسجد کا لفظ بولا جائے تو تمام مساجد اس سے مراد ہوتی ہیں۔ یہاں بھی یہی مراد ہے۔ یہاں جو ہدایات دی جا رہی ہیں وہ مجلسِ نبوی کے حوالے سے ہیں لیکن باقی مسلمانوں کی مجالس بھی اسی کا عکس اور پرتو ہوں گی۔ اور پھر یہ مجلسیں ہی تھیں جن میں منافقین کو اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرنے اور اپنے مقاصدِ باطلہ کو بروئے کار لانے کا موقع ملتا تھا۔ اور اسی میں وہ جتھے کی صورت میں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھتے، کسی اور کو اپنے اندر جگہ لینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمانو! جب تمہیں کہا جائے کہ دوسروں کیلئے جگہ چھوڑو اور کھل کے بیٹھو، یعنی اس طرح سکڑ کے بیٹھو کہ دوسروں کو بھی آسانی سے جگہ لینا ممکن ہو سکے۔ چنانچہ اس حکم کے ذریعے منافقین کے کھلنے سے دوسروں کو بھی ان کے جتھے میں بیٹھنے کی گنجائش پیدا ہو گئی۔ اور وہ جس طرح باہمی راز داری سے ناپسندیدہ حرکتیں اور تبصرے کرتے تھے اس کا سدِ باب ہو گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی اس بات کی تربیت مل گئی کہ صدرِ مجلس کی اطاعت بہر حال ہونی چاہئے کہ جب وہ حاضرین کی کثرت کو دیکھ کر تمہیں سکڑنے اور ادھر ادھر ہٹ کے بیٹھنے کا حکم دے تو تم پر اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اور جب مجلس کا پروگرام ختم ہو جائے اور اگر کوئی تقریب ہے اور وہ اپنے اختتام کو پہنچ جائے اور میرِ مجلس شرکائے مجلس کو منتشر ہونے اور اٹھ جانے کا حکم دے دے تو اس کا برا مت مانو۔ اس لئے کہ صاحبِ مجلس کی کچھ دوسری مصروفیات بھی ہو سکتی ہیں جو چند لوگوں کے بیٹھے رہنے سے متاثر ہو سکتی ہیں۔ تمہارے کھل جانے سے اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کیلئے کھول دے گا۔ اور قیامت کے دن جنت میں تمہارے لئے وسعتیں پیدا ہو جائیں گی۔ اور جب تمہیں اٹھنے کیلئے کہا جائے تو اس سے یہ مت سمجھو کہ اس سے تمہاری سبکی ہوئی ہے اور تمہارے حقیقی مقام و مرتبہ کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام و مرتبہ ان لوگوں کا بلند رہتا ہے جو ایمان اور علم میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں۔ اس میں ایک طرح سے منافقین پر تعریض بھی ہے کہ ان کا ایمان جیسا کچھ ہے وہ خوب جانتے ہیں۔ اور جہاں تک علمِ دین کا تعلق ہے ان سے ان کی شناسائی بالکل واجبی سی ہے۔ لیکن مجلسوں میں دیر تک بیٹھنا اور پھر دوسروں پر طنز اور تعریض کرنا اور اپنے برے مقاصد کو بروئے کار لانے کیلئے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنا ایسے گھٹیا اعمال ہیں جن کا نہ ایمان سے کوئی تعلق ہے نہ علم سے۔ اس لئے جب انہیں کہا جائے کہ تم اب مجلس سے چلے جاؤ تو وہ بعض دفعہ اس لئے بھی اس کو مسئلہ بنا لیتے ہیں کہ انہیں اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ اس لئے مسلمانوں کو صرف دیکھنا چاہئے کہ حکم کی پابندی ایمان کا لازمی حصہ اور علم کا زیور ہے۔ اس لئے جو شخص مجلسی آداب کی پابندی کرے گا اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات حرزِ جان بنائے گا، وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں سرافراز ہوگا۔

Marfat.com

اس آیت میں مجلسی زندگی کے کچھ آداب تو وہ ہیں جو قرآنِ کریم نے سکھائے اور اس کا بنیادی علم اور اس سے بننے والا مزاج اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو مزید کھولتے ہوئے کچھ ہدایات ارشاد فرمائیں۔ استفادہ کیلئے جن کا جاننا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں پہلے سے لوگ موجود ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں تو جس طرح پہلے بیٹھے ہوئے لوگوں میں یہ علم اور شائستگی ہونی چاہئے کہ وہ آنے والوں کو جگہ دیں اور سکڑ کر بیٹھیں۔ اسی طرح آنے والوں میں بھی یہ شائستگی ہونا ضروری ہے کہ وہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کا لحاظ کریں، زبردستی ان کے اندر گھس کر کسی شخص کو اٹھا کر اس شخص کی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کریں۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه فیجلس فیه ولکن تفسحوا وتوسعوا ''کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کیلئے جگہ کشادہ کرو۔'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: کسی شخص کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ جائے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

(اے ایمان والو! جب تم رسول سے تخلیہ میں بات کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات سے پہلے کچھ صدقہ دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پس اگر تم کوئی صدقہ نہ پاؤ تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۱۲)

نجویٰ کو روکنے کیلئے ایک ہنگامی حکم

سابقہ آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ منافقین کو سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا اور وہ جن ارادوں سے سرگوشیاں کرتے تھے ان محرکات کو بھی بے نقاب کیا گیا۔ تو ان منافقین کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہمیں کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ ہمارے نفاق پر پردہ پڑا رہے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تنہائی میں مل کر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اور طریقے طریقے سے اپنے آپ کو ان الزامات سے بچایا جو ان آیات کی روشنی میں ان پر لگائے جاسکتے تھے۔ اس کیلئے انہوں نے تخلیہ میں آپ سے بات کرنے کی اجازت چاہی۔ اس سے ایک تو انہیں اپنی سخن سازی کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور دوسرا جب وہ حضورؐ سے وقت لے کر بار بار آپ سے تخلیہ میں ملنے لگے تو دیکھنے والوں کو ان کے بارے میں حُسنِ ظن پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ ان کے اس فریب کو بے اثر کرنے کیلئے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے تخلیہ میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم دیا۔ منافقین چونکہ انتہائی بخیل لوگ تھے ان کیلئے یہ بات بہت گراں تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں معمولی صدقہ بھی کریں۔ اس لئے اس حکم نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سادہ دل مسلمان بھی جب یہ دیکھا کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ سے تخلیہ میں بات کرنے کی درخواست کرتے ہیں اور آپ اپنی کریم النفسی کے باعث اسے رد نہیں فرماتے تو انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کا قرب چاہنے کیلئے بار بار آپ سے تخلیہ میں بات کرنے کی اجازت چاہی اور اسے اپنا معمول بنالیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو اپنے معمولات کے سلسلے میں دشواری پیش آنے لگی۔ کیونکہ جب بہت سا وقت تخلیہ کی ان ملاقاتوں میں گزرنے لگا تو دوسرے ضروری کام نظر انداز ہونے لگے۔ اور اس سے امت

Marfat.com

کے مجموعی مفاد یا تربیت کے عمل کو نقصان پہنچنے لگا۔ اور ایک عجیب اس کا نقصان کبھی کبھی یہ بھی ہوتا کہ شیطان لوگوں کے کان میں پھونک دیتا کہ فلاں شخص جو دیر تک حضور سے علیحدگی میں بات کرتا رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلاں قبیلے کے حملہ آور ہونے کی خبر لایا ہے۔ چنانچہ اس سے مدینہ میں افواہوں کا بازار گرم ہو جاتا اور منافقین کو آنحضرت ﷺ کے بارے میں قسم قسم کی باتیں کرنے کا موقع ملتا۔ تو یہ اپنوں اور بیگانوں کے پیدا کردہ کچھ مسائل تھے جن کو روکنے کیلئے یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص بھی آنحضرت ﷺ سے تخلیہ میں ملاقات کرنا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کچھ نہ کچھ صدقہ کرے۔ اور غریب لوگ چونکہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر تم صدقہ دینے کی مقدرت نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، وہ درگزر فرمائے گا۔ لیکن یہ جو حکم دیا گیا ہے یہ تمہارے مفاد اور تمہاری تربیت اور تمہارے تزکیہ کیلئے نہایت بہتر اور نہایت پاکیزہ ہے اس کا فائدہ کسی اور کو نہیں خود تمہیں پہنچے گا۔

ءَ اَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰکُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوةَ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

(کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تم صدقات پیش کرو گے، پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے تم پر رحم فرمایا، تو نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۳)

یہ آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے اور دونوں حکموں میں فاصلہ

پیش نظر آیتِ کریمہ کے نزول سے اس سے پہلے کی آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ دونوں آیتیں ایک دوسرے کے متصل ہیں اس لئے یہ دوسری آیت جس نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کیا ہے، پہلی آیت کے نزول کے بعد بہت جلدی نازل ہوئی ہوگی۔ روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ان دونوں آیتوں کے نزول میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں، لیکن دونوں کا اتصال اس بات کی دلیل نہیں کہ دوسری آیت پہلی آیت کے جلدی بعد نازل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض آیات بہت بعد میں نازل ہوئیں لیکن مضمون کی مناسبت سے انہیں کسی آیت کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ اب رہی یہ بات کہ یہ دوسری آیت کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی، حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن سے بھی کم مدت تک یہ حکم باقی رہا اور پھر دوسری آیت کے نزول سے یہ منسوخ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں ایک دن سے بھی کم فاصلہ ہے۔ لیکن اس سے ایک بات دل میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ جس فتنہ کو روکنے کیلئے یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس کے رکنے سے پہلے تو وہ حکم منسوخ نہیں ہو سکتا تھا ورنہ حکم بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گزشتہ آیات کی تنقید اور صدقہ پیش کرنے کے حکم میں اللہ تعالیٰ کی جس ناراضگی کی جھلک نظر آتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے سادہ دل مسلمان تو سہم کر رہ گئے اور منافقین کچھ اپنے بخل کی وجہ سے اور کچھ افشائے راز سے ڈر کر فوراً سنبھل گئے۔ اس لئے مقاتل بن حیان کی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ حکم دس دن تک باقی رہا اور اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ اور دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد کسی فتنے کا رک جانا عین قرینِ عقل ہے۔

Marfat.com

جولوگ محض قرب کی خواہش کے پیشِ نظر آنحضرت ﷺ سے بار بار تخلیہ میں ملنے کی کوشش کرتے تھے انہیں جب اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نظر آئی تو وہ بالکل سہم کر رہ گئے۔ چنانچہ انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے جس طرح اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بسایا، اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ یعنی تم پر رحمت کی نظر فرمائی اور تم سے کہیں اگر کوئی زیادتی سرزد ہوئی بھی تو اس سے درگزر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا قرب حاصل کرنے کیلئے تمہارے پاس پہلے سے ایک ذریعہ موجود ہے وہ یہ کہ نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ نہایت اہتمام سے دیتے رہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا خاص اہتمام رکھو۔ یہ وہ ذرائع ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو آسانی سے اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِم مَّا هُم مِّنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ
عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا
إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾ لَّن
تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا
فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ
شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ
فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ
الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

Marfat.com

أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ ؕ
إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ أُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

رکوع: ۳۔ (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اس قوم سے دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا، یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے، اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسم کھاتے ہیں۔ ۱۴) اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بہت ہی بری حرکتیں ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ ۱۵) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے جس کی آڑ میں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں تو ان کیلئے ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ۱۶) ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد، ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے کیلئے، یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۱۷) جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور گمان کریں گے کہ وہ ایک بنیاد پر ہیں، خوب جان لو کہ یہ لوگ بالکل ہی جھوٹے ہیں۔ ۱۸) شیطان ان پر مسلط ہو گیا، پس اس نے انہیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کی پارٹی ہیں، جان لو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ ۱۹) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔ ۲۰) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے، بے شک اللہ ہی قوی و عزیز ہے۔ ۲۱) تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر

Marfat.com

ایمان رکھتی ہو اور وہ دوستی رکھے ان سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں اگر چہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہلِ خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک فیضانِ خاص سے ان کی تائید فرمائی ہے، اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی لوگ اللہ کی پارٹی والے ہیں، خبردار اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔ ۲۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اس قوم سے دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا، یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے، اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسم کھاتے ہیں۔ ۱۴)

جملہ معترضہ کے بعد اصل مضمون سے ربط اور منافقین کی اصل حقیقت

منافقین کے بعض کرتوتوں سے پردہ اٹھایا جا رہا تھا، درمیان میں دو آیتیں جملہ معترضہ کے طور پر آ گئیں اب ان کے بعد دوبارہ سلسلۂ کلام منافقین کے ذکر سے مربوط ہو گیا ہے کہ یہ منافقین جنہیں مسلمان ان کی چرب زبانی کے باعث مومن سمجھتے اور ان کی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی دوستی کے رشتے اس قوم کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا ہے، مراد اس سے یہود ہیں۔ کیونکہ سورۃ الفاتحہ میں جو قرآنِ کریم کی پہلی سورۃ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں المغضوب علیہم سے یاد فرمایا ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ در پردہ یہود کے ساتھ روابط رکھتے اور انہیں اپنی دوستی کا یقین دلاتے رہتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا قلبی رشتہ ان کے ساتھ بھی نہیں۔ یہ صرف اپنے مفاد کے بندے ہیں۔ یہ نہ آپ لوگوں کے ساتھ ہیں اور نہ یہود کے ساتھ ہیں۔ جب بھی کبھی کسی ایسی افتاد کا شکار ہوئے جس میں انہیں یہود سے تعلقات کی قیمت ادا کرنا پڑی تو وہ فوراً یہود کے ساتھ تعلقات سے انکار کر دیں گے۔ اور جہاں تک مسلمانوں کے ساتھ ان کی دوستی کا تعلق ہے اس میں وہ اس لئے جھوٹے ہیں کہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کے مغضوبوں کے ساتھ دوستی دونوں میں نسبت ضدین کی ہے۔ جس دل میں ایمان ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ضروریاتِ دین کے علاوہ کسی اور سے دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالخصوص ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بدترین دشمن ہیں اور وہ کسی قیمت پر اسلام کو آگے بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے جب یہ لوگ تمہیں اپنی دوستی کا یقین دلاتے ہیں تو وہ محض تمہیں فریب دینا چاہتے ہیں۔ اور اگر کبھی تمہیں فریب کا شبہ ہونے لگتا ہے تو وہ قسمیں کھا کر اپنے اخلاص کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ قسمیں ایک ایسی بات پر ہوتی ہیں جنہیں جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ جو بات ان کے دل میں ہے وہ ان کی زبان پر نہیں ہے۔

Marfat.com

اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

(اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بہت ہی بری حرکتیں ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ ۱۵)

یہ ایسے بے وقوف لوگ ہیں کہ اپنی روش کو بڑی کامیاب سیاست سمجھتے ہیں اور انہیں اس بات پر بڑا ناز ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو کس طرح فریب دے رکھا ہے۔ وہ ہمارے اخلاص پر اعتماد رکھتے ہیں جبکہ ہمارا ان سے کوئی قلبی رشتہ نہیں، ایک مجبوری ہے جسے ہم نبھا رہے ہیں، ہمارے اصل رشتے اور روابط تو اعدائے دین کے ساتھ ہیں۔ یہ سراسر ان کی حماقت ہے کیونکہ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ جن لوگوں سے انہوں نے تعلقات پیدا کر رکھے ہیں اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی تو کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آ سکتا ہے۔ اور یہ اپنے روابط کی وجہ سے اس عذاب سے حصہ پائیں گے۔ اور جہاں تک آخرت کا تعلق ہے وہاں تو ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے عذابِ شدید تیار کر رکھا ہے۔ کیونکہ آخرت ہی درحقیقت ان تمام کرتوتوں کی سزا ہے جن کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ان پر اخفا کا پردہ ڈال رکھا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اور اسے خوب معلوم ہے کہ وہ کیسے برے کرتوت ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

(انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے جس کی آڑ میں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں تو ان کیلئے ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ۱۶)

جھوٹی قسموں سے منافقین فریب دیتے تھے

منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب کبھی نبی کریم ﷺ یا مسلمان ان کی کسی غلطی پر گرفت کرتے یا ان کی بعض باتوں پر شبے کا اظہار کرتے تو وہ جھوٹی قسموں سے یہ اطمینان دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم ہر طرح آپ کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں اس لئے آپ کو ہمارے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔ اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کے کوئی بات کہتا ہے تو ایک مسلمان کیلئے یہ مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ اس پر اعتبار نہ کرے۔ اور آنحضرت ﷺ تو اس بات کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ تو اس طرح جھوٹی قسمیں کھا کھا کر منافقین نے اپنے لئے ایک جائے پناہ بنا رکھی تھی اور وہ ہر طرح کی گرفت سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے تھے۔ اور دوسری طرف ان کا حال یہ تھا کہ مسلمانوں کے اعتماد کی وجہ سے وہ سادہ دل مسلمانوں میں اسلام اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے۔ اور سننے والے یہ سمجھتے تھے کہ یہ چونکہ مسلمان ہیں اس لئے جھوٹ تو نہیں بول سکتے۔ یقیناً جو کچھ کہتے ہیں اس میں کچھ تو صداقت ہوگی۔ یہ مفہوم اس صورت میں ہے کہ ہم فَصَدُّوْا کو متعدی معنی میں لیں۔ لیکن اگر اس کو لازم معنی میں لیا جائے تو لفظ میں اس کی گنجائش بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ تو پھر آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان منافقین نے ایمان کے اظہار کے ساتھ ایمان کے ثمرات کے حاصل کرنے کیلئے جو قدم اٹھایا تھا اپنی اغراض کے پیش نظر ان کے حصول سے بھی رک گئے۔ اور آگے بڑھنے کی بجائے قسموں کے ذریعے سے اپنی دینداری کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش میں لگے رہے اور اس بات کی کبھی خواہش نہ کی کہ ہم ایمان کی حقیقت کو جاننے اور اپنے دل میں اتارنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

(ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد، ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے کیلئے،
یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۱۷)

سیاقِ کلام کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ منافقین کو درحقیقت آخرت سے زیادہ اپنی ذات اور اپنی ذات کے علائق سے دلچسپی ہے۔ مخلصانہ ایمان چونکہ ایثار اور قربانی کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی کامل اطاعت سے ہٹ کر اس کا وجود ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ ایسے ایمان سے جی چراتے اور اپنی دنیا طلبی اور دنیاداری میں لگے رہتے ہیں اور جھوٹی قسمیں جس طرح ان کیلئے جائے پناہ بنی ہوئی ہیں وہ اسی میں خوش ہیں۔ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ دنیا اور دنیا کے مال و دولت میں سے کوئی چیز بھی تمہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔

منافقین کے اصل مرض کی نشاندہی

اور اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں منافقین کے اصل مرض کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ مرض یہ ہے کہ انہیں حقیقی تعلق اور محبت کا رشتہ اگر کہیں ہے تو وہ صرف اپنے مال و دولت اور اپنی اولاد سے ہے۔ یہی ان کی دنیا ہے اور یہی ان کی منزل ہے۔ وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ یہ ان کے پاؤں کی ایسی زنجیریں ہیں کہ انہیں کاٹ پھینکنا یا کسی عظیم مقصد کیلئے قربان کر دینا ان کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے علائقِ دنیوی انہیں جس طرف لے جانا چاہتے ہیں یہ ادھر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کی راہ میں اگر ایمان حائل ہوتا ہے تو وہ ایمان کو ان علائق پر قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ آخر ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر بھی ہونا ہے۔ وہاں یہ اولاد اور دولت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہوں گے بلکہ ان کے ساتھ حد سے بڑھی ہوئی محبت سزا کا باعث بنے گی۔ اور بالآخر ان لوگوں کا انجام یہ ہوگا کہ انہیں اصحاب النار قرار دے دیا جائے گا اور یہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

آیت میں جو مِنَ اللّٰهِ کا لفظ آیا ہے اس میں اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور وہ ہے عذاب۔ تو اصل عبارت یوں ہوگی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ

اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

(جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور گمان کریں گے کہ وہ ایک بنیاد پر ہیں، خوب جان لو کہ یہ لوگ بالکل ہی جھوٹے ہیں۔ ۱۸)

Marfat.com

قیامت کے روز منافقین کی حسبِ عادت کوشش

جھوٹ اس طرح ان کے رگ و پے میں اتر گیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ انہیں از سر نو زندہ کرے میدانِ حشر میں لا کھڑا کرے گا اور وہاں ان سے جواب طلبی ہوگی تو وہاں اللہ کریم کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے۔ اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جس طرح ہم نے دنیا میں جھوٹ بول کر آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا اور وہ ہمیشہ ہم پر اعتماد کرتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی ہم فریب دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور ہم نے جھوٹ بول کر اپنے لئے ایک بچ نکلنے کا راستہ تلاش کر لیا ہے اور ہمیں بہت امید ہے کہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانو! اس بات سے تمہیں اندازہ ہو جانا چاہئے کہ وہ کس قدر جھوٹے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے اور جس کے سامنے سخن سازی کام نہیں دیتی بلکہ وہاں ہر طرح کی چرب زبانی بیکار ہو جاتی ہے تو یہ وہاں بھی یہ سمجھیں گے کہ ہم نے اپنی باتوں سے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی باتوں کا یقین دلا دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آدمی کسی غلط عادت کا اس قدر رسیا ہو جاتا ہے کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں کوئی غلط کام کر رہا ہوں اور وہ غلط کام کو اپنی عادت کے مطابق اس طرح انجام دیتا ہے جیسے وہ کسی صحیح کام کو انجام دے رہا ہے۔ لیکن اس کے غلط اندازے سے غلط بات صحیح تو نہیں ہو سکتی، یہ لوگ بھی شاید اسی فریب کا شکار ہوں گے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

(شیطان ان پر مسلط ہو گیا، پس اس نے انہیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کی پارٹی ہیں، جان لو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ ۱۹)

منافقین پر شیطان کا تسلط

منافقین کا جو حال اوپر کی آیت میں بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فکری اور عملی سلامتی سے بالکل محروم ہو گئے ہیں۔ ایک گیا گزرا آدمی بھی کبھی نہ کبھی حقیقت کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یا کم از کم اس کی تلاش کی فکر کرتا ہے۔ لیکن یہ لوگ جس طرح جھوٹ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل و دماغ اپنے قبضے میں نہیں، کسی اور کے قبضے میں ہے۔ چنانچہ اسی بات سے پردہ اٹھاتے ہوئے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ درحقیقت شیطان ان پر پورا تسلط جما چکا ہے۔ اور جس پر بھی وہ تسلط جمانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتا اور اس کے تعلق کو بالکل منقطع کر دیتا ہے۔ جہاں تک شیطان کی وسوسہ اندازی کا تعلق ہے اس سے تو کوئی آدمی بچا ہوا نہیں۔ وہ سب پر اپنا ہنر آزمانے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی آزادی بھی دے رکھی ہے۔ لیکن اس کا تسلط انہیں پر ہوتا ہے جو اس کی وسوسہ اندازیوں کیلئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اور اس کو اپنا ناصح و مرشد سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح اس کے مرید بن جاتے ہیں کہ جو وہ انہیں دکھاتا ہے وہ دیکھتے ہیں، جو وہ سوجھاتا ہے وہ سوچتے ہیں۔ وہ اپنی عاقبت سے بالکل بے پرواہ ہو کر اپنی باگ اس کے ہاتھ

Marfat.com

میں پکڑا دیتے ہیں۔اس طرح وہ شیطان کے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔اب شیطان ان کا لیڈر بن کر ان کو جدھر چاہتا ہے لئے پھرتا ہے۔ شیطانی اثرات سے انسان کو بچانے والی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے جب کوئی شخص اس کی یاد سے محروم ہوجاتا ہے تو وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، پھر اس سے بچ نکلنا اس کیلئے آسان نہیں رہتا۔اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطانی گروہ اور اس کی پارٹی کو ایک خاص حد تک مہلت تو دیتا ہے لیکن آخرکار شیطانی گروہ ہی نامراد ہونے والا ہے۔اس کی بظاہر کامیابیاں اس وقت تک ہوتی ہیں جب تک حزب الشیطان کے جواب میں حزب اللہ وجود میں نہیں آتی۔اور وہ اپنے حُسنِ عمل، قربانی وایثار اور استقامت سے اس کا مقابلہ کرنے کیلئے میدان میں نہیں اترتی۔لیکن جب دونوں میں تصادم ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حزب اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ﴿۲۰﴾

(بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔ ۲۰)

اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے مخالفین کی ذلت

جیسے پہلے ہم نے عرض کیا ہے کہ شیطانی قوتوں کو اس وقت تک کھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کی قوت میدان میں نہیں آتی۔اور جب مسلسل آویزش سے حق وباطل میں تصادم پیدا ہوتا ہے تو پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کیخلاف زور آزمائی کررہے ہوتے ہیں وہی آخرکار ذلیل ہونے والوں میں شامل ہوتے ہیں۔یعنی جو ان سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے مقابلے میں ذلیل ہوکر سامانِ عبرت بن چکے ہیں یہ لوگ بھی ان میں شامل ہوجاتے ہیں۔

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۱﴾

(اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہوکر رہیں گے، بے شک اللہ ہی قوی وعزیز ہے۔ ۲۱)

رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت

پہلے روز سے اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرما چکا ہے یعنی یہ اس کی سنت قرار پائی ہے کہ جب بھی حق وباطل میں کشمکش ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق کو غلبہ دے گا۔اور اس کی مقابل قوت ہمیشہ ناکام ہوکر ذلیل وخوار ہوگی یا تباہ وبرباد ہوجائے گی۔رسول دنیا میں جب بھی لوگوں کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں تو دو ہی صورتیں سامنے آتی ہیں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی تبلیغ ودعوت اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں شب وروز کی مساعی سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے وہ رسول پر ایمان لے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دین اس دھرتی کا مقدر بن جاتا ہے۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوم اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لانے کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کرتی ہے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لاچکے ہوتے ہیں انہیں رسول کے ساتھ اس سرزمین سے نکال لیا جاتا ہے یعنی انہیں ہجرت کا حکم دیا جاتا ہے اور باقی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے۔اور اگر رسول پر ایمان لانے والوں کی تعداد ایسی ہوتی ہے کہ جو میدانِ غزا میں دشمنوں سے عہدہ برآ ہوسکتی ہے تو پھر انہیں

Marfat.com

جہاد وقتال کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی تائید ونصرت سے اصحاب ِایمان کو غالب کرتا ہے اور کفر کی طاقتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو کفار کے ہاتھوں ناکام ہونے کیلئے بے سہارا چھوڑ دیا ہو۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ ایسے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ میں غالب رہتا ہوں۔ یعنی میری فرمانبردار قوتیں اور میرے بھیجے ہوئے رسول اور ان پر ایمان لانے والے وہی غالب رہتے ہیں اور مخالف قوتیں کبھی مغلوب ہو جاتی ہیں اور کبھی تباہ کردی جاتی ہیں۔ رسولوں کی تمام تر تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہیں۔ آخر میں اس کی دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ غالب رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوی اور عزیز ہے۔ جو رسول بھی دنیا بھی اس کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے وہ درحقیقت اس قوی اور عزیز کا سفیر ہوتا ہے جو لوگوں کے پاس ان کے حقیقی بادشاہ کے احکام سے آگاہ کرنے کیلئے آتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جو قوت قوی وعزیز ہو وہ اپنے سفیر کو بے سہارا چھوڑ دے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

(تم کوئی ایسی قوم نہیں پاسکتے کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ دوستی رکھے ان سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہلِ خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور اپنی طرف سے ایک فیضانِ خاص سے ان کی تائید فرمائی ہے، اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی لوگ اللہ کی پارٹی والے ہیں، خبردار اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔ ۲۲)

یہ سورۃ کی آخری آیت ہے جس میں منافقین کے سامنے ایک واضح کسوٹی رکھ دی گئی ہے تاکہ انہیں اپنے رویئے اور ایمان میں فرق کا اندازہ ہو سکے۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان وہ حدِ فاصل کیا ہے جس کے عبور کر جانے سے ایمان اور نفاق میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

منافقین کے سامنے ایک واضح کسوٹی

اس کسوٹی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر، اللہ تعالیٰ کے رسول پر، آخرت پر اور تمام ضروریاتِ دین پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھتا ہو۔ وہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں بھی کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا۔ اور ذاتِ رسالت مآب کے بارے میں وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد ان کی کامل اطاعت اور ان سے کامل محبت میرے ایمان کے ایسے اجزاء ہیں جن کے بغیر ایمان کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وہ دین جو

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ نے قرآن وسنت کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس میں کسی طرح کی کمی بیشی اور ہر حال میں اس کی اشاعت اور نصرت میرے ایمان کا ایسا حصہ ہے کہ جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد فرمایا کہ تم کسی شخص یا کسی قوم کو اس حال میں نہیں پاؤ گے کہ وہ ان ہی احساسات کے ساتھ ایمان لا کر مومن بھی ہوں اور پھر وہ اعدائے دین کے ساتھ محبت کا رشتہ بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جن افکار اور جن ترجیحات کا حامل ہے ان کا تعلق صرف اس کی زبان سے ہے۔ نہ اس کے عمل سے ہے اور نہ اس کے احساسات سے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ ان احساسات کے دشمن ہوں اس تعلیم کو ماننے سے انکار کرتے ہوں جس نے ان کے سیرت وکردار کو تعمیر کیا ہے اور ان احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوں جن کے نتیجے میں اس کے اعمال وجود پذیر ہوئے ہیں۔ ان سے یہ کبھی اس قسم کا ربط وضبط رکھیں جس کو موافقت یا محبت کا نام دیا جاسکے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک شخص اپنی ذات کا دشمن بھی ہوسکتا ہے۔ وہ بیک وقت پسند و ناپسند کو جمع بھی کرسکتا ہے۔ وہ جن چیزوں کے صحیح ہونے پر یقین رکھتا ہے ان ہی کے مخالفین سے راہ ورسم بھی رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں کبھی ایسا اعجوبہ وجود میں نہیں آیا۔ انسان کی محبت کا رشتہ صرف وہیں ہوتا ہے جہاں اس کی دشمنی نہ ہو۔ اور اگر ان کے درمیان کسی وجہ سے دشمنی موجود ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہونے کیلئے بھی تیار نہیں ہوں گے چہ جائیکہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور ہمنوا ہو جائیں۔ اسی اصول کے پیشِ نظر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور ان میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جو ہم نے اوپر عرض کی ہیں وہ کبھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دوستوں سے محبت کی پینگیں نہیں بڑھا سکتے۔ بلکہ انہیں برداشت کرنا بھی ان کیلئے مشکل ہو جاتا ہے۔ چاہے یہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے دشمن ان کے قریبی عزیز کیوں نہ ہوں۔ اور پھر قریبی عزیزوں کا نام لے کر بتلایا کہ یہ رشتے تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ لیکن اگر یہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے دشمن ہیں جن پر تم ایمان لاچکے ہو تو پھر تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ وہ تمہارے آباؤ اجداد ہوں، بیٹے یا پوتے ہوں، تمہارے بھائی ہوں یا قبیلے اور برادری کے لوگ ہوں، ان سے تمہارے تعلقات کی بنیاد صرف ایمان ہے اور جہاں ایمان مفقود ہے وہاں تمہارا کوئی اور رشتہ تعلقات کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

صحابہ کرامؓ ایمان کی علامت اور تصویر

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس سے پہلے ان ہی رشتوں کو عزیز رکھتے تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ جس قبیلے سے تھے اس قبیلے کی حمایت اپنا فرض سمجھتے تھے، جن کی اولاد تھے اس کی عزت کو اپنی عزت سمجھتے تھے، جو ان کے قریبی اقرباء تھے وہ دوسروں کو ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ لیکن جب وہ ایمان لا کر اسلام کی آغوش میں آگئے اور ایمان ان کے دلوں میں اتر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فیضِ خاص سے ان کے دلوں کے تمام میلانات کو بدل کر صرف اللہ تعالیٰ اور رسول کے تعلق کو ان کے دل کی امنگ اور ان کے دماغ کی سوچ بنا دیا اور جب بھی کبھی انہیں ان لوگوں سے تصادم کا موقع آیا جو ان کے اپنے تھے لیکن ایمان نہ لا کر اب پرائے بن چکے تھے تو انہوں نے ایک لمحے کے تامل کے بغیر صرف ایمان کے رشتے کو باقی رکھا اور باقی تمام رشتوں کو کاٹ دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم صحابہ کرام کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو دیکھو کہ ایمان آدمی کے اندر کس طرح کی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ اہلِ حق اور اہلِ باطل میں پہلا معرکہ بدر کے مقام پر ہوا۔ دونوں فوجیں جو آمنے سامنے تھیں ان میں مہاجرین اور قریش ایک دوسرے

Marfat.com

کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان میں سے بیشتر کا خاندان ایک تھا، باہمی قرابتداریاں تھیں۔ لیکن جب سوال ایمان وکفر کا درمیان میں حائل ہوا تو اہلِ حق اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے ٹکرا گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو تہِ تیغ کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام پر تلوار چلائی، حضرت صدیق اکبرؓ کے بیٹے عبداللہ میدان میں آئے تو آپ نے اس کے مقابلے جانے کیلئے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا **دعنی اکون فی الرعلة الاولی** مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا **متعنا بنفسک یاابابکر ماتعلم انک عندی بمنزلة سمعی وبصری** ''اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے کا موقع دو، تم نہیں جانتے کہ تم میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہو۔'' اس جنگِ بدر میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سگے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہے تھے۔ حضرت مصعب نے دیکھا تو پکار کر کہا: ذرا مضبوط باندھنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے، اس کی رہائی کیلئے وہ بہت سا فدیہ دے گی۔ ابوعزیز نے کہا! تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو۔ حضرت مصعب نے جواب دیا اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو، وہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں گرفتار کر رہا ہے۔ اندازہ کیجئے دونوں کا خون تبدیل نہیں ہوا تھا صرف دل کی کیفیت بدلی تھی کہ ایک کے دل میں کفر بسا ہوا تھا اور دوسرے کے دل میں ایمان کا نور روشن تھا۔ اسی جنگِ بدر میں خود نبی کریم ﷺ کے داماد ابوالعاص گرفتار ہو کر آئے۔ اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی دامادی کی بنا پر قطعاً کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ اس طرح دنیا پر یہ بات واضح کر دی کہ مخلص مسلمان کیسے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے ساتھ ان کا تعلق کیسا ہوا کرتا ہے۔

دلوں میں اتنی بڑی تبدیلی کا پیدا ہو جانا کہ تمام رشتے کٹ جائیں اور صرف ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا رشتہ باقی رہ جائے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی فضل نہ فرمائے۔ اس لئے اس آیتِ کریمہ میں ان صحابہ کے بارے میں فرمایا گیا اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ یہاں روح سے مراد اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور اس کا خصوصی فیضان ہے جو اتنی بڑی تبدیلی کا ضامن بنتا ہے۔ اور یہ ہر اس شخص کو نصیب ہو سکتا ہے جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگتا ہے۔ اس روح کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ روح سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس نور سے اس کو طمانیت اور تسکین نصیب ہوتی ہے۔ (روح المعانی)

صحابہ کرام کو یہی طمانیت اور تسکین نصیب تھی کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو کر گرتے تھے تو بجائے واویلا کرنے کے نہایت اطمینان کے ساتھ یہ بات کہتے تھے فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ ''ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔'' یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ جنہیں ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو جو سب سے بڑا انعام ملے گا وہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے۔ یہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی پارٹی اور اس کا گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ
کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْحَشْرِ

(۵۹)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْحَشْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلْحَشْر ہے جو اس کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ صحیحین کی روایت کے مطابق یہ سورۃ غزوۂ بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس لئے حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ اسے سورۃ النضیر کہتے ہیں۔ یہ غزوہ، بئرِ معونہ کے سانحہ کے بعد پیش آیا تھا۔ اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بئرِ معونہ کا سانحہ جنگِ احد کے بعد رونما ہوا تھا۔ اس لحاظ سے ابنِ سعد اور ابنِ ہشام اسے ربیع الاول ۴ ہجری کا واقعہ بتاتے ہیں اور تمام روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

تاریخی پس منظر

بنونضیر چونکہ یہود کا ایک اہم قبیلہ ہے اور اس سورۃ کا تمام تر تعلق اسی قبیلے سے ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ کے تعارف کے ضمن میں یہود کی تاریخ کے حوالے سے چند باتیں پیشِ نظر رہیں تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں بسنے والے یہودی قبائل کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کے اصل اسباب کیا تھے۔

عرب میں بسنے والے یہودی قبائل کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن یہودی مورخین نے یہود کی تاریخ مرتب کی ہے اس میں وہ عرب میں بسنے والے یہود کا ذکر اس لئے نہیں کرتے کہ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ نسلاً یہودی نہیں تھے بلکہ یہودی مذہب قبول کرنے کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو یہودی کہتے تھے۔ لیکن اپنے نسب کے اعتبار سے یہ عربی تھے اور اسی وجہ سے جزیرۂ عرب میں آباد تھے۔ اور ان کے اس خیال کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ عرب میں بسنے والے یہود نے عمومی طور پر اہلِ عرب کی تہذیب، تمدن، لباس اور زبان کو قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ بجائے عبرانی بولنے کے عربی بولتے تھے اور چند علماء کے سوا اس میں عبرانی جاننے والا کوئی نہ تھا۔ چند مثالیں چھوڑ کر کوئی شخص ایسا نہیں ملتا تھا جس نے اپنا نام عبرانی رکھا ہو۔ اور پھر ان کے خیالات اور مضامین اپنے شعر و ادب میں دیگر شعرائے عرب سے کچھ بھی مختلف نہ تھے۔ اس لحاظ سے یہودی تاریخ کے مورخین کو یہ گمان پیدا ہوا کہ ان لوگوں کا اصل میں بنی اسرائیل سے کوئی رشتہ نہیں۔ لیکن یہ سراسر ان کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی تہذیب و تمدن اور بعض دیگر حوالوں سے اگرچہ عربیت کا رنگ اختیار کر چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو عربوں میں جذب نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے نہایت شدت کے ساتھ اپنی یہودی عصبیت کو برقرار رکھا۔ ظاہری عربیت یہ درحقیقت ان کی ایک ضرورت تھی کیونکہ اس کے بغیر عرب میں ان کا رہنا مشکلات کا باعث ہو سکتا تھا۔

Marfat.com

یہود کی کوئی مستند تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے یہود کے کچھ اپنے دعوے ہیں جو تاریخ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔لیکن درحقیقت ان کا کوئی وجود نہیں۔انہیں دعاوی میں سے ان کا ایک یہ دعویٰ بھی تھا کہ ہمارے آباؤاجداد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک لشکر کے ساتھ عمالقہ کو نکالنے کیلئے یثرب آئے تھے اور پھر کسی وجہ سے یہیں قیام پذیر ہو گئے۔بعض دوسرے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ۵۸۷ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کر کے جب یہودیوں کو دنیا میں تتر بتر کر دیا تو یہود کے چند قبائل جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ان ہی میں یثرب کے یہودی بھی تھے۔لیکن یہ محض دعاوی ہیں جن کی کوئی تاریخی سند نہیں۔البتہ مؤرخین کے نزدیک جو بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب ۷۰ عیسوی میں رومیوں نے یہودیوں کا قتلِ عام کیا اور پھر ۱۳۲ میں انہیں اس سرزمین سے مکمل طور پر نکال دیا اس وقت بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔انہیں میں سے چند قبائل یثرب میں آ کر آباد ہو گئے جن میں بنونضیر اور بنوقریظہ زیادہ ممتاز تھے۔اور تیسرا قبیلہ بنوقینقاع کا تھا۔ان سے پہلے یہاں بعض عرب قبائل آباد تھے۔انہوں نے آ کر ان کو دبا لیا اور عملاً سرسبز و شادات مقام کے مالک بن بیٹھے۔اس کے تقریباً تین صدی بعد ۴۵۰ یا ۴۵۱ عیسوی میں یمن میں سیلابِ عظیم کا واقعہ پیش آیا۔اس سیلاب کی وجہ سے قومِ سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل جانے پر مجبور ہو گئے۔ان ہی میں سے دو قبائل اوس اور خزرج یثرب میں آ کر آباد ہوئے۔لیکن یہاں چونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے اس لئے انہیں کوئی قابلِ ذکر زمین میسر نہ آ سکی۔ایک مدت تک قوتِ لایموت پر گزارا کرتے رہے۔آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص نے اپنے غسانی بھائیوں کی مدد سے یہود کا زور توڑا اور اس طرح سے اوس و خزرج کو یثرب کے سرسبز و شاداب علاقوں پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اس وقت یہی دونوں قومیں مدینہ میں آباد تھیں۔اوس و خزرج زرخیز زمینوں پر قابض تھے اور یہود کے دو قبائل بنونضیر اور بنوقریضہ مدینہ سے دو میل باہر نسبتاً کم درجے کی زمین پر رہائش پذیر تھے۔لیکن وہاں انہوں نے باغات بھی بسا لئے تھے اور اپنے لئے نہایت محفوظ قلعے اور گڑھیاں بھی بنالی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ حجاز کے غلے کی درآمد اور چھوہاروں کی برآمد اپنے قبضے میں لے لی تھی۔مرغ بانی اور ماہی گیری پر بھی زیادہ تر انہیں کا قبضہ تھا۔ان کا ایک قبیلہ بنوقینقاع وہ شہر میں آباد تھا اور اپنی ہنرمندی کی وجہ سے مضبوط مالی حیثیت کا مالک تھا۔اوس و خزرج سرسبز زمینوں پر قابض ہونے کے باوجود اپنی نااتفاقی اور جہالت کی وجہ سے ہمیشہ یہود کے دستِ نگر رہتے تھے۔یہود کو ایک علمی تفوق بھی حاصل تھا اور تعویز گنڈے اور کہانت کے زور پر عربوں پر انہیں برتری میسر تھی۔لیکن یہ بات ہمیشہ ان کے ذہن میں رہتی تھی کہ ہمارے تجارتی اور مالی مفادات اس وقت تک محفوظ ہیں جب تک عربوں میں نااتفاقی باقی ہے اور اگر یہ کہیں یکجا ہو گئے تو پھر ہماری برتری باقی نہ رہ سکے گی۔اس لئے ایک تو یہ ان کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم رکھتے تھے۔ایک قبیلہ ایک کا حلیف ہوتا تو دوسرا، دوسرے کا۔اور پھر ان کی یہ پوری کوشش ہوتی کہ انہیں آپس میں متحد ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔کسی نہ کسی بہانے سے ان میں لڑائی چھیڑی جاتی ہے اور پھر لڑائی کو ہوا دینے کیلئے اسلحۂ جنگ خریدنے کیلئے انہیں قرض دیا جاتا۔اس سے ایک طرف ان کی دشمنی میں اضافہ ہوتا اور دوسری طرف یہ سود در سود کی زنجیریں پہنانے میں کامیاب ہو جاتے۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ طریقہ تشریف لاتے ہی جب ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو ایک طرف اوس و خزرج اور مہاجرین کی مواخات کے ذریعے ایک برادری قائم فرمائی۔اور دوسری طرف میثاقِ مدینہ کے ذریعے اس مسلم معاشرے اور یہودیوں کے درمیان واضح شرائط پر ایک معاہدہ طے کیا جس میں اس امر کی ضمانت دی گئی کہ کوئی کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کرے اور بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں

Marfat.com

سب مل کر دفاع کریں۔ میثاقِ مدینہ میں یوں تو ایک ایک جملہ قابلِ غور ہے لیکن بالخصوص یہ جملہ وانه لا تجار قريش ولا من نصرها وان بينهم النصر على من دهم يثرب ''اور یہ کہ قریش اور اس کے حامیوں کو پناہ نہیں دی جائے گی، اور یہ کہ یثرب پر جو بھی حملہ آور ہو اس کے مقابلے میں شرکاء معاہدہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔''

اس معاہدے کی ایک ایک شق کو یہود نے خود قبول کیا تھا لیکن بہت جلدی اپنی روایت کے مطابق در پردہ اس کی مخالفت شروع کر دی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی حیثیت محض ایک رئیسِ قوم کی نہیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ایک نیا انسان، نئی سوسائٹی اور نیا معاشرہ وجود میں آ رہا ہے جن کے افکار، اعمال اور معیارات بالکل مختلف ہیں۔ وہ اپنے مفادات سے بڑھ کر اس دین کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں جس پر وہ ایمان لائے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ہزار کوشش کے باوجود ایسے لوگوں سے اپنے مفادات کے حوالے سے کوئی معاملہ نہیں کر سکتے۔ ایسا انسان اور ایسا معاشرہ ہمارے لئے تباہی کا باعث بنے گا۔ پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ آج تک ہماری بقا کا دارومدار اوس وخزرج کے آپس کے اختلافات رہے ہیں جسے ہم نے ہمیشہ غذا فراہم کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول کی تربیت نے جس طرح انہیں دین کے رشتے سے منسلک کر دیا ہے اور ان کے خونی رشتوں پر دینی رشتوں کو غالب کر دیا ہے اور جس طرح ان کے تمام مفادات حبل اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک نئی وحدت کے رشتے میں پرو دیئے گئے ہیں، اب ہماری کوئی کوشش ان کے اندر اختلافات پیدا نہیں کر سکتی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بنیاد جس پر ہماری بقا کی دیوار کھڑی ہے وہ معرضِ خطر میں ہے۔ اگر آج ہم نے اس کی فکر نہ کی تو کل کو ہماری شکست و ریخت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ مزید براں انہیں اس بات نے بھی پریشان کیا کہ ہمارا تمام تر مالی استحکام اور ہماری خوشحالی تو اس بات کا نتیجہ رہی ہے کہ مدینے میں بسنے والے ہم سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے تو ہم انہیں سود در سود کے چکر میں ڈال کر اس حد تک دست نگر بنا لیتے تھے کہ وہ کبھی سر اٹھا کر ہمارے سامنے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول جس طرح کمائی کے تمام ناجائز طریقوں کو حرام قرار دے رہے ہیں اس سے یہ اندیشہ دور کی بات نہیں کہ یہ سود کو بھی ناپاک کمائی قرار دے کر ممنوع قرار دے دیں۔ اور اس طرح سے ہمارے مالی استحکام کو تباہ کر کے رکھ دیں۔ ان اسباب کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ ہم ان کی پیغمبرانہ حیثیت کو مستحکم نہ ہونے دیں، ان کے بارے میں شکوک و شبہات کی ایک دھول اڑائے رکھیں، ان کے لائے ہوئے دین کے بارے میں نئے نئے اشکالات اٹھا کر ماننے والوں کو یکسو نہ ہونے دیں۔ چنانچہ اسی سوچ کے پیشِ نظر انہوں نے معاہدے کے باوجود اپنے طریقے سے آنحضرت ﷺ کی مخالفت جاری رکھی۔ لیکن اس مخالفت کو عریاں اور نمایاں ہونے کا موقع اس وقت ملا جب جنگِ بدر میں قریش کو شکستِ فاش ہوئی۔ یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ قریش کی طاقت سے ٹکرا کر مسلمان خود ہی تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن جب نتیجہ اس کے برعکس نکلا تو ان کی در پردہ مخالفت کھل کر سامنے آ گئی۔ بنی قینقاع نے سب سے پہلے اس معاہدے کو توڑا۔ اور انہوں نے بازار میں آنے والے مسلمانوں کو ستانا اور خاص طور پر ان کی عورتوں کو چھیڑنا شروع کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے محلہ میں جا کر انہیں راہِ راست پر آنے کی تلقین فرمائی۔ مگر وہ لوگ چونکہ بغض و عناد میں بالکل اندھے ہو چکے تھے اس لئے صاف کہا، اے محمد! (ﷺ) تم نے شاید ہمیں بھی قریش سمجھا ہے۔ وہ لڑنا نہیں جانتے تھے اس لئے تم نے انہیں مار لیا۔ ہم سے سابقہ پیش آئے گا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔ یہ گویا صاف صاف اعلانِ جنگ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر شوال ۲ ہجری میں ان کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور بالآخر ان لوگوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔

Marfat.com

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو عظیم نقصان پہنچا اس سے مخالفین کے حوصلے بڑھ گئے۔ بنونضیر جواب تک مصلحتوں کا شکار تھے اب انہوں نے اپنی سازشوں کو تیز کر دیا۔ آنحضرت ﷺ ایک دیت کا معاملہ طے کرنے کیلئے ان کے محلے میں تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے آپ کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ کو ایک دیوار کے سائے میں بٹھا کر ایک شخص کو مکان کی چھت پر چڑھایا تا کہ وہ ایک بھاری پتھر گرا کر آپ کو کچل ڈالے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اس سے مطلع فرمایا اور آپ فوراً اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے۔ یہ صرف ایک آدمی کو قتل کرنے کی سازش نہ تھی بلکہ ریاستِ مدینہ کے صدر کو قتل کرنے کا خوفناک منصوبہ تھا اور معاہدے سے انحراف کی وجہ سے ایک خوفناک غداری بھی تھی۔ چنانچہ آپ نے ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا پیغام بھیجا۔ وہ بجائے اس کے کہ اپنے جرم سے انکار کرتے یا اعتراف کی صورت میں معذرت کرتے، وہ اپنی مخالفت پر ڈٹ گئے اور آنحضرت ﷺ کے الٹی میٹم کے جواب میں یہ کہا کہ ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے۔ چنانچہ ربیع الاول ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور صرف چند روز کے محاصرہ کے بعد انہوں نے آپ سے مدینہ چھوڑ دینے کی شرط پر مصالحت کی درخواست کی۔ چنانچہ اس شرط پر آپ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی کہ جو کچھ وہ اپنے ساتھ اونٹوں پر لاد کے لے جا سکتے ہیں لے جائیں، لیکن اسلحہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ اس طرح سے بنونضیر مدینہ سے نکال دیئے گئے۔

سورۃ کے مضامین

اس سورۃ میں مجموعی طور پر چار مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) بنونضیر کی قوت و شوکت اور افرادی قوت کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ ایک ایسی بستی جس کی مضبوط حیثیت کو دیکھتے ہوئے کوئی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ اس بستی والے کبھی یہاں سے نکلنے پر مجبور کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے نبرد آزمائی کی اور اس کی قوت سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا تو آخر وہ اس انجام سے دوچار ہوئے جسے سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

۲۔ اسلامی قانونِ جنگ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جنگی ضروریات کے پیشِ نظر دشمن کے علاقے میں جو تخریبی کارروائی کی جائے وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی۔ اس لئے کوئی شخص اگر ایسی تخریبی کارروائی کو فساد فی الارض قرار دے کر غلط فہمی پیدا کرتا ہے تو وہ غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔

۳۔ اگر کسی بستی یا ملک کی زمینیں اور جائیدادیں فوجی طاقت کے بغیر محض اللہ تعالیٰ اور رسول اور دین کی ہیبت سے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں تو ان کے بارے میں اسلامی قانون کیا ہے، اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

۴۔ منافقین کے اس رویئے پر تبصرہ کیا گیا ہے جو انہوں نے غزوۂ بنی نضیر کے موقع پر اختیار کیا تھا۔ اور ان محرکات کو کھولا گیا ہے جو ان کے رویہ کے اصل پیدا کرنے والے تھے۔

اور آخری رکوع تمام تر نصیحت پر مشتمل ہے جس میں ایمان کی اصل روح کو اجاگر کیا گیا اور اس کے اصل تقاضوں کو سامنے لایا گیا ہے اور تقویٰ اور فسق کے فرق کو واضح کیا گیا۔ اور قرآنِ کریم کی حقیقی عظمت کو نمایاں کرتے ہوئے اس کے اصلی تقاضوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

Marfat.com

رُکُوْعَاتُهَا ۳	سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِیَّةٌ (۵۹)	اٰیَاتُهَا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱﴾
هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ
دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ
یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ
بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾
وَلَوْلَآ اَنْ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ؕ
وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾
مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِهَا
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۵﴾ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ
مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ

Marfat.com

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶
مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ
كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ
الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ
اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ ڜ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹
وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ
لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا
غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

Marfat.com

رکوع: ا۔ (اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔ ۱) وہی ہے جس نے نکالا ان لوگوں کو جنہوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا، ان کے گھروں سے حشر اول کیلئے، تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے، ان کا گمان بھی یہ تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کی پکڑ سے بچا لیں گے، تو آیا ان کے پاس اللہ جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں تھا، اور اس نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا، وہ برباد کر رہے تھے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، پس عبرت حاصل کرو اے، آنکھیں رکھنے والو۔ ۲) اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا، اور ان کیلئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ ۳) یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، اور جو اللہ کا مقابلہ کرے، اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ ۴) کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ اللہ ہی کے اذن سے تھا تاکہ وہ فاسقوں کو رسوا کرے۔ ۵) اور جو مال اللہ نے ان کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹایا، تو تم نے اس پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۶) جو کچھ اللہ بستیوں والوں کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹا دے تو وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے تاکہ وہ مال تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے، اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو، اور جس سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ۷) (یہ مال) ان غریب مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے املاک سے نکالے گئے، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں۔ ۸) اور یہ مال ان لوگوں کیلئے بھی ہے جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے دارالہجرت میں ٹھکانہ بنا چکے ہیں اور اپنے ایمان کو محکم کر چکے ہیں، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آ رہے ہیں، اور جو کچھ ان کو دیا جا رہا ہے وہ اس کی اپنے دلوں میں کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود احتیاج ہو، اور جو دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ۹) اور جو ان کے بعد آئے ہیں وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کیلئے کینہ نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب بے شک تو نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ ۱۰)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

(اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔ ۱)

Marfat.com

تسبیح کا مفہوم

تسبیح اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اس کے افعال کو ہر عیب سے منزہ ٹھہرانے کا نام ہے۔ یعنی اس کا اصل استعمال اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کیلئے ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی مخلوقات ہیں چاہے وہ ہمارے نزدیک ذی روح ہوں یا جامد اور مردہ، سب اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے افعال کی پاک بیان کرتی ہیں۔ اور یہ کام مخلوقات نے ہر دور میں کیا ہے۔ ماضی میں بھی کیا ہے، حال میں بھی جاری ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے کہیں اس کیلئے فعل ماضی استعمال کیا ہے اور کہیں فعل مضارع استعمال کیا ہے۔

دوسری بات اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اس کے افعال ہر طرح کی کمزوری، عیب اور نارسائی سے پاک ہیں، اسی طرح اس کے احکام بھی اپنی تنفیذ میں حتمی اور محکم ہیں۔ کوئی مخلوق اس کی نافرمانی کرنے پر قادر نہیں۔ البتہ جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے فی الجملہ اس کا اختیار دے رکھا ہے وہ بھی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ اس لئے اس کا علم بھی لامحدود ہے اور اس کی قدرت بھی بے پناہ ہے۔ کیونکہ وہ عزیز اور غالب ہے جسے کسی مرحلے پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس کا اقتدارِ مطلق اور اس کی قدرتِ کاملہ چونکہ ہر کمزوری اور ہر عیب سے پاک ہیں اس لئے وہ اپنے اظہار میں صرف قدرت کی نمود نہیں رکھتے بلکہ ان کا اظہار کامل علم اور کامل حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلاشبہ اقتدار مقتدر کو اندھا کر دیتا ہے۔ غصہ آئے تو بے قابو ہو جاتا ہے، انتقام پر اتر آئے تو عدل کے تقاضوں کو بھول جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت باقی صفات کی طرح اپنے اندر بھی پاکیزگی کی شان رکھتی ہیں۔ اس لئے جب بھی اس کا اظہار ہوتا ہے تو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں عزیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے حکیم کی صفت کا استعمال کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۲﴾

(وہی ہے جس نے نکالا ان لوگوں کو جنھوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا، ان کے گھروں سے حشر اول کیلئے، تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے، ان کا گمان بھی یہ تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کی پکڑ سے بچالیں گے، تو آیا ان کے پاس اللہ جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں تھا، اور اس نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا، وہ برباد کر رہے تھے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، پس عبرت حاصل کرو اے آنکھیں رکھنے والو۔ ۲)

Marfat.com

اَوَّلِ الْحَشْرِ کا مفہوم

اس آیتِ کریمہ میں معنوی لحاظ سے لِاَوَّلِ الْحَشْرِ قابلِ توجہ ہے۔ حشر کے معنی ہیں منتشر افراد کو اکٹھا کرنا یا بکھرے ہوئے افراد کو جمع کرکے نکالنا۔ اور لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا معنی ہے پہلے حشر کیلئے یا پہلے حشر کے موقع پر۔ البتہ اس کی مراد میں مفسرین میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے بنونضیر کا اخراج مراد لیا ہے۔ اور اس کو ان کا پہلا حشر قرار دیا ہے۔ کیونکہ دوسرا حشر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا تھا جب انہیں جزیرۃ العرب سے نکالا گیا اور وہ مختلف ملکوں میں بکھر گئے۔ اور آخری حشر ان کا قیامت کے روز ہوگا۔ اور بعض مفسرین اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جیسے ہی مسلمان ان سے لڑنے کیلئے جمع ہوئے اور ان کا محاصرہ کیا اور ابھی کشت وخون کی نوبت نہ آئے تھی کہ انہوں نے حوصلہ ہار دیا اور وہ جلاوطنی کیلئے تیار ہوگئے۔ اس لحاظ سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ پہلے ہی مرحلے میں جبکہ ابھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ان کو نکال باہر کیا۔ دونوں میں سے کوئی معنی بھی مراد لے لیا جائے، مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بنونضیر کی فکری شکست کا حقیقی سبب

اس آیتِ کریمہ میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اور آخر میں مسلمانوں کو ان سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس سے پہلے یہود کا ایک قبیلہ بنوقینقاع جنگِ بدر کے بعد اپنی سرکشی کے باعث مدینہ منورہ سے نکالا جا چکا تھا۔ لیکن وہ اگرچہ جنگی صلاحیت میں کسی سے کم نہ تھے، وسائل کی بھی ان کے پاس فراوانی تھی، اسلحۂ جنگ کی بہتات نے انہیں سرکش بنا دیا تھا۔ لیکن وہ مدینہ کے دوسرے محلوں کے ساتھ ایک محلے کی صورت میں رہتے تھے جس میں نہ ان کی گڑھیاں تھیں اور نہ ان کے قلعے جو ان کے دفاع میں معاون ہوتے۔ اس لئے مسلمانوں کے محاصرے کے بعد وہ جلدی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ لیکن بنونضیر کا حال یہ تھا کہ وہ صدیوں سے ایسے گھروں میں جمے ہوئے تھے جن کو انہوں نے قلعوں اور گڑھیوں کی شکل دے رکھی تھی۔ جس طرح قبائلی علاقوں میں جہاں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوتی ہو وہ اپنے گھروں کو اس طرح بناتے ہیں کہ باہر سے ان پر حملہ کرنا آسان نہیں ہوتا اور وہ اندر محصور ہو کر دیر تک مقابلہ کر سکتے ہیں، یہی حال ان کا بھی تھا۔ پھر ان کی تعداد بھی مسلمانوں سے کم نہ تھی، مدینہ کے منافقین ان کی پشت پر تھے، اسلحۂ جنگ میں وہ مسلمانوں کی نسبت بہت بہتر پوزیشن میں تھے۔ اس لئے کسی شخص کے گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ محاصرہ ہوتے ہی حوصلہ ہار دیں گے۔ اور خود مسلمان بھی اس کی امید نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تمام سروسامان رکھتے ہوئے موافق ماحول کے باوجود اور منافقین کی حوصلہ افزا اہلہ شیریوں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے بہت جلد ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ بظاہر حالات اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ بجز اس وجہ کے جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی قوت نے ان کو نکلنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نکالا۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کی تنفیذ میں کوئی قوت رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ ان نادانوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے جس طرح مقابلے کا سروسامان تیار کر رکھا ہے اور ہم نے دشمن کے لئے اپنے گھروں تک پہنچنے کا کوئی راستہ کھلا نہیں رہنے دیا بلکہ ہر جگہ ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کہ جنہیں عبور کرنا مسلمانوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توکل کے داعی تھے لیکن ان کا حال آج کے مسلمانوں سے مختلف نہیں تھا کہ ہم بھی کہنے کی حد تک اللہ

Marfat.com

تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں لیکن وسائل ہمیشہ غیر اللہ سے مانگتے ہیں۔ اور اگر کبھی ہمارا معاملہ کسی طاقتور سے پڑ جاتا ہے تو ہم چاہے اپنے موقف میں کیسے ہی برسرِ حق کیوں نہ ہوں اور ہم سراسر اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کیلئے میدان میں ہوں تب بھی ہم حریف کی طاقت کو دیکھ کر اپنے طاقت کا اندازہ کرتے ہیں۔ اور اس میں کبھی اپنے اللہ کی قوت کو شامل نہیں کرتے۔ چنانچہ اپنی کمزور حالت کا گمان کر کے اپنے حریف کی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں چاہے اس میں ہماری دینی اقدار کی کیسی ہی پامالی کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہود تو اپنی مذہبی تاریخ کے حوالے سے ایسی باتوں کے بھی قائل رہے ہیں جن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کشتی لڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کشتی میں نعوذ باللہ ہی من ذالک اللہ تعالیٰ کو شکست ہوئی۔ اور یہ ایک ایسی کافرانہ بات ہے جس کا ذکر آج بھی تورات میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس قوم کا آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا نبی مان کر بھی ان کے مقابل میں کھڑے ہو جانا چنداں قابلِ تعجب نہیں۔ اسی لئے یہاں پروردگار نے ان کے مقابلے میں براہِ راست اپنا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ان کے پاس آیا یعنی اس کی پکڑ آئی یا اس کا عذاب آیا کہ وہ کبھی اس کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے بجائے اسباب کی دنیا کو حرکت دینے کے براہِ راست ان کے دلوں کو نشانہ بنایا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔ اور یہ رعب کیا تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دینی قوتوں کی ہیبت۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود سپر انداز ہو گئے۔

یہود کی مرعوبیت کی تصویر

پھر یہود کی مرعوبیت کی تصویر کھینچتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے یہ قلعے اور گڑھیاں کتنے ارمانوں سے تعمیر کی تھیں اور کس قدر محنت سے یہ گھر بنائے تھے۔ لیکن اب ان کا حال یہ تھا کہ پہلے اپنے دفاع کیلئے اور پھر جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے تو پھر اس خیال سے کہ یہ گھر مسلمانوں کیلئے آسودگی کا باعث نہ بنیں، انہیں اپنے ہاتھوں سے توڑنا شروع کر دیا۔ اور جب ان سے یہ کہا گیا کہ تم جو کچھ اونٹوں پر لاد کے لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ۔ تو انہوں نے مکانوں کے شہتیر، کڑیاں، دروازے اور کھڑکیاں بھی اپنے اونٹوں پر لادنے کی کوشش کی۔ اور جس چیز کو اونٹوں پر لاد کے ساتھ نہیں لے جا سکے اسے مسلمان دشمنی میں ناکارہ بنانے کی کوشش کی۔

آخر میں فرمایا کہ اے آنکھیں رکھنے والو! یعنی دیدۂ بینار کھنے والو، بنی نضیر کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو انبیاء کی اولاد کہتے تھے۔ اور انہیں گمان یہ تھا کہ نبوت ہمارے خاندان سے باہر نہیں جا سکتی۔ اور انبیاء کی اولاد ہونے کی وجہ سے جہنم کی آگ ہمیں چھو بھی نہیں سکتی۔ اور پھر مدینے میں ایسے مضبوط مکان جو رہنے کیلئے بھی نہایت پر آسائش اور دفاعی نقطۂ نگاہ سے بھی نہایت مضبوط تھے تعمیر کر رکھے تھے۔ مدینے کا بیشتر کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ علمی تفوق کے باعث انہیں عرب معاشرے میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ان کی پشت پر تھے۔ اور بنو قریظہ اور بنو غطفان کی طرف سے ہر وقت انہیں حوصلہ افزا پیغام مل رہے تھے۔ بایں ہمہ وہ اللہ تعالیٰ اور ان کے بندوں کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی قوت اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو کر ایسے لوگوں کے مقابل آتی ہے جو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیاگ دیتے ہیں تو وہ قوت اپنا سب کچھ تباہ کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳

(اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا،
اور ان کیلئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ ۳)

دنیا کے عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کے نتیجے میں قوموں پر آتا رہا ہے اور جس عذاب کے نتیجے میں ان کی جڑ اکھاڑ دی جاتی ہے۔ اسی عذاب کے حوالے سے پروردگار ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر پر رعایت فرمائی کہ انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی، تا کہ اگر ان کے اندر کچھ بھی عبرت پذیری کی صلاحیت موجود ہے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی اصلاح کریں۔ ورنہ ان کے کرتوت اس قابل تھے کہ دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آتا اور ان کا استیصال کر دیا جاتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

(یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی،
اور جو اللہ کا مقابلہ کرے، اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ ۴)

یہود کو عبرت بنانے کیلئے نرم سزا دی گئی

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نرمی فرمائی کہ دنیا میں ایسا عذاب ان پر نہیں بھیجا جو ان کی مکمل بیخ کنی کر دیتا، تو پھر یہ جلاوطنی کی سزا انہیں کیوں دی گئی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت اور مخاصمت کی کوشش کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سخت سزا دیا کرتا ہے۔ لیکن انہیں حصولِ عبرت کا موقع دیا گیا ہے۔ اگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو یا تو انہیں دنیا میں عبرت بنا دیا جائے گا اور یا انہیں مکمل تباہ کر دیا جائے گا۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

(کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا،
تو یہ اللہ ہی کے اذن سے تھا تا کہ وہ فاسقوں کو رسوا کرے۔ ۵)

لِيْنَةٌ ...... کھجور کے پھلدار درخت کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

ایک اعتراض کا جواب

اس آیتِ کریمہ میں یہود اور ان کے حلیفوں کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا۔ اعتراض کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب بنونضیر کی بستی کا محاصرہ کیا تو اس کے اطراف میں جو نخلستان واقع تھے ان میں بہت سے درخت فوجی کارروائی کے سلسلے میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے فوجی ضرورت و مصلحت کے تحت ان درختوں کو کاٹ ڈالا تاکہ محاصرہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔ اور جو درخت محاصرے میں رکاوٹ نہیں تھے انہیں کھڑا رہنے دیا۔ اسے یہود اور ان کے حلیفوں نے پراپیگنڈے کا ذریعہ بنا لیا۔ اور جگہ جگہ اس طرح کی باتیں کہی جانے لگیں کہ ان مسلمانوں کا حال دیکھو ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ ملک میں اصلاح کیلئے اٹھے ہیں جبکہ عمل ان کا اس کے بالکل برعکس ہے۔ پھل لانے والے درختوں کو کاٹنا یہ اصلاح کا عمل ہے یا فساد کا۔ یہ تو فساد فی الارض کی ایک واضح مثال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر اقتدار حاصل کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔ فرض کریں انہیں لکڑی کی ضرورت تھی تو وہ درخت جو پھلدار نہ تھے انہیں کاٹ کر ان سے ضرورت پوری کی جا سکتی تھی۔ لیکن ایسے درخت انہوں نے نہیں کاٹے بلکہ وہ درخت کاٹے ہیں جو پھل دے رہے تھے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ ان کے پیشِ نظر کچھ اور ہے اور زبان سے کچھ اور کہتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن سے تھا۔ اور فوجی کارروائی کی ضرورت کو پورا کرنا پیشِ نظر تھا۔ اسے فساد فی الارض نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام کا عام قانون یہ ہے کہ وہ دشمن کے ملک میں گھس کر بھی کھیت، مویشی، باغات اور عمارات کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ البتہ جہاں فوجی کارروائی کیلئے اس کی ضرورت ہو تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فوجوں کو شام کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا اور بستیوں کو ویران نہ کرنا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ان مفسد انسانوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب انہیں اقتدار مل جاتا ہے تو پھر وہ فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن جب دشمن کو سرنگوں کرنے اور فوجی کارروائی کو کامیاب کرنے کیلئے ایسی ضرورت پیش آئے تو وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مقصود کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے عین مطلوب بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہی بات فرمائی۔ ان کا ارشاد ہے قَطَعُوْا مِنْهَا مَا كَانَ مَوْضِعًا لِلْقِتَالِ مسلمانوں نے بنونضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے۔ (تفسیر نیسابوری)

رہی یہ بات جو بعض روایات میں کہی گئی ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا اجتہاد تھا یا صحابہ نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا تھا اور بعد میں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ صورتحال کچھ بھی ہو یہ سب کچھ یقیناً اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا۔ کیونکہ مجتہدین کا اجتہاد اگر اصولِ دین کے مطابق ہو تو باہمی اختلاف کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔ اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کا تعلق ہے اس کے برسرِ حق ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے اس کی تصویب فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا۔

Marfat.com

فاسق کا مفہوم اور ان کی رسوائی کا مطلب

آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا درختوں کو کاٹنا اور بعض درختوں کو چھوڑ دینا یہ اس لئے تھا تاکہ ان فاسقوں کو رسوا کیا جائے۔ فاسقوں سے مراد وہ نافرمان اور کافر ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کیا۔ اور پھر سرکشی کی اس انتہا کو پہنچے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدال میں کود پڑے۔ سوال یہ ہے کہ ان فساق کی رسوائی درختوں کے کاٹنے یا ان کو چھوڑنے سے کیونکر ہوئی۔ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہ درخت انہوں نے بڑے ارمانوں سے لگائے تھے اور ایک طویل مدت سے ان سے فائدہ اٹھا رہے اور ان کی پاسبانی کر رہے تھے۔ یہ درخت ان کیلئے نہ صرف غذائی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے بلکہ آرائش و آسائش کا سبب بھی تھے۔ اب جبکہ ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمان انہیں کاٹ رہے تھے اور وہ کسی طرح مسلمانوں کو روکنے کے قابل نہ تھے تو وہی جان سکتے ہیں کہ ان کے دل پر کیا گزرتی تھی۔ ایک معمولی کسان اور باغبان بھی اپنے کھیت یا باغ میں کسی دوسرے کے تصرف کو برداشت نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی زبردستی ایسا کرے تو وہ جان پر کھیل کر اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری اس سے بڑھ کر ذلت و رسوائی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ رسوائی کا یہی وہ پہلو ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ البتہ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جن درختوں کو مسلمانوں نے کھڑا رہنے دیا وہ ان کیلئے رسوائی کا باعث کیونکر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ لوگ اپنے قلعوں اور اپنے باغوں سے نکالے جارہے تھے تو ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ ان کے باغات میں کتنے درخت ابھی باقی ہیں جن سے اب مسلمان فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ ان کے سائے میں بیٹھیں گے اور ان کے پھلوں سے محظوظ ہوں گے۔ تو یقیناً دل میں کڑھتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ کاش ہم انہیں تباہ کر دیتے تاکہ مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔ لیکن وہ بے بسی کی حالت میں یہ سب کچھ دیکھنے پر مجبور تھے۔ یہ رسوائی کی ایسی حالت تھی جس کا اندازہ وہی کر سکتے تھے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ
يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾

(اور جو مال اللہ نے ان کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹایا، تو تم نے اس پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۶)

بنو نضیر کے اموال اور باغات کی حیثیت

یہاں سے آیت ۱۰ تک اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کی مِلک سے نکلنے والے باغات، اموال اور زمینوں کی حیثیت اور ان کے انتظامی معاملات کے سلسلے میں احکام دیئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ بنو نضیر کی مِلک سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف لوٹایا گیا ہے وہ درحقیقت بنو نضیر کی ملکیت نہیں تھا بلکہ اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے باغی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی چیزوں پر ان کا تسلط غاصبانہ تھا۔ ان کی حیثیت ایک ایسے خائن ملازم کی تھی جو اپنے آقا کا مال دبائے رکھتا ہے اور پھر اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرتا ہے۔ ان اموال کا اصل حق یہ ہے کہ یہ ان کے حقیقی مالک اللہ رب العالمین کی اطاعت میں اس کی مرضی کے مطابق استعمال

Marfat.com

کئے جائیں۔اوران کا یہ استعمال صرف مومنین صالحین ہی کر سکتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے تمام اموال اور جائیدادوں کو ان کے غاصبانہ قبضے سے نکال کر اپنے فرمانبردار بندوں کی طرف پلٹا دیا۔ایسے مال کو اسلامی اصطلاح میں فے قرار دیا گیا ہے۔

مالِ غنیمت اور مالِ فے کا فرق

اور دوسری بات اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمائی گئی ہے کہ یوں تو مالِ غنیمت بھی غاصبوں کے قبضے سے نکالا جانے والا وہ مال ہے جو جنگ کے نتیجے میں قوت وطاقت کے ذریعے ان سے حاصل کیا جاتا ہے۔لیکن اس میں اور مالِ فے میں فرق یہ ہے کہ مالِ غنیمت جہاد وقتال کے نتیجے میں حاصل ہونے والا مال ہے۔اور سورۃ الانفال آیت ۴۱ میں اس کے بارے میں حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے پانچ حصے کئے جائیں، چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کئے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر کے ان مصارف میں صرف کیا جائے جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں۔اور فے کا حکم یہ ہے کہ اسے فوج میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہ پوری کی پوری ان مصارف کیلئے مخصوص کر دی جائے جو آگے کی آیات میں بیان ہو رہے ہیں۔اور ان دونوں قسم کے اموال میں فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم نے اس پر اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے ہیں۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ گھوڑے اور اونٹ دوڑانے سے مراد جنگی کارروائی ہے۔یعنی جو اموال جنگی کارروائی کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں وہ تو مالِ غنیمت ہیں لیکن جو اموال اس طرح حاصل ہوتے ہیں کہ وہاں جنگی کارروائی کی نوبت نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور حق کی ہیبت سے دشمن مرعوب ہو جاتا ہے اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلتا ہے یا مصالحت کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہے۔تو اس صورت میں حاصل ہونے والے مال کو مالِ فے قرار دیا گیا ہے۔یعنی یہ کل کا کل اللہ تعالیٰ اور رسول یا بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کی ملکیت ہوگا اور اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعی بہبود پر صرف ہوگا۔

فقہائے اسلام نے مالِ غنیمت اور مالِ فے میں اس فرق کو مزید تفصیل سے بیان کیا ہے۔ان کی تحقیق یہ ہے کہ غنیمت صرف وہ اموالِ منقولہ ہیں جو جنگی کارروائی کے نتیجے میں دشمن کے لشکروں سے حاصل ہوتے ہیں۔اس کے ماسوا دشمن ملک کی زمینیں، مکانات اور دوسرے اموالِ منقولہ وغیر منقولہ غنیمت کی تعریف سے خارج ہیں۔وہ اپنی اس تشریح کی تائید میں حضرت عمر فاروق ؓ کے اس خط کو پیش کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو فتح عراق کے بعد لکھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے "جو مال ومتاع فوج کے لوگ تمہارے لشکر میں سمیٹ لائے ہیں اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دو جو جنگ میں شریک تھے اور زمینیں اور نہریں ان لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو ان پر کام کرتے ہیں تا کہ ان کی آمدنی مسلمانوں کی تنخواہوں میں کام آئے۔" اس سے بھی زیادہ جو چیز غنیمت اور فے کے فرق کو واضح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جنگِ نہاوند کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا تھا اور مفتوحہ علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا تھا ایک صاحب سائب بن اقرع کو قلعہ میں جواہر کی دو تھیلیاں ملیں۔ان کے دل میں یہ الجھن پیدا ہوئی کہ آیا یہ مالِ غنیمت ہے جسے فوج میں تقسیم کیا جائے یا اس کا شمار اب فے میں ہے جسے بیت المال میں داخل ہونا چاہئے۔آخر انہوں نے مدینہ حاضر ہو کر معاملہ حضرت عمر ؓ کے سامنے پیش کیا۔اور انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت صرف وہ اموالِ منقولہ ہیں جو دورانِ جنگ میں فوج کے ہاتھ آئیں۔جنگ ختم ہونے کے بعد جو مال بھی ہاتھ آئے گا وہ اموالِ غیر منقولہ کی طرح فے کے حکم میں داخل ہوگا۔

Marfat.com

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

(جو کچھ اللہ بستیوں والوں کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹا دے تو وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے تاکہ وہ مال تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے، اور کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو، اور جس سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ۷)

مالِ فے کے مصارف

مالِ غنیمت اور مالِ فے کے درمیان فرق واضح کرنے کے بعد اب مالِ فے کا مصرف بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ، رسول، رسول کے قرابتدار، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہوگا، اس میں جنگ کرنے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس میں سب سے پہلا حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی مال ومتاع کا محتاج نہیں، اس لئے اس کا ذکر یہاں ایک تو تبرکاً آیا ہے اور دوسرا اس لئے کہ مسلمان بھی اگر صدقہ دیں تو آنحضرت ﷺ کیلئے اس کا قبول کرنا جائز نہیں۔ تو مالِ فے تو کفار کے مال کو کہتے ہیں جو جنگ کئے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر صرف اس مال کے جواز اور حلال ہونے کیلئے ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مصارف کیلئے اس کو حلال کیا گیا ہے۔ اور تیسرا مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا حصہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف لوٹتا ہے اور اسلامی حکومت امیر کی حیثیت سے اس کو مستحقین اور مسلمانوں کے اجتماعی بہبود کے کاموں میں صرف کرتی ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے جس طرح عمل کیا اس کی تفصیل مالک بن اوس بن الحدثان نے حضرت عمرؓ کی روایت سے نقل کی ہے کہ حضور اس حصہ میں سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ لے لیتے تھے اور باقی آمدنی جہاد کیلئے اسلحہ اور سواری کے جانور فراہم کرنے پر خرچ فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم) آنحضرت ﷺ کا یہ حصہ چونکہ بحیثیت رسول کے نہیں بلکہ بحیثیت اسلامی حکومت کے سربراہ کے تھا۔ آپ کے بعد یہ حصہ خلیفۂ وقت کو منتقل ہو گیا۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ آپ کا یہ حصہ مسلمانوں کے دینی واجتماعی مصالح کیلئے ہے کسی شخصِ خاص کیلئے نہیں ہے۔ دوسرا حصہ رشتہ داروں کا ہے۔ اس سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کی کفالت آپ کی ذمہ داری ہے۔ اور یا جن کی مدد کی آپ ضرورت محسوس فرماتے تھے۔ ان میں بنی ہاشم اور بنی المطلب شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد یہ بھی ایک الگ اور مستقل حیثیت سے باقی نہ رہا۔ کیونکہ اس کی حیثیت آپ کی ذاتی ضرورت کی تھی۔ اس کی نوعیت کسی ذاتی جائیداد کی نہ تھی کہ آپ کے بعد یہ وراثت کی حیثیت سے آپ کے خاندان کی طرف لوٹے۔ جس طرح اسلام پر کسی خاص خاندان کا اجارہ نہیں ہے، اسی طرح اسلام کی حکومت یا اس کے بیت المال کے کسی حصہ پر بھی کسی خاندان کا اجارہ نہ ہوا، نہ ہو سکتا ہے۔ البتہ بنی ہاشم اور بنی مطلب چونکہ زکوٰۃ سے حصہ نہیں لے سکتے اس لئے وہ اپنی ضرورت کے تحت فے کے حصول میں دوسروں سے فائق ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا یہی معمول رہا کہ ان کے زمانے میں پہلے دونوں حصے ساقط کر دیئے گئے اور باقی تین حصے فے

Marfat.com

کے حقداروں کے طور پر شامل رکھے گئے۔ خود حضرت علیؓ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے پہلے تینوں خلفاء کے طرزِ عمل کے پابند رہے۔ باقی تینوں حصوں کے بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقرباء کے بعد یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں کے حق کے ساتھ فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کی اولین ذمہ داری ان لوگوں کی کفالت اور سرپرستی ہے جو معاشرے کے اندر بے وسیلہ ہیں۔ بلاشبہ بیت المال کی آمدنی دوسری ضرورتوں پر بھی خرچ ہونی چاہئے جو رفاہی اور تمدنی نقطۂ نظر سے اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن ان کا مرتبہ بے وسیلہ لوگوں کی مدد کے بعد ہے۔ جس حکومت میں سرکاری خزانہ ترقیاتی کاموں یا فضول قسم کی نمائشوں اور عیاشیوں پر بے دریغ خرچ ہو اور غریب، غریب تر ہوتے جائیں ایسی حکومت اسلامی حکومت تو کجا مسلمانوں کی حکومت کہلانے کی بھی مستحق نہیں۔ اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت اسلام کے پیشِ نظر یہ ہے کہ ملک کے وسائل اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہونا چاہیے، غریبوں سے امیروں کی طرف نہیں۔ ملک کے زیادہ تر وسائل غریبوں کے درمیان حرکت میں آئیں تاکہ بے وسیلہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر ان کا راستہ امیروں کیلئے آسان کر دیا جائے گا اور غریبوں کیلئے مشکل تو پھر وہ دولت امیروں کے درمیان حرکت کرے گی جیسے آج کر رہی ہے اور غریب اس سے محروم رہیں گے۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ کا مفہوم

مزید ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اموالِ فے کو مکمل طور پر آنحضرت ﷺ کی تحویل میں دیا ہے۔ اس کیلئے بعض مصارف کو بیان ضرور کیا گیا ہے لیکن کسی مصرف میں کتنا خرچ کیا جائے اسے آنحضرت ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ مسلمانوں میں سے جس کو جو اور جتنا دے دیں وہ خوشی سے اسے قبول کریں۔ اور اس سے اختلاف کرتے ہوئے نہ زبان کھولیں، نہ اپنے طرزِ عمل سے کسی رویئے کا اظہار کریں۔ البتہ آیت میں الفاظ اس طرح کے استعمال کئے گئے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیاقِ کلام سے تو بنی نضیر کے اموال کی تقسیم ہی مراد ہے۔ لیکن الفاظِ کلام سے حکومت میں عموم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ رسول جو کچھ تمہیں نہ دے تو پھر تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جس چیز سے وہ تمہیں روک دے یا منع کر دے اس سے رک جاؤ۔ تو اس سے صاف مطلب یہ ہے کہ یہاں اموالِ فے کی تقسیم کا معاملہ ہی نہیں بلکہ حکم کا مقصود آنحضرت ﷺ کے امر و نہی کی اطاعت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود بھی مختلف وقتوں میں اس بات کی وضاحت فرمائی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا اذا امرتکم بامر فائتو منہ ما استطعتم و ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ ''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو۔ اور جس بات سے روک دوں اس سے اجتناب کرو'' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں فیشن کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس تقریر کو سن کر ایک عورت ان کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا کہ یہ بات انہوں نے کہاں سے اخذ کی ہے؟ کتاب اللہ تو میں یہ مضمون کہیں میری نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تو نے اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی ہوتی تو یہ بات ضرور تجھے اس میں مل جاتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی وَمَآ اٰتٰکُمُ

Marfat.com

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔اس نے عرض کیاہاں میں نے یہ آیت تو پڑھی ہے۔حضرت عبداللہ نے فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے اس فعل سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فعل کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔عورت نے عرض کیا اب میں سمجھ گئی۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۸

(یہ مال) ان غریب مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے املاک سے نکالے گئے، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں۔ ۸)

مالِ فے کا ایک خصوصی مصرف

اموالِ فے کے عام مصارف بیان کرنے کے بعد ایک خصوصی مصرف بیان فرمایا گیا ہے جو بعض دفعہ بہت اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔اور جب یہ آیت نازل ہوئی ہے تو اس وقت یقیناً ان مصارف میں سب سے اہم مصرف یہی تھا۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت مکہ معظمہ اور عرب کے دوسرے علاقوں سے صرف اس بات پر نکال دیئے گئے تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرلیا ہے اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے۔اور وہ اس حال میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے کہ ان کے پاس سوائے جسم اور جان کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔تن کے کپڑوں کے سوا شاید ہی کوئی چیز اپنے ساتھ لے کے نکلے ہوں۔آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے انصار اور مہاجرین میں مواخات قائم فرمائی تاکہ ان کے رہنے اور فوری ضرورتوں کی کفالت ہو سکے۔جب بنونضیر کا یہ علاقہ فتح ہوا تو خاص طور پر پروردگار نے اس کے مصارف میں ان کو شامل فرمایا۔اور توجہ دلاتے ہوئے ان کی تعریف فرمائی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بالکل خالی ہاتھ اور تہی دامن آپ کے پاس آئے ہیں یہ اپنے گھروں میں نہایت خوشحالی کے دن گزار رہے تھے۔لیکن یہ اس حال کو اس لئے پہنچے ہیں کہ ان کے پیشِ نظر صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودگی کو حاصل کریں۔اور ان کا حال یہ ہے کہ یہ ہر وقت اللہ تعالیٰ اور اس کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔وہ اپنے گھروں سے صرف اس جذبے کے تحت نکلے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور خوشنودی سے بہرہ ور فرمائے گا۔اور یہ لوگ اپنے اس جذبے اور اپنے اس عمل میں بالکل سچے ہیں۔اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ یہ حکم صرف عہدِ رسالت کے مہاجرین کیلئے مخصوص نہیں تھا بلکہ جب بھی کبھی مسلمانوں کو ایسے مہاجرین کا معاملہ پیش آئے کہ مسلمان محض اپنے دین کی بقاء کیلئے جلاوطن ہو کر کسی مسلم مملکت کی پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں تو ان کو بسانا اور ان کی ضروریات مہیا کرنا اس ملک کی اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔انہیں زکوٰۃ کے علاوہ اپنے دیگر وسائل کو بھی ان کیلئے آسان کر دینا چاہیے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٩﴾

(اور یہ مال ان لوگوں کیلئے بھی ہے جوان مہاجرین کی آمد سے پہلے دارالہجرت میں ٹھکانہ بنا چکے ہیں اور اپنے ایمان کو محکم کر چکے ہیں، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آ رہے ہیں، اور جو کچھ ان کو دیا جا رہا ہے وہ اس کی اپنے دلوں میں کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود احتیاج ہو، اور جو دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ۹)

مالِ فے کا ایک دوسرا خصوصی مصرف

اموالِ فے میں صرف مہاجرین ہی کا حصہ نہیں بلکہ انصار بھی اس کے مستحق ہیں۔ البتہ اس کا اختیار آنحضرت ﷺ کو دیا گیا ہے کہ وہ کسے مستحق سمجھتے ہیں اور اس کی ضرورت کا احساس کر کے اس کو کتنا عطا فرماتے ہیں۔ انصار کی تعریف میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن میں پہلی بات یہ ہے کہ وہ مہاجرین سے پہلے مدینہ طیبہ جو مہاجرین کیلئے دارالہجرت بنا وہ ان کا وطنِ مالوف تھا، لیکن اپنے وطن کی محبت میں مٹی کو ماں بنانے کی بجائے انہوں نے اپنا سرمایہ دین کو بنایا اور اس پر ایمان لا کر زیادہ سے زیادہ اس میں استواری پیدا کی۔ یہ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح عَلَفْتُهٗ تِبْنًا وَمَاءً ''میں نے اس کو چارہ کھلایا اور پانی پلایا'' اس میں دوسرے مفعول سے پہلے ایک فعل محذوف ہے۔ یہاں بھی الایمان سے پہلے مناسبت رکھنے والا ایک فعل محذوف ہے۔ اَحْكَمُوْا یا اس کا کوئی ہم معنی فعل مراد لیا جا سکتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ پہلے سے ٹھکانے بنائے ہوئے اور ایمان استوار کیے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد انصار ہیں۔ یہ لوگ پہلے سے مدینہ میں موجود اور ایمان سے آراستہ تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر کی کاوشوں سے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اوس و خزرج کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو چکی تھی۔ اور انہوں نے اپنے ایمان کو اس حد تک مضبوط بنا لیا تھا کہ جب مہاجرین ایک بڑی تعداد میں وہاں پہنچے تو بجائے دل تنگ ہونے کے انہوں نے نہ صرف اپنے دل ان کیلئے کھول دیئے بلکہ گھروں اور نخلستانوں کے دروازے بھی کھول دیئے اور پروردگار گواہی دے رہا ہے کہ وہ مہاجرین سے دل و جان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی نصرت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ ہمارے باغ اور نخلستان حاضر ہیں، آپ انہیں ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ تو باغبانی نہیں جانتے اور یہ اس علاقے سے آئے ہیں جہاں باغات نہیں ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے ان باغوں اور نخلستانوں میں کام تم کرو اور پیداوار میں سے حصہ ان کو دو۔ انہوں نے کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (بخاری) اس پر مہاجرین نے عرض کیا، ہم نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ اسی طرح جب بنو نضیر کا علاقہ فتح ہوا تو انصار نے عرض کیا کہ یہ جائیدادیں آپ ان میں بانٹ دیں اور ہماری جائیدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں ان کو دے سکتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ پکار اٹھے، جزاکم اللّٰہ یامعاشر الانصار خیرا۔ اسی طرح جب بحرین کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہوا تو انصار نے کہا کہ ہم اس میں سے کوئی حصہ نہ دیں گے جب تک اتنا ہی ہمارے مہاجر

Marfat.com

بھائیوں کو نہ دیا جائے۔ انصار کا یہی وہ ایثار ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں جن خوبیوں سے نوازا تھا ان میں بنیادی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے اوپر دوسرے بھائیوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اور نفس کی خودغرضی اور دل کی تنگی سے انہیں بچالیا گیا تھا۔ یہ خودغرضی اور دل کی تنگی وہ عیب ہے جو انسان سے انسانیت چھین لیتا ہے۔ اور جو اس سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کی اعلیٰ منازل کو پالیتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کو قرآنِ کریم نے کامیاب قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا، حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے اتقوا الشح فان الشح اھلک من قبلکم حملھم علی ان سفکوا دماء ھم واستحلوا محارمھم (مسلم، مسند احمد، بیہقی) حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں الفاظ یہ ہیں امرھم بالظلم فظلموا وامرھم بالفجور ففجروا وامرھم بالقطیعۃ فقطعوا (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی)

''شح سے بچو، کیونکہ شح ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے ان کے ایک دوسرے کے خون بہانے اور دوسرے کی حرمتوں کو اپنے لئے حلال کرنے پر اکسایا، اس نے ان کو ظلم پر آمادہ کیا، اور انہوں نے ظلم کیا، فجور کا حکم دیا اور انہوں نے فجور کیا، قطع رحمی کرنے کیلئے کہا، اور انہوں نے قطع رحمی کی۔''

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۰

(اور جو ان کے بعد آئے ہیں وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کیلئے کینہ نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب بے شک تو نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ ۱۰)

اموالِ فے کا آخری مصرف

یہ اموالِ فے کا آخری مصرف ہے جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اور اقربائے رسول، اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل، اور مہاجرین اور انصار اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کے حقوق ہیں۔ قرآنِ پاک کا یہی وہ قانونی فیصلہ ہے جس کی روشنی میں حضرت عمرؓ نے عراق، شام اور مصر کے مفتوحہ علاقوں کی اراضی اور جائیدادوں کا اور ان ممالک کی سابق حکومتوں اور ان کے حکمرانوں کی املاک کا نیا بندوبست کیا۔ اگرچہ بعض بڑے بڑے صحابہ اسے مالِ غنیمت قرار دے کر ہر چیز کے تقسیم کرنے کے حق میں تھے لیکن بہت طویل بحث و مذاکرہ کے بعد آخر یہ فیصلہ ہوگیا کہ اموالِ فے کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ شروع سے حضرت عمر فاروقؓ کی رائے کے حق میں تھے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا تھا دعھم یکونوا مادۃ للمسلمین ''ان زمینوں کو ان کے کاشتکاروں کے پاس رہنے دیجئے تاکہ یہ مسلمانوں کیلئے ذریعہ آمدنی بنے رہیں۔'' اسی طرح حضرت معاذ بن جبل کی یہ رائے تھی کہ اگر آپ نے ان زمینوں کو تقسیم کیا تو اس کے نتائج بہت برے ہوں گے۔ اس تقسیم کی بدولت بڑی بڑی جائیدادیں ان چند لوگوں کے قبضے میں چلی جائیں گی جنہوں نے یہ علاقے فتح کئے ہیں۔ پھر یہ لوگ دنیا سے رخصت ہوجائیں گے اور ان کی جائیدادیں ان کے وارثوں کے پاس رہ

Marfat.com

جائیں گی۔جن میں بسااوقات کوئی ایک ہی عورت ہوگی یا کوئی ایک ہی مرد ہوگا،لیکن آنے والی نسلوں کیلئے کچھ نہ رہے گا جس سے ان کی ضروریات پوری ہوں اوراسلامی سرحدوں کی حفاظت کے مصارف بھی پورے کئے جاسکیں۔لہٰذا آپ ایسابندوبست کریں جس میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کے مفاد کا یکساں تحفظ ہو۔ (ابوعبید،ص:۵۹، فتح الباری، ج ۶،ص:۱۳۸) حضرت عمرؓ نے اسی آخری آیت سے استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے کتاب اللہ سے حجت مل گئی ہے جو اس مسئلے کا فیصلہ کردینے والی ہے۔اس کے بعد انہوں نے یہی آیات تلاوت کیں۔اس فیصلے کے مطابق اراضیِ مفتوحہ کی اصل حیثیت یہ قرار پائی کہ مسلم ملت بحیثیت مجموعی ان کی مالک ہے۔جولوگ پہلے سے ان زمینوں پر کام کررہے تھے ان کوملت نے اپنی طرف سے بطور کاشتکار برقرار رکھا ہے وہ ان اراضی پر اسلامی حکومت کوایک مقرر لگان ادا کرتے رہیں گے،نسلاً بعدنسلٍ یہ کاشتکارانہ حقوق ان کی میراث میں منتقل ہوتے رہیں گے اور وہ ان حقوق کوفروخت بھی کرسکیں گے۔مگر زمین کے اصل مالک وہ نہ ہوں گے بلکہ مسلم ملت ان کی مالک ہوگی۔

اس آیت میں اگرچہ اصل مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ فے کی تقسیم میں حاضر وموجودلوگوں کا ہی نہیں،بعد میں آنے والے مسلمانوں اوران کی آئندہ نسلوں کا حصہ بھی ہے۔لیکن ساتھساتھ اس میں ایک اہم اخلاقی درس بھی مسلمانوں کودیا گیا ہے،اوروہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کے دل میں کسی دوسرے مسلمان کیلئے بغض نہ ہونا چاہئے،اور مسلمانوں کیلئے صحیح روش یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں،نہ یہ کہ وہ ان پرلعنت بھیجیں اور تبرا کریں۔مسلمانوں کوجس رشتے نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہے وہ دراصل ایمان کا رشتہ ہے۔اگر کسی شخص کے دل میں ایمان کی اہمیت دوسری تمام چیزوں سے بڑھ کر ہوتو لامحالہ وہ ان سب لوگوں کا خیرخواہ ہوگا جو ایمان کے رشتہ سے اس کے بھائی ہیں۔ان کیلئے بدخواہی اور بغض اور نفرت اس کے دل میں اسی وقت جگہ پاسکتی ہے جبکہ ایمان کی قدر اس کی نگاہ میں گھٹ جائے اور کسی دوسری چیز کووہ اس سے زیادہ اہمیت دینے لگے۔لہٰذا یہ عین ایمان کا تقاضا ہے کہ ایک مومن کا دل کسی دوسرے مومن کے خلاف نفرت وبغض سے خالی ہو۔اس معاملہ میں بہترین سبق ایک حدیث سے ملتا ہے جونسائی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین دن مسلسل یہ ہوتا رہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس میں یہ فرماتے کہ اب تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہلِ جنت میں سے ہے،اور ہر بار وہ آنے والے شخص انصار میں سے ایک صاحب ہوتے۔یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کوجستجو پیدا ہوئی کہ آخر یہ کیا عمل ایسا کرتے ہیں جس کی بناپر حضورؐ نے ان کے بارے میں بار بار یہ بشارت سنائی ہے۔چنانچہ وہ ایک بہانہ کرکے تین روز مسلسل ان کے ہاں جاکر رات گزارتے رہے تاکہ ان کی عبادت کا حال دیکھیں۔مگر ان کی شب گزاری میں کوئی غیر معمولی چیز انہیں نظر نہ آئی۔ناچار انہوں نے خود ان ہی سے پوچھ لیا کہ بھائی،آپ کیا عمل ایسا کرتے ہیں جس کی بناپر ہم نے حضورؐ سے آپ کے بارے میں یہ عظیم بشارت سنی ہے؟ انہوں نے کہا میری عبادت کا حال تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔البتہ ایک بات ہے جوشاید اس کی موجب بنی ہو،اوروہ یہ ہے کہ **لا اجد فی نفسی غِلاً لاحد من المسلین و لا احسده علی خیرا اعطاه الله تعالیٰ ایاه** ''میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کپٹ نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اسے عطا کی ہو اس سے حسد کرتا ہوں۔'' (تفہیم القرآن)

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اِلَى

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ
اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا
لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾
لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ
اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ
جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ ۚ
كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ
اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے نفاق کی روش اختیار کی ہے، وہ اپنے ان بھائیوں سے جنہوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا ہے، کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ۱۱) اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ لوگ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر یہ ان کی مدد کریں گے بھی تو پیٹھ دکھائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ ۱۲) ان کے دلوں میں اللہ کے بالمقابل تمہارا خوف زیادہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ ۱۳) یہ کبھی اکٹھے ہو کر آپ سے میدان میں نہیں لڑیں گے، مگر قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی اوٹ سے، ان کے درمیان شدید مخاصمت ہے، آپ انہیں اکٹھا گمان کرتے ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۱۴) یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کئے کا وبال چکھ چکے ہیں، اور ان کیلئے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۱۵) ان شہ دینے والوں کی مثال شیطان کی سی ہے، جو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو اس وقت وہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ۱۶) پھر دونوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دونوں جہنم میں جائیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں کی یہی جزاء ہے۔ ۱۷)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے نفاق کی روش اختیار کی ہے، وہ اپنے ان بھائیوں سے جنہوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا ہے، کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ۱۱)

اَلَمْ تَرَ کا خطاب یا تو اظہار تعجب کیلئے ہے اور یا اس لئے ہے کہ منافقین کی جن باتوں کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے مسلمان عام طور پر ان سے واقف تھے اور سینہ بہ سینہ وہ باتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن قرآنِ کریم نے ان کا تجزیہ کر کے نہ صرف ان باتوں کی تائید کی بلکہ منافقین کی تذلیل کا سامان بھی کیا۔

احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سورۃ بنونضیر کے مدینے سے اخراج کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس لئے ضروری نہیں کہ یہ رکوع اپنے نزول میں مقدم ہو، اور اب کتابت میں اسے دوسرے نمبر پر کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ اس سورۃ کا نزول اس رکوع کا نزول غزوۂ بنی نضیر سے پہلے ہوا ہو۔ لیکن جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ یہ سورۃ غزوۂ بنی نضیر کے بعد نازل ہوئی ہے تو پھر جو ترتیب اس وقت سورۃ میں ہم دیکھ رہے ہیں یہی ترتیب نزول میں بھی یقیناً ہوگی۔

Marfat.com

منافقین کو اہلِ کتاب کا بھائی کہنے کا مفہوم

آیتِ کریمہ میں منافقین کو اہلِ کتاب کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے یہ منافق درحقیقت یہود ہی میں سے تھے جنہیں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن حقیقت میں یہ مومن نہیں تھے۔لیکن اس کی حقیقت گمان کے سوا اور کچھ نہیں۔اس لئے کہ روایات سے یہ بات ثابت ہے اور تاریخ بھی اس کی تائید میں ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کا گروہ تھا جنہوں نے غزوہ بنی قینقاع کے وقت بھی بنی قینقاع کا ساتھ دیا تھا اور آنحضرت ﷺ ان کے بارے میں سخت فیصلہ فرمانے والے تھے کہ عبداللہ بن ابی نے نہایت اصرار کے ساتھ آپ کو ان کی جان بخشی پر راضی کیا۔یہی وہ لوگ تھے جو بنی نضیر کو بھی درپردہ پیغامات بھیج رہے تھے ان میں اس بات کا امکان تو ہے کہ اکا دکا افراد یہود میں سے بھی ہوں ورنہ عام طور پر یہود کا کوئی شخص ایمان لانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔کیونکہ وہ لوگ اجتماعی طور پر آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کو مسترد کر چکے تھے۔اور اس عصبیت میں مبتلا تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے باہر نہیں جا سکتی۔

منافقین کی درپردہ کوششوں کا انکشاف

اس آیتِ کریمہ میں منافقین جو درپردہ بنی نضیر کو پیغامات بھیجتے تھے ان کا پول کھولا گیا اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ان کو ہر ممکن طریقے سے حوصلہ دینے کی کوشش کی اور ان سے جھوٹے وعدے بھی کئے۔اور یہاں تک کہا کہ ہم دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کو آئیں گے اور بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہاری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔لہٰذا تم مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔اور اگر لڑائی کی نوبت آ گئی تو ہم لڑائی میں تمہارا ساتھ دیں گے اور ہر ممکن طریقے سے تمہاری مدد کریں گے۔اور اگر شہر سے نکلنے کا موقع آیا تو تم اکیلے شہر سے نہیں نکالے جاؤ گے بلکہ ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔لیکن جب مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو منافقین اپنی کسی بات پر قائم نہ رہ سکے۔ بنو نضیر کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ صرف زبان کے غازی ہیں۔اس لئے وہ بہت جلد حوصلہ ہار بیٹھے اور مدینے سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔

اس آیتِ کریمہ میں منافقین کا یہ قول بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہم تمہارے معاملے میں کسی کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہوں گے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ اپنے آپ کو مومن کہتے تھے اور ایمان ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں آدمی اپنی ساری وفاداریاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر وقف دیتا ہے۔اور دین کے معاملے میں وہ کسی کو ترجیح دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔اس لئے یہود نے یقیناً ان سے یہ کہا ہو گا کہ جب تمہیں تمہارے ایمان کے حوالے سے آنحضرت ﷺ یا مسلمان یہود سے ترکِ تعلق پر مجبور کریں گے اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے تمہاری وفاداری کا تقاضا کریں گے تو پھر تم کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب میں یہ بات کہی کہ ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات تسلیم نہیں کریں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنے وعدوں میں جھوٹے ہیں۔ان کی زبانوں پر جو کچھ ہے وہ ان کے دلوں میں نہیں۔

Marfat.com

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ
وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

(اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ لوگ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر یہ ان کی مدد کریں گے بھی تو پیٹھ دکھائیں گے پھر اُن کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ ۱۲)

منافقین کے وعدوں کی حقیقت

منافقین نے بنی نضیر کا حوصلہ برقرار رکھنے کیلئے جو کوششیں کیں اور جس طرح جھوٹے وعدوں سے انہیں اپنی بات پر اڑے رہنے کی ترغیب دی یہ اس کی مزید تفصیل ہے کہ انہوں نے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ نکالے گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ نکلیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جس سیرت و کردار کے لوگ ہیں اس کے حوالے سے یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ بنی نضیر کو اگر نکالا گیا تو یہ کبھی ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اور اگر انہوں نے ان کی باتوں پر اعتماد کر کے مسلمانوں سے لڑائی چھیڑ دی تو یہ کبھی ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر کسی حد تک ان کا ساتھ دینے کی کوشش کی تو منہ کی کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اور پھر اس کے بعد یہود کو کسی اور طرف سے کوئی اور مدد نہیں پہنچے گی۔ چنانچہ عملی طور پر ایسا ہی ہوا کہ شروع شروع میں انہوں نے ہیکڑی دکھائی لیکن پھر حوصلہ ہار بیٹھے اور مسلمانوں کی شرائط کے مطابق مدینے سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾

(ان کے دلوں میں اللہ کے بالمقابل تمہارا خوف زیادہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ ۱۳)

منافقین کے ایمان کی حقیقت

منافقین بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر تمہارا خوف ہے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اسلام کی وجہ سے انتہا درجے کا اتحاد ہے، وہ کفر کے مقابلے میں ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں، جس سے ٹکرانے والا اپنا سر تو پھوڑ سکتا ہے، لیکن اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ان کی تمام تر وفاداریاں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کیلئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول کے اشارے پر یہ لوگ گردنیں کٹوانے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس صورتحال نے ان کے دلوں میں ایک خوف بٹھا دیا ہے کہ جو شخص بھی ان مسلمانوں سے ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو کر رہ جائے گا۔ اس خوف کی وجہ سے وہ یہود کا ساتھ دینے کی ہمت نہیں کریں گے۔ لیکن اس پر افسوس کا اظہار ہی کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص ایمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بجائے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ڈرتا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی عقلیں بالکل جواب دے گئی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فہم صحیح کی قوت کو سلب کر لیا ہے اور ان کی فکری توانائی بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔

Marfat.com

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْمِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۚ ﴿۱۴﴾

(یہ کبھی اکٹھے ہوکر آپ سے میدان میں نہیں لڑیں گے، مگر قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی اوٹ سے، ان کے درمیان شدید مخاصمت ہے، آپ انہیں اکٹھا گمان کرتے ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۱۴)

منافقین کی بزدلی

ان منافقین کی بزدلی کا عالم یہ ہے کہ آپ سے لڑنے اور میدان میں نکل کر آپ کے مقابلے کی ہمت نہیں کرسکیں گے۔ البتہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے بارے میں چونکہ شدید بغض پایا جاتا ہے اور ان کی دلی خواہش ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ اس لئے اگر انہیں قلعہ بند بستیاں مل جائیں یا کوئی ایسی مضبوط اوٹ راستے میں حائل ہو جس سے وہ اپنی حفاظت کرسکیں تو پھر وہ آپ پر وار کرنے سے کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ میدان میں نکل کر اور خطرے کو انگیخت کر کے اپنی جان پر کھیل جانا یہ ان لوگوں کا کام نہیں جن کے سامنے کوئی بلند نصب العین نہ ہو۔ وہ صرف زندگی کیلئے زندہ ہیں اور زندگی کی ضرورتیں اور خواہشات ان کے مقاصد ہوں۔ ایسے لوگ صرف اپنی ذات کے پجاری ہوتے ہیں اور اول و آخر ان کی ذات ہی ان کا مرجع رہتی ہے۔ تو ایسے لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ کبھی جان کی بازی بھی لگا سکتے ہیں یہ ناممکن ہے۔ البتہ ان کی ذات کو گزند نہ پہنچے تو پھر وہ نفرتوں کے اظہار میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اور دوسری عجیب بات ان میں یہ ہے کہ اسلام دشمنی میں وہ سب یکجا اور یک زبان ہیں۔ اس معاملے میں ان کا اتحاد دیکھ کر گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید ان میں وحدتِ فکر بھی پائی جاتی ہے، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مخالفتِ اسلام کے منفی مقصد کے سوا ان کے دلوں کے اندر اتحاد کا کوئی جذبہ نہیں۔ وہ دیکھنے کو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں لیکن دل ایک دوسرے سے بیگانہ اور ایک دوسرے سے زخمی ہیں۔ اور آخر میں فرمایا گیا کہ ان کا یہ حال اس لئے ہے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ یعنی ان کی عقلوں پر ان کے تعصبات چھائے ہوئے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کیخلاف ان کا بغض و عناد انہیں عقل سے کام لینے نہیں دیتا۔ ان ہی تعصبات اور بغض و عناد نے ان کی فکری قوتوں کو مسموم کر کے رکھ دیا ہے۔ جس طرح رنگدار عینک سے آدمی کو ہر چیز رنگین دکھائی دیتی ہے اسی طرح ان کی عقل ہر معاملے میں ان کی غلط رہنمائی کرتی ہے اور وہ صحیح عقل کو استعمال کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ ﴿۱۵﴾

(یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کئے کا وبال چکھ چکے ہیں، اور ان کیلئے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۱۵)

Marfat.com

بنونضیر کے انجام کی مثال

منافقین جن لوگوں کو شہ دے رہے تھے ان کا جو انجام ہونے والا ہے، اس کی ایک مثال ارشاد فرمائی گئی ہے۔ یعنی ان منافقین نے اس سے پہلے بنوقینقاع کو اسی طرح ابھار کر مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کی ترغیب دی اور ان سے غلط وعدے کئے، بالآخران کا انجام یہ ہوا کہ وہ اپنی کثرتِ تعداد اور اپنے سروسامان کے باوجود مدینے سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ اب یہ بالکل اسی طرح بنونضیر کو بھی شہ دے رہے ہیں کہ تم بھی ڈٹ جاؤ، ہم ہر طرح تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن جو انجام بنوقینقاع کا ہوا، ان کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ مدینے سے اخراج تو صرف دنیا میں ان کی رسوائی ہے لیکن یہ آخری سزا نہیں اصل سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کیلئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہ عذاب بنوقینقاع کے انتظار میں بھی ہے اور بنونضیر بھی اسی سے دوچار ہونے والے ہیں۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾

(ان شہ دینے والوں کی مثال شیطان کی سی ہے، جو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو اس وقت وہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ۱۶)

منافقین کی مثال شیطان سے

یہ منافقین جس طرح بنی نضیر کو شہ دے رہے تھے اور ساتھ دینے کے جھوٹے وعدے کر کے انہیں ڈٹ جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ اس آیتِ کریمہ میں ان کی مثال شیطان سے دی گئی ہے کہ ان کا رویہ وہی ہے جو انسان کی گمراہی میں شیطان کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ پہلے انسان کو گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے اور جب آدمی اس کے چکمے میں آکر کوئی جرم کر بیٹھتا ہے تو وہ ناصح بن کر اس کو ملامت کرتا اور اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ آج یہ اسی طرح بنونضیر کو جھوٹے وعدے کر کے یقین دلا رہے ہیں کہ ہم ہر حال میں تمہارا ساتھ دیں گے، تم مسلمانوں سے لڑ جاؤ۔ لیکن اگر ان وعدوں پر اعتماد کر کے وہ مسلمانوں سے بھڑ گئے تو یہ شیطان کی روایت کے مطابق دامن جھاڑ کر ان سے الگ ہو جائیں گے۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری بنونضیر پر ڈال دیں گے۔ چنانچہ جنگِ بدر میں شیطان نے ایسا ہی کیا۔ جس کا سورۃ الانفال میں ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے وہ اشرافِ قریش کو بڑھاوے چڑھاوے دے کر بدر میں مسلمانوں کے مقابلے پر لے آیا۔ اور جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ یہ کہتا ہوا پشت پھیر کر بھاگ نکلا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ "میں تم سے بری الذمہ ہوں، مجھے وہ کچھ نظر آرہا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا، مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔"

فَکَانَ عَاقِبَتَہُمَآ اَنَّہُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْہَا ؕ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

(پھر دونوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دونوں جہنم میں جائیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں کی یہی جزاء ہے۔ ۱۷)

Marfat.com

دنیا میں جن لوگوں نے شیطان کی طرح دوسروں کو بہکایا، اور جب مشکل گھڑی آئی تو دامن جھاڑ کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور ساری ذمہ داری ان پر ڈال دی جنہیں وہ اکساتے رہے اور اپنی معاونت کا یقین دلاتے رہے۔ اور اس حرکت کے بعد انہوں نے یہ سمجھا کہ جن لوگوں کو ہم نے اکسایا وہ کیسے ہی ناگفتہ بہ انجام سے دوچار ہوئے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، نہ ہم پر اس کی کوئی ذمہ داری ہے۔ لیکن اکسائے جانے والے لوگ جب قیامت میں انہیں دیکھیں گے تو وہ ان ہی کو ہر لحاظ سے ذمہ دار گردانیں گے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ انہیں ان سے بڑھ کر سزا دی جائے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ دونوں طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ ایک دوسرے کو ملامت کسی کے کام نہیں آئے گی، دونوں اپنے اپنے انجام پر پکڑے جائیں گے اور دونوں کو ایسی نارِ جہنم میں ڈالا جائے گا جہاں سے وہ کبھی نکل نہیں سکیں گے۔ اور یہ انجام ان کا اس لئے ہوگا کہ انہوں نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ بجائے عقلِ سلیم کو استعمال کرنے کے تعصبات میں اندھے بنے رہے اور حقائق کو عقل سے سمجھنے کی بجائے تعصبات کی نگاہوں سے دیکھا۔ تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ دونوں ہی تباہ ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو اسی طرح کا بدلہ دیا کرتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ
وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمْ
أَنفُسَهُمْ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِىٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ
وَأَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۚ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ هُمُ ٱلْفَآئِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنزَلْنَا
هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُۥ خَٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ
ٱللَّهِ ۚ وَتِلْكَ ٱلْأَمْثَٰلُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾
هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ۖ هُوَ
ٱلرَّحْمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ
ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۚ

Marfat.com

سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ہُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۴﴾

رکوع: ۳۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور چاہیے کہ ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کیلئے کیا سامان کیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جاننے والا ہے۔ ۱۸) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ اصلی نافرمان ہیں۔ ۱۹) دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے برابر نہیں، جنت والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔ ۲۰) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے پست اور پاش پاش ہو جاتا، یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔ ۲۱) وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب و حاضر کا جاننے والا، وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ ۲۲) وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، معتمد، سب پر غالب، زور آور، بڑا ہی ہو رہنے والا، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۲۳) وہی اللہ ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا، وجود میں لانے والا، صورت گری کرنے والا، اسی کیلئے ساری اچھی صفتیں ہیں، اس کی تسبیح کر رہی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۲۴)

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ
وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور چاہیے کہ ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کیلئے کیا سامان کیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جاننے والا ہے۔ ۱۸)

انسان کی اصلاح سے متعلق بنیادی ہدایات

اس آیتِ کریمہ میں خطاب اگرچہ عام مسلمانوں سے ہے لیکن سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ روئے سخن ان منافقین کی طرف ہے جن کا ذکر اس سورۃ میں مسلسل چلا آ رہا ہے۔ اور ویسے بھی قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جب بھی منافق مسلمانوں کے نفاق پر گرفت کرتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ انہیں نصیحت بھی کرتا ہے تا کہ ان میں سے اگر کسی کے اندر ضمیر کی روشنی باقی ہے تو اسے اپنی اصلاح کا موقع مل سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلی جس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تغافل انسان کیلئے تمام خرابیوں کا سبب بنتا ہے اور جس کی یادداشت انسان کیلئے اصلاح کا پیغام بن جاتی ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اللہ سے ڈرتا رہے۔ یعنی اس کا استحضار رکھے

Marfat.com

اوراس یقین سے بہرہ ور رہے کہ میرا ایک خالق و مالک ہے، میں ہر وقت اس کی نگاہوں میں ہوں، میرا کوئی عمل اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں، میرے لئے عافیت اسی میں ہے کہ میں ہر وقت اس کے سامنے جواب دہی سے لرزاں و ترساں رہوں۔ یہ وہ حقیقت الحقائق ہے جو انسان کی اصلاح کی ضامن ہے۔اوراس کی طرف سے ذہول انسان کی تباہی کا باعث ہے۔اوراللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا لازمی نتیجہ جو ہونا چاہئے اس کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انسان کو ہمیشہ اپنا جائزہ لیتا رہنا چاہئے کہ میں نے اس دنیا میں رہ کر آخرت کیلئے کیا تیاری کی ہے، اور وہ کیسے اعمال ہیں جنہیں میں نے آخرت کیلئے بھیجا ہے۔اس بات کو نہایت مؤثر بنانے کیلئے آخرت کو''کل'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بلاشبہ آخرت سے بے نیازی ولاپرواہی کا سبب انکار ہے،لیکن جولوگ آخرت کا انکار نہیں کرتے ان کی لاپرواہی کا سبب یہ ہے کہ وہ آخرت کو بہت دور سمجھتے ہیں۔ اور جب بھی انہیں توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی تو آخرت بہت دور ہے ابھی سے اپنی زندگی کو بے رنگ اور بے نمک کیسے کرلیا جائے۔اس لئے ارشاد فرمایا کہ آخرت دور نہیں، وہ تو تمہاری زندگی میں اس قدر یقینی اوراس قدر قریب الوقوع ہے جتنا تمہاری زندگی میں کل کا دن ہے۔ یہ دنیا تمہارا آج ہے اور آخرت تمہارا کل ہے۔ جس طرح کل کے سورج کا طلوع ہونا تمہارے لئے یقینی ہے اسی طرح آخرت بھی تمہارے لئے یقینی ہے۔اور مزید یہ بات بھی نہایت حکیمانہ طریقے سے واضح فرمائی گئی ہے کہ وہ شخص کس قدر نادان سمجھا جاتا ہے جو آج کے لطف ولذت پر سب کچھ لٹا بیٹھتا ہے اور کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ کل کو میں کیا کھاؤں گا اور اپنی دیگر ضروریات کہاں سے پوری کروں گا۔اسی طرح وہ شخص بھی سخت نادان ہے جو دنیا میں انہماک کی وجہ سے آخرت سے غفلت کا شکار ہے۔اسے اس بات کی فکر تو ہے کہ میرے پاس بہتر سے بہتر ضروریاتِ زندگی کا انبار ہونا چاہئے، میرے گھر میں دولت کی ریل پیل ہونی چاہئے، لوگوں میں میرا نام ہونا چاہئے اور میرے سر پر آئے روز نئی سے نئی کلغی بجنی چاہئے۔ آنے جانے کیلئے اتنی بڑی گاڑی ہونی چاہئے جسے لوگ دیکھتے رہ جائیں۔لیکن اس کی طوالت کو ناپ نہ سکیں۔لیکن اسے اس بات کا کبھی ہوش نہ آئے کہ میں اپنے اس آج کیلئے تو اس قدر فکر مند ہوں لیکن میرا جو کل ہے اس کی کبھی مجھے بھول کر بھی فکر نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس کا آنا بھی یقینی ہے اور اس کا وقوع بھی دور نہیں۔ بلکہ جیسے ہی آنکھیں بند ہوئیں آخرت سر پر آپہنچی۔ اور مزید اس میں یہ بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو خود اپنا محتسب ہونا چاہئے۔ وہ برابر اپنا جائزہ لیتا رہے کہ میں جس طرح زندگی گزار رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ میرا سفر بھلائی کی طرف ہے یا برائی کی طرف، مجھ سے وجود پذیر ہونے والے اعمال کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے لئے اجر و ثواب کا باعث بنیں گے یا سزا و عذاب کا۔اور آخر کار میرا مقدر جنت ہوگا یا جہنم۔ جو شخص بھی اس طرح سے اپنا احتساب کرتا ہے اور پھر یہ احتساب بڑھتے بڑھتے قوم کی بیداری میں تبدیل ہو جاتا ہے تو ایسی قوم کو نہ دنیا میں کبھی ناکامی ہوتی ہے اور نہ آخرت میں اسے کوئی کھٹکا ہوگا بلکہ وہ دنیا میں بھی ایک طاقت ہے اور آخرت میں بھی اس کو پذیرائی ملے گی۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾

(اوران لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ اصلی نافرمان ہیں۔ ۱۹)

Marfat.com

تباہی سے بچاؤ کیلئے ہدایات

فوز وفلاح کا راستہ دکھانے کے بعد اس راستے پر چلنے سے روکا جو افراد اور اقوام کیلئے تباہی کا راستہ ہے اور وہ تباہی کہیں باہر سے نہیں انسان کے اندر سے پھوٹتی ہے اور انسان خود اس کا سروسامان کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو معرفتِ خداوندی جیسی حقیقت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم بخشا گیا۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں میں راضی ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ اور وہ کون سی باتیں ہیں جن کے اختیار کرنے سے انسان دنیا میں ایسی زندگی گزارتا ہے جو آخرت بنانے کے کام آتی ہے۔ اور وہ کون سی باتیں ہیں جن کے اختیار کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محروم ہو گئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے۔ کیونکہ خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے۔ کیونکہ انسان کیلئے سب سے بنیادی سوال یہ ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ کیا وہ ایک خودرو پودا ہے جو اپنے آپ وجود میں آیا ہے یا اسے خالق نے حیوانوں کی طرح پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے اور ان کی زندگی کیلئے کوئی فرائض وحقوق متعین نہیں فرمائے۔ اور ان کی زندگی کے اعمال کے حوالے سے کبھی ان سے سوال نہیں ہوگا۔ اور یا انہیں اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ الٰہی رہنمائی کے بغیر اپنی مرضی سے اپنی حیثیت کا جو تعین کرنا چاہیں کر لیں۔ اسی سوال کے جواب پر انسان کی تمام تر زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر وہ اس سوال کا صحیح جواب تلاش کر لیتا ہے تو اس کی زندگی کا سفر صحیح منزل اور صحیح جہت کی طرف ہوتا ہے۔ اور اگر اس سوال میں وہ غلطی کر جاتا ہے تو اس کی زندگی کا ہر فیصلہ غلط ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لئے پروردگار نے انسانوں کو حواس کے ساتھ ساتھ عقلِ سلیم سے نوازا۔ اور عقلِ سلیم کی رہنمائی کیلئے وحی الٰہی کا نور روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ انسان کے سامنے ایک نمونے کی زندگی پیش کریں۔ اس طرح سے اس سوال کے صحیح جواب انسان کیلئے آسان بنائے۔ چنانچہ اس کی جبلت، اس کی فطرت اور اس کی عقل پر اس نکتہ کو فاش کیا کہ تم خود سے وجود میں نہیں آئے ہو بلکہ تمہارا ایک خالق ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس نے تمہیں حیوانوں کی طرح پیدا نہیں کیا کہ شتر بے مہار بن کر زندگی گزارو بلکہ تمہیں اشرف المخلوقات بنایا، تمہاری زندگی کے مقاصد متعین کیے، آخرت کو تمہاری منزل بنایا اور زندگی گزارنے کیلئے تمہیں ایک ضابطۂ حیات بخشا جس کیلئے اس نے اپنی کتابیں اتاریں اور اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا۔ جو لوگ اس حقیقت کو بھول گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے۔ یعنی انہیں بالکل یہ خیال نہ رہا کہ ہم بندے ہیں اور ہمارا ایک مالک اور آقا ہے۔ ہمیں جس قدر یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں وہ اس کی امانتیں ہیں، اس نے اس پر تصرف کا ہمیں اختیار بھی دیا اور طریقہ بھی بتایا ہے اور اس طریقے سے ہم اگر ان نعمتوں پر اس کی رضامندی کے حصول کیلئے تصرف کریں گے تو ہماری زندگی کا سفر صحیح گزرے گا۔ اور ہم یہاں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی ہمیں کامیابی نصیب ہوگی۔ لیکن اگر ہم نے اس میں ٹھوکر کھائی، بندگی کی بجائے سرکشی اور خودسری کا راستہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا بنانے کی بجائے کسی اور کو اپنا آقا بنا لیا یا اپنی ہوائے نفس کی پوجا شروع کر دی یا ضروریاتِ زندگی کو مقصدِ حیات بنا لیا اور پھر اسی کے حصول میں ساری زندگی وقف کر دی۔ تو یہ وہ فسق وفجور کا راستہ ہے جو انسانیت کا نہیں بلکہ حیوانیت کا غماز ہے۔ اور اس کی ابتداء اس وقت ہو جاتی ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط فیصلہ کرتا ہے اور یا اس کے بارے میں نسیان کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے جانتا ہے لیکن مانتا نہیں۔ یا مانتا ہے لیکن اس

Marfat.com

کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔ یہ سب اس کی نافرمانی کے راستے ہیں جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔ اور جو شخص اس راز کو پالیتا ہے وہ دنیا میں بھی اشرف المخلوقات بن کر زندگی گزارتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے آستانے کے سوا کسی اور آستانے پر نہیں جھکتا۔ اس کا دستِ سوال کسی کے سامنے نہیں پھیلتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امیدیں نہیں باندھتا، وہ کسی قانون کو اپنی زندگی کا رہنما نہیں بناتا، وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے سوا کسی کو اپنا آئیڈیل نہیں سمجھتا۔ اس کے نتیجے میں وہ اس کامیاب زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے جس سے اس کی دنیا بھی آسان ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ٹھیک کہا کسی نے:

یہ کہہ کر ٹوٹ گئی میرے پاؤں کی زنجیر
جو غلام اس کا ہے وہ کسی کا غلام نہیں

لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

(دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے برابر نہیں، جنت والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔ ۲۰)

اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ یکساں نہیں

جو شخص عرفانِ ذات اور معرفتِ رب کی دولت کو پا گیا اسے وہ زندگی نصیب ہوتی ہے جو قیامت کے دن اس کیلئے جنت کا باعث بنے گی۔ کیونکہ وہ اپنے عرفان سے اپنی حقیقت کو پہچان لے گا کہ وہ ایک بندہ ہے اور معرفتِ حق سے وہ اللہ تعالیٰ کی آقائی اور کبریائی کی حقیقت کو پا لے گا۔ اور اسے یقین ہو جائے گا کہ میری بندگی کی مستحق صرف وہ ذات ہے جو میری الٰہ ہے، جو میری خالق و مالک ہے، جس نے مجھے زندگی کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں اور جو میری حیات و ممات پر قادر ہے۔ اس کے نتیجے میں اسے وہ زادِ سفر نصیب ہوگا جو اس کو جنت تک پہنچا دے گا۔ اور اس سلسلے میں مزید فرمایا کہ کوئی شخص اس کو محض فلسفے کا سوال نہ سمجھے کہ اہلِ جنت یا اہلِ دوزخ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، زیادہ سے زیادہ بھی ہوگا کہ ایک اعلیٰ ہوگی اور دوسری ادنیٰ۔ اس لئے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اصحابِ نار اور اصحاب جنت دونوں یکساں نہیں، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مرکز اور فوز و فلاح کا مقام ہے اور دوسرا ابدی قسمت و لعنت کا مرکز اور ہمیشہ کی رسوائی کی جگہ، جس میں ایک لمحے کیلئے بھی کوئی شخص رکنا گوارا نہیں کر سکتا۔ اس لئے فوز و فلاح کی جتنی صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں وہ سب اہلِ جنت کیلئے ہیں۔ اور لعنت و عذاب کے جتنے تصورات بھی ہو سکتے ہیں وہ سب اہلِ دوزخ کیلئے ہیں۔ ظاہر ہے یہ دونوں نہ صرف یکساں نہیں بلکہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

(اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے پست اور پاش پاش ہو جاتا، یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔ ۲۱)

Marfat.com

منافقین کو زجرو تنبیہ

اس آیتِ کریمہ میں منافقین کیلئے زجرو ملامت ہے کہ جہاں تک تعلیم و تذکیر اور اتمامِ حجت کا تعلق ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ آنحضرت ﷺ جیسا رسول بھیجا اور قرآنِ کریم جیسی کتاب نازل کی۔ جس کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام کی عظمت وہی ہوتی ہے جو متکلم کی ہوتی ہے۔ جب اس احساس اور علم کے ساتھ اسے کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو پہاڑ جیسی سخت اور بے حس چیز بھی خشیتِ الٰہی سے سرفگندہ اور پاش پاش ہو جاتی۔ کیونکہ مخلوقات کی کمزوری یہ ہے کہ وہ کسی بھی کلام کو اس کے متکلم کے حوالے سے محسوس کرتے اور سمجھتے ہیں۔ ایک معمولی آدمی جب کوئی سی بات بھی کرتا ہے تو اس کے معمولی ہونے کی وجہ سے کوئی اسے قدر و قیمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ لیکن وہی بات اگر کسی صاحبِ جبروت اور صاحبِ منصب کی زبان سے نکلے تو سننے والے اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور طبیعتیں اس کیلئے نہ صرف ہموار ہوتیں بلکہ دبی چلی جاتی ہیں۔ بے جان مخلوقات کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس بخشا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے۔ اس احساس کے تحت اگر قرآنِ کریم کو پہاڑ پر نازل کیا جاتا اور اسے احساس ہوتا کہ یہ خداوند ذوالجلال کا کلام ہے جس نے مجھے بلندی اور سختی عطا کی ہے، لیکن اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ایک آن میں مجھے اٹھا کر پھینک دے۔ تو متکلم کی حیثیت کے ادراک کی وجہ سے پہاڑ پست ہو جاتا اور پھٹ جاتا، دبتا چلا جاتا اور پاش پاش ہو جاتا۔ لیکن انسانوں کو اپنی غفلت وجود کی وجہ سے چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار نہیں ہوتا اس لئے قرآنِ کریم جیسی عظیم کتاب بھی ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو وہ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ آخر میں فرمایا کہ ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے حال پر غور کریں کہ اگر ان کے دل قرآن جیسی عظیم کتاب کو سن کر بھی پگھلتے نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں قدرت نے ایسی قساوت پیدا کر دی ہے جس پر کوئی بڑی سے بڑی حقیقت بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔ اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق ایسے دلوں پر مہر نہ کر دے، جس طرح اس نے یہود کے دلوں پر کی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب و حاضر کا جاننے والا، وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ ۲۲)

اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں اتارنے کیلئے صفاتی ناموں کا ذکر

انسانوں کو یہ بتانے کیلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی عظیم ہے جس نے ان پر قرآن اتارا ہے اس نے مسلسل اپنی صفات بیان فرمائیں تاکہ انسان کو کسی نہ کسی حد تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا احساس اور استحضار پیدا ہو۔ جن میں سب سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ وہ تمہارا الٰہ اور معبود ہے اور اس کے سوا تمہارا کوئی اور معبود نہیں۔ اس وجہ سے امید و بیم دونوں حالتوں میں تمہیں اسی سے رجوع کرنا چاہئے، اس کے سوا کوئی اس کا استحقاق نہیں رکھتا کہ اس کو معبود مانا جائے یا اس کی پرستش کی جائے یا اس کو مرجع سمجھ کر اس سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ غائب و حاضر دونوں کو جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ مخلوقات سے پوشیدہ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے، اور جو کچھ ان پر ظاہر ہے وہ اس سے بھی واقف ہے۔ اس صفت کے اندر امید و بیم دونوں کے پہلو ہیں۔ بیم کا پہلو یہ ہے کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے چاہے وہ مخفی طریقے سے

Marfat.com

کرے یا اعلانیہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔اور جب سب کچھ اس کے علم میں ہے تو وہ لازماً ایک ایک چیز سے متعلق باز پرس کرے گا۔ پھر نہ کوئی اپنے کسی قول وفعل کو چھپا سکے گا اور نہ اس کا کوئی سفارشی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے باب میں غلط بیانی کر سکے گا۔ ماضی میں جو کچھ گزر چکا، حال میں جو کچھ موجود ہے اور مستقبل میں جو کچھ ہوگا ہر چیز اس کو براہِ راست معلوم ہے، وہ کسی ذریعہ علم کا محتاج نہیں۔تو پھر کس طرح اس سے کوئی بات مخفی رکھی جا سکتی ہے۔امید کا پہلو اس میں یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کے ہر غائب و حاضر سے واقف ہے تو اس کو اس پر پورا بھروسہ رکھنا چاہئے، اور اپنی ہر درخواست اسی کے آگے پیش کرنی چاہئے۔

مزید فرمایا کہ وہ رحمٰن ورحیم بھی ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِیْمُ

رحمن اور رحیم اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے دو نام ہیں۔ان دونوں کا مادہ رحمت ہے۔لیکن یہ رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔عربی زبان میں 'رحمٰن' فعلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے اور 'رحیم' فعیل کے وزن پر صفت مشبہ ہے۔فعلان میں تین باتیں نمایاں ہیں۔

۱۔ فعلان کا وزن صفات عارضہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔جیسے پیاسے کیلئے عطشان، غضبناک کیلئے غضبان، سراسیمہ کیلئے حیران، مست کیلئے سکران، کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

۲۔ فعلان کا وزن جوش وخروش اور ہیجان پر دلیل ہوتا ہے۔اس طرح رحمٰن کا لفظ جو رحمت سے اسمِ مبالغہ ہے۔اس کے معنی ہوں گے کہ رحمٰن وہ ذات ہے جس میں صفتِ رحمت پائی جاتی ہے اور اس کی رحمت میں ایک جوش اور ایک ہیجان ہے۔ یہ مخلوقات کیلئے اس طرح ابلتی ہے جیسے چشمہ ابلتا ہے۔

۳۔ فعلان کا وزن اپنے اندر وسعت اور ہمہ گیری رکھتا ہے۔اس لحاظ سے رحمٰن کے معنی ہوں گے وہ ذات جس کی رحمت سارے عالم ساری کائنات اور جو کچھ اب تک پیدا ہوا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا سب پر حاوی اور شامل ہے۔اسی وجہ سے اس اسم کو لفظ اللہ کے تقریباً برابر قرار دیا گیا ہے۔ارشاد ہوا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

(بنی اسرائیل: ۱۱۰)

(اے پیغمبر! فرما دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کے نام سے پکارو کسی طرح بھی پکارو اس کے سب نام بہتر ہیں)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی طرح لفظ رحمان بھی پروردگار کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔کسی مخلوق کو رحمان کہنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس کی رحمت سے عالم کی کوئی چیز خالی نہ رہے۔اس لئے جس طرح لفظ اللہ کی جمع اور تثنیہ نہیں آتا۔ رحمان کا بھی جمع وتثنیہ نہیں آتا کیونکہ وہ ایک ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔دوسرے اور تیسرے کا وہاں احتمال ہی نہیں۔

Marfat.com

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ کفار قریش اسم اللہ سے تو واقف تھے مگر اسمِ رحمٰن سے انہیں بالکل آگاہی نہیں تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع پر اس کا ذکر فرمایا کہ کفارِ مکہ سے جب پوچھا جاتا کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ آسمان سے پانی کون اتارتا ہے؟ زمین کو از سرِ نو کون زندگی دیتا ہے؟ یہاں تک کہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ تمہیں کس نے پیدا کیا؟ پھر تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ دعائیں کون سنتا ہے؟ تو وہ سب کے جواب میں کہتے تھے کہ اللہ مگر جب ان سے کہا جاتا کہ رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے کہ رحمان کیا ہوتا ہے؟ اسی لئے قرآنِ کریم نے کہا:

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○

(یہی تو وہ ہیں کہ جو رحمان کے ذکر سے انکاری ہیں)۔ (الانبیاء: ۳٦)

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا نام عبدالرحمٰن ہو اسے رحمان کہہ کر بلانا جائز نہیں کیونکہ یہ نام ذاتِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر اس کے مقابلے میں لفظ رحیم جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ہے وہ فعیل کے وزن پر صفت مشبہ ہے اور فعیل کا وزن دوام واستمرار، پائیداری واستواری پر دلالت کرتا ہے اور یہ وزن ایسی صفات کے لئے بولا جاتا ہے جو صفات عارضہ نہیں بلکہ صفات قائمہ ہوتی ہیں۔ مثلاً کریم کرم کرنے والا، عظیم بڑائی رکھنے والا، علیم علم رکھنے والا، حکیم حکمت رکھنے والا، دوسری یہ بات کہ اس میں رحمت کے کامل اور مکمل ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رحیم وہ ہوگا جس کی رحمت میں دوام اور تسلسل پایا جائے اور جس کی رحمت صفت کمال کے ساتھ متصف ہو۔ تو رحمٰن کے بعد رحیم کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پروردگار کی اپنی خلق کے لئے رحمت میں صرف جوش ہی نہیں بلکہ پائیداری اور استقلال بھی ہے۔ اس لئے اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ اپنے رحمانیت کے جوش میں دنیا پیدا تو کر ڈالی لیکن پیدا کر کے پر اس کی خبر گیری اور نگہداشت سے غافل ہو گیا بلکہ اس کو پیدا کرنے کے بعد وہ اپنی پوری شانِ رحیمیت کے ساتھ اس کی پرورش اور نگہداشت بھی فرما رہا ہے۔ بندہ جب بھی اسے پکارتا ہے وہ اس کی پکار سنتا ہے اور اس کی دعاؤں اور التجاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ پھر اس کی رحمتیں اسی چندروزہ زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ جو لوگ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں گے ان پر اس کی رحمت ایک ایسی ابدی اور لازوال شان سے ہوگی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ رحیم میں ایک دوام اور تسلسل صفتِ کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے تو جس طرح اس کائنات کا ارتقاء بالآخر اسے آخرت میں داخل کر دے گا اور اس کی تمام نعمتیں جنت کی آغوش میں پہنچ کر ارتقاء کی منزل کو پالیں گی اسی طرح پروردگار کے رحیم ہونے کی صفت دنیا سے آخرت کی طرف اس کی رحمت کے ارتقاء کا ایک عمل ہے جو اپنی صفتِ کمال کے ساتھ آخرت اور جنت میں رونما ہوگا۔ اس لئے جن علماء نے الرحیم کو آخرت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ ان کا شاید یہی مفہوم ہے کہ رحمت اپنی تکمیلی شان میں وہاں جلوہ گر ہوگی۔

Marfat.com

رحمت کیا ہے؟

یہ تو تھا الرحمٰن اور الرحیم کا مفہوم اور دونوں کے معنی میں فرق۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوںؐ کے معنوں میں ہم نے جس صفتِ رحمت کا ذکر کیا ہے وہ رحمت ہے کیا؟ اگر اس رحمت کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے کائنات کو عدم سے وجود بخشا تو یہ بات اس کی صفتِ خلق کا مظہر ہے اور اگر اس کا معنی یہ ہے کہ وہ پیدا کرنے کے بعد تربیت کا سامان کر رہا ہے اور ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کے مطابق سامانِ تربیت میسر آرہا ہے اور ہر ایک کی ضرورت کو پورا کیا جارہا ہے تو یہ تو وہ چیز ہے جس کو پروردگار کی صفتِ ربوبیت انجام دے رہی ہے۔ مگر یہاں تو رحمت کا ذکر ہورہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ رحمت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس کائنات پر تدبر کی ایک نگاہ ڈالیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کائنات کے لئے صرف پرورش اور تربیت کا سامان ہی مہیا نہیں ہورہا بلکہ پرورش سے بھی زیادہ بنانے، سنوارنے اور فائدہ پہنچانے کی حقیقت کام کررہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی فطرت میں بناؤ ہے، اس کے بناؤ میں خوبی ہے، اس کے مزاج میں اعتدال ہے، اس کے افعال میں خواص ہیں، اس کی صورت میں حسن ہے، اس کی صداؤں میں نغمہ ہے اور اس کی بو میں عطر بیزی ہے اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو اس کارخانہ کی تعمیر اور درستگی کیلئے مفید نہ ہو۔ پھر یہاں پر بس نہیں اس دنیا میں مخلوقات کو اپنی زندگی اور بقاء کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہے صرف ایسا نہیں کہ انہیں مہیا کردیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دیکھتے ہیں کہ اس کارگاہِ عالم میں عناصرِ حیات میں سے ہر عنصر، اس کے مؤثرات میں سے ہر مؤثر، اس کے خواص میں سے ہر خاصہ، ایک بے پناہ فیضان کا جوش رکھتا ہے اور ہر کسی کے اندر یہ خواہش تڑپتی دکھائی دیتی ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اپنے فیضان اور اپنی خدمت سے مخلوقات کو نوازے۔ سورج، چاند، ستارے، ہوا، بارش، دریا، سمندر، پہاڑ ان میں سے کون ہے جو مخلوقات کے لئے راحت رسانی اور آسائش دینے میں دوسرے سے پیچھے ہو۔ پھر ہم زمین کو دیکھتے ہیں تو دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں کہ اس کی سطح پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے۔ اس کی تہہ میں آبِ شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں، گہرائی میں سونا چاندی نکل رہا ہے، سائے کیلئے درخت سر اٹھائے کھڑے ہیں، چلنے پھرنے کے لئے سبزے کا ایک مخملیں فرش بچھا دیا گیا ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے سبزے کی چادریں بچھادی گئی ہیں۔ پھولوں میں رنگ و حسن پیدا کردیا گیا ہے۔ میدانوں کے اکتائے ہوئے لوگوں کیلئے سر بفلک پہاڑ اٹھادیئے ہیں۔ ان میں آبشاریں ہیں جو سینوں کو مسرت سے بھرے دے رہی ہیں۔ اس میں قسم قسم کے درخت ہیں جن کی حسن افروزی اپنی ایک شان رکھتی ہے۔ پھر باغ وانہار ہیں، سبزیاں ہیں، پھل ہیں، قسم قسم کی بیلیں ہیں، پھر زمین کے چار پائے، فضا کے پرند، پانی کی مچھلیاں، یہ سب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں انسان کی ضرورت کیلئے ضروری نہیں تھیں۔ انسان کیلئے لکڑی کی ضرورت تھی، لیکن کیا ضروری تھا کہ درختوں کو چھتریاں بنادیا جاتا؟ انسان کو غلے کی ضرورت تھی، لیکن لہلہاتی فصل کو نقرئی لباس پہنانے کی کیا ضرورت تھی؟ پرندے گوشت کیلئے ضروری سہی، لیکن ان کی خوبصورت آوازیں، کوئل کی کوک، مور کا ناچ، پپیہے کی پی، چڑیوں کے چہچہے اور عام پرندوں کے ترانے یہ تو انسان کی ضرورت نہ تھے اور اگر آسمان کی طرف دیکھا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہم پر ایک چھت تانی گئی ہے لیکن ستاروں کا نظام اور اس کی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، یہ سب کیا ہے؟ یہ چیزیں یقیناً انسان کی ضرورتوں میں شامل نہیں۔

Marfat.com

ان چیزوں پر غور کریں گے تو آپ محسوس فرمائیں گے کہ یہاں ربوبیت سے زیادہ ایک اور چیز کارفرما ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو قرآن صفتِ رحمت سے تعبیر کرتا ہے یعنی یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خالقِ کائنات میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور بھی رکھتی ہے اور جس میں رحمت ہو اور جس کی رحمت ظہور بھی رکھتی ہو تو جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس میں خوبی اور بہتری ہوگی، حسن و جمال ہی ہوگا، اعتدال وتناسب ہی ہوگا۔ اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور پھر یہ اس کی صفت رحمت کا ظہور صرف یہاں تک محدود نہیں کہ خارج میں آپ ہر طرف حسن ورعنائی دیکھ رہے ہیں بلکہ اس کی رحمت کا اصل ظہور اس بات میں ہے کہ اس نے صرف ہمیں حسن ورعنائی ہی سے نہیں نوازا بلکہ اس سے محظوظ ہونے کیلئے احساس بھی بخشا۔ اس نے روئے خوش بخشا تو نظر کو احساسِ حسن بھی بخشا۔ اس نے پھول میں خوشبو رکھی تو ہمیں قوتِ شامہ سے بھی نوازا۔ اس نے پانی کو ٹھنڈک عطا کی تو ہمیں ٹھنڈک کی قدر کا جذبہ بھی دیا۔ اس نے پھول میں رنگ رکھا تو ہمیں رنگوں کی شناخت بھی بخشی، یعنی ہر چیز سے اور اس کی حقیقی قدر و قیمت سے حظ اٹھانے کیلئے جس احساس کی ضرورت تھی اس احساس سے اس نے تمام مخلوقات کو بہرہ ور فرمایا۔ وہ اپنی مخلوقات کو اولاد دیتا ہے تو اولاد کی محبت بھی دیتا ہے۔ سعی وکاوش کی سرگرمیوں کیلئے جوش وجذبہ بھی عطا کرتا ہے۔ گھر دیتا ہے تو اس کے لئے حفاظت کا جوش بھی عطا فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں ایک آدمی کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سخت گرمی میں محنت اور مزدوری کر رہا ہے، چہرے سے پسینہ ٹپک رہا ہے، چلچلاتی دھوپ میں بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے، دیکھنے والی نگاہ سمجھتی ہے کہ یہ شخص اپنی زندگی سے انتہائی ناخوش ہوگا مگر شام کو دن بھر کی مزدوری کا معاوضہ پا کر جب اپنے جھونپڑے میں بیوی اور بچوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتا ہے تو تب اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مزدوری کرنا تو ایک ضرورت تھی لیکن ایسی خوشی کو پیدا کر دینا یہ اس پروردگار کا کمال ہے جو رحمان اور رحیم ہے۔ اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ بچے کی پیدائش ماں کیلئے کیسی جانکاہی اور مصیبت ہوتی ہے۔ اس کی پرورش اور نگرانی کس طرح خودفروشانہ مشقتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ تاہم یہ سارا معاملہ کچھ ایسی خواہش اور جذبے کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے کہ ہر عورت میں ماں بننے کی قدرتی طلب ہے اور ہر ماں پرورشِ اولاد کیلئے مجنونانہ خودفراموشی رکھتی ہے۔ وہ زندگی کا سب سے بڑا دکھ سہتی ہے اور پھر اس دکھ میں زندگی کی سب سے بڑی مسرت محسوس کرتی ہے اور جب وہ اپنی ساری راحتیں قربان کر دیتی ہے، اپنی رگوں کے خون کا ایک ایک قطرہ دودھ بنا کر پلا دیتی ہے، تو اس کے دل کا ایک ایک ریشہ سب سے بڑے احساسِ مسرت سے معمور ہو جاتا ہے، یہ کیا ہے؟ یہ اس خالقِ کائنات کی صفتِ رحمت کا اظہار ہے اور پھر اگر وقتِ نظر سے کام لیا جائے تو اس رحمٰن ورحیم کے افادہ اور فیضان اور اس کی رحمت کے ظہور کی صورت کچھ انہی مظاہر پر موقوف نہیں بلکہ کارخانہ ہستی کے تمام اعمال وقوانین کا یہی حال ہے۔ مثلاً دیکھئے کہ انسان ٹھوکریں کھاتا ہے، غلطیاں کرتا ہے، تو ہونا یہ چاہیے کہ غلطیوں کا خمیازہ بھگتے اور بدعملی اس کو فوراً تباہی کی طرف لے جائے لیکن ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ اس کی صفتِ رحمت کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ یہاں بڑے سے بڑے گناہگار کو سنبھلنے کیلئے مہلت دی جا رہی ہے۔ اپنی روش کو تبدیل کرنے کا موقع دیا جا رہا ہے اور اس کی جزا اور سزا کا قانون فوراً حرکت میں آنے کی بجائے آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چلتا رہتا ہے اور اس کے عفو ودرگزر کا دروازہ آخر تک کھلا رہتا ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے کہا کہ اگر پروردگار لوگوں کو ان کی زیادتیوں پر فوراً پکڑنے لگتا تو زمین پر چلنے والا کوئی زندہ نہ رہتا۔ یہ اس کی رحمت ہے جو اچھائی کرنے والے کو بھی مہلت دیتی ہے تاکہ اس کی اچھائی نشوونما پائے اور برائی کرنے والے کو بھی مہلت دیتی ہے تاکہ وہ متنبہ اور خبردار ہو کر اصلاح وتلافی کی کوشش کرے۔

Marfat.com

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ○

اس خدائے رحمٰن ورحیم کی رحمت کے مظاہر بے شمار ہیں مگر انسان کی کوتاہ فکری ہے کہ وہ چونکہ شب وروز اس کی بے پایاں رحمتوں سے فائدہ اٹھارہا ہے، اس لئے اسے نہ اس کی پہچان ہوتی ہے، نہ اس کی قدر وقیمت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک لمحہ کیلئے تصور کریں کہ دنیا موجود ہے مگر حسن ورعنائی کے تمام جلوؤں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پرور نیلگونی نہیں ہے۔ ستارے ہیں مگر ان میں درخشندگی اور جہاں تابی کی جلوہ آرائی نہیں ہے۔ غور کیجئے! ایسی دنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کتنا بھیانک اور ہولناک ہوگا۔ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھیے، رات روز جلوہ گر ہوتی ہے مگر آنکھوں میں نیند نہیں آتی۔ صبح مسکراتی ہوئی طلوع ہوتی ہے لیکن نقاہت یا کوئی بیماری بستر سے اٹھنے نہیں دیتی۔ باہر پرندے چہچہار ہے ہیں سورج اپنی کرنوں سے کائنات کو منور کررہا ہے، لیکن آشوبِ چشم یا پاؤں کی تکلیف باہر نکل کر محوِ نظارہ ہونے کی اجازت نہیں دیتی یا آدمی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، لیکن بھوک کا احساس مرجانے سے یہ نعمتیں مزا نہیں دے رہیں۔ گرمیوں میں ٹھنڈے پانی کی نعمت میسر ہے لیکن دانتوں کی تکلیف یا معدے کی سوزش پانی پینے کی متحمل نہیں ہورہی۔ باہر آزادی سے گھومنا پھرنا ایک معمول کی نعمت ہے مگر پاؤں کی زنجیر باہر نکلنے کی اجازت نہیں دے رہی۔ یہ بظاہر معمولی نعمتیں ہیں لیکن اگر چھن جائیں تب آدمی کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کیسی بدمزہ ہوگئی ہے۔ یہی اس پروردگار کی رحمت ہے، جس کی قدردانی سے ہماری عقول نارسا قاصر ہیں۔

مزید دیکھئے! کبھی آپ نے غور کیا کہ اگر آپ ایک ہی طرح کے معمولات اور مصروفیات میں ایک عرصہ گزارتے ہیں تو حالات کی یہ یکسانی طبیعت کو اکتا دیتی ہے اور آپ کہیں سیر کا پروگرام بنانے لگتے ہیں۔ لیکن آپ نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر عام میدانی علاقے والوں کیلئے پہاڑی سلسلے نہ ہوتے اور پہاڑی سلسلے والوں کے لئے ہموار میدان نہ ہوتے، ریگستان والوں کیلئے دریاؤں کی روانی نہ ہوتی اور دریا کے کنارے رہنے والوں کیلئے ریگستان کے ٹیلے نہ ہوتے تو آپ اس اکتاہٹ کا کیا علاج کرتے؟ اگر اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھیں تو آپ کو تعجب ہوگا کہ گھر بیٹھے قدرت نے ہمیں اس یکسانی سے بچنے کیلئے کیسی کیسی نعمتیں عطا کی ہیں۔ مثلاً اختلافِ لیل ونہار، درختوں کا سبزے کا لباس پہن لینا، بے آباد اور بے رنگ زمین پر رنگ رنگ کے پھولوں کا کھل جانا، ایسے ہی بے شمار اختلافات ہیں جو پروردگارِ عالم کی صفتِ رحمت کا ظہور دنیا کی زیب وزینت اور ہماری تسکین وراحت کا سامان ہیں۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اسی کی طرف پروردگار توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ○

(بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں
ارباب دانش کیلئے بڑی ہی نشانیاں ہیں)۔ (آلِ عمران: ۱۹۰)

مزید فرمایا:

Marfat.com

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

(یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لئے رات اور دن ٹھہرائے گئے ہیں تاکہ رات کو راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو)۔ (القصص:۷۳)

رحمت کا ایک اور پہلو

اس بحث کا ایک اور گوشہ بھی ہے جس پر توجہ دینا بے حد ضروری ہے کہ پروردگار کی رحمتوں کے مختلف مظاہر کا ہم نے تذکرہ کیا۔ تصور کیجئے! اگر یہ جا بجا اس کے ظہور کی صورتیں اور اس کے صدور کی شکلیں اپنی جگہ قائم ہوتیں اور ہر انسان اس سے بقدر ہمت استفادہ کے لئے کوشاں ہوتا اور ہر ایک اپنے آپ کو ان کا حقیقی وارث اور مالک سمجھتا اور کسی کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ انسانوں کا انسانوں سے کیا رشتہ ہے؟ ان نعمتوں پر اگرچہ سب کا مساوی حق ہے مگر انسانی معیشت میں جو لوگ کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے ان کا آگے بڑھ جانے والوں پر کیا حق ہے؟ پھر ان میں باہمی انس اور محبت کا کوئی جذبہ نہ ہوتا، ایثار و خیر خواہی سے انسان ناواقف ہوتا۔ حقوق و فرائض سے بے خبر، باہمی نظم و تربیت سے عاری، حکومت اور ریاست کے تصور سے نابلد، معاشرت کے اصولوں سے تہی دامن، مکارمِ اخلاق سے ناآشنا تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان ساری نعمتوں کی موجودگی کے باوجود انسانی زندگی کس قدر ہولناک ہوتی۔ اس لئے وہ ذات بابرکت جو صرف خالق و مالک ہی نہیں رحمٰن و رحیم بھی ہے اس کی صفت رحمت کا یہ تقاضا ہوا کہ جہاں انسانوں کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا گیا ہے وہاں اس کے استعمال اور اس کی حدود کا علم بھی دینا چاہئے ورنہ یہ اس صفتِ رحمت کی ناتمامی ہوگی۔ چنانچہ اس نے انسان کو علم سے بہرہ ور کرنے کیلئے کتابیں اتاریں اور راہنمائی کیلئے رسول بھیجے اور اس راہنمائی کو اور کتابوں کے نزول کو اس نے ہدایت و رحمت سے تعبیر کیا۔ فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ O

(یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے مومنوں کیلئے)۔ (النمل:۷۷)

اور پھر اس کی تعلیم کو دنیا بھر کے خزانوں سے بہتر و برتر فرمایا، ارشاد ہوا۔

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ O

(تیرے رب کی رحمت یعنی (قرآن) بہتر ہے ان تمام خزانوں سے جن کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں)۔ (الزخرف: ۳۲)

اور پھر قیامت تک جو ذات مکمل راہنما آئیڈیل اور منارۂ نور بن کر آئی ہے اس کے بارے میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (الانبیاء : ۱۰۷)

Marfat.com

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں یہ دونوں نام خاص حیثیت کے حامل ہیں، چنانچہ یہ بات اتفاقی نہیں بہت پر معنی ہے کہ قرآنِ مجید میں تسمیہ میں اسمِ ذات کے بعد اور فاتحہ میں صفتِ ربوبیت کے بعد ان دونوں ناموں کا ذکر کرنا اسی کا مظہر ہے۔ پروردگار سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اپنے گنہگار بندوں پر اپنی رحمت کا گھنا سایہ ڈالے کیونکہ خود اس کا ارشاد ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲۳

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، معتمد، سب پر غالب، زور آور، بڑا ہی ہو رہنے والا، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۲۳)

اس آیت میں پہلے تو اسی ٹکڑے کا اعادہ ہے جو اوپر والی آیت میں گزرا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل حقیقتیں ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے آٹھ اسماء مسلسل ذکر فرمائے گئے ہیں۔ اب ہم اسی ترتیب سے ان اسماء کی وضاحت کرتے ہیں۔

اَلْمَلِكُ

پروردگارِ عالم کے پیارے اور مبارک ناموں میں سے ایک نام "الملک" بھی ہے۔ جس کا معنی ہے "بادشاہ"۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "ملک" کا استعمال انسانوں کیلئے بھی ہوتا ہے۔ خود قرآنِ کریم نے "ملک" کا لفظ استعمال کیا اور ملوک کا بھی، لیکن اگر اس کے بین السطور میں غور کیا جائے تو تین باتیں صاف معلوم ہوتی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ دنیا کے ملوک یعنی انسانی بادشاہ ان کی فرمانروائی اور حکمرانی کے اسلوب پر غور کیا جائے تو ان کی صحیح تصویر وہ ہے جو قرآن کریم نے کھینچی ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

(بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی نئی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے بگاڑ دیتے ہیں وہاں کے عزت والے باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں اور وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں)۔ (النمل: ۳۴)

Marfat.com

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کا طریقِ حکومت کیا ہوتا ہے اور انسانوں کے حصہ میں ان کی طرف سے کیا چیز آتی ہے۔ البتہ! یہ ضرور ہے کہ دنیا میں الملک العادل کا وجود بھی رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کی اصل حیثیت الملک نہیں بلکہ عادل کی ہے۔ وہ اپنے عادل ہونے کی وجہ سے قابلِ تعریف سمجھے گئے ہیں ملک ہونے کی وجہ سے نہیں۔

۲۔ قرآنِ کریم میں جہاں کہیں کسی انسان کیلئے الملک کا استعمال ہوا ہے جیسے سورۃ یوسف میں۔ تو مراد اس سے صرف باشادہ نہیں بلکہ اس علاقے کا بادشاہ مراد ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بات مخصوص علاقے کے بادشاہ کی ہو رہی ہے الملک کی نہیں۔

پروردگار کا نام اصل میں الملک ہے۔ جس کا مطلب ہے ''اصل اور حقیقی بادشاہ'' اور ایسا بادشاہ جس کی بادشاہت انسانوں کے گروہ تک محدود نہیں بلکہ وہ ملک الناس ہے۔ جس طرح سورۃ الناس میں اسے استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کی بادشاہت کسی خاص علاقے تک محدود نہیں بلکہ وہ سارے جہان کا بادشاہ ہے پوری کائنات پر اس کی سلطانی وفرمانروائی محیط ہے اور کائنات میں وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کے تصرف اقتدار اور حکومت کی تابع ہے۔ اس کی وضاحت قرآنِ کریم نے جابجا کی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

وَتَبٰرَکَ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا ۚ

(بڑی برکتوں کا دینے والا وہ ہے کہ سارے آسمان اور تمام دنیا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کچھ اس کی سلطنت میں شامل ہے)۔ (الزخرف: ۸۵)

پروردگار کی حاکمیت صرف تکوینی نہیں، تشریعی بھی ہے

اور پھر اس کی حاکمیت صرف تکوینی حد تک نہیں ہے بلکہ وہ تشریعی طور پر بھی الملک ہے کیونکہ وہ الملک ہونے کے ساتھ ساتھ خالق بھی ہے اور قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جو خالق ہوتا ہے وہ حکمران بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ بات خلافِ عقل ہے کہ خلق کوئی کرے اور امر کوئی دے۔ اس لئے اس نے جب اس زمین پر انسان کو بھیجا تو اس کے ساتھ ساتھ اس کو احکام بھی دیئے اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی سکھائے اور پھر اس طریقے کا اسے پابند ٹھہرا کر جزا اور سزا کا مکلف بھی بنایا اور پھر وہ ایسا بادشاہ ہے کہ جس کی سلطنت کسی کی عطا کردہ نہیں، نہ اس کی سلطنت کو زوال ہے، نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے اختیارات میں کسی کو دم مارنے کی مجال ہے۔ وہ تنہا فیصلے کرتا ہے اور کوئی اس کے فیصلے میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔ وہ ایسا بادشاہ ہے جو ہر ایک سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے اور کسی کو اس سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ بادشاہوں سے رعایا مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے لیکن اس کی رعایا اس سے دعا کرسکتی ہے مطالبہ نہیں کرسکتی۔ قرآنِ کریم میں ان تصورات کو جابجا نمایاں کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ○

(زمین اور آسمان میں جو بھی ہے اس کا مملوک ہے، سب اسی کے تابع فرمان ہیں)۔ (الروم: ۲۶)

Marfat.com

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ

(آسمان اور زمین تک وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے)۔ (السجدہ: ۵)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

(زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اسی کی ہے اور اللہ کی طرف سارے معاملات رجوع کیے جاتے ہیں)۔ (الحدید:۵)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ

(بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں)۔ (الفرقان: ۲)

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

(ہر چیز کی سلطانی و فرمانروائی اسی کے ہاتھ میں ہے)۔ (یٰسین: ۸۳)

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝

(جس چیز کا ارادہ کرے اسے کر گزرنے والا ہے)۔ (البروج: ۱۶)

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝

(جو کچھ وہ کرے اس پر وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے اور سب جوابدہ ہیں)۔ (الانبیاء: ۲۳)

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ

(اور اللہ فیصلہ کرتا ہے کوئی اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے)۔ (الرعد: ۴۱)

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

(اور وہ پناہ دیتا ہے کوئی اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتا)۔ (المومنون: ۸۸)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(کہو! اللہ ملک کا مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے

Marfat.com

جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے
یقیناً تو ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے)۔ (آلِ عمران:۲۶)

مندرجہ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں کہیں اگر بادشاہت یا حکومت پائی جاتی ہے تو صرف وہی ہے جس کا تاجدار پروردگار حقیقی ہے۔ اس لئے اس نے قرآنِ پاک میں اپنے آپ کو الملک الحق فرمایا کہ حقیقی بادشاہ وہی ہے باقی تو سب نام کے بادشاہ ہیں جن کی بادشاہت دوسروں کے سہارے قائم ہے اور کوئی خبر نہیں کب بغاوت ہو جائے یا خود بادشاہ سلامت چل بسیں۔ اس لئے اقبال نے ٹھیک کہا:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

پھر سورۃ الحشر کی آیت میں الملک کے بعد اس کی صفات بھی ذکر فرمائی گئی ہیں کہ دنیا میں لوگ صرف بادشاہ ہوتے ہیں اس لئے بادشاہتوں کے نتیجے میں انسانوں کے حصے میں صرف ظلم آتا ہے لیکن وہ پروردگارِ عالم صرف بادشاہ نہیں بلکہ القدوس بھی ہے جس سے ظلم کا صدور ممکن ہی نہیں اور پھر وہ السلام بھی ہے اس کی فرمانروائی میں سلامتی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہم اگر اس الملک القدوس سے کوئی تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں تو جہاں اس کے ساتھ محبت ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی حکمرانی اور آئینِ ربانی کے وفادار رہیں۔

اَلْقُدُّوْسُ

''القدوس'' پروردگارِ عالم کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ القدوس اسمِ مبالغہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تنزیہی نام ہے۔ اس کا فعل بابِ نصر ینصر سے آتا ہے۔ اس کا مادہ ''قدس'' ہے۔

قدس کے معنی ہیں ''تمام بشری صفات سے، نقائص وعیوب سے پاکیزہ اور منزہ ہونا'' اور القدوس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدرجہا بلند و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب یا نقص یا کوئی قبیح صفت پائی جائے بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے۔ جس کے بارے میں کسی نقص، کمزوری یا برائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سبحان الملک القدوس، سبحان الملک القدوس، سبحان الملک القدوس اور رب الملئکة والروح پڑھا کرتے تھے۔ تیسری دفعہ کے قدوس میں آواز زیادہ بلند اور طویل فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث سے دو باتوں کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف قدوس ہی نہیں بلکہ رب الملئکة والروح بھی ہے۔ یعنی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ملائکہ اور روح کو بھی قدوسی مخلوق کہا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل امین کو قرآنِ کریم میں ''روح القدوس'' کہا گیا ہے۔ لہٰذا ایک عام نگاہ میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ جیسی قدوسیت اور پاکیزگی فرشتوں اور جبریل امین میں ہے ویسی ہی شائد پروردگار میں بھی ہے۔ لہٰذا یہاں اس خیال کا ازالہ کرتے ہوئے کہا

Marfat.com

گیا ہے کہ ان کی قدوسیت اور ان کی پاکیزگی، مخلوق ہونے کی حیثیت میں ہے اور ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان عوارض اور ان کمزوریوں سے بھی پاک ہے جو بشریت اور ملکیت کے لوازم میں سے ہیں یعنی جس طرح ملائکہ اور حضرت جبریلِ امیں مخلوق ہونے کے لحاظ سے اپنا ایک آغاز اور اپنی ایک انتہار کھتے ہیں اور جس طرح زبان ومکان کے محتاج ہیں اور جس طرح اپنے اعمال کے لئے جوابدہی کے پابند ہیں اور جس طرح وہ اپنے کچھ فرائض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور منزہ ہے اور وہ لوازم حدوث اور نقصانِ امکان سے بھی ارفع واعلیٰ ہے اور جس کی دریافت، تصورِ خیال اور احاطۂ عقل سے بھی بلندوبرتر ہے۔

دوسری بات جس کی طرف مندرجہ بالا حدیث اشارہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی سورہ حشر اور آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں قدوس کا لفظ الملک کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ جس میں بتانا یہ مقصود ہے کہ قدوسیت درحقیقت حاکمیت کے اولین لوازم میں سے ہے۔ انسان کی عقل اور فطرت یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ حاکمیت کی اہل کوئی ایسی ہستی ہوسکتی ہے جو شریر بدخلق اور بدنیت ہو۔ جس میں قبیح صفات پائی جاتی ہوں۔ جس کے اقتدار سے اس کے محکوموں کو بھلائی نصیب ہونے کی بجائے برائی کا خطرہ لاحق ہو۔ اس بارے میں انسان جہاں بھی حاکمیت کو مرکوز قرار دیتا ہے وہاں قدوسیت کے بغیر اقتدارِ مطلق ناقابلِ تصور ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا درحقیقت کوئی مقتدرِ اعلیٰ بھی قدوس نہیں ہے اور نہیں ہوسکتا۔ وہ چونکہ قدوس ہے اور اپنی صفات کا عکس بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے اس لئے اس نے اپنے بندوں کو پاکیزہ بنانے کیلئے کتاب اتاری اور رسول بھیجے تاکہ بندے پاکیزہ بن کر اس کا قرب حاصل کرنے کے اہل ہوسکیں۔ اس لئے سورۂ جمعہ میں اس نے ملک اور قدوس دونوں اسماء کا ذکر فرمانے کے بعد خاتم الرسل ﷺ کی بعثت کا ذکر فرمایا۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور کتاب اس نے اس لئے بھیجی کہ وہ بادشاہ ہے۔ اس کے بادشاہ ہونے کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی رعایا کے پاس اپنے سفیر اور اپنے احکام بھیجے اور اپنے بندوں کا تزکیہ اس لئے اس نے چاہا کہ وہ قدوس اور پاک ہے۔ وہ یہ پسند نہیں کرسکتا کہ اس کے بندے گناہوں میں آلودہ رہیں اسی لئے بزرگانِ دین نے لکھا کہ جو لوگ اسمِ پاک سے تعلق پیدا کرنا چاہیں ضروری ہے کہ ہمیشہ باوضو رہیں اور قابلِ نفرت عیوب اور نقائص سے خود کو دور رکھیں اور اپنے اندر وہ افعال اور اعمال پیدا کرنے کی کوشش کریں جن سے ان میں آنحضرت ﷺ کی نسبت اور پروردگارِ عالم جو القدوس ہے اس کی صفات کا پرتو پیدا ہو۔

آخر میں خدائے رحیم وکریم سے دعا ہے کہ وہ اپنے اس پاک نام کی برکت سے ہمارے اعتقاد عمل میں طہارت وپاکیزگی پیدا فرمائے۔ آمین

اَلسَّلَامُ

ہر مذہب میں عقیدۂ توحید بنیادی حیثیت رکھتا ہے مگر اسلام کے سوا کوئی مذہب عقیدۂ توحید کو خالص نہیں رکھ سکا۔ کہیں اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرایا گیا، کہیں اللہ کی صفات میں اور کہیں اللہ کے افعال میں۔ جہاں تک صفات میں شرک کا تعلق ہے اس کی دو بنیادی وجہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ قدیم مذاہب میں صفاتِ الٰہی کو ذاتِ الٰہی سے الگ مستقل وجود کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کے عام مذاہب میں جو خداؤں کا لاتعداد لشکر نظر آتا ہے۔ وہ سب اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علیحدہ مستقل وجود مان لیا ہے۔ اور اسی

Marfat.com

طرح ایک خدا کے تینتیس خدا بن گئے۔اسی طرح عیسائیوں نے بھی خدا کی تین بڑی صفتوں یعنی حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کرلیا ہے۔یعنی حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے اور ارادہ بیٹا ہے۔اسی قسم کی چیزیں رومی، یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں۔لیکن اسلام نے اس غلطی کو ختم کیا اور بتایا کہ صفات کی نیرنگی سے دھوکا کھا کر ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی ہے۔وہ پروردگار ایک ہے اور ساری خوبیاں اور صفتیں اسی ایک پروردگار کی ہیں جس کا ذاتی نام اللہ ہے۔ارشاد فرمایا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

(کہہ دیجئے اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کچھ کہہ کر پکارو سب اچھے نام یا اچھی صفتیں اسی کی ہیں)۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

یعنی صفات کے تعدد اور اختلاف سے موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں ہوتا۔پروردگار عالم کے ان صفاتی پیارے ناموں میں سے ایک نام "السلام" بھی ہے۔قرآنِ کریم میں یہ بطورِ اسم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے۔اس کے معنی ہیں "سالم"۔یعنی وہ جو سلامتی میں کامل ہے اور جس کی سلامتی ہر طرح کے زوال اور ہر طرح کے خطرہ سے پاک ہے بلکہ وہ سلامتی کا منبع ہے جو دوسروں کو سلامتی بخشتا ہے۔نبی کریم ﷺ اسی لئے نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(اے اللہ! تو سلامتی ہے اور تجھ سے سلامتی پہنچتی ہے، اے جلال اور عزت والے تو بابرکت ہے)۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے حضور کے واسطے سے حضرت خدیجہؓ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔تو حضرت خدیجہؓ نے جواب میں کہا:

(اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ)

(اللہ تعالیٰ تو خود سلامتی کا مالک ہے اور اسی سے سلامتی پہنچتی ہے)۔

گویا دنیا میں جہاں کہیں خیریت، عافیت، سلامتی کا دور دورہ نظر آتا ہے۔وہ سب ذاتِ باری تعالیٰ کی اس صفت کا پر تو ہے۔قرآنِ کریم اور احادیث میں سلام مصدر کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔یعنی اس سلامتی سے مراد وہ سلامتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مومن بندوں کو پہنچتی ہے اور اس سے مراد اہلِ ایمان کیلئے دنیوی، اخروی، فلاح ہے جس میں کسی کافر کا کوئی حصہ نہیں۔اسی لئے قرآن کریم میں کہا گیا۔

سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝

(یہ سلام قول ہے رب رحیم کا)۔ (یٰسین: ۵۸)

Marfat.com

یعنی اہلِ جنت کو پروردگار کی جانب سے اسی سلامتی کا مژدہ سنایا جائے گا اور کفار سے کہا جائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ O

(اے مجرمو! الگ ہو کر کھڑے ہو جاؤ)۔ (یٰسٓ: ۵۹)

تم نے دنیا میں سلامتی کے اس پیغام کی قدر نہیں کی تھی اس لئے آج آخرت میں تمہارے لئے سلامتی میں کوئی حصہ نہیں اور اسی سلامتی کو مسلمانوں کا شعار بنایا اور حکم دیا کہ تم آپس میں ملو تو ایک دوسرے پر السلام علیکم کہہ کر اسی سلامتی کا اظہار کرو اور اپنے مومن بھائیوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے اسی سلامتی کی دعا مانگو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ آپس میں سلام کو عام کرو۔ گھر میں داخل ہو تو سلام کرو، کسی مجلس میں جاؤ تو سلام کرو، کسی راستے پر گزرو تو ہر آنے جانے والے کو سلام کرو۔ گویا سلام تمہارا شعار بن جانا چاہئے اور یہ دعا تمہارا مقدر بن جانی چاہئے اور پھر مسلمانوں کو جو دین دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ دین ہے۔ اس کا بھی قریبی تعلق سلام سے ہے۔ یعنی وہ اس لفظ سے مشتق اور اس کی معنویت اسی سے ماخوذ اور اس کے نتائج وثمرات اسی سے مستنیر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک مشہور دعا ہے جسے حضور ﷺ نے ہر شب بستر پر لیٹ کر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا پہلا جملہ یہ ہے

(اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ)

مختصر یہ کہ پروردگارِ عالم نے نام کے اعتبار سے بھی اور پھر اسی سلام کو عام کرنے کے لئے بھی اسے مسلمانوں کا شعار بنایا اور دعا قرار دیا اور آپس میں اسے زیادہ سے زیادہ عام کرنے کا حکم دیا اور پھر دنیوی، اخروی نعمتوں کا جامع قرار دے کر اہلِ ایمان کی خصوصیت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس سلامتی سے حصۂ وافر عطا فرمائے۔ ہمارے معاشرے پر اس صفت کو سایۂ افگن فرمائے اور ہمارے سیرت وکردار کو اس کا عکس بنا دے۔ آمین

اَلْمُؤْمِنُ

اللہ کے پیارے ناموں میں سے ایک "المؤمن" بھی ہے۔ اس لفظ کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ مومن کا لفظ ایمان سے بنا ہے یعنی اس کا مادہ امن ہے۔ اس لحاظ سے اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ ایمان والا ہے یعنی وہ اپنی ذات اپنے رسولوں کی رسالت اور آخرت کے واقع ہونے اور اپنے دین کے سچا ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام صداقتوں کی شہادت دیتا ہے۔ انہی معنوں میں ہر بندۂ مومن بھی مومن کہلاتا ہے۔ البتہ! ایک آدمی کے مومن ہونے اور پروردگار کے مومن ہونے میں فرق یہ ہے کہ انسان ان تمام صداقتوں کی تصدیق اللہ اور اس کے رسولوں کی تصدیق پر کرتا ہے۔ بلاواسطہ اس کے یہاں تصدیق کی کوئی صورت نہیں مگر پروردگارِ عالم کی ذات کی تمام صداقتوں پر تصدیق ایمان کی سب سے بڑی سند ہے۔ وہی یہ کہتا ہے کہ اللہ ہے اور اس کا دین سچا ہے اس کی سب سے بڑی دلیل کیا ہے؟ وہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے اور اسکی شہادت سے بڑھ کر اور کس کی شہادت ہوگی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

Marfat.com

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

(اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی)۔ (آلِ عمران: ۱۸)

یعنی اس کے معبود ہونے کی سب سے بڑی شہادت خود اس کی اپنی ذات ہے اور اس شہادت کو سمجھنے کیلئے چشمِ بینا درکار ہے۔ جو آدمی کھلی آنکھوں سے کائنات اور آثارِ کائنات کا مطالعہ کرے گا اور دلائلِ انفس اور آفاق میں غور کرے گا اس کیلئے اس شہادت کو سمجھنا مشکل نہیں۔ اسے یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مومن ہے۔ مومن کے دوسرے معنی ہیں ''ایمان دینے والا، ایمان عطا کرنے والا'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو انسانوں کو ایمان عطا فرماتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ

(اللہ ہے جس نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا)۔ (الحجرات: ۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان رکھ دیا)۔ (المجادلۃ: ۲۲)

اس معنی پر اگر غور کیا جائے تو اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے کہ ایمان اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت ہے جبکہ اس سے چھوٹی سی چھوٹی نعمت بھی اسکے سوا کوئی عطا نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ ایمان جیسی نعمت اللہ کے سوا اور کون عطا کر سکتا ہے۔ یہ اسی کی دَین ہے اور اسی کی عطا ہے۔

المؤمن کے تیسرے معنی امن دینے والا ہے یعنی مومن وہ جو امن بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس معنی میں مومن کہا گیا کہ وہ اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہے۔ اس کی مخلوق اس خوف سے بالکل محفوظ ہے کہ وہ کبھی اس پر ظلم کرے گا یا اس کا حق مارے گا یا اس کا اجر ضائع کرے گا یا اس کے خلاف کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا اور پھر اس فاعل کا کوئی مفعول بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کس کو امن دینے والا ہے بلکہ المومن کہا گیا اس لئے اس سے یہ مفہوم آپ سے آپ نکلتا ہے اور پھر یہ امن دلوں کو عطا ہوتا ہے یعنی دل اس کے نام سے سکون پکڑتے ہیں۔ اس پر توکل سے دلوں میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس کی چاہت سے دنیا کا بحران سرد ہوتا ہے اور اس کی آتشِ محبت سے آرزوؤں کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا: وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل: ۱۰۶)

یہاں اسی ایمان سے امن کی طرف اشارہ ہے اور کبھی یہ امن اس کے پیغام کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کے نتیجے میں عطا ہوتا ہے۔ جس کی عملی صورت خلافتِ راشدہ کا قیام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

(اگر وہ یہ نظام اپنے اوپر نافذ کر لیں گے تو اللہ ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے)۔ (النور: ۵۵)

Marfat.com

یہی وہ امن ہے جس کا ذکر صحیح بخاری میں حضرت عدی بن حاتم طائی کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم طائی سے تین باتیں بیان فرمائیں اور ان میں سے ایک یہ تھی کہ عدی شائد تم کو اسلام میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ ملک میں امن نہیں۔ تم عنقریب دیکھو گے کہ ایک بڑھیا اکیلی قادسیہ سے حج کیلئے چلے گی اور اسے اللہ کے سوا راستے میں کسی کا خوف نہیں ہوگا۔ حضرت عدی بن حاتم طائی کہتے ہیں کہ میں نے عہدِ فاروقی میں اپنی آنکھوں سے ایسا ہی دیکھا۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک مومن ہے۔ یعنی صداقتوں کے لئے وہ سب سے بڑی سند ہے۔ سب سے بڑی شہادت ہے اور وہ بندوں کو امن عطا فرماتا ہے، وہ ایمان عطا کرتا ہے۔ اس کا دیا ہوا نظام دنیا میں امن کی ضمانت ہے۔ اس کا نام دل کو آرام اور روح کو اطمینان دیتا ہے۔

آیئے! ہم اسی نام سے اپنے لئے امن اور سکون کی دعا مانگیں۔

اَلْمُهَيْمِنُ

اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام المھیمن ہے۔ اس کو ''م'' کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یعنی مھیمِن بھی اور مھیمَن بھی۔ صاحبِ قاموس کا خیال ہے کہ یہ اصل میں مائمن ہے۔ دوسرے ہمزہ کو یا سے اور پہلے ہمزہ کو حرف ہا سے بدل دیا گیا ہے۔ اسی طرح مھیمن ہوگیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مادہ ھیمن یھیمن ہے۔ یہ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پہلا معنی ہے نگہبانی اور حفاظت کرنے والا۔ اسی سے عربی میں یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

ھیمن الطائر علی فراخه جس کا معنی ہے کہ ''پرندہ اپنے بچوں پر پر پھیلائے اڑ رہا ہے یا اپنے پروں میں انہیں سمیٹ کر حفاظت کر رہا ہے۔ انہی معنوں میں قرآنِ کریم کیلئے قرآنِ کریم میں یہ الفاظ استعمال ہوئے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

(اور ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور اس پر نگران و نگہبان ہے)۔ (المائدۃ: ۴۸)

یہاں قرآنِ مجید کیلئے یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی نگہبان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام آسمانی کتابوں اور صحائف میں جتنی صداقتیں اور حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن ان تمام کی جامع کتاب ہے اور وہ انہیں اپنے اوراقِ علم وفضل میں حفاظت سے لئے بیٹھی ہے اور اب قیامت تک ان میں تحریف و ترمیم کی گنجائش نہیں اور پھر ان کتابوں میں جتنے احکامِ شریعت بیان ہوئے تھے اور جتنی عرفان بخش دعاؤں کا ذکر تھا اور جیسا کچھ اس میں علم وفضل کا اظہار کیا گیا تھا اور جتنی غیب کی خبریں ان میں بیان کی گئیں قرآن کریم ان تمام کی جامع کتاب ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب پہلی کتابوں کے لئے مھیمن ہے۔ انہیں معنوں میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں المھیمن کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی وہ ایسا نگہبان ہے جو اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک کی نگہبانی کرتا ہے جو ہر کمزور کو طاقتور کے خوف

Marfat.com

سے مامون رکھتا ہے۔ وہ ایسا امین ہے جو کسی کا حق ضائع نہیں ہونے دیتا اور پھر چونکہ یہاں کسی مفعول کا ذکر نہیں کیا گیا اس لحاظ سے یہ حفاظت عام ہے جس میں کائنات کی تمام مخلوقات شامل ہیں اور کوئی مخلوق چاہے چھوٹی ہو یا بڑی قدرت کی نگاہ ہر ایک کی خبر گیری کرتی ہے اور اس کی پرورش کا سروسامان کرتی اور اس کی ضروریات کی فراہمی اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

المھیمن کا دوسرا معنی ''شاہد'' ہے۔ یعنی وہ دیکھ رہا ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو جابجا بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

(جو کچھ تم کر رہے ہو یا قیامت تک کرو گے، برابر اللہ دیکھ رہا ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہ سکتا)

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے قوموں کے عروج و زوال میں کوئی نتیجہ یا حادثہ اتفاقی نہیں ہوتا کیونکہ ایک دیکھنے والا انفرادی اور اجتماعی اعمال کو برابر دیکھ رہا ہے۔ انہی کے مطابق پھر قسمتوں کے فیصلے کرتا ہے۔ اس لئے یہاں اتفاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتفاقات تو وہاں ہوتے ہیں جہاں علت و معلول میں کہیں جھول ہو یا اسباب و علل کا قانون نافذ کرنے والا نتیجہ خیزی کے اس عمل سے غافل ہو جائے۔ اکبر مرحوم نے اپنے انداز میں کہا تھا کہ:

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

المھیمن کا تیسرا معنی قائم بامور الخلق ہے یعنی جس نے لوگوں کی ضروریات اور حاجات پوری کرنے کا ذمہ اٹھا رکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ کون ذات ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ انسانوں کی ضروریات کی کفیل ہے اور وہ مانگے اور بن مانگے سب کو عطا کر رہی ہے اور وہ اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرتی کہ جس کو عطا کیا جا رہا ہے وہ اس کا ماننے والا ہے یا انکار کرنے والا ہے بلکہ ایک چشمۂ فیضان ہے جہاں سے ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت کے مطابق عطا ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی حفاظت و نگہبانی میں رکھے اور امتِ مسلمہ سے عفو و درگزر فرما کر اپنی خصوصی نگہبانی سے نوازے۔ آمین

اَلْعَزِيْزُ

پروردگارِ عالم کے صفاتی ناموں میں ایک نام ''العزیز'' بھی ہے۔ یہ اسم 'عزت' سے بنا ہے۔ عزت کے معنی ہیں ''ارجمندی، قوت وشوکت، اور غلبہ'' اور عزیز وہ ہے جس میں یہ صفات بدرجہ اتم پائی جائیں۔ کفار نے اسی لئے ایک دیوی کا نام جس کو وہ عزت کی علامت سمجھتے تھے ''عزیٰ'' رکھ چھوڑا تھا۔ یہ نام بھی عزیز یا اعز کا مؤنث ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس نام سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ عزت، قوت وشوکت اور غلبہ اسی کے گھر کی لونڈی ہے۔ یہ حقیقت میں مکمل طور پر اسی کا حصہ ہے۔ جہاں جہاں قوت وشوکت اور غلبہ دکھائی دیتا ہے وہ عارضی اور فانی ہے اور یہ اسی کے غلبہ کا پرتو ہے اور یا پھر قوت وشوکت اور عزت اس کا مقدر ہے جس کا پروردگار سے قریبی تعلق ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ قریبی تعلق

Marfat.com

اس کے انبیاء کا ہے۔اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں اور یا پھر مومنین صالحین کو ہے۔جو اپنے ایمان، عملِ صالح اور بندگیِ کامل کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کر لیتے ہیں۔اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون : ۸)

اور حقیقی عزت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے کیونکہ وہ تمام عزتوں کا مالک ہے یا پھر اس کے رسول ﷺ کیلئے ہے کیونکہ وہ اس دنیا میں اس کا نمائندہ ہے اور یا پھر مومنین کیلئے ہے کہ وہ اس کی قوت و شوکت اور غلبہ و سربلندی کے اس دنیا میں گواہ ہیں۔

اس کے علاوہ اگر کوئی آدمی یا گروہ کہیں سے عزت، قوت و شوکت اور غلبہ تلاش کرتا ہے چاہے وہ دنیا کا مال و دولت ہو یا افرادی قوت یا غلبہ و اقتدار قرآنِ کریم اسے فریبِ نفس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔اس لئے ارشاد فرمایا:

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○

(کیا اہلِ دنیا لوگوں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عزت اور اس کی تمام اقسام اللہ ہی کے قبضے میں ہیں) (النساء: ۱۳۹)

سورہ منافقون میں عبداللہ بن ابی کا مشہور واقعہ ذکر ہوا ہے۔جس میں اس نے اپنے آپ کو عزت والا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف نعوذ باللہ ذلت کا انتساب کیا تھا تو آسمان سے اس کی تردید نازل ہوئی اور خود مسلمانوں میں یہ ردعمل ہوا کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے جو ایک مخلص مومن تھے اور اپنے باپ کے فرمانبردار بھی تھے انہوں نے مدینہ سے باہر اپنی تمام تر فرمانبرداری کے باوجود باپ کا راستہ روک کر یہ کہا کہ جب تک تم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عزت والا اور اپنے آپ کو ذلیل نہیں کہو گے اس وقت تک میں تمہیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عزت کی ایک ہی ضمانت اور ایک ہی پہچان ہے، وہ یہ کہ جتنا کوئی اس العزیز سے قریب ہوگا اتنا ہی وہ معزز ہوگا چاہے اس کے گھر میں چولہا نہ جلتا ہو اور چاہے دنیا میں کوئی اسے پوچھنے والا نہ ہو جتنا کوئی اس العزیز سے دور ہوگا وہ اتنا ہی ذلیل ہوگا۔چاہے وہ دنیوی عزت و وجاہت کا کتنا ہی سروسامان کیوں نہ رکھتا ہو۔

قرآنِ کریم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم العزیز کو بعض دوسرے اسماء کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔مثلاً چوبیس مقامات پر عزیز حکیم فرمایا ہے اور پانچ مقامات پر عزیز الرحیم اور دو مقامات پر عزیز الغفور اور تین مقامات پر عزیز الغفار اور ایک جگہ پر عزیز المقتدر اور دو مقامات پر قوی عزیز کہا گیا ہے اور چار دفعہ عزیز الحلیم اور دو دفعہ عزیز الحمید فرمایا۔ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اسمِ مبارک کا استعمال حکمت، رحم غفران، علم، حمد، حلم کے ساتھ فرمایا ہے۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق پر غلبہ تام اور اقتدار کامل رکھتا ہے اور جو بے پناہ قوت اور جبروت کا مالک ہے وہ اس کا استعمال جب کبھی کرتا ہے تو کبھی حکمت کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی رحم کے ساتھ کرتا ہے۔کبھی غفران یعنی عفو و درگزر کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی علم کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی حمد کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی حلم اور بردباری سے کرتا ہے جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اے دنیا والو! جب کبھی تمہیں یہ فانی اقتدار ملے تو دیکھنا اس کا چلن حکمت سے ہونا چاہیے اور لوگوں کے

Marfat.com

ساتھ تمہارا طرزِ عمل رحمت اور عفو و درگزر کا ہونا چاہئے اور تمہیں ہمیشہ اپنے اقتدار کی حدود اور اپنے ماتحتوں کے احساسات کا علم رہنا چاہئے اور اپنے ان اختیارات پر اترانے کی بجائے تمہاری زبانوں پر اللہ کی حمد کا ترانہ ہونا چاہئے اور لوگوں کے ساتھ تمہارا سلوک حلم اور بردباری کا ہونا چاہئے کیونکہ یہ وہ صفتیں ہیں جو تمہیں اقتدار کے نشے میں مبتلا ہونے سے روکیں گی اور اور تمہیں ہمیشہ یہ بات بتاتی رہیں گی کہ حقیقی اقتدار تو اس ذات بابرکات کو حاصل ہے جو العزیز ہے اس لئے تمہیں اقتدار کا وہم نہیں ہونا چاہئے۔

اے صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی عزت اور قوت و شوکت کے صدقے مسلمانوں کو حقیقی قوت و شوکت عطا فرمائے۔

اَلْجَبَّارُ

پروردگارِ عالم کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام الجبار بھی ہے۔ اس کا مادہ 'جبر' ہے۔ جبر مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی ہے کسی چیز کو طاقت سے درست کرنا، کسی چیز کی بزور اصلاح کرنا تو اللہ تعالیٰ کو جبار اس معنی میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کائنات کا نظام بزور درست رکھنے والا اور اپنے ارادے کو جو سراسر حکمت پر مبنی ہوتا ہے جبراً نافذ کرنے والا ہے۔ کائنات کے نظام میں کوئی ہزار کوشش کرے کوئی جھول پیدا نہیں کرسکتا۔ سورج چاند کی رفتار میں ستاروں اور سیاروں کی گردش میں موسموں کے تغیرات میں، اشیاء کے مؤثرات میں، چیزوں کے خواص میں، کس کی مجال ہے کہ وہ تبدیلی پیدا کرسکے۔ پروردگارِ عالم نے اپنے پرحکمت ارادے سے جو نظم و ترتیب قائم کردی ہے اور جو فعلی اور انفعالی خواص مقرر کردیئے ہیں۔ کائنات کا ہر ذرہ اسے ادا کرنے کا پابند ہے۔

جبر کا دوسرا معنی صرف اصلاح کرنا ہے۔ چنانچہ پروردگارِ عالم مکلف مخلوق کی معنوی اور ملی زندگی میں اپنے احکام اور تعلیمات سے اصلاح فرماتا ہے لیکن طاقت اور جبر کے ساتھ نہیں بلکہ تفہیم و تلقین کے ذریعے اور اختیار کی آزادی کے ساتھ اور اسی اختیار کی وجہ سے کل کو جزا اور سزا دے گا۔ البتہ! جب کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ فساد فی الارض کا ارتکاب کرکے نظم کائنات کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر وہ قوت سے بھی اصلاح فرماتا ہے۔ لیکن عام زندگی میں وہ اپنا زور اور قوت استعمال نہیں فرماتا۔

جبر کا تیسرا معنی ہے ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنا۔ اس لئے جبیرۃ اس پٹی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنے کے بعد اس پر باندھی جاتی ہے۔ تو اس لحاظ سے اس لفظ کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ہر ٹوٹی ہوئی شکستہ اور ناکارہ چیز کی اصلاح کرکے درست کردینے والا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دنیا میں کون سا شکستہ دل ہے جسے اللہ کے سوا اور کوئی جوڑ سکتا ہے۔ وہ کون سا ٹوٹا ہوا رشتہ ہے جو اللہ کے نام کے بغیر جڑ سکتا ہے۔ افراد ہوں یا قومیں اسی کے نام سے اسی کے احکام پر عمل کرکے تالیفِ قلوب کے لئے وہ سامان فراہم کرسکتی ہیں جن سے اجڑا ہوا انسانی معاشرہ پھر سے سنور سکتا ہے۔

جبار کا چوتھا معنی یہ ہے کہ جبار کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جو اتنا بلند و بالا ہو کہ اس کا پھل توڑنا کسی کیلئے آسان نہ ہو۔ اسی طرح کوئی کام جو بڑا عظیم الشان ہو عملِ جبار کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جبار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحبِ جبروت و عظمت ہے۔ اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ وہ اپنی مخلوقات سے رحمت کا سلوک فرماتا ہے۔ اگر وہ جبروت کا سلوک فرماتا تو کوئی مخلوق زندہ نہ رہ سکتی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

Marfat.com

سبحان ذی الملک والملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة

ان تمام معنی پرغور کرنے سے ایک طرف پروردگارِ عالم کی جبروت وعظمت کا احساس ہوتا ہے تو دل خوف سے کانپنے لگتا ہے اور دوسری طرف جب اس کی تعلیمات کے پردے میں اس کی عطاو بخشش کی رحمت جھلکتی دکھائی دیتی ہے تو دل امید سے بھر جاتا ہے۔ یہی امید اور خوف ایمان کے دو پر ہیں جس سے ایمان پرواز کرتا ہے اور اہلِ ایمان ہمیشہ اسی قوت سے روحانی مدارج طے کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی عظمت وجبروت کی پناہ میں رکھے اور مسلمانوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے۔ آمین

اَلْمُتَكَبِّرُ

کبر سے بنا ہے۔ کبر کے معنی ہیں رفعت، شان، بزرگی۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو اپنی اضافت کے اعتبار سے متضاد معنی رکھتے ہیں یعنی اگر اس لفظ کی نسبت انسانوں کی طرف ہے تو اس کے معنی میں ایک برائی ہے اور اگر اس کی نسبت پروردگارِ عالم کی طرف کی جائے تو اس کے معنی میں ایک خوبی اور اچھائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے جب اس لفظ کی نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے تو اس لفظ کا معنی غرور تصور کیا جاتا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ایک برائی کی طرف مشیر ہے اور اس برائی کے حوالے سے قرآنِ کریم نے بار بار اس برائی کا ارتکاب کرنے والے کی مذمت کی اور آنحضرت ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جس آدمی کے دل میں رائی برابر بھی غرور وتکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانوں میں کبر بہت ساری برائیوں کا سبب بن جاتا ہے۔ یعنی یہ صرف اخلاقی مرض ہی نہیں بلکہ ام الامراض ہے۔ جس کے نتیجے میں آدمی سچائی اور حق کی ہر بات قبول کرنے سے عموماً محروم ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف بندوں کی تحقیر اس کا ایک معمول بن جاتا ہے۔ نتیجۃً ایسا شخص شرفِ انسانیت کیلئے مضر ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ بات بھی ہے کہ یہ سراسر ایک جھوٹا ادعا ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان اپنی خلقت، اپنی جسمانی کمزوریوں اور فکری کوتاہیوں کے اعتبار سے عجز اور کمزوری کا پیکر ہے۔ اس لئے جب وہ کبر کا دعویدار بن کر متکبر ہو جاتا ہے تو گویا وہ ایک جھوٹا ادعا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کردار میں جھوٹ شامل ہو جائے گا اس کی قباحت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس لفظ کا انتساب پروردگار کی طرف ہوتا ہے تو پھر یہی لفظ جو انسان کے لئے باعثِ عار ہے پروردگار کے لئے باعثِ جلالت وشرف بن جاتا ہے کیونکہ اس کی طرف اس لفظ کا انتساب ایک حقیقت ہے۔

کبر اپنے سارے اچھے مفاہیم میں اللہ کو ہی زیب دیتا ہے۔ ہر بڑائی اس کی طرف منسوب ہو کر حقیقت میں بڑائی بنتی ہے اور اگر کہیں بڑائی کا فی الواقع انطباق ہو سکتا ہے تو وہ صرف اللہ کریم کی ذات ہے جسے تمام مخلوقات پر حکمرانی اور برتری حاصل ہے۔ وہ تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔ ہر طرح کی احتیاج سے مبریٰ ہے اس لئے اس نے اپنے لئے المتکبر کا لفظ استعمال کیا۔ تو اس لحاظ سے المتکبر کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ذات جو حقیقت میں بڑی ہے اور بڑی ہو کر رہنا چاہتی ہے کیونکہ اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادعا یا تصنع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے کیونکہ اس کی بڑائی میں تو مشرکین کو بھی کبھی شبہ نہیں ہوا۔ اب ظاہر ہے کہ جو صاحبِ کبریاء ہے اور صاحبِ عظمت وجلال ہے اس کو یہ بات ہر درجہ میں زیب دیتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر رہے اور اگر وہ بڑا ہو کر نہیں رہتا تو یہ تو ایک نقص ہے اور پروردگار کی ذات ہر نقص سے پاک ہے اور دوسری تعبیر اس کی یہ بھی

Marfat.com

ہو سکتی ہے کہ متکبر وہ ذات ہے جو عظیم ہے، برتر ہے اور اسے اپنی برتری کا احساس بھی ہے اور کی بڑائی اور احساس ہی کا یہ اثر ہے کہ وہ اپنی خدائی اور بادشاہی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس شعور کی تعبیر دوسرے آسمانی صحیفوں میں یوں کی گئی ہے کہ:

''تمہارا خداوند خدا غیور ہے جس طرح تم یہ گوارا نہیں کرتے کہ تمہاری بیوی کسی غیر کی بغل میں سوئے اسی طرح وہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس کا بندہ کسی غیر کی بندگی کرے۔''

قرآن نے جو مضمون لفظ ''متکبر'' سے ادا کیا ہے دوسرے آسمانی صحیفوں میں وہی مضمون غیور سے ادا کیا گیا ہے۔

یہ بات کہ وہ بڑا ہو کر رہنا چاہتا ہے اور اسے اپنی بڑائی کا احساس ہے یہی فی الحقیقت المتکبر کا مفہوم ہے۔ اس کی تائید قرآنِ کریم کی مختلف آیات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلی جو ایک تفصیلی وحی نازل ہوئی وہ سورۃ المدثر کی پہلی آیات یا پوری سورۃ ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے (وربک فکبر) کہ جس ذات کے تم نمائندے ہو وہ ذات متکبر ہے اس لئے تمہارا کام یہ ہے کہ تم اسی کی بڑائی اور عظمت بیان کرو۔ اس کی کبریائی کے گن گاؤ اور لوگوں کے سامنے اسے بڑا ثابت کرو کیونکہ لوگوں کی برائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ کی عظمت، اس کے سامنے جوابدہی کا تصور، اس کی حکمرانی کا احساس اور اس کا خوف اور خشیت، ان کی زندگی سے خارج ہو گئے ہیں اس وجہ سے انسان اپنی خواہشات کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں فرمایا:

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا　(اس کی خوب بڑائی بیان کرو)

مزید برآں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پروردگار نے اپنے بندوں پر جتنی عبادات فرض فرمائیں ان تمام کا مقصد بھی یہ متعین فرمایا۔ مثلاً نماز فرض فرمائی تو فرمایا کہ نماز قائم کرو۔ نماز تمہیں ہر طرح کی بے حیائی اور برائیوں سے روکے گی۔ یہ اس لئے کہ نماز اصل میں اللہ کی یاددہانی ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ　(اور اللہ کی یاد سب سے بڑی بات ہے)

گویا نماز اللہ کی یاد کیلئے پڑھو تم جب پانچ وقت طلوعِ فجر سے لے کر ڈھلتی رات تک برابر اس کو یاد کرو گے اور اس کی عظمت کے گیت گاؤ گے تو آخر اس کی عظمت تمہارے قلب و ضمیر کا ایک حصہ بن جائے گی۔ پھر تم معصیت نہیں کر سکو گے یعنی نماز کا مقصد بھی اللہ کی بڑائی ہی کو بیان کرنا ہے۔ اسی طرح فرضیتِ صوم کی مختلف حکمتیں بیان فرمائی گئیں۔ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بیان ہوئی۔

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

(تاکہ تم اس کی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو)۔　(البقرۃ: ۱۸۵)

یعنی روزہ بھی اس لئے فرض ہوا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرنا ہے۔ اپنے اوپر اور تمام انسانوں پر اس کی کبریائی کا سکہ جمانا ہے پھر روزوں کے بعد جب عید پڑھنے کے لئے نکلتے ہیں تو عید میں ہمیں بار بار تکبیر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور تکبیر کیا ہے؟ اللہ کی کبریائی کا اعلان کہ مسلمان گھر سے نکلیں تو ایک راستے سے تکبیر پڑھتے ہوئے گزریں۔ واپس لوٹیں تو دوسرے راستوں سے تکبیر پڑھتے ہوئے آئیں تاکہ کوئی گلی کوچہ اللہ کی بڑائی کے اعلان سے خالی نہ رہ جائے۔

Marfat.com

اسی طرح حج میں جب مسلمان قربانی کرتے ہیں تو وہاں بھی فرمایا گیا کہ ان قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ ہے جو اللہ تک پہنچتا ہے اور یہ ہم نے تمہیں اس کا حکم اس لئے دیا ہے کہ

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰاكُمْ (البقرة : ۱۸۵)

تاکہ تم اب تک مسلسل مناسکِ حج کی ادائیگی اور تلبیہ کی زمزمہ سنجی سے اس کی بڑائی کا جو اعلان کرتے رہے ہو اب جانوروں کے گلے پر چھری چلا کر اس کی بڑائی اور عظمت کو اپنے عمل سے ثابت کرو۔

مختصر یہ کہ وہی ذات ہے جو در حقیقت المتکبر ہے کیونکہ اسی کو ہر طرح کی بڑائی زیب دیتی ہے بلکہ وہی عظمتوں کا مخزن اور سر چشمہ ہے اور ہر عظمت اسی کی طرف منسوب ہو کر عظمت بنتی ہے۔ اب اگر وہ اپنے بڑا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تو یقیناً عظمتوں کا سفر نا تمام رہتا ہے۔

هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَالْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

(وہی اللہ ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا، وجود میں لانے والا، صورت گری کرنے والا، اسی کیلئے ساری اچھی صفتیں ہیں، اس کی تسبیح کر رہی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۲۴)

اَلْخَالِقُ ، اَلْبَارِئُ ، اَلْمُصَوِّرُ

کسی چیز کو وجود پذیر ہونے کیلئے تین مراحل درکار ہوتے ہیں۔

۱:۔ اس کو وجود میں لانے کیلئے منصوبہ بندی اور اس کے مقصدِ وجود کا تعین اور اس کا ڈیزائن۔

۲:۔ پھر اس کو وجود میں لانے کا عمل۔

۳:۔ اس عمل کی تکمیل اور نوک پلک کی تہذیب۔

پروردگار کے فعلِ تخلیق میں بھی تین مراحل ہیں اور مندرجہ بالا تین اسمائے مبارکہ میں انہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ خالق ہے یعنی کسی چیز کو وجود میں لانے سے پہلے وہ اس کیلئے منصوبہ بندی کرتا ہے۔ اس کے مقصد کا تعین کرتا ہے۔ اس کا ڈیزائن تیار کرتا ہے۔ اس عمل کو عملِ تخلیق کہتے ہیں کیونکہ خلق کا معنی ہے ''منصوبہ سازی کرنا، ڈیزائن بنانا اور مقصدِ وجود کا تعین کرنا'' اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، وہ ہے اس چیز کو منصوبہ سازی کے مطابق عمل میں لانا۔ اس کو برء کہتے ہیں اور اسی سے اسم فاعل البارى ہے۔

برء کا اصل معنی ہوتا ہے جدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ پروردگار خالق ہونے کے ساتھ باری بھی ہے اور وہ اپنے طے کردہ نقشے کے مطابق کتمِ عدم سے چیز کو وجود میں لاتا ہے۔ یعنی اپنے نقشے کو اپنی قدرت سے نافذ کرتا ہے۔ جس طرح ایک انجینئر اپنے نقشے کے مطابق بنیادیں کھدواتا ہے، دیواریں اٹھاتا ہے اور تعمیر کے سارے عملی مرحلے طے کرتا ہے۔ جب یہ عمارت بن کر تیار ہو جاتی ہے تو پھر تیسرا مرحلہ صورت کشی کا ہے۔ یعنی اس عمارت کی نوک پلک سنوارنا، اس کی زیبائش کرنا اور اس کو آخری مرحلے سے گزار کر مکمل کرنا، اس عمل کو تصویر کہتے ہیں۔ ان معنوں میں پروردگار المصور ہے۔

Marfat.com

دنیا میں جولوگ اس تخلیقی عمل کو مکمل کرتے ہیں وہ تنہا نہیں ہوتے بلکہ ان کے ساتھ معاونین کی ایک فوج ہوتی ہے۔ نقشے بنانے والے لوگ الگ ہوتے ہیں، اس کا مقصد متعین کرنے والے الگ، پھر نقشہ بن جانے کے بعد، منصوبہ مکمل ہو جانے کے بعد، جب عمارت بننے کا کام شروع ہوتا ہے تو اس میں کہیں معمار اپنا کام کرتے ہیں، مزدور اپنی محنت کرتے ہیں، پتھروں کو آئینہ کی شکل دینے کے لئے نہ جانے کتنے لوگ اپنا خون پسینہ ایک کرتے ہیں۔ لیکن پروردگار اپنے تخلیقی عمل میں ان تینوں مراحل میں کسی کا محتاج نہیں۔ ہر کام اس کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے اور پھر یہ کہ اس کے تخلیقی عمل سے انسان کے تخلیقی عمل کو کسی طرح بھی مشابہت نہیں۔ انسان جس خام مواد سے عمارت کھڑی کرتا ہے اس خام مواد کو وہ خود پیدا نہیں کرتا بلکہ پہلے سے موجود چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز بنا دیتا ہے۔ یعنی وہ مادے کا خالق نہیں لیکن اس کے برخلاف پروردگار اشیاء کو از خود عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ مادے کا بھی وہی خالق ہے۔ اس طرح انسان جب اپنی عمارت کی صورت گری کرتا ہے تو وہ اس کا موجد نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کا نقال ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی ہر مخلوق کی صورت گری خود کرتا ہے۔ وہ خود اس کا موجد ہے۔ لیکن تخلیق کا لفظ چونکہ انسان کیلئے خود قرآنِ کریم نے بھی استعمال کیا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کو قرآنِ کریم نے نقل کیا ہے۔

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ

(میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کی مورت بناتا ہوں) (آلِ عمران: ۴۹)

تو یہاں پرندے کی مورت بنانے کیلئے خلق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لحاظ سے پروردگار صرف خالق ہی نہیں بلکہ وہ خلاق اور احسن الخالقین بھی ہے۔

یہاں ایک اور حقیقت کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہماری مذکورہ تفصیل سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ جس طرح دنیا میں عمارتیں بنانے والے مرحلہ وار یہ تینوں کام کرتے ہیں۔ پروردگار کا یہ تخلیقی عمل بھی شاید ان تینوں مراحل کا پابند اور محتاج ہے۔ اس لئے یہاں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ کسی بھی تخلیقی عمل میں ہمیں جو مراحل دکھائی دیتے ہیں مثلاً زمین یکلخت وجود میں نہیں آئی بلکہ موجودہ شکل میں اسے پہنچنے تک نہ جانے کتنے طویل پراسس سے گزرنا پڑا ہے اور کن کن مراحل سے گزر کر اس کا سفر مکمل ہوا ہے۔ یہی حال باقی تمام کائنات کا ہے لیکن یہ تمام مراحل ہمارے لئے ہیں۔ جہاں تک پروردگار کے فعل تخلیق کا تعلق ہے اس میں تقدم و تاخر نہیں ہوتا ہر چیز کو وجود میں آنے کیلئے اس کا ایک حکم کافی ہے۔ البتہ! اس کی حکمت کا تقاضا اگر یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل ان مراحل سے گزرے تو وہ مخلوق کی ایک حالت ہے۔ خالق اپنا حکم دینے اور اسے نافذ کرنے میں ان مراحل کا محتاج نہیں لیکن چونکہ ہماری نگاہوں میں یہ تینوں مراحل ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ اس لئے اس سے اشتباہ ہو سکتا ہے کہ پروردگار کا فعلِ تخلیق شاید منصوبہ بندی تک ہے۔ باقی مراحل کسی اور نے انجام دیئے ہیں یا از خود عمل میں آئے ہیں (جس طرح بعض فلسفیوں کا خیال ہے) اس لئے پروردگار نے اپنے ان تین ناموں میں جس کا سورۃ الحشر میں مسلسل ذکر فرمایا گیا یہ واضح کیا ہے کہ جس طرح وہ پروردگار **الخالق** ہے یعنی منصوبہ ساز ہے اس طرح وہ **البارئ** بھی ہے۔ یعنی کتم عدم سے وجود میں لانے والا بھی وہی ہے اور پھر وہ **المصور** بھی ہے کہ ہر مخلوق کی نوک پلک کو وہی سنوارتا ہے۔ تکمیلی مراحل سے بھی وہی گزارتا ہے اور حسن اور خوبی بھی وہی عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

ہم غور وفکر کا قدم اگر اور آگے بڑھائیں تو یہ تینوں باتیں سمجھنا کوئی مشکل نہیں کیونکہ جہاں تک اس کی منصوبہ سازی اور پھر مقصد وجود کے تعین کا تعلق ہے تو اس نے خود مختلف جگہ اس کا ذکر فرمایا۔ مثلاً مخلوقات میں شاید سب سے اہم مخلوق زندگی اور موت ہے۔ اس کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط

(پروردگار وہ ذات ہے جس نے زندگی اور موت کو پیدا فرمایا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے حسنِ عمل کس کے پاس ہے) (الملک: ۲)

اس طرح وہ سورۃ الاعراف میں فرماتا ہے کہ:

"جو لوگ زمین و آسمان کے خلق میں غور وفکر کرتے ہیں وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے رب! تو نے جو کچھ پیدا فرمایا، بے مقصد پیدا نہیں فرمایا"

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار کے ہر تخلیقی عمل کے پیچھے ایک منصوبہ کام کر رہا ہے۔ ایک حکمت کام کر رہی ہے، ایک مقصدِ وجود کار فرما ہے۔ اہلِ ایمان تو اس پر یقین رکھتے ہی ہیں اور ان کا ایمان انہیں بہت کچھ دکھاتا بھی ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں لیکن کائنات کے نظم میں غور کرنے کا انہیں بھی موقع ملا ہے، وہ بھی اس حقیقت سے دور نہیں رہے۔ انگلستان کے ایک ماہرِ طبیعات جارج ارل ڈیوس کہتے ہیں کہ:

"میں مدت سے کائنات کے پیچیدہ نظام کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایک ذرے سے لے آفتاب تک ہر جگہ ایک حیرت انگیز نظم ونسق پایا جاتا ہے۔ روشنی کی ہر شعاع، قطرۂ شبنم کی ہر لرزش اور ہر فطری و کیمیائی تغیر پابندِ آئین ہے۔ یہ عمل ناقابلِ تصور ہے کہ نظم وضبط کی یہ ترتیب کسی ناظم کے بغیر خود بخود وجود میں آ گئی"۔

انگلستان کا ایک اور فاضل ڈاکٹر ایبر سولڈ کہتا ہے کہ:

اس کائنات میں نظم وترتیب، حکمت وصناعی کے یہ حیرت انگیز مظاہر کسی حادثے یا اتفاق کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ایک بے مثل خالق اور عظیم مدبر کی تخلیق ہے۔ جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو آغاز میں خیال تھا کہ سائنس بہت جلد زندگی اور عقل وشعور کے سرچشموں کے متعلق مکمل علم حاصل کر لے گی۔ لیکن جوں جوں میرے علم میں اضافہ ہوتا گیا تو یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوتی گئی کہ انسان کا علم ان ماورائی حقائق کی ابجد سے بھی ناآشنا ہے۔

بائبل میں آج بھی یہ عبارت موجود ہے کہ:

تو کہاں تھا جب میں نے زمین کی بنیاد ڈالی، کس نے اسے ناپا، کس نے سمندروں کے دروازے بند کئے اور کس نے فضاؤں کو بادل اور آسمان کو رات کا لباس پہنایا، کس نے سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کو خشکی پر یلغار کرنے سے روکا، بارش اور شبنم کا باپ کون ہے؟ بجلیاں کس کے تصرف میں ہیں؟ اور ستاروں کی رہبری کون کر رہا ہے؟

Marfat.com

ان حوالوں سے صاف نظر آتا ہے کہ غور کرنے والی نگاہیں اس تخلیقی عمل کے پیچھے مخفی حکمتیں مقصدِ وجود اور منصوبہ سازی کو دیکھ سکتی ہیں۔

وہی ذات بابرکات البـاری ہے کہ اپنے اس مقصد کے مطابق وہ خود ہی اپنی مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ وہ اگر مادی مخلوق ہے تو مادہ بھی وہ خود پیدا کرتا ہے اور اگر وہ غیر مادی ہے تو اس کیلئے وسائلِ وجود بھی خود فراہم کرتا ہے اور اس کو جاننے کیلئے کسی بڑی عقل کی ضرورت نہیں۔ انسان کا اپنا وجود اور اس کے گرد و پیش پھیلی ہوئی پوری کائنات اس کی اسی 'صفتِ برء'' کا مظہر ہی تو ہے۔ زمین سے لے آسمان تک، گھاس کی پتی سے لے کر چنار کے درخت تک، ایک ذرے سے لے کر سر بفلک پہاڑوں تک، کون ہے جو انہیں عدم سے وجود میں لایا اور پھر اس نے جس طرح اپنی مخلوق کو حسن و جمال سے نوازا ہے، اس کی تصویر کشی کی ہے، ان کے خواص مقرر کیے ہیں اور ان میں جنسی، نوعی، فردی اختلافات رکھے ہیں، اس کی تفصیلات میں جائیں تو وہ الگ ایک دنیا ہے کہ اس میں ہر قدم آدمی کو حیرانی کے سوا اور کچھ نہیں دیتا اور آدمی جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے اس مصور کے پیدا کردہ حسن و جمال کو دیکھ دیکھ کر حیرت میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ انسان ہی کو دیکھ لیں کہ اس کی صورت بنانے والے نے کیسی کیسی صورتیں بنائیں، کھربوں انسان پیدا کیے لیکن کبھی ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی اور پھر یہ اختلافات صرف چہرے کے ناک نقشے میں نہیں بلکہ دل و دماغ کی خصوصیات میں، جسم کی طاقت اور توانائی میں، جنسی خصائص میں اور افراد کے اعمال میں ہر جگہ ظاہر و باہر ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ یہ انگوٹھا جو ایک چھوٹی سی چیز ہے اس پر جو اس نے خط کھینچے کھربوں انسانوں کی تعداد کے باوجود کسی ایک انگوٹھے کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے۔ اسی طرح عالمِ جمادات کو دیکھ لیں کہ پتھر ایک جنس ہے لیکن اس ایک جنس میں ہزاروں اقسام ہیں، سینکڑوں رنگ ہیں اور پھر ان میں ہزاروں خواص ہیں۔ ایک خزف ریزے سے لے کر ہیرے تک اور پھر ہیروں کی نہ جانے کتنی اقسام ہیں اور پھر پتھروں میں سے نکلنے والی معدنیات اور ان کی انواع و اقسام، یعنی ایک طلسم ہوشربا ہے کہ جو ہوش اڑائے دے رہا ہے۔ عالمِ نباتات کو دیکھیں اس کا ایک ایک پودا، ایک ایک بیل، ایک ایک درخت ہزاروں اقسام رکھتا ہے اور جہاں تک ان کی تاثیرات کا تعلق ہے اور ان کے فوائد کا تو کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ کائنات کا حسن ہی شاید نباتات کی وجہ سے ہے اور ہماری حیات کا زیادہ تر دارومدار بھی شاید انہی پر ہے۔ مثلاً یہ غلہ اور پھل جو ہم کھاتے ہیں، یہ کپڑے جو ہم پہنتے ہیں، یہ چائے، کافی اور شربت جو ہم پیتے ہیں سب نباتات سے ہی تو حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ربڑ، یہ کاغذ، یہ کوئلہ، یہ صابن، سب نباتات ہی کا کرشمہ ہے۔ ہماری یہ الماری میں سجی ہوئی کتابیں وہ جنگل ہیں جنہیں مزدور کاٹ کر کاغذ کے کارخانوں تک لے گئے تھے۔ پھولوں کے ایک ننھے سے پودے سے لے کر چنار کے ایک درخت تک آپ کو نباتات کی کروڑوں اقسام نظر آئیں گی۔ ان میں سے کچھ باغوں کی آرائش ہیں۔ کچھ ہماری غذا ہیں اور کچھ متاعِ حیات ہیں۔ یہ سب ایک ہی زمین سے اگتی اور ایک ہی پانی سے نشوونما پاتی ہیں لیکن کمالِ تصویر دیکھئے کہ سب کی حیثیت، رنگ، قامت، تاثیر، بو اور ذائقہ الگ ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ
صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى
بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

(زمین میں پاس پاس بنے قطعات ہیں جن میں کہیں کھیتی، کہیں انگور، کہیں کھجور کے درخت ہیں ان میں سے کچھ ایک جڑ

Marfat.com

سے نکلتے ہیں کچھ الگ جڑوں سے۔ان سب کی پرورش ایک ہی پانی سے ہوتی ہے لیکن ذائقے الگ الگ ہیں، ان باتوں میں اربابِ دانش کیلئے کتنے ہی اسباق وشواہد موجود ہیں) (الرعد: ۴)

یہی حال آپ عالمِ حیوانات میں پائیں گے اور اس سے بڑھ کر حیران کن اس کی تصویریں عالمِ افلاک میں دکھائی دیتی ہیں کہ ستاروں کی چھٹکی ہوئی چاندنی میں آدمی اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حسن کی بارش ہو رہی ہے اور پھر یہ تو وہ کچھ ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور جو ہمیں دکھائی نہیں دے رہا جو صرف اس بنانے والے کے علم میں ہے اور جہاں تک کسی سائنسدان کی نگاہ نہیں پہنچی اس میں اس خالق، باری اور مصور کے کمالات کیا ہوں گے؟ یہ وہی جانتا ہے اور پھر اس کا ایک عالمِ روحانیت بھی ہے۔ وہ بجائے خود ایک جہان ہے جس کو بیان کرنے سے الفاظ بھی عاجز ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ خالق اور باری اور مصور وہ ذات ہے جس سے ہمارے دلوں کو تسکین ملتی ہے۔ ہمارے ایمان کو روشنی اور ہمارے دماغوں کو جلا ملتی ہے۔ اگر اس کے ان پیارے ناموں پر غور کریں گے تو دل ودماغ کا یہ سکون اور ایمان کی یہ روشنی مزید بڑھتی جائے گی۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اسی کیلئے بہترین نام ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو چند بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں ورنہ جتنی بھی اچھی صفتوں کا تصور کیا جاسکتا ہے ان کی حقیقی موصوف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہاں اسماء صفات کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی نام ہیں وہ سب اس کی کسی نہ کسی صفت ہی کو تعبیر کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے ان اسماء کو ذکر فرمایا ہے اور حدیث میں ۹۹ نام گنائے گئے ہیں جنہیں ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بالتفصیل نقل کیا ہے۔ لیکن ان سے بھی استقصاء مراد نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات ہیں۔ سابق آسمانی کتابوں میں اور بھی اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس سورۃ کا آغاز بھی انہیں الفاظ سے ہوا ہے اور ہم وہاں اس کی تشریح کر چکے ہیں اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ

(٦٠)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلْمُمْتَحِنَۃِ ہے جس کا معنی ہے امتحان لینے والی سورۃ۔ اور دوسرا اس کا نام ہے اَلْمُمْتَحَنَۃ اس کا معنی ہے وہ عورت جس کا امتحان لیا جائے۔ درحقیقت اس سورۃ کی آیت ۱۰ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو عورتیں مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے آئیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں ان کا امتحان لیا جائے کہ واقعی وہ مسلمان ہیں یا نہیں۔

زمانۂ نزول:۔ اس سورۃ میں دو ایسے معاملات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کا زمانہ تاریخی طور پر مسلم اور معلوم ہے۔ ان کی روشنی میں سے اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی متعین کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو معاملہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا ہے جنہوں نے ایک خط کے ذریعے قریشِ مکہ کو آنحضرت ﷺ کی ان جنگی کارروائیوں کی خبر دی تھی جو آپ نہایت خاموشی سے مکہ پر چڑھائی کیلئے کر رہے تھے جبکہ یہ ساری کارروائیاں نہایت رازداری کے ساتھ کی جا رہی تھیں اور عام مسلمان بھی اس سے بالکل بے خبر تھے۔ اور دوسرا معاملہ ان مسلمان عورتوں کا ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ رہی تھیں تا کہ وہ اپنے مسلمان شوہروں سے ملیں۔ ان دونوں معاملات کا تعلق چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے سے ہے اس لئے متعین طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ سورۃ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے ایک تقریب پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے پہلی تین آیتوں میں اس سے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں ضروری ہدایات نازل فرمائیں۔ اور ایمان کی حدود کو واضح فرماتے ہوئے ان لوگوں سے تعلقات رکھنے سے منع فرمایا جو اسلام کے دشمن اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کرنے والے ہیں۔ اور ان کی قلبی کیفیت یہ ہے کہ اگر ان کا مسلمانوں پر قابو چل جائے تو وہ انہیں مرتد کر کے چھوڑیں۔ اور یہ بات بھی واضح فرمائی کہ تم ایسے لوگوں سے محض اپنے خاندان اور بچوں کی حفاظت کیلئے دوستی کے تعلقات نبھانا چاہتے ہو اور اس سے اسلامی تعلقات کو نقصان بھی پہنچتا ہے تو تم اسے گوارا کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن یہ رشتے تمہارے کام آنے والے نہیں ہیں۔ اس دن تمام رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے۔

پھر اگلی چار آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ہجرت کے واقعہ سے مسلمانوں کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جب ان کی قوم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ہر ممکن طریقے سے دعوتِ حق کو دبانے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان

Marfat.com

کے ساتھی اپنی قوم سے ابدی بیزاری کا اظہار کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔اور صاف صاف کہا کہ جب تک تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان نہ لاؤ گے اس وقت تک ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں۔اور پھر اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی ہے مسلمانوں کو ہجرت کی آزمائشوں میں ثابت قدمی کیلئے اس دعا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

پھر آٹھویں اور نویں آیتوں میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے تمہیں ہجرت پر مجبور نہیں کیا اور نہ دین کے حوالے سے تم سے جنگ کی ہے ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کی ممانعت نہیں۔تم ان کے ساتھ منصفانہ تعلقات رکھ سکتے ہو۔

اس کے بعد آیت دس اور گیارہ میں ایک اہم معاشرتی مسئلہ کا فیصلہ کیا گیا ہے جو اس میں بڑی پیچیدگی پیدا کر رہا تھا کہ ہجرت کے موقع پر بہت سے مرد ایسے تھے جو اسلام کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہو گئے لیکن ان کی بیویوں نے اسلام قبول نہ کیا اور وہ مکہ ہی میں رہ گئیں اور بعض مسلمان عورتیں ایسی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئیں لیکن ان کے شوہر ابھی تک کافر تھے۔سوال یہ تھا کہ کیا ان کے درمیان رشتہ ازدواج باقی ہے یا نہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فیصلہ فرما دیا کہ کافر عورت مسلمان مرد کی بیوی نہیں بن سکتی اور کافر مرد مسلمان عورت کا شوہر نہیں ہو سکتا۔جس طرح مسلمان مرد کیلئے جائز نہیں کہ وہ مشرک بیوی کو اپنے نکاح میں رکھے،اسی طرح مسلمان عورت کیلئے بھی کافر شوہر حلال نہیں۔

پھر آیت بارہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو عورتیں اسلام قبول کریں آپ ان سے ان بڑی بڑی برائیوں سے بچنے کا عہد لیں جو اس وقت عرب معاشرے میں عورتوں کے اندر پھیلی ہوئی تھیں۔اور اس بات کا ان سے وعدہ لیں کہ آئندہ وہ خالص اسلامی زندگی گزاریں گی۔اگر وہ ان دونوں باتوں کا عہد کریں تو آپ ان سے بیعت لے لیں۔

Marfat.com

رُكُوْعَاتُهَا ٢	سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (٦٠)	اٰيَاتُهَا ١٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ
تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ
يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ
كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ
تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ
اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١﴾
اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ
وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ ﴿٢﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ
وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۛۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۛۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا

Marfat.com

قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ
مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ
الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا
رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ
يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶ ع

رکوع: ۱۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں، وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو جو تمہارا رب ہے، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضا جوئی کیلئے نکلے ہو، تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو میں ہر چیز کو جانتا ہوں، اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔ ۱) اگر وہ تم کو پا جائیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور تم پر دست درازی بھی کریں گے اور زبان درازی بھی، اور چاہیں گے کہ تم کافر ہو جاؤ۔ ۲) قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں تمہیں فائدہ پہنچائیں گی اور نہ تمہاری اولاد، اس دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا، اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ ۳) تمہارے لئے بہترین نمونہ تو ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے دشمنی اور بیزاری آشکارہ ہوگئی تا آنکہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ، مگر ابراہیم کی اپنے باپ سے اتنی بات کہ میں آپ کیلئے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا اگرچہ اللہ سے آپ کیلئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے، اے ہمارے رب ہم نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے۔ ۴) اے ہمارے رب! ہمیں

Marfat.com

ان لوگوں کا تختۂ مشق نہ بننے دینا جنھوں نے کفر کیا ہے، اور اے ہمارے رب! ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ ۵) بے شک تمہارے لئے ان لوگوں کے طرزِ عمل میں بہترین نمونہ ہے، (بالخصوص) ان لوگوں کیلئے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتے ہیں، اور جو شخص اس سے اعراض کرے تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔ ٦)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں، وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو جو تمہارا رب ہے، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضا جوئی کیلئے نکلے ہو، تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو میں ہر چیز کو جانتا ہوں، اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔ ۱)

آیات کا سببِ نزول اور مسلمانوں کو اس بارے میں ہدایات

اس آیتِ کریمہ میں ان مخلص مسلمانوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی نیت سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ کر نکلے ہیں چند ہدایات دی گئی ہیں جس میں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن ان آیات کے نزول کا سبب چونکہ خاص واقعہ ہوا ہے جس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور عروہ بن زبیر وغیرہ حضرات کی متفقہ روایت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس واقعہ کا ذکر دیا جائے اور پھر اس کی روشنی میں ان آیات کی تشریح کی جائے۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ جب قریش نے حدیبیہ کے معاہدے کی بعض دفعات کی مخالفت کرتے ہوئے اس معاہدے کے ٹوٹنے کے اسباب پیدا کر دیئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں پیغام بھیجا کہ یا تو تم اعلان کر دو کہ تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا ہے اور یا پھر ان اسباب کی تلافی کرو۔ تو انہوں نے معاہدے کو توڑنے کا اعلان کر دیا۔ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ابوسفیان تجدید معاہدہ کیلئے مدینہ طیبہ آئے۔ لیکن نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ نے انہیں منہ نہ لگایا اور وہ ناکام واپس لوٹ گئے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مگر ان تیاریوں کو آپ نے اس حد تک پوشیدہ رکھا کہ چند مخصوص صحابہ کے سوا کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ کس مہم پر جانا چاہتے ہیں۔ اور جن صحابہ کو اس کا کچھ علم تھا ان ہی میں سے ایک حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بھی تھے۔ یہ اصلاً یمن کے رہنے والے تھے لیکن پھر مکہ معظمہ میں

Marfat.com

قریش کی سرپرستی میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ لیکن قریش کے ساتھ براہِ راست ان کا قرابتداری کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر اچانک حضورؐ نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی تو ہو سکتا ہے کہ قریش اشتعال میں آ کر جن لوگوں کو نقصان پہنچائیں ان میں میرا خاندان بھی شامل ہو۔ اس لئے انہوں نے اپنے خاندان کی حفاظت کے نقطۂ نگاہ سے قریش کو اس چڑھائی کی خبر دینا ضروری سمجھا۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں سارہ نامی ایک خاتون مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ آئی جو پہلے بنی عبدالمطلب کی لونڈی تھی اور پھر آزاد ہو کر گانے بجانے کا کام کرنے لگی تھی۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی اور اپنی تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو ایک گانے بجانے والی عورت ہو، تمہارے بہت سے آشنا تھے اس لئے تمہیں تنگدستی کیسے پیش آ سکتی ہے۔ اس نے بتایا کہ قریش کے بڑے بڑے لوگ مارے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوانوں نے بھی میرے پاس آنا چھوڑ دیا۔ اور آپ کا خاندان ایک بڑا خاندان تھا آپ لوگ مدینہ طیبہ آ گئے۔ تو نہ آپ کے خاندان کی مدد رہی اور نہ میرا کاروبار۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں تنگدستی کا شکار ہو گئی، آپ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔ آپ نے بنی عبدالمطلب اور بنی المطلب سے اپیل کر کے اس کی حاجت پوری کر دی۔ جب وہ مکہ جانے لگی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اس سے ملے اور اس کو چپکے سے ایک خط بعض سردارانِ مکہ کے نام دیا اور دس دینار دیئے تاکہ وہ راز فاش نہ کرے اور چھپا کر یہ خط ان لوگوں تک پہنچا دے۔ ابھی وہ مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس پر مطلع فرما دیا۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو اس کے پیچھے جانے کا حکم دیا کہ تیزی سے جاؤ اور روضہ خاخ کے مقام پر مدینہ سے بارہ میل بجانب مکہ تم کو ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب کا ایک خط ہے، جس طرح بھی ہو سکے اس سے وہ خط حاصل کرو۔ اگر وہ دے دے تو اسے چھوڑ دینا اور نہ دے تو اس کو قتل کر دینا۔ یہ حضرت جب اس مقام پر پہنچے تو عورت وہاں اونٹ پر سوار جا رہی تھی۔ انہوں نے اس کا اونٹ بٹھایا اور اس سے خط کا مطالبہ کیا۔ اس نے اپنے پاس کسی خط کے ہونے سے انکار کیا۔ انہوں نے تلاشی لی مگر کوئی خط نہ ملا۔ لیکن ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی اطلاع پر پورا یقین تھا اس لئے انہوں نے اس سے کہا کہ خط ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتروا کر تمہاری تلاشی لیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اپنی چوٹی سے وہ خط نکال کر انہیں دے دیا اور یہ اسے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ کھول کر پڑھا گیا تو اس میں قریش کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ نبی کریم ﷺ تم پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت حاطب سے پوچھا، یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں، میں نے جو کچھ کیا ہے اس بنا پر نہیں کیا ہے کہ میں کافر اور مرتد ہو گیا ہوں اور اسلام کے بعد اب کفر کو پسند کرنے لگا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے اقرباء مکہ میں مقیم ہیں، میں قریش کے قبیلہ کا آدمی نہیں ہوں، مگر بعض قریشیوں کی سرپرستی میں وہاں آباد ہوا ہوں۔ مہاجرین میں سے جن کے اہل و عیال مکہ میں ہیں ان کو تو ان کا قبیلہ بچا لے گا لیکن میرے اہل و عیال کو کوئی بچانے والا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرمائے گا اور میری اطلاع سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میں نے یہ خط اس خیال سے بھیجا تھا کہ قریش والوں پر میرا ایک احسان رہے جس کا لحاظ کر کے وہ میرے بال بچوں کو نہ چھیڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطب کی یہ بات سن کر حاضرین سے فرمایا قد صدقکم ''حاطب نے تم سے سچی بات کہی ہے۔'' یعنی اس نے کسی بری نیت سے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس کے پیشِ نظر صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس

Marfat.com

منافق کی گردن ماردوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ شخص جنگِ بدر کے شرکاء میں سے ہے، تمہیں کیا خبر، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو ملاحظہ فرما کر کہہ دیا ہو، تم خواہ کچھ بھی کرو میں نے تم کو معاف کیا۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ ان تمام روایات کا خلاصہ ہے جنہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، طبری، ابن ہشام، ابن حبان اور ابن ابی حاتم نے معتبر سندوں سے نقل کیا ہے۔ اس واقعہ سے چونکہ ایک اجتماعی زندگی کیلئے ایک بہت بڑے خطرے کی نشاندہی ہوتی ہے اس لئے پروردگار نے آئندہ کیلئے مسلمانوں کو ایسی ہدایات سے نوازا جس میں کوئی شخص دوبارہ ایسی حرکت نہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت حاطبؓ اپنے تمام اخلاص کے باوجود اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ میری یہ حرکت کتنے بڑے بڑے نقصانات کا باعث ہوسکتی ہے۔ انہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی کامیابی کا مکمل یقین تھا اس لئے وہ محض اپنے اہل وعیال کو بچانے کے جذبے کے پیشِ نظر اس بات کا ادراک نہ کر سکے کہ میری یہ حرکت ایمان کے تقاضوں سے کس قدر بعید ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے ان تمام باتوں کی طرف امت کو توجہ دلائی۔

سب سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم لوگوں نے جن نامساعد حالات میں ہجرت کا سفر اختیار کیا، اپنا وطن اور اپنا گھر چھوڑا اور ہر طرح کے آرام کو چھوڑ کر ایک ایسی زندگی کے سفر پر چل نکلے جس کے نتیجے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ایک بہت بڑا ایثار تھا، لیکن تمہیں اس بات کا ادراک ہونا چاہئے کہ ایسے ایثار کے کوئی تقاضے بھی ہیں۔ اور ایسے ایمان کے کچھ مقتضیات بھی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تمہیں کبھی ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہئے جس میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اور کفر کو فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ اور تمہارے ذہنوں میں واضح طور پر یہ تقسیم اتر جانی چاہئے کہ ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی دشمن ہیں۔ کیونکہ وہ اس دین کے دشمن ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے۔ تو جب تک تم ان کی دشمنی کا صحیح ادراک نہیں کرو گے اس وقت تک تم ان سے پوری طرح ترکِ تعلق نہیں کر سکو گے۔ اور تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہوگا کہ دشمن سے کسی خیر خواہی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور اپنوں کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جاسکتی۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ قریش اور اہلِ مکہ اور دیگر کفار کی دشمنی اپنے اندر کوئی اخفاء نہیں رکھتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حق آیا ہے اور جسے تم قبول کر چکے ہو وہ اس کا انکار کر چکے ہیں۔ اور اہلِ حق سے انہیں اس حد تک بیر ہے کہ محض اس حق کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ تمہارا اس کے سوا کوئی جرم نہیں تھا کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے۔ تم کہہ سکتے ہو:

خونے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشقِ روئے تو گشتہ ایم

کس قدر عجیب بات ہے کہ وہ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں اور تم ان سے محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہو اور انہیں خطوط لکھ رہے ہو۔ اور پھر تم نے یہ بات بھی نظر انداز کر دی ہے کہ تم نہایت اخفاء اور رازداری کے ساتھ انہیں جو محبت کے پیغامات بھیج رہے ہو تو کیا پروردگار ان سے واقف نہیں۔ وہ تو تمہاری ہر مخفی بات کو بھی اور ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ تو جو شخص بھی ان تمام احساسات کو نظر انداز کرتے ہوئے کفار سے کسی طرح کا تعلق باقی رکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ درحقیقت راہِ راست سے بھٹک گیا۔ تمہارے لئے ایک بالکل سیدھی راہ ہے کہ صاحبِ ایمان

Marfat.com

لوگ تمہارے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے تمہارا محبت کا رشتہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے دشمن ہیں وہ تم میں سے ہر مسلمان کے دشمن ہیں۔ یہ راستے کے دو کنارے ہیں ایک طرف دوستی ہے اور دوسری طرف دشمنی۔ تم اگر دوستی کے کنارے کو چھوڑ کر دشمنی کی طرف جاتے ہو تو اس سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی مصلحت کا راستہ روک دیا جسے بہانہ بنا کر کوئی شخص کفر سے ایسی سازگاری کا راستہ اختیار کر سکتا تھا جس سے اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا۔ جو شخص اخلاص کے ہوتے ہوئے بھی محض ذاتی مصلحت کی خاطر ایسا کام کرے گا تو وہ راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔

اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَـكُمۡ اَعۡدَآءً وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ ؕ ﴿۲﴾

(اگر وہ تم کو پا جائیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور تم پر دست درازی بھی کریں گے اور زبان درازی بھی، اور چاہیں گے کہ تم کافر ہو جاؤ۔ ۲)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

گزشتہ مضمون ہی کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم جن لوگوں سے خیر کی توقع رکھتے ہو اور ان کے کفر کو نظر انداز کرتے ہوئے مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہو اور ان کی دوستی کے خواہشمند ہو، تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ ان کے دلوں میں تمہارے خلاف ایسا عناد بھرا ہوا ہے کہ اگر وہ کہیں تم پر قابو پا جائیں تو نہ دست درازی سے باز رہیں گے اور نہ زبان درازی سے۔ بلکہ ان کی تمام تر کوششوں کا ہدف یہ ہوگا کہ تمہیں مرتد کر کے چھوڑیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ان کی دشمنی نہ انفرادی ہے اور نہ وقتی۔ جب تک تم اسلام سے وابستہ ہو وہ تمہارے دشمن ہیں۔ اور جب تک تم مسلمان امت میں ہو وہ کفر کی جماعت میں سے ہوتے ہوئے تمہیں مٹانے کے خواہشمند ہیں۔ اور اس معاملے میں اس قدر سخت ہیں کہ کسی رشتہ و قرابت یا کسی عہد و پیمان کا لحاظ کرنے والے نہیں۔ اس لئے تمہارے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ تم ان سے موالات کی ہر خواہش سے دستبردار ہو جاؤ۔

لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ ۚ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۚ يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳﴾

(قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں تمہیں فائدہ پہنچائیں گی اور نہ تمہاری اولاد، اس دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا، اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ ۳)

بات تو عمومی انداز میں فرمائی جا رہی ہے لیکن اشارہ حضرت حاطب کی طرف ہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اہل و عیال کو بچانے کیلئے قریش کو خط لکھا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے وسیع تر مفاد پر اپنے اہل و عیال کے مفاد کو ترجیح دی تھی۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ جن اہلِ قرابت اور جس اولاد کی خاطر تم نے اتنے بڑے قصور کا ارتکاب کیا وہ اہلِ قرابت اور وہ اولاد

Marfat.com

تمہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت سے بچا نہیں سکے گی۔ کوئی شخص وہاں آگے بڑھ کر یہ کہنے کی ہمت نہیں کرے گا کہ ہمارے باپ یا ہمارے بیٹے یا ہمارے بھائی نے ہماری خاطر یہ گناہ کیا تھا، ان کو ہماری خاطر چھوڑ دیا جائے۔ وہاں ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی۔ سورۃ عبس میں پروردگار کا ارشاد ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝ ''اس دن کو یاد رکھو جس دن آدمی اپنے بھائی، اپنے ماں باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔'' یعنی ہر ایک اپنے ہی حال میں ایسا گرفتار ہوگا کہ جس میں اسے کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دوسرے سے بیگانہ کر دے گا۔ ہر شخص اپنی ذاتی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور ہر شخص کو اپنا ہی حساب دینا پڑے گا۔ اور وہاں وہی اعمال کام آئیں گے جو دنیا میں ہر شخص نے کئے اور جسے برابر اللہ تعالیٰ کی نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۴

(تمہارے لئے بہترین نمونہ تو ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے دشمنی اور بیزاری آشکارہ ہوگئی تا آنکہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ، مگر ابراہیم کی اپنے باپ سے اتنی بات کہ میں آپ کیلئے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا اگرچہ اللہ سے آپ کیلئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے، اے ہمارے رب ہم نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے۔ ۴)

اسوۂ ابراہیمی کی پیروی کی تلقین

گزشتہ آیات میں جس بات پر زور دیا گیا ہے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس پر عمل کی تسہیل کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے طرزِ عمل کو اسوہ کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے۔ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اس معاملے میں رہنمائی کیلئے تمہیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، تم اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی کا داعی کہتے ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے جدِ امجد ہیں۔ تمہارے لئے بھی اور تمہارے دشمنوں کیلئے بھی ان کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ اس سے تمہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے اور اس راستے کے دشمنوں کی سمتِ سفر ایک نہیں ان کی منزل بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان میں یکجائی کا کوئی عنصر ایسا نہیں جو قدرِ مشترک کے طور پر کام آ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے جب اپنی قوم کو ہر طرح سے اپنا دشمن پایا اور فکری اور عملی طور پر بیگانگی محسوس کی تو انہوں نے صاف صاف ان سے برأت کا اعلان کر دیا اور یہ کہا کہ ہم تم سے بھی اور ان قوتوں سے بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو برأت اور بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ اور چونکہ تمہارا مسلک اور مذہب ہم سے جدا ہے تو جس طرح آگ اور پانی اور تاریکی اور روشنی ایک

Marfat.com

ساتھ نہیں رہ سکتے، اسی طرح ہم بھی تمہارے ساتھ رہنے اور تم سے تعلق رکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ جس طرح تم اللہ تعالیٰ کے دین کے کافر ہو اسی طرح ہم تمہارے کافر ہیں۔ کیونکہ ایمان کا لازمی تقاضا طاغوت سے کفر ہے۔ قرآنِ کریم میں پروردگار کا ارشاد ہے فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ''جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے درحقیقت مضبوط سہارا تھام لیا۔'' اس برأت کا نتیجہ منطقی طور پر یہ ہے کہ مسلمانوں اور کفار میں دشمنی کی ایک ایسی دیوار حائل ہو جاتی ہے اور ان کے درمیان ایسی نفرت جنم لیتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے آئیں۔ یہ ہے وہ بات جس کا اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں نے کیا۔ اور یہی ان کا طرزِ عمل بن گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل کی پیروی میں ایک الجھن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرزِ عمل میں جو چیز کھٹکتی اور ذہنوں میں سوال پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے جب علیحدگی اور برأت کا اعلان کیا تو ساتھ ہی یہ کہا کہ میں عنقریب اللہ تعالیٰ سے آپ کی مغفرت کیلئے دعا کروں گا۔ اور یہ ایک طرح سے وعدہ تھا جو آپ نے اپنے والد سے کیا۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ نے مکمل طور پر ہر کافر سے برأت کا اظہار فرمایا تو پھر باپ کو اس سے مستثنیٰ کیوں کیا گیا۔ اور قرآنِ کریم کے ایک حکم سے بھی اس بات کا تصادم ہوتا ہے وہ حکم یہ ہے کہ پروردگار نے سورۃ توبہ اور آیت ۱۱۳ میں فرمایا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ''نبی کا یہ کام نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کو یہ زیبا ہے جو ایمان لائے ہیں کہ مشرکوں کیلئے دعائے مغفرت کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔'' اس کو دیکھتے ہوئے بعض اہلِ علم نے کہا کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم کے اعلانِ برأت سے جو استثنیٰ کیا گیا ہے وہ درحقیقت اس بات سے استثنیٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک مومن کیلئے اسوۂ حسنہ ہے لیکن ان کا اپنے باپ کے بارے میں طرزِ عمل اس اسوہ میں شامل نہیں اور کسی مومن کو یہ جائز نہیں کہ وہ اس سلسلے میں آپ کی پیروی کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ استثنیٰ اسوہ حسنہ سے نہیں بلکہ اعلانِ برأت سے ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی قوم سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے اپنے باپ کے سلسلے میں صرف اتنی رعایت برتی کہ میں ابھی مکمل برأت کا اعلان آپ سے نہیں کرتا بلکہ آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کیلئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ اگرچہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتا اور اس رعایت کی وجہ یہ تھی کہ ابھی آپ کو اپنے باپ کیلئے ہدایت کی امید تھی۔ ان پر یہ پوری طرح بات واضح نہیں تھی کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کے دین کے بدترین دشمنوں میں شامل ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ باپ کا سارا غصہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے زعم کے مطابق اپنے بیٹے کو گمراہی سے بچانا چاہتا ہے۔ لیکن جب قرآن کے بیان کے مطابق ان پر یہ بات کھل گئی کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کے دین کا دشمن ہے انہوں نے اس سے کلیۃً اعلانِ برأت کر دیا۔ اور بیٹے کے ساتھ باپ کے خصوصی تعلق کی وجہ سے اتنی رعایت تو بہرحال دی جا سکتی ہے اور اس سے یہ بات ہرگز معلوم نہیں ہوتی کہ یہ رعایت دیتے ہوئے بیٹے کے ذہن میں برأت کے جذبے میں کوئی کمی ہے بلکہ یہ ہدایت کی امید ہے ایک بیٹا اپنے باپ کے سلسلے میں رکھتا ہے۔

Marfat.com

اس جملہ معترضہ کے ختم ہونے کے بعد اس دعا کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جس کا تعلق اعلانِ برأت سے ہے۔ اور اس دعا کا محل یہ ہے کہ جب کوئی حق کا داعی اپنے اہلِ خانہ اور اپنی قوم سے اعلانِ برأت کے بعد ہجرت کا فیصلہ کرتا ہے تو یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جسے جذبات سے سر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس میں پوری شخصیت ہل کر رہ جاتی ہے جس میں قدم قدم پر کٹھن گھاٹیاں اور محرومیوں کی ایسی کھائیاں ہیں جنہیں پاٹنے کیلئے بڑے مضبوط ایمان کی ضرورت ہے۔ اور اس ایمان کو غذا اللہ تعالیٰ پر توکل، اس کی طرف انابت اور اس کے حضور حاضری کے احساس سے مہیا ہوتی ہے۔ اس لئے اس سفر پر نکلنے والا شخص اپنے اللہ سے سب سے پہلے اسی قوت کے حصول کی دعا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے بھی اسی کیلئے دعا مانگی اور مسلمانوں کو بھی اسی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾

(اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کا تختۂ مشق نہ بننے دینا جنہوں نے کفر کیا ہے، اور اے ہمارے رب! ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ ۵)

گزشتہ دعا کا ایک حصہ

یہ بھی اوپر والی دعا کا حصہ ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے یہ دعا مانگی ہے کہ یا اللہ! ہمیں کافروں کیلئے فتنہ نہ بنا۔ یہاں فتنہ سے مراد ہدفِ فتنہ ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کافر ہم پر غالب آجائیں اور اپنے غلبہ کو اس بات کی دلیل قرار دیں کہ ہم حق پر ہیں ورنہ ہمیں غلبہ نصیب کیوں ہوتا۔ اور اس فتنہ سے مراد وہ اذیتیں اور تکلیفیں بھی ہو سکتی ہیں جو کفار مسلمانوں کو پہنچاتے ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے ہمارے رب! کفار کا ظلم و ستم ہماری حدِ برداشت کیلئے چیلنج نہ بننے پائے، جس سے ہو سکتا ہے کہ ہم بھی حوصلہ ہار دیں اور کفار کی وہ باتیں ماننے پر مجبور ہو جائیں جو ایمان کے سراسر خلاف ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے ایمان اور اہلِ ایمان کی رسوائی ہو گی۔ یعنی اب جبکہ ہم نے تجھ پر ایمان اور تجھ سے تعلق کو اپنی منزل بنا لیا ہے تو اے ہمارے رب! ایسے حالات پیدا فرما کہ ہم اس منزل کے حصول میں کامیاب ٹھہریں، اور ہم میں ایسی کوئی کمزوری پیدا نہ ہو جو دین کی رسوائی کا باعث بنے۔ اور مزید یہ دعا مانگی کہ یقیناً ہم سے چھوٹی موٹی کمزوریاں سرزد ہوں گی تو ہماری ان کمزوریوں سے درگزر فرما۔ کیونکہ تو ہی ہر طرح کے حالات پر غالب اور تائید و نصرت میں حکمت رکھنے والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۗ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦﴾

(بے شک تمہارے لئے ان لوگوں کے طرزِ عمل میں بہترین نمونہ ہے، (بالخصوص) ان لوگوں کیلئے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتے ہیں، اور جو شخص اس سے اعراض کرے تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔ ٦)

Marfat.com

اسوہ کی پیروی کے سلسلے میں ایک تنبیہ

یہ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کے اس اعلانِ برأت وعداوت میں نمونہ تو بے شک نہایت بہترین ہے لیکن اس نمونہ سے فائدہ اٹھانا اوراس اسوہ کی پیروی کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ کہنے کو یہ بات آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنے کیلئے قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے جسے سر کرنا پڑتا ہے۔ اپنے افکار کی قربانی، قومی تشخصات کی قربانی، اعزہ واقرباء کی قربانی، زندگی بھر کے دوستوں کی قربانی، کاروبار کی قربانی، اپنے گھر اور وطن کی قربانی، ایک لامتناہی سلسلہ ہے جسے سوچتے بھی پتہ پھٹنے لگتا ہے۔ اس لئے ایسے اسوہ کی پیروی صرف وہی شخص کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید کی امید رکھتا ہو۔ اوروہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دے چکا ہو۔ دنیا کے نقصانات میں اگراسے آخرت کی کامیابیاں نظر آتی ہوتو وہ اسے حقیقی کامیابی سمجھتا ہو۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اِک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ہجرت کے راستے کا یہی زادِراہ ہے۔ جو شخص اس کے علاوہ کسی اور زادِراہ پر اعتماد کرتا ہے وہ چند قدم کے بعد حوصلہ ہار دیتا ہے۔ اس لئے جس شخص کو بھی اس اسوہ کی پیروی کا خیال پیدا ہو اسے سب سے پہلے اپنے اندر وہ قوت پیدا کرنی چاہیئے جو ان صفات میں مضمر ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

اور آخر میں فرمایا کہ جو اسوۂ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی سے اعراض کرے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں، اور نہ اسے ان سے کوئی سروکار ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ وہ سب سے مستغنی اور اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔ اس کی حکمرانی کسی کے سہارے سے نہیں بلکہ خود اپنے بل پر قائم ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ
يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ

Marfat.com

تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّمَا
يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ
وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ
وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْئَلُوْا
مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ
فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ
يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ
وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ
اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

Marfat.com

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ
الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

رکوع: ۲۔ (بعید نہیں کہ اللہ کبھی تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم نے دشمنی کی، دوستی پیدا کردے، اور اللہ قدرت والا ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ ۷) اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۸) اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی، اور جو لوگ اس طرح کے لوگوں سے دوستی کریں گے وہی لوگ ظالم ہیں۔ ۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کرو، یوں اللہ تو ان کے ایمان سے اچھی طرح واقف ہی ہے، پس اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ کفار کیلئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کیلئے حلال ہیں، اور انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کردو، اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان سے نکاح کرلو جبکہ تم ان کے مہر ان کو ادا کردو، اور کافرہ عورتوں کی عصمتوں پر قابض نہ رہو، اور جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیئے تھے وہ تم واپس مانگ لو، اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیئے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ۱۰) اور اگر تمہاری بیویوں کے مہر میں سے کچھ کافروں کی طرف رہ جائے تو پھر جب تمہیں موقع ہاتھ آئے تو جن کی بیویاں گئی ہیں ان کو ادا کردو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے تم مومن ہو۔ ۱۱) اے پیغمبر! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں کہ وہ آپ سے بیعت کریں اس بات پر کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کا ارتکاب کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان تراشیں گی اور نہ کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیجئے اور ان کیلئے اپنے اللہ سے دعائے مغفرت کیجئے، بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ۱۲) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب ہوا، جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح کفار قبر والوں سے مایوس ہیں۔ ۱۳)

Marfat.com

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۷

(بعید نہیں کہ اللہ کبھی تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم نے دشمنی کی، دوستی پیدا کردے، اور اللہ قدرت والا ہے اور اللہ غفور ورحیم ہے۔ ۷)

مسلمانوں کی وفاداری پر ایک انعام

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ایمان کی روح قرار دیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ان اعزہ واقرباء سے تعلقات منقطع کردے جو اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمن ہیں اور جنہوں نے ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کے دین کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی ایمان لایا اس نے اپنے آپ کو فی الواقع اس بات کا اہل ثابت کیا کہ اس کے دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے دین سے بڑھ کر اور کسی کو ترجیح حاصل نہیں۔ وہ بڑے سے بڑے تعلق کو اس تعلق پر قربان کرسکتا ہے۔ چنانچہ ہم جنگِ بدر میں اس کا عملی مظاہرہ دیکھتے ہیں کہ عتبہ، شیبہ اور ولید اگر کفار کی طرف ہیں تو عتبہ کے بیٹے مسلمانوں میں ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر مسلمانوں میں ہے اور بیٹا کافروں میں۔ حضرت عمرؓ مسلمانوں کی صف میں ہیں تو ان کے ماموں دشمنوں کی صف میں کھڑے ہیں۔ حضورؐ کے حقیقی چچا کفار کی صفوں میں ہیں اور ان کے بھائی اور ان کے بھتیجے مسلمانوں میں ہیں۔ اس طرح کی بیسیوں مثالیں ہیں جس میں مسلمانوں نے اپنے اعزہ واقرباء کے مقابلے میں شمشیر بکف ہوکر ہر رشتے کو کاٹ ڈالا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس پر انعام کے طور پر یہ بشارت دے رہے ہیں کہ تم نے محض اپنے دین کی خاطر جن عزیزوں سے آج تک دشمنی مول لی ہے امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان محبت پیدا کردے۔ یعنی وہ دشمنی چونکہ ایمان اور کفر کے سبب سے ہے تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ مکہ کو اسلام کی توفیق دے دے۔ چنانچہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے اس وقت کسی کو گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی تعبیر کب اور کیسے ہوگی۔ لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ مکہ فتح ہوگیا اور قریش کے لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی امیدوں کی عملی تعبیر دیکھ لی۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۸ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۹

Marfat.com

(اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۸) اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی، اور جو لوگ اس طرح کے لوگوں سے دوستی کریں گے وہی لوگ ظالم ہیں۔ ۹)

آیات کے مضمون کے سلسلے میں دو وضاحتیں

ان آیتوں میں دو باتوں کی وضاحت فرمائی گئی ایک تو یہ بات کہ مسلمانوں کو جن کفار سے ترکِ تعلق کی ہدایت کی گئی ہے اس کا تعلق ان کے کفر سے نہیں بلکہ ان کی ظالمانہ روش سے ہے۔ یعنی اسلام ان سے ترکِ تعلق کا حکم دیتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہیں اور کافر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ اگر اسلام ایسا کوئی حکم دیتا تو یہ معاشرتی، سماجی بلکہ ریاستی زندگی کیلئے بڑی تباہی کا باعث بنتا۔ اس لئے کہ جس دین نے اپنی ریاست میں غیر مسلموں کو پناہ دی اور ایک معمولی ٹیکس کے بدلے میں نہ صرف ان کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی بلکہ ان کی مذہبی آزادی کو بھی باقی رکھا وہ ایسا حکم کیونکر دے سکتا تھا اور مزید یہ بات بھی اس دین کے بھیجنے والے کو خوب معلوم تھی کہ آئندہ بین الاقوامی زندگی کے طور اطوار کیا ہوں گے۔ اگر اس میں صرف مذہب کی تفریق کی وجہ سے خلیج حائل کردی گئی تو اس کا نقصان بنیادی طور پر انسانوں کو پہنچے گا اور مذہب ایک قابلِ نفرت چیز ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے اس بات کو واضح فرمایا کہ تمہیں جن لوگوں سے ترکِ تعلق کا حکم دیا گیا ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے محض دین کی وجہ سے تم سے لڑائی کی، تمہارے خون کو مباح کردیا اور تمہارے لئے ہر زیادتی کو جائز ٹھہرایا اور پھر انہوں نے ایسے حالات پیدا کئے یا ایسے مظالم توڑے کہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکلنے پر مجبور کردیا۔ تو ایسے لوگوں کو ان کی دشمنی اور عداوت کے باعث کسی طرح بھی اپنا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تم ان کے قریب آنے کی کوشش کرتے ہو لیکن وہ تمہیں کسی قیمت برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ تو عافیت اسی میں ہے کہ تم ان سے تعلقات منقطع کردو۔

دوسری اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے بِر اور اِقساط سے منع نہیں فرمایا۔ بِر کا معنی ہے صلۂ رحم، احسان اور ادائے حقوق۔ اور اِقساط کا معنی عدل و انصاف کرنا ہے۔ یعنی جس کا جو حق واجب ہے وہ پورا پورا ادا کیا جائے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی جائے۔ کسی کافر کے سلسلے میں اسلام ان دونوں باتوں سے منع نہیں کرتا۔ بشرطیکہ کفار مسلمانوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ وہ دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرتا ہے۔ وہ ترکِ تعلق کا حکم دشمن کافر کے بارے میں دیتا ہے صرف کافر کے بارے میں نہیں دیتا۔ اس کی بہترین تشریح حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ کا واقعہ ہے۔ ان کی کافر ماں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اسماءؓ سے ملنے کیلئے آئیں۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی ماں سے مل سکتی ہوں اور کیا میں ان سے صلہ رحمی بھی کرسکتی ہوں؟ حضور نے جواب دیا، ان سے صلہ رحمی کرو۔ چنانچہ وہ ان سے ملیں اور جو ان کی مدد کرسکتی تھیں ان کی مدد کی۔ مکے میں جب قحط پھیلا تو آنحضرت ﷺ نے کھجوروں سے لدے ہوئے اونٹ بھیج کر ان کی مدد کی۔ جس علاقے سے اہلِ مکہ کو غلہ پہنچتا تھا جب اس علاقے کا سردار مسلمان ہوگیا تو اس نے اہلِ مکہ کیلئے

Marfat.com

غلہ کی ترسیل بند کردی۔ تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ایسا نہ کیا جائے۔ چنانچہ غلہ کی ترسیل بحال کردی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کافروں کے ساتھ نہ صرف کہ ادائے حقوق اور عدل وانصاف کرنے سے روکتا نہیں بلکہ اس کا حکم دیتا ہے۔ البتہ وہ جس بات سے روکتا ہے وہ یہ ہے کہ کفار کو دوست بنایا جائے یعنی ان سے قلبی تعلق قائم کیا جائے اور ملت کے مفاد سے قطع نظر ہر معاملے میں ان کی طرف دستِ تعاون بڑھایا جائے جس سے اس بات کا امکان ہے کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچائیں۔ یعنی جس بات سے روکا گیا ہے وہ کفار کو دوست اور کارساز بنانا ہے نہ کہ ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کرو، یوں اللہ تو ان کے ایمان سے اچھی طرح واقف ہی ہے، پس اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ کفار کیلئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کیلئے حلال ہیں، اور انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کردو، اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان سے نکاح کرلو جبکہ تم ان کے مہر ان کو ادا کردو، اور کافر عورتوں کی عصمتوں پر قابض نہ رہو، اور جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیئے تھے وہ تم واپس مانگ لو، اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیئے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ ۱۰)

آیتِ کریمہ میں بیان کردہ احکام کی وضاحت اور آیت کا پس منظر

اس آیتِ کریمہ میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا ایک پس منظر ہے۔ وہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے معاہدے میں قریش کے نمائندے نے ایک شق لکھوائی تھی اور اسے جانبین نے منظور کرلیا تھا۔ بخاری کی روایت کے مطابق اس کے الفاظ یہ تھے علی ان لا یاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ الینا ''اور یہ کہ تمہارے پاس ہم میں سے کوئی مرد بھی آئے اگر چہ وہ تمہارے دین ہی پر ہو تم اسے ہماری طرف واپس کرو گے۔'' چنانچہ اس شق کی وجہ سے یہ لازم ہوگیا کہ مسلمان مکے سے ہر آنے والے شخص کو واپس کرنے کے پابند ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابوبصیرؓ کو آنحضرت ﷺ نے واپس کردیا۔ لیکن اس کے بعد جو پیچیدگی پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ مردوں کے علاوہ مسلمان عورتوں کے آنے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اور سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے مدینے پہنچیں، کفار نے معاہدے کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کردیا اور ام کلثوم کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ انہیں واپس لے جانے کیلئے مدینے پہنچ گئے۔ اس

Marfat.com

پر سوال یہ پیدا ہوا کہ معاہدہ حدیبیہ میں جو شق رکھی گئی تھی کیا اس کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے؟ چنانچہ قریش نے عورتوں پر بھی اس کا اطلاق کرتے ہوئے اپنے مطالبے کو جاری رکھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے امام زہری کی روایت کے مطابق ام کلثوم کو یہ کہہ کر واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ کان الشرط فی الرجال دون النساء "شرط مردوں کے بارے میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔" کیونکہ ہم نے اوپر جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس میں واضح طور پر لفظ رجل کا ہے اور رجل ظاہر ہے آدمی کو کہتے ہیں عورت کو نہیں کہتے۔ اسی طرح عروہ، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید، زہری، مقاتل بن حیان اور سدی سے جو روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں علی انہ لایاتیک منا احد وان کان علی دینک الا رددتہ الینا "یعنی اس شرط پر صلح کی جاتی ہے کہ ہم میں سے کوئی خواہ وہ آپ کے دین پر ہی ہوا گر آپ کے پاس چلا جائے گا تو آپ اس کو لازماً واپس کریں گے۔" اس روایت میں اگرچہ احد کا لفظ اپنے اندر عموم کا مفہوم رکھتا ہے، لیکن غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جتنی ضمیریں اور فعل آئے ہیں سب مذکر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا لفظ جو اپنے اندر عموم رکھتا ہے اگر فریقین کا منشاء یہ ہوتا کہ اس میں عورتوں کو بھی شامل کیا جائے تو پھر احد کے بعد ذکر کان او انثی۔ یا اس کے ہم معنی کوئی تصریح ضرور بڑھائی جاتی۔ ان دونوں روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاہدے میں عورتوں کی واپسی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر قریش نے شور نہیں مچایا، ورنہ اگر اس میں ذرا سی گنجائش بھی ہوتی تو وہ آنحضرت ﷺ پر معاہدہ توڑنے کا الزام لگاتے۔ چنانچہ پروردگار نے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اسی حوالہ سے ایک ایسا منصفانہ فیصلہ نازل فرمایا جس سے اہم فیصلے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد ہوا کہ مسلمانو! اگر تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں یعنی ان کا دعویٰ ہو کہ ہم اسلام لا چکی ہیں تو سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ تم ان کے اسلام کی جانچ پڑتال کرو کہ ان خواتین کا آنا کیا اسلام کی وجہ سے ہے یا اس کا کوئی اور مقصد ہو سکتا ہے اور پھر یہ کہ وہ اپنے دعوائے ایمان میں کیا واقعی سچی ہیں یا نہیں کسی اور غرض نے مدینہ آنے پر مجبور کیا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسی عورتوں کو قسم دے کر ان کے ایمان کے بارے میں اور ان کی آمد کی غرض وغایت کے حوالے سے تحقیق کرتے تھے۔

اس کے بعد جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ آپ کا کام پوری طرح تحقیق کرنا ہے۔ البتہ اصل حقیقت اللہ تو جانتا ہی ہے۔ اگر کوئی خاتون کسی طرح غلط بیانی میں کامیاب ہوگئی تو وہ اللہ کے یہاں ماخوذ ہونے سے نہیں بچے گی۔

مزید حکم یہ دیا کہ جب تم تحقیق کے بعد اطمینان کر لو کہ آنے والی خاتون مومنہ ہے اور وہ اپنے ایمان اور اسلام کی حفاظت کیلئے ہجرت کر کے مدینہ پہنچی ہے تو پھر ایسی عورتوں کو کفار کی طرف واپس مت کرو، کیونکہ ایک مومنہ عورت کافر مرد کیلئے جائز نہیں، اور ایک کافرہ مومن مرد کیلئے جائز نہیں۔ ایمان دونوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور یہی غیر مرد اور عورت کو جائز ٹھہرانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اندازہ فرمائیں کہ یہ حکم کس قدر منصفانہ ہے کہ ایک عورت جو ایمان لا چکی ہے اسے کافر مرد کے پاس واپس کیوں بھیجا جائے کیونکہ کسی مرد و عورت پر اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ایمان و کفر کی تفریق کے باوجود انہیں ایک ساتھ رہنے پر مجبور کیا جائے۔ اور پھر اس کو مزید منصفانہ بناتے ہوئے یہ حکم دیا کہ آنے والی مومنہ خاتون اگر مکے میں کسی کافر کے نکاح میں تھی تو اس کے شوہر نے یقیناً اس کو مہر دیا ہوگا۔ یہ مہر مسلمانوں کی طرف سے اسے واپس کیا جائے۔ یعنی مسلمان ریاست بیت المال سے اس مہر کو واپس کرنے کی پابند ہوگی۔ حالانکہ ایمان ہی کی وجہ سے کفار نے مردوں اور عورتوں کو ہجرت پر مجبور کیا، گھروں سے نکالا، وطن سے بے وطن کیا، اچھے خوشحال لوگ بدحال کر دیئے گئے۔ ایسی صورت میں ایک کافر کو مہر کی واپسی عجیب سی بات لگتی ہے لیکن پروردگار کے عدل و انصاف کی کیا بات ہے کہ ایسے کافروں کو بھی مہر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

مزید فرمایا گیا کہ ایسی مومنہ خواتین سے جو ہجرت کر کے مدینے پہنچیں اگر تم نکاح کرنا چاہو تو شوق سے کر سکتے ہو۔ یہ بات تمہارے راستے میں رکاوٹ نہیں بنی چاہئے کہ جو عورت پہلے کسی کافر کے نکاح میں رہ چکی ہے ہم اس سے نکاح کیوں کریں۔ ایسی خاتون نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہر چیز قربان کر کے اپنے لئے بہت بڑا استحقاق پیدا کر لیا ہے۔ اس لئے وہ تمہاری رفیقۂ حیات بننے کی ہر طرح سے اہل ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہیں اسے مہر ادا کرنا ہوگا۔ جو مہر اس کے سابق شوہر کو بھیجا گیا ہے وہ تمہارے مہر کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

مزید حکم یہ دیا گیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور ان میں سے بعض حضرات کی بیویاں کفر کی وجہ سے مکے میں رہ گئیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان کی عصمتوں پر قابض رہو یعنی انہیں نکاح کی زنجیر پہنائے رکھو بلکہ تمہارے لئے ضروری ہے کہ انہیں نکاح کی قید سے آزاد کر دو تا کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اب اس کے بعد عملاً صورت یہ ہوگی کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آ گئی ہیں ان کا نکاح ان کے کافر شوہروں سے ختم ہو جائے گا اور جو عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں تھیں لیکن وہ دارالکفر میں رہ گئیں اور کفر ہی پر قائم ہیں ان کے نکاح مسلمانوں کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کو مہر دیئے تھے اور یہی اہلِ عرب میں ایک شادی کا بڑا خرچ سمجھا جاتا تھا۔ اب دوسرے نکاح کیلئے یہی خرچ پھر ان کے پیشِ نظر ہوگا، اس لئے عملی زندگی کی آسانی کیلئے ضروری ہے کہ دونوں اپنے اپنے مہروں کا معاملہ ایک دوسرے سے طے کر لیں۔ یعنی مسلمانوں نے جو مہر اپنی کافر بیویوں کو دیئے وہ کفار مسلمانوں کو واپس کر دیں اور کفار نے جو مہر ان بیویوں کو دیئے تھے جو مسلمان ہو کر ہجرت کر گئیں ان کے مہر مسلمان کفار کو واپس کریں۔

آخر میں فرمایا کہ معاہدہ حدیبیہ کی تشریح میں قریش اور مسلمانوں کے درمیان جو ایک معاملہ پیدا ہوا تھا یہ اس کا فیصلہ ہے۔ اور یہ ایسا فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا تھا۔ کیونکہ اگر انسان یہ فیصلہ کرتے تو یقیناً کہیں نہ کہیں اپنے اپنے مفاد کی جھلک ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا منصفانہ فیصلہ فرمایا ہے جو نہایت مبنی بر انصاف اور نہایت حکیمانہ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

(اور اگر تمہاری بیویوں کے مہر میں سے کچھ کافروں کی طرف رہ جائے تو پھر جب تمہیں موقع ہاتھ آئے تو جن کی بیویاں گئی ہیں ان کو ادا کر دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے تم مومن ہو۔ 11)

گزشتہ آیت کے حکم کا تتمہ

اوپر کی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ مہروں کا معاملہ اور ان کا مبادلہ اجتماعی طور پر کر لیا جائے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ تم نے جن بیویوں کو ان کے کفر کی وجہ سے طلاق دی ہے کفار تمہارے دیئے ہوئے مہر کو واپس کرنے سے انکار کر دیں، تو اس صورت میں مسلمانوں کا حق یہ ہوگا کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ پہنچیں اور مسلمان ان سے نکاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کے سابق کافر شوہروں کا دیا ہوا مہر مسلمان ان کو ادا کرنے کے پابند ہیں لیکن جب کفار مسلمانوں کو ادا کئے ہوئے مہر دینے سے انکار کریں تو مسلمان بھی اپنے مہر روک لیں۔ اور وہی مہر اس بھائی کو ادا کر دیں جن کی چلی جانے والی بیوی کا مہر واپس نہیں ہوا۔ یہ گویا بدلہ لینے کی ایک منصفانہ اور مبنی بر عدل کارروائی ہوگی جس کی

Marfat.com

اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ ایک فریق نے ناانصافی کی روش اختیار کی ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کہ تمہاری طرف سے کسی زیادتی کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ کیونکہ تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری طرف سے کسی کے ساتھ بھی انتقامی کارروائی نہیں ہونی چاہئے۔ اور نہ اپنے واجبی حق سے زیادہ کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش ہونی چاہئے۔

يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

(اے پیغمبر! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں کہ وہ آپ سے بیعت کریں اس بات پر کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کا ارتکاب کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان تراشیں گی اور نہ کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیجئے اور ان کیلئے اپنے اللہ سے دعائے مغفرت کیجئے، بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ۱۲)

مسلمان ہونے کیلئے آنے والی عورتوں کے بارے میں ہدایات

جس طرح اس سے پہلے کی آیات میں ہجرت کرنے والی خواتین کے امتحان کی ہدایت فرمائی تھی اسی طرح پیشِ نظر آیت کریمہ میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب آپ کے پاس اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کیلئے عورتیں آئیں تو آپ ان سے بیعت لینے سے پہلے منکرات سے بچنے اور معروفات کی پابندی کا عہد لیجئے اور اگر وہ ان باتوں کا عہد کرلیں تو پھر ان سے بیعت لیجئے یعنی ان کو اسلام کے دائرے میں داخل کرلیجئے اور پھر ایمان اور اسلام پر استقامت، منکرات سے اجتناب اور معروفات کی پابندی میں کوتاہیوں کے سلسلے میں ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔ تو گویا اس آیت میں اس بات کا اشارہ تھا کہ عنقریب ایسے حالات پیش آنے والے ہیں جس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کیلئے آئیں گی، اس سلسلے میں آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ سب سے پہلے ان منکرات سے بچنے کا عہد لینے کا حکم دیا گیا جن کا چلن اس وقت عرب معاشرے میں عام تھا۔ اور اچھے گھرانے کی عورتوں میں بھی وہ برائیاں برداشت کی جاتی تھیں۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اب وہ نیا معاشرہ جو اسلام کی بنیاد پر بن رہا ہے اور جسے دنیا کیلئے ایک نمونہ بننا اور رہنما کا کردار ادا کرنا ہے اس میں ایسی کوئی خرابی نہیں ہونی چاہئے جو معاشرے کے کردار کیلئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہو۔ اس لئے چندان منکرات کا ذکر کیا گیا جن کی حیثیت ام الخبائث کی ہے۔ اور باقی اس کے مقابلے میں جو ان ہی منکرات سے پیدا ہونے والی برائیاں ہیں یا ان برائیوں کے مقدمات ہیں ان سے اجتناب خود بخود اس عہد میں سمجھا گیا۔ ان میں سب سے پہلی

Marfat.com

برائی جس سے بچنے کا حکم دیا گیا وہ یہ تھی کہ مسلمان عورتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی۔ کیونکہ دین کی بنیاد توحیدِ خالص پر ہے۔ اور توحید کا تصور اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک شرک کی تمام آلودگیوں سے دل و دماغ پاک نہیں ہوتے۔ اور شرک کرنے والے مرد و عورت خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا کیا مشرکانہ باتیں ہیں جو توحید کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ اس لئے توحید کا حکم دینے سے پہلے مشرکانہ آلودگیوں سے بچنے کا عہد لیا گیا۔ جس کا نتیجہ خود بخود یہ نکلے گا کہ خالص توحید کا تصور دل کا نور بن جائے گا۔ اور دوسری چیز جس سے بچنے کا عہد لیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔ شرک اور چوری حقوق کے اعتبار سے بہت قریب الفہم ہیں۔ آدمی شرک اس وقت کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے حقِ ملکیت میں خیانت کرتا ہے۔ اور چوری کا ارتکاب اس وقت کرتا ہے جب وہ مال کے حقیقی مالک سے خیانت کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کے حقوق میں غلط تصرف کا نام ہے۔ اور چوری بندوں کے مال میں بے جا تصرف کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کوتاہی، فنڈز میں خیانت، مفوضہ فرائض میں مالی معاوضہ، در پردہ کسی کا مال کسی بھی طریقے سے اڑا لینا یہ سب چوری کی صورتیں ہیں۔ اور ان میں ہر جگہ چوری کا ارتکاب کرنے والا حقوق میں خیانت کرتا ہے۔ عورتیں عام طور پر اپنے شوہروں کے مال مین حدود سے تجاوز کرتی ہیں اس لئے اس سلسلے میں حضرت ہند کا واقعہ ہمارے لئے رہنمائی کرتا ہے۔ احکام القرآن میں ابنِ عربی نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں جب عورتوں سے بیعت لی جا رہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند بنتِ عقبہ نے اس حکم کی تشریح دریافت کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہیں کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات کیلئے ان سے پوچھے بغیر ان کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر بس معروف کی حد تک۔ یعنی بس اتنا مال لے لو جو فی الواقع جائز ضروریات کیلئے کافی ہو۔

منکرات میں سے تیسری چیز جس کے اجتناب کا عورتوں سے عہد لیا گیا وہ یہ تھی کہ وہ بدکاری کا ارتکاب نہیں کریں گی۔ یعنی زنا نہیں کریں گی۔ زنا ایک ایسی برائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا اور بندے کا حق دونوں مجروح ہوتے ہیں۔ اس سے جہاں اسلامی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے وہیں خاندانی خصوصیات بھی تباہ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے اسے برا راستہ قرار دیا ہے۔ اور اسے ایسی بے حیائی ٹھہرایا جس کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا۔

چوتھی برائی جس سے بچنے کا عہد لیا گیا وہ یہ تھی کہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ زمانہ جاہلیت میں قتلِ اولاد کا ارتکاب شرک کی ایک صورت بھی تھا۔ بعض لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے اپنی اولاد کی قربانی دیتے تھے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ان کو دخیل مانتے تھے۔ اور بعض قبائل میں اس کا سبب بیجا غیرت بھی تھی۔ یعنی جس کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی وہ یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتا کہ اب اس کا کوئی نہ کوئی داماد ہوگا۔ اور بعض لوگ ایسے تھے جو اندیشۂ فقر کی وجہ سے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اب اس جدید دور میں اس کے جدید محرکات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ عہد لے کر ان تمام نئی اور پرانی صورتوں سے روکا گیا ہے۔

پانچویں برائی جس سے بچنے کا عہد لیا گیا ہے وہ یہ تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان نہ تراشیں گی۔ بہتان تو ظاہر ہے کہ ایسے جھوٹ اور الزام کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کی شہرت اور عزت کو نقصان پہنچانا مقصود ہو۔ لیکن بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ایک مہذب اور ملفوف انداز ہے جس سے اشارہ جنسی اعضاء کی طرف ہے۔ البتہ اس انداز سے اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

کیونکہ اگر اس سے اشارہ کسی پر زنا کی تہمت لگانے سے ہوتا تو پھر بَیْنَ اَرْجُلِهِنَّ کافی تھا۔لیکن اَیْدِیْهِنَّ کے اضافے کے ساتھ زنا کے مقدمات بھی اس میں شامل ہو گئے۔تقبیل اور ملامست کی جتنی شکلیں ہیں وہ سب اس میں شامل گئیں۔اس سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے جسے بعض مفسرین نے لیا ہے کہ ایک عورت بچہ تو کسی کا جنے اور شوہر کو یقین دلائے کہ یہ تیرا ہی بچہ ہے۔ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا کہ کہ جو عورت کسی خاندان میں کوئی ایسا بچہ گھسالائے جو اس کے خاندان کا نہیں ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں۔اور اللہ تعالیٰ بھی اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔اور اسی طرح کسی پر زنا کا بہتان باندھنا اسے ایک بہت بڑی برائی شمار کیا گیا ہے۔کیونکہ جن جن چیزوں کا بہتان کسی پر باندھا جاسکتا ہے ان میں جنسی امور سے متعلق بہتان سب سے زیادہ سنگین سمجھا جاتا ہے۔اور اگر اس بہتان کو باندھنے والی عورت ہو تو پھر اس کی خطرناکی کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

اور چھٹی چیز جس سے بچنے کا عہد لیا گیا وہ یہ ہے کہ بیعت کرنے والی عورتیں کسی معروف کی تعمیل میں آنحضرت ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔آپ ذرا اس فہرست پر غور کیجئے جن سے اجتناب کا عہد لیا گیا ہے ان میں سے پہلے پانچ بڑے بڑے منکرات ہیں۔اور معروفات میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا جبکہ دین دو ہی چیزوں سے مرکب ہے اسے اوامر و نواہی کہہ لیجئے یا منکر و معروف۔منکرات تو یہی پانچ ہیں اور باقی تمام یا اس کے مقدمات ہیں اس کے نتائج ہیں۔اور معروفات کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے ایک ایک کا ذکر کرنے کی بجائے صرف معروف کا لفظ بول کر اور اس کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد لے کر گویا کہ آنحضرت ﷺ کے حوالے سے اطاعتِ کاملہ کا عہد لے لیا گیا۔اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو معروف کو قید یا شرط کے مفہوم میں لینے کی ضرورت نہیں۔لیکن اگر اسے قید یا شرط کے مفہوم میں بھی لیا جائے تب بھی مفہوم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔اس لئے کہ جن لوگوں نے اسے قید یا شرط کے معنی میں لیا ہے وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رسول معروف کے سوا کسی چیز کا حکم دے ہی نہیں سکتا۔اور دوسری یہ بات کہ یہ حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کے رسول کو ہے کہ وہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو بتائے کہ معروف کیا ہے اور منکر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے سوا کسی چیز کو معروف قرار دینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔سوال یہ ہے کہ پھر آپ معروف کو قید یا شرط کے معنی میں کیوں لیتے ہیں۔اس کا جواب روح المعانی میں علامہ آلوسی نے یہ دیا ہے کہ یہ ارشاد ان جاہلوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ اولی الامر کی اطاعت مطلقاً لازم ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو رسول کی اطاعت پر بھی معروف کی قید لگادی ہے۔حالانکہ رسول کبھی معروف کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔اس سے مقصود لوگوں کو خبردار کرنا ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

منکرات کی وضاحت اور معروف کے ذکر کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان عورتوں سے بیعت لیجئے اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔حدیث سے بیعت کا جو طریقہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اگر خود بیعت لیتے تھے تو بھی کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔بعض دفعہ ایک لمبا کپڑا بڑھا دیتے،ایک طرف سے حضورؐ اسے پکڑتے اور دوسری طرف سے عورتیں اسے پکڑلیتیں۔اور کبھی آپ پانی سے بھرے ہوئے پیالے میں ہاتھ ڈال دیتے اور پھر اسی پیالے میں عورتیں اپنے ہاتھ ڈالتیں۔لیکن یہ بات مسلم ہے کہ آپ نے بیعت لیتے ہوئے کبھی کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔بعض دفعہ حضرت عمر فاروقؓ کو عورتوں سے بیعت لینے کا حکم دیا۔لیکن ان کا بیعت لینے کا طریقہ بھی یہی تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ یا جسم کو چھو نہیں سکتا چاہے وہ بیعت کے ارادے سے ہی کیوں نہ ہو۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہوان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب ہوا، جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح کفار قبروالوں سے مایوس ہیں۔ ۱۳)

آخر میں ابتدائی مضمون کا اعادہ

صلبِ مضمون کے اعتبار سے اس آیت اور اس صورت کی پہلی آیت میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ اسی مضمون کی یاددہانی ہے جو پہلی آیت میں بیان فرمایا گیا۔ اسے یوں کہنا چاہئے کہ جس مضمون سے سورۃ کا آغاز ہوا تھا آخری آیت میں اسے Some Off کیا گیا ہے۔ لیکن اس عاجز کی رائے یہ ہے کہ پہلی آیت اور اس کے بعد کی آیات میں جن لوگوں کی دوستی سے روکا گیا تھا وہ مکے کے لوگ تھے جنہوں نے مہاجرین کو ہجرت پر مجبور کیا، وطن سے بے وطن کیا، گھروں سے نکالا اور اذیت رسانی کی انتہا کر دی۔ اور یہ سب لوگ مہاجرین کے قرابتدار تھے۔ اس لئے ان آیات میں قرابتداری کا خصوصی طور پر حوالہ دیا گیا۔ لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان لوگوں سے دوستی سے روکا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ اور قرآنِ کریم کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ یہود ہیں۔ اور مدینے میں منافقین مسلمانوں کے خلاف ان ہی کی دوستی پر اعتماد کرتے تھے۔ ان ہی کے اشاروں پر چلتے اور ان ہی کے وعدوں پر اپنی منصوبہ بندی کرتے تھے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ یہود اہلِ کتاب ہوتے ہوئے بھی اپنی سوچ اور اپنے اعمال میں کفار سے مختلف نہیں تھے۔ کیونکہ یہ لوگ اگرچہ زبان سے آخرت کا اقرار کرتے لیکن ان کی دنیا پرستی، ان کی ہوسِ زر، اور موت سے ان کا فرار گواہ ہیں کہ یہ آخرت کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ اگر انہیں آخرت کی امید ہوتی تو یہ نہ تو ان حرکتوں کے مرتکب ہوتے اور نہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں آسمانی کتابوں کی صریح پیشگوئیوں کی مخالفت کرتے، حقیقت میں یہ لوگ اسی طرح آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار، یعنی مشرکینِ عرب اور بالخصوص قریش آخرت سے مایوس ہیں۔ انہیں ہزار سمجھایئے وہ کبھی اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں کہ موت کے بعد انسان زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ موت کو زندگی کا اختتام سمجھتے ہیں جس کے بعد کوئی نئی زندگی نہیں۔ اس لئے وہ علی الاعلان یہ بات کہتے ہیں ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا، ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، یہ تو بہت بعید از عقل بات ہے۔" یعنی کفار موت کو زندگی کا خاتمہ سمجھ کر بعث بعد الموت اور قیامت کے آنے سے مایوس ہیں۔ اور یہود اپنے اعمال واقوال کے باعث آخرت سے مایوس ہیں۔ اس لحاظ سے دونوں ایک ہی برائی کے مرتکب ہیں۔ اور دینی زندگی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑ گڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الصَّفِّ

(٦١)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الصَّفِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الصَّفِّ ہے۔ یہ سورۃ کی چوتھی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس میں ۲ رکوع، ۱۴ آیتیں، ۲۲۱ کلمات اور ۹۰۰ حروف ہیں۔

مقامِ نزول:۔ یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اسی لئے اس کو مدنی کہا جاتا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ کسی معتبر روایت سے اس کے زمانۂ نزول کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں ہوتا۔ البتہ اس سورۃ کے مندرجات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگِ بدر کے بعد جنگِ احد کے قریبی زمانے میں نازل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ جن لوگوں کو جنگِ بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا وہ کسی آنے والی جنگ میں شرکت کے نہایت زوردار جذبات رکھتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو کر ہم جس عظیم سعادت سے محروم رہے ہیں اس کی تلافی آنے والی کسی جنگ میں کریں۔ لیکن اس میں خطاب چونکہ کمزور ایمان والے لوگوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور ان لوگوں کی طرف بھی اشارے ہیں جو بظاہر ایمان کا پرزور دعویٰ کرتے تھے لیکن درحقیقت ان کے دلوں میں ایمان نہیں بلکہ نفاق موجزن تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب بعض نام نہاد مسلمانوں میں یہ خرابیاں بھی موجود تھیں۔ اور یہ زمانہ جنگِ احد کے قریب کا زمانہ ہے جس کا ظہور جنگِ احد میں ہوا۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

مکی زندگی میں تو سب سے زیادہ زور تعلق باللہ، اتباعِ رسول اور آخرت میں جواب دہی کے احساس پر تھا۔ کیونکہ یہی وہ تصورات ہیں جن کے نتیجے میں وہ سیرت و کردار جنم لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں استقامت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن مدینہ طیبہ میں ان بنیادی تصورات کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کیلئے جن جذبات اور جن عزائم کی ضرورت تھی ان کو پورا کرنے پر توجہ دی گئی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے تمہید کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر فرمایا گیا جو ایک نوزائیدہ امت اور دنیا بھر کے نظریاتی دشمنوں سے لڑنے والے مجاہدین کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ اس کے بعد اسلام کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات کے حوالے سے ان صاحبِ ایمان لوگوں کی تعریف کی گئی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کفر کی طاقتوں کی روک بن جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا جو زبان سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دینے سے جی چراتے ہیں۔

Marfat.com

پھر ضعیف الاعتقاد مسلمانوں اور منافقین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے جی چراتے ہیں وہ درحقیقت یہود کے نقشِ قدم کے پیرو ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا رسول جانتے ہوئے بھی نافرمانی کے ذریعے قدم قدم پر اذیتیں دیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بار بار ان کے اس رویئے کا شکوہ کیا۔ اور ہر ممکن کوشش کی کہ وہ ایمان میں مستحکم اور عمل میں راست قدم ثابت ہوں۔ لیکن جب انہوں نے ہر معاملے میں کجروی کا ثبوت دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور انہیں ہدایت سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہ کریں۔

اسی کجروی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کی پیش گوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے اور نہایت کھلے کھلے معجزات دکھائے اور آخری ہادی کے ظہور کی نہایت واضح الفاظ میں بشارت دی۔ تو یہود کے دل چونکہ ٹیڑھے ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو کا کرشمہ بتایا اور آپ کی تکذیب کی۔

اسی کجروی کا مزید نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نام کے تعین کے ساتھ آخری ہادی اور آخری رسول محمد ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی۔ لیکن یہود نے آپؐ کو تسلیم کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اور وہ مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس نور کو بجھا دیں۔ لیکن وہ اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ نور پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا میں پھیلتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ دین سارے ادیانِ باطلہ پر غالب آ کر رہے گا۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو صاف صاف بتایا گیا ہے کہ وہ تجارت جو تمہیں آخرت میں عذابِ الیم سے نجات دے سکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال سے جہاد ہے۔ اگر تم اس بات کا یقین پیدا کر لو تو آخرت میں اس کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات، گناہوں کی مغفرت اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت کا حصول ہے۔ اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور عنقریب ظاہر ہونے والی فتح و ظفر ہے جس کی اہلِ ایمان بہت تمنا رکھتے ہیں۔

آخر میں اہلِ ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر ان کا ساتھ دیا، اسی طرح تم بھی اللہ تعالیٰ کے انصار بن کر کفر کے مقابلے میں کھڑے ہو جاؤ۔ تو جس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوئی تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہو گی۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ١٤	سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (٦١)	رُكُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ
الْحَكِیْمُ (١) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (٢)
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (٣) اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ
الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (٤)
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ
اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (٥) وَاِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ
یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ
اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (٦)
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰۤى
اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (٧) یُرِیْدُوْنَ
لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

Marfat.com

الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ ع

رکوع: ا۔ (اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ ۲) اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ ۳) بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ ۴) اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم! تم مجھے اذیت کیوں دیتے ہو، حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۵) اور یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں، میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا، مگر جب وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کے آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ ۶) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہے، ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۷) یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونک سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ ۸) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ ۹)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ①

(اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۱)

آگے آنے والے مضمون کی تمہید

بعد کی آیات میں جو کچھ فرمایا جا رہا ہے یہ اس کی مختصر تمہید ہے۔ اس آیت کے مضمون کے دو پہلو ہیں اور وہ دونوں ہی اس آیت کا مقصود معلوم ہوتے ہیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ اس آیت کے بعد جو کچھ فرمایا جا رہا ہے اس کا بنیادی مضمون اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد، اعلائے کلمۃ الحق کیلئے کاوشیں اور اس راستے پر سب کچھ قربان کر دینا ہے۔ جب کسی کی خاطر چھوٹی یا بڑی قربانی کی ترغیب دی جاتی ہے تو یہ خیال دل میں آئے بغیر نہیں رہتا کہ میں جس کیلئے سب کچھ قربان کر رہا ہوں کیا وہ صلہ دینے پر قدرت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ وہ ایک بے بس

Marfat.com

اور بے کس ذات ہے جس سے کسی چیز کے ملنے کی توقع نہیں۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس ذاتِ خداوندی کے راستے میں جہاد کی ترغیب دی جارہی ہے وہ ذات اتنی عظیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح وتحمید میں لگی ہوئی ہے۔ اور وہ اتنی طاقتور ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے۔ اور اس کے ہر کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ کیا ایسی ذات کی خاطر قربانی نہ دینا اور اس کی خوشنودی کے حصول کی کوشش نہ کرنا نقصان کا سودا نہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر کہ جو ایسی ذات کو خوش رکھ کے کچھ حاصل کرنے کی بجائے محرومیوں کو اپنا مقدر بنالیں۔

دوسرا پہلو اس آیت کے مضمون کا یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں سرگرم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات پر غالب اور کائنات کے نظم وتدبیر میں حکمتوں کی مالک ہے۔ کوئی شخص اگر ایسی ذات کی خوشنودی کے حصول کیلئے جہاد نہیں کرتا اور اپنا مال اور اپنی جان کا نذرانہ اس کے حضور پیش نہیں کرتا، تو ایسی عظیم ذات کو کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ بے نیاز ہی نہیں بلکہ سب اس کے نیازمند اور محتاج ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے سلسلے میں کہیں فعل ماضی استعمال ہوا ہے جیسے اس سورۃ میں، اور کہیں فعل مضارع جیسے آنے والی سورۃ میں۔ اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو کائنات کے ہر دور میں واقع ہوتی رہی ہے۔ اور اس کا وقوع ایک ایسا سیلِ رواں ہے جس کی روانی میں کبھی فرق نہیں آتا۔ اور ایک ایسی لازمی حقیقت ہے جس کے انقطاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ایسی ذات کی خوشنودی حاصل نہ کرنا اور اس کے راستے میں کسی طرح کی قربانی سے دریغ کرنا کتنی بڑی محرومی کا باعث ہوسکتا ہے۔

آیت کے آخر میں اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ دو صفات کو بغیر حرفِ عطف کے اکٹھا لایا گیا ہے۔ اس میں اشارہ شاید اس بات کی طرف ہے کہ یہ دونوں صفتیں بیک وقت موصوف میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ بیک وقت ہر چیز پر غالب بھی ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ومصلحت بھی ہے۔ اس میں شاید اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور پھر تم سے اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے نصرت اور مدد کا تقاضا کیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت کا محتاج ہے۔ اور اس کے دین کی سربلندی اور اس کا نفوذ واشاعت شاید تمہاری کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔ ایسا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے حق وباطل کی کشمکش کے حوالے سے جو فیصلے کیے ہیں اور جو قانون تجویز کیا ہے اس میں وہ حق کو کبھی زبردستی غالب نہیں کرتا۔ اور کبھی شر اور باطل کو طاقت سے سرنگوں نہیں کرتا۔ بلکہ یہ کام اس نے اہلِ حق پر ڈال رکھا ہے کہ وہ اپنی کاوشوں اور قربانیوں سے حق کے غلبے کیلئے راستہ صاف کرے اور باطل کی قوتوں سے لڑکر انہیں سرنگوں کرے۔ اس راستے میں کام آجانے والوں کو بیش بہا انعامات سے نوازتا ہے۔ اور اس راستے پر چلنے والوں کو اپنی تائید ونصرت سے گراں بار کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ ۲) اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ ۳)

Marfat.com

بنیادی اخلاقی کمزوری قول وعمل کا تضاد ہے

اَلْمَقْتُ ...... اہلِ لغت اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْمَقْتُ اشدالابغاض. المقت بغض من امر قبیح رکبة ''یعنی حد درجہ کا بغض، خصوصاً وہ بغض جو کسی قبیح حرکت کے باعث ہو۔ انسان کی اخلاقی کمزوریوں میں سے یہ کمزوری بہت تکلیف دہ اور نقصان کا باعث ہے کہ انسان کے قول وعمل میں تضاد ہو۔ وہ جس بات کا دعویٰ کرے عمل کی دنیا میں اس پر پورا نہ اترے۔ اگر وہ ایک ایسا دعویٰ کرتا ہے جس پر وہ عمل کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا تو یہ تو ایک بدترین عیب ہے۔ لیکن اگر وہ دعویٰ کرتے وقت عمل کا ارادہ تو رکھتا تھا لیکن بعد میں عملی دشواریوں کو دیکھتے ہوئے اس نے عمل کا ارادہ بدل ڈالا۔ تو یہ چیز بھی بجائے خود ایک مسلمان کیلئے انتہائی قبیح حرکت ہے۔ جھوٹ بولنا، وعدے کی خلاف ورزی کرنا یا امانت میں خیانت کرنا یہ سب اسی خصلت کے ساخسانے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے اسے منافق کی نشانیاں قرار دیا ہے۔ اور سیرت وکردار کی تعمیر میں اس کا جو حصہ ہے شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے ہر خطبہ جمعہ میں ہمیشہ اس کا ذکر ضرور فرماتے تھے۔ کبھی فرماتے لاایمان لمن لاعهدله اور کبھی فرماتے لادین لمن الله امانة له . کیونکہ جو شخص اپنے قول کا ایفاء کرنے والا ہے وہ نہ کبھی وعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ کبھی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں اس عیب کے پیدا ہونے کا کبھی امکان بھی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس عام اخلاقی کمزوری سے بڑھ کر ایک اور بات کہی جارہی ہے جو نہ صرف قبیح ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی غضب کا باعث ہے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کیلئے سب سے بہتر عمل کا دعویٰ کرے یا حق وباطل کے معرکے میں جسم وجان کا نذرانہ پیش کرنے کی تمنا کا اظہار کرے۔ لیکن جب موقع آئے تو اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرے، موت کا خوف اسے آپکڑے یا دنیا کی محبت اس کا راستہ روک لے۔ تو یہ وہ اخلاقی کمزوری ہے جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی غضب کو دعوت دیتی ہے۔ چنانچہ مدینہ کے مسلمان معاشرے میں جہاں صحابہ اخلاص وایثار کی تصویر تھے اور شہادت کو وہ زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے وہیں کچھ ایسے ضعیف الایمان مسلمان بھی تھے جو ابھی تک موت کے خوف سے نجات نہیں پاسکے تھے اور آخرت میں کامیابی ان کا مقصود نہیں بن سکی تھی۔ اور ایسے منافقین بھی تھے جو صرف سخن سازی پر گزارہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے ناپسندیدہ بات اور کوئی نہیں کہ تم بڑھ چڑھ کر سرفروشی کا دعویٰ کرو، لیکن وقت آنے پر کمزوری دکھاؤ۔ چنانچہ اسی سلسلے میں سورۃ النساء آیت ۷۷ میں فرمایا گیا ہے کہ تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کے رکھو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے۔ یا اس سے بھی کچھ بڑھ کر، کہتے ہیں ''خدایا! یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی۔'' ان کی یہ روش اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ اس لئے تھی کہ حق وباطل کی کشمکش میں ایسی کوئی کمزوری صرف شخصی کمزوری نہیں رہتی بلکہ اہلِ حق کی فیروزمندیوں اور فتح مندیوں میں صورتحال کے بدل جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ حق کی سربلندی، سرنگونی میں بدل جاتی ہے۔ اور یہ چند لوگوں کی کمزوری بعض دفعہ اجتماعی حادثہ ثابت ہوتی ہے۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

(بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ ۴)

اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مبغوض بندوں کے درمیان فرق

اس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مبغوض لوگوں کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان، اخلاص اور سرفروشی کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن وہ وقت آنے پر نہایت کمزور ثابت ہوتے بلکہ بدعہدی کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ اور وہ کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کا دعویٰ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں سرفروشی کیلئے لمبی چوڑی ڈینگیں نہیں مارتے، اور وہ جاں نثاری کے بڑے بڑے دعوے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے استقامت، ثابت قدمی اور ہر طرح کی آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق مانگتے رہتے ہیں۔ اور جب کبھی حق و باطل کی کشمکش میں نوبت قتال تک پہنچتی ہے تو پھر ان کی متعدد خوبیاں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ اور یہی لوگ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان میں پہلی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی فی سبیل اللہ لڑتے ہیں۔ وہ ایسی کسی جنگ اور کسی آویزش میں کبھی شریک نہیں ہوتے جو فی سبیل اللہ کی تعریف میں نہ آتی ہو۔ ان کا مال و دولت، ان کا جسم و جان، ان کی صلاحیتیں اور توانائیاں، ان کی ذہانت و فطانت اور ان کے جذبات و عواطف صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے وقف ہوتے ہیں۔ نہ وہ شیطان کے راستے پر چلتے ہیں نہ اپنی خواہشات کی پیروی میں کسی سے الجھتے ہیں، نہ مفادات کی ہوس انہیں کسی سے نبرد آزما ہونے کیلئے اکساتی ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے سوچتے، اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ دوسری خوبی ان میں یہ ہوتی ہے کہ وہ بدنظمی اور انتشار سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ ایک امیر کے تحت اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے ایک مضبوط تنظیم کی معیت میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں۔ الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں اپنے مفادات کو دین کا لبادہ پہنا کر اپنے گروہی مفادات کی خاطر وہ کبھی جنگ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی سوچ بھی اجتماعی ہوتی ہے اور ان کا عمل بھی اجتماعی ہوتا ہے۔ تیسری خوبی ان کی یہ ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔ دشمن ان کے اندر دراڑیں ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چونکہ ان کا کوئی فیصلہ انفرادی نہیں ہوتا اس لئے اجتماعیت کی دیوار میں کہیں شگاف پیدا ہونے میں نہیں آتا۔ جب دشمن سے تصادم ہوتا ہے تو دشمن محسوس کرتا ہے کہ اس اجتماعی قوت کو انتشار کی نذر نہیں کیا جا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ میں بڑی معنویت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ کسی جماعت کا بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ میں ڈھل جانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ صرف ایسی جماعت ہی اس صفت کی حامل ہو سکتی ہے جن کا ایک ایک فرد ایک دوسرے کے خلوص پر اعتماد رکھتا ہے۔ اور ان میں ایک ایک مخلص بھی ہو اور ناپاک اغراض سے پاک بھی۔ ان میں اخلاق کا ایک بلند معیار ہو جس میں سپاہی اور افسر برابر کے شریک ہوں۔ وہ ایک عظیم مقصد کی خاطر ایک دوسرے سے اس قدر پیوست ہو چکے ہوں کہ وہ الگ الگ اپنے وجود کا احساس دوسرے کے بغیر مشکل محسوس کرتے ہوں۔ انہیں مقصد سے ایسا عشق ہو اور مقصد کو بروئے کار لانے کا ایسا پختہ عزم ہو کہ جس پر شکستگی کی کوئی پرچھائیں بھی نہ پڑ سکے۔ ایسے لوگ ہیں جو کسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں ڈھل سکتے ہیں۔ اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

Marfat.com

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِىۡ وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ‌ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۵﴾

(اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم! تم مجھے اذیت کیوں دیتے ہو، حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۵)

منافقین کو تنبیہ کیلئے قومِ موسیٰ کی مثال

مسلمانوں میں ضعیف الایمان لوگوں کو عموماً اور منافقین کو خصوصاً سمجھانے کیلئے قومِ موسیٰ یعنی یہود کی مثال دی جا رہی ہے کہ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے بلکہ انہیں اپنا محسن خیال کرتے تھے۔ لیکن اس قول اور اعتقاد کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مختلف اوقات میں جو رویہ اختیار کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایذا دہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیشِ نظر ایک مضبوط جتھہ بنانا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسی امت کی تشکیل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسول کی اطاعت میں کسی کمزوری کا شکار نہ ہو۔ ان کی زندگی کا ہر شعبہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے تحت اور رسول کی ہدایت کے مطابق بسر ہوتا نظر آئے۔ ان کی صلح و جنگ ان کے اپنوں اور پرایوں سے معاملات اور ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اداروں پر ہر جگہ ایک ہی چھاپ دکھائی دے کہ یہ لوگ نفسانیت کے بندے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے فرماں بردار امتی ہیں۔ چنانچہ جب بھی اس بنیادی تصور کو نافرمانی کی صورت میں کہیں بھی ضعف پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نبی کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔ وہ اپنی ذاتی تکلیف کو ہمیشہ نظر انداز کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شریعت کے کسی حکم کی شکست و ریخت اسے گوارا نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی قوم سے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کے باوجود تم مجھے ایذا پہنچاتے رہتے ہو۔ اور تم کوئی موقع میری نافرمانی کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اور جس پروردگار نے تم پر بے پایاں احسانات کئے ہیں اس کے احسانات اور نیکیوں کی ناشکری کرنے سے بھی تمہیں کبھی عار محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جب بنی اسرائیل بحر احمر کو سلامتی سے عبور کر کے ساحل پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے فرعون کو لشکر سمیت غرق ہوتے دیکھ لیا تو تب بھی ان کے عقیدۂ توحید میں پختگی نہ آئی۔ جیسے ہی ایک بت پرست قوم کو دیکھا کہ وہ اپنے بتوں کی پوجا کر رہی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش کر ڈالی کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے ایسے خدا بنا دیں جس طرح اس قوم کے خدا ہیں۔ جب آپؑ کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو سامری کی ایک معمولی سی انگیخت پر انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے جاں فروشی اور جاں نثاری کا سوال ہے۔ اس میں بھی ان کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیلئے بڑے جوش و جذبہ کا اظہار کرتے، لیکن جب وقت آتا تو ڈگ ڈال دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب انہیں فلسطینیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو وہ یہ جواب دے کر بیٹھ رہے کہ یہ بڑے زور آور لوگ ہیں، ہم ان کی تلواروں کا لقمہ بننے کیلئے تیار نہیں۔ آپ اپنے رب کے

Marfat.com

ساتھ جا کر ان سے لڑیں۔ جب وہ شہر خالی کر جائیں گے تو ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ ان میں سے بعض نادان لوگ تو اس حد تک جسارت کر جاتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزام تراشتے۔ تورات کے صفحات ان گستاخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اُن کے اِن کرتوتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انہوں نے بار بار کی تنبیہ و تذکیر کے بعد بھی اپنے دلوں کا رخ سیدھا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم کی جو صلاحیتیں انہیں بخشی تھیں انہوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور دانستہ راہِ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے پر چلتے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ یعنی ان کے دلوں کو اسی رخ پر کج کر دیا جس کو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص جس راستے پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی راستے پر چلنے کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص صحیح راہ پر چلنا چاہتا ہے تو اس کیلئے صحیح راہ پر چلنا آسان کر دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص برے راستوں کا مسافر بننا چاہتا ہے اور برائی کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ برائی کے راستے اس کیلئے آسان کر دیتا ہے اور برائی پر چلنے کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کے یہاں جبر نہیں۔ نیکی کے راستے پر چلنے والوں کو وہ زبردستی برے راستے پر نہیں چلاتا۔ اور برائی اختیار کرنے والوں کو وہ زبردستی نیک نہیں بناتا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرے تو یہ جبر ہے اس سے جزا و سزا کا تصور تمام تر غلط ہو کر رہ جاتا ہے۔ قیامت کے دن ہر برا آدمی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ کے جبر سے ہم نے برائی اختیار کی، آج یہ سزا کیسی۔ اور یہ بھی اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ کے جبر کی وجہ سے فلاں شخص نے نیکی کا راستہ اختیار کیا تو اس کیلئے جزا اور انعام کیسا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کسی شخص یا قوم کی گمراہی کا آغاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ خود اس شخص یا اس قوم کی طرف سے ہوتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق گمراہی پسند کرنے والے کو راست روی کیلئے مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کیلئے گمراہی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے تا کہ جن جن راہوں پر وہ بھٹکنا چاہے بھٹکتا چلا جائے، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خیر و شر، نیکی اور بدی میں آزادی دے رکھی ہے، اسی پر اس کی جزا و سزا کا دار و مدار ہے۔ چنانچہ یہود جب اپنی کجروی پر چلتے رہے اور ہمیشہ انہوں نے کجی کے راستوں ہی کو پسند کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کجی پیدا کر دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون نہیں ہے کہ کوئی ضلالت کو پسند کرے، لیکن وہ اس کے اندر زبردستی ہدایت ٹھونس دے۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اس کی قدر کرتا اور اس کا طلب گار رہتا ہے۔ یہ ایک طرح سے منافقین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی اگر یہود کی اس روش کی پیروی جاری رکھو گے تو تمہارے دل اسی طرح ٹیڑھے کر دیئے جائیں گے جس طرح ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے گئے، پھر تم صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاؤ گے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

(اور یاد کرو جب عیسیٰ ابنِ مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں، میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا، مگر جب وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کے آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ ۶)

Marfat.com

دل کی کجی کے اثرات جو بعد میں ظاہر ہوئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے انحراف اور آپ کو ایذارسانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا، اور وہ ہمیشہ کیلئے صحیح سوچ اور صحیح فیصلہ سے محروم ہوگئے۔ یہ اسی کجی اور ٹیڑھ پن کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے دورِ عروج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اور ان کا دل دکھایا۔ اور اپنے دورِ زوال کے اختتام پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ رویہ اختیار کیا جو صاف صاف بولتا ہے کہ ایسا رویہ وہی قوم اختیار کرسکتی ہے جن کے دل ٹیڑھے ہوچکے ہوں اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا گیا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ نے اس آیت کے بیان کے مطابق ان سے تین باتیں ارشاد فرمائیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں ہوں، آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا یہ ان یہود کے دلوں کے ٹیڑھا ہونے کا نتیجہ تھا جس کی سزا پروردگار کی طرف سے مسلسل نافرمانیوں کے نتیجے میں انہیں ملی تھی۔ اور اسی سلسلے میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ میں اِلَیۡکُمۡ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی میری رسالت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اسی کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔ (انجیل متی باب ۱۵، آیت ۲۴) جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی، میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کیلئے نہیں آیا بلکہ ان پر جو آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ ایک طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچا رسول ہونے کی دلیل بھی ہے کیونکہ کوئی سچا رسول پہلے گزرے ہوئے سچے رسول کی تکذیب نہیں کرتا، بلکہ تصدیق کرتا ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ کے تین مفہوم بیان کئے جاتے ہیں اور وہ تینوں صحیح ہیں۔ پہلا مفہوم یہ ہے کہ میں کوئی الگ اور نرالا دین لے کر نہیں آیا ہوں بلکہ وہی دین لایا ہوں جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ اسی طرح میں تورات کی تردید کرتا ہوا نہیں آیا بلکہ اس کی تصدیق کررہا ہوں۔ جس طرح ہمیشہ سے خدا کے رسول اپنے سے پہلے آئے ہوئے رسولوں کی تصدیق کرتے رہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ تم میری رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کرو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ میں ان بشارتوں کا مصداق ہوں جو میری آمد کے متعلق تورات میں موجود ہیں۔ اگر کوئی شخص واقعی تورات کی ایک ایک بات پر یقین رکھتا ہے تو کس قدر عجیب بات ہے کہ جب تورات ہی کی بیان کردہ بشارتوں کا مصداق ان کے سامنے آجائے تو وہ اسے ماننے سے انکار کردیں۔

تیسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ ایک آنے والے رسول جس کی خبر تورات نے دی ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور خود بھی اس کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک آنے والے عظیم رسول جن کا نام نامی احمد ہوگا کیلئے مبشر بن کر آئے تھے۔ اور تورات میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی عظیم رسول کے آنے کی خبر دی تھی۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں (خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا، یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کیلئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کچھ میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا)۔ (استثناء باب ۱۸، آیات ۱۵۔۱۹) یہ تورات کی وہ صریح پیشگوئی ہے جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہوسکتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کی تصدیق کرنے کیلئے تشریف لائے اور مزید یہ کہ آپ اسی بشارت کے مبشر بنا کر بھی بطورِ خاص مبعوث کیے گئے ہیں۔

اور تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میرے بعد ایک عظیم رسول آئے گا جس کا اسمِ گرامی احمد ہوگا۔ اس آیتِ کریمہ کے اس فقرے پر مخالفینِ اسلام نے بڑی لے دے کی، کیونکہ اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی رسول اللہ ﷺ کی نام کے ساتھ بشارت دینے کیلئے تشریف لائے تھے تو پھر مسیحیت کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہ جاتی۔ اس لئے عیسائی علماء نے نہایت زور و شور سے اس کی مخالفت کی اور بدترین خیانتِ مجرمانہ سے کام لیا۔ یوں تو تورات اور انجیل دونوں میں یہود نے بدترین تحریف سے کام لیا ہے، لیکن بالخصوص ان کتابوں کی وہ آیات جن میں نبی کریم ﷺ کی صفات اور علامات بیان ہوئی ہیں اور آپؐ کے بارے میں بشارتیں دی گئی ہیں، وہ ان کی تحریف کا خاص نشانہ بنی ہیں۔ اسی تحریف کے سلسلے میں انہوں نے متذکرہ بالا بشارت کو بھی بگاڑنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بالخصوص آنحضرت ﷺ کے اسمِ گرامی کے سلسلے میں عجیب و غریب خیانتوں کا ارتکاب کیا۔ اب بجائے اس کے کہ ہم اس پر تفصیلی بحث کریں، ہم سفارش کریں گے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق کا مطالعہ کیا جائے جو مذہبِ عیسائیت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات اور باوجود تحریفات کے اسمِ رسول اللہ ﷺ کی بشارتیں موجود ہونے کے متعلق بینظیر کتاب ہے۔ خود بڑے عیسائیوں کے مقولے چھپے ہوئے ہیں کہ اگر دنیا میں یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو عیسائیت کو کبھی فروغ نہیں ہوسکتا۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، پھر مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے، اب اس کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ اور مزید ہم یہ سفارش کریں گے کہ صاحبِ تفہیم القرآن نے اسی آیت کی تفسیر کے تحت جس تفصیل سے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے اسے ایک نظر ضرور دیکھ لیا جائے۔ اس سے تحقیق و تنقیح کے بعض نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دینے کیلئے تشریف لائے تھے جب ایسے معجزات لے کر تشریف لے آئے تو جن معجزات کو دیکھ کر کوئی سلیم الفطرت آدمی کبھی آپ کی نبوت کا انکار نہیں کرسکتا تھا ان ہی معجزات کو یہود نے صریحاً جادو قرار دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر ڈالی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے قوم کی حیثیت سے ان پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھٹکار پڑی اور ان کے دل ٹیڑھے کردیئے گئے یہ دلوں کی اسی کجی کا نتیجہ تھا کہ اتنے واضح معجزات بھی انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا باعث نہ بن سکے۔ انجیل میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ یہود نے نہ صرف آپ کے معجزات کو جادو کا کرشمہ قرار دیا بلکہ یہ بھی کہا کہ یہ جو کچھ دکھاتے ہیں اس میں روح القدس کی تائید کو کوئی دخل نہیں، بلکہ ان کو ایک بھوت بعلزبول کی مدد حاصل ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦

(اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جارہا ہے، ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۷)

یہود کی بدقسمتی پر اظہارِ افسوس

یہ یہود کی بدقسمتی پر اظہارِ افسوس ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو اذیت رسانی کے نتیجے میں جو ان پر خدا کی مار پڑی کہ ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے گئے اس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ ان کے دورِ زوال کے اختتام پر حضرت عیسیٰ علیہ اسلام تشریف لائے جو بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بن کر آئے تھے، انہوں نے ان کی بھی تکذیب کر دی اور ان کے واضح معجزات کو ایک بھوت کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا۔ اب ان کی کجروی کی انتہا یہ ہے کہ اب جبکہ نبی کریم ﷺ آخری رسول کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں اور وہ ان کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور یہ دعوت کوئی نئی نہیں بلکہ ہر رسول نے ہمیشہ اسلام ہی کی طرف بلایا۔ لیکن بگڑنے والے لوگوں نے نہ صرف دعوت کو بدلا بلکہ عنوان تک کو بھی بدل ڈالا اور نام بھی بدل دیا۔ اب پھر اسی اصلی نام سے انہیں دعوت دی جارہی ہے لیکن ان کا حال یہ ہے کہ جو نبی انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلا رہا ہے وہ اسے جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ جو کلام اس پر نازل کیا جارہا ہے اسے نبی کا اپنا گھڑا ہوا کلام ٹھہرا رہے ہیں۔ اور بعض باتیں جو انہوں نے خود گھڑ رکھی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اپنے لئے اسلام کے انکار کا جواز پیدا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے طور سے یہ بات بنا رکھی ہے کہ وہ ایک برگزیدہ اور اللہ تعالیٰ کی منظورِ نظر امت ہیں۔ ہم امیوں کے اندر پیدا ہونے والے کسی پیغمبر پر کیونکر ایمان لاسکتے ہیں جبکہ نبوت اور رسالت ہمیشہ سے اسرائیل کے گھرانے سے اٹھتی رہی ہے۔ حالانکہ ان کی اپنی کسی کتاب میں بھی کہیں اس کا ذکر نہیں کیا گیا کہ بنی اسرائیل کا گھرانہ نبوت ورسالت کیلئے مخصوص ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ روئے زمین کے ہر ایسے حصے پر جہاں انسانی آبادی ہو اور ان کی طرف کوئی پیغمبر نہ آیا ہو تو وہ اپنے نبی اور رسول بھیجتا رہا ہے۔ لیکن انہوں نے ایک فرضی بات بنا رکھی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بنالیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہ بات بھی گھڑ رکھی ہے کہ ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم کسی ایسے شخص کے دعوائے نبوت کی تصدیق نہ کریں جس کی پیش کی ہوئی قربانی کو کھانے کیلئے آسمان سے آگ نہ اترے۔ یہ سب خانہ ساز باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے انہوں نے اپنے اوپر ظلم توڑا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی قدر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کریں اور اس طرح سے اپنے آپ کو ہدایت سے محروم کر لیں۔ یہ ظالم لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

Marfat.com

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونک سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ ۸) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ ۹)

یہود کا ہدف اور اس میں ناکامی

جزیرۂ عرب کے رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگ اس بات پر متفق تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس نور کو بجھا دیا جائے جو آنحضرت ﷺ اسلام کے نام سے پھیلا رہے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اسے تشبیہ کی صورت دے کر ایک سعیِ لاحاصل قرار دیا ہے۔ یعنی ان کی یہ کاوشیں ایسے ہی ہیں جیسے سورج یا چاند کی روشنی کو کوئی شخص یا انسانوں کا کوئی گروہ اپنے مونہوں کی پھونک سے بجھانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور پھر مزید یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا دینِ خواب ہلال کی شکل میں ہے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اسے بدر بنا کر رہے گا۔ یعنی دین کی وہ روشنی جو چراغ کی صورت مسلمانوں کے دلوں میں جل رہی ہے اور ابھی تک مدینہ منورہ کے گھروں میں بھی پوری طرح پھیل نہیں سکی اور لوگ اسے بجھانے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور بہت حد تک اس کیلئے پرامید بھی ہیں۔ لیکن یہ حیرت انگیز پیشگوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روشنی کو پہلے جزیرۂ عرب کی حد تک اور اس کے بعد معلوم زمین کے بڑے حصے تک پھیلا کے رہے گا۔ دوسری آیت پہلی آیت کے مضمون کی مزید وضاحت ہے کہ جس پروردگار نے اپنے نور کو کامل کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے وہ نور درحقیقت وہ دین ہے نبی کریم ﷺ جسے دے کر بھیجے گئے ہیں اور پیشِ نظر یہ ہے کہ اس دین کو اس سرزمین کے تمام ادیان پر غالب کردے اور یہ فیصلہ تکمیل کو پہنچ کر رہے گا۔ اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ پہلی آیت کے آخر میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ یہ کفار پر کتنا ہی گراں گزرے اور دوسری آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگرچہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے۔ پہلے کافرون کا لفظ ہے اور اس کے بعد مشرکون کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافرون سے وہ تمام مخالفین مراد ہیں جو جزیرۂ عرب میں پھیلے ہوئے تھے اور جن کا تعلق مختلف مذاہب سے تھا۔ اور مشرکین سے مشرکینِ قریش مراد ہیں۔ ان دو لفظوں کے استعمال سے تمام مخالف طاقتوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جو اس وقت عرب میں اسلام کی مخالفت کر رہی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ تمام مخالفین کو چیلنج کر دیا گیا ہے کہ تم مخالفت میں جتنا زور لگانا چاہو لگا لو، لیکن تم اللہ تعالیٰ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ اس رسول کے ذریعہ سے اس دینِ حق کو تمام دینوں پر غالب کر کے رہے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیات جنگِ احد کے بعد ۳ ہجری میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اسلام ابھی مدینہ منورہ تک محدود تھا اور مسلمانوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی اور ابھی کچھ عرصہ پہلے احد کے معرکے میں جو مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا اس کی وجہ سے ان کی ہوا اکھڑ چکی تھی اور گرد و پیش کے قبائل ان پر شیر ہو گئے تھے۔ ان حالات میں اس دین کا تمام دینوں پر غالب آنا اور اللہ تعالیٰ کے نور کا کامل ہو کے رہنا ایک ایسی پیشگوئی تھی جس کا اس وقت یقین کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن آج اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اور چند ہی سالوں میں اللہ تعالیٰ کا دین جزیرۂ عرب پر غالب آ گیا۔ اور پھر ربع صدی نہیں گزری تھی کہ معلوم زمین کی ایک تہائی کا وہ مقدر بن گیا۔

Marfat.com

يٰۤاَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْۤ

اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى

عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

رکوع: ۲۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ ۱۰) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۱۱) اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ابد کے باغوں میں ہوں گے، یہ ہے بڑی کامیابی۔ ۱۲) اور ایک اور چیز بھی ہے جس کو تم چاہتے ہو، یعنی اللہ کی نصرت اور قریب ہی حاصل ہوجانے

Marfat.com

والی فتح، اور ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے۔ ۱۳) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰ ابنِ مریم نے حواریوں سے کہا تھا اللہ کی طرف بلانے میں کون میرا مددگار بنتا ہے؟ حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے مددگار، تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا، پھر ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی، پس وہی غالب رہے۔ ۱۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ ۱۰)

ایک مومن کی کامیاب تجارت

تجارت درحقیقت مبادلۃ المال بالمال کو کہتے ہیں۔ یعنی آدمی اپنا مال وقت، محنت اور ذہانت و قابلیت ایک چیز کے حاصل کرنے میں پیش کرتا ہے۔ اور دوسرا شخص جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ پیش کرتا ہے۔ دونوں اگر اس تبادلے پر راضی ہو جاتے ہیں تو ایک کا مال دوسرے کے پاس اور اس کے مال پہلے کے پاس آ جاتا ہے۔ یہ وہ تجارت ہے جس سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ لیکن اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف بھی مال ہے اور دوسری طرف بھی مال ہے۔ یعنی ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی نہ کوئی قیمت لگائی جا سکتی ہے۔ لیکن اس تجارت میں دونوں طرف جو مال صرف کیا جاتا ہے وہ فانی اور عارضی ہوتا ہے۔ اور پھر اس میں کوئی ضروری نہیں کہ تجارت کرنے والا فائدہ اٹھائے۔ کبھی دونوں ہی نقصان میں رہتے ہیں، کبھی ایک فائدے میں ہوتا اور دوسرا نقصان اٹھاتا ہے۔ لیکن پروردگار ان لوگوں کو جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں ایک ایسی تجارت کی خبر دے رہا ہے جس میں ان کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جائے گا وہ بہرحال فانی ہے۔ لیکن اس کے بدلے میں جو کچھ ملنے والا ہے وہ فانی نہیں بلکہ ابدی اور سرمدی ہے۔ اور پھر اس راستے میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں بشرطیکہ اپنی طرف سے پیش کیا جانے والا مال یا کاوشیں اخلاص سے خالی نہ ہوں۔ اس تجارت کے نتیجے میں جو مثبت منافع حاصل ہونے والے ہیں ان کا ذکر تو بعد میں کیا جا رہا ہے لیکن سب سے پہلے ایک منفی نفع کا ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ، وہ چیز ہے جو ایک مومن کیلئے اصل مطلوب کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک انسان کیلئے سب سے خطرناک چیز قیامت کا عذاب ہے جس سے بچاؤ کی وہاں کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ لیکن اس کامیاب تجارت کے نتیجے میں اس عذابِ الیم سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرمائے گا۔

اس آیت کے آغاز میں جن الفاظ میں پروردگار نے خطاب فرمایا ہے وہ بھی نہایت توجہ کے قابل ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی خبر دیتا ہوں جو عذابِ الیم سے تمہیں نجات دے دے۔'' اس کا مطلب واضح ہے کہ تمہارا ایمان عذابِ الیم سے نجات دینے کی ضمانت نہیں۔ یعنی یہ ایمان ایسا ہے جس میں سمع و اطاعت کا عہد تو ہے لیکن اس میں وہ اخلاص نہیں، یقین کا نور نہیں اور اطاعت کا وہ جذبہ نہیں جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان کو قبولیت ملتی ہے۔ اسے اگر تم واقعی قابلِ قبول بنانا چاہتے ہو جو عذابِ الیم سے نجات کا باعث بنے تو اس کیلئے چند شرائط ہیں جو اگلی آیت میں بیان کی گئی ہیں۔

Marfat.com

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ
خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾

(تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۱۱) اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ابد کے باغوں میں ہوں گے، یہ ہے بڑی کامیابی۔ ۱۲)

آیت کے اسلوب کی وضاحت

سب سے پہلے آیت کا اسلوب قابلِ توجہ ہے۔ سیاقِ کلام سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس آیت میں استعمال ہونے والے افعال مضارع امر کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں، لیکن ان کا اسلوب انشائیہ نہیں بلکہ خبریہ ہے۔ اس کی وجہ در حقیقت یہ ہے کہ عربی اسالیب میں یہ اسلوب قرآنِ کریم نے عام استعمال کیا ہے کہ جب امر یا نہی کے اندر نصیحت اور ناصحانہ تلقین کا مضمون پیدا کرنا ہو تو ان کو خبریہ اسلوب میں کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی تُؤْمِنُوْنَ اور تُجَاهِدُوْنَ بظاہر تو خبر کے اسلوب میں ہیں لیکن یہ معنی میں امر کے ہیں کہ تم ایمان لاؤ اور تم جہاد کرو۔ لیکن اسلوب کے بدلنے سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب یہ سمجھتا ہے کہ مجھے یہ بات نہایت شفقت سے سمجھائی جا رہی ہے۔ اور اس میں کہنے والے کا نہیں بلکہ میرا ہی نفع ہے۔ چنانچہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری تجارت تمہیں عذابِ الیم سے بچا دے تو پھر تم حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ یعنی جس میں یقین کی پوری قوت شامل ہو۔ اور اطاعت کا جذبہ اپنے عروج پر ہو۔ پھر اپنے مالوں اور جانوں سے اس طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو کہ تمہارے مال بھی اللہ تعالیٰ کے ہو جائیں اور تمہاری جانیں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہ تمہیں مال خرچ کرنے میں تامل ہو اور نہ جان دینے میں۔ بلکہ تم یہ سمجھو کہ اگر ہم سے ان دونوں میں سے کسی کی بھی قربانی مانگی جائے تو یہ ہمارے لئے عین سعادت ہے اور یہی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مال خرچ کر دینا بظاہر خسارے کا سودا ہے اور وہ بھی اس وعدے پر کہ آخرت میں تمہیں اس کا صلہ ملے گا۔ اسی طرح جان دے دینا اللہ تعالیٰ کی رضا کی امید اور جنت کی طلب میں، یہ بھی بظاہر بہت بڑا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زندگی سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ لیکن اگر تم اس کی حقیقت کو جان لو تو تمہیں اندازہ ہو جائے کہ تم نے اپنا مال خرچ کر کے چند خزف ریزے پیش کئے ہیں۔ اور اپنی جان قربان کر کے ایک ایسی چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی ہے جسے بہر حال فنا ہو جانا تھا۔ اور وہ تمہاری اپنی نہیں بلکہ اسی کی عطا کردہ تھی جس کیلئے تم نے اسے قربان کیا ہے۔ اور اس کے بدلے میں تمہیں ایسی دولت کونین مل رہی ہے جسے کبھی زوال نہیں۔ اندازہ کیجئے کہ یہ تجارت کس قدر نفع بخش ہے۔ انسان اپنی حقیر متاع مال اور جان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کو بقاء حاصل نہیں، زوال ان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ لیکن اس کے بدلے میں عذابِ الیم سے نجات مل جائے گی، گناہ معاف ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی وہ جنت مل جائے گی جس کی نعمتوں کو کبھی زوال نہیں اس سے بڑی نفع بخش تجارت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ٹھیک کہا کسی نے:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

Marfat.com

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

(اور ایک اور چیز بھی ہے، جس کو تم چاہتے ہو، یعنی اللہ کی نصرت اور قریب ہی حاصل ہو جانے والی فتح، اور ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے۔ ۱۳)

اس تجارت میں کامیابی اور غلبہ بشارت

اس تجارت کے نتیجے میں اخروی نعمتوں کے ساتھ ساتھ تمہیں ایک اور نعمت بھی ملنے والی ہے، جس کی تم بہت تمنا رکھتے ہو، لیکن اس کے ذکر سے پہلے اخروی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اسے سب سے بڑی کامیابی قرار دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یقیناً مسلمانوں کی فتح و کامرانی بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن سب سے بڑی کامیابی ایک مومن کیلئے آخرت کی کامیابی ہے۔ دنیوی کامیابیوں اور نعمتوں میں سے دو چیزوں کا ذکر فرمایا، ایک اللہ تعالیٰ کی نصرت اور دوسری عنقریب ہونے والی فتح۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مراد اسلام اور مسلمانوں کی وہ تمام کامرانیاں ہیں جو حق و باطل کی کشمکش میں انہیں قدم قدم پر حاصل ہو رہی ہیں۔ بدترین دشمن دھیرے دھیرے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، قبیلوں کا جمود ٹوٹ رہا ہے، اسلام کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے اور اہل مکہ کا حلقہ اثر روز بروز سمٹتا جا رہا ہے۔ رہی وہ فتح جو عنقریب ہونے والی ہے۔ اس سلسلے میں ائمہ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اگر قریب کے لفظ کو آخرت کے مقابلہ میں لیا جائے تو پھر تمام اسلامی فتوحات اس میں داخل ہیں چاہے ان کا تعلق عرب سے ہو یا عجم سے۔ اور اگر قریب عرفی مراد لیا جائے تو پھر ان مفسرین کے نزدیک جو ان آیات کے زمانہ نزول کو جنگ احد کے قریب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اس سے مراد فتح خیبر ہوگی۔ اور جو اس کا زمانہ نزول فتح مکہ سے کچھ پہلے کا زمانہ مراد لیتے ہیں تو ان کے نزدیک اس سے مراد فتح مکہ ہوگی۔ لیکن اس ناچیز کے خیال میں چونکہ زمانہ نزول کا ٹھیک ٹھیک تعین مشکل ہے اس لئے اس سے مراد فتح مکہ ہی ہے۔ البتہ فتح خیبر اس کا مقصد نہ ہے۔ اور اسی فتح نے یہود کی کمر توڑ کر دشمن کا ایک بازو کمزور کر دیا تھا۔ لیکن مسلمان جس کی حقیقی تمنا رکھتے تھے اور اصل نصب العین کی حیثیت سے اس کے آرزومند تھے وہ فتح مکہ ہے جس کے بعد غلبہ حق کا سفر تیز ہو گیا اور جزیرہ عرب میں پھیلے ہوئے قبائل مقابلے کی تاب نہ رکھتے ہوئے تیزی سے اسلام کی طرف آنے لگے۔

آخر میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ مومنوں کو اس فتح کی بشارت دے دیجئے کہ یہ مبارک ساعت دور نہیں اس کا ظہور جلد ہی ہونے والا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو اس کیلئے اپنی مساعی میں اور تیزی لانا ہوگی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىٕفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا اللہ کی طرف بلانے میں کون میرا مددگار بنتا ہے؟ حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے مددگار، تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا، پھر ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی، پس وہی غالب رہے۔ ۱۴)

Marfat.com

دل کی کجی سے بچنے کیلئے حواریوں کی تقلید کرنے کا حکم

اوپر آیت ۵ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود کی روش کی تقلید سے روکا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ اگر ان کے نقشِ قدم پر چلو گے تو جس طرح ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے گئے اور وہ اس زیغ نظر کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے صراطِ مستقیم پر چلنے سے عاجز ہو گئے اور ہدایت سے محروم کر دیئے گئے، اسی طرح تمہارے ساتھ بھی یہ حادثہ گزر سکتا ہے۔ البتہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم پر چلنے کا موقع دیا ہے اور ایک دین کو ان کیلئے سامانِ سفر بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور جنت کی طلب کو ان کا نصب العین بنا دیا ہے۔ اس کیلئے ان کے سامنے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا جا رہا ہے کہ انہیں تقلید کرنی ہے تو ان کی کریں کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے میں اپنا سب کچھ قربان کر ڈالا۔ اس سے مراد وہ حواری ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ سورۃ آل عمران سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود علماء کی طرف سے بڑھتے ہوئے انکار کو دیکھا اور آپ نے ان کی طرف سے خطرہ محسوس کیا تو آپ نے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کون اللہ کی طرف میرا مددگار ہوگا، تو حواریوں نے نحن انصار اللہ کہہ کر اس دعوت پر لبیک کہی۔ تمہیں بھی اس طرح آنحضرت ﷺ کی دعوت پر اللہ تعالیٰ کا انصار بننا چاہئے اور اس قربانی وایثار میں حواریوں کی تقلید کرنی چاہئے۔

لفظِ حواری کی تحقیق

حواری کی اصل حور ہے، جس کے معنی سفیدی کے ہوتے ہیں۔ دھوبی کو بھی حواری کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ کپڑے دھو کر سفید کر دیتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دریا کے کنارے پر کپڑے دھونے والے دھوبی تھے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ تم لوگوں کے کپڑے صاف کرتے ہو، آؤ میں تمہیں لوگوں کے دل صاف کرنے کا طریقہ بتاؤں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت دریا کے کنارے مچھلیاں پکڑنے والے لوگ تھے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت دیتے ہوئے کہا کہ اے مچھلیوں کو پکڑنے والو آؤ میں تمہیں آدمیوں کے پکڑنے والا بناؤں۔ بالآخر انہیں کے اندر سے ایک مختصر سی جماعت پوری ہمت اور توانائی کے ساتھ اس کام میں تعاون کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے اور اہلِ لغت اس کی تائید کرتے ہیں کہ حواری کا معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب سے پاک اور صاف ہو۔ یہ بھی ایسے ہی بے غرض لوگ تھے جو محض اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے جذبے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہر موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ آپ پر ایمان لایا اور دوسرا گروہ کفر پر کھڑا رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اس گروہ کو حاصل ہوئی جو ایمان لائے تھے۔ اور اسی تائید ونصرت کی وجہ سے وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود اہلِ کفر پر غالب آ گئے۔ یہ اسی تائید ونصرت کا نتیجہ ہے کہ جب سے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تکذیب کی ہے اور آپ

Marfat.com

کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے انہیں کبھی اقتدار حاصل نہیں ہوا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں وہ رومیوں کے محکوم تھے اور پھر قسطنطین کے نصرانیت قبول کر لینے کے بعد سے وہ برابر نصاریٰ کے محکوم رہے۔اور آج بھی جبکہ اسرائیل کے نام سے ان کی ایک آزاد حکومت قائم ہے حقیقت میں وہ عیسائیوں کے زیرِ دست ہیں۔اگر آج امریکہ ان کے سر سے اپنا ہاتھ اٹھالے تو ان کی حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔

بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اٹھالیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہوگئے،ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان میں چلے گئے،دوسرے فرقہ نے کہا کہ وہ خدا تو نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا اور دشمنوں پر فوقیت دے دی،تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو صحیح اور حق ہے کہ وہ نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے حفاظت اور رفعتِ درجہ کیلئے اٹھالیا۔یہ لوگ صحیح مومن تھے،تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے اور باہمی نزاع بڑھتے بڑھتے باہم قتال کی نوبت آگئی،اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومنین پر غالب آگئے،یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اس مومن فرقہ کی تائید کی۔اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت ودلیل کے غالب آگیا۔ (مظہری)

اس تفسیر کے مطابق اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا سے......مومنین امت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہوں گے جو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی تائید وحمایت سے مظفر ومنصور ہوں گے۔ (مظہری) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں دو فرقے ہوگئے،ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے کر مشرک ہوگیا،دوسرا صحیح دین پر قائم رہا جو ان کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول کہنے کا قائل تھا۔پھر ان مشرکین ومومنین میں باہم جنگ ہوئی،تو اللہ تعالیٰ نے مومنین امت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس امت کے کافروں پر غالب کر دیا،مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں جہاد وقتال کا حکم نہیں تھا،اس لئے مومنین کا قتال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے۔(روح المعانی) مگر اوپر خلاصۂ تفسیر میں اس کے جواب میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ جنگ کی ابتداء کفار نصاریٰ کی طرف سے ہوئی ہو اور مومنین مدافعت پر مجبور ہوگئے ہوں،تو یہ جہاد وقتال کے حکم میں نہیں آتا،واللہ اعظم۔ (معارف القرآن)

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

(٦٢)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الْجُمُعَةِ ہے۔ یہ اس سورۃ کی آیت ۹ سے ماخوذ ہے۔ اس میں ۲ رکوع، ۱۱ آیتیں ۱۸۰ کلمے اور ۷۲۰ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول:۔ حضرات ابنِ عباس، ابنِ زبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم بلکہ جمہور امت کے نزدیک پہلے رکوع کا نزول مدینہ طیبہ میں ۷ ہجری میں ہوا۔ اس کی تائید صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اس روز بارگاہِ نبوت میں حاضر تھا جس روز سورۃ الجمعۃ نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور غزوۂ خیبر ۷ ہجری میں ہوا۔ ابنِ ہشام کے نزدیک محرم کا مہینہ تھا اور ابنِ سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ کا۔ البتہ دوسرے رکوع کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہوا ہے کہ اس کا زمانۂ نزول کیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ دوسرا رکوع بھی پہلے رکوع کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے۔ اس میں جمعے کے چند مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جب ایک قافلۂ تجارت کے مدینہ منورہ میں عین اس وقت داخلے کے وقت جب خطبۂ جمعہ دیا جا رہا تھا مسلمانوں کی اکثریت خطبۂ جمعہ چھوڑ کر قافلۂ تجارت کی طرف چلی گئی تا کہ ان کی شدید ضرورت کا سامان تاخیر کی وجہ سے دوسرے لوگ نہ لے جائیں۔ یہ واقعہ اگرچہ ہجرت کے بعد قریبی زمانے میں پیش آیا تھا بلکہ یہاں اس کا حوالہ اس واقعہ کی شناعت اور خطبۂ جمعہ میں حاضری کی اہمیت کے پیشِ نظر دیا گیا ہے۔ اور مزید یہ بات بھی کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو یہ بات یقیناً تھی کہ قرونِ اولیٰ میں تو اس بات کا ہرگز امکان نہیں کہ مسلمان خطبۂ جمعہ یا نمازِ جمعہ میں کسی طرح کی کوتاہی کریں گے۔ البتہ ایک زمانہ ایسا ضرور آئے گا جب لوگ اپنے کاروبار، اپنی ملازمتوں اور اپنے دیگر مشاغل کو جمعہ پر ترجیح دیں گے۔ خطباتِ جمعہ ہوتے رہیں گے اور ان کا کاروبار برابر جاری رہے گا۔ اس لئے ضروری تھا کہ جمعہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اس سورۃ میں شامل کر دیا جاتا۔

جمہور مفسرین کا خیال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی پانچویں روز جمعہ قائم کر دیا تھا۔ اور پھر اس کے کسی قریبی زمانے میں خطبۂ جمعہ چھوڑ کر قافلۂ تجارت میں جانے کا واقعہ پیش آنے کا امکان ہے کیونکہ مدینہ میں اسلام کو آئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری تو بالکل قریبی زمانے کی بات تھی۔ اس وقت چونکہ مسلمان زیرِ تربیت تھے ان میں ایسی کوتاہیوں کا پایا جانا چنداں بعید نہ تھا۔ ویسے بھی دینی اجتماعات کے آداب کی پوری تربیت ابھی مسلمانوں کو دی ہی نہیں گئی تھی۔ رہی یہ بات کہ اگر ہجرت کے جلدی بعد یہ دوسرا رکوع نازل ہوا ہے تو پھر ۷ ہجری میں نازل ہونے والی آیات کے ساتھ اس کو منسلک کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تھوڑا سا غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے رکوع میں یہودیوں کی بعض باتوں پر تنقید کی گئی ہے اور مسلمانوں کو ان جیسا طرزِ عمل اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہودیوں کو سبت کا دن عبادت کے دن کے طور پر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سبت کے مقابلے میں جمعہ کا دن عطا فرمایا۔ تو

Marfat.com

اس تنقید کی مناسبت سے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ جس طرح یہود نے سبت کے ساتھ معاملہ کیا تم بھی جمعہ کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرنا۔

مضامین:۔ پہلی آیتِ کریمہ کو آنے والی آیات کیلئے تمہید کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔اور اس میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کو بیان کیا گیا ہے آنے والی آیتِ کریمہ میں انہیں صفات کے نتیجے کو بیان فرمایا گیا ہے۔

یہود کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم جن لوگوں کو حقارت سے اُمّی کہتے ہو اور جن کے بارے میں تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ ان میں کوئی نبی اٹھایا جائے۔نبوت کیلئے بنی اسرائیل کی قوم کو خاص کرلیا گیا ہے۔ان کے اس زعمِ باطل پر چوٹ لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ دیکھو تمہاری آنکھوں کے سامنے صدیوں سے اُمّی آباد ہیں تم ان کے خیالات اور اخلاق و آداب سے اچھی طرح واقف ہو۔تم اپنی برتری کے تمام دعوؤں کے باوجود ان کے کسی ایک فرد کی اصلاح نہیں کر سکے۔لیکن اب تم دیکھ رہے ہو کہ ان ہی میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا گیا ہے جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے،ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس پر ایمان لانے والے چند ہی سالوں میں ایسے پاکیزہ صفت لوگ بن کے اٹھے ہیں کہ جن کی نظیر پوری دنیا میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔اس سے تم اندازہ کرسکتے ہو کہ تمہارے خیالات کس قدر فاسد ہیں۔اور ساتھ ہی ساتھ اُمّیوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہیں اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے ایک رسول کی بعثت کو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل سمجھنا چاہئے۔اور آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم کو قبول کر کے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔چہ جائیکہ تم اس کا انکار کر کے اپنی عاقبت تباہ کرلو۔

یہود کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تورات جیسی کتاب عطا فرمائی تھی اور تمہیں اس کا حامل بنایا تھا۔اس وقت کی پوری دنیا کی ہدایت کا سامان کرنا تمہاری ذمہ داری تھی۔لیکن تم دوسروں کیلئے کیا کرتے تم نے تو اپنے لئے بھی کچھ نہ کیا۔تمہاری مثال تو اس گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس چیز کا بار اٹھائے ہوئے ہے۔بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ تمہاری حالت گدھے سے بھی بدتر ہے۔وہ تو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا،لیکن تم تو سمجھ بوجھ رکھتے ہو۔

مزید فرمایا کہ تمہارے پندار کا عالم تو یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا چہیتا سمجھتے ہو۔اگر ایسی بات ہے تو پھر تم موت کی تمنا کرو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے چہیتوں کیلئے ایسی آرام دہ جنت بنا رکھی ہے کہ یہ دنیا اس کے مقابلے میں رہنے کی جگہ نہیں ہے۔اور پھر تحدی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم موت کی تمنا کبھی نہیں کرو گے۔اس لئے کہ تمہارے ضمیر جانتے ہیں کہ تم نے اب تک کیسے اعمال کئے ہیں اور کیسے کرتوت آگے بھیجے ہیں۔

مزید فرمایا کہ اگر تمہیں واقعی اپنے دعوؤں پر یقین ہوتا تو تمہیں دنیا کا قیام برا لگتا۔تم دنیا کو اپنے لئے قید خانہ سمجھتے اور کوشش کرتے کہ اس سے تمہاری جان چھوٹے اور اس کیلئے تم موت کی آرزو کرتے۔لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم تو عزت کی زندگی کیلئے بھی موت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔اسی کا نتیجہ ہے کہ تمہاری عزت کا ایک ایک مرکز ایک ایک کر کے تمہارے ہاتھوں سے نکلتا جارہا ہے۔

دوسرے رکوع میں کچھ احکام دیئے گئے ہیں جن کا تعلق خطبہ جمعہ یا نماز جمعہ کے ساتھ ہے۔اذانِ جمعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جب اذان کے ذریعے تمہیں جمعے کیلئے بلایا جائے تو فوراً جمعے کی طرف لپکو۔اذان ہونے کے بعد ہر قسم کی خرید وفروخت اور ہر قسم کی مصروفیت حرام کردی گئی۔البتہ جب جمعہ کی نماز ہوجائے تو پھر مسلمانوں کا حق ہے کہ اپنے اپنے کاروبار چلانے کیلئے زمین میں پھیل جائیں۔اور یہ بھی اشارہ فرمایا کہ مالِ تجارت یا ضروریات کے حصول کیلئے جمعہ کو نظر انداز کرنا یہ بہت بڑی محرومی ہے۔اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ طلبِ دنیا کی جستجو اور لہو لعب سے ہزار درجہ بہتر ہے۔رزق کی چابیاں اسی کے پاس ہیں۔ایک مومن کو اسی کے دروازے پر اپنا کشکول لے کر کھڑا رہنا چاہئے اور کسی اور طرف نگاہِ غلط انداز سے بھی دیکھنا نہیں چاہئے۔

Marfat.com

رُكُوْعَاتُهَا ٢	سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (٦٢)	اٰيَاتُهَا ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ
اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا
يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا
التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ
لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

Marfat.com

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ع ﴿٨﴾

رکوع: ا۔ (اللہ کی تسبیح کر رہی ہیں وہ ساری چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، جو بادشاہ ہے، قدوس ہے، عزیز اور حکیم ہے۔ ۱) وہی ہے جس نے اٹھایا ہے اُمیوں میں ایک رسول ان ہی میں سے جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ ۲) اور ان ہی میں سے ان دوسروں میں بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں، اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ ۳) یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ۴) مثال ان لوگوں کی جن پر تورات لادی گئی پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا، اس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو، کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۵) اے پیغمبر کہہ دیجئے، اے لوگو! جو یہودی بن گئے ہو اگر تمہارا گمان ہے کہ دوسروں کے مقابل میں تم ہی اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ۶) لیکن یہ ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کر چکے، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ۷) اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں آ کر رہے گی، پھر تم اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو غائب وحاضر کو جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۸)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾

(اللہ کی تسبیح کر رہی ہیں وہ ساری چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، جو بادشاہ ہے، قدوس ہے، عزیز اور حکیم ہے۔ ۱)

یہ آیت آنے والے مضمون کی تمہید ہے۔ الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ آیت گزشتہ سورتوں میں بھی گزر چکی ہے۔ اور سابق سورة [illegible] آیت سَبَّحَ کے ساتھ شروع ہوئی۔ اور اس سورة میں یُسَبِّحُ کے ساتھ آغاز کیا جا رہا ہے۔ دونوں میں نفسِ مفہوم میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ وقوعِ فعل اور کیفیتِ فعل کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ فعل ماضی فعل کے حتمی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور فعل مضارع دوام اور استمرار پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کائنات کی ہر چیز کر رہی ہے اور یہ تسبیح کا عمل مخلوقات کی پیدائش سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ نہ اس میں انقطاع کا کوئی اندیشہ ہے کیونکہ یہ حتمی ہے۔ اور نہ اس کے استمرار اور دوام میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔ گزشتہ سورة میں اس آیت کی وضاحت ہو چکی ہے اس لئے اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس میں جو پروردگار کی چار صفات بیان ہوئی ہیں اگلی آیت کے مضمون سے ان کا تمہیدی ربط معلوم ہوتا ہے۔ یہود اور ان کے زیرِ اثر نصاریٰ بھی بالعموم یہ بات کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کے خاندان سے باہر نہیں آ سکتی۔ اس لئے کہ

Marfat.com

اس خاندان کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم انعام کیلئے مخصوص کرلیا ہے۔ وہ صاف صاف یہ بات کہتے تھے کہ ہم تو صرف اس بات کو مانیں گے اور اس رسول پر ایمان لائیں گے جو بنی اسرائیل میں سے اٹھے گا۔ اور اس رسول پر جو کچھ نازل ہوگا۔ ہم اس کے علاوہ کسی اور کو نہ مانیں گے اور نہ اس بات تسلیم کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تسبیح کے لفظ سے سب سے پہلے اسی گمراہی کی تردید فرمائی ہے کہ تم اس بات کو مانتے ہو کہ کائنات کی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے اور تسبیح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام نقائص اور کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ کے منزہ ہونے کا اعلان کرتی ہے اور بار اس بات کو دہراتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے اور کسی نقص اور کمزوری سے اس کے متصف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں کیونکہ وہ ایسی ہر چیز سے پاک ہے۔ چنانچہ کائنات کی ہر چیز کی اسی تسبیح سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانبداری نہیں کرسکتا۔ اس کا سے کوئی رشتہ نہیں، ساری مخلوق کے ساتھ وہ یکساں عدل، رحمت اور ربوبیت کا معاملہ کرتا ہے۔ اس نے کسی نسل کو کسی دوسری نسل پر فوقیت نہ دی۔ کسی نسل کیلئے اس کی نوازشات مخصوص نہیں۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو نبوت کیلئے مخصوص کرلے اور بنی اسماعیل کو اس سے محروم کردے۔ مزید فرمایا کہ وہ بادشاہ ہے۔ شریعت یعنی قانون کا بھیجنا اور اپنے بندوں سے اس کی پابندی کا تقاضا کرنا یہ اس کے بادشاہ ہونے کا تقاضا ہے۔ کوئی طاقت اس کے اختیارات کو محدود نہیں کرسکتی۔ اور رعایا کا کوئی فرد اس کی حکومت اور سلطنت کو چیلنج نہیں کرسکتا۔ وہ جس خاندان کو چاہے شرفِ نبوت سے نوازتا ہے۔ کسی کو کیا حق ہے کہ وہ اس اختیار کو اپنے حق میں استعمال کرے۔ اسی طرح وہ قدوس ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے رسول اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ سے لوگوں کو پاکیزہ بنائے۔ چنانچہ اس کی اسی صفت کے تحت اس کا رسول لوگوں کو عقائد و اعمال اور اخلاق کی خرابیوں سے پاک کرتا ہے۔ اور اپنے ان فیصلوں میں کہ وہ کسی قوم کے ساتھ کیا معاملہ کرے اور کس کے سر پر رسالت کا تاج سجائے کبھی غلطی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح وہ عزیز ہے اس سے لڑ کر کوئی نہیں جیت سکتا۔ وہ حکیم ہے اس کا کوئی کام مقتضائے دانش کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے کاموں میں مضمر حکمتوں کو کوئی چیلنج تو کیا کرے گا پوری طرح سمجھنے کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝٢

(وہی ہے جس نے اٹھایا ہے امیوں میں ایک رسول ان ہی میں سے جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ ۲)

آخری جملے کی وضاحت

اس مضمون کی آیات اور نبی کریم ﷺ کی یہ صفات اس سے پہلے تین جگہ گزر چکی ہیں اور ہم بقدرِ توفیق ان کی وضاحت کرچکے ہیں۔ خاص طور پر سورۃ بقرۃ میں پہلی دفعہ آنے والی اس آیت کو اور اس میں بیان کی جانے والی آنحضرت ﷺ کی صفات کو وہاں نکال کر دیکھ لیا جائے۔ البتہ اس آیت کا آخری جملہ کہ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، شاید یہ پہلی دفعہ آیا ہے۔ اس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاص طور پر دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ایک بات یہ کہ امیوں کے جذبۂ شکر کو ابھارنے کیلئے ان کی

Marfat.com

گمراہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ لوگ اگر اپنی حالت کا جائزہ لیں تو انہیں اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے وہ جاہلیت کے کس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈبکیاں کھا رہے تھے۔ انہیں عقائد و افکار سے لے کر معاملات و آداب تک کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ انسانیت کی کوئی رمق ان کے اندر دکھائی نہ دیتی تھی، اخلاقی قدریں تقریباً فنا ہو چکی تھیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنی اس جہالت اور گمراہی پر نازاں تھے اور کسی دوسری قوم کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک رسول بھیجا، اپنی کتاب اتاری۔ اور اس طرح سے ان کو چاہِ ظلمت سے نکال کر آسمان کی رفعتوں پر پہنچا دیا۔ وہ اس پر جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں تھوڑا ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جو ابھی تک ایمان نہیں لائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو پہچان کر آگے بڑھ کر اسے قبول کرنا چاہیے۔

دوسری بات جس کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہود بھی جزیرۂ عرب میں صدیوں سے آباد تھے اور اُمّی بھی۔ دونوں ایک دوسرے کو خوب جانتے پہچانتے تھے۔ یہودی اہلِ عرب کو حقارت کی نگاہ سے اُمّی کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ ان کی تمام گمراہیوں اور خرابیوں سے واقف تھے۔ ان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کا کوئی گوشہ ان سے مخفی نہ تھا۔ لیکن وہ ان کے امراض کا لاعلاج سمجھتے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اصلاح کیلئے انہوں نے کبھی کوئی کوشش نہ کی۔ چند سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مکے میں اپنا رسول بھیجا، ان پر اپنی آخری کتاب اتاری۔ چند سالوں کی تربیت سے اس مذہب کو قبول کرنے والے لوگوں میں جو فکری، عملی اور اخلاقی تبدیلیاں آئیں وہ یہود اور دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں۔ کیا انہیں دیکھ کر اس بات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے سوا ایسی بگڑی ہوئی قوم میں ناموافق ماحول کے باوجود حیرت انگیز طور پر ایسے اخلاق کا پیدا ہو جانا اور ایسی سیرت و کردار کا جنم لے لینا کیا اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول کے سوا بھی کسی سے ممکن ہو سکتا تھا۔ گزشتہ رسولوں کی امتیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی تاریخ بھی ہم سے مخفی نہیں۔ خود بنی اسرائیل کی تاریخ سے کون ناواقف ہے۔ لیکن جو بات مسلمانوں کی سیرت و کردار میں نظر آتی ہے جو چند سالوں کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی صداقت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(اور ان ہی میں سے ان دوسروں میں بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں، اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ ۳)

یہ دعوت ان کیلئے بھی ہے جو ابھی اسلام نہیں لائے

اس کا عطف اُمّیین پر ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُمّیوں کی طرف رسول بھیجا، اسی طرح اس نے ان لوگوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے۔ اور جس طرح وہ اُمّی جو اسلام قبول کر چکے اور آنحضرت ﷺ انہیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، ان کا تزکیہ فرماتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے لیکن ان کے شامل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول ان ہی چاروں فرائض کا ہدف ان کو بھی بنائیں گے۔ کیونکہ جو شخص بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا جائے گا اللہ تعالیٰ کے رسول کی تربیت میں بھی داخل ہوتا جائے گا۔ اس لحاظ سے مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع اُمّی ہے۔ لیکن وہ ابھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے گریزاں ہیں۔ لیکن انہیں سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت ان پر اتاری ہے اور جو خوانِ نعمت ان کیلئے بچھایا ہے اس

Marfat.com

ساری دنیا سے پہلے ان ہی کو اس کی دعوت دی گئی ہے کیا وہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس سے بھاگے پھریں گے اور اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے اس سے محروم کر دیں گے۔ لیکن اسلوب بیان سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو ابھی اُمّیوں میں سے ہونے کے باوجود اسلام کے قریب نہیں آئے تھے وہ بھی زیادہ دیر تک اسلام سے دور نہیں رہیں گے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ جلد ہی اسلام انہیں اپنی آغوش میں لے لے گا۔

آخر میں عزیز اور حکیم دو صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں جس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر غالب اور مقتدر ہے کہ وہ ایک نہایت گری پڑی قوم میں بھی ایسا رسول بھیجنے پر قادر ہے جس کی تعلیم و تربیت اس درجہ انقلاب انگیز ہو کہ اس کے نتیجے میں بننے والی امت کے افراد پوری دنیا کے معلمِ اخلاق بن کر اٹھیں۔ اور دنیا کو ایسے زریں اصولوں سے بہرہ ور کرے جو ان کی زندگی میں حقیقی تبدیلی کے ضامن ہوں۔

اور دوسرا اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و ہدایت انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ عزیز ہونے کے باوجود کسی قوم کو زبردستی ہدایت عطا نہیں فرماتا۔ وہ چونکہ حکیم ہے اس وجہ سے وہ ہدایت سے ان ہی لوگوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اس کی حکمت کے تحت اس کے سزاوار ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر اُمّیوں کا ذکر آیا ہے۔ لیکن ہر جگہ مراد ایک ہی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ تو اُمّی سے مراد ان پڑھ اور جاہل ہوتے ہیں۔ بالخصوص جو کتاب و شریعت سے واقف نہیں۔ لیکن عموماً اُمّی کا لفظ بنی اسماعیل کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ میں وسعت پیدا ہو جانے کے بعد اہلِ عرب کیلئے استعمال ہونے لگا۔ یہود بنی اسماعیل کو حقارت کی نگاہ سے اُمّی کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔ یوں تو ان کا ہر غیر اسرائیلی سے رویہ ایسا ہی تھا، لیکن بنی اسماعیل اور اہلِ عرب کے ساتھ ان کا رویہ خاص طور پر توہین آمیز تھا۔ وہ اپنے آپ کو اہلِ کتاب اور صاحبِ علم و فضل سمجھتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا چہیتا گردانتے تھے۔ لیکن بنی اسماعیل کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن بنی اسماعیل اور اہلِ عرب نے اس لفظ کو اپنے لئے عَلَم کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔ اور انہیں اس میں کسی کمتری کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ قرآنِ کریم نے بھی بالعموم انہیں اُمّی کے لفظ سے یاد کیا ہے اور مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو بنی اسرائیل کے مقابلے میں کتاب و شریعت کے علم سے بالکل بے خبر تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے طور پر اسے اعزاز سمجھ رکھا تھا۔ اور جب قرآنِ کریم نے ان کیلئے اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے رسول کیلئے اس لفظ کو بطور ایک وصفِ امتیازی کے ذکر فرمایا تو اس لفظ کا رتبہ اتنا بلند ہو گیا کہ اہلِ عرب اس کو مزید ایک اعزاز سمجھنے لگے۔ البتہ اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور بھی ہوا۔ وہ اس طرح کہ جن کو یہود حقارت کی نگاہ سے اَن پڑھ اور اُمّی کہہ کر پکارتے تھے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تشریف آوری کے بعد وہ تمام دنیا کیلئے تعلیم و تہذیب کا سرچشمہ ثابت ہوئے۔ جو خود راہ گم کردہ تھے دوسروں کیلئے ہادی بن کر اٹھے۔ اور یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی شان اور قدرت کا اظہار ہے۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

(یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ۴)

Marfat.com

یہود کے حسد پر تعریض

اللہ تعالیٰ نے اُمّیوں پر اپنا رسول بھیج کر اور کتاب اتار کر جو فضل و احسان فرمایا یہ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے پہلے بھی دنیا کو ہدایت ملتی رہی ہے اور اسی کی عنایت سے افراد اور خاندان ممتاز ہوتے رہے ہیں۔ یہ اسی کا اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اس اعزاز سے نواز دے، کسی کا اس پر کوئی اجارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت جس کو نوازنا چاہتی ہے اس کے راستے میں کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔ یہود اپنے حسد کے پھپھولے جتنے چاہیں پھوڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُمّیوں کو اس کیلئے انتخاب فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا انتخاب کبھی بے سبب اور بے محل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس عظیم مقصد کیلئے اہلِ عرب کا انتخاب کیا تھا اس مقصد کی بجا آوری کیلئے کوئی اور قوم شاید مناسب بھی نہیں تھی۔ ایشیا اور یورپ کی قوموں کو باہمی اختلافات، حصولِ جاہ و حکومت کیلئے برپا ہونے والی لڑائیوں، جاگیرداروں کے مظالم اور عام طبقہ کی اپنی قسمت پر مطمئن ہو کر بے حسی نے ہر طرح کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا تھا۔ ترقی یافتہ قومیں پر تکلف اور پر تعیش زندگی کی رسیا ہو کر کسی بڑی مہم جوئی کے قابل نہیں رہی تھیں انہیں زندگی میں آرام و راحت کے سوا اور کسی چیز کی طلب نہ تھی۔ لیکن دنیا میں ایک اصلاحی انقلاب برپا کرنے کیلئے جس ندر محنت، توانائی اور مہم جوئی کے جذبے اور سرفروشی اور جان پر کھیل جانے کے جس جنون کی ضرورت تھی اس کیلئے ایک ایسی قوم کی ضرورت تھی جو فطری سادگی پر زندگی گزارنے کی وجہ سے طبعی خصوصیات اور توانائیوں سے محروم نہ ہوئی ہو۔ اسے یونانی فلسفوں جیسے فلسفوں نے فکری طور پر مسموم نہ کیا ہو، جو اونٹوں اور گھوڑوں پر طویل سفر کرنے کی ہمت رکھتی ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر چاردانگِ عالم میں پھیل سکے جسے نفسانی خواہشوں اور ذاتی نام و نمود کی خاطر جان پر کھیل جانا مشکل نہ ہو تا کہ جب اس کے جذبوں کا امالہ کر کے ایک بڑے مقصد کیلئے اس راستے پر نکلنے کا موقع آئے تو وہ کسی خوف و خطر کو خاطر میں لانے کیلئے تیار نہ ہو۔ عرب میں آئے دن قحط سالی کی وجہ سے بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی ہمت اس کی جبلت کا حصہ بن چکی ہو تا کہ راہِ حق میں بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کیلئے مشکل معلوم نہ ہو۔ اُمّی ہونے کی وجہ سے معاملات کو مصنوعی طریقوں سے چلانے کی بجائے وہ صرف اپنے قلب و دماغ پر تکیہ کرنے کی عادی ہو اور مسلسل قوتِ حفظ کو آزمانے کی وجہ سے اس میں اتنی ترقی ہو چکی ہو کہ کسی لمبے سے لمبے علمی شہ پارے کو محفوظ کر لینا اس پر گراں نہ ہو۔ ایسی خصوصیات کی حامل ظاہر ہے کہ دنیا میں عرب قوم کے سوا کوئی قوم نہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی قوم کو اپنے دین کی علمبرداری کیلئے انتخاب فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ کے آخری رسول ہونے کی وجہ سے اپنے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا ذمہ دار بنایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی میں پورا جزیرہ عرب اس طرح اسلامی زندگی میں ڈھل گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے اسے اسلامی قوتوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے بیس اور مرکز کی حیثیت دے دی۔ اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خلافتِ راشدہ کے مختصر دور میں اس دور کی بظاہر متمدن حکومتیں اور ریاستیں اسلامی حکومت میں شامل ہو گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ فضل ہے جس سے اہلِ عرب نوازے گئے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انہیں انتخاب کی عزت بخشی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے وہ جس کو چاہتا ہے کسی مقصد کیلئے منتخب فرما لیتا ہے۔

Marfat.com

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(مثال ان لوگوں کی جن پر تورات لادی گئی پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا، اس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو، کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۵)

یہود کے پندار پر چوٹ

نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری اور قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دین کی حامل امت یہود تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات نازل کی تھی۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب سے اپنے آپ کو اس عظیم منصب سے محروم کر لیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری تک وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ہم آج بھی تورات کے حامل ہونے کی وجہ سے سب سے بڑی امت ہیں، اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور برگزیدہ ہیں ہمارے سوا کسی اور خاندان یا قبیلے میں کسی نبی کے مبعوث ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیش نظر آیتِ کریمہ میں ان کے پندار پر چوٹ لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہود کو اپنے اس پندار سے نکل جانا چاہئے۔ کیونکہ ان پر تورات کی ذمہ داری ضرور ڈالی گئی تھی اور انہیں اس کی تعلیمات کا حامل بنایا گیا تھا لیکن آغاز ہی میں انہوں نے جس طرح تورات کو قبول کیا وہ قبولیت بالرضا نہیں بلکہ بالجبر تھی۔ طور کو ان کے سروں پر لا کھڑا کیا اور انہیں کہا گیا کہ تورات کو تھام لو ورنہ تمہیں کچل دیا جائے گا۔ تب جا کے انہوں نے تورات کو قبول کیا۔ غالباً اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے یہ تعبیر اختیار کی ہے کہ ان لوگوں پر تورات لادی گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس پر عمل اور اس کے حوالے سے ذمہ داریوں کی ادائیگی یکسر چھوڑ دی۔ اس طرح سے انہوں نے اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس دور میں ان کی مثال ایسے ہی تھی جیسے کسی گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادا جائے لیکن اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے علم کا کتنا بڑا خزانہ اپنی کمر پر اٹھا رکھا ہے۔ یہ اپنے پاس تورات رکھتے تھے لیکن تورات کے علم سے نابلد تھے۔ اور جو جانتے تھے وہ اس پر عمل کرنے سے بیگانہ تھے۔ تو ایسی قوم کی مثال کیسی بری مثال ہوگی جنہوں نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کر ڈالی۔ وہ اپنی مشیخیت کے تقدس میں چاہے کیسے بھی دعوے کریں اور بنی اسماعیل کے مقابلے میں چاہے کتنی بڑی بڑائی کا اپنے آپ کو حقدار سمجھیں لیکن حقیقت میں وہ کتابِ الٰہی کو اٹھانے سے انکار کر چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اٹھانے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ گدھے کی طرح اسے سر پر رکھ لیا جائے یا لائبریری کی الماریوں میں اسے سجا دیا جائے لیکن عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ لوگ تو درحقیقت بدعملی کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین پر بھی انہوں نے اس کا ایک ایک حکم توڑ کر ظلم کیا ہے۔ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اس لئے یہ اگر اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی تکذیب کر رہے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ ہدایت وضلالت کی گرفت میں آچکے ہیں۔

Marfat.com

اس آیت کے مضمون کو غور سے دیکھا جائے تو دل کانپنے لگتا ہے۔ کیا امتِ مسلمہ کا حال اس سے مختلف ہے جس کی تصویر اس آیت میں کھینچی گئی ہے۔ ہم بھی اپنے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب رکھتے ہیں بلکہ اس سے لائبریریاں بھری ہوئی ہیں، کوئی گھر اس سے خالی نہیں ہے، شمار اس کے حفاظ موجود ہیں، بڑے بڑے مدارس اس کی تعلیم کیلئے کام کر رہے ہیں۔ بایں ہمہ ہماری اجتماعی زندگی قرآنِ کریم کی تعلیم اور اس روح سے خالی ہے۔ وہ ایک زندہ کتاب ہے لیکن ہم نے اسے گھروں میں بند کر رکھا ہے۔ وہ ایک کتابِ انقلاب ہے ہم اسے صرف کتاب تلاوت سمجھتے ہیں۔ وہ ایک علمی کتاب ہے ہم اس کو بے سوچے سمجھے اور بے جانے بوجھے پڑھتے ہیں۔ وہ کتابِ ہدایت ہے لیکن ہم اسے صرف حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کیلئے پڑھتے ہیں۔ لیکن وہ جس عظیم مقصد کیلئے نازل ہوئی تھی ہم کبھی اس حوالے سے سوچنے کی زحمت بھی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے، اے لوگو! جو یہودی بن گئے ہو اگر تمہارا گمان ہے کہ دوسروں کے مقابل میں تم ہی اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ۶)

خطاب کے الفاظ کی وضاحت

سب سے پہلے اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے خطاب کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ یہ نہیں فرمایا گیا، اے یہودیو! بلکہ یہ فرمایا گیا ہے اے لوگو! جو یہودی بن گئے ہو۔ یعنی جن لوگوں نے یہودیت اختیار کر لی ہے۔ یہ درحقیقت یہودی کہلانے والے لوگوں کی ایک بہت بڑی گمراہی کی طرف اشارہ ہے۔ قرآنِ کریم نے جہاں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کا تعلق اسرائیل کی اولاد سے تھا تو انہیں اے بنی اسرائیل، کہہ کر خطاب کیا گیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنا اصل دین اسلام قرار دیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے۔ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا اصلی دین زندہ رہا تو اسلام ہی بنی اسرائیل کا دین رہا اور وہ اسی حوالے سے پکارے جاتے رہے۔ لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تو ایک کا نام سامریہ قرار پایا اور دوسری ریاست یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہوداء درحقیقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے کا نام ہے۔ ان کی نسل سے جو قبیلہ بنا اسے یہوداء کہا جانے لگا۔ یہ دوسری بننے والی ریاست اسی خاندان کے نام سے موسوم ہوئی اور یہودیہ کہلائی۔ چنانچہ یہی خاندان اس ریاست کا مالک ٹھہرا اور اس کے بعد جو لوگ اس ریاست سے تعلق قائم کر کے اپنا مذہب تبدیل کرتے رہے وہ بھی یہود کہلائے۔ ملکِ شام جس کو اس وقت اسیریا کہا جاتا تھا نے حملہ کر کے سامریہ کو تو بہت جلد برباد کر دیا اور پھر ان اسرائیلی قبیلوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ اور اس کے ساتھ بن یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہود ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس ریاست

Marfat.com

مذہب کا جوڈھانچہ تیار ہوا یا جس نے قبولیت حاصل کی یہ وہ مذہب نہیں تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے بلکہ چوتھی صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی قبل مسیح تک کاہنوں اور ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات، نظریات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جوڈھانچہ تیار کیا اس کا نام یہودیت قرار پایا۔ اور آج جو کچھ یہودیت کے نام سے دنیا میں موجود ہے یہ درحقیقت وہی مذہب ہے جو چوتھی اور پانچویں صدی میں تیار ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کا بہت تھوڑا عنصر باقی ہے۔ قرآنِ کریم جب اَلَّذِيْنَ هَادُوْا کہہ کر خطاب کرتا ہے تو اس سے مراد یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے ماننے والے صرف اسرائیلی ہی نہیں بلکہ غیر اسرائیلی لوگ بھی ہیں۔ لیکن جہاں قرآنِ کریم نے بنی اسرائیل کو خطاب کیا ہے وہاں یا بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان ہی لوگوں کو خطاب کر کے جو مذہب یہود سے تعلق رکھتے تھے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم نے اپنے طور پر اپنے بارے میں جو اعتقادات بنا رکھے ہیں جن کی حیثیت دعاوی سے زیادہ نہیں، ان ہی میں سے ایک دعویٰ یہ ہے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا ''جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے۔'' اسی طرح لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ''ہمیں جہنم کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی، اگر ہم کو سزا ملے گی بھی تو بس چند روز۔'' اسی طرح نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ''ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے چہیتے ہیں۔'' ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں اور محب اپنے محبوب کو کبھی سزا نہیں دیا کرتا۔ اس لئے ہم دنیا میں کچھ بھی کریں آخرت میں ہمارے لئے بیش بہا نعمتیں ہیں جو ہمارے انتظار میں ہیں۔ تو پروردگار نے ان کے اس دعوٰی کی بنیاد پر ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے یہ دعاوی سچے ہیں اور تم واقعی ان اعتقادات میں سچے ہو تو پھر تم موت کی تمنا کرو۔ کیونکہ دنیا تو دارالمحن ہے۔ جس میں ایک خوشی کے مقابلے میں سینکڑے دکھ ہیں۔ ہزار کوششوں کے باوجود محرومیاں جان نہیں چھوڑتیں۔ قدم قدم پر دشواریاں ہیں، الجھنیں ہیں، اڑچنیں ہیں۔ تو اگر واقعی آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں تمہارے ہی لئے ہیں تو پھر تمہیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ تم اس دنیا میں بیٹھے رہو۔ موت کی تمنا کرو اور جنت کے محلات میں جا کر دادِ عیش دو۔

جس زمانے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس وقت کے حالات کو سامنے رکھا جائے تو مزید ایک بات بھی واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ وہ زمانہ ہے جب یہ مسلمانوں سے کئی معرکوں میں شکست کھانے کے بعد اپنی جنگی اور اجتماعی قوت سے محروم ہو چکے تھے۔ ان کی تعداد کا بھرم کھل چکا تھا اور ان کے وسائل کی بہتات بے ثمر ہو چکی تھی۔ وہ اپنی تمام تر قوت اور رعب و دبدبہ کے باوجود اس انجام کو اس لئے پہنچے تھے کہ موت کا خوف کبھی ان میں استقامت اور جان دینے کا جذبہ پیدا نہیں ہونے دیتا تھا اور وہ کسی موقع پر بھی بہادری اور جانثاری کی تاریخ پیدا نہیں کر سکے۔ میدانِ جنگ میں ان لوگوں کو کامیابی نصیب ہوتی ہے جو جان پر کھیل کر لڑتے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر زندگی نہیں بلکہ کامیابی یا شہادت ہوتی ہے۔ لیکن یہودی چونکہ ہر صورت میں زندگی ہی کے طالب تھے چاہے وہ کیسی بھی زندگی ہو اس لئے باوجود افرادی قوت اور وسائلِ جنگ کے وہ ہر جگہ مسلمانوں کے سامنے شکست کھاتے چلے گئے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

(لیکن یہ ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کر چکے، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ۷)

Marfat.com

قرآنِ کریم کا اعجاز

یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ جب یہود کی طرف سے قرآنِ کریم کے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ آیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو غلط ثابت کرنے کیلئے ان کے پاس ایک نادر موقع تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ ہم موت کی تمنا کرتے ہیں، لیکن ان کو سانپ سونگھ گیا ایک مکمل سناٹا دیکھ کر قرآنِ کریم نے مزید ان کو اکسایا کہ یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت ان میں کوئی بھی موت کی تمنا کرتا تو اسی وقت مر جاتا۔

ان کی خاموشی کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول سمجھتے تھے انہیں خوب معلوم تھا کہ اگر اس چیلنج کے جواب میں ہم نے موت کی تمنا کی تو پھر موت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اور دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے دعاوی خانہ ساز ہیں۔ ہمارے بڑوں نے اپنی طرف سے یہ باتیں گھڑ رکھی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ قیامت کے دن فیصلہ ایمان و عمل پر ہوگا۔ اور ہم آنحضرت ﷺ کی تکذیب سے پہلے بھی جس طرح کی زندگی گزار چکے ہیں وہ ایسے اعمال پر مشتمل نہیں جو ہماری نجات کا ذریعہ ہوں بلکہ وہ ایسے اعمال ہیں جو بخشش کی بجائے سزا کا باعث ہوں گے اور ہمیں جہنم میں جانا پڑے گا۔ قرآنِ کریم نے اس کو خاص طور پر واضح فرمایا تاکہ لوگ ان کے دعووں کی حقیقت کو سمجھ سکیں اور یہ بھی جان لیں کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانا ان کے خبثِ باطن اور بدعملی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جسے وزن دیا جاسکے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

(اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں آکر رہے گی، پھر تم اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو غائب و حاضر کو جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۸)

گزشتہ آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اس آیت میں اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے کہ تم دنیا میں تو موت سے ڈر کر میدانِ جنگ ہو تو بھاگ نکلتے ہو اور زندگی کے دوسرے مواقع میں کسی ایسے کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے ہو جس میں تمہیں موت کا اندیشہ ہو۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم موت سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔ وہ تو تمہارے تعاقب میں رہتی ہے۔ جب تمہاری طبعی عمر کی آخری ساعت آئے گی تو پھر ایک منٹ کی نہ تقدیم ہو سکے گی نہ تاخیر، تم موت کا شکار ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد اپنے وقت پر آخرت میں اس اللہ کے حضور پیش کئے جاؤ گے جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے اور تمہارا نامۂ عمل تم سے پہلے وہاں پہنچ چکا ہوگا، پھر تمہارے ہاتھوں میں دے کر تم سے کہا جائے گا کہ اپنے اس نامۂ عمل کو پڑھو تاکہ تمہیں یاد آئے کہ تم دنیا میں کیا کرتوت کرتے رہے ہو۔ تب تمہیں اندازہ ہوگا کہ جس کی بارگاہ میں تم کھڑے ہو اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں۔ تم کسی چیز کو چھپانا بھی چاہو گے تو وہ تمہارا تمام کچا چٹھا تمہارے سامنے کھول دے گا۔ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ اس طرح سے تمہیں اپنے ہر جرم کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

Marfat.com

یاد رہے کہ آیتِ کریمہ میں اس بات پر نکیر کی گئی ہے کہ تم جس موت سے بھاگتے ہو وہ تو آ کے رہے گی اس لئے بھاگنے کا کیا فائدہ۔ لیکن اس سے مراد راہِ حق میں موت سے بھاگنا ہے۔ رہیں وہ چیزیں جو عادتاً موت کا سبب ہوتی ہیں تو ان سے بھاگنا مقتضائے عقل بھی ہے اور مقتضائے شرع بھی۔ ان کا تعلق اس مذمت سے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ ایک جھکی ہوئی دیوار کے نیچے سے گزرے تو تیزی کے ساتھ نکل گئے کیونکہ وہ دیوار کسی وقت بھی گر سکتی تھی اور پھر اس کے نیچے کھڑے ہونے کا تعلق نہ کسی مقصد سے تھا اور نہ کسی نیکی سے۔ اسی طرح کہیں آگ لگ جائے تو وہاں یہ سمجھ کے بیٹھے رہنا کہ موت تو اپنے وقت پر آئے گی یہ عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے۔ اگر آدمی کے اندر عقیدے کی یہ پختگی پائی جاتی ہے کہ جب موت آئے گی تو مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ تو پھر نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچنا اور گریز کرنا شریعت میں مذموم نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

رکوع: ۲۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کیلئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف مستعدی سے چلو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۹) پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ۱۰) اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف منتشر ہو گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا، کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ ۱۱)

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۹

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کیلئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف مستعدی سے چلو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۹)

جمعہ کی اصطلاح کی وضاحت اور اہمیت

جمعہ درحقیقت ایک اسلامی اصطلاح ہے جس سے مراد وہ دن ہے جس میں مسلمان تذکیر وعبادت کیلئے جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کی وجہ سے اس کو جمعہ کا نام دیا گیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب اسے یوم العروبہ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا۔ قریش اس دن جمع ہوتے اور کعب بن لوی خطبہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۵۶۰ سال پہلے کا ہے۔ کعب بن لوی آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے تھے۔ قریش میں ان کی عظمت کا عالم یہ تھا کہ ان کی وفات سے وہ اپنی تاریخ شمار کرنے لگے۔ جب واقعہ فیل پیش آیا تو پھر واقعہ سے عرب کی تاریخ کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا اہتمام عرب میں کعب بن لوی کے زمانے میں ہو چکا تھا اور اس دن کا نام جمعہ رکھنا بھی ان کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اس کو زیادہ شہرت نہیں ہو سکی۔ اس لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس نام کو اسلام ہی نے سب سے پہلے انتخاب کیا اور عام کیا۔

اسلام سے پہلے عبادت کیلئے اور شعارِ ملت کے طور پر ہفتے کا دن اہلِ کتاب کو دیا گیا تھا۔ یہود کے یہاں اس دن کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ تو جن دن کی اہمیت اس خاص وجہ سے ان کے دلوں میں پہلے سے موجود تھی، اسی کو ان کیلئے عبادت کا دن مقرر کیا گیا۔ عیسائیوں کو اگرچہ کسی مخصوص دن میں عبادت کا حکم نہیں دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے طور پر اپنے آپ کو یہود سے ممیز کرنے کیلئے اتوار کا دن عبادت کیلئے مقرر کر لیا اور اس کو شعارِ ملت قرار دیا۔ لیکن عیسائیوں نے اس دن کے تعین میں جس اہم واقعہ کو اس کا سبب قرار دیا وہ بجائے خود محلِ نظر ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف چلے گئے تھے۔ اسی بناء پر بعد کے عیسائیوں نے اسے اپنی عبادت کا دن قرار دے دیا اور پھر ۳۲۱ عیسوی میں رومی سلطنت نے ایک حکم کے ذریعے سے اس کو عام تعطیل کا دن مقرر کر دیا۔ اسلام نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو ممیز کرنے کیلئے یہ دونوں دن چھوڑ کر جمعہ کو اجتماعی عبادت اور شعارِ ملت کے طور پر اختیار کیا۔

جمعہ کے حوالے سے پاکستان کی روش پر اظہارِ افسوس

اس بات پر جتنا بھی دکھ کا اظہار کیا جائے تھوڑا ہے کہ پاکستان جسے اسلام کی خاطر وجود میں لایا گیا تھا اس میں جمعے کے دن کو نہ صرف شعارِ ملت کے طور پر نہیں بلکہ عبادت کیلئے بھی مخصوص کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ بازاروں کے کھلے رہنے پر کوئی پابندی نہیں، سرکاری تقریبات عین جمعہ کی نماز کے وقت جاری رہتی ہیں اور سرکاری دفاتر اس وقت بند ہوتے ہیں کہ جب دوڑ بھاگ کر وہ ملازم جو کسی صورت جمعہ

Marfat.com

چھوڑنا نہیں چاہتا ادھورا سا جمعہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ یہود نے اسرائیل کے نام سے اپنی سلطنت قائم کی تو سب سے پہلے سبت کا اہتمام کیا۔ اس کو چھٹی کا دن مقرر کیا اور اس کو عبادت کیلئے مخصوص کر دیا۔ عیسائی اگر چہ بہت حد تک اپنے مذہب سے بیگانہ ہو چکے ہیں تاہم ان کا حال یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنی حکومتوں میں بلکہ اپنے مقبوضات میں بھی ہمیشہ اتوار کے دن کو چھٹی کا دن قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان میں جیسے ہی ان کو اقتدار ملا تو جمعہ کی چھٹی کو جو ہمیشہ مسلمان حکومتیں کیا کرتی تھیں اتوار کی چھٹی سے بدل دیا۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی فرضیت کا حکم ہجرت سے کچھ مدت پہلے ہی مکہ معظمہ میں نازل ہو چکا تھا۔ لیکن مکہ معظمہ میں چونکہ کسی اجتماعی عبادت کا امکان نہ تھا اس لئے آپ نے ان لوگوں کو جو آپ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے یہ حکم لکھ بھیجا کہ وہاں جمعہ قائم کریں۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے بارہ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں پہلا جمعہ پڑھا۔ عجیب اور قابلِ فخر بات یہ ہے کہ مدینہ کے مسلمان اس حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی اسلامی فکر کے تحت اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ جس طرح یہودی اور عیسائی ہفتے میں ایک دن مل کر عبادت کرتے ہیں ہم بھی ہفتے میں ایک دن مل کر عبادت کیا کریں گے۔ اس کیلئے انہوں نے جمعہ کا دن انتخاب کیا۔ اور پہلا جمعہ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے بنی بیاضہ کے علاقہ میں پڑھا جس میں چالیس آدمی شریک ہوئے۔

ندا سے مراد اذان ہے

آیتِ کریمہ میں نماز کیلئے ندا دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ندا سے مراد وہ اذان ہے جو نمازوں کیلئے کہی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآنِ کریم میں نہ اذان کا لفظ آیا ہے اور نہ اذان کے کلمات ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن آج اذان شعائرِ اسلام میں داخل ہے اور اس کے کلمات مسلمانوں میں معروف و معلوم ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بعض احکام یا احکام کی وضاحت آنحضرت ﷺ پر قرآنِ کریم کے علاوہ بھی نازل ہوتی تھی اسی کو حدیث کہا جاتا ہے۔

مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ میں مِنۡ بیان کیلئے ہے۔ اور اس سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آیتِ کریمہ میں جس نماز کیلئے اذان کہنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد جمعہ کے دن کی نماز ہے۔ اور یہ جمعہ کی نماز ہی واحد چیز ہے جو جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے ممتاز کرتی ہے۔

یہاں جس اذان کا ذکر ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ اس سے وہی اذان مراد ہے جو خطبۂ جمعہ سے پہلے کہی جاتی تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور شیخین کے عہدِ مبارک میں ایک ہی اذان ہوتی تھی جو خطبہ سے پہلے دی جاتی تھی۔ اب تمام عالمِ اسلام میں جو پہلی اذان دی جاتی ہے اس کا اضافہ حضرت عثمانِ غنیؓ نے کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے اور مسجد کے اندر ہونے والی اذان کی آواز ہر جگہ پہنچنا مشکل ہے تو انہوں نے اپنے مکان زوراء پر پہلی اذان کہنے کا حکم دیا۔ آپ کا مکان مدینہ کے بازار میں تھا۔ اس سے سارے مدینہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس کے بعد دوسری اذان خطبۂ جمعہ شروع ہونے سے پہلے دی جاتی تھی جو مسجد کے اندر ہوتی ہے۔ یہ اضافہ اگر چہ حضرت عثمانِ غنیؓ نے کیا تھا لیکن اس اضافے کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کیا اور اس پر اجماع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری امتِ اسلامیہ اس پر عمل کرتی ہے۔

Marfat.com

سعی کی وضاحت

اس آیتِ کریمہ میں سب سے پہلا حکم دیا گیا ہے کہ "تم دوڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف۔" سعی کا معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی۔ اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ نماز کیلئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کیلئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ۔ یعنی اذان سنتے ہی نماز اور خطبہ کیلئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو۔ ذکر اللہ سے یہاں مراد نمازِ جمعہ بھی ہوسکتی ہے اور خطبہ جمعہ بھی۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے دونوں مراد لئے جائیں۔ عام طور پر ذکر سے مراد خطبہ لیا جاتا ہے۔ اگر یہ بھی مراد لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اذان کے بعد پہلا عمل جو نبی کریم ﷺ کرتے تھے وہ نماز نہیں بلکہ خطبہ تھا اور نماز آپ ہمیشہ خطبہ کے بعد ادا فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے روز ملائکہ ہر آنے والے کا نام اس کی آمد کی ترتیب کے ساتھ لکھتے جاتے ہیں۔ پھر جب امام خطبہ دینے کیلئے نکلتا ہے تو وہ نام لکھنے بند کر دیتے ہیں اور ذکر یعنی خطبہ سننے میں لگ جاتے ہیں۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذکر سے مراد خطبہ ہے۔

بیع سے مراد

دوسرا حکم یہ دیا کہ "اور بیع چھوڑ دو۔" بیع اگرچہ فروخت کرنے کو کہتے ہیں لیکن مراد اس سے بیع وشراء ہے۔ لیکن صرف بیع پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب بیع رک جائے گی یعنی دکانیں بند ہو جائیں گی، بازار بند ہو جائیں گے، سب چھوٹے موٹے کاروبار کرنے والے جمعہ کیلئے چلے جائیں گے، تو شراء یعنی خرید بھی رک جائے گی۔ کیونکہ خریدار تب کسی چیز کو خریدتا ہے جب بیچنے والا موجود ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جمعے کا انعقاد چونکہ صرف شہروں میں ہوتا ہے اور وہاں کا کاروبار اس زمانے میں عام طور پر بیع وشراء ہی سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ لیکن مراد اس سے تمام مشاغل کا ممنوع کرنا مقصود ہے۔ یعنی دفاتر بھی بند ہو جائیں اور تمام ایسی مصروفیات ختم ہو جائیں جو جمعے کی شرکت میں مانع ہوسکتی ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی آدمی اگر قرآنِ کریم پڑھنے میں مصروف ہے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں، اور اس مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کیلئے نہیں جاتا یا اس میں تاخیر کر دیتا ہے تو یہ جرم ہے اور وہ اس جرم کے ارتکاب میں پکڑا جائے گا۔ کیونکہ نمازِ جمعہ کے وقت نمازِ جمعہ ہی پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے باقی ہر مصروفیت ممنوع ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ یعنی بظاہر یہ حکم تم میں سے بعضوں پر گراں گزرے گا۔ وہ کاروبار روکنے میں نقصان محسوس کریں گے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہی طریقہ تمہارے لئے موجب خیر و برکت ہے۔ کیونکہ رزق و فضل سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کی خوشنودی کیلئے تم کوئی نقصان گوارا کرو گے تو ابدی زندگی میں اس کا اجر اپنے رب کے پاس محفوظ کر لو گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس دنیا میں بھی تمہارے لئے ایسے اسباب پیدا کر دے جو تمہارے ہر نقصان کی تلافی بن جائے۔

اذان سنتے ہی ہر طرح کی مصروفیت کو چھوڑ دینے کا حکم بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ فرض ہے۔ نیز ایک فرض اسی وقت ساقط ہوتا ہے جب اس کی جگہ لینے والا فرض اس سے زیادہ اہم ہو۔ تو ظہر کی فرض نماز کا جمعہ کے روز ساقط ہو جانا اور نمازِ جمعہ کا اس کی جگہ لے لینا اور پھر بیع جیسی حلال اور طیب چیز کو چھوڑ دینا یہ جمعہ کی فرضیت کا صریح ثبوت ہے۔ بکثرت احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت

Marfat.com

عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کیلئے کھڑا کر دوں اور جا کر ان لوگوں کے گھر جلا دوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے نہیں آتے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے جمعہ کے خطبہ میں حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے "لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافل ہو کر رہ جائیں گے۔" علاوہ ازیں متعدد روایات میں نبی کریمؐ نے جمعہ کو با الفاظ صریح فرض اور حقِ واجب قرار دیا ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾

(پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ۱۰)

یہود کے بالمقابل جمعہ کے احکام میں وسعت

کاروبار چھوڑ دینے کی پابندی اور ہر طرح کی مصروفیت سے دستبرداری کا حکم صرف نمازِ جمعہ کیلئے تھا اس کے بعد اجازت دی گئی ہے کہ تم جہاں چاہو اور جس شکل میں چاہو اللہ تعالیٰ کے رزق و فضل کو تلاش کرو۔ یہود پر سبت کے احترام کی پابندی پورے دن کیلئے تھی، لیکن مسلمانوں پر جمعہ کے احترام کی پابندی صرف اذان سے لے کر ختمِ نماز تک کیلئے عائد کی گئی۔ باقی پورے دن میں اسی طرح آزادی ہے جس طرح باقی دنوں میں۔ اس آیتِ کریمہ میں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد رزق و فضل کی تلاش میں پھیل جانے کا شاید حکم دیا گیا ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ارشاد اجازت کے معنی میں ہے۔ اذانِ جمعہ کے بعد بیع وشراء وغیرہ تمام دنیوی امور کو ممنوع قرار دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ نماز ختم ہو جانے کے بعد تمہیں اجازت ہے کہ منتشر ہو جاؤ اور اپنے جو کاروبار بھی کرنا چاہو، کرو۔ قرآنِ کریم میں متعدد مثالیں اس کی موجود ہیں جہاں امر کو اجازت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا فَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا "جب احرام کھول چکو تو شکار کرو۔" اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ احرام کھولنے کے بعد ضرور شکار کرو، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے بعد شکار پر کوئی پابندی باقی نہیں رہتی۔ اس آیتِ کریمہ میں بھی جمعہ کی نماز کے بعد تلاشِ رزق کی اجازت دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عراک بن مالکؓ جب نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِيْ فَارْزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ (رواہ ابن ابی حاتم) "اے اللہ! میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی، اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں، تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

بعض سلف صالحین سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نمازِ جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے ۷۰ مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ (ابنِ کثیر)

Marfat.com

آیت کے آخر میں فرمایا کہ تمہارے لئے رزق وفضل کی تلاش میں کوئی پابندی نہیں۔لیکن یہ ضروری ہے کہ اس جدوجہد میں دنیا ہی مطمح نظر نہیں ہونی چاہئے بلکہ پیشِ نظر ہمیشہ آخرت کی فلاح ہو۔تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جائے، نفس کے شرور سے اور شیطان کے فریبوں سے بچا جائے۔جیسے عوام کی زبان میں کہا جاتا ہے کہ ہاتھ کار کی طرف، دل یار کی طرف۔کہ آدمی جو بھی محنت کرے اور جیسی بھی جدوجہد کرے یقیناً فائدے کی طلب ہی میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔لیکن دل سے کبھی اللہ تعالیٰ کی یاد محو نہ ہونے پائے اور اس کے احکام کبھی نظرانداز نہ ہونے پائیں۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ط قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١﴾

(اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف منتشر ہو گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا، کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ 11)

واقعہ جو متذکرہ بالا احکام کے نزول کا سبب بنا

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو متذکرہ بالا احکام اور تنبیہات کے نزول کا سبب بنا۔امام ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے، جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے۔ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا اور ڈھول باجا وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا۔اس وقت نمازِ جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا، بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے اور آپؐ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے۔بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ پر فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی۔امامِ تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا جو ملکِ شام سے آیا تھا اور تجارِ مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا کرتا تھا۔اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد وعورت اس کی طرف دوڑتے تھے۔یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے، بعد میں داخلِ اسلام ہوئے۔اور حسن بصری اور ابو مالک نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں اشیائے ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی۔ (تفسیر مظہری)

یاد رہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے جلدی بعد پیش آیا۔جمعہ تو چونکہ ہجرت سے پانچویں دن ہی شروع ہو گیا تھا لیکن جمعے کے احکام اس وقت تک نازل نہیں ہوئے تھے۔لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا کہ چاہے کیسی ہی حاجت اور مصروفیت پیدا ہو جائے خطبۂ جمعہ سے اٹھ کر جانا جائز نہیں۔اور ابھی تک تربیت بھی اس سطح تک نہیں پہنچی تھی جو صحابہ کرام کا امتیاز ہے اور جسے صحیح اسلامی تربیت کہنا چاہئے۔اس وقت چونکہ نماز پہلے ہوتی تھی اور خطبۂ جمعہ بعد میں۔مسلمانوں نے جب دیکھا کہ قحط سالی کی وجہ سے ضرورتیں بہت شدید ہیں اور شہر میں ابھی غیر مسلموں کی اکثریت ہے، وہ یقیناً جلد از جلد سامانِ قافلہ خریدنے کی کوشش کریں گے۔ہم اگر پیچھے رہ گئے تو اپنی ضروریات سے بھی محروم رہیں گے۔نماز

Marfat.com

چونکہ ہو ہی گئی ہے اس لئے خطبہ جمعہ سے اٹھ جانے میں شاید کسی گناہ کا اندیشہ نہ ہو، اس لئے وہ اٹھ کر چلے گئے۔ بہر حال ان سے جو غلطی ہوئی اس سے امت کو یہ فائدہ پہنچا کہ جمعہ خطبہ جمعہ اور آنحضرت ﷺ سے متعلق ایسی ہدایات نازل ہوگئیں جو اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھیں۔

یوں تو خطبہ جمعہ سے اٹھ کر چلے جانا اور ضروریاتِ دنیا کو ضروریاتِ دین پر ترجیح دینا بجائے خود ایک بہت بڑی کوتاہی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ سنگین بات یہ ہوئی کہ خطبہ جمعہ خود آنحضرت ﷺ دے رہے تھے۔ آپؐ کو اس طرح چھوڑ کے چلے جانا دین کی ناقدری کے ساتھ ساتھ سوءِ ادب کا پہلو بھی رکھتا ہے اور دین میں اس کی جو اہمیت ہے وہ سب پر واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول کو دین میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی فرق آجائے تو مومن کا رشتہ مرکز سے ٹوٹ جاتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی خطرے کی بات نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آخر میں فرمایا کہ تجارت ایک ضرورت سہی اور لہو و لعب انسان کی کمزوری سہی لیکن جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے اور وہی مقصدِ زندگی ہے اور تمہیں طالب اس کا ہونا چاہئے نہ کہ دنیا کے خزف ریزوں کا۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو ناراض کر کے ساری دنیا کی دولت بھی جمع کر لی تو یہ کتنے دنوں کام آئے گی۔ تم آخرت میں جب پہنچو گے تو تمہارے ہاتھ خالی ہوں گے۔ اس لئے عقل مندی کی بات یہ ہے کہ بجائے دنیا طلبی کے اس چیز کے طالب بنو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ وہی بہترین روزی دینے والا ہے۔ وہ ایسے طریقے سے روزی دیتا ہے جہاں سے انسان کو سان گمان بھی نہیں ہوتا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ

(٦٣)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الْمُنٰفِقُوْنَ ہے۔ یہ اس سورۃ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں منافقین کے احوال ہی بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس سورۃ کا نام بھی ہے اور اس کے مضمون کا عنوان بھی۔ اس میں ۲ رکوع، ۱۱ آیتیں، ۱۸۰ کلمے اور ۹۷۳ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول:۔ غزوۂ بنی مصطلق ۶ ہجری میں واقعہ ہوا۔ اس غزوہ کے بعد جب مسلمان ابھی اس قبیلے کے کنویں مریسیع پر ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ایک خطرناک واقعہ پیش آیا۔ اس سورۃ میں اس واقعہ کے حوالے سے منافقین کے طرزِ عمل پر تبصرہ ہے۔ اس طرح سے یقینی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس سورۃ کا نزول ۶ ہجری میں جنگ سے واپسی کے سفر میں یا مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے بعد ہوا ہے۔

تاریخی پس منظر:۔ غزوۂ بنی مصطلق میں پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مدینے کے منافقین کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے تا کہ اس واقعہ کے اسباب و علل کے سمجھنے میں مدد ملے۔

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یثرب میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے اور ان کی آپس کی خانہ جنگیاں ان کیلئے تباہی کا سبب بن رہی تھیں۔ بنابریں ان کے ذمہ دار لوگ اس بات کیلئے کوشاں تھے کہ ان خانہ جنگیوں اور لڑائیوں کو روکنے کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ لیکن ان میں کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جس کی قائدانہ صلاحیت پر دونوں قبیلوں کو اعتماد ہوتا اور اس کی رہنمائی میں مدینہ صلح و امن کا گہوارہ بن سکتا۔ بہت کچھ سوچ بچار کے بعد ایک شخص پر ان کا اتفاق ہوا جو خزرج کا ایک رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ قبیلہ خزرج میں اس کی بزرگی پہلے سے ہی مُسَلّم تھی لیکن اس نے بڑی چابکدستی سے اوس کے رئیسوں کے دلوں میں بھی اپنے لئے جگہ بنالی۔ چنانچہ اس اتفاق کے بعد دونوں قبیلوں کے رؤساء نے اسے اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کا تاج بننے کیلئے دے دیا گیا، صرف رسمِ تاجپوشی باقی تھی کہ مدینے میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ مدینے سے حج پر جانے والے چند لوگوں کی حضورؐ سے ملاقات ہوئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ واپسی پر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ دوسرے سال اسی موقع پر ۷۵ افراد مکے پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کی اور آپؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ ان ہی لوگوں میں حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری بھی موجود تھے، انہوں نے اس مصلحت کے تحت اس بیعت کو موخر کرنا چاہا تا کہ عبداللہ بن ابی بھی بیعت اور دعوت میں شریک ہو جائے اور مدینہ بالاتفاق اسلام کا مرکز بن جائے۔ لیکن جو وفد بیعت کیلئے حاضر ہوا تھا اس نے اس مصلحت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ ہر خطرہ مول لے کر مدینہ کو مرکزِ اسلام بنانے اور آنحضرت ﷺ کو دعوت دینے

Marfat.com

کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور عبداللہ بن ابی اور اس کے حواریوں کو اس کا علم ہوا تو ان کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اب عبداللہ بن ابی کی رسمِ تاجپوشی کبھی نہیں ہو سکے گی۔

آہستہ آہستہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے لگے تا آنکہ نبی کریم ﷺ بھی ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ مدینے میں اسلام کا چرچا تو پہلے سے ہی ہو رہا تھا آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے ان دونوں قبیلوں میں تیزی سے اسلام پھیلنے لگا۔ عبداللہ بن ابی نے جب گھر گھر میں اسلام کا چرچا دیکھا تو اسے عافیت اسی میں نظر آئی کہ اپنے حواریوں کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے اور مسلمانوں کے اندر بیٹھ کر اپنے لئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے اس نے بظاہر اسلام قبول کر لیا، لیکن دل سے اس نے اسلام کو کبھی قبول نہ کیا۔ آنحضرت ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سامنے وہ اپنی وفاداری کے بڑے دعوے کرتا، مثلاً جب حضور خطبہ جمعہ کیلئے ممبر پر تشریف فرما ہوتے تو: ''عبداللہ بن ابی اٹھ کر کہتا کہ حضرات یہ اللہ تعالیٰ کے رسول آپ کے درمیان موجود ہیں جن کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت اور شرف بخشا ہے، لہٰذا آپ ان کی تائید کریں اور جو کچھ یہ فرماتے ہیں اسے غور سے سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔'' دوسری طرف کیفیت یہ تھی کہ روز بروز اس کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا چلا جا رہا تھا اور مخلص مسلمانوں پر یہ بات کھلتی چلی جا رہی تھی کہ یہ شخص مخلص مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے۔

ایک مرتبہ حضور ؐ کسی راستے سے تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں اس سے مڈبھیڑ ہو گئی، تو اس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ آپ ؐ نے حضرت سعد بن عبادہ سے جو خزرج کے سردار تھے اس کا ذکر فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص کے ساتھ نرمی برتئے، آپ کی آمد سے پہلے ہم اس کیلئے تاجِ شاہی تیار کر رہے تھے اور اس کی تاجپوشی کی تقریب منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لیکن آپ کی تشریف آوری سے سارا کھیل بکھیڑا ہو گیا اور اس کے سارے خواب پریشان ہو گئے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کا تاج اور تخت چھین لیا ہے۔

اسی طرح جنگِ بدر کے بعد جب یہودیوں کے قبیلے بنی قینقاع نے بدعہدی کی، تو آپ نے ان کی گوشمالی کیلئے چڑھائی کا ارادہ فرمایا، تو یہ منافق اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کی حمایت کیلئے تیار ہو گیا۔

جنگِ احد کے موقع پر اس شخص نے صریح غداری کی اور عین وقت پر اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لے کر میدانِ جنگ سے ہٹ گیا۔ اس طرح سے مسلمانوں کی تعداد جو پہلے ہی کم تھی، مزید کم ہو گئی اور خطرات شدت اختیار کر گئے۔ اس کی ڈھٹائی ملاحظہ کیجئے کہ اس واقعہ کے بعد پہلا جمعہ آیا اور حضور خطبہ جمعہ کیلئے تشریف لائے تو حسبِ معمول تقریر کیلئے اٹھا، تو لوگوں نے اس کا دامن کھینچ کر کہا، کہ بیٹھ جاؤ! تم یہ باتیں کرنے کے اہل نہیں ہو۔ یہ پہلا موقع تھا کہ علانیہ اس شخص کی تذلیل کی گئی۔ اس پر برہم ہو کر وہ لوگوں کی گردنوں سے پھلانگتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازے پر بعض انصاریوں نے اس سے کہا، یہ کیا حرکت کر رہے ہو، واپس چلو اور رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرو۔ اس نے بگڑ کر جواب دیا، میں ان سے کوئی استغفار نہیں کرانا چاہتا۔

۴ ہجری میں غزوۂ بنی نضیر پیش آیا۔ اس موقع پر بھی اس کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ انہوں نے اندر ہی اندر یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ ڈٹے رہو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم ہر طرح تمہاری مدد کریں گے، تم کو اگر نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی مسلسل اس طرح کی حرکتوں سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر ان کی منافقت اچھی طرح کھل چکی تھی، لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ ان سے درگزر فرما رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ منافقین کا ایک بڑا جتھہ اس کے ساتھ تھا۔ اوس

Marfat.com

خزرج دونوں قبیلوں کے بہت سے سرداراس کے حامی تھے۔مدینے کی آبادی میں کم ازکم ایک تہائی تعداداس کے ساتھیوں کی موجودتھی۔اور غزوۂ احد کے موقع پروہ کسی حدتک اپنی قوت کا اظہار بھی کرچکا تھا۔ایسی حالت میں کسی طرح مناسب نہ تھا کہ باہر کے دشمنوں سے لڑائی کے ساتھ ساتھ اندر کے دشمنوں سے بھی جنگ مول لی جاتی۔اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والی تبدیلی کے اثرات رائیگاں نہیں جائیں گے،وقت کے ساتھ ساتھ اس کے حامیوں کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی اوران ہی میں مخلص مسلمان پیدا ہوتے جائیں گے۔علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کے عفوودرگزر کی یہ وجہ بھی تھی کہ ان لوگوں نے کبھی کھلم کھلا میدان میں آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔وہ اپنے پاس اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ علانیہ کافر بن کراہلِ ایمان سے لڑنے کی جرأت کرتے۔وہ مسلمان رہنے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ نمازیں پڑھتے تھے،زکوٰۃ بھی دیتے تھے،زبان سے وفاشعاری کے لمبے چوڑے دعوے بھی کرتے تھے۔

یہی حالات تھے جب غزوہ بنی مصطلق پیش آیا۔اوردوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ عبداللہ اوراس کی پارٹی کوبھی شرکت کا موقع مل گیا۔اس سفر کے دوران میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مسلمانوں پردوایسے مہلک وار کئے کہ اگراللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم مسلمانوں کی دستگیری نہ فرماتا تو مسلمان اس مہلک واروں سے جانبر نہ ہوسکتے۔ایک واقعۂ اِفک جس کے متعلق آپ سورۃ النور میں پڑھ چکے ہیں،اور دوسرا یہ فتنہ جس کا اس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے۔

بنومصطلق کا قبیلہ قدید کی سمت میں ساحلِ سمندر کے قریب آباد تھا۔آنحضرت ﷺ کواطلاع ملی کہ اس کا سردار حارث ابنِ ضرار اپنے قبیلے کے جنگجوسرداروں کومسلمانوں پرحملہ کرنے کیلئے اکٹھا کررہا ہے۔آپ نے زید بن حارثہ ؓ کومدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیااور خود بنی مصطلق کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے۔مریسیع کے کنویں کے قریب دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بنومصطلق شکست کھاکر وہاں سے بھاگ گئے۔بہت سامالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

بنی مصطلق کوشکست دینے کے بعد ابھی لشکرِ اسلام اس بستی میں ٹھہرا ہوا تھا کہ یکا یک پانی پردوصاحبوں کا جھگڑا ہوگیا۔ان میں سے ایک کا نام جہجاہ بن مسعود غفاری تھا جوحضرت عمرؓ کے ملازم تھے۔اوردوسرے صاحب سنان بن وبرا لجہنی تھے۔جن کا قبیلہ خزرج کے قبیلے کا حلیف تھا۔زبانی ترش کلامی سے گزرکرنوبت ہاتھاپائی تک پہنچی اور جہجاہ نے سنان کے ایک لات رسید کردی جسے اپنی قدیم یمنی روایات کی بناپر انصارسخت توہین وتذلیل سمجھتے تھے۔سنان نے اپنے بچاؤ کیلئے انصار کوپکارا۔اور جہجاہ نے اپنی مدد کیلئے یامعشر المہاجرین کا نعرہ بلند کیا۔دونوں طرف سے لوگ ہتھیار لئے ہوئے اپنے ساتھی کی مدد کیلئے پہنچ گئے۔قریب تھا کہ مسلمانوں کے دوگروہوں میں جنگ چھڑ جاتی۔لیکن یہ شورسن کر رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے سے نکل آئے اورآپؐ نے فرمایا **مابال دعوی الجاهلية، مالكم ولدعوة الجاهلية، دعوها فانها منتنة** ''یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟اسلام قبول کرنے کے بعد جاہلیت کی پکار بڑی بری بات ہے،اسے چھوڑدو یہ بڑی گندی چیز ہے۔'' آنحضرت ﷺ کی مداخلت سے فتنہ وفساد کے بڑھکتے ہوئے شعلے سرد ہوگئے۔اورسنان نے جہجاہ کومعاف کر کے صلح کرلی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔اس کے بعد ہروہ شخص جس کے دل میں نفاق تھا،عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچااوران لوگوں نے جمع ہوکراس سے کہا کہ اب تک توتم سے امیدیں وابستہ تھیں مگراب معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمارے مقابلے میں ان کنگلوں کے مددگار بن گئے ہو۔ابنِ ابی پہلے ہی کھول رہا تھا،ان کا یہ طعنہ سن کروہ پھٹ پڑااور کہنے لگا،یہ سب تمہارے اعمال کا پھل ہے،اب اسے چکھو،تم نے ان مہاجروں کوآنکھوں پربٹھایا،ان کیلئے اپنے گھروں کے دروازے کھول

Marfat.com

دیئے، ان کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیئے۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے ہیں تو ہمیں گھورنے لگے ہیں۔ تمہاری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے ''سَمِّن کلبک یاکلک'' (اپنے کتے کو پال کر موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے)۔ تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں۔ خدا کی قسم مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔

مجلس میں اتفاق سے حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے جو اس وقت ایک کم عمر لڑکے تھے۔ انہوں نے یہ باتیں سن کر اپنے چچا سے ذکر کیا اور ان کے چچا نے جو انصار کے رئیسوں میں سے تھے جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضورؐ نے زید کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے جو کچھ سنا تھا من وعن دہرا دیا۔ حضورؐ نے فرمایا، شاید تم ابنِ ابی سے ناراض ہو، ممکن ہے تم سے سننے میں کوئی غلطی ہوگئی ہو، ممکن ہے تمہیں شبہ ہوگیا ہو کہ ابنِ ابی یہ کہہ رہا ہے۔ مگر زید نے عرض کیا نہیں حضور، خدا کی قسم میں نے اس کو یہ باتیں کہتے سنا ہے۔ اس پر حضورؐ نے ابنِ ابی کو بلا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں نے یہ باتیں نہیں کہیں۔ انصار کے لوگوں نے بھی کہا کہ حضورؐ لڑکے کی بات ہے، شاید اسے وہم ہوگیا ہو۔ یہ ہمارا شیخ اور بزرگ ہے، اس کے مقابلے میں ایک لڑکے کی بات کا اعتبار نہ فرمایئے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضورؐ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اور اگر میرا اس کو قتل کرنا مصلحت کے خلاف ہو تو خود انصار میں سے معاذ ابنِ جبل یا عباد ابن بشر، یا سعد بن معاذ، یا محمد بن مُسلمہ کو حکم دیجئے کہ اسے قتل کر دے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا، ایسا نہ کرو، لوگ کہیں گے محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فوراً کوچ کا حکم دیا اور لگا تار ۳۰ گھنٹے سفر جاری رہا۔

رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی اور ان میں ابنِ ابی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہوگیا۔ بعض لوگوں نے از راہِ خیر خواہی عبداللہ کو کہا جاؤ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو، حضور کریم ہیں تیری خطا بخش دیں گے۔ مگر اس نے ترخ کر جواب دیا، تم نے کہا ان پر ایمان لے آؤ، میں ایمان لے آیا، تم نے کہا اپنے مال کی زکوٰۃ دو، میں نے تمہاری یہ بات بھی مان لی۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں۔ ان باتوں سے اس کیخلاف مومنینِ انصار کی ناراضگی اور زیادہ بڑھ گئی اور ہر طرف سے اس پر پھٹکار پڑنے لگی۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے جن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا تلوار سونت کر باپ کے آگے کھڑے ہوگئے اور بولے ''آپ نے کہا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی۔ خدا کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک رسول اللہ ﷺ آپ کو اجازت نہ دیں۔'' اس پر عبداللہ بن ابی چیخ اٹھا خزرج کے لوگو! ذرا دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینے میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ یہ خبر جب نبی کریم ﷺ تک پہنچی، تو آپ نے فرمایا، عبداللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے سے نہ روکے۔ عبداللہ نے کہا کہ اگر میرے آقا کا یہ حکم ہے تو اب میں اپنے باپ کو مدینے میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، کیوں عمر اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر تم اس وقت اس کو قتل کر دیتے تو انصار کے کئی لوگ ناراض ہو جاتے۔ آج اگر میں چاہوں تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے، اور اس پر کوئی معترض بھی نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات میری بات سے زیادہ مبنی بر حکمت تھی۔

یہ حالات تھے جن میں یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی۔ ان حالات کا سامنے رکھ کر اگر آپ سورۃ کا مطالعہ کریں گے تو اس کے مندرجات سمجھنے میں آپ کو دشواری نہیں ہوگی۔

Marfat.com

آيَاتُهَا ١١	سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (٦٣)	رُكُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١﴾
اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ إِنَّهُمْ سَآءَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٣﴾ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ؕ
وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ
يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قَاتَلَهُمُ
اللّٰهُ ۫ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٥﴾
سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٦﴾ هُمُ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ
وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

Marfat.com

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨ ع

رکوع: ا۔ (جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ ۱) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے وہ اللہ کے راستے سے خود رکتے اور دوسروں کو روکتے ہیں، بے شک نہایت ہی برا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ ۲) یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ پہلے ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، پس وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ۳) اور جب آپ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوتے اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ توجہ سے ان کی بات سنتے ہیں، مگر ان کی مثال ایسی ہے گویا وہ لکڑی کے کندے ہیں جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہے، وہ ہر زور کی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، اصلی دشمن وہی ہیں، پس ان سے ہوشیار رہیے، اللہ ان کو غارت کرے کدھر الٹے پھرائے جا رہے ہیں۔ ۴) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے تو وہ اپنے سر جھٹکتے ہیں، اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ حاضری سے رک رہے ہیں اس حال میں کہ وہ تکبر کر رہے ہیں۔ ۵) یکساں ہے ان کیلئے آپ ان کیلئے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں، اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا، اللہ فاسق لوگوں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا۔ ۶) یہی ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ تم خرچ نہ کرو ان لوگوں پر جو اللہ کے رسول کے ساتھ ہیں تا کہ وہ منتشر ہو جائیں اور اللہ ہی کے ہیں آسمان و زمین کے خزانے، لیکن منافق سمجھتے نہیں۔ ۷) وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹے مدینہ کو، تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عزت تو اللہ اور ان کے رسول اور مومنین کیلئے ہے، لیکن یہ منافقین نہیں جانتے۔ ۸)

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝١

(جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ ۱)

Marfat.com

علامہ ابنِ منظور لفظِ منافق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یسمی المنافق منافقاللنفق وھوالسرب فی الارض وقیل انما سمی منافقالانہ نافق کالیربوع وھو دخولہ نافقاء ہ ولہ جحرا خریقال لہ القاصعاء ...... وھویدخل فی النافقاء ویخرج من القاصعاء اویدخل فی القاصعاء ویخرج من النافقاء۔ (لسان العرب)

لفظِ منافق کی وضاحت

منافق نفق سے ماخوذ ہے، جس کا معنی سرنگ ہے۔اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لومڑی اپنے بل کے دومنہ رکھتی۔ایک کا نام نافقاء اور دوسرے کا نام قاصعاء ہے۔ایک طرف سے وہ داخل ہوتی ہے۔جب کوئی شکاری اس کا تعاقب کرتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے۔اور اگر دوسری جانب سے اس کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو پہلے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔کیونکہ اس کے بل کی ایک طرف کا نام نافقاء ہے،اسی سے منافق ماخوذ ہے۔اس کے بھی دو پہلو ہیں ایک کفر جو اس کے دل میں ہے دوسرا ایمان جو اس کی زبان پر ہے۔اگر کفر سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگتا ہے۔اور اگر اسلام کے باعث اسے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو فوراً اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔یعنی وہ حقیقت میں عقیدے کا نہیں، مفاد کا آدمی ہوتا ہے۔اسی لئے اس کی زبان اور دل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی۔وہ دل میں اپنے مفادات کی پرورش کرتا رہتا ہے اور زبان پر اس بات کو لاتا ہے جس سے اس کے دل میں اگنے والی فصل کی آبیاری ہو سکے۔

جب تک نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں رہے تو وہاں آپ کو جن مخالفین سے واسطہ پڑا وہ زبان اور دل دونوں سے آپ کے مخالف تھے، جس کو شریعت کی زبان میں کافر کہا جاتا ہے۔وہ زبان سے بھی آپ کو غلط کہتے تھے اور دل میں بھی ان کا یہی عقیدہ تھا۔وہاں منافقین کو کوئی وجود نہیں تھا۔اس لئے کہ نفاق کا مرض وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دل کی بات کو زبان پر لانا مشکل ہو جائے۔مکہ مکرمہ میں ایسی کوئی مشکل نہیں تھی۔کیونکہ وہاں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ جانتا تھا کہ اس ماحول میں اسلام کی قبولیت کا اعلان کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور اپنے اجنبی بن جاتے ہیں اور مکے کی سرزمین نفرت کے شعلے اگلنے لگتی ہے۔ایسے حالات میں کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس اسلام کا دعویٰ کیوں کرے گا جب تک اسلام اس کے دل میں نہیں اترے گا۔کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ میں نے جیسے ہی زبان سے ایمان کا اظہار کیا تو اسی وقت مصائب میری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔لیکن جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ایک مختصر عرصے میں اوس وخزرج کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔اور جو لوگ اسلام کے بارے میں یکسو نہ ہو سکے ان کیلئے اس ماحول میں رہتے ہوئے اور اوس وخزرج سے تعلق کے باوجود مخالفت کرنا ممکن نہ رہا۔چنانچہ انہوں نے نفاق کا راستہ اختیار کیا کہ زبان سے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی رسالت کا اعتراف کرتے، قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے اور تمام ضروریاتِ دین پر ایمان کا دعویٰ کرتے۔لیکن دل سے ان میں سے ہر بات کی تردید کرتے۔اور پیشِ نظر صرف یہ تھا کہ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو تو وہ مفاد کے حصول میں پیش پیش رہیں۔اور اگر خدانخواستہ اسلام کو کوئی نقصان پہنچے اور کافروں کے غلبے کی صورت پیدا ہو تو فوراً کفار سے اپنے تعلق کا حوالہ دے کر اپنے مفادات محفوظ کر لیں۔ایسے ہی لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا جا رہا ہے۔اور ایک طرح سے ان کے چہرے کا نقاب کھینچا جا رہا ہے اور ان کی اصل حقیقت کو ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جب یہ منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

Marfat.com

آیت میں شہادت کا مفہوم

عربی زبان میں شہادت کا لفظ قسم کے مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے جب ایک شخص اَشْھَدُ کہہ کے بات کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قسم کھا کر ایک بات کا اقرار کرتا ہے۔ اور ویسے بھی اہلِ عرب میں یہ طریقہ رہا ہے کہ گواہی ہمیشہ قسم سے مؤکد کر کے کھائی جاتی ہے۔ اور منافقین کا تو بالخصوص یہ معاملہ تھا کہ چونکہ ان کی باتوں پر شبہ کا اظہار کیا جاتا تھا اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر اپنے مومن اور مسلم ہونے کا یقین دلاتے تھے۔ اور انہیں خیال تھا کہ جب ایک آدمی قسم کھا کر بات کرتا ہے تو اس کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ یہ کہتے تھے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم قسم کھا کر یہ بات کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے جواب میں پروردگار نے فرمایا کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو وہ تو ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کیلئے گواہی دینے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ یعنی ان کی یہ خبر کہ آپ سچے ہیں، یہ تو بالکل سچ ہے، لیکن وہ اس کا اپنے دل میں یقین نہیں رکھتے اس لئے خبر کے سچا ہونے کے باوجود ہم انہیں سچا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ سچ کیلئے ضروری ہے کہ وہ امر واقعہ کے مطابق بھی ہو اور کہنے والے کے عقیدے کے بھی موافق ہو۔ اور اگر زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق میں منافات ہوگی تو وہ بات سچ ہونے کے باوجود بھی کہنے والا سچا نہیں، جھوٹا کہلائے گا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲

(انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے وہ اللہ کے راستے سے خود رکتے اور دوسروں کو روکتے ہیں، بے شک نہایت ہی برا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ ۲)

قسم کو سپر بنانے کی وجہ

منافقین کے دل میں چونکہ کھوٹ بلکہ دشمنی تھی اس لئے جب بھی انہیں موقع ملتا وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ یہود سے در پردہ ان کے روابط بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھے۔ دل کا کھوٹ ہمیشہ آدمی کو اپنے بارے میں بھی یکسو نہیں ہونے دیتا، اسے یہ گمان رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ دوسرے لوگ میرے بارے میں بری رائے رکھتے ہوں۔ اس لئے جب بھی اسے موقع ملتا ہے وہ اپنی پوزیشن صاف کرنے کیلئے قسمیں کھا کھا کر اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہتا ہے۔ اور اگر کبھی آنحضرت ﷺ یا مسلمانوں کو ان کی کسی بات پر شک گزرتا تھا تو وہ قسموں کے ذریعے ان کے شک کو دور کرتے تھے۔ اس طرح سے انہوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کے سامنے ایک ڈھال بنا رکھا تھا۔ اور ان ہی قسموں پر اعتماد کرتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر آگے بڑھنے سے رک گئے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب قسموں کے ذریعے سے اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا جا سکتا ہے تو پھر آگے بڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ لفظ صَدٌّ جس طرح لازم استعمال ہوتا ہے، اسی طرح متعدی بھی آتا ہے۔ یعنی اس کا معنی رکنا بھی ہے اور روکنا بھی۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح وہ مجرد قسموں پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے

Marfat.com

اسی طرح اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے دوسروں کو روکنے کی کوشش بھی کرتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص ان سے پوچھتا تو کہ آپ نے بھی ماشاء اللہ اسلام قبول کر رکھا ہے اور اپنے آپ کو مومن اور مسلم کہتے ہو تو تمہاری اسلام کے بارے میں کیا رائے ہے، ہم آپ پر اعتماد کرتے ہوئے آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ انہیں یہ کہہ کر اسلام سے متنفر کرتے تھے کہ ہم تو خود بڑے شوق سے اس دین میں شامل ہوئے تھے، لیکن کئی سال گزر چکے ہیں ہمیں تو آج تک اس میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آئی، ہم تو خود بڑے دلبرداشتہ ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس جال میں پھنسنے سے بچاؤ۔ اس طرح سے وہ دوسروں کو اسلام سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ کس قدر بری ہے وہ حرکت جو یہ لوگ کرتے ہیں کہ نہ صرف خود اسلام کے بارے میں یکسو نہیں، لیکن مسلمان انہیں برابر برداشت کر رہے ہیں۔ اور پھر اسی کو ذریعہ بنا کر دوسروں کو بھی اسلام کے قریب آنے سے روکتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

(یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ پہلے ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، پس وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ۳)

منافقین کے نفاق کا سبب ان کے دلوں پر مہر لگ جانا ہے

منافقین کے جس رویئے کا ذکر اوپر کی آیت میں کیا گیا ہے یہ اس کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ان کا یہ رویہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے۔ اور مہر کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص فکرِ سلیم سے محروم ہو جاتا ہے۔ صحیح بات کو سمجھنے کے دلائل اس کے سامنے ہوتے ہیں، لیکن وہ ان سے صحیح بات کو اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کا طرزِ عمل قدم قدم پر ٹھوکروں کا شکار ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس نے جو رویہ بنا رکھا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کیلئے وہ تیار نہیں ہوتا۔

اس آیتِ کریمہ میں پروردگار نے ان کے دلوں پر مہر لگنے کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے ایمان قبول کیا اور پھر کفر کی راہ اختیار کر لی۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے واقعی اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا تھا لیکن پھر وہ اس پر مطمئن نہ رہ سکے تو انہوں نے کفر کا رویہ اختیار کر لیا۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان لانا محض اس وجہ سے تھا کہ اوس و خزرج میں رہتے ہوئے ایمان نہ لا کر زندگی گزارنا ممکن نہ تھا، کیونکہ ان دونوں قبیلوں کی اکثریت مسلمان ہو چکی تھی۔ اب کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ کھلم کھلا کفر کا رویہ اختیار کرتا۔ اور پھر ان کے پیشِ نظر یہ بھی تھا کہ ایمان کا لبادہ اوڑھ کر انہیں مسلمانوں کو بدگمان کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔ اس لئے زبان سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا، لیکن ان کا دل ویسے کا ویسے کافر رہا۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایمان لا کر اسلام کے قریب آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روشنی کے سفر پر چل نکلا ہے۔ اور پھر اگر وہ عزت و احترام سے اس سفر کو جاری رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روشنی میں اضافہ فرماتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس میں یکسو نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس روشنی سے محروم کر دیتا ہے۔ یہی کچھ ان کے ساتھ ہوا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ صحیح بات کو سمجھنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

Marfat.com

اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی گمراہی کا آغاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر لگانے سے نہیں ہوتا کہ جس سے یہ سمجھا جائے کہ بعض دفعہ انسان کو بے سبب بھی قبولیتِ ایمان سے محروم کردیا جاتا ہے، تو اب اس کا ایمان نہ لانا ظاہر ہے کہ ایک مجبوری ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب اپنے غلط طرزِ عمل پر اصرار کرتا اور افہام و تفہیم کی ہر کوشش کو رد کردیتا ہے۔ تو تب اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کردیتا ہے اور ہر اچھی بات کی توفیق اس سے سلب کرلی جاتی ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

(اور جب آپ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوتے اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ توجہ سے ان کی بات سنتے ہیں، مگر ان کی مثال ایسی ہے گویا وہ لکڑی کے کندے ہیں جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا گیا ہے، وہ ہر زور کی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، اصلی دشمن وہی ہیں، پس ان سے ہوشیار رہئے، اللہ ان کو غارت کرے کدھر الٹے پھرائے جارہے ہیں۔ ۴)

منافقین کی تصویر

یہاں منافقین کی مکمل تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چند جملوں میں ان کا ظاہر بھی نمایاں کردیا گیا ہے اور باطن بھی کھول دیا گیا ہے۔ پہلے تو ان فقروں میں ان کی جسمانی ساخت اور ظاہری شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بڑے ڈیل ڈول کا تندرست، خوش شکل اور چرب زبان آدمی تھا۔ اور یہی شان ان کے بہت سے ساتھیوں کی تھی۔ تاریخ میں خاص طور پر عبداللہ بن ابی کے ساتھ جد بن قیس اور معتب بن قشیر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ بڑے خوبصورت لوگ تھے، نگاہیں ان کے چہروں پر جم کر رہ جاتی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت چرب زبان بھی تھے۔ یعنی طلاقتِ لسانی میں اپنا جواب آپ تھے۔ ان کی گفتگو سن کر انسان عش عش کر اٹھتا تھا۔ ان کی دلکشی اور چرب زبانی کا سبب ان کے مالی حالات اور ان کی فارغ البالی تھی۔ مال و دولت کے حصول میں ان کے یہاں آرام و حلال کی کوئی تمیز نہ تھی۔ عبداللہ بن ابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو باقاعدہ ایک چکلہ چلاتا تھا اور عورتوں کی آبرو کی کمائی کھاتا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ انتہا درجے کے بخیل بھی تھے۔ اس دولت و رفاہیت نے ان کی شخصیتوں کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

اخلاص سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے اپنا اعتبار پیدا کرنے کیلئے سارا زور چرب زبانی پر تھا۔ جب بھی ایسا موقع آتا تو اسلام کی حمیت و حمایت میں اس طرح زوردار تقریر کرتے کہ سننے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ اور اپنے دل کا روگ کو چھپانے کیلئے زیادہ سے زیادہ زور جادو بیانی پر صرف کرتے۔ لیکن یہ سب ان کی جسمانی شخصیت کے آثار تھے۔

Marfat.com

اس کے بعد ان کی باطنی شخصیت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔یعنی ان کی ظاہری شخصیت سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت باوقار، مردِ میدان، بات کے پکے اور عقیدے پر جان دینے والے لوگ ہیں۔لیکن ان کے باطن کا حال یہ ہے کہ ان کی حیثیت ایسی بیکار لکڑیوں جیسی ہے جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔کیونکہ لکڑی جب تک فائدہ دینے کے قابل ہوتی ہے تو اسے کسی چھت، کسی دروازے یا کسی فرنیچر میں استعمال کیا جاتا ہے۔لیکن جب وہ بیکار ہو جاتی ہے تو اسے دیوار کے ساتھ لگا کر کندے کی شکل میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب یہ لکڑی سوائے جلانے کے اور کسی کام کی نہیں۔یہ ظاہری طور پر کیسی بھی مؤثر شخصیت کے حامل ہوں لیکن ان کے دل اور ضمیر مردہ ہو چکے تھے۔اور انسان کی اصل شخصیت دل اور ضمیر کی زندگی سے عبارت ہے جسم کی توانائی سے نہیں۔جسمانی ساخت میں تو بے شمار مخلوقات ہیں جو انسان سے بڑھ کر ہیں۔لیکن روحانی زندگی اور دل کی توانائی صرف انسان کو عطا کی گئی ہے۔اور یہی اس کی اصل شخصیت ہے۔ٹھیک کہا اقبال نے:

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ
دلِ بیدار پیدا کر، کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

ان کے باطن کی کمزوری کا حال یہ ہے کہ کوئی بڑی آواز بھی ان کو ہلا دینے کیلئے کافی ہے۔ صَیۡحَة کے لغوی معنی تو چیخ کے ہیں، لیکن یہ کسی بھی بڑی آواز یا کسی خطرے کے معنی میں بھی آتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے طلاقتِ لسانی سے چاہے کیسا بھی اپنے آپ کو بہادر ثابت کریں اور یہ یقین دلا دیں کہ ہم ہر میدان میں ثابت قدم رہنے والے لوگ ہیں اور کوئی سی بھی بڑی سے بڑی قربانی ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔لیکن حقیقت میں یہ پرلے درجے کے بزدل ہیں۔کہیں سے بھی خطرے کی گھنٹی بجے یہ اس طرح سہم جاتے ہیں جیسے کبوتر خطرے کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔اور ہر خطرے کو یہ اپنے گھر پر گرنے والی بجلی سمجھتے ہیں۔اس لئے ایسے شخص سے کسی حقیقی خطرے میں جواں مردی دکھانے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ منافقوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ اپنا اعتبار جمانے کیلئے بعض دفعہ دوسروں کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم سے بڑا خیر خواہ کوئی نہیں، باقی ہر شخص کی خیر خواہی میں کوئی نہ کوئی کمی باقی ہے۔اس لئے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کے اصلی دشمن دوسرے لوگ نہیں یہ ہیں۔آپ کو ان سے بچ کر رہنے کی ضرورت ہے۔آخر میں ان سے اظہارِ بیزاری بھی کیا گیا ہے اور ان کے حال پر اظہارِ افسوس بھی فرمایا گیا ہے۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے، کدھر الٹے پھرائے جا رہے ہیں۔یعنی یہ لوگ ہر صحیح بات کو قبول کرنے سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔اس لئے ان کا ہر قدم الٹا پڑ رہا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ان کا نفاق کھلتا جا رہا ہے۔

Marfat.com

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ
وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے تو وہ اپنے سر جھٹکتے ہیں، اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ حاضری سے رک رہے ہیں اس حال میں کہ وہ تکبر کر رہے ہیں۔ ۵)

منافقین کی بدنصیبی

منافقین کی بدنصیبی کا حال یہ ہے کہ جب ان کے نفاق کا پردہ مختلف واقعات نے چاک کر ڈالا، بالخصوص غزوۂ بنو مصطلق میں پیش آنے والے واقعہ نے جس طرح ان کے خبثِ باطن کو نمایاں کیا کہ تنگ آ کر بعض اصحابِ کبار نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیں۔ تو بعض خیر خواہوں نے عبداللہ بن ابی کو مشورہ دیا کہ جا کر آنحضرت ﷺ سے معافی مانگ لو۔ وہ بہت کریم النفس ہیں، وہ ضرور تمہیں معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا بھی کریں گے کہ وہ تمہارے گناہ بخش دے۔ تو اس نے بڑے غرور اور گھمنڈ سے سر کو جھٹکتے ہوئے یہ کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا، ہم اپنے گناہوں کی بخشش کیلئے ان کے پاس کسی قیمت پر نہیں جائیں گے۔ اور اس کیلئے قرآنِ کریم نے جن بلیغ الفاظ میں ان کے انکار کی تصویر کھینچی ہے اس نے ان کے ظاہر اور باطن دونوں کو نمایاں کر دیا ہے۔ اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر نہ کر دی گئی ہوتی تو انکار کی یہ کیفیت ان میں کبھی پیدا نہ ہوتی۔ کیونکہ انسان کے اندر جو اخلاقی حس رکھی گئی ہے وہ کبھی نہ کبھی انسان کو جھکنے اور پھر سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن ان منافقین کا اس طرح سے سر کو جھٹکنا اور پھر نہایت تکبر سے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں جانے سے انکار کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ یہ لوگ واقعی دل کے نور سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

دل کا نور کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(یکساں ہے ان کیلئے آپ ان کیلئے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں، اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا، اللہ فاسق لوگوں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا۔ ۶)

Marfat.com

منافقین کا طرزِ عمل ان کی محرومی کا باعث ہوا

منافقین نے جس غرور اور تکبر سے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے انکار کیا تھا اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے ان کے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ آپ ان کیلئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان کو کبھی معاف کرنے والا نہیں۔ سورۃ التوبہ جو سورۃ المنفقون کے تین سال بعد نازل ہوئی ہے اس میں پروردگار نے زیادہ تاکید کے ساتھ منافقین کے بارے میں فرمایا کہ آپ ان کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ۷۰ مرتبہ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات یوں تو اپنے بندوں کیلئے نہایت مہربان ہے۔ بڑے سے بڑا گنہگار بھی اس کے دروازے سے محروم نہیں جاتا۔ لیکن جب کوئی شخص اپنے گناہوں پر شرم سار ہونے کی بجائے اکڑتا اور تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ اور نبی کریم ﷺ بھی اگر اس شخص کے بارے میں استغفار کریں، تو اللہ تعالیٰ آپ کے استغفار کو بھی ان کے حق میں سندِ قبولیت عطا نہیں کرتا، کیونکہ انہوں نے نہ صرف آپ پر ایمان لانے سے انکار کیا ہے بلکہ آپ کی توہین بھی کی ہے۔ آپ تو کریم النفس ہونے کی وجہ سے اپنی توہین کو معاف بھی فرما دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس جرم کو معاف نہیں فرماتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ گنہگاروں کو اس وقت معاف کرتا ہے جب وہ اس سے معافی طلب کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے تکبر کا یہ عالم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی بارگاہ میں بھی جانے کیلئے تیار نہ ہوں تو ایسے گنہگاروں یعنی فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧

(یہی ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ تم خرچ نہ کرو ان لوگوں پر جو اللہ کے رسول کے ساتھ ہیں تا کہ وہ منتشر ہو جائیں اور اللہ ہی کے ہیں آسمان و زمین کے خزانے، لیکن منافق سمجھتے نہیں۔ ۷)

ان محرومین کا گھناؤنا کردار

اوپر کی آیت میں جن لوگوں پر پروردگار نے غضب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ چاہیں ان کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔ اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں اور انہوں نے ایسا کیا جرم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب نازل ہو رہا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے استغفار کے باوجود مغفرت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر ایک غریب مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑے کے نتیجے میں جو ہرزہ سرائی کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو مصطلق کے چشمے پر پانی لیتے ہوئے ایک انصاری اور ایک مہاجر میں تلخ کلامی ہو گئی اور مہاجر جو حضرت عمر فاروق ؓ کا ملازم تھا اس نے انصاری کو لات کھینچ ماری۔ اس پر دونوں نے اپنے اپنے گروہوں کو پکارا۔ انصاری نے انصار کی دہائی دی اور مہاجر نے مہاجرین کی۔

Marfat.com

دونوں طرف سے لوگ تلواریں سونت سونت کر اکٹھے ہو گئے لیکن رسول اللہ ﷺ کے بروقت پہنچ جانے پر اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ لیکن اس موقع پر عبداللہ بن ابی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مہاجرین کیخلاف انصار کے جذبات بھڑکانے کیلئے نہایت زہر آلود فقرے کہے۔ اس نے یہاں تک کہا کہ یہ تو وہی بات ہوئی کہ سَمِّن كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ کہ اپنے کتے کو پال کر موٹا کرتا کہ وہ تجھے ہی کاٹ کھائے۔ اور اس نے انصار کو ملامت کرتے ہوئے کہا، یہ تمہاری اپنی غلطی کا خمیازہ ہے جو تمہیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ تم نے اپنے گھر میں ان کو اتارا اور اپنے مال میں ان کو حصہ دار بنایا۔ اللہ کی قسم کہ اگر تم ان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیتے تو یہ چلتے پھرتے نظر آتے۔ حضرت زید بن ارقم جو ابھی نوعمر لڑکے تھے انہوں نے اپنے چچا کے واسطے سے نبی کریم ﷺ تک بات پہنچائی۔ لیکن عبداللہ بن ابی نے آنحضرت ﷺ کے استفسار پر صاف انکار کر دیا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، اور اس پر قسم کھا گیا۔ تو انصار کے بڑے بوڑھوں نے حضرت زید بن ارقم کی روایت کے مطابق خود انہیں ملامت کی۔ حتیٰ کہ انہیں یہ محسوس ہوا کہ حضورؐ نے بھی شاید انہیں جھوٹا سمجھا اور عبداللہ بن ابی کو سچا سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس چیز سے مجھے ایسا غم لاحق ہوا جو عمر بھر کبھی نہیں ہوا اور میں دل گرفتہ ہو کر اپنے خیمے میں بیٹھ گیا۔ پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر ہنستے ہوئے میرا کان پکڑا اور فرمایا: لڑکے کا کان سچا تھا، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تصدیق فرمادی ہے۔

آیتِ کریمہ میں عبداللہ کے ان ہی فقروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جن کے دلوں میں ایسا زہر بھرا ہوا ہو کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں اس طرح کے خیالات رکھتے ہوں، وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ آپ ان کیلئے استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کے استغفار کو قبول فرمالے۔

مزید فرمایا کہ ان منافقوں کو اس بات کا علم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہی جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ لیکن یہ نادان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم شاید مہاجرین کے رازق بن گئے ہیں، اگر ہم ان کی مدد کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ بھوک سے تنگ آ کر یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ یہ سراسر ان کی حماقت کا ظہور ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور وہ ہر طرح کی فہم وفراست سے محروم ہو گئے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی مسلمانوں میں ایمانی غیرت کے کمزور ہونے کے باعث منافقین پیدا ہونے لگتے ہیں تو مسلمانوں کے حالات کی خرابی کے وقت ان کے نفاق کا اظہار ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اور یہ منافقین مدینہ کی ایسی وراثت ہے جس کو ہر دور کے منافقین نے سنبھالا ہے۔ اُندلس کے آخری دنوں کے حالات میں آپ دیکھیں گے کہ وہ لوگ جو عیسائیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے وہ بار بار مسلمانوں کو اور مسلمان حکومت کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے مہاجرین اور مسلمانوں کی عزت کی خاطر لڑنے والے مجاہدین کی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیں، کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے ہمارے تعلقات غیر مسلم حکومتوں سے کشیدہ ہو رہے ہیں۔

چند سال پہلے جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا اور ہم نے یہ سمجھ کر کہ روس درحقیقت گرم پانیوں تک پہنچنا چاہتا ہے، اس لئے اس کے حملے کا اصل ہدف افغانستان نہیں بلکہ پاکستان ہے۔ ہم اگر اس عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے افغانستان میں روکنا چاہئے۔

Marfat.com

چنانچہ جب جنگ تیز ہوئی اور لاکھوں مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا اور آبادیوں پر بڑھتی ہوئی بمباری کی وجہ سے لاکھوں مہاجرین افغانستان سے پاکستان پہنچ گئے تو ہمارے یہاں کے پانچویں کالم نے اخبارات میں یہی دہائی دینا شروع کر دی کہ یہ لوگ ہمارے وسائل نگل جائیں گے اور ہم ایک خطرناک قحط کا شکار ہو جائیں گے جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اگر ہم اس تباہی سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں مہاجرین کو یہاں سے نکال دینا چاہئے۔ اور اس کی صورت یہی ہے کہ ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا جائے تو تنگ آکر خود یہاں سے نکل جائیں گے۔

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۸

(وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹے مدینہ کو، تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عزت تو اللہ اور ان کے رسول اور مومنین کیلئے ہے، لیکن یہ منافقین نہیں جانتے۔ ۸)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

اسی موقع پر دوسری بات جو عبداللہ بن ابی نے کہی تھی وہ یہ تھی کہ اب ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے ہمارے لوگوں کو مارنے لگیں، اب مدینہ جانے کی دیر ہے وہاں پہنچتے ہیں پہلا کام یہ کرنا ہے کہ جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ الفاظ چونکہ واحد پر دلالت کرتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں عزت والا ہوں اور نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ من ذالک) ذلیل ہیں۔ تو میں مدینہ پہنچ کر ان کو وہاں سے نکال دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے چونکہ رَجَعْنَآ جمع کا صیغہ ہے، اس پر عطف کرتے ہوئے جمع کے معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم میں سے جو عزت والے ہیں وہ ان لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے جو ذلیل ہیں۔ تو اشارہ منافقین اور مہاجرین کی طرف تھا۔ اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس نے بھی وہی جاہلی نعرہ لگایا جو اہلِ عرب کا شعار تھا، کہ اس نے ایک طرف انصار کو رکھا جو اصل مدینے کے رہنے والے تھے اور دوسری طرف مہاجرین کو، جو باہر سے آئے ہوئے تھے۔ اس طرح سے اس نے انصار کو مہاجرین کیخلاف اکسایا۔ پروردگار نے اس نعرۂ جاہلی کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ حقیقی عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے۔ وہ عزت کیسی جو چند دنوں میں خاک میں ملنے والی ہے۔ کیونکہ وہ وقت دور نہیں جب اسلام کا غلبہ ہونے والا ہے اور دشمن ایک ایک کر کے سرنگوں ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں وہ حق کو غلبہ دیا کرتا ہے اور باطل اس کے سامنے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا حوالہ سورۃ المجادلہ میں بھی دیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں ذلیل ہونے والے وہی بنیں گے، اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول، بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔“

Marfat.com

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ
اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ
قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ
نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١ ع

رکوع: ۲۔ (اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کریں گے وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ ۹) اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے پھر وہ حسرت سے کہے، اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ ۱۰) اور اللہ ہرگز کسی جان کو ڈھیل نہیں دیتا جب اس کی مقررہ مدت آجاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کریں گے وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ ۹)

مسلمانوں کو تنبیہ

اب عام مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ ان منافقین کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ مال و اولاد کی محبت میں ایسے ڈوبے کہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے، تم ان کی تقلید نہ کرنا۔ کیونکہ مال و دولت کی محبت جب حد سے گزر جاتی ہے تو انسان کے اندر آخرت کیلئے کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں رہتا۔ اس کے پیش نظر ہمیشہ اپنی ذات رہتی ہے یا اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر۔ وہ ہر معاملے کو ان ہی دونوں حوالوں سے دیکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ یعنی اسے کبھی خیال نہیں آتا کہ میں جو سوچ رہا ہوں یا جو کرنے کی فکر میں ہوں کیا اللہ تعالیٰ اس

Marfat.com

راضی ہوگا یا ناراض ہوگا۔ اور آخرت میں، میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دے سکوں گا یا نہیں دے سکوں گا۔ اور اس میں مزید خطرے کی بات یہ ہے کہ مال و دولت کی محبت صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی غافل نہیں کرتی بلکہ اسے اپنے انجام سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے۔ اب اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں خواہشات کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہوں یا شیطان کے اشاروں پر چل رہا ہوں۔ کیونکہ اسے تو صرف مال و دولت میں اضافہ کرنا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کیلئے اسے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ منافقین کو اسی مرض نے تباہ کیا ہے۔ اس لئے تم ان کا انجام دیکھ کر اپنے انجام کو بچانے کی فکر کرو۔ کیونکہ جو شخص یا جو قوم ایسا کرتی ہے یعنی مال و دولت کو اپنا مقصود بنا لیتی ہے انہیں نامرادی اور محرومی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ایسے ہی لوگ حقیقت میں خسارے میں رہنے والے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

(اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے پھر وہ حسرت سے کہے، اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ ۱۰)

حُبِّ دنیا کے نقصانات سے بچنے کا طریقہ

مال و دولت کی محبت کے نقصانات سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کو زندہ رکھنے کا طریقہ اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ کیونکہ مال خرچ کرنے سے تمہارے دل میں یہ خیال یقین بن کر اتر جائے گا کہ اس مال کے تم مالک نہیں ہو بلکہ اس کے امین ہو۔ مالک وہ ہے جس کے راستے میں تم خرچ کر رہے ہو۔ امین ہمیشہ امانت میں تصرف کرنے سے سو دفعہ پہلے یہ جائزہ لیتا ہے کہ کیا میں اس امانت میں تصرف کا حق رکھتا ہوں۔ اور اگر مجھے حق دیا گیا ہے تو اس کی حدود کیا ہیں۔ میں کہاں تک آگے بڑھ سکتا ہوں، اور کہاں جا کے مجھے رک جانا ہوگا۔ اس سے اس کے ذہن میں یہ بات پختہ ہو جائے گی کہ جس طرح مال میں تصرف میں اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس کا مالک نہیں ہوں۔ اسی طرح میں اپنی ذات اور اپنے متعلقات میں بھی اپنی مرضی سے تصرفات نہیں کر سکتا، کیونکہ میں اپنی ذات کا بھی مالک نہیں ہوں۔ میری ذات، میری جان، میری صلاحیتوں، میرے ارادوں اور میرے ذہن کی رعنائیوں کا مالک صرف میرا وہ رب ہے جس نے یہ سب کچھ مجھے عطا کیا ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں، وہ میرا آقا ہے۔ اور بندہ اپنے آقا کی مرضی اور احکام سے کبھی آزاد نہیں ہوتا۔ یہی وہ تصور ہے جو انسان کو انجام کی بربادی سے بچا سکتا ہے۔ ورنہ اس بات سے کوئی نہیں بچ سکتا کہ موت کو بہرحال آنا ہے اور وہ اچانک آتی ہے۔ تو پھر آخرت میں انسان سراپا حسرت بن کر یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ پروردگار تو نے مجھے مزید مہلتِ عمل کیوں نہ دی، تاکہ میں تیرے راستے میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ اب یہ حسرت اور پچھتاوا اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ اس لئے بجائے اس کے کہ کل کو کسی کے ساتھ ایسی صورت پیش آئے، اسے آج ہی اس بارے میں سوچ لینا چاہئے۔

Marfat.com

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

(اور اللہ ہرگز کسی جان کو ڈھیل نہیں دیتا جب اس کی مقررہ مدت آ جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۱)

جو لوگ موت کے وقت یا آخرت میں اس قسم کی حسرت کا اظہار کریں گے ان کے جواب میں پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مہلتِ عمل ختم ہو جانے کے بعد مزید مہلت عطا نہیں کرتا، جو اس کی موت کا وقت مقرر ہے جب وہ وقت آ جاتا ہے پھر اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ یہ کہنا کہ اگر مزید مجھے تھوڑی سے مہلت مل جاتی تو میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ یہ بعد از مرگ واویلا ہے۔ دنیا مہلتِ عمل ہے اور آخرت جزا کا دن ہے۔ اس لئے جزا کے دن میں مہلتِ عمل کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عمل کا وقت گزر چکا، اب تو اعمال پر جزا دیئے جانے کا دن ہے۔ چنانچہ یہاں جو بات بھی ہوگی وہ جزا و سزا کے حوالے سے ہوگی۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

ھُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ

(۶۴)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام التَّغَابُنِ ہے۔ یہ اس سورۃ کی آیت ۹ سے ماخوذ ہے۔ اس میں ۲ رکوع، ۱۸ آیتیں، ۲۴۹ کلمے اور ۱۰۷۰ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول:۔ اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس اور عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ابتداء سے آیت ۱۳ تک مکی ہے اور آیت ۱۴ سے آخر سورۃ تک مدنی۔ لیکن ابنِ مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابنِ عباسؓ کا ایک دوسرا قول نقل کیا ہے جس کے مطابق یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے اور پوری کی پوری مدنی ہے۔ ابن الزبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ اور اکثر مفسرین بھی اس کے مدنی ہونے کے حق میں ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا جس سے اس کا زمانۂ نزول متعین کیا جاسکتا ہو۔ لیکن اس کے مضمون پر غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ سورۃ مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ اس وجہ سے اس میں مکی سورتوں کا رنگ بھی پایا جاتا ہے اور مدنی سورتوں کا بھی۔ اسی رنگِ کلام نے مفسرین میں اختلاف پیدا کیا ہے۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے پروردگار نے اپنی صفات کے ذریعے انسان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ کائنات جس میں تم رہ رہے ہو، بے خدا نہیں ہے بلکہ اس کا ایک خالق اور مالک اور فرماں روا بھی ہے۔ اور کائنات کی ایک ایک مخلوق تسبیح و تحمید سے اس کے وجود اور اس کے بے عیب ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔

دوسری یہ بات انسان کو بتائی جارہی ہے کہ یہ کائنات بے مقصد اور بے حکمت نہیں ہے، اسے اس کے خالق نے کسی تفریح کیلئے نہیں بلکہ سراسر برحق پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم ہے، تو حکیم کا کوئی کام بیکار اور عبث نہیں ہوتا۔ یہ کائنات ایک مقصد کیلئے پیدا کی گئی ہے، یہ کوئی تماشا نہیں جو محض تفریح کیلئے شروع ہوا اور تفریح پر ختم ہوجائے گا۔ اس کی دلیل کے طور پر خود انسان کے وجود کو پیش کیا کہ اس کا احسنِ تقویم میں پیدا کیا جانا اور پھر اسے کفر و ایمان کا اختیار دینا، یہ کوئی لاحاصل یا لایعنی کام نہیں ہے کہ کوئی کفر اختیار کرے یا ایمان دونوں صورتوں میں اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ اس سے پروردگار یہ امتحان لیتا ہے کہ تم اپنے اختیار کو کس طرح استعمال کرتے ہو۔

Marfat.com

پھر تاریخ سے اس بات کی شہادت پیش کی گئی ہے کہ جن قوموں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت کی تکذیب کی اور ان کے نہایت واضح دلائل اس غرور کی بناء پر رد کردیئے کہ کسی بشر کو رسول ماننا انسان کی اپنی توہین ہے۔ان کے اس انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔اور وہ خود ہی اپنے فلسفے گھڑ گھڑ کر ایک گمراہی سے دوسری گمراہی میں مبتلا ہوتے چلے گئے اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے۔

تاریخ سے شہادت پیش کرنے کے بعد منکرینِ حق کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول کریں ورنہ ان کا انجام بھی ان قوموں سے مختلف نہیں ہوگا جو اس سے پہلے تاریخ میں عبرت بن چکی ہیں۔مزید یہ بات بھی واضح فرمائی گئی ہے کہ آخرت کا آنا یقینی ہے۔جب وہ دن آئے گا تو تمام اولین و آخرین ایک جگہ جمع کئے جائیں گے۔ہر ایک کی نیتوں کے بھید کھلیں گے اور اعمال کی حقیقتیں واشگاف ہوں گی۔اور پھر اسی ایمان و عمل کی بنیاد پر جزاء و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

اس کے بعد ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ دنیا میں جو بھی مصیبتیں پیش آتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے پیش آتی ہیں۔اہلِ ایمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان سے ڈر کر اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیں۔ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، وہ ان کی مدد فرمائے گا۔لیکن اگر انہوں نے مصائب سے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیا تو انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کے رسول کا کام پہنچا دینا ہے، انہوں نے اسے پورا کر دکھایا، اب ذمہ داری ہر شخص کی اپنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی ہدایت کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مومن کیلئے اس کا مال اور اس کے اہل و عیال ایک بہت بڑی آزمائش ہیں۔جو شخص ان کی محبت میں پھنس جاتا ہے وہ دین کے تقاضے پورے کرنے کا حوصلہ کھو بیٹھتا ہے۔حسین بیوی کی فرمائشیں اور اولاد کے بہتر مستقبل کا جنون بعض دفعہ انسان کو جادۂ حق سے منحرف کر دیتا ہے۔اس لئے اہلِ ایمان کو اپنے اہل و عیال سے ہوشیار رہنا چاہئے کہ وہ اسے راہِ حق سے متزلزل نہ کر سکے۔البتہ ان کے ساتھ معاملہ عفو و درگزر کا ہی رہنا چاہئے۔اسی طرح اپنے مال کے معاملہ میں بھی محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہو گے تو کسی مومن کا نفس زر پرستی کے فتنے میں مبتلا نہیں ہوگا۔

آخری آیتوں میں ہر مومن کو تاحدِ مقدور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی دعوت دی گئی اور دین کی راہ میں فراخ دلانہ انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔اور ان لوگوں کو ابدی فوز و فلاح کی بشارت دی گئی ہے جو اپنے آپ کو حرص اور بخل کی بیماری سے محفوظ رکھیں گے۔جو لوگ اللہ تعالیٰ کو قرض دیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے دیئے ہوئے قرض کو قدر دانی کے ساتھ قبول کرے گا، بڑھا چڑھا کر واپس کرے گا اور ان کی مغفرت فرمائے گا۔وہ کسی کی نیکی سے بے خبر نہیں، غائب و حاضر سب کچھ جاننے والا ہے۔

Marfat.com

رُکُوْعَاتُهَا ۲	سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۶۴)	اٰیَاتُهَا ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ
لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝٣ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ
مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٤
اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ
اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ
لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۗ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۗ
وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٧ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ

Marfat.com

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۸﴾ یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ
ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ
عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ بِئْسَ
الْمَصِیْرُ ﴿۱۰﴾

رکوع: ۱۔ (اللہ ہی کی تسبیح کررہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کیلئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔ ۲) اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۳) وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، اور اللہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔ ۴) کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا، پس انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا (اور ان کیلئے آخرت میں ایک دردناک عذاب ہے)۔ ۵) یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ آتے رہے تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے؟ پس انہوں نے ماننے سے انکار کردیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ ان سے بے پرواہ ہوگیا اور اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ ۶) منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ ہرگز مرنے کے بعد اٹھائے نہیں جائیں گے، کہہ دیجئے! کیوں نہیں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمہیں ضرور بتایا جائے گا جو کچھ تم نے دنیا میں کیا ہوگا اور یہ کام اللہ پر بہت آسان ہے۔ ۷) پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ جو کچھ تم کررہے ہو اس سے باخبر ہے۔ ۸) اس دن کو یاد رکھو جب اللہ تم کو جمع کرے گا، جمع ہونے کے دن، وہی ہے ہار جیت کا دن، جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور جس نے صالح عمل کئے اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں جھاڑ دے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے بڑی کامیابی۔ ۹) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخ والے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ۱۰)

Marfat.com

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

(اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کیلئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱)

ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے وجود اور بندگی کی شہادت دے رہی ہے

جو شخص بھی کھلی نگاہوں سے اس کائنات کو دیکھے گا تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کی شہادت نہ دیتی ہو اور اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔ مخلوق کا وجود بجائے خود خالق کے وجود کی گواہی دیتا ہے اور ہر مخلوق کو زندگی کے امکانات کا ملنا، مناسب ماحول کا دیا جانا اور ماحول کے مطابق صلاحیتوں کا عطا ہونا، معیشت کی راہ پر لگانا اور اسبابِ معیشت فراہم کرنا اور ہر مخلوق کو آرام اور سکون کا عطا ہونا اور اپنے دائرے میں آسودگی کا ملنا ایسے حقائق ہیں جن سے بہرہ ور ہر مخلوق اپنے عطا کرنے والے کی تعریف میں رطب اللساں ہے اور برابر اس کا شکر بجالاتی ہے، اس کی حمد کے گن گاتی ہے اور اس کی ذات وصفات کے بے عیب ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ اور اس کے افعال واحکام کے بے خطا ہونے کی شہادت مہیا کرتی ہے۔ یہی وہ تسبیح ہے جو کائنات کی ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کی کر رہی ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح وہ تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے اسی طرح وہ ان کا بادشاہ بھی ہے۔ پوری کائنات تنہا اسی کی سلطنت ہے۔ اور اس بادشاہت میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ وہ اس کائنات کو بنا کر اور ایک دفعہ اسے حرکت دے کر الگ ہو کر کائنات کے کسی گوشے میں نہیں بیٹھ گیا بلکہ وہ برابر اس کی نگرانی اور نگہبانی کر رہا ہے۔ اس کا کوئی ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ اور کسی مخلوق کی کوئی حرکت اس کے علم سے باہر نہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس کے کسی فیصلے میں رکاوٹ بن سکے اور اس کے کسی کام کو چیلنج کر سکے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ نہ کسی چیز کی تخلیق اس کیلئے مشکل ہے اور نہ کسی مخلوق کو زندگی کی ضروریات مہیا کرنا اس کیلئے گراں ہے۔ وہ کسی بڑے سے بڑے کام میں بھی کسی کا محتاج نہیں۔ اس کائنات کے بنانے میں اسے کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔ اسی طرح اس کے انتظام وانصرام میں بھی وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس نے ہر کام تنہا اپنے بل بوتے پر کیا ہے اور آئندہ بھی جو کچھ کرے گا اپنی قدرتِ کاملہ سے کرے گا۔ اس لئے اس پر ایمان لانے والے صرف اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اس کی بندگی میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

(وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔ ۲)

ہر شخص اپنے اختیار کے غلط استعمال کرنے کی سزا پائے گا

یعنی جس پروردگار نے ساری کائنات کو تخلیق فرمایا ہے اور اس کائنات کی ایک ایک چیز جس کی تسبیح کر رہی ہے، اسی پروردگار نے تم کو بھی پیدا کیا ہے۔ حق تو یہ تھا کہ تم بھی اسی کی تسبیح کرتے رہتے، بلکہ تمہاری تسبیح باقی کائنات کی مخلوق کے مقابلے میں زیادہ جاندار، زیادہ وسیع اور زیادہ وقیع ہونی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک مکلف مخلوق بنایا ہے۔ تمہیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات کو نہیں دی گئیں۔ لیکن کیسی عجیب

Marfat.com

بات ہے کہ دوسری مخلوقات کے برعکس تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔ تو اس کا بظاہر مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا یہ رویہ کس قدر غلط اور خلاف عقل ہے۔ لیکن اس میں درحقیقت ایک اور بات فرمائی گئی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوسری مخلوقات کی طرح جبلی اور فطری قوانین تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے تمہیں فی الجملہ ایک آزادی بخشی ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ تمہیں عقل اور شعور سے نوازا گیا ہے۔ تمہیں خیر وشر کی تمیز سے بہرہ ور فرمایا گیا ہے۔ اس لئے تم اس بات کے پابند نہیں ٹھہرائے گئے کہ تمہیں بہر صورت اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہی کرنی ہے، بلکہ تمہیں اپنی قوتِ تمیز اور اپنے شعور سے کام لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ تم جس چیز کو صحیح سمجھو، اسے اختیار کرو۔ اور جسے غلط سمجھو اسے رد کردو۔ حتیٰ کہ تمہارا یہ اختیار اس قدر وسیع ہے کہ تم چاہو تو اللہ تعالیٰ کو مانو اور مومن بن جاؤ اور چاہے اس کا انکار کر کے کافر ہو جاؤ۔ تمہیں بہرحال اس کی آزادی ہے۔ البتہ یہ اختیار دے کر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک امتحان میں ڈالا ہے کہ تم یہ اختیار صحیح استعمال کرتے ہو یا غلط۔ کیونکہ اس نے تمہیں اختیار کے ساتھ ساتھ خواہشات بھی دی ہیں، جذبات بھی دیئے ہیں، قوتِ واہمہ بھی دی ہے، ہوس پرستی اور مفاد پرستی بھی دی ہے۔ اور تمہیں یہ صلاحیت بھی عطا کی ہے کہ تم اگر چاہو تو ان کی پیروی کر سکتے ہو، اور چاہو تو ہمت کر کے ان سے بچ بھی سکتے ہو۔ اور آزادی کے امتحان میں سرخرو بھی ہو سکتے ہو۔ اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ جو کچھ تم زندگی میں کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگا، وہ برابر تمہیں دیکھے گا کہ تم زندگی اس کی ہدایت کے مطابق گزار رہے ہو، تمہاری صلاحیتیں اس کے مطابق حرکت میں آرہی ہیں، تم اس کی خوشنودی کو اپنی منزل سمجھتے ہو یا اپنی خواہشات کی تکمیل کو۔ پھر وہ تمہارے اعمال کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا۔ اگر تم نے اس کی ہدایت کے مطابق زندگی گزاری تو وہ تمہیں بہترین جزاء سے نوازے گا۔ اور اگر تم نے اس کی ہدایت کیخلاف اپنی خواہشات کی تعمیل میں زندگی بسر کی تو وہ تمہیں ہولناک سزا دے گا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہ عادل ہے اور نہ وہ حکیم۔ کیونکہ کسی عادل کی نگاہ میں صحیح اور غلط ظلم اور مظلومیت، خیر اور شر اور کفر اور ایمان برابر نہیں ہو سکتے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾

(اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۳)

جزا و سزا پر ربوبیت سے استدلال

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا فرمایا ہے، یعنی ہر مخلوق کو اس نے اس طرح بنایا جس طرح اسے بنایا جانا چاہئے تھا تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو صحیح طریقے سے انجام دے سکے۔ کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں آپ غور کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ چیونٹی کا ننھا سا جسم اور اس کے جسم کی مخصوص ساخت، ہاتھی کا بھاری بھرکم جثہ اور اس کے جسم کی مخصوص ساخت، چاہے آپس میں کتنے بھی اختلاف کی حامل ہو، لیکن حقیقت میں جو مقصدِ زندگی انہیں دیا گیا ہے اس کیلئے انہیں ویسا ہی ہونا چاہئے تھا جیسا ہمیں نظر آرہا ہے۔ اس نے ہوا میں جو خوبیاں رکھی ہیں اور پانی میں جو خصوصیات رکھی ہیں ان میں ردوبدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ جو بنایا ہے جیسا بنایا ہے وہی حق اور درست ہے۔ پھر اس کی تائید میں اپنی تخلیق کے شاہکار حضرتِ انسان کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا کہ دیکھو ہم نے اسے بنایا اور بہترین تقویم میں بنایا۔ انسان کے ظاہر و باطن کی تشکیل جس طرح ہوئی ہے اور اس میں جو قوتیں اور قابلیتیں ودیعت کی گئی ہیں وہ صاف اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ اس دنیا میں تمام مخلوقات میں مقصود کی حیثیت اسی کو حاصل ہے۔ وہی سرتاج اور گلِ سر سبد کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

انسان کی یہ صورت کشی اور اس کے باطن کی دلکشی اور اس کو بیش بہا دی جانے والی صلاحیتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اس کو خالقِ کائنات نے بے مقصد و عبث پیدا نہیں کیا، کہ بس وہ کھائے پیئے اور ایک دن ختم ہو جائے۔ قرآنِ کریم نے جگہ جگہ انسان کو یہ یاد دہانی کرائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ربوبیت کیلئے جو اہتمام فرمایا ہے، تمہارے لئے جو پاکیزہ خوانِ کرم بچھایا اور نیک و بد کے درمیان تمیز کرنے کی تمہیں جو استعداد بخشی اور جو ہمتِ بلند عطا کی ہے جس کے زور سے وہ مادی دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر سدرۃ المنتہیٰ پر اپنا آشیانہ بناتا ہے، اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک دن تم اس کے سامنے حاضر کئے جاؤ تا کہ وہ تم سے اپنی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں سوال کر سکے۔ سورۃ الانفطار میں ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّاشَآءَ رَکَّبَکَ

○ ”اے انسان تجھ کو تیرے اس ربِ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، جس نے تیرا نقشہ بنایا، پھر تیرے جوڑ بند ٹھیک کئے، پھر تجھے متوازن کیا اور جس صورت پر چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔“

اس آیتِ کریمہ میں نہایت تہدید آمیز انداز میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری یہ جسمانی ساخت اور تمہارا یہ قدِ رعنا، اور تمہاری یہ آراستہ صورت، اور تمہارا جسمانی و ذہنی اور فطری توازن، کیا تمہیں یہ بتانے کیلئے کافی نہیں کہ تمہیں قدرت نے اس لئے پیدا نہیں فرمایا کہ تم صحرا میں اگنے والی گھاس کی طرح مل دَل کر ختم ہو جاؤ۔ اور نہ تمہیں اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ تم شترِ بے مہار کی طرح غیر ذمہ دار زندگی گزارو۔ بلکہ تمہارے وجود کا یہ اہتمام اور تمام مخلوقات سے بڑھ کر تمہاری خوبصورتی اور رعنائی اور تمہاری غیر معمولی صلاحیتیں اور تمہارا جوہرِ عقل یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ تم ایک با اختیار اور ذمہ دار مخلوق کے طور پر پیدا کئے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا ایک مقصد ہے اس کے مطابق زندگی گزارنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کی معرفت تمہیں تعلیم دی ہے۔ تمہارے اختیار اور ذمہ داری کے حوالے سے تمہیں لازماً ایک دن اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ یہ اسی کی طرف پلٹنے کا یہی مفہوم ہے کہ قیامت کے دن تمہیں جب اپنے اعمال کی جواب دہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور یہ حاضری اس دن ہو گی جب پوری نوعِ انسانی کو از سرِ نو زندہ کر کے بیک وقت محاسبہ کیلئے اکٹھا کیا جائے گا۔

کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ اگر انسانی زندگی اور اس میں کئے ہوئے اعمال کی جواب دہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ضروری بھی سمجھ لی جائے تو کیا یہ کام اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ یہ کیوں ضروری ہے کہ ہر شخص کا حساب اس کی موت کے بعد ہو اور اس وقت ہو جب پوری نوعِ انسانی جواب دہی کیلئے میدانِ حشر میں اکٹھی ہو۔ معمولی سے غور و فکر کے بعد یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انسان سے چند دنوں یا چند سالوں کا حساب نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کی پوری زندگی کے بارے میں اور اس کے مکمل کارنامۂ حیات کے حوالے سے اس سے باز پرس ہو گی۔ اور انسان کی زندگی اور اس کے زندگی بھر کے اعمال کا اختتام چونکہ موت پر ہوتا ہے تو لازماً یہ جواب دہی کا وقت موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے، زندگی میں نہیں۔ اور مزید یہ بات کہ انسان صرف اپنے اعمال کا ہی ذمہ دار نہیں بلکہ ان اعمال سے پیدا ہونے والے اثرات و نتائج کا بھی ذمہ دار ہے۔ اور انسان کے بیشتر اعمال متعدی واقع ہوئے ہیں کہ ایک انسان کے عمل سے کبھی دوسرا انسان متاثر ہوتا ہے اور کبھی پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ اور پھر یہ اثرات بعض دفعہ صدیوں تک چلتے ہیں۔ کسی شخص کا کوئی رفاہی مرکز کھول دینا، کوئی تعلیمی ادارہ بنا دینا، کوئی ایسا کام کر دینا جس کا فائدہ طویل عرصے تک خلقِ خدا کو پہنچتا رہے۔ مثلاً نہرِ زبیدہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیگم نے بنوائی اور گزشتہ صدی تک حجاز اور مکہ معظمہ میں رہنے والے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے انسانی بھلائی کے ایسے کام کئے کہ جس سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد بعض دفعہ حدِ شمار سے نکل جاتی ہے۔ اور بعض لوگوں نے ایسے برے کام کئے ہیں کہ جن کی برائی نے صدیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جس نے کیمونزم اور سوشلزم کی

Marfat.com

بنیاد رکھی اور اس طرح سے ظلم کا ایک دروازہ کھولا اور گزشتہ ایک صدی میں کروڑوں آدمیوں کو اس سے نقصان پہنچا۔ اور جس نے سرمایہ داری کو فروغ دیا اور سود کو نیا لباس پہنا کر جدید سائنٹفک انداز میں اس کی نئی نئی صورتیں پیدا کیں۔ صدیاں گزر گئیں اور آئندہ بھی نہ جانے انسان کب تک اس کے زخم سہتا رہے گا۔ یورپ نے گزشتہ صدی میں پارلیمنٹ کے ذریعے بے حیائی کے جن کاموں کو سندِ جواز عطا کی جس کی وجہ سے بے حیائی کے فروغ میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوئی اور نہ جانے یہ کب تک وسعت پذیر ہوتی رہے گی، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جواب دہی کیلئے پوری نوعِ انسانی کی موت کے بعد ایک ایسا دن لانا کیوں ضروری ہے جبکہ ہر شخص کا کارنامۂ حیات مکمل ہو چکا ہو، اس کے اثرات وجود میں آچکے ہوں، موثر اور متاثر سب آمنے سامنے کھڑے ہوں اور ایک عدالت ان سے جواب طلب کرے جو مکمل حساب کتاب کرنے پر قادر ہو، تو تب وہ حقیقت سامنے آسکتی ہے جسے عدل اور انصاف کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے کا یہی مقصد ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

(وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، اور اللہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔ ۴)

منکرینِ قیامت کے ایک اشتباہ کا صفتِ علم سے ازالہ

آخرت کے منکرین کا یہ خیال تھا کہ اولاً تو قیامت کا وقوع ہی محال ہے اور اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو یہ بات تو کسی طرح معقول نہیں کہ ہر انسان کے زندگی بھر کے اعمال کا حساب کیا جاسکے۔ چونکہ ہر شخص زندگی میں بے شمار اعمال کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو پوری نوعِ انسان کے ایک ایک شخص کے اعمال کا حساب کس طرح ممکن ہے جبکہ اس کے اعمال کو نہ جانا جاسکتا اور نہ گنا جاسکتا ہے۔ اس مغالطے کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں نہایت غلط فہمی لاحق ہے، تم اس کے علم کو اپنے علم پر قیاس کرتے ہو۔ تم نے آج تک نہ آسمان دیکھے، نہ زمین کی تمام تہیں دیکھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمام آسمانوں کو بھی جانتی ہیں اور زمین کی تمام تفصیلات کو بھی۔ اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے چاہے وہ مخلوقات کی صورت میں ہو یا خزانوں کی صورت میں اس کے علم سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ اس کے علم کی وسعت کا حال تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف اعمال کو جانتا ہے بلکہ اعمال کے پسِ پردہ جو محرکات کام کرتے ہیں جو کچھ نیتوں میں مستور ہے۔ اور عمل کرنے والے نے جس عمل کو چھپا کر کیا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ اور جو اس نے ظاہراً کیا لیکن بااثر ہونے کی وجہ سے کوئی اس کی گرفت نہیں کر سکا، وہ اسے بھی جانتا ہے۔ ایسے وسیع علم کی حامل ذات کے بارے میں کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ اعمال کا حساب نہیں کر سکے گا۔ حالانکہ وہی ایک ذات ہے جس کی عدالت عدل اور انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ دنیا میں اکثر و بیشتر جرائم چھپے رہ جاتے ہیں، پولیس ان کا کھوج نہیں لگا سکتی۔ اور بعض جرائم شہادت بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے انصاف سے محروم رہتے ہیں۔ اور بعض مجرم ایسے طاقتور ہوتے ہیں کہ ان کے جرائم معلوم ہونے کے باوجود ان پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے

Marfat.com

اوراس کے علم کی وسعت کے سامنے ان میں سے کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔اسی طرح جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ عدالتیں یہ جاننے سے عاجز رہتی ہیں کہ مجرم کی جرم کرتے ہوئے نیت کیا تھی، اس کے دل کے احساسات کیا تھے، اس کے عزائم کیا تھے، کیا وہ بالفعل اس کا ذمہ دار تھا یا کوئی اس کو استعمال کر رہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی عدالت کے سامنے ہر چیز واضح ہوگی۔ کیونکہ پروردگار جو آج اپنی عدالت کا جج ہوگا وہ دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو جانتا ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جو آخرت کے وجود کو یقینی بناتی ہے، اور جسے اخلاق کا تقاضا کہا جاسکتا ہے، اور جو انسان کی فطرت کی آواز ہے۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۡ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝٥

(کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا، پس انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا (اور ان کیلئے آخرت میں ایک دردناک عذاب ہے)۔ ۵)

جزاءِ اعمال پر تاریخ سے استدلال

یہ آخرت کے آنے کی ایک ایسی دلیل ارشاد فرمائی گئی ہے جو واقعاتی بھی ہے اور عقلی بھی۔ مخالفین سے کہا گیا ہے کہ تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں اور جن کا تعلق تمہارے اپنے ملک سے ہے کیا اِن کی تاریخ اور ان کے احوال تمہارے علم میں نہیں آئے۔اس سے اشارہ عاد، ثمود، اہلِ مدین اور قومِ لوط وغیرہ کی طرف ہے۔ قریش جن کے حالات سے فی الجملہ واقف تھے۔ کیونکہ تجارتی اسفار میں ان کی بستیوں کے کھنڈرات سے ان کا گزر ہوتا تھا۔ اور پورے ملک میں سینہ بہ سینہ ان کے حالات پھیلے ہوئے تھے۔ ان قوموں نے جب اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کی ہدایت کو قبول کرنے کی بجائے اپنے بگاڑ میں بڑھتے ہی چلے گئے تو آخر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا اور ان پر عذاب کا ایسا کوڑا برسا کہ انہوں نے اپنے اعمال کا مزہ چکھ لیا۔ یعنی وہ اس انجام کو پہنچ گئیں جس انجام سے انہیں بار بار باخبر کیا جا رہا تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ان کے اس انجام کو دیکھ کر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک قانونِ مجازات بھی ہے جو ہمیشہ کارفرما رہتا ہے۔ اور یہ اسی کی مثالیں ہیں جو تم ان معذب قوموں کی شکلوں میں دیکھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار نے انسانوں کو ڈھیل تو ضرور دے رکھی ہے لیکن جب وہ حدود سے گزر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی زمین کو شر اور فساد سے بھر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو اس جھاڑ جھنکار سے صاف کرنے کیلئے اپنا عذاب بھیجتا ہے اور زمین کو صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسا دن ضرور لائے گا جس میں ساری دنیا کا حساب لے گا اور لوگوں کے درمیان مکمل انصاف اور عدل کرے گا۔ کیونکہ کتنی قومیں ہیں جو ڈھیل پانے کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے بچی رہیں اور اپنی بداعمالیوں کا بوجھ لئے دنیا سے چلی گئیں۔ اور جن قوموں کو دنیا میں عذاب کا شکار ہونا پڑا یہ بھی ان کے اعمال کی مکمل سزا نہ تھی، بلکہ ان کے اعمال کا اصل حساب کتاب چونکہ قیامت کے دن ہوگا اسی روز اللہ تعالیٰ کے کامل عدل اور اس کی کامل رحمت کا ظہور ہوگا۔ تو جس طرح دنیا میں بھلائی اور نیکی کرنے والے قربانیاں دے کر دنیا سے چلے گئے انہیں آج بیش بہا اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ اور جو دنیا میں کافرانہ اور مشرکانہ روش کے ساتھ زندگی گزار کے گئے وہ اگر دنیا میں عذاب کا شکار ہو بھی گئے ہوں جب بھی قیامت کے دن انہیں عذابِ الیم سے دوچار ہونا پڑے گا۔

Marfat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ
فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾

(یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ آتے رہے تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے؟ پس انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ ۶)

تکذیبِ رسول کیلئے منکرین کا بہانہ

اس آیتِ کریمہ میں معذب قوموں کی تباہی اور بربادی کی بنیادی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ''بے شک ہم پر ہے ہدایت دینا۔'' اس ذمہ داری کی ادائیگی کیلئے پروردگار نے ہمیشہ انبیاء و رسل مبعوث کئے، کتابیں نازل فرمائیں تا کہ انسان ان کے ذریعے سے صحیح علم حاصل کر سکے اور عمل کا صحیح طریقہ پا سکے۔ چنانچہ اس نے انسانوں میں سے بعض افراد کو علم عطا کر کے دوسروں تک پہنچانے کی خدمت سپرد کی اور ان ہی کو رسل کہا گیا۔ اور ان کے ساتھ ایسی بینات کو نازل فرمایا جس سے یہ بات سمجھی جا سکے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بینات واضح باتوں اور واضح چیزوں کو کہتے ہیں۔ یہاں بینات سے مراد وہ معجزات اور نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں پر وقتاً فوقتاً نازل فرماتا ہے۔ اور پھر ہر رسول کی اپنی ذات بجائے خود ایک بینہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا حُسنِ کردار پوری قوم میں ایسا ممتاز ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کی وجہ اس کے سوا متعین نہیں کر سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسالت کے اعلان سے پہلے بھی ہر طرح کے عیب سے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ لیکن ان قوموں کا حال یہ رہا کہ جب بھی ان کے پاس ایسے رسول آئے جو واضح نشانیاں لے کر آئے تو لوگوں نے انہیں صرف اس لئے ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ تو ان کی طرح انسان ہیں ہم اپنے جیسے ایک انسان کو رسول کیسے مان لیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو وہ کسی برتر مخلوق میں سے ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو ہمارے لئے بڑی توہین کی بات ہے کہ ہم جیسا ایک شخص اٹھ کر ہم سے اطاعت کا تقاضا کرے۔ اگر انسانوں ہی نے یہ کام کرنا ہے تو پھر ہمارے اندر کیا کمزوری ہے، ہم خود یہ کام کر لیں گے۔ حالانکہ ایک واضح سی بات ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سب سے برتر مخلوق بنایا ہے۔ البتہ ذاتی پاکیزگی کے لحاظ سے ملائکہ بہت ممتاز ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کے بھیجا جاتا تو وہ اپنی شکل میں تو نظر نہیں آ سکتا تھا اور اگر وہ انسانی شکل میں آتا تو پھر اس کو انسان سمجھ کر ماننے سے انکار کر دیا جاتا۔ اور مزید یہ کہ رسول تو اسوۂ حسنہ بن کر آتا ہے۔ اگر کوئی فرشتہ رسول بن کر آتا تو اس کی زندگی انسانوں کیلئے اسوۂ حسنہ یعنی بہترین نمونہ نہیں بن سکتی تھی۔ اسے چونکہ بھوک نہ لگتی تو بھوکے آدمی کیلئے کیا نمونہ ہوتا۔ وہ کسی جنگ میں زخمی نہ ہوتا، اور نہ اسے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہوتا، تو لوگ استقامت کا درس کہاں سے لیتے؟ اسے کبھی اہلِ کفر کی اذیت رسانیوں اور چیرہ دستیوں سے واسطہ نہ پڑتا، تو لوگ صبر کا پیکر کہاں تلاش کرتے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح و تربیت کیلئے انسان ہی ذریعہ بن سکتا ہے، فرشتہ نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن مخالفین کو اس بات سے شدید انکار تھا کہ یہ رسالت کا

Marfat.com

دعویٰ کرنے والے چونکہ ہماری طرح بشر اور انسان ہیں تو ہم انہیں اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں مان سکتے اور ان کی رہنمائی قبول نہیں کر سکتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسانوں نے ہمیشہ انسانوں کو اپنا لیڈر مانا ہے اور بڑے بڑے معاملات میں ان کی رہنمائی قبول کی۔ حتیٰ کہ وہ بھی انسان ہی تھے جن کی رہنمائی میں لکڑی اور پتھر تک کے بتوں کو معبود بنایا گیا ہے۔ اور یہ بھی حادثہ بیت چکا ہے کہ انسانوں کو خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا تک سمجھا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو گمراہ کن لیڈروں، عیار پیروں اور نہایت بگڑے ہوئے دانشوروں کی رہنمائی قبول کرنے میں تو کبھی کوئی عذر نہیں رہا، حالانکہ وہ بھی انسان ہی ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں کہ ہمیشہ بشریت کا طعنہ دے کر ماننے سے انکار کر دیا گیا۔

جب ان لوگوں نے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی رہنمائی ماننے سے انکار کیا اور پوری طرح ان کی رہنمائی سے منہ پھیر گئے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان سے مستغنی ہو گیا۔ یعنی وہ جو انسانوں کی ہدایت کیلئے ہمیشہ اہتمام کرتا ہے اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ رہی کہ یہ گمراہی کے کس گڑھے میں جا کر گرتے ہیں اور کس طرح اپنی جلائی ہوئی آگ میں جلتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو ہے ہی بے نیاز اور ستودہ صفات۔ یعنی وہ اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں کہ وہ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی ہدایت و ضلالت کی کیا پرواہ۔ کوئی اس کی عبادت کرے تو اس کی الوہیت کو طاقت نہیں ملتی۔ اور کوئی عبادت کرنے والا نہ ہو تو اس کی شان اور سر بلندی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ ہدایت کا انتظام صرف اس لئے کرتا ہے کہ لوگوں کی فلاح اسی میں ہے۔ لیکن جب اس کی قدر نہیں کرتے تو وہ زبردستی لوگوں کو ہدایت عطا نہیں کرتا۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧﴾

(منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ ہرگز مرنے کے بعد اٹھائے نہیں جائیں گے، کہہ دیجئے! کیوں نہیں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمہیں ضرور بتایا جائے گا جو کچھ تم نے دنیا میں کیا ہوگا اور یہ کام اللہ پر، بہت آسان ہے۔ ۷)

مشرکین کے انکار کا جواب انہیں کے لہجے میں

دوسری بڑی کمزوری ہے جس نے منکرینِ حق کو ہدایت سے دور رکھا ہے۔ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ آخرت کا انکار کرتے آئے ہیں حالانکہ ان کے پاس آخرت کے نہ آنے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ بڑے زور سے اس بات کا دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ اور وہ ہرگز مرنے کے بعد اٹھائے نہیں جائیں گے۔ پروردگار نے آنحضرت کو حکم دیا ہے کہ آپ بھی انہیں اس کا جواب اسی انداز میں دیں جس انداز میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے۔ وہ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے، آپ بھی اسی زور و تاکید کے ساتھ بقیدِ قسم ان کو جواب دیجئے کہ میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ قرآنِ کریم نے اسی انداز میں دو اور جگہ بھی قیامت کے آنے اور لوگوں کے زندہ کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اور وہاں بھی یہ بات بقیدِ قسم فرمائی گئی۔ ایک سورۃ یونس آیت ۵۳ میں اور دوسرا سورۃ سبا آیت ۳ میں۔ سوال یہ ہے کہ جو قیامت کے آنے کے منکر ہیں انہیں اگر قسم کھا کر بھی یہ جواب دیا جائے تو کیا

Marfat.com

ان پر اثر اندازی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ جب انہوں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ آخرت کو کسی صورت تسلیم نہیں کریں گے تو انہیں اس بات کی کیا پرواہ ہے کہ آپ قسم کھا کر یہ بات کہتے ہیں یا قسم کے بغیر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو ایک عام آدمی جس کے بارے میں جھوٹا ہونے کا یقین نہ ہو وہ بھی جب کسی بات کو قسم سے مؤکد کر کے کہتا ہے تو سننے والا ضرور سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے ان کے مخالفین آپ کی نبوت کے انکار کے باوجود دل سے اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ چنانچہ ایسا سچا انسان جب کبھی خدا کی قسم کھا کر آخرت کی بات کہے تو یہ ممکن نہیں کہ مخالفین آپ کو جھوٹا قرار دیں۔ اس لئے جب کبھی آنحضرت ﷺ اس انداز میں بات فرماتے تھے تو مخالفین اپنے دلوں میں ہل کے رہ جاتے تھے۔ علاوہ ازیں صرف یہی نہیں تھا کہ آپ آخرت کو ایک مؤکد انداز میں بیان فرماتے تھے بلکہ اس پر ایسے معقول دلائل بھی پیش فرماتے تھے جس کا انکار کرنا قریش کیلئے آسان نہ تھا۔ مزید ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی خصوصیات میں سے اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانوں میں یقین کی دولت تقسیم کرنے آتے ہیں۔ اس لئے ایسے ان دیکھے حقائق پر جب وہ قسم کھا کر بات کہتے ہیں تو اس سے یقین کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو کسی فلسفی کے استدلال سے پیدا نہیں ہو سکتی۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ تمہیں قیامت کے آنے پر اس لئے وثوق پیدا نہیں ہوتا کہ تم اسے ایک ناممکن یا مشکل کام سمجھتے ہو۔ تمہارے اندازے تمہاری اپنی ذات یا اپنے ماحول کی پیداوار ہیں۔ اس لئے تم کسی نہ کسی حد تک اس میں حق بجانب بھی ہو۔ لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کے صحیح علم اور اس کی بے کراں قدرت کا استحضار پیدا کر سکو تو پھر تمہیں اس میں اشکال نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے پروردگار نے فرمایا کہ تمہارا دوبارہ زندہ کیا جانا اور میدانِ حشر میں تمہارا جمع کیا جانا اور پھر تمہیں تمہارے اعمال کی تفصیل کے بارے میں بتانا یہ تمہارے لئے مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی مشکل نہیں، بہت آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے باخبر ہے۔ ۸)

تنبیہ کے انداز میں دعوت

جب دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی اور انسانی تاریخ سے بھی اس کی صداقت مبرہن ہو گئی تو پھر اگر تمہیں اپنے تباہی منظور نہیں اور اپنی عاقبت کو برباد نہیں کرنا چاہتے تو پھر اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔ نور سے مراد ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کیلئے نازل فرمایا۔ نور کی صفت یہ ہے کہ وہ خود روشن ہوتا ہے اور گرد و پیش کی تمام چیزوں کو نمایاں کر دیتا ہے جو پہلے تاریکی میں چھپی ہوئی تھیں۔ اسی طرح قرآنِ کریم ایک ایسا چراغ ہے جس کا روشن ہونا یعنی برحق ہونا بجائے خود روشن ہے۔ اس کے الفاظ، اس کے معنی، اس کے الفاظ کا دروبست، اس میں دیئے ہوئے نظامِ زندگی کا اختلاف سے پاک ہونا، بجائے خود اپنے روشن ہونے کی دلیل ہے، لیکن جو اس کی روشنی سے دل کو روشن کرنا چاہے، علم و عقل کو منور کرنا چاہے، فکر و عمل کی بے شمار پر پیچ راہوں کے درمیان حق کی سیدھی راہ دیکھنا چاہے تو قرآنِ کریم کی تعلیمات اور اس کی رہنمائی اس کیلئے کافی ہے۔

Marfat.com

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اور جس طرح سے قرآنِ کریم کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے پر تلے ہوئے ہو اور جس طرح تم گرد و پیش میں سازشوں کے جال بن رہے ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف ہے۔ یہ سب کچھ ایک دن تمہارے سامنے آ کے رہے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٠

(اس دن کو یاد رکھو جب اللہ تم کو جمع کرے گا، جمع ہونے کے دن، وہی ہے ہار جیت کا دن، جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور جس نے صالح عمل کئے اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں جھاڑ دے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے بڑی کامیابی۔ ۹) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخ والے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ۱۰)

مخالفین کو تنبیہ اور اصحابِ ایمان پر انعامات

مخالفین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم اسی خود فریبی میں نہ رہنا کہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور قیامت کا وقوع خلافِ عقل ہے اس لئے اس کے آنے کا کوئی امکان نہیں۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ اس دن کو برابر یاد رکھو جس دن تمہیں از سرِ نو زندہ کر کے اللہ تعالیٰ اس دن کیلئے اٹھائے گا جو لوگوں کے جمع کئے جانے اور ان کے اجتماع کا دن ہے۔ تمہاری عقلیں اسے چاہے کتنا بھی مستبعد از عقل سمجھیں لیکن یہ ایک ایسی مُسلّم حقیقت ہے کہ جس کی گواہی تمام نبیوں اور رسولوں نے دی۔ تمام آسمانی صحیفے اس پر زور دیتے رہے اور جس پر دلائل انفس و آفاق پوری طرح قائم اور دلالت کر رہے ہیں اور جس کا واقع ہونا اس دنیا کے بامقصد اور باغایت ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اور قرآنِ کریم نے بھی بار بار اس پر زور دیا ہے اور قیامت میں چونکہ تمام نسلیں جواب دہی کیلئے ایک ہی میدان میں جمع کی جائیں گی اور یہی قیامت لانے کا اصل مقصد ہے، اس لئے اس کو یوم الجمع اور یوم التغابن قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ دونوں قیامت کے نام ہیں۔ قرآنِ کریم نے دوسرے مقامات پر بھی اس تصور کو نمایاں کیا ہے۔ ارشاد ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۗ (ھود۱۱: آیت ۱۰۳) ''وہ دن ہے جس کیلئے لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہوگا۔'' دوسری جگہ فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ، لَمَجْمُوْعُوْنَ ۰ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ ۵۶: ۴۹۔۵۰) ''کہہ دیجئے! تمام اگلے اور پچھلے ایک معین دن کے وقتِ مقرر پر حاضر کئے جائیں گے۔''

Marfat.com

قیامت کا دوسرا نام یوم التغابن ہے۔یعنی تغابن کا دن۔مالی نقصان اور خسارے کو بھی غبن کہا جاتا ہے اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی۔علامہ راغب اصفہانی نے اختصار کے ساتھ بڑی جامع اور واضح تشریح کی ہے۔ الغبن ان يبخس صاحبک فی معاملة بينک و بينه بضرب من الاخفاء (مفردات) "یعنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کو باہمی معاملہ میں نقصان پہنچانے کو غبن کہتے ہیں۔اگر یہ نقصان مالی ہو تو یہ لفظ بصیغہ مجہول غُبِنَ فُلَانٌ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ استعمال کیا جاتا ہے۔اور اگر یہ نقصان اس کی رائے اور فہم میں ہو تو اسے بَابِ سَمِعَ سے غَبِنَ استعمال کیا جاتا ہے۔قیامت کو یوم التغابن کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عمر بھر جس فانی کاروبار میں لوگ ہمہ تن مصروف رہے اس کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آ جائیں گے اور انہیں علم ہو جائے گا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نعیم جنت سے محروم کیا اور نفس و شیطان کی پیروی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنایا۔بعض مفسرین کا خیال ہے کہ تغابن بابِ تفاعل سے ہے۔اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے۔اس لئے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہلِ جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیئے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنایا۔اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دے دیئے جائیں گے جو راہِ راست پر گامزن ہونے کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے نجات پا گئے۔گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے،اہلِ جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کیلئے جو ایوان آراستہ کئے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔اس روز دوزخی باآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔اس لئے جن لوگوں نے اس کا ترجمہ ہار جیت کا دن کیا ہے انہوں نے اس کی صحیح روح کے مطابق کیا ہے۔پھر ان مفسرین نے اس کی تائید میں بخاری شریف کی روایت بھی نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا،اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے۔اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔

پھر قرآنِ کریم نے تغابن یعنی ہار جیت کا اصل میدان آخرت کو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس میں خوش نصیب لوگ وہ ہوں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے،تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کی برائیوں کے اثرات کو مٹا دے گا اور ان کو پاک صاف کر کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی۔اور پھر یہ چند روزہ قیام نہیں ہوگا بلکہ یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔تو انہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز اور اپنی صلاحیتوں اور اپنی ذہنی اور قلبی رعنائیوں کو جس تجارت میں لگایا اس کا یہ صلہ ہے اور یہ ان کو جو کچھ ملا ہے یہ درحقیقت وہ بہت بڑی جیت اور بہت بڑی کامیابی ہے،لیکن اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنا سب کچھ دنیا طلبی میں لگا دیا۔تلاشِ زر میں دیوانے بنے رہے،حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز کھو بیٹھے،نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نہ اس کے رسول پر،بلکہ اللہ تعالیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی۔یہ لوگ ہیں جو زندگی کی تجارت میں ہار گئے اور یہ لوگ ہیں آگ والے یعنی دوزخ میں پڑیں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔اور یہ نہایت برا ٹھکانہ ہے۔

Marfat.com

درحقیقت جن لوگوں نے دنیا ہی کو ہار جیت کا میدان سمجھ رکھا ہے اگر وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جو دنیا میں حاصلِ زندگی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بازی جیت لی۔ اور جو یہ چیزیں حاصل نہیں کر پائے وہ گویا بازی ہار گئے۔ بس یہی وہ خرابی کی بنیاد ہے جس سے افراد اور قومیں دونوں تباہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے دارالانعام نہیں۔ دارالانعام آخرت ہے۔ آخرت میں وہ لوگ جیتیں گے جو اس دنیا میں ایمان واعمالِ صالح کی زندگی گزاریں گے۔ اگرچہ اس دنیا کی متاع میں سے انہیں کوئی چیز بھی حاصل نہ ہوئی۔ اور وہ لوگ وہاں بالکل محروم ونامراد ہوں گے جو ایمان واعمالِ صالح سے تہی دامن رہے، اگرچہ انہیں دنیا میں قارون کے خزانے بھی حاصل رہے ہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ
فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا
خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾
اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (کوئی مصیبت کبھی نہیں پہنچتی، مگر اللہ کے اِذن سے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی رہنمائی فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۱۱) اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسول پر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ ۱۲) اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ۱۳) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، تو ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ غفور رحیم ہے۔ ۱۴) بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجرِ عظیم ہے۔ ۱۵) پس اللہ سے ڈرتے رہو جتنی تمہاری استطاعت ہے، اور سنو اور مانو، اور اس کی راہ میں خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور جنہیں نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ ۱۶) اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدر دان اور بہت حلم والا ہے۔ ۱۷) جاننے والا ہے غائب و حاضر کا، سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ ۱۸)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ⑪

(کوئی مصیبت کبھی نہیں پہنچتی، مگر اللہ کے اِذن سے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی رہنمائی فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۱۱)

مصائب میں مسلمانوں کیلئے راہِ ہدایت

یوں تو کسی بھی بڑے مقصد اور کسی بھی صداقت کیلئے اقدام کرنے والا مصائب سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی بڑا کام محنت اور مشقت اٹھائے بغیر اور موانع کا سامنا کئے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ بالخصوص جن حالات میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس وقت مسلمان سخت مصائب سے دوچار تھے۔ بعض مسلمانوں کے سامنے ہجرت کا سفر درپیش تھا۔ اور جو لوگ مدینے پہنچ چکے تھے انصار کیلئے انہیں سہارا دینا ایک مشکل کام ہو رہا تھا۔ اور چاروں طرف سے دشمنوں کی مہربانیوں سے حالات مزید بگاڑ کا شکار ہو رہے تھے۔ ایسے حالات میں مصائب کو دیکھ کر طبیعتوں کا ہراساں ہونا چنداں قابلِ تعجب نہیں۔ اور اس پر مزید ستم یہ کہ جو لوگ اسلام کی طرف بڑھ رہے تھے وہ ان مصائب کو دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب جاتے تھے۔ پروردگار نے ان تمام اندیشوں کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ اصحابِ ایمان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کوئی مصیبت از خود کسی پر نہیں جھپٹتی بلکہ جب بھی کسی شخص کو کسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا اِذن اور اس کی اجازت کارفرما ہوتی ہے۔ راحت ملتی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، اور مصیبت آتی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ محبوب کی جانب سے پتھر بھی آئے تو اسے عشاق پھول سمجھتے ہیں۔ اس طرح جو مصیبت اللہ تعالیٰ کے اِذن سے آئے گی وہ مومن کیلئے مصیبت نہیں بلکہ کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔ اور مزید یہ بات کہ ایک مومن کو اس بات کا اطمینان رکھنا چاہئے کہ اگر آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی تعمیل میں آ رہی ہے تو وہ یقیناً ایسی نہیں ہو سکتی جو اس کی قوتِ برداشت سے زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بندوں کی قوتِ برداشت سے اور کون واقف ہے۔ وہ ایک ایک کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ جب اس کا کوئی بندہ اس کی خاطر مصائب میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ ان مصائب کو کبھی ناقابلِ برداشت نہیں ہونے دیتا اور وہ برابر اس کے حوصلے کی مدد کرتا ہے۔

Marfat.com

مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور اس کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشیں ہمیشہ مومن کی بھلائی کیلئے ہوتی ہیں۔ تو اسے یقین رکھنا چاہئے کہ اسے کوئی مصیبت پست حوصلہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ اس کی کسی نہ کسی ذریعے سے مدد فرمائے گا۔ ہوسکتا ہے روح القدس کے ذریعے اس کے دل کی رہنمائی فرمائے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ تو جو بندہ اس کی خاطر مصائب میں مبتلا ہوا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان مصائب کو بھی جانتا ہے اور اپنے بندے کی قوتِ برداشت کو بھی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے بندے کی مدد نہ فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک بندۂ مومن کا یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال سے باخبر ہے اور میں اس کی بندگی اور اطاعت میں اگر کوئی کمی نہیں کروں گا اور ہر کام اس کی خوشنودی کے حصول کیلئے کروں گا تو وہ مجھے کبھی بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔ تو یہ تصور اور یقین ایک ایسی دولت ہے جو اسے بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی بے حوصلہ نہیں ہونے دیتی۔ اس کے برعکس جو لوگ مصائب کو اتفاقات کا نتیجہ سمجھتے ہیں یا انسانوں کو اس کا سبب سمجھتے ہیں یا ان کے کچھ خیالی سہارے ہیں جن کو وہ مؤثر مانتے ہیں تو ایسے لوگ کبھی مصائب کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ یا تو وہ حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں یا ہر آستانے پر جھک جاتے ہیں۔ اور ان کے زندگی بھر کے اعتقادات بھی ان کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض دفعہ خودکشی کر جاتے ہیں۔ اس لئے ایمان باللہ اور یہ یقین کہ ہر مصیبت اس ذات کے اذن سے آتی ہے جو اس کائنات کا مالک و فرماں روا ہے۔ وہ ٹل سکتی ہے تو اسی کے حکم سے۔ اس لئے مجھے دستِ سوال دراز کرنا ہے تو اس کے سامنے، امیدیں باندھنی ہیں تو اسی سے۔ تو ایسا شخص کبھی بے حوصلہ نہیں ہوتا اور کبھی اپنے ایمان سے محروم نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اللہ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی کرتا ہے، وہ اچھا ہی ہوتا ہے، مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کیلئے اچھا ہوتا ہے، خوشحالی میسر آئے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کیلئے اچھا ہی ہوتا ہے، یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

(اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسول پر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ ۱۲)

حالات کچھ بھی ہوں محض اندیشوں میں مبتلا ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ نہ پھیرو، اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت پر قائم رہو۔ جس طرح آدمی جیتے جی کھانا پینا نہیں چھوڑتا، سانس لینا نہیں چھوڑتا اور زندگی کے لوازمات میں سے کسی لازم کو ترک نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت دراصل وہ حقیقی زندگی ہے جس سے کسی صورت میں بھی ترکِ تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم نے اطاعت کی روش چھوڑ دی تو اپنا ہی نقصان کرو گے، ہمارے رسول پر تو صرف یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک تم تک پہنچا دے۔ یہ فرض اس نے ادا کر دیا۔ اب تمہاری اپنی ذمہ داری تمہارے اپنے سر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے تمہارے ایمان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ تم اپنی ہر بات کیلئے خود جوابدہی کرو گے۔

Marfat.com

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

(اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ۱۳)

اس کائنات کا معبود بھی وہی ہے اور حاکمِ حقیقی بھی۔ کائنات کا کوئی گوشہ اس کی حاکمیت سے باہر نہیں۔ مخلوق کو زندگی اسی سے مل رہی ہے اور فیضان بھی اسی کی ربوبیت کا جاری ہے۔ وہی ہر طرح کی قسمتیں بناتا ہے اور وہی راحت وغم سے دوچار کرتا ہے۔ اسی کی قدرت ہے جو اس کی ہر مخلوق پر حاوی ہے۔ یہ وہ اعتقادات ہیں جو ایمان باللہ کے لازمی عناصر ہیں۔ اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اس کے دل میں یہ کبھی خیال بھی نہیں آسکتا کہ میں کسی بڑی سے بڑی مصیبت سے دوچار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگ سکتا ہوں۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے اور اپنے حالات میں تبدیلی کیلئے اسی پر بھروسہ رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو اس آیتِ کریمہ میں فرمائی جارہی ہے کہ مسلمان چونکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اپنا سب کچھ اسی کو سمجھتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ ہی پر توکل اور بھروسہ کریں۔ کیونکہ یہی ان کے ایمان کا تقاضا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، تو ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ غفور ورحیم ہے۔ ۱۴)

ایک بڑی آزمائش سے آگاہی

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ کو ایسے حالات درپیش تھے کہ انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور بچوں نے منت سماجت یا رودھو کر انہیں ارادے کی تکمیل سے روک دیا۔ ایک صحابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جب جہاد کیلئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو ان کی بیوی اور ان کے بچے رونا شروع کر دیتے کہ آپ ہمیں کس کے سہارے پر چھوڑے جارہے ہو۔ ایسے ہی اور بھی واقعات ہو سکتے ہیں کہ حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر کوئی صحابی بڑی مالی قربانی پیش کرنا چاہتے، لیکن اہلِ خانہ اس کیلئے تیار نہیں۔ اور ہر طریقے سے انہیں روکنے کی کوشش کرتے۔ اس صورتحال کا تعلق تو دورِ نبوت اور دورِ صحابہ سے ہے۔ لیکن یہ عارضہ وقتی نہیں بلکہ یہ ایک ایسی قباحت ہے جس کا اظہار ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ میاں بیوی میں مقصدی اور عملی اعتبار سے کامل موافقت یا والدین اور اولاد میں ذہنی اور عملی ہم آہنگی بہت کم ہوتی ہے۔ اور جب سے نئی تعلیم اور ذرائع ابلاغ نے سیرت و کردار کی تعمیر میں براہِ راست اپنا رول ادا کرنا شروع کیا ہے اس کے بعد سے تو گھروں میں بھی یہ آگ پھیل گئی ہے۔ شوہر اگر دینی فرائض کی تعمیل کرنا اور اپنی زندگی کو مکمل طور پر دینی تقاضوں کے مطابق گزارنا چاہتا ہے تو کبھی بیوی پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے اور کبھی اولاد مزاحم ہو جاتی ہے اور کبھی معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ گھر کا سربراہ غیر اسلامی زندگی کا رسیا ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بیوی کو ہدایت دے دی ہے یا بچے کسی اچھی صحبت سے فیض پا گئے ہیں تو مستقل ناموافقت اس گھر کا مقدر بن جاتی ہے۔ ٹی وی کے پروگراموں پر اختلاف، تقریبات میں شرکت پر اختلاف، بچوں کی تعلیم پر اختلاف، گھر کے ماحول کو بنانے سنوارنے میں

Marfat.com

اختلاف، عزیزوں سے تعلقات کے حوالے سے اختلاف۔ غرضیکہ بیسیوں قسمیں ہیں اختلافات کی جو گھروں میں جنم لے چکی ہیں۔ اور یہ سب شاخسانہ ہے اس بات کا کہ دینی اعتبار سے میاں بیوی اور بچوں میں ہم آہنگی نہیں، ہم خیالی نہیں اور یکسوئی نہیں۔ ایسی ہی صورتحال کے حوالے سے پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔ یعنی ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان کی سوچ اور عمل میں یکسانی نہ ہو۔ بہت سے گھرانے ایسے ہیں جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر اختلافات کی نوعیت ایسی ہو جس کی طرف قرآن کریم اشارہ کر رہا ہے تو پھر ارشاد فرمایا گیا کہ تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد جن سے تمہیں فطری طور پر محبت ہونی چاہئے عقیدے اور خیالات میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے تمہاری دشمن ہیں۔ اب ان سے معاملہ محبت کا نہیں بلکہ دشمنی کا ہونا چاہئے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سے ہوشیار رہو اور بچ کر رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی محبت تمہیں بدی کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جائے یا ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے میں مانع ہو، یا کہیں خدانخواستہ ان کی ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہوں، یا بگڑے ہوئے عمال کے ساتھ۔ اور وہ تمہاری دینی مصروفیات جو مختلف قسم کی نزاکتوں کی حامل ہوں، اسلام کے دشمنوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اس لئے ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ان کی دنیا بنانے کیلئے اپنی عاقبت تباہ نہ کر لینا، اور ان کی محبت کو کبھی اپنے دل میں اس حد تک نہ بڑھنے دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے ساتھ تمہارے تعلق اور اسلام کے ساتھ تمہاری وفاداری میں حائل ہو جائیں۔

آیت کے آخر میں ان سے بچ کے رہنے کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ تمہارے لئے یہ تو ضروری ہے کہ تم ان سے ہوشیار رہو اور اپنے دین کو ان سے بچانے کی فکر کرو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم ان سے قطع تعلق کر لو۔ بلکہ جس حد تک گنجائش ہو، عفو و درگزر اور چشم پوشی سے کام لو۔ اور یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے کہ وہ تمہاری کوتاہیوں سے بھی درگزر فرمائے گا اور ان کی کمزوریوں کو بھی معاف فرمادے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسا شخص جو اس صورتحال سے دوچار ہے وہ اپنے آپ کو کسی فتنہ میں پڑنے سے تو بچائے اور اپنے قول و عمل سے اپنے اہل و عیال کی کمزوری کی اصلاح کی کوشش بھی کرے۔ لیکن جب تک کفر و ایمان کا کوئی سوال پیدا نہ ہو، اس وقت تک ان سے قطع تعلق نہ کرے بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ گویا ان کے ساتھ زندگی تو گزارے لیکن گھل مل کر نہیں بلکہ بچ بچا کر، اس طرح سے خود بھی محفوظ رہے گا اور ان کو بھی اپنی حد سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

(بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجرِ عظیم ہے۔ ۱۵)

گزشتہ مضمون کی وضاحت

یہ گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت ہے۔ انسان دنیا میں جن چیزوں سے انتہائی محبت کرتا ہے ان میں خوبصورت بیوی کے علاوہ مال اور اولاد بھی ہے۔ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش بنایا ہے۔ وہ یہ امتحان کرنا چاہتا ہے کہ ایک مومن مال اور اولاد کی محبت میں پھنس کر کیا خدا اور رسول کو بھول تو نہیں جاتا اور ان کے احکام کیا ان کی فرمائشوں اور خواہشوں کے نیچے دب تو نہیں جاتے۔ مومنوں کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ'' اور محبت ہمیشہ آزمائی جاتی ہے اس لئے

Marfat.com

مال اور اولاد کی محبت کو آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ انسان ان دونوں کی محبت میں صراطِ مستقیم سے پھسلتا ہے۔اس کی ترجیحات بدل جاتی ہیں، وہ بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات کی خوشنودی، اس کے رسول کی اطاعت اور اس کے دین کے فروغ کو ترجیح بنانے کے مال کو بڑھانے اور اولاد کے بہتر مستقبل کیلئے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنے میں لگ جاتا ہے چاہے اس کیلئے اسے شریعت کے احکام کو نظر انداز کرنا پڑے۔اولاد کی محبت کی شدت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے اولاد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ بخیل بنانے والے ہیں اور یہ بزدل بنانے والے ہیں۔ کیونکہ مال اور اولاد کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے سے روکتا ہے۔اسی طرح جب تک وہ تنہا ہوتا ہے تو موت سے کھیلنا اس کیلئے کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔لیکن جب وہ صاحبِ اولاد ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے بچوں کیلئے زندہ رہنا چاہتا ہے اور بزدل ہو جاتا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا۔اس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے اَكَلَ عَيَالُهٗ حَسَنَاتِهٖ ''یعنی اس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھالیا۔'' بعض سلف صالحین کا قول ہے اَلْعَيَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ ''عیال انسان کی نیکیوں کیلئے گھن ہے۔'' اولاد ایک نیک آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے گھن غلہ کو کھا جاتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾

(پس اللہ سے ڈرتے رہو جتنی تمہاری استطاعت ہے، اور سنو اور مانو، اور اس کی راہ میں خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور جنہیں نفس کے بخل سے بچالیا گیا تو یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ ۱۶)

مال واولاد کی آزمائش میں سرخرو ہونے کا طریقہ

مال اور اولاد کی آزمائش میں سرخرو ہونے کیلئے طریقہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اس پر عمل کرو تو اللہ تعالیٰ اس آزمائش میں کامیابی سے گزرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس سے اس حد تک ڈرتے رہو جتنی تم میں طاقت ہے۔یعنی جتنا تمہارے امکان میں ہے۔پروردگار نے سورۃ آلِ عمران میں حکم دیا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔اور سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ''اللہ کسی متنفس کو اس کی استطاعت سے زیادہ کا مکلف قرار نہیں دیتا۔'' اور یہاں فرمایا جارہا ہے کہ جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔تینوں آیتوں میں تطبیق کیلئے مفسرین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں ہمارے سامنے وہ معیار رکھ دیا گیا ہے جس تک پہنچنے کی ہر مومن کو کوشش کرنی چاہئے۔دوسری آیت میں نجات کیلئے ضروری پیمانے کا ذکر کر دیا گیا ہے۔اور تیسری آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ ہر مومن کو اپنی حد تک تقویٰ کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہئے۔جہاں تک بھی اس کیلئے ممکن ہو اسے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

Marfat.com

بعض دیگر مفسرین نے توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس آیت میں درحقیقت ابرار اور مقربین کے تقویٰ میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ابرار کی حالت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور پہلی آیت میں مقربین کے احوال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے وجودِ مجازی سے کلیۃً دستکش ہو جاتے ہیں اور یہی تقویٰ کا منتہائے کمال ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس توجیہ میں بھی بنیاد استطاعت ہی کو بنایا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ ابرار اور مقربین کی استطاعت میں باہمی فرق ہوتا ہے۔ اس لئے مقربین سے جس تقویٰ کا مطالبہ کیا گیا ہے استطاعت کے فرق کی وجہ سے عام نیک لوگوں سے اس کا مطالبہ نہیں کیا گیا بلکہ وہ اپنی استطاعت اور ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو ان پر قابو نہیں پانے دے گا اور نہ مال و اولاد کی محبت ان پر غالب آ کر انہیں راہِ مستقیم سے ہٹا سکے گی۔ لیکن اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ ان آیات میں سب سے بہتر توجیہ وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں فرمایا گیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے اور ان پر یہ بات بہت شاق گزری، کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے حق کے مطابق تقویٰ کس کے بس میں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ تقویٰ بھی اپنی طاقت کے مطابق واجب ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کر دے گا تو امید کرنی چاہئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا ہو جائے گا۔

مال و اولاد کی آزمائش سے بچنے کیلئے مزید یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سنو اور مانو۔ اور اللہ کی راہ میں جس انفاق کا حکم دیا جا رہا ہے اس پر لبیک کہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تمہارے نفس کو اللہ اور اس کے رسول کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر یہ عادت محبت میں تبدیل ہو جائے گی تو پھر مال اور اولاد کی محبت تم پر حملہ آور نہیں ہو سکے گی۔ اسی طرح مال کی محبت کو کم کرنے کیلئے بالخصوص یہ ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی عادت ڈالو۔ جب بھی محسوس کرو کہ دل میں مال کی محبت پیدا ہو رہی ہے اور اس کو خرچ کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے اور جمع کرنے کی لگن لگی رہتی ہے تو اس کے ازالے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا شروع کر دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ یہاں خَیْرًا "یَکُوْنُ" مقدر کی خبر ہے۔ یعنی ایسا کرنا تمہارے نفسوں کی اصلاح کیلئے بہتر ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو شخص نفس کے بخل سے بچا لیا گیا وہ کامیاب ہے۔ "شُحّ" کے معنی بخل اور حرص کے ہیں اور نفس کی طرف اس کی اضافت یہ بتانے کیلئے ہے کہ نفسِ انسانی جن داعیات سے مرکب ہے اس میں اس کا بھی ایک مقام ہے۔ اس لئے یہ برابر انسان کی سیرت کی تعمیر یا بگاڑ میں اپنا رول ادا کرتا رہتا ہے۔ جب تک اس کو کنٹرول نہ کیا جائے اس وقت تک مال کی محبت اپنا اثر پیدا کرنے سے باز نہیں آتی۔ اگر یہ بخل نفس پر غالب آ جائے تو اس کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کو قابو کر لیا جائے اور اس بات کا خوگر بنا لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے اس کو ایک سکون ملے اور اس کے اندر یہ یقین کبھی کم نہ ہونے پائے کہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ تو پھر یہی مال انسان کی کامیابی کا راستہ بن جاتا ہے۔ اور کتنے مواقع ہیں جہاں اس مال کے خرچ کرنے سے بڑے سے بڑے مرتبے کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

(اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدر دان اور بہت حلم والا ہے۔ ۱۷) جاننے والا ہے غائب و حاضر کا، سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ ۱۸)

قرضِ حسن کی فضیلت

اوپر کی آیت میں مال کے خرچ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہاں اسی خرچ کی ایک شاخ جس کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں جس انفاق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ہر قسم کے انفاق سے ہے۔ خواہ اس کا تعلق صدقات و زکوٰۃ سے ہو یا جہاد سے۔ لیکن اس آیت میں خاص طور پر جہاد کیلئے انفاق کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم میں قرض کا لفظ عام طور پر جہاد ہی میں انفاق کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ المزمل میں ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا "اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض۔" اس آیت میں زکوٰۃ کے بعد قرضِ حسن کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد وہ انفاق ہے جو جہاد کیلئے ہوتا ہے اور خاص طور پر جس کیلئے اپیل کی جاتی ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ عام انفاق کیلئے بھی ترغیب کے انداز میں اس لفظ کا استعمال قرآنِ کریم نے کیا ہے۔ لیکن زیادہ تر جہاد کیلئے اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔

یہاں قرض کو قرضِ حسن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرضِ حسن سے مراد وہ انفاق ہے جو حلال اور طیب مال میں سے کیا جائے۔ اور خوشدلی اور دل کے انشرح کے ساتھ اور فیاضی سے دیا جائے اور اپنی ضرورت کو اس ضرورت پر قربان کر دیا جائے۔ جس قرض کے اندر یہ خوبیاں ہوں گی اسے قرضِ حسن کہا جائے گا۔ ایسے قرض پر اللہ تعالیٰ نے یہ نوید سنائی ہے کہ وہ اسے بڑھا دے گا اور بڑھانے سے مراد صرف یہ نہیں کہ اسے دُونا کر دے گا بلکہ اس سے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً یعنی کئی گنا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی قرض بے شمار اجر و ثواب کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی بخشش بھی نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے قرض کو بڑی قدر دانی کے ساتھ قبول فرماتا ہے۔ یعنی چاہے دیکھنے کو وہ معمولی انفاق ہو۔ لیکن اگر اس کے پیچھے انفاقِ حسن کی روح پائی جاتی ہے، یعنی مکمل اخلاص، فدائیت اور محبت کارفرما ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ بہت وقیع سمجھا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جنگِ تبوک کے سلسلے میں جب حضور ﷺ نے اپیل فرمائی تو ایک شخص کھجوروں کی ایک پوٹلی لے کر آیا۔ آپ نے نہایت خوشی سے قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد کے صحن میں لوگوں کے صدقات کا جو ڈھیر لگا ہوا ہے ان کھجوروں کو اس پر بکھیر دیا جائے۔ اس کی برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے گا۔

اس انفاق کو قرض کہنے کی شاید وجہ یہ بھی ہے کہ قرض لینے والے پر قرض کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور جو نذرانہ پیش کیا جاتا ہے دینے والا تو اسے یہ سمجھ کے دیتا ہے کہ اگر اسے قبول کر لیا جائے تو میری لئے بہت بڑا اعزاز ہوگا۔ لیکن یہ لفظ استعمال کر کے یہ تصور دیا گیا کہ لینے والا چونکہ بہت قدر دان بھی ہے اور حلیم بھی۔ اس لئے وہ نہایت فیاضانہ معاملہ کرتے ہوئے اس کو نہ صرف عزت بخشے گا اور اسے واپس کرے گا بلکہ دینے والے نے جس مقدار میں دیا ہے اس میں بہت اضافہ کر کے واپس کرے گا۔ کیونکہ اس کیلئے مال میں اضافہ کر دینا کوئی

Marfat.com

مشکل نہیں۔وہ کائنات کے خزانوں کا مالک ہے اس کے خزانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں، اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ یہ تم سے قرض لینے کا مقصد تو صرف یہ ہے تا کہ تم آخرت میں اسے ۷۰ گنا تک وصول کرو۔اور تمہارے لئے بیش از بیش اجر وثواب کا ذریعہ بنے۔یہود پر خدا کی لعنت، کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا ہم سے قرض مانگنا شاید اس لئے ہے کہ وہ فقیر ہو گیا ہے اور ہم غنی ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ ہم فقیروں سے جو کچھ لیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے۔اور پھر اس کو آخرت میں بڑھا چڑھا کر ہمیں لوٹائے گا تا کہ ہمارے لئے درجات کا ذریعہ بنے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ وہ غائب وحاضر ہر چیز کا جاننے والا ہے، اس کے راستے میں جو قربانی بھی کی جائے گی اور دلوں میں جذبات پالے جائیں گے اس سے کچھ بھی مخفی نہیں، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔اور مزید یہ کہ وہ عزیز بھی ہے، کوئی کمزور ہستی نہیں کہ تم اس کا ساتھ نہ دو تو اس کے غلبہ میں کمی آجائے گی، بلکہ اس کا ساتھ دینے والا اپنے لئے طاقت اور عظمت کا ایک حوالہ تلاش کر لیتا ہے جس سے وہ ہمیشہ عظیم ہو جاتا ہے۔اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔وہ آج جن لوگوں سے قرض لے رہا ہے اس میں بھی حکمت ہے۔اور کل یہی لوگ اس ملک کے خزانوں کے مالک ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا علم ان ہی کے ہاتھوں میں ہوگا۔تب معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں نے اگر آج کے حکمرانوں کو انفاق نہ سکھایا ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ان میں نہ پیدا کیا ہوتا تو ان کی حکومت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ کبھی نہ بنتی۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ

(٦٥)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ الطَّلاَق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الطَّلاَق ہے اور یہ اس کے مضمون کا عنوان بھی ہے۔کیونکہ اس میں طلاق ہی کے احکام بیان ہوئے ہیں۔اس میں ۲رکوع ۱۲ آیتیں ۲۴۹ کلمے اور ۱۰۶۰ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول:۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔احکام کے اعتبار سے اس میں اور سورۃ النساء میں بڑی مماثلت ہے اس لئے اسے چھوٹی سورۃ النساء کہا جاتا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود کی صراحت کے مطابق اس کا نزول سورۃ البقرۃ کی ان آیات کے بعد ہوا جن میں طلاق کے احکام پہلی مرتبہ بیان کئے گئے تھے۔یہ تعین کرنا تو مشکل ہے کہ اس کے کتنا عرصہ بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔لیکن یہ بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ جب سورۃ البقرۃ کے احکام سمجھنے میں لوگوں سے غلطیاں ہوئیں یا عائلی زندگی کے متعلق کئی ایسے مسائل پیدا ہو گئے جن کے جوابات مطلوب تھے اور بعض احکامات کے بارے میں وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی، تو تب پروردگار نے یہ سورۃ نازل کی۔

عہدِ جاہلیت کا عرب معاشرہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ ان کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس بگاڑ سے محفوظ نہیں رہا تھا۔حتیٰ کہ ان کی خانگی زندگی بھی مختلف رسم و رواج اور غلط طور اطوار کی وجہ سے مختلف قسم کے مسائل کا شکار تھی۔اسلام نے جب اس کی اصلاح کیلئے احکامات دینا شروع کئے تو ایسا نہیں کیا کہ ان کے معاشرتی نظام کو بالکل ادھیڑ کے رکھ دیا جاتا بلکہ اس کی اصلاح کیلئے تدریجی احکامات دیئے۔ان میں سے بعض اصلاحات کیلئے احکام سورۃ البقرۃ میں آئے،بعض سورۃ النساء میں اور بعض کا ذکر سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا۔

پیشِ نظر سورۃ میں چونکہ ان میں سے بعض احکام کی وضاحت ہے اور بعض نئے احکام دیئے گئے ہیں۔اس لئے جب تک مختلف سورتوں میں نازل کردہ احکام کی تفصیل سامنے نہ ہو تو اس سورۃ سے فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔

عرب معاشرے میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔شوہر اپنی بیوی کو ان گنت طلاقیں دے دیتا تھا اور پھر عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا تھا۔اس سے عورت کی زندگی اس کیلئے عذاب بن گئی تھی۔چنانچہ سب سے پہلی جو اصلاح کی گئی وہ یہ تھی کہ طلاق کی ایک تعداد مقرر کی گئی اور رجوع کا طریقہ بتایا گیا۔چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۹ میں حکم نازل کیا گیا کہ شوہر زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، دو کے بعد رجوع کر سکتا لیکن تین طلاقوں کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔دو طلاقوں تک اسے اختیار ہے کہ یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ میں مدخولہ کی عدت بتادی کہ تین حیض ہیں۔اس آیت میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ رجعی طلاق کی صورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے۔اور تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

Marfat.com

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۰ میں طلاقِ مغلظہ کی صورت میں دوبارہ نکاح کا حکم بیان کردیا۔ اور اسی سورۃ کی آیت ۲۳۴ میں اس عورت کی عدت بتادی جس کا خاوند فوت ہوجائے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۹ میں یہ حکم نازل فرمایا گیا کہ اگر نگاہ کے بعد دخول سے پہلے طلاق واقع ہوجائے تو پھر مطلقہ کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اسی وقت نکاح کرسکتی ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۴ میں ان عورتوں کی عدت بیان فرمائی گئی جن کے شوہر انتقال کرجائیں۔

ان احکامات میں سے سورۃ الطلاق میں کسی حکم یا قاعدے کو منسوخ نہیں کیا گیا اور نہ اس میں ترمیم کی گئی۔ البتہ بعض احکام کی وضاحت کی گئی۔ اور احکام پر عمل کرنے کے ایسے حکیمانہ طریقے بتائے گئے ہیں جو منشائے الٰہی کے بھی مطابق ہیں اور عائلی زندگی کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے میں مددگار ہیں۔ اور شوہر پر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ طلاق کی اجازت اسلام نے صرف ناگزیر حالات میں دی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سخت ناپسند فرماتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جواز دواجی تعلق قائم ہوچکا ہو وہ پھر کبھی ٹوٹ جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ماأحل اللّٰه شيئاً ابغض اليه من الطلاق ''اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو طلاق سے بڑھ کر اسے ناپسند ہو''

سورۃ البقرۃ اور بعض دوسری سورتوں میں نکاح و طلاق کے بارے میں جو احکام بیان کئے گئے تھے ان میں بعض کی وضاحت کی گئی اور بعض کو تکمیلی شان عطا کی گئی۔ مثلاً پہلے اس مطلقہ مدخولہ کی عدت بیان کی گئی تھی جسے حیض آتا ہو۔ اس سورۃ میں ان مدخولہ عورتوں کی عدت بیان کی جارہی ہے جنہیں حیض آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو یا عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئی ہوں جب حیض کا آنا بند ہوجاتا ہے۔

حاملہ عورت کو اگر خاوند طلاق دے دے یا اس کا خاوند فوت ہوجائے تو اسے کتنی عدت گزارنی ہوگی، اس کی بھی اس سورۃ میں تصریح کی گئی ہے۔

مطلقہ جب عدت گزار رہی ہو تو اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ شیر خوار بچے کی رضاعت کا انتظام اور اس کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟ ان تمام مسائل کو یہاں تفصیلاً بیان فرمایا گیا ہے۔

اس سورۃ میں یوں تو نکاح و طلاق کے مسائل بیان کئے گئے ہیں جس کی حیثیت خالصتاً قوانین کی ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان قوانین کو نصیحت کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قانون اپنے نفاذ کیلئے ہمیشہ طاقت کا طالب ہوتا ہے اور اس سے سرتابی ہمیشہ موجب سزا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ان قوانین کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ جس میں ترغیب ترہیب پر غالب ہے۔ اور جنہیں پڑھ کر عمل کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور مزید یہ کہ ان قوانین پر عمل سے جہاں عائلی زندگی میں استواری اور توازن پیدا ہوتا ہے وہیں ان کی بجا آوری تقویٰ کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کا موجب بھی بیان کی گئی ہے۔ اور عمل کرنے والوں کو بعض بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔

دوسرے رکوع میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں ان کا انجام بہت دردناک ہوتا ہے۔ تاریخ میں اس کی مثالیں بکھری پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے رسول کے ذریعے بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں کھڑا کیا ہے۔ اگر اس روشنی کی وہ قدر کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازے گا۔ اور اگر انہوں نے اس کی ناقدری کی تو یاد رکھیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

Marfat.com

رُكُوْعَاتُهَا ۲	سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (٦٥)	اٰيَاتُهَا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا
الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا
يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ
عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ
مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ
شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ
ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ
الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ

Marfat.com

لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ
اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ
حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا
عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى
يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا
بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ ⑥
لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ
فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ
سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ⑦ ع

رکوع: ا۔ (اے نبی! (مسلمانوں سے کہیں) کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے حساب سے طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، بجز اس کے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تجھے کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔
ا) پس جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو یا انہیں بھلے طریقے سے اپنے نکاح میں روک رکھو اور یا بھلے طریقے سے انہیں جدا کر دو اور اپنے میں سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنالو۔ اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کیلئے ادا کرو، یہ نصیحت ان کو کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کیلئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دیتا ہے۔ ۲) اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا، اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا

Marfat.com

ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ارادے پورے کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ۳) اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان کا ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا۔ ۴) یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تو جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس سے اس کے گناہ دور کر دے گا، اور اس کے اجر کو بڑھا دے گا۔ ۵) اور انہیں سکونت دو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے مطابق اور ان کو ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کر دو اور گر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وہ اپنے حمل جن دیں، پس اگر وہ تمہارے لئے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کا معاوضہ دو، اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) مشورے سے طے کر لو، اور اگر تم آپس میں ضد کرو تو اس کیلئے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ ۶) چاہئے کہ کشادگی والا اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہے وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا، مگر اسی قدر جتنا اسے دیا ہے۔ بعید نہیں کہ اللہ تنگدستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمائے۔ ۷)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾

(اے نبی! (مسلمانوں سے کہیں) کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے حساب سے طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، بجز اس کے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تجھے کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔ ۱)

خطاب کی وضاحت

اس آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ سے کیا گیا ہے، لیکن یہ خطاب آپ کی ذاتی حیثیت میں نہیں کیا گیا بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کو خطاب کرنے کے فوراً بعد طلقتم میں ضمیر جمع کی لائی گئی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہاں جو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ تمام مسلمانوں کیلئے ہیں۔ البتہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ان احکام کی عظمت اور اہمیت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کیا گیا ہے تا کہ ہر پڑھنے والے کو اندازہ ہو کہ جب نبی کریم ﷺ پر ان باتوں کی پابندی ضروری ہے تو دوسروں پر تو بدرجہا

Marfat.com

زیادہ ہوگی۔امام قرطبی کا خیال یہ ہے کہ جب کوئی حکم تمام امت کو دیا جاتا ہے تو وہاں یاایھاالنبی کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔لیکن جب کوئی ایسا حکم بیان کیا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی ذات سے مخصوص ہے تو پھر یاایھاالرسول سے خطاب کیا جاتا ہے۔اور بعض حضرات نے اس جگہ جملہ محذوف قرار دے کر آیت کی تفسیر یہ کی ہے یاایھاالنبی قل للمومنین اذا طلقتم النساء یعنی اے نبی! آپ مسلمانوں کو بتلادیں کہ جب وہ طلاق دیا کریں تو آگے بیان کئے ہوئے قانون کی پابندی کریں۔

طلاق کا صحیح محمل

عہدِ جاہلیت میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جس کسی کو بھی بیوی پر کسی سبب سے غصہ آتا وہ نتائج وعواقب کا لحاظ کئے بغیر ایک ہی سانس میں سینکڑوں طلاقیں دے ڈالتا اور دھکے دے کر اسے گھر سے نکال دیتا۔تصور یہ تھا کہ جب میں نے بیوی کو طلاق دے دی ہے تو اب میرے گھر میں اس کا کیا کام یا مجھ پر اب اس کی کیا ذمہ داری۔عورت بیچاری جگہ جگہ دھکے کھاتی پھرتی،اس طرح سے عورت ان کی نگاہ میں کسی عزت کی حامل نہ تھی،اور نہ بچے کسی شفقت کے اہل تھے۔حتیٰ کہ بیوی حاملہ بھی ہوتی تو تب بھی اسے کسی مروت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔اسلام نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی کہ رشتۂ ازدواج بڑا مقدس رشتہ ہے،اسی رشتے کی بقاء اور استحکام سے خاندان اور معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔گھر صحیح معنی میں آباد ہوتے ہیں،بچوں کو محفوظ ماحول ملتا ہے اور میاں بیوی ماں باپ کی عزت ووجاہت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔اور یہی وہ دفاعی حصار ہے جس میں مسلمان نسل پروان چڑھتی اور غیر مسلم تہذیب سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔اس لئے یہ بات ازبس ضروری ہے کہ حتی الامکان اس رشتے کو ٹوٹنے نہ دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تزوجوا ولاتطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش ''شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو،کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔'' اس لئے اسلام نے طلاق کا جو قانون پیش کیا ہے اس میں اس امر کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا جلد بازی میں طلاق نہ دے۔کوئی وقتی رنجش یا عارضی نفرت اس کا باعث نہ ہو۔طلاق دینے والا سوچ سمجھ کر اس کے نتائج وعواقب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طلاق دے۔

اسلام نے دینِ فطرت کی حیثیت سے طلاق کے احکام دیئے

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے وہ ان تمام جذبات وعواطف کو پیشِ نظر رکھتا ہے جس سے انسانی زندگی میں نشیب وفراز پیدا ہوتے ہیں۔وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کبھی نہ کبھی مزاجوں کا اختلاف ایسی صورت اختیار کر جاتا ہے کہ دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں رہتا۔بنابریں وہ دین جو دینِ فطرت ہے وہ ایسے عوامل کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔اس لئے اس نے رشتۂ ازدواج کی تمام تر اہمیت،افادیت اور نزاکت کے باوجود اس بات کی اجازت دی ہے کہ طلاق اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے لیکن جب اس کے سوا کوئی صورت نہ رہے تو پھر اسے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کیلئے جو اصلاحی تدبیریں ممکن ہوسکتی ہیں ان کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔اس لئے ان تدابیر میں سے سب سے پہلی تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے حساب سے طلاق دو،اور عدت کو مدِ نظر رکھو۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی

Marfat.com

جائے، نیز ایسے طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں مباشرت ہو چکی ہو، کیونکہ ان دونوں طریقوں سے عدت میں طوالت ہو جائے گی اور مطلقہ کو تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ حیض کی حالت میں طلاق دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض کی بجائے چار حیض ہو جائے گی۔ کیونکہ جس حیض میں طلاق دی گئی ہے وہ تو شمار میں نہیں آئے گا۔ اس کے بعد طہر کی مدت آئے گی، پھر اس کے بعد حیض کی مدت کو پہلا حیض قرار دیا جائے گا اور یہاں سے عدت کا شمار شروع ہوگا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حیض میں طلاق دینے سے عدت کی مدت میں کس قدر اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت ہو چکی ہو۔ کیونکہ اس صورت میں شوہر اور بیوی دونوں میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ آیا مباشرت کے نتیجے میں کوئی حمل پا گیا ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے عدت کا آغاز نہ اس مفروضے پر کیا جاسکتا ہے کہ یہ عدت آئندہ حیضوں کے اعتبار سے ہوگی اور نہ اس مفروضے پر کیا جاسکتا ہے کہ یہ حاملہ عورت کی عدت ہوگی۔ اس تمام تفصیل سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ آیتِ کریمہ میں جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے۔ اور دوسرے یہ کہ طلاق اس طہر میں دی جائے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ یا پھر اس حالت میں دی جائے جبکہ عورت کا حاملہ ہونا معلوم ہو جائے۔

حالتِ حیض میں طلاق نہ دینا خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے بھی ثابت ہے۔ جب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضور ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں یہ واقعہ عرض کیا، تو آنحضرت ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس کو حکم دو کہ بیوی سے رجوع کرلے اور اسے اپنی زوجیت میں روکے رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔ طہر کے بعد پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اس کے بعد اگر وہ اسے طلاق دینا چاہے تو طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کی پابندی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہے کہ یا تو طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دے یا پھر ایسی حالت میں دے جبکہ اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔

شریعت کے اس حکم میں بڑی حکمتیں ہیں۔ حیض میں طلاق نہ دینے کے حکم کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حیض کی حالت میں عورت مرد کیلئے مرغوبِ خاطر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی صفائی کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے۔ ان دنوں اس کی طبیعت بھی نڈھال، مضمحل اور غیر متوازن ہوتی ہے۔ اس لئے اگر اس حالت میں مرد طلاق دے دے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عارضی بے رغبتی طلاق دینے میں محرک ہو۔ اور جب یہ ایام گزر جائیں تو پھر اس کو اپنے کئے پر ندامت ہو۔ کیونکہ طہر کی حالت میں عورت کا مزاج بھی معمول پر آجاتا ہے اور دونوں کے درمیان فطرت نے جو طبعی کشش رکھی ہے وہ بھی اپنا کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اب دونوں کیلئے طلاق کے مسئلے پر از سرِ نو غور کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس طہر میں مباشرت کی جا چکی ہو اس میں طلاق کے ممنوع ہونے کی مصلحت یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر حمل قرار پا جائے تو مرد اور عورت دونوں میں سے کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ وقت طلاق دینے کیلئے موزوں نہیں۔ حمل کا علم ہو جانے کی صورت میں مرد بھی دس مرتبہ سوچے گا کہ جس عورت کے پیٹ میں اس کا بچہ پرورش پا رہا ہے اسے طلاق دے یا نہ دے۔ اور عورت بھی اپنے اور اپنے بچے کے مستقبل کا خیال کر کے شوہر کی ناراضی کے اسباب دور کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔ لیکن اندھیرے میں بے سوچے سمجھے تیر چلا بیٹھنے کے بعد اگر معلوم ہو کہ حمل قرار پا چکا تھا تو دونوں کو پچھتانا پڑے گا۔

Marfat.com

عدت کیلئے طلاق اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جبکہ ایک طلاق حالتِ طہر میں دی جائے اور پھر تین مرتبہ کے ایام حیض کو شمار کیا جائے اور اس دوران کوئی اور طلاق نہ دی جائے تو یہ ایک طلاق عدت گزرنے کے بعد بائنہ ہو جائے گی۔ اور یا دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے دی جائے تو یہ بھی عدت گزرنے کے بعد بائنہ ہو جائے گی اور میاں بیوی میں علیحدگی ہو جائے گی۔ لیکن اس عدت میں ایک طلاق یا دو طلاقوں کی صورت میں اس بات کا امکان رہتا ہے کہ شوہر اگر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے۔ اور اگر بیوی کو فارغ کرنا ہی مقصود ہو تو عدت گزرنے کے بعد وہ ایک یا دو طلاق ہی سے فارغ ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت کے حوالے سے تین طلاق دینے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ تین طلاق دینے کا مطلب ہمیشہ کی علیحدگی ہے جس میں نہ رجوع ہے اور نہ عدت کے بعد نکاح کی کوئی صورت۔ بجز اس کے کہ مطلقہ کا نکاح دوسرے شخص سے ہو اور وہ کسی وجہ سے کسی وقت اسے طلاق دے دے تو پھر وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ البتہ ایسا کرنے والا شخص سخت گنہگار ہوتا ہے۔ نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ حضورؐ یہ سن کر غصے میں کھڑے ہو گئے۔ فرمایا ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم ''کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے، حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔'' اس حرکت پر حضورؐ کے غصے کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں اسے قتل نہ کر دوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کا بیک وقت دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ جہاں تک ان کے واقع ہونے کا تعلق ہے مصنف عبدالرزاق نے حضرت عبیدہ بن الصامتؓ کے متعلق روایت نقل کی ہے کہ ان کے والد نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے ڈالیں۔ انہوں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ذریعہ سے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ وہ عورت اس سے جدا ہو گئی۔ اور ۹۹۷ طلاقیں ظلم اور عدوان کے طور پر باقی رہ گئیں جن پر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث پیچھے گزری ہے اس میں ابن ابی شیبہ نے اپنی روایت میں جو تفصیل دی ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے پوچھا اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی میں رجوع کر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور تیرا یہ فعل نافرمانی ہوتا۔

عدت کی اہمیت

اس آیتِ کریمہ میں مزید یہ حکم دیا گیا ہے کہ عدت کو شمار کرو اس کا خطاب مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے اور ان کے خاندان والوں سے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق ایک نہایت نازک معاملہ ہے جس سے عورت اور مرد اور ان کی اولاد اور ان کے خاندان کیلئے بہت سے قانونی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے عدت کی تاریخ کو یاد رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی تاریخ بھول جانے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جب تک مطلقہ عورت عدت میں ہے وہ اس وقت تک اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہے۔ اگر ایامِ عدت میں دونوں میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو دوسرا اس کا وارث ہوتا ہے۔ اسی طرح عدت گزرنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ اسی طرح کے اور مسائل ہیں جس کی وجہ سے عدت کا یاد رکھنا، اس کے دنوں کا ٹھیک ٹھیک شمار کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ کوئی بھی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

طلاق کے بعد عورت کے حقوق

آیتِ کریمہ میں مزید حکم یہ دیا گیا کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے کر غصے سے باہر نہ نکال دے۔ کیونکہ جب تک وہ عدت میں ہے یہ گھر اس کا بھی گھر ہے۔ اسی لئے بیوت کی نسبت آیت میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ اسی طرح اس کا نفقہ اور سکنیٰ وہ بھی مرد کے ذمہ ہے۔ عورتوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ بھی طلاق ہو جانے کے بعد گھروں سے نکل جانے کی کوشش نہ کریں۔ اور ایک ہی گھر میں دونوں کے رہنے کی صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ کسی وقت بھی شوہر کی طبیعت بیوی کی طرف مائل ہو جائے یا بیوی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، بیوی شوہر کو راضی کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ ایامِ عدت میں کئی دفعہ دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے یا آمنا سامنا ہونے کی نوبت آ سکتی ہے۔ اس لئے بار دگر مل بیٹھنے کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر مرد جلد بازی کر کے اسے نکال دے یا عورت ناسمجھی سے کام لے کر میکے جا بیٹھے تو اس صورت میں بگاڑ کو اصلاح سے بدلنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر عموماً طلاق کا انجام مستقل علیحدگی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس لئے فقہا اس بات پر زور دیتے ہیں کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں جو عورت شوہر کے گھر میں عدت گزار رہی ہے اسے بناؤ سنگھار کرنا چاہئے تاکہ شوہر اس کی طرف مائل ہو۔

یاد رہے جس طرح شوہر کیلئے مطلقہ کو گھر سے نکالنے کی اجازت نہیں اسی طرح مطلقہ کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانے کی بھی اجازت نہیں۔ اور اگر عورت بغیر اجازت کے گھر سے نکلے گی تو گنہگار بھی ہوگی اور نفقہ و سکونت کے حق سے محروم بھی ہو جائے گی۔ البتہ شوہر کو ایک صورت میں مطلقہ کو گھر سے نکالنے کی اجازت ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ عورت حرام کاری کا ارتکاب کرے۔ یعنی زنا کرے یا کوئی بھی بے حیائی کا کام کرے۔ جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہو۔ یا چوری چکاری سے باز نہ آئے یا بڑی بدزبان اور اپنے خاوند کے ماں باپ، بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی ہو اور برا بھلا کہتی ہو۔ یعنی وہ یہ سمجھ کر کہ طلاق تو مجھے ہو ہی گئی ہے اب گھر کا سکون برباد کرنے سے شاید اسے کوئی سکون مل سکتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ زبان چلانے کی کوشش کرے۔ ایسی صورت میں شوہر اسے گھر سے نکال سکتا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ ان دونوں فقروں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ایک تو یہ بات کہ طلاق کے بارے میں جو بنیادی تصور پیدا کیا گیا ہے اور ناگزیر صورت میں جن احتیاطوں کے ساتھ طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے یہ محض نصیحت نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ کوئی شخص ان کو اگر پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حدود ہی کی توہین نہیں کرتا بلکہ اس کے نتیجے میں اپنے اوپر بھی ظلم کرتا ہے اور بعد میں اس پر پچھتاتا ہے۔ حالانکہ ان پر عمل کرنے کے نتیجے میں اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ تعلقات اس حد تک بگڑنے کے باوجود موافقت کی کوئی صورت پیدا فرما دے جس کا عام طور پر اختلافات کی اڑائی ہوئی گرد میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری بات جس کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح بیک وقت تین طلاق دینے سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں اور اس کے بعد دونوں کی یکجائی کی تحلیل کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اگر حیض میں طلاق دینے سے طلاق نہ ہوتی تو پھر یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ درحقیقت

Marfat.com

اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔ نفس پر ظلم تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ طلاق واقع ہو جائے اور اس کے بعد آدمی پچھتائے کہ یہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔ اسی طرح اگر تین طلاق بیک وقت دینے سے ایک ہی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے تو رجوع کی صورت میں تو لازماً موافقت پیدا ہو جاتی۔ خطرہ تو اس وقت لاحق ہوتا ہے جب سرے سے رجوع کا حق باقی نہ رہے اور دونوں میں مکمل طور پر جدائی ہو جائے۔ تب آدمی پچھتاتا ہے کہ ایک یا دو طلاق دینے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رجوع کا جو حق دے رکھا تھا اور جس سے میں فائدہ اٹھا کر اپنے گھر کو بچا سکتا تھا وہ میں نے تین طلاق بیک وقت دے کر خود کھو دیا اور اس طرح سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

(پس جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو یا انہیں بھلے طریقے سے اپنے نکاح میں روک رکھو اور یا بھلے طریقے سے انہیں جدا کر دو اور اپنے میں سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنالو۔ اور گواہی ٹھیک اللہ کیلئے ادا کرو، یہ نصیحت ان کو کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کیلئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دیتا ہے۔ ۲) اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا، اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ارادے پورے کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ۳)

طلاق کے بعد شوہر کے طرزِ عمل سے متعلق ہدایات

مطلقہ عورت ظاہر ہے کہ طلاق کے بعد عدت گزارے گی، اور اگر اس کے شوہر نے اسے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو ابھی دونوں کا نکاح ختم نہیں ہوا۔ عدت کے دوران شوہر کو رجوع کا حق ہے کہ وہ جب بھی چاہے طلاق سے رجوع کر سکتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ زبان سے کہہ دے کہ میں طلاق سے رجوع کرتا ہوں یا میں تجھے بیوی بنا کے رکھنا چاہتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی اب ان شاء اللہ دونوں اکٹھے رہیں گے، ایسی کسی بات سے بھی رجوع ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے اس طرح اختلاط کرے جیسے میاں بیوی عام طور پر آپس میں بے تکلفی کرتے ہیں۔ تو تب بھی احناف کے نزدیک رجوع ہو جائے گا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اس سے مباشرت کرے۔ مباشرت کی چاہے کوئی صورت بھی ہو اور اس کا کوئی درجہ بھی ہو، احناف کے نزدیک اس سے رجوع ہو جائے گا۔ اور اب دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکنے کے مجاز ہوں گے۔ لیکن اگر شوہر عدت کے ختم ہونے سے پہلے یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ میں اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں یا چھوڑنا چاہتا ہوں تو عدت گزرنے کے بعد بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا عدت گزرنے سے پہلے پہلے ضروری ہے کہ اگر وہ اسے رکھنا چاہتا ہے تو اس سے رجوع کرے۔ لیکن اس کیلئے بھی ضروری ہے کہ اس کی نیت ایک شریف آدمی کی طرح بیوی بنا کر

Marfat.com

رکھنے کی ہو محض اسے تنگ کرنا یا ایذا دینا پیشِ نظر نہ ہو۔ اور محض عدت کو طوالت دینے کا ارادہ نہ ہو۔ اور اگر اس نے فیصلہ کرلیا ہے کہ مجھے بیوی کو علیحدہ کردینا ہے تو تب بھی ضروری ہے کہ وہ شریفانہ طریقہ اختیار کرے۔ یعنی لڑ بھڑ کر، الزامات لگا کر اور طعن و تشنیع کرتے ہوئے گھر سے نہ نکالے۔ یہ باتیں مسلمان کو زیب نہیں دیتیں۔ اسے اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ ہم نے کچھ دن اکٹھے بھی گزارے ہیں، اب اگر علیحدگی تک نوبت پہنچ گئی ہے تو اسے ایک حادثہ بنانے سے گریز کرنا چاہیئے۔ شریفانہ طریقے کا مطلب یہ ہے کہ اسے گھر سے جاتے ہوئے کپڑوں کا کوئی جوڑا دیا جائے یا اس کی کوئی مالی امداد کی صورت پیدا کی جائے۔ بعض دفعہ ایسے سخت فیصلے کے بعد مطلقہ کو کوئی چیز دینا آسان نہیں ہوتا، کیونکہ جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ تو کوشش کرنی چاہیئے کہ بالواسطہ اسے کوئی مالی مدد دی جاسکے۔ اور جو بھی حُسنِ سلوک ایسے حالات میں ہوسکتا ہے اس سے گریز نہ کیا جائے۔ مزید ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ بیوی سے رجوع کے وقت یا اس کی علیحدگی کے وقت دونوں صورتوں میں دو ثقہ مسلمانوں کو گواہ بنالیا جائے تاکہ کسی طرح کے نزاع کا امکان پیدا نہ ہو۔ اس شہادت کے حکم کو فقہاء کرام کے نزدیک استحسان کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی شخص طلاق یا رجوع کے وقت کسی کو گواہ نہیں بناتا تو سرے سے نہ طلاق واقع ہو اور نہ رجوع ثابت ہو۔ لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے ایسا کرلینا بہتر ہے۔ اس حکم کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے آپس میں بیع کا کوئی معاملہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے گواہ بنانے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیع پر گواہ بنانا فرض ہے۔ اور اگر گواہ نہ بنایا جائے تو بیع صحیح نہ ہوگی۔ بالکل اسی طرح یہ بھی ایک حکیمانہ ہدایت ہے جو نزاع کا سدِ باب کرنے کیلئے دی گئی ہے۔ لیکن آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں معاشرے کے فساد کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جس طرح نکاح کیلئے رجسٹریشن کا طریقہ اختیار کرلیا گیا ہے اس طرح طلاق کیلئے بھی یہ طریقہ اختیار کرلینا چاہیئے۔ اس سے بہت سی نزاعات کا سدِ باب ہوسکتا ہے۔

مزید فرمایا کہ جن لوگوں کو اس پر گواہ بنایا جائے انہیں گواہی دینے سے تامل نہیں کرنا چاہیئے۔ اور مزید یہ کہ جب گواہی دینے کا وقت آئے تو انہیں بے خوف و خطر صرف اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر گواہی دینی چاہیئے۔ اور یہ گواہی کی نوبت یقیناً اسی وقت آئے گی جب فریقین میں کوئی نہ کوئی جھگڑا پیدا ہوگا۔ تو دو مسلمانوں میں جھگڑا ختم کرنا چونکہ بہت بڑی نیکی ہے اور ذمہ داری بھی۔ اس لحاظ سے گواہوں کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ انہیں اس کی ادائیگی سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

متذکرہ بالا احکام سے فائدہ صرف مومن اور متقی اٹھا سکتا ہے

مزید فرمایا کہ طلاق، عدت، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ جو احکام آیاتِ بالا میں دیئے گئے ہیں اس سے درحقیقت فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھتا ہے۔ ہم ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں، ہماری کوئی حرکت اس کے علم سے مخفی نہیں ہے۔ اسی طرح آخرت میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ آج ہم نے اگر ان احکام کی روح کو سامنے نہ رکھا اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے فریقِ ثانی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو آخرت میں بہرحال ان کا جواب دینا ہوگا۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان کی ذات پر اعتماد کرکے اور آخرت کی جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے ہم نے ان احکام کو پوری طرح بروئے کار لانے کی کوشش کی تو ممکن ہے کہ بعض دفعہ

Marfat.com

مشکلات بھی پیدا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ بشارت دی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا یعنی اسی سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرے گا تو مشکلات میں بھی وہ اس کیلئے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادے گا۔ اور اگر وہ مالی مجبوریوں کی وجہ سے ان احکام پر عمل کرنے میں دشواری محسوس کرے گا مثلاً جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ ایک غریب آدمی ہے تو وہ یہ سوچے گا کہ میں اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عدت کے دوران کیوں اٹھاؤں۔ جبکہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا تو میں پہلے ہی زیر بار ہوں، تو اپنے بار کو مزید کیوں بڑھاتا رہوں۔ اطمینان دلایا گیا ہے کہ رزق کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ سے رزق مہیا فرمائے گا جہاں سے کبھی اسے گمان بھی نہیں ہوا ہوگا۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھے۔ اور اس کی سنت یہ ہے کہ جو شخص اس پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کافی ہوجاتا ہے۔ اور جس کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہوجائے اسے اور کسی سہارے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی، وہ اپنے ارادوں کو پورا کرکے رہتا ہے۔ جس نے اس پر بھروسہ کیا تو وہ یقیناً اس کے بھروسے کی لاج رکھے گا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر چیز کیلئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اسی طرح اس کی نصرت کے ظہور کیلئے بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس کے ظہور میں اگر کوئی دیر ہوتی ہے تو اس سے مقصود بندوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنے وعدے میں تخلف کبھی نہیں کرتا۔ اس میں جتنی دیر ہوگی وہ صرف بندوں کے امتحان کی ایک ضرورت ہوگی۔ جیسے ہی وہ امتحان پورا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی ؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے کو دشمنوں نے قید کرلیا ہے اور اس کی ماں اس کی جدائی میں سخت بے چین ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑلو، میں تجھے اور تیری بیوی کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** کا ورد کیا کرو۔ ارشادِ نبوی سن کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بیوی نے کہا کہ حضور ؐ نے ہمیں جس چیز کا حکم دیا ہے وہ بہت ہی عمدہ ہے۔ پھر ان دونوں میاں بیوی نے بکثرت یہ ورد شروع کردیا۔ چنانچہ اس کی برکت سے دشمن ان کے بیٹے کی طرف سے غافل ہوگئے اور وہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور ان کی بھیڑ بکریاں ہانکتا ہوا بخیر وعافیت اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔

وَالّٰٓـئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـئِىْ لَمْ يَحِضْنَ ۗ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۗ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿۴﴾

(اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوچکی ہیں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان کا ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس کے معاملے میں آسانی پیدا کردے گا۔ ۴)

Marfat.com

اختلافِ حالات کے باعث عورتوں کی عدت میں فرق

وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں بیان فرمایا گیا۔ یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جارہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ عورتیں جو مایوسی کی عمر کو پہنچ گئی ہوں یعنی جنہیں اس بات کی امید ختم ہوگئی ہو کہ اب انہیں حیض آئے گا۔ علماء نے مختلف عمروں کا ذکر کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک عمر کا تعین مشکل ہے اس کا دارومدار تجربے پر ہے۔ جب تجربے سے یہ بات ثابت ہوجائے اور صحت اس کی تائید کرنے لگے کہ اب حیض نہیں آئے گا تو وہی حیض سے مایوسی کی عمر ہے۔ (۲) وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یعنی جنہیں ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا یا وہ عورتیں جن کو حیض تو نہیں آیا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہوگئی ہوں۔ (۳) حاملہ عورتیں۔ پہلی دونوں قسموں کی عدت اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی عدت تین ماہ ہے۔ یعنی جو عورت حیض سے مایوس ہوچکی ہے جسے آیسہ کہتے ہیں وہ طلاق کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اسی طرح نابالغ لڑکی اور وہ لڑکی بھی جس کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا، ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ وہ عورتیں جو حیض کی عمر سے گزر رہی ہیں اور انہیں حیض آتا بھی تھا لیکن کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہوگیا، ان کی عدت کیا ہوگی؟ مفسرین نے صحابہ کرام کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں جن میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے یہاں تک کہ سنِ ایاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عورت کو پھر حیض شروع ہوجائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

جہاں تک حاملہ عورت کا تعلق ہے اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ کتنے دنوں میں ہو۔ لیکن اختلاف اس میں ہوا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ حاملہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ لیکن اتفاق یہ ہوا کہ وہ شخص مرگیا۔ اب یہ مطلقہ حاملہ بھی ہے اور بیوہ بھی۔ اور بیوہ کی عدت سورۃ البقرۃ میں چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے۔ تو کیا اب یہ عورت جو حاملہ بھی ہے اور بیوہ بھی، چار ماہ دس دن عدت گزارے گی یا وضع حمل سے فارغ ہوجائے گی۔ کیونکہ اس بات کا امکان تو ہے کہ وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہوجائے۔ اور اس کا بھی امکان ہے کہ وضع حمل کی مدت چار ماہ دس دن سے بڑھ جائے۔ تو سوال یہ ہے کہ اب اس کی عدت کیا ہوگی؟ اس میں صحیح بات یہ ہے اور احادیث کی روشنی میں اسے ہی ترجیح حاصل ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ چار ماہ دس دن اس مطلقہ کی عدت ہے جس کا شوہر مرجائے اور وہ حاملہ نہ ہو۔ کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں سبیعہ اسلمیہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنا ہوگی، تب تم نکاح کرسکتی ہو۔ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ یعنی وضع حمل سے تمہاری عدت ختم ہوگئی ہے۔ اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کرسکتی ہو۔ حضرت ام سلمہ نے بھی اسی حدیث کے پیشِ نظر اس رائے سے اتفاق کیا۔ آئمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

آیتِ کریمہ میں جو اِنِ ارْتَبْتُمْ کا جملہ آیا ہے یعنی اگر تمہیں شک ہو، تو اس میں مراد شک سے یہ ہے کہ اصل عدت حیض شمار ہوتی ہے تو جن عورتوں کا حیض تو بند ہے ان کی عدت کا شمار کیسے ہوگا؟ اس جملے سے یہی تردد مراد ہے۔

Marfat.com

آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے یعنی اس سے ڈرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ کتابِ اصلاح ہے محض خشک قانون کی کتاب نہیں جسے بالجبر نافذ کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جب قانونی احکام کو بیان فرماتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ بشارتوں سے بھی نوازتے ہیں۔ لیکن اس کیلئے تقویٰ کو لازمی شرط کے طور پر بار بار بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اور اسی سے اجر و ثواب کی امید پر اور اسی کی خوشنودی کے حصول کیلئے عمل کرتا ہے تو اسے عمل میں دشواری پیش نہیں آتی اور اگر کوئی دشواری ہو بھی تو وہ اخلاص عمل کی وجہ سے سہل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے عمل کی برکت سے جب نصرت و تائید نازل ہوتی ہے تو اس سے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ ان احکام میں چونکہ پابندیاں بھی ہیں اور مصارف کا بار بھی، جو یقیناً طبیعتوں پر گراں ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی بشارتیں بھی دی جا رہی ہیں جن سے حوصلے جوان ہوتے ہیں اور عمل کی خواہش امنگ کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵

(یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تو جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس سے اس کے گناہ دور کر دے گا، اور اس کے اجر کو بڑھا دے گا۔ ۵)

اوپر کے مضمون کی مزید تاکید

اوپر کی آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے یہ اسی مضمون کی مزید تاکید ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جو اس نے تمہاری طرف نازل کئے ہیں۔ تم اس کے بندے ہو اور وہ تمہارا معبود اور آقا ہے۔ اسے بجا طور پر یہ حق حاصل ہے کہ تمہاری اصلاح کیلئے جن احکام کو مناسب سمجھے وہ تم پر نازل کر دے۔ دیکھنا انہیں گراں نہ سمجھنا، نہ ان کو حقیر جاننا، یہ کائنات کے خالق و مالک کے احکام ہیں ان کو حقیر سمجھنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی عظمت کو چیلنج کرنا ہے۔ حاکم حکم دے کر اپنے محکوموں سے بے خبر نہیں ہو جایا کرتا۔ اللہ تعالیٰ بھی برابر اپنے بندوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں تو اجر و ثواب میں مستحق ٹھہرتے ہیں۔ نظر انداز کرتے ہیں تو سزا کے سزاوار بنتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا اس سے کوتاہیاں بھی سرزد ہوں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی کریم ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے احکام پر عمل کرتا ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ اور غلطیوں کو نظر انداز فرماتا ہے۔ اور اس کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں برکت دیتا چلا جاتا ہے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَاۗرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝۶ۭ لِيُنْفِقْ

Marfat.com

ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾

(اور انہیں سکونت دو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے مطابق اور ان کو ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کر دو اور گروہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وہ اپنے حمل جن دیں، پس اگر وہ تمہارے لئے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کا معاوضہ دو، اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) مشورے سے طے کرلو، اور اگر تم آپس میں ضد کرو تو اس کیلئے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ ۶) چاہئے کہ کشادگی والا اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہے وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا، مگر اسی قدر جتنا اسے دیا ہے۔ بعید نہیں کہ اللہ تنگدستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمائے۔ ۷)

عورت کو طلاق کے بعد اسے گھر میں رکھنے کی وضاحت

اس سے پہلے حکم دیا گیا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو عدت کے دوران گھروں سے نہ نکالو۔ اب اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انہیں صرف ساتھ رکھنا کافی نہیں بلکہ اس طرح انہیں رہنے کی سہولت ملنی چاہئے جس سے ان کی خودداری مجروح نہ ہو بلکہ شوہر کی آمدنی اور اس کے رہن سہن کا جو معیار ہے اس کے مطابق گھر میں اس کیلئے رہائش کا انتظام ہونا چاہئے۔ کیونکہ ''وُجد'' کے معنی یافت کے ہیں۔ اور آدمی کا معیار زندگی اس کی آمدنی کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی کا لحاظ مطلقہ عورتوں میں بھی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ طلاق کے بعد مطلقہ عورت کو بیڈروم سے نکال کر سرونٹ کوارٹر میں منتقل کر دیا جائے۔ اور جو کھانا گھروں میں نوکروں کو دیا جاتا ہے وہ کھانا انہیں بھی دیا جائے۔

عورت کے احترام کا حکم

مزید فرمایا کہ مطلقہ بیوی کو گھر میں تنگ کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کی جائے۔ مثلاً شوہر اس کو خونخوار نگاہوں سے دیکھے، اہلِ خانہ جب موقع ملے الفاظ کے تیر چلائیں اور اس حد تک اسے آزردہ کر دیں کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت شوہر کے گھر گزارنے کا جس مصلحت کے تحت حکم دیا گیا تھا وہ مصلحت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اسلام طلاق کے بعد بھی گھر کو باقی رکھنے کے جو امکانات پیدا کرنا چاہتا ہے وہ ختم ہو کر رہ جائیں گے۔

یہ گھر میں رکھنا اور عزت سے رکھنا اور ان کے نفقہ کا معقول انتظام کرنا اور ان کے جذبات کا لحاظ رکھنا یہ تمام عورتوں کے بارے میں یکساں ہے۔ البتہ فرق صرف یہ ہے کہ جن عورتوں سے ابھی رجوع ہوسکتا ہے یعنی انہیں طلاقِ رجعی دی گئی ہے وہ شوہر کے سامنے آ جاسکتی ہیں بلکہ انہیں گھر میں رکھنے کی حکمت ہی یہ ہے کہ شاید شوہر اپنے ارادے میں تبدیلی پیدا کرلے۔ یا بیوی اپنی رویئے کی اصلاح کرلے۔ لیکن وہ مطلقات جنہیں طلاقِ بائن یا تین طلاق دی گئی ہوں انہیں اپنے سابقہ شوہر سے پردہ کرنا چاہئے۔ لیکن سکنیٰ اور نفقہ میں دوسری مطلقات اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اس آیت کا عموم تمام عورتوں کیلئے یکساں ہے جس سے سکنیٰ اور نفقہ سب کیلئے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ

Marfat.com

نے اس آیت کا یہی مفہوم لیا تھا۔ اور حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ کی روایت کو انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ہم ایک عورت کی روایت کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کیخلاف قبول نہیں کر سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مراد یہی آیت ہے۔ اور جہاں تک سنت کا تعلق ہے اس سے مراد وہ حدیث ہے جو خود حضرت عمر بن خطابؓ سے طحاوی، دارقطنی اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے اس مطلقہ کیلئے جس کو تین طلاقیں دے دی گئی ہیں نفقہ اور سکنیٰ واجب کیا ہے۔

حاملہ مطلقہ کے بارے میں حکم

اس آیت میں مزید یہ حکم دیا گیا کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہے اور اس کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور اس کی عدت چونکہ وضعِ حمل ہے جو بعض دفعہ عام عدت سے بھی طویل ہوتی ہے تو بعض دفعہ طبیعتوں پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ اس خاتون کو طلاق تو ہو چکی اب اتنی لمبی مدت کیلئے اس کے نفقہ اور سکنیٰ کا کون انتظام کرے۔ اس لئے اس کی وضاحت فرما دی کہ جو عورتیں حاملہ ہیں ان کو اگر طلاق دے دی گئی ہے تو جب تک وضعِ حمل نہیں ہوتا شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ بھی ہے اور سکنیٰ بھی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ وضعِ حمل سے پہلے صرف نفقہ ہی کی ذمہ داری نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ اس دوران کوئی نہ کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے تو بچے کو بچانے کیلئے مزید بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ تو اس کا بار بھی شوہر کے ذمہ ہوگا۔

طلاق کے بعد وضاحت کے بارے میں ہدایات

وضعِ حمل کے بعد مطلقہ بیوی کو طلاق ہو گئی کیونکہ اس کی عدت ختم ہو گئی اب اس کا شوہر سے کوئی تعلق نہیں اور شوہر پر جو اس کے نفقہ کی ذمہ داری تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ لیکن جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کی ذمہ داری تو بہرحال شوہر پر ہے۔ اب اگر اس خاتون کو طلاق نہ ہوئی ہوتی اور یہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہوتی تو اس پر بچے کو دودھ پلانا لازم تھا۔ سورۃ البقرۃ میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ اس کا معاوضہ طلب کرے تو اس کا معاوضہ لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ رشوت کے حکم میں ہے۔ لیکن وضعِ حمل کے بعد اب چونکہ بیوی نکاح سے نکل گئی ہے، اب اگر یہ اس کے بچے کو دودھ پلائے گی تو وہ دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا دودھ اس کی ملکیت ہے اور یہ اپنی ملکیت میں مکمل اختیار رکھتی ہے چاہے بچے کو پلائے یا نہ پلائے۔ اور اگر اس کا معاوضہ طلب کرے تو وہ اس کا جائز حق ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اس سلسلے میں سابقہ شوہر اور مطلقہ کے درمیان ایک قرارداد ہو جانی چاہئے کہ وہ مشاورت سے طے کر لیں کہ دودھ پلانے کی اجرت کیا ہوگی کیونکہ ائتمار کے لفظی معنی باہم مشورہ اور ایک دوسرے کی بات قبول کرنے کے ہیں۔ اور اس کا دونوں کو حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ محض ضد کر کے اس معاملے میں اڑچن پیدا نہ کریں۔ یعنی بیوی عام اجرت سے زیادہ نہ مانگے اور شوہر عام اجرت کے مطابق دینے سے انکار نہ کرے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا معاملہ کریں۔ یعنی شوہر کو عام دستور کا لحاظ کرنا چاہئے اور بیوی کو مرد کے معیارِ زندگی کا خیال کرنا چاہئے۔

مزید فرمایا کہ اگر دونوں کسی وجہ سے اس معاملے کو طے کرنے میں زحمت محسوس کریں یعنی مطلقہ بیوی بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دے یا وہ اتنی اجرت مانگے کہ شوہر اس اجرت کا متحمل نہ ہو سکتا ہو یا دینا نہ چاہتا ہو، تو پھر دونوں کو قضاءً مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بچہ اگر کسی دوسری عورت کا دودھ قبول کرنے سے انکار کر دے تو پھر اس مطلقہ خاتون کو جو اس بچے کی ماں ہے دستور کے موافق اجرت دے کر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

مطلقہ پر خرچ کرنے کا معیار

دوسری آیت میں بیوی کے نفقہ کے سلسلے میں اس کی عدت کے دوران یا دودھ پلانے کے دوران شوہر کیلئے خرچ کا معیار بتا دیا گیا ہے کہ اگر وہ کشادہ حال ہے یعنی دولت مند ہے تو اسے اپنی کشادہ حالی کے معیار کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور اگر وہ تنگ حال ہے تو پھر وہ اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرے۔ کشادہ حال کو اپنے معیار زندگی سے نیچے نہیں آنا چاہئے اور غریب پر اس کی مالی حالت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ ہر شخص پر اس کی حالت کے مطابق بوجھ ڈالتا ہے۔ اس نے شرعی احکام زندگی کی سہولت کیلئے دیئے ہیں، زندگی کو عذاب بنانے کیلئے نہیں دیئے۔ البتہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک تنگدست آدمی کیلئے معمولی خرچ کرنا بھی بوجھ بن جاتا ہے۔ اور اس کے دل میں یہ خیال آئے بغیر نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ذمہ داریاں تو ڈالی ہیں لیکن میری حالت بدلنے کیلئے مجھ پر کرم نہیں فرمایا۔ اس لئے آخر میں فرمایا کہ غریب اپنی حالت کی وجہ سے دل تنگ نہ کریں، اگر وہ اپنی حالت پر قانع و صابر اور تنگ حالی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھنے کا اہتمام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کیلئے تنگی کے بعد آسانی پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جو شخص بھی غربت اور احتیاج کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ایثار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرماتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ
عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا
عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا
خُسْرًا ﴿٩﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُوْلًا
يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

Marfat.com

اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ
مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی
كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

رکوع: ۲۔ (اور کتنی بستیاں ایسی تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی، تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا، اور ہم نے انہیں نہایت ہولناک عذاب دیا۔ ۸) پس انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔ ۹) اللہ نے ان کیلئے ایک سخت عذاب بھی تیار کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل والو، جو ایمان لائے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل فرمایا ہے۔ ۱۰) ایک ایسا رسول جو اللہ کی روشن آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ نکال لے جائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے تاریکیوں سے روشنی کی طرف، جو شخص ایمان لائے گا اللہ پر اور نیک عمل کرے گا اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، بلاشبہ اللہ نے ان کو نہایت اچھا رزق عطا فرمایا ہے۔ ۱۱) اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان، اور انہیں کی مانند زمین بھی، ان میں اس کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔ ۱۲)

وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾

(اور کتنی بستیاں ایسی تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی، تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا، اور ہم نے انہیں نہایت ہولناک عذاب دیا۔ ۸) پس انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔ ۹)

اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی ہمیشہ سخت عذاب کا باعث ہوتی ہے

اب مسلمانوں سے خاص طور پر یہ بات فرمائی جارہی ہے کہ دنیا میں کتنی ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے بظاہر تہذیب وتمدن کے بہت آثار چھوڑے ہیں اور اپنے اپنے علاقوں میں مضبوط حکومتیں بھی قائم کی ہیں۔ لیکن وہ ایک تو اس بات کو ذہن میں نہ لاسکے کہ اس کائنات کا ایک حاکم بھی ہے اور اسی کا حکم زمین پر نافذ بھی ہے۔ اس نے اگرچہ انسانوں کو مہلتِ عمل دے رکھی ہے لیکن وہ اتنی زیادہ مہلت نہیں دیتا کہ اس کی زمین درندوں کا بھٹ بن کر رہ جائے اور انسان ظلم اور فساد سے زمین کو بھر دے۔ وہ اپنے رسولوں کو ان کی اصلاح کیلئے بھیجتا ہے لیکن اگر وہ

Marfat.com

اپنی سرکشی اور تکبر میں رسول کی کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتے، حتیٰ کہ وہ اسے اپنی خواہشات کے راستے میں حائل سمجھ کر اس کی زندگی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ تب اس زمین کا حاکم ان سے اپنی زمین خالی کروالیتا ہے اور انہیں شدید عذاب کا ہدف بناتا ہے۔

اور دوسری شاید اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کے ذریعے ان کی عائلی زندگی کو بچانے کیلئے مسلسل احکام دیئے لیکن انہوں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا خاندانی نظام تباہ ہو گیا۔ مسلمانوں سے ان باتوں کے حوالے سے یہ فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے ازدواجی زندگی کے حوالے سے تمہیں بہت سے احکام دیئے ہیں اور ان احکام کی بجاآوری کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ تمہارے لئے یہ بات ازبس ضروری ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول کی سنت کو نظر انداز کرنے سے پہلی قومیں تباہ ہوئی ہیں تم اس راستے پر نہ پڑنا، یہ راستہ تباہی کا راستہ ہے۔ اس میں انسان اپنے کرتوتوں کا وبال بھی چکھتا ہے اور آخر اس کا انجام خسارے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝10 رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝11

(اللہ نے ان کیلئے ایک سخت عذاب بھی تیار کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل والو، جو ایمان لائے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل فرمایا ہے۔ ۱۰) ایک ایسا رسول جو اللہ کی روشن آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ نکال لے جائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے تاریکیوں سے روشنی کی طرف، جو شخص ایمان لائے گا اللہ پر اور نیک عمل کرے گا اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، بلاشبہ اللہ نے ان کو نہایت اچھا رزق عطا فرمایا ہے۔ ۱۱)

مسلمانوں کو نہایت مؤثر تنبیہ

جن قوموں کی تباہی اور بربادی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عذاب کی صورت میں ہوئی اوپر کی آیت میں ان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جو قومیں اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرتی ہیں اور رسول کو ماننے سے انکار کرتی ہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں ان پر نازل ہونے والا عذاب ان کی سزا کیلئے کافی ہو جائے گا، نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت میں ان کیلئے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کے عذاب کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور یہ دنیوی نامرادی اور آخرت کا عذابِ شدید صرف اس وجہ سے ان بدبخت قوموں کا مقدر بنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے نافرمانی کی، سرکشی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگر ان کی عقلیں سلامت ہوتیں تو وہ کبھی اس طرح اپنی زندگیاں تباہی کے راستے پر نہ ڈالتے۔ اس لحاظ سے اے مسلمانو! تم یقیناً عقلمندوں اور دانشوروں میں شامل ہو کہ تم نے اپنی عقلوں

Marfat.com

سے صحیح کام لیا اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لائے۔ یہ ایمان ایک بہت بڑی دولت ہے، ایک روشنی ہے جس نے تمہیں صحیح راستہ دکھایا۔ لیکن اب تمہارے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، ہر وقت اس سے ڈرتے رہو۔ تمہارے دل میں اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں آنا چاہئے اور یہ بات ذہن سے کبھی محو نہیں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک ذکر یعنی ایک نصیحت یا ایک یاددہانی نازل فرمائی ہے۔ اس سے مراد قرآن بھی ہوسکتا ہے اور رسول بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بعد میں آنے والا رسول کا لفظ ذکر کا بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم پر ایک ایسا ذکر نازل کیا ہے یعنی رسول نازل کیا ہے۔ درحقیقت قرآن اور رسول میں کوئی بُعد نہیں۔ قرآن اگر ذکر ہے تو رسول مذکر ہے۔ اور قرآنِ کریم نے آپ کو مذکر ہی کہہ کر یاد فرمایا ہے۔ یعنی یاددہانی کرانے والا یا نصیحت کرنے والا۔ اس لحاظ سے اگر دونوں لفظوں سے ایک ہی شخصیت مراد لی جائے تو تب بھی صحیح ہے کہ ہم نے تم پر ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یعنی ہمارے ایسے احکام تم پر واضح کرتا ہے جو نہایت روشن، نہایت واضح اور زندگی میں حقیقی خوشیوں اور حقیقی امن کی ضمانت ہیں۔ تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ان احکام سے کبھی انحراف اختیار نہ کرو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تم بھی اس انجام کے راستے پر نہ پڑ جاؤ جس سے معذب قومیں دوچار ہوچکی ہیں۔ ہم نے اپنا رسول بھیج کر تمہیں تاریکیوں سے نکالنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی پیروی سے انکار، تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات ہے۔ اور اس کا اتباع ایک ایسا روشن راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی جنت کی طرف جاتا ہے۔

سیاق کا لحاظ رکھا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عائلی قانون اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضوابط اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت اس امت کو عطا فرمائے ہیں یہ درحقیقت وہ روشنی ہے جس سے مسلمانوں کے گھر روشن ہوگئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو گھروں کی صحیح آسودگی نصیب کی ہے۔ اور جو قومیں اس سے محروم ہیں وہ ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکتی رہیں گی۔ اس ارشاد کی پوری اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عائلی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے تو اس تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نت نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرے کیلئے مفید قانون میسر نہیں آسکا، جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ہم کو دیا تھا اور جس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت نہ کبھی پیش آئی ہے اور نہ پیش آسکتی ہے۔ جن تعلیم یافتہ لوگوں کو اس بات کو ماننے میں تامل ہو، انہیں چاہئے کہ وہ اسلام کے عائلی قوانین کا دنیا بھر کی اقوام کے جدید و قدیم عائلی قوانین سے موازنہ کرکے دیکھیں انہیں خود اس قول کی صداقت کا یقین ہوجائے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

(اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان، اور انہیں کی مانند زمین بھی، ان میں اس کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔ ۱۲)

Marfat.com

احکام دینے والے کی عظمت تعمیل کیلئے آسانی پیدا کرتی ہے

انسان کو جب کسی بالاتر شخصیت کی جانب سے زندگی سنوارنے کیلئے احکام ملتے ہیں چاہے ان کا تعلق پبلک لائف سے ہو یا عائلی قوانین سے اس پر عمل طبیعتوں پر گراں گزرتا ہے۔ لیکن جب انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ جس نے مجھے یہ احکام دیئے ہیں وہ بے پناہ قدرت وقوت کا مالک ہے اور اس کے علم واطلاعات کے ذرائع اتنے وسیع ہیں کہ میں ان احکام سے متعلق جو بھی رویہ اختیار کروں گا وہ اس کے علم سے بیگانہ نہیں رہے گا۔ وہ جب چاہے مجھے پکڑ سکتا ہے اور سزا دے سکتا ہے۔ اور وہ میری تنہائیوں سے بھی آگاہ اور میری نیت سے بھی واقف ہے۔ تو یہ دو تصورات ہیں جو انسان کو احکام پر عمل کرنے کیلئے آمادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی آخری آیت میں عائلی زندگی کے احکام دینے کے بعد یہی دونوں باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں کہ جس اللہ نے تمہیں احکام دیئے ہیں اور جس پر تم ایمان لائے ہو وہ اتنی وسیع قدرت کی مالک ہے کہ اس نے سات آسمان پیدا کیے ہیں اور سات ہی زمینیں بھی بنائی ہیں۔ اور اس کے علم کی وسعتوں کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

سات آسمانوں اور سات زمینوں کے مفہوم کی وضاحت

سات آسمانوں کے ساتھ سات زمینوں کا ذکر قرآنِ کریم میں صرف اسی سورۃ میں فرمایا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس کا مطلب یہ سمجھا کہ یہاں مِثْلَهُنَّ سے مراد صرف تخلیق میں تشبیہ ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان پیدا کیے ہیں اسی طرح زمین بھی پیدا کی ہے، لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ آسمان کی تخلیق اور زمین کی تخلیق میں نہ من حیث الوجود کوئی مناسبت ہے نہ من حیث المقصود۔ البتہ یہاں اگر تشبیہ ہے تو درحقیقت سات کے عدد میں ہے کہ جس پروردگار نے سات آسمان بنائے ہیں صرف یہی ایک آسمان نہیں جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ اسی نے سات زمینیں بھی بنائی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ زمینوں سے مراد کیا ہے۔ تو امامِ رازیؒ نے تو یہ فرمایا ہے کہ سات زمینوں سے مراد وہ سات براعظم ہیں جنہیں بڑے بڑے سمندر ایک دوسرے سے جدا کیے ہوئے ہیں۔ یا سات زمینوں سے مراد سات کواکب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض مفسرین نے ابنِ عباسؓ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا فی کل ارضک آدم کآدم ونوح کنوح ونبی کنبیکم اس کے متعلق علامہ ابی الحیان اندلسی بحر محیط میں رقم طراز ہیں کہ یہ قول واقدی نے ابنِ عباسؓ سے روایت کیا ہے اور واقدی کذاب ہے۔ اس لئے اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ ابنِ عباسؓ کے قول کی سند تو صحیح ہے البتہ میرے علم میں ابوالضحیٰ کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ اس لئے یہ بالکل شاذ روایت ہے۔ ملا علی قاری نے اس کو موضوعاتِ کبیر میں موضوع کہتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ ابنِ عباسؓ ہی کی روایت ہے تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد ان سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ ہر لحظہ اس کے احکام واوامر کے علم کا نزول ہو رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں ان احکام کا تعلق تشریع سے ہوتا ہے اور کہیں تکوین سے۔ اس کی تفصیل جاننا ہمارے بس میں نہیں ہے۔

Marfat.com

صرف یہ بات ہم پر کھولی جا رہی ہے کہ تم اس سے یہ اندازہ کر سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہتا ہے سو ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا علم کائناتِ ارضی و سماوی کے ذرے ذرے کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں:

اس آیت سے اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں ایسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں اور کس وضع و صورت میں ہیں، اوپر نیچے طبقات کی صورت میں تہ بر تہ ہیں یا ہر ایک زمین کا مقام الگ الگ ہے۔ اگر اوپر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں الگ الگ فرشتے آباد ہیں اسی طرح ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ اور ہوا فضا وغیرہ ہیں اور اس میں کوئی مخلوق آباد ہے یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ قرآنِ مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس بارے میں آئی ہیں ان میں اکثر احادیث میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو صحیح و ثابت قرار دیا ہے بعض نے موضوع و من گھڑت تک کہہ دیا ہے اور عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اور ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف نہیں نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اس کا سوال ہوگا کہ ہم ان سات زمینوں کی وضع و صورت اور محل و وقوع اور اس میں بسنے والی مخلوقات کی تحقیق کریں، اس لئے اسلم صورت یہ ہے کہ بس اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اتنی ہی بات قرآن نے بیان کی ہے جس کو قرآن نے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا ہم بھی اس کی فکر و تحقیق میں کیوں پڑیں۔ حضرات سلف صالحین کا ایسی صورتوں میں یہی طرزِ عمل رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے ابھموا ما ابھم اللہ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اسے مبہم رہنے دو جبکہ اس میں تمہارے لئے کوئی عملی حکم نہیں، اور تمہیں کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس سے متعلق نہیں۔ خصوصاً یہ تفسیر عوام کیلئے لکھی گئی ہے۔ ایسے خالص علمی اختلافی مباحث اس میں نہیں لئے گئے جن کی عوام کو ضرورت نہیں ہے۔

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ یعنی اللہ کا حکم ان ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور حکمِ الٰہی کی دو قسم ہیں۔ ایک تشریعی جو اللہ کے مکلف بندوں کیلئے بذریعہ وحی بواسطہ انبیاء بھیجا جاتا ہے جیسے زمین میں انسان اور جن کیلئے آسمانوں سے فرشتے یہ تشریعی احکام انبیاء تک لے کر آتے ہیں جن میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت کے قوانین ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی پر ثواب اور خلاف ورزی پر عذاب ہوتا ہے۔ دوسری قسم حکم کی حکم تکوینی ہے یعنی تقدیرِ الٰہی کی تنفیذ سے متعلق احکام جس میں کائنات کی تخلیق اور اس کی تدریجی ترقی اور اس میں کمی بیشی اور موت و حیات داخل ہیں۔ یہ احکام تمام مخلوقات الٰہیہ پر حاوی ہیں۔ اس لئے اگر ہر دو زمینوں کے درمیان فضاء اور فاصلہ اور اس میں کسی مخلوق کا آباد ہونا ثابت ہو جائے خواہ مخلوق مکلف احکام شرعیہ کی نہ ہو تو اس پر بھی یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ صادق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر تکوینی اس پر بھی حاوی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوۡرَةُ التَّحۡرِیۡمِ

(٦٦)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام التَّحْرِيْمِ ہے۔یہ پہلی آیت کے کلمہ ''لِمَ تُحَرِّمُ '' سے ماخوذ ہے۔اس کی ۱۲ آیتیں،اس کے کلمات کی تعداد ۲۴۷ اور حروف کی تعداد ۱۰۶۰ ہے۔

مقامِ نزول:۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔

زمانۂ نزول:۔ اس سورۃ کی تفسیر میں حضرت ماریہ قبطیہ کا ذکر آیا ہے۔انہیں مقوقسِ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نذر کیا تھا۔جب حضرت حاطبؓ ۷ ہجری میں نبی کریم ﷺ کا دعوت نامہ لے کر اس کے پاس سکندریہ گئے تھے اور آپ نے حضرت ماریہؓ کو شرف زوجیت عطا فرمایا تھا۔یہ واقعہ ۷ ہجری کا ہے۔اسی طرح اس سورۃ کی تفسیر میں حضرت صفیہؓ کا ذکر آیا ہے۔وہ خیبر کی فتح کے بعد حضورؐ کی زوجیت میں آئی ہیں۔اور خیبر ۷ ہجری کو فتح ہوا تھا۔اس لحاظ سے اس سورۃ کا زمانۂ نزول ۷ ہجری کہا جاسکتا ہے۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ایک فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احتساب کا ذکر ہے جس کا صدور آپ سے کمزوروں سے ہمدردی اور اپنی زوجۂ محترمہ کی دلجوئی کے سلسلے میں ہوا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر اس لئے گرفت فرمائی کہ اللہ کا رسول عام مومنین کی طرح نہیں بلکہ وہ تمام امت کیلئے ایک نمونہ ہے۔وہ اگر کسی جائز محرک کے تحت بھی کوئی ایسا کام کرے جو اگرچہ شرعاً ناجائز تو نہ ہو لیکن منشائے خداوندی کیخلاف ہو۔تو آنے والی امت اسے آپ کی سنت سمجھ کر اختیار کرسکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک زوجۂ محترمہ کو کوئی راز کی بات بتائی۔اور ساتھ ہی تاکید فرمائی کہ کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔لیکن انہوں نے یہ سمجھ کر آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے جن پر حضورؐ بہت اعتماد کرتے ہیں کو وہ بات بتادی کہ وہ کوئی غیر تو نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں سرزنش فرمائی۔اس سے امت کی خواتین کو بھی سبق مل گیا کہ وہ بھی اپنے شوہروں کے رازوں کو محفوظ رکھا کریں۔ورنہ ان کی معمولی سی غفلت ان کے خاندان کیلئے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی ایک بات پر گرفت فرمائی گئی ہے جس کا صدور اگرچہ باہمی حُسنِ ظن واعتماد کی بناء پر ہوا۔لیکن اس پر گرفت اس لئے فرمائی گئی کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات امت کی تمام عورتوں کیلئے ایک نمونہ ہیں۔ان سے کسی کوتاہی کا

Marfat.com

صدور اگر چہ اس کا سبب باہمی اعتماد اور حسنِ ظن ہی ہو، امت کیلئے ایک بڑا فتنہ بن سکتا ہے۔ اس لئے انہیں اپنی ذمہ داریوں کا دوسروں کی نسبت زیادہ احساس ہونا چاہئے۔ اور مزید برآں یہ بات بھی کہ اگر ان کی کسی بات کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے مزاجِ مبارک پر کوئی ناخوشگوار اثر پڑا تو اس سے اس عظیم کام کو نقصان پہنچ سکتا ہے جس کیلئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اس لئے ازواجِ مطہرات کو بہر صورت ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہئے جو آپ کیلئے بارِ خاطر ہو سکتے ہیں چاہے اس کا محرک ان کا والہانہ جذبہ محبت ہی کیوں نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے اہلِ خانہ کی اصلاح کے بعد عام مسلمانوں کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہلِ وعیال کا بھی برابر احتساب کرتے رہیں۔ اور اس بات کو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر جو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں وہ نہایت سخت گیر ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ کسی نرمی یا چشم پوشی کے روادار نہیں۔ اس دن کسی کا بھی کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ اس دن صرف ایمان وعمل کام آئیں گے

مسلمانوں پر زور دیا گیا ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کا صدور کس سے نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے گناہوں کی توبہ کریں۔ اور اس طریقے سے اپنا دامنِ عمل گناہوں کے دھبوں سے پاک کر لیں۔ کیونکہ اس دن توبہ کرنے والے ہی فائز المرام ہوں گے اور وہ دن ان کی سرافرازیوں کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے نور کو کامل کرے گا باقی سب محروم ونامراد ہوں گے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تاکید کی گئی ہے کہ کفار اور منافقین کو صاف صاف بتا دیں کہ اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا اور وہ نہایت برا ٹھکانہ ہے۔

آخر میں دو مثالیں ذکر فرمائی گئی ہیں ایک کفار کیلئے اور ایک اہلِ ایمان کیلئے۔ کفار کے سامنے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال پیش فرمائی گئی ہے کہ ان دونوں کی نسبت تو دیکھو کتنی عظیم ہے۔ لیکن انہوں نے چونکہ اپنے شوہروں کو اللہ تعالیٰ کا رسول سمجھ کر ایمان لانے سے گریز کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نسبت ان کے کسی کام نہ آئی اور وہ جہنم کا ایندھن بن گئیں۔ اور مسلمانوں کے سامنے فرعون کی بیوی اور حضرت مریم کی مثالیں پیش کر کے یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ فرعون کی بیوی کی نسبت کس بدترین آدمی کی طرف تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان وعمل کی توفیق عطا فرمائی۔ تو وہ کافر کے گھر میں ہونے کے باوجود جنت کی مستحق ٹھہریں۔ اور حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم امتحان کیلئے چنا۔ اور انہوں نے جس طرح اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت کے بلند سے بلند درجات کا حقدار بنا دیا۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ۱۲	سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۶۶)	رُكُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ
وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى
بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ
عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ
مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى
اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ
ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا
مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ
ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ
نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

Marfat.com

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ ع

رکوع: ۱۔ (اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کیلئے حلال کر دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے، اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے، اور وہی علیم و حکیم ہے۔ ۲) (اور یہ واقعہ بھی قابلِ توجہ ہے) کہ جب نبی کریمؐ نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی، پھر جب اس بیوی نے دوسری کو راز کی بات بتادی تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو اس پر آگاہ کر دیا، پیغمبر نے اس بیوی کو کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی، پھر جب پیغمبر نے اس بیوی کو اس پر آگاہ کیا تو بیوی نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی، فرمایا: مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ ۳) اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے لئے زیبا ہے، تمہارے دل تو خدا کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم اس کیخلاف ایکا کرو گی تو اس کا حامی اللہ ہے، اور جبریل اور تمام نیکوکار مسلمان اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔ ۴) کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں، تو اللہ ایسی بیویاں تمہارے عوض آپ کو عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں، اطاعت شعار، ایمان والیاں، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، ہجرت کرنے والیاں، شوہر آشنا اور کنواریاں۔ ۵) اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت گیر ہیں، جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ ۶) اے وہ لوگو جنہوں نے کفر کیا ہے آج عذر پیش نہ کرو، تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کرتے رہے ہو۔ ۷)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾

(اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کیلئے حلال کر دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۱)

Marfat.com

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلے ہم اس روایت کا ذکر کرتے ہیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں میں مختصر وقت کیلئے خبر گیری کی خاطر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز ام المومنین حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے۔ کیونکہ ان کی خدمت میں کسی نے شہد تحفۃً بھیجا تھا جسے انہوں نے بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر شہد بہت پسند تھا اس لئے آپ شوق سے اس سے محظوظ ہوئے۔ اس طرح سے ان کے پاس آپ کا معمول سے زیادہ وقت گزرا اور چند روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دوسری ازواجِ مطہرات کو اس پر رشک آیا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ آپ شہد کی وجہ سے وہاں زیادہ ٹھہرتے ہیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب حضورؐ ہمارے یہاں تشریف لائیں تو آپ انہیں کہیں کہ آپ کے دہنِ مبارک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ مغافیر ایک بوٹی ہے جس کا رس چوس کر شہد کی مکھیاں شہد بناتی ہیں۔ اس میں ہلکی سی بساند ہوتی ہے اور وہ شہد میں بھی آنے لگتی ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنی نفاستِ طبع کے باعث ہر طرح کی بو کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ اس شہد کی وجہ سے مجھ سے بو محسوس ہوتی ہے تو آپ نے قسم کھالی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اور اس خیال سے کہ حضرت زینب کا جی برا نہ ہو اس کے اخفاء کی تاکید فرمادی۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب سرورِ عالم ﷺ نے مختلف ممالک کے سربراہوں کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھیجے تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ آپ کا گرامی نامہ لے کر سکندریہ کے والی مقوقس کے پاس گئے۔ وہ قاصد کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آیا۔ اور جب وہ واپس آنے لگے تو مقوقس نے ایک عریضہ بھی حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور دو اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی آپ کی خدمت بھیجیں۔ جن میں سے ایک کا نام سیرین اور دوسری کا نام ماریہ تھا۔ راستے میں حضرت حاطب کی تبلیغ و تلقین سے دونوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حضورؐ نے سیرین نامی لڑکی حضرت حسان بن ثابتؓ کی ملکِ یمین میں دے دی۔ اور ماریہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ ان ہی کے بطن سے ذی الحج ۸ ہجری میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے جو بعد میں ۱۸ ماہ کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ ایک روز ام المومنین حضرت حفصہؓ کی باری تھی۔ وہ حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے چلی گئیں۔ وہیں حضرت ماریہ آگئیں اور تخلیہ میں حضورؐ کے ساتھ رہیں۔ ابھی دروازہ بند تھا کہ حضرت حفصہؓ بھی واپس آگئیں اور باہر بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں۔ جب حضورؐ نے دروازہ کھولا اور حضرت حفصہ نے حضرت ماریہ کو اپنے حجرے میں دیکھا تو انہیں سخت ناگوار گزرا۔ اور شکوہ کرنے لگیں کہ میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر اور ماریہ۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے حقیر سمجھتے ہیں، اس لئے آپ نے ایسا کیا۔ حضور کریم ﷺ اپنی جانثار زوجہ کی غمزدگی اور پریشانی برداشت نہ کر سکے اور قسم کھالی کہ آئندہ ماریہ سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے۔ اور حضرت حفصہ کو تاکید فرمائی کہ وہ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ یہ دو واقعات ہیں۔ لیکن روایات میں بڑا اختلاف اور تعارض ہے۔ کہیں کسی کا نام ہے اور کہیں کسی کا۔ اس لئے ان واقعات کی مختلف روایتیں نقل کرنے کے بعد امام ابنِ جریر طبری اپنی تفسیر میں اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ نے اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو حرام کردیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے حلال کیا تھا۔ صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی کہتے

Marfat.com

ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی، ماریہ کے واقعہ میں نازل نہیں ہوئی۔ اور ماریہ کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کیلئے جس طرح شہد کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال کیا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی حلال چیز کو عقیدتاً حرام قرار دے دے۔ ایسا کرنا کفر اور گناہِ عظیم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو عقیدتاً تو حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرلے، تو یہ گناہ ہے، اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا اس پر واجب ہے۔ اور اگر کوئی ضرورت اور مصلحت ہو تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ عقیدتاً حرام سمجھے، نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا دل میں عزم کرلے۔ یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعثِ ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے۔ اور اگر ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی اور روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے۔

آپؐ کا شہد کو حرام کرنا شرعی تحریم نہیں تھا

آنحضرت ﷺ نے شہد کو عقیدتاً حرام سمجھ کر اپنے اوپر حرام نہیں کیا تھا، یعنی یہ تحریم شرعی نہیں تھی بلکہ آپ نے محض اپنی بیویوں کی دیداری اور دلجوئی کی خاطر اسے اپنے اوپر ممنوع قرار دے دیا تھا اور اس پر قسم کھالی تھی۔ اس پر آپ کو دو باتوں کا حکم دیا گیا۔ ایک تو اس بات کا کہ آپ نے چونکہ قسم کھائی ہے اس لئے قسم توڑ دیجئے اور اپنے قسم کا کفارہ دیجئے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے اس قسم کو توڑا اور کفارہ ادا فرمایا۔ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک غلام کفارۂ قسم میں آزاد کیا۔ دوسرا آپ کا سوال کے انداز میں ہلکا سا احتساب فرمایا۔ لیکن یہ چونکہ کسی گناہ کام پر نہیں تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے شانِ نبوت سے فروتر کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے ساتھ ہی اپنے غفور و رحیم ہونے کے حوالے سے معاف بھی فرمادیا۔ احتساب اس بات پر نہیں تھا کہ آپ نے ایک غلط کام کیا ہے بلکہ احتساب اس بات پر تھا کہ آپ نے اپنی بیویوں کی دلجوئی کیلئے بظاہر نہایت تلطف کا اظہار کیا ہے۔ لیکن آنے والے لوگ وہ اسے آپ کا عمل دیکھ کر اسے سنت قرار دیں گے۔ اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ چونکہ پیغمبر کی زندگی امت کیلئے ایک نمونہ ہوتی ہے اور اس کا ہر قول و فعل دین میں حجت کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ذاتی ذوق و رجحان اور اپنے محبوب سے محبوب لوگوں کی خاطر سے بھی کوئی ایسی بات کہے یا کرے جو بال برابر بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود سے متجاوز ہو۔ ورنہ پوری امت کیلئے ایک غلط مثال قائم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ یہود کے متعلق معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر اونٹ کو صرف اس بنا پر حرام کرلیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کسی سبب سے اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے علم میں یہ بات آتی کہ حضورؐ نے شہد نہ کھانے کا عہد کرلیا تھا تو کوئی متقی مسلمان مشکل ہی سے شہد کو ہاتھ لگاتا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر گرفت فرمائی اور فوراً اس کی اصلاح کیلئے ہدایت فرمائی۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾

(بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ مقرر کردیا ہے،
اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے، اور وہی علیم و حکیم ہے۔ ۲)

Marfat.com

قسم کا کفارہ اور اس کے احکام

تَحِلَّة ، تفعِلَة کے وزن پر ہے، یہ بابِ تفعیل کا دوسرا وزن ہے۔ یعنی تفعیل کے دو وزن آتے ہیں، ایک تفعیل کے وزن پر اور ایک تفعلہ کے وزن پر۔ جیسے کَمَّلَ سے تکمیل اور تکملہ دونوں وزن آتے ہیں۔ علامہ راغب نے آیت کے اس جملے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ چیز بیان کردی ہے جس سے تمہاری قسموں کی گرہ کھل جاتی ہے۔ یعنی قسم کھا کر جو گرہ تم نے ڈال دی تھی، اس گرہ کھولنے کا طریقہ تمہیں بتا دیا ہے کہ کفارہ ادا کرو اور پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔ اور یہ دراصل اشارہ ہے سورۃ المائدہ کی آیت ۸۹ کی طرف۔ تو یہاں لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم کسی بات کی قسم کھا لو اور پھر اسے توڑنا پڑے تو اس کا کفارہ اس طرح ادا کرو جیسے سورۃ المائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں فقہاء میں ایک اہم فقہی سوال پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا یہ حکم اس صورت کیلئے ہے جبکہ آدمی نے قسم کھا کر حلال کو حرام کرلیا ہو یا بجائے خود تحریم ہی قسم کی ہم معنی ہے، خواہ قسم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں یا نہ کئے گئے ہوں؟ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔ لیکن احناف کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابوبکر جصاص رقم طراز ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کہتا ہے تو وہ قسم ہوگی، گویا اس نے یوں کہا وَاللّٰهِ لاَ اَقْرَبُكِ "اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہیں جاؤں گا" اس صورت میں وہ ایلا کرنے والا ہوگا۔ یعنی اس تحریم کا حکم ایلا کا ہوگا۔ اور اگر اس نے یہ الفاظ کہتے ہوئے طلاق کی نیت کی، تو دو طلاق ہوں گی۔ اور اگر ایک طلاق کی نیت کی تو طلاقِ بائن ہوگی۔ اور اگر تین کی نیت کی تو طلاقِ مغلظہ ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے یعنی تمہارا آقا، تمہارا کارساز اور تمہارے معاملات کا متولی ہے۔ اسے حق پہنچتا ہے کہ تمہاری زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں احکام جاری کرے۔ سہولتیں بھی دے اور پابندیاں بھی لگائے۔ کیونکہ وہ تمہارا آقا ہے۔ اور تم خود مختار نہیں ہو کیونکہ تم اس کے بندے ہو۔ اس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں میں کسی طرح کی تبدیلی کا اختیار تم میں سے کسی کو نہیں ہے۔ تمہارا کام بس اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اور اس کے بعد اپنی دو صفات کو بیان فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو طریقے اور قوانین مقرر فرمائے ہیں وہ سب علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ جس چیز کو حلال کیا ہے علم و حکمت کی بنا پر کیا ہے۔ اور جسے حرام قرار دیا ہے اسے بھی علم و حکمت کی بنا پر حرام قرار دیا ہے۔ اس کے بندوں کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ علیم و حکیم ہم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اس کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کریں۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۞ ۳

(اور یہ واقعہ بھی قابلِ توجہ ہے) کہ جب نبی کریمؐ نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی، پھر جب اس بیوی نے دوسری کو راز کی بات بتادی تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو اس پر آگاہ کردیا، پیغمبر نے اس بیوی کو کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی، پھر جب پیغمبر نے اس بیوی کو اس پر آگاہ کیا تو بیوی نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی، فرمایا: مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ ۳)

Marfat.com

آنخضرت ﷺ اور آپ کی ازواج کے درمیان واقعہ کی وضاحت

اس آیتِ کریمہ میں سب سے پہلے جس بات کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے اپنی کسی بیوی صاحبہ کو کوئی راز کی بات نہایت رازداری سے بتلائی۔ اور رازداری سے بتانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کہہ دیا ہوگا کہ کسی اور سے اس بات کا تذکرہ نہیں کرنا۔ لیکن انہیں شاید یہ غلط فہمی ہوئی کہ ایسے کسی شخص سے اس کا تذکرہ نہیں ہونا چاہئے جو آنخضرت ﷺ کے اعتماد کا اہل نہ ہو۔ تو انہوں نے یہ بات ایک دوسری بیوی صاحبہ کو بتادی۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ بیوی صاحبہ بھی آنخضرت ﷺ کی نہایت قابلِ اعتماد بیوی تھیں۔ یہ یقیناً ایک کوتاہی تھی جس کا صدور آنخضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی سے نہیں ہونا چاہئے تھا کیونکہ آپ تو امت کی عورتوں کیلئے نمونہ ہیں۔ اور پھر یہ کہ آپ کو جس گھر میں بیوی بن کر رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ گھر ایک پیغمبر کا ہے جہاں تمام دنیائے کفر کیخلاف اسلامی انقلاب برپا کرنے کی تدبیریں ہوتی ہیں اور تمام کفار و مخالفین کی پالیسیاں اور سازشیں زیرِ بحث آتی ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اترتی ہے اور جس گھر میں ہر طرح کے نرم و گرم معاملات طے پاتے ہیں، ایسے گھر کی کسی بات کا افشاء ہو جانا اسلام اور مسلمانوں کیلئے بہت خطرناک نتائج کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے ایسی ہی کسی بات کا آپ نے اپنی بیوی صاحبہ سے ذکر فرمایا ہو۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنخضرت ﷺ اپنی ازواج کو نہایت قابلِ اعتماد سمجھتے تھے اس لئے نہایت اہم باتوں میں انہیں شریک بھی فرماتے تھے۔ لیکن ان کی طرف سے ایک راز کا افشاء چاہے وہ دوسری آنخضرت ﷺ کی نہایت قابلِ اعتماد بیوی ہی کے سامنے کیا گیا تھا، بہرحال ایک خطرناک بات تھی۔ اس لئے پروردگار نے اس افشائے راز سے آنخضرت ﷺ کو آگاہ فرمایا۔

ہمارے بعض مفسرین نے اس بات کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے کہ وہ بات کیا تھی جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور وہ دوسری بیوی کون تھی جنہیں یہ بات بتائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس بات کا علم امت کیلئے ضروری تھا تو پروردگار خود اس کا افشاء فرما دیتے۔ اور اگر دوسری بیوی کے بارے میں معلوم ہونا ضروری ہوتا تو پروردگار ان کا بھی نام لے دیتے۔ جب ان تمام باتوں کو پردے ہی میں رکھا گیا ہے تو پھر امت کے کسی فرد کیلئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اس کے کھوج لگانے کے درپے ہو۔ اور نہ اس آیت کو سمجھنے میں اس بات کا کوئی دخل ہے کہ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ بات کیا تھی۔ اصل جس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ صرف یہ ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات میں رازداری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بیویوں کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوں۔ کیونکہ اگر بیوی اپنے شوہر کے رازوں کی حفاظت نہ کرے تو اس گھر کے تباہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ اور نبی کریم ﷺ کا گھر چونکہ اس لحاظ سے نہایت ممتاز گھر ہے جس کی بڑی نازک ذمہ داریاں ہیں اور آنخضرت ﷺ کی حیثیت حق و باطل کی کشمکش میں مرکزِ حق کی ہے۔ اس لئے آنخضرت ﷺ اور آپ کے گھر کے بارے میں کسی بات کا افشاء ہونا بہت خطرناک بات ہو سکتی ہے۔ اس لئے پروردگار نے اس کوتاہی کی طرف متوجہ فرمایا۔ لیکن اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں فرمائی کہ یہ بھی معلوم ہو کہ وہ بات کیا تھی اور کس کو بتائی گئی تھی۔ اور خود آنخضرت ﷺ نے اپنی طبعی رافت و رحمت کے باعث ساری بات اپنی بیوی صاحبہ کے سامنے نہیں دہرائی بلکہ کسی حد تک اس کا ذکر کیا اور باقی سے چشم پوشی فرمائی۔ اس لئے کہ مقصود ایک ایسی غلطی کی طرف توجہ دلانا تھا جو کسی بدنیتی سے نہیں کی گئی تھی، بلکہ جیسا کہ ہم

Marfat.com

نے پہلے عرض کیا ہے انہیں گمان یہ ہوا کہ جس طرح حضورؐ مجھے اعتماد کے قابل سمجھتے ہیں حضورؐ کی وہ دوسری بیوی صاحبہ بھی شاید مجھ سے بڑھ کر اعتماد کے لائق ہیں تو انہیں اس میں شریک کر لینے میں کیا حرج ہے۔البتہ جب آپ نے ان سے اس افشائے راز کا تذکرہ کیا تو ان سے شاید یہ مزید غلطی ہوئی کہ بجائے اپنی غلطی پر توجہ دینے کے، انہوں نے پلٹ کر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی۔ کیونکہ دوسری بیوی صاحبہ سے میں نے جب یہ بات کی اس وقت کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں میں نے قابلِ اعتماد سمجھ کر یہ راز بتایا، انہوں نے شاید اس کی آپ کو اطلاع دے دی۔ اس لئے انہیں اس پر غصہ بھی آیا اور شاید رنج بھی ہوا ہوگا۔ کیونکہ جب کسی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے تو اسے ضرور رنج ہوتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی دور کر دی کہ مجھے ان بیوی صاحبہ نے نہیں بتایا بلکہ مجھے اس نے بتایا ہے جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی، یعنی پروردگار نے بتایا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

(اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے لئے زیبا ہے، تمہارے دل تو خدا کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم اس کیخلاف ایکا کرو گی تو اس کا حامی اللہ ہے، اور جبریل اور تمام نیکوکار مسلمان اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔ ۴)

صاحبِ تدبرِ قرآن نے عام مفسرین کی روش سے ہٹ کر ان آیات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ازواجِ مطہرات کے احترام کی وجہ سے ان کی یہ وضاحت زیادہ قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ہم ان کی کتاب سے ایک طویل اقتباس نقل کر رہے ہیں۔

تدبرِ قرآن کا ایک اقتباس

یہ ان دونوں بیویوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تو یہی بات تمہارے شایانِ شان ہے اس لئے کہ تمہارے دل تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے ہیں ہی۔ اور اگر تم نے رسول کے خلاف ایکا کیا تو یاد رکھو کہ رسول اپنی دل جمعی کیلئے تمہارا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کی طمانیت کیلئے اللہ، جبریل اور مومنین صالحین کی معیت و رفاقت کافی ہے مزید براں فرشتے بھی اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فروگزاشت تو ایک بیوی صاحبہ سے ہوئی تھی تو یہاں خطاب دو سے کیوں ہوا اور دوسری بیوی صاحبہ سے کون سی غلطی صادر ہوئی تھی جس پر ان کو بھی توبہ کی ہدایت ہوئی، بظاہر تو وہ بالکل بے قصور نظر آتی ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بیوی صاحبہ پر ان کے افشائے راز کے سبب سے ناخوشی کا اظہار فرمایا

Marfat.com

تو دوسری بیوی صاحبہ کو یہ گمان گزرا ہوگا کہ شاید اس ناخوشی کا سبب یہ ہے کہ یہ افشائے راز ان کے سامنے کیوں ہوا؟ انہوں نے خیال فرمایا ہوگا کہ یہ بات میرے ہی سامنے ظاہر کی گئی تھی، کسی غیر کے سامنے نہیں، تو آخر اس پر عتاب کی کیا وجہ ہوئی، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مجھے غیر خیال کیا گیا، اگرچہ ان کا یہ احساس بالکل غلط فہمی پر مبنی تھا لیکن جہاں محبت و اعتماد کے معاملے ہوں تنافس ہو وہاں اس طرح کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

بے جا خودداری کے اظہار پر گرفت

بہر حال ان دونوں ہی سیدات نے اس گرفت کو اپنی خودداری کے خلاف محسوس کیا اور یہ چیز اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ یہ دونوں ہی بیویاں نبی کریم ﷺ سے کچھ روٹھ سی گئیں۔ عام حالات میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ میاں بیوی میں اس طرح کی باتیں آئے دن ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن معاملہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کا تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر سختی سے گرفت فرمائی تا کہ ازواجِ نبی پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دین کے معاملے میں کسی کو بھی بے جا خودداری کے اظہار کا حق نہیں ہے۔ ان سے فروگزاشت ہوئی ہے تو دوسرے سے زیادہ وہ سزاوار ہیں کہ اپنے رویئے کی اصلاح کریں۔ یہی بات ان کے شایانِ شان اور ان کے ایمان و انابت کا مقتضیٰ ہے۔ اور اگر انہوں نے ضد سے کام لیا اور نبی (ﷺ) کے خلاف ایکا کیا تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا رسول اپنی دل جمعی و طمانیت کیلئے ان کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہی اس کی محتاج ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ان بیویوں کی طرف سے جس رویئے کا مظاہرہ ہوا اس کا محرک کوئی نفرت یا غصہ کا جذبہ نہیں بلکہ جیسا کہ واضح ہوا محض اعتماد و محبت یا بالفاظ دیگر تدلل کا جذبہ تھا لیکن قرآن نے اس پر گرفت سخت الفاظ میں کی۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم تمہیدی مباحث میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورۃ میں دراصل تعلیم دی ہی اس بات یک گئی ہے کہ محبت کے جذبات کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے حدود اور اس کے احکام و اوامر کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ازواجِ نبی بھی آنحضرت ﷺ کو صرف اپنا شوہر ہی نہیں بلکہ ہر حال میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا رسول سمجھیں اور ہر طرح کے حالات کے اندر اس خاص پہلو کو سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ مستحضر رکھیں۔ اس لئے کہ آپ کی یہ حیثیت دوسری تمام حیثیتوں پر بالا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا　اس ٹکڑے کی تاویل میں ہمارے مفسرین سے سخت لغزش ہوئی ہے۔ انہوں نے صَغَتْ کے معنی کج ہونے کے کئے اور تاویل یہ کی کہ اگر تم دونوں توبہ کرو تو یہی تمہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ تمہارے دل تو کج ہو چکے ہیں۔

اس تاویل میں کئی غلطیاں ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم توجہ دلائیں گے۔

Marfat.com

لفظِ صَغُو کی تحقیق

ا۔ اس میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ یہ تاویل عربیت کے بالکل خلاف ہے۔لفظ صَغْو عربی میں کسی شے سے انحراف کے معنی میں نہیں بلکہ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے معنی میں آتا ہے۔استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر سورۂ تحریم میں اس لفظ کی لغوی تحقیق بیان فرمائی ہے۔اس کا ضروری حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں:

''دنیا کی تمام زبانوں میں عموماً اور عربی زبان میں خصوصاً خاص خاص الفاظ ایک کلی معنی کے تحت ہوتے ہوئے بھی خاص خاص معانی کیلئے مخصوص ہوتے ہیں۔جو لوگ زبان کی ان خصوصیات سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اس کے فہم سے بالکل محروم رہتے ہیں۔''

یہ کلیہ بیان کرنے کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''مثلاً ''میل'' جس کے معنی جھکنے اور ہٹنے کے ہیں،ایک کلی مفہوم ہے جس کے تحت عربی میں بہت سے الفاظ ہیں،مثلاً زیغ، جور، ارعواء، حیادة، انحراف وغیرہ۔لیکن یہ سب میل عن الشیء یعنی کسی چیز سے ہٹ جانے یا برگشتہ ہوجانے کیلئے آتے ہیں۔پھر اسی کلی مفہوم کے تحت فی، توبة، التفات اور صغو وغیرہ الفاظ بھی ہیں جو سب کے سب میل الی الشیء یعنی کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں......''

''لفظ کی حقیقت کے واضح ہوجانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا کے معنی انابت قلوبکما ومالت الی اللہ و رسولہ (یعنی تم دونوں کے دل اللہ اور رسول کی طرف جھک چکے ہیں) کے ہوں گے کیونکہ لفظ صغو کسی شے کی طرف جھکنے کیلئے آتا ہے،اس سے مڑنے اور ہٹنے کیلئے نہیں آتا۔''

''اس لفظ کی یہ حقیقت اس کے تمام مشتقات میں بھی موجود ہے۔مثلاً صاغیة الرجل ،کسی شخص کے اتباع کو کہتے ہیں۔ صغوہ معک ،کے معنی ہیں اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ صغیت الی فلان کے معنی ہیں اس کی طرف تم نے کان لگایا۔حدیث شریف میں ہے: ینفخ فی الصور فلایسمعه احدالااصغی الیه (صور پھونکا جائے گا تو ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہوجائے گا)اسی طرح محاورہ ہے الصبی اعلم بمصغی خده (بچہ اپنی آغوشِ محبت کو خوب پہچانتا ہے) هرّة (بلّی)والی حدیث میں ہے: کان یصغی لها الاناء (اس کے لئے برتن جھکا دیتے کہ وہ آسانی سے پانی پی لے)۔برتن کے جوف کو صغو کہتے ہیں کیونکہ چیز اس میں جمع ہوجاتی ہے۔''

ابنِ بری نے اصغاء سمع (کسی کی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے:

تری السفیه به عن کل مکرمة ذیغ وفیه للتسفیه اصغاء

(بےوقوف عزت وشرف کی باتوں سے منہ موڑتا ہے اور سفاہت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے)۔

شاعر اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے:

Marfat.com

تصغى اذا شدّها بالكور جانحة حتى اذا ما استوى فى غرزها تثب

(جب وہ اس پر کجاوہ کستا ہے وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے اور جب وہ رکاب میں پاؤں رکھ دیتا ہے وہ جھپٹ پڑتی ہے)۔

اعشیٰ اپنی کتیا کی آنکھ کا ذکر کرتا ہے:

ترى عينها صغواء فى جنب مؤقها تراقب كفى والقطيع المعد ما

(اس کی آنکھ گوشۂ چشم کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور وہ میرے ہاتھ اور سخت کوڑے کو دیکھتی ہوتی ہے)۔

نمر بن تولب نے اصغاء اناء کا محاورہ ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے لیکن لفظ کے اصل مفہوم کی روح اس کے اندر بھی موجود ہے۔

وان ابن اخت القوم مصغى اناؤه اذا لم يزاحم خاله باب جلد

(اور قوم کے بھانجے کی حق تلفی کی جاتی ہے اگر وہ اپنے ماموؤں کی مزاحمت ایک بہادر باپ سے نہ کرے)۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ، یہ محاورات و اشعار لسان العرب سے نقل کرنے کے بعد، نہایت گہرے تاثر کے ساتھ فرماتے ہیں:

''جن لوگوں کو حق کی تلاش ہے ان کیلئے یہ شواہد بس ہیں۔ وہ ان سے مطمئن ہو جائیں گے اور گھڑنے والوں نے روایات و آثار میں جو زہر ملایا ہے اس سے وہ متاثر نہ ہوں گے۔ انہوں نے جب کتابِ الٰہی میں کسی لفظی تحریف کی راہ مسدود دیکھی تو معنوی تحریف ہی کی کچھ راہیں کھول لیں اور صغو کے معنی زیغ کے کر دیئے حالانکہ دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے۔ بعض روایات میں زاغت کی جو قرأت آئی ہے وہ بالکل ہی ناقابلِ التفات ہے۔''

عربیت کے ایک اسلوب کی وضاحت

۲۔ دوسری غلطی اس میں یہ ہے کہ اگر بات یہ کہنی ہوتی کہ تم دونوں توبہ کرو اس لئے کہ تمہارے دل کج ہو چکے ہیں، تو، اس کیلئے یہ اسلوب بیان، جو قرآن نے یہاں اختیار کیا ہے، بالکل ہی ناموزوں ہے۔ وان شرطیہ کے بعد قد جو آتا ہے، جس طرح یہاں آیا ہے، اس کی متعدد مثالیں قرآن اور کلامِ عرب سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ پیش کرنے کے بعد اس اسلوب کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

''ان مثالوں پر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اسی اسلوب میں قد کے بعد جو جملہ آتا ہے وہ اس امر کی آسانی و سہولت کو بیان کرتا ہے جو اِنْ کے بعد کہی جاتی ہے۔ یعنی اسلوب کے اجمال کو کھول دیا جائے تو تقدیرِ کلام یوں ہوگی کہ اگر ایسا ایسا ہوا تو کچھ حرج نہیں، یا کوئی تعجب نہیں یا یہ معمولی بات ہے کیونکہ ایسا ایسا ہو چکا ہے۔ اس روشنی میں آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ اگر تم پیغمبر کی رضا جوئی کیلئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو تو یہی تم سے متوقع ہے۔ اس لئے کہ تمہارے دل تو پہلے ہی سے اس کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔''

Marfat.com

نفسیاتِ انسانی کی ایک حقیقت

۳۔ اصل میں تیسری غلطی یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کو بالکل بلا سبب دل کے زیغ وانحراف کا گنہگار بنادیا گیا ہے حالانکہ اوپر ہم نے الفاظِ قرآن کی روشنی میں واقعہ کی جو نوعیت بیان کی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ اس میں کسی پہلو سے کسی فسادِ نیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہوا باہمی اعتماد و محبت اور اخلاص کی بنا پر ہوا۔ حضورؐ نے ایک بات راز کے طور پر ایک بیوی سے کہی۔ انہوں نے وہ بات بر بنائے محبت دوسری بیوی پر ظاہر کردی۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس افشائے راز سے آگاہ فرمادیا تو آپ نے ان بیوی صاحبہ کو ٹوکا جن سے یہ کوتاہی صادر ہوئی لیکن انہوں نے اس ٹوکنے کو قرار واقعی اہمیت نہ دی بلکہ یہ خیال کیا کہ شوہر کی بات انہوں نے شوہر ہی کی دوسری معتمد و محبوب بیوی پر اگر ظاہر کی تو یہ ایسی غلطی نہیں ہے جس پر گرفت کی جائے۔ پھر ان کے اس رویے پر حضورؐ کچھ کھنچے کھنچے ظاہر ہوئے تو اس اعتماد کی بنا پر جو شوہر کی محبت پر تھا وہ بھی از راہ تدلل روٹھ گئیں اور اس میں ان بیوی صاحبہ نے بھی ان کا ساتھ دیا جن پر راز ظاہر کیا گیا تھا۔ انہوں نے جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، اس بات میں اپنی کچھ توہین سی محسوس فرمائی ہوگی کہ ایک ایسی بات پر عتاب ہوا جو ان پر ظاہر کی گئی۔ اس طرح کے احساسِ خودداری کا معزز گھرانوں کی سیدات کے اندر ابھرنا ذرا بھی عجیب نہیں ہے۔

یہاں نفسیاتِ انسانی کی یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ جب روٹھنے کا سبب محبت واعتماد ہو تو خفگی محض ظاہر کا پردہ ہوتی ہے جس کے پیچھے نہایت گہری خواہش ملاپ کی موجود ہوتی ہے۔ یہاں بھی یہی صورت تھی۔ دونوں بیویاں بظاہر روٹھ گئیں لیکن دل کے ہر گوشے میں یہ بے قراری موجود تھی کہ حضورؐ کی طرف سے ذرا ملاطفت کا اظہار ہو تو خفگی کا یہ مصنوعی پردہ اٹھادیں لیکن حضورؐ اپنے رویہ میں کوئی نرمی اس وجہ سے پیدا نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کو جیسا کہ واضح ہوا گھر والوں کو یہ تعلیم دینی تھی کہ محبت کے اندر بھی وہ اللہ ورسول کے احکام کو مقدم رکھیں۔ ناچار بیویوں ہی کو اپنی بے جا خودداری سے دستبردار ہونا تھا لیکن اعتماد و محبت کی زنجیر سخت ہوتی ہے۔ دل سے یہ چاہنے کے باوجود کہ کوئی ایسی بات ہو جائے کہ یہ بیگانگی دور ہو، وہ پہل کرنے سے ہچکچاتی رہیں۔ قرآن نے وَاِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کے الفاظ سے ان کی اسی باطنی کشمکش کی طرف نہایت خوبی سے اشارہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین اس کو سمجھ نہ سکے۔ اور دل کے اس پر محبت جھکاؤ کو العیاذ باللہ وہ دل کی کجی گمان کر بیٹھے۔

سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ میں گہری محبت تھی

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ تظاهر کے معنی ہیں ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار بننا۔ اس کے بعد عَلٰی کے صلہ سے اس کے اندر پیغمبر ﷺ کے خلاف ایکا یا اتحاد کر لینے کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ اوپر ہم اس اتحاد کی نوعیت اور اس کے سبب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کسی جنگ و پیکار کا مظاہرہ نہیں بلکہ اعتماد و تدلل کا مظاہرہ تھا۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ اس معاملے میں انہیں اپنی خودداری

Marfat.com

کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اس وقت اوجھل ہوگئی کہ دین کے معاملے میں احتساب سے کوئی بھی بالا نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ کا رسول بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس امر پر نگاہ رہے کہ یہاں جن سیدات کے اتحاد کی طرف اشارہ ہے مشہور روایت کے مطابق وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں جن کی نسبت تفسیری روایات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کے درمیان سوکنوں کے قسم کی چشمک و رقابت برابر رہتی تھی لیکن قرآن کے اس مقام میں ان کا جو کردار بیان ہوا ہے وہ اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ ان میں ایسی گہری محبت تھی کہ وہ شوہر کے راز میں بھی ایک دوسری کو شریک کر لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایک دوسری کی ہمدردی میں شوہر سے روٹھ بھی جاتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی دلچسپی کا اصل مرکز

آیت میں خطاب اگرچہ دو ہی بیویوں سے ہے لیکن اس میں جو تنبیہ ہے وہ تمام ازواجِ مطہرات سے متعلق ہے۔ ان کو یہ آگاہی دی گئی ہے کہ اگر وہ روٹھ جائیں گی تو یہ نہ سمجھیں کہ اس سے ہمارے پیغمبر کی بزم سونی ہو جائے گی۔ پیغمبر کو جو دلچسپی ان کے ساتھ ہے اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس کی اصل وابستگی اللہ سے ہے جو اس کا مولیٰ و مرجع ہے، پھر جبریل اس کے ساتھی ہیں جو وحی لاتے ہیں، پھر مومنین صالحین ہیں جو اس کی توجہ و تربیت کے اصل حقدار ہیں۔ مزید برآں اللہ کے فرشتے ہیں جن کی رفاقت و معیت اس کو ہر مشکل میں حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کو اپنے شوہر کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس فرقِ عظیم کو ملحوظ رکھنا چاہئے جو ایک عام شوہر اور ایک پیغمبر میں ہوتا ہے۔ پیغمبر ﷺ اپنی عظیم مصروفیات میں سے جو لمحے بچا کر انہیں بخش دیں اس کی قدر کریں۔ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر ان کی محبت و رفاقت کے محتاج ہیں اس وجہ سے ہر معاملے میں لازماً ان کی دلداری ملحوظ رکھیں گے۔ وہ دلداری وہیں تک کریں گے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حدود کے اندر گنجائش ہوگی۔ اگر کسی معاملے میں ذرا بھی حدود سے تجاوز ہوگا اس پر احتساب بھی ان کے فرائض میں داخل ہے جس میں کوتاہی ان کیلئے روا نہیں ہے۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝٥

(کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں، تو اللہ ایسی بیویاں تمہارے عوض آپ کو عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں، اطاعت شعار، ایمان والیاں، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، ہجرت کرنے والیاں، شوہر آشنا اور کنواریاں۔ ۵)

Marfat.com

تمام ازواجِ مطہرات کو تنبیہ اور ان کے سامنے اعلیٰ صفات کا ایک آئینہ

اوپر والی آیت میں دو ازواجِ مطہرات کی تادیب فرمائی گئی۔ اب تمام ازواجِ مطہرات کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ تنبیہ کا انداز اگرچہ بہت ہلکا ہے لیکن جنہیں تنبیہ کی جارہی ہے ان کے احساس کیلئے یہ بھی بہت گراں ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ صرف دو ازواجِ مطہرات تک محدود نہیں تھا بلکہ دوسری ازواجِ مطہرات بھی کچھ نہ کچھ ذمہ دار تھیں۔ قرآنِ کریم نے اس بات کی صراحت نہیں فرمائی کہ ازواجِ مطہرات کو یہ تنبیہ کس بات پر کی گئی اور ان سے ایسا کیا قصور سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے انہیں سرزنش کی جارہی ہے۔ لیکن احادیثِ مبارکہ سے جو کچھ اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے آپس کی رشک ورقابت میں آنحضرت ﷺ کیلئے ایسی صورتحال پیدا کردی تھی جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں گرانی بڑھتی جارہی تھی۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں نے آپس کے رشک ورقابت میں مل جل کر حضورؐ کو تنگ کردیا تھا۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ بعید نہیں کہ اگر حضورؐ تم کو طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو عطا فرمادے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا گیا ہے کہ مجھے خبر پہنچی کہ امہات المومنین اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کچھ سرد مہری ہوگئی ہے۔ اس پر میں ان میں سے ایک ایک کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تنگ کرنے سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں حضورؐ کو عطا فرمادے گا۔ یہاں تک کہ جب میں امہات المومنین میں سے آخری کے پاس گیا اور بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امِ سلمہ تھیں۔ تو انہوں نے مجھے جواب دیا: اے عمر! کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کی نصیحت کیلئے کافی نہیں ہیں کہ تم انہیں نصیحت کرنے چلو ہو۔ اس پر میں خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات کیلئے روز روز کے فاقوں اور مستقل تنگدستی کی برداشت مشکل ہوگئی تھی۔ ان سب میں یہ مطالبہ پیدا ہوچکا تھا کہ آپؐ ہمارے لئے اتنا وظیفہ تو مقرر کردیں جس سے ہمیں روزانہ ایک وقت ہی روٹی کھانے کو مل جائے اور مناسب لباس میسر آجائے۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک کو چونکہ آنحضرت ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اور محبت میں بدگمانیاں تو فطری بات ہے اس لئے ان میں رشک ورقابت کے جذبات پیدا ہوتے اور آنحضرت ﷺ کو ان سے تکلیف ہوتی۔ ازواجِ مطہرات اگرچہ معاشرے کی بہترین خواتین تھیں مگر بہرحال تھیں انسان ہی، اور بشریت کے تقاضوں سے مبرا نہ تھیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے نہایت ادب سے کئے گئے مطالبات گو اپنی جگہ بالکل صحیح تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نبوت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کا پورا کرنا مشکل تھا۔ اس سے ہلکی پھلکی رنجش کو راہ ملی۔ اور اس سے پہلے کہ آنحضرت ﷺ زیادہ آزردہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس میں مداخلت فرمائی اور ازواجِ مطہرات کو تنبیہ کرتے ہوئے انہیں ان کا مقام یاد دلایا کہ وہ اپنے گھر کو عام گھروں جیسا نہ سمجھیں بلکہ یہ پیغمبر کا گھر ہے اور انہیں جو رفاقت کی زندگی میسر ہے اس سے بڑھ کر کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے پہلے ہی جملے نے تمام ازواجِ مطہرات کو ہلا کر رکھ دیا۔ کیونکہ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں کہ کبھی آنحضرت ﷺ انہیں طلاق دے کر اپنے شرفِ صحبت سے محروم کردیں گے اور ان سے امہات المومنین کا شرف چھن جائے گا۔ اور مزید یہ بات ان کیلئے نہایت تکلیف دہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں ان کے بعد جو عورتیں آئیں گی وہ اپنی صفات میں ان سے بڑھ چڑھ کر ہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد پھر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں کوئی ایسی بات پیدا ہوئی ہو جو حضورؐ کے خاطرِ عاطر کیلئے بار ثابت ہو۔

Marfat.com

اس آیت میں ازواجِ مطہرات کے جو اوصاف گنوائے گئے ہیں واضح رہے کہ ازواجِ مطہرات کو ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں جو ان میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ کسی وصف میں بھی درجات کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر وصف کے کمال کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے سورۃ الاحزاب آیت ۳۵ میں ان میں سے اکثر اوصاف کا تذکرہ ہو چکا ہے اور وضاحت بھی گزر چکی ہے۔ اس لئے دوبارہ اُس آیت کو دیکھ لینا چاہئے۔ البتہ اس میں سٰئِحٰتٍ کا جو لفظ گزرا ہے اس کا ترجمہ عام طور پر روزے رکھنے والیاں کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ اس لفظ کا غلط تو نہیں لیکن محدود ضرور ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کا ترجمہ مہاجرات کیا ہے۔ کیونکہ سائح سیاحت سے ہے اور اسلام میں سیاحت صرف ہجرت ہی ہے۔ ابنِ زید نے کہا ہے کہ لَیْسَ فِی الْاِسْلَامِ سِیَاحَةٌ اِلَّا الْھِجْرَةِ۔

ثَـیِّـبٰتٍ، ثَـیِّـبَةٌ کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور بعد میں اس کو طلاق دے دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾

(اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو سخت گیر ہیں، جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ ٦)

عام مسلمانوں میں عام احتساب کی ہدایت

ازواجِ مطہرات کے احتساب کے بعد عام مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم پر ذمہ داری صرف اپنی نہیں بلکہ اپنی اولاد، اپنی بیوی اور اپنے خدام کو بھی عذابِ جہنم سے بچانے کی کوشش کرو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے خاندان کا سربراہ بنایا ہے تو تم پر خاندان کی ذمہ داریاں بھی ڈالی گئی ہیں۔ اگر خاندان کے سربراہ کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے اہلِ خانہ جہنم کے سزاوار ٹھہرے تو خاندان اور گھر کے سربراہ کو بھی جواب دینا پڑے گا کہ تم نے ان کی تربیت میں کمزوری کیوں دکھائی۔ اور اگر وہ ایسا جواب نہ دے سکا جس سے اس کی ذات کی براءت ہو سکے تو پھر وہ اس ذمہ داری کے حوالے سے ماخوذ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے معاملے میں جواب دہ ہے۔ حکمران اپنی رعیت کا راعی ہے اور وہ اس کے معاملے میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کیلئے عمدہ نام تجویز کرے۔ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں بہتر تعلیم دے اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کرے۔ ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچے کو حُسنِ ادب

Marfat.com

سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔ جب تک والدین بچوں کے حوالے سے اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوشاں رہے ہیں تو اسلامی معاشرہ بہت ساری قباحتوں سے محفوظ رہا۔ لیکن جب سے والدین نے اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے تو اس کا نتیجہ سامنے ہے کہ اولاد میں نہ ماں باپ کی خصوصیات کا کوئی دخل ہے اور نہ اسلام کے دیئے ہوئے حُسنِ اخلاق کا۔ اور اس پر مزید ظلم ہمارے تعلیمی نظام نے کیا ہے کہ بچپن سے نکل کر بچہ سکول اور پھر کالج اور یونیورسٹی میں تربیت پاتا ہے۔ لیکن جب سے تعلیمی اداروں میں اپنا ہدف صرف نوشت وخواند تک محدود کر دیا ہے اور آنکھیں بند کر کے وہ تعلیم دی جارہی ہے جو سرکار کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ اور اسلامی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جاتی۔ تو نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اکبر نے ٹھیک کہا تھا:

بو آئے کیا بچے میں ماں باپ کے اطوار کی
دودھ ہے ڈبے کا تعلیم ہے سرکار کی

دوسری بات جو اس آیت میں فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آج تمہیں اپنے اہلِ خانہ کا احتساب کرتے ہوئے ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ میری کوئی بات ان کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم نے ان کے احتساب سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور وہ بگاڑ کی طرف بگٹٹ بھاگے جارہے ہیں، لیکن کاش تمہیں اندازہ ہوتا کہ تمہاری اس غفلت کے نتیجے میں تم سب جس جہنم میں ڈالے جانے والے ہو اس میں ایسے فرشتوں سے تمہیں واسطہ پڑے گا جو نہایت تندخو اور سخت گیر ہیں۔ وہ کسی کی بات سنتے ہیں اور نہ مانتے ہیں انہیں صرف ایک بات سے غرض ہے کہ انہوں نے ہر وہ کام کرنا ہے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔

اور وہ آگ (جس سے اللہ تعالیٰ نہ کرے کہ واسطہ پڑے) ایسی ہے جس کا ایندھن وہ انسان ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور حکمرانی کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور وہ پتھر ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر پوجا گیا۔ چاہے وہ قدیم دور کے بت ہوں یا وہ آج کے مجسمے۔ یعنی اس آگ کا من بھاتا کھاجا وہ پتھر ہیں جس میں شرک کے جراثیم شامل ہیں۔ ایسے انسانوں کو پتھروں سے جہنم کی آگ میں تیزی پیدا ہوگی۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧

(اے وہ لوگو جنہوں نے کفر کیا ہے آج عذر پیش نہ کرو، تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جارہا ہے جیسے تم عمل کرتے رہے ہو۔ ۷)

احتساب کے احساس کی تکمیل

اوپر کی آیت میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تم پر ذمہ داری صرف اپنی نہیں بلکہ تمہارے اہلِ خانہ اور تمام ان لوگوں کی ہے جو تمہارے زیرِ اثر یا تمہاری نگرانی میں ہیں۔ اس لئے تمہیں جواب دہی صرف اپنی طرف سے نہیں بلکہ ان کی طرف سے بھی کرنی ہوگی کہ تم نے ان کی اصلاح کی خاطر اور ان کے اندر دینی شعور پیدا کرنے کیلئے کیا کیا۔ اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اسی تنبیہ کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی زندگی میں کوتاہیاں کی ہوں گی اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے گریز کیا ہوگا انہیں جب قیامت کے دن جواب دہی کے عمل سے گزرنا پڑے گا تو وہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے حیلے بہانے، مختلف قسم کے عذر اور معذرتیں پیش کر کے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی

Marfat.com

کوشش کریں گے۔ تو انہیں صاف یہ فرمایا جائے گا کہ آج معذرتیں یا عذر پیش نہ کرو۔ یہ اعذار پیش کرنے کی جگہ نہیں، بلکہ یہاں تو ایک ہی سکہ چلتا ہے جسے ایمان وعمل کہتے ہیں۔ اس لئے تمہاری ان معذرتوں سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ عدالت سراسر عدل اور انصاف پر قائم ہے۔ یہاں تمہیں ویسا ہی صلہ ملے گا جیسا تم دنیا میں عمل کر چکے ہو۔ یہاں کی سزائیں تمہارے اپنے عمل کا پھل ہے۔ تم نے دنیا میں جو کچھ بویا آج اسی کے کاٹنے کا وقت ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ مسلمانوں کو دراصل اس بات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تمہیں دنیا میں ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کرنا چاہئے جس کی پاداش میں تم ویسے ہی پکڑے جاؤ جیسے کافر پکڑے جاتے ہیں۔ اور تمہارا انجام کافروں جیسا ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ
يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا
وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ
الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ
امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ
مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ
فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ
مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ

Marfat.com

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا
وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

رکوع: ۲۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، امید ہے تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کردے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی، اس روز اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا، ان کا نوران کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، وہ دعا کررہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارا نور مکمل فرمادے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ۸) اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سخت ہو جایئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ۹) اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے کافروں کیلئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، وہ ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی، تو وہ اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آسکے، اور دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جاؤ تم بھی آگ میں جانے والوں کے ساتھ آگ میں چلی جاؤ۔ ۱۰) اور اللہ ایمان والوں کیلئے مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی جبکہ اس نے دعا کی اے میرے رب! میرے لئے اپنی جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے دے اور مجھے نجات عطا فرما ظالم قوم سے۔ ۱۱) اور مریم بنتِ عمران کی مثال بیان کرتا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی، اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔ ۱۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا
نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، امید ہے تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کردے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی، اس روز اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا، ان کا نوران کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، وہ دعا کررہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارا نور مکمل فرمادے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ۸)

Marfat.com

احتساب کے بعد توبہ کی تلقین

اس آیت میں کفار کو تنبیہ کے بعد مسلمانوں کو نہایت اہتمام سے توبہ کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر تم اس سے پہلے جہالت، کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے غلطیاں کر چکے ہو تو اب وقت ضائع نہ کرو، بلکہ پہلی فرصت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاؤ اور سچے دل سے نہایت پختہ اور خالص توبہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیتِ توبہ کے بعد وہ رحیم و کریم ذات تمہارے گناہوں کو تم سے مٹا دے گی اور یا اپنے دامنِ کرم میں اسے یوں چھپا لے گی کہ کسی کو اس کی خبر تک نہ ہو سکے۔

تَوْبَةً نَّصُوْح کی وضاحت

تَوْبَةً نَّصُوْحًا یہ کوئی نئی توبہ نہیں بلکہ ہر توبہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اور جو توبہ اس صفت اور استغفراق سے محروم ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل کرنا بہت مشکوک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات جتنی رحیم و کریم ہے اتنی ہی وہ عظیم بھی ہے۔ وہ تو خالص اور سچی توبہ کو بھی قبول کرنے کی صرف امید دلاتا ہے کسی کا استحقاق تسلیم نہیں کرتا۔ یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ اور رجوع الی اللہ کو قدر و منزلت سے نواز دیتا ہے۔ ورنہ جس طرح بندوں کے اعمال ہزار کوششوں کے باوجود بھی کوتاہیوں اور لغزشوں سے پاک نہیں ہوتے، اسی طرح بندوں کی توبہ بھی غفلت اور تصورِ غیر سے بالکل پاکیزہ ہو جائے یہ آسان نہیں۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس سینے میں چھپ چھپ کر بنا لیتی ہے تصویریں

نصوح کی تشریح میں علماء کے بیسیوں اقوال ہیں جن میں سے چند یہ ہیں اور ان تمام اقوال میں معنوی یکسانی پائی جاتی ہے۔

۱۔ وہ شہد جس کو موم اور دیگر آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو، اسے عَسَلٌ نَاصِحٌ (خالص شہد) کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تَوْبَةً نَّصُوْح سے مراد وہ توبہ ہوگی جو ہر طرح کے نفاق، ریا اور کاہلی کی آلائشوں سے پاک ہو۔

۲۔ پھٹے ہوئے کپڑے کو سی دینے اور ادھڑے ہوئے کپڑے کی مرمت کر دینے کیلئے نصاحة الثوب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے توبہ کو نصوح کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح گناہوں سے تم نے اپنے ایمان کا لباس تار تار کر دیا ہے اور اپنے تقویٰ کے پیرہن میں چاک ڈال دیئے ہیں، ایسی توبہ کرو کہ وہ چاک رفو ہو جائیں اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔

۳۔ نَصُوْح کی اصل نصیحت ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسی توبہ کرو کہ اس کے آثار تم میں نمایاں ہو جائیں۔ تم میں نمودار ہونے والی خوش آئند تبدیلی کو دیکھ کر دوسرے گنہگار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بھی اپنی غفلت اور عصیان سے آلودہ زندگی کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ تو تَوْبَةً نَّصُوْح کے وہ مفہومات ہیں جو اس کے لغوی معنی سے مترشح ہوتے ہیں۔ رہا اس کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم تو اس کی تشریح احادیث میں ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تَوْبَةً نَّصُوْح کی حقیقت معلوم کی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے سے کوئی گناہ سرزد ہو اور وہ اس پر نادم اور شرمسار ہو اور پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اور جس طرح دودھ کھیری میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا، پھر اس سے بھی یہ گناہ دوبارہ صادر نہ ہو۔ حضرت علیؓ نے

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک بدوی کو سنا، وہ جلدی جلدی کہہ رہا ہے اللھم انی استغفرک و اتوب الیک ''اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' حضرت علیؓ نے فرمایا: اے اعرابی یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ اس نے عرض کیا فرمایئے سچوں کی توبہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: توبہ میں چھ چیزیں پائی جائیں تو وہ سچوں کی توبہ ہوگی۔ (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت، (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضاء، (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اس کی واپسی، (۴) جس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی کا حصول، (۵) آئندہ کیلئے پختہ عزم کہ گناہ نہیں کرے گا، (۶) جس طرح پہلے تم نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعتِ الٰہی میں اس کو گھلادو۔ یعنی جس طرح تو نے اب تک اپنے نفس کو معصیت کا خوگر بنائے رکھا ہے اب اس کو اطاعت کی تلخی کا مزہ چکھا۔

توبہ کے سلسلے میں ایک بات جس کا پیشِ نظر رہنا ہمیشہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ توبہ کا سبب اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کا مقصد ہمیشہ اس کی خوشنودی کا حصول ہونا چاہئے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور محرک ہوگا تو وہ توبہ قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ بعض دفعہ انسان گناہوں کو اس لئے بھی چھوڑ دیتا ہے کہ ان سے صحت تباہ ہوگئی، مال برباد ہوگیا اور عزت خاک میں مل گئی ہے۔ اور اس کو بظاہر وہ توبہ کا نام دیتا ہے۔ لیکن یہ توبہ، تَوْبَةً نَّصُوْح کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔

دوسری بات اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی خالص توبہ پر یہ بشارت دی ہے کہ ایسی توبہ کرنے والوں کے گناہ اللہ تعالیٰ جھاڑ دے گا اور انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ لیکن اس کیلئے عَسٰی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو امید دلانے کیلئے آتا ہے۔ اس لئے بعض اہلِ علم کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خالص توبہ کرنے والوں سے جنت دینے کا وعدہ نہیں فرمایا اور نہ انہیں معاف کر دینے کا یقین دلایا ہے، بلکہ یہ امید دلائی گئی ہے کہ اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ یہ معاملہ کرے۔ یعنی اس سے تمہاری مغفرت اور جنت کے حصول کا استحقاق پیدا نہیں ہو جاتا کہ اب اللہ تعالیٰ پر واجب ہوگیا ہے وہ ضرور تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے۔ بلک اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں خالص توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ تمہیں معاف فرمادے گا۔ لیکن اس امید کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ اس کے بھروسے پر آدمی گناہ کرتا رہے کہ توبہ سے معافی تو مل ہی جائے گی۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے خطاب کی صورت میں عَسٰی کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کی نوعیت بندوں کیلئے وعدے اور بشارت کی ہوتی ہے بشرطیکہ بندے اپنے کو اس کا اہل ثابت کریں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے گناہ پر دلیر ہو جانا تو نہایت بدنصیبی کی بات ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ بڑا وزن رکھتی ہے کہ شہنشاہ جب اپنی رعایا کو کسی بات کی امید بھی دلا دیں تو اس امید پر لوگوں کے گھروں میں شادیانے بج جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ بادشاہوں کی امید چھوٹے لوگوں کے وعدوں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ یقیناً سچی توبہ کرنے والوں سے رحمت و مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں دکھ اٹھا کر اور لوگوں کے ہزار طعنوں کے باوجود شریعت کے مطابق پاکیزہ زندگی گزاری۔ اور اپنی نفسانی خواہشات پر اللہ تعالیٰ کے خوف کا پہرہ بٹھائے رکھا۔ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ حسنہ کی قدر فرمائے گا اور ان کو بیش از بیش اجر و ثواب سے نوازے گا۔ اور کفار کو یہ کہنے کا موقع نہیں دے گا کہ تم نے جس امید پر دنیا میں احکام کی پابندی برداشت کی اور خواہشات سے منہ موڑے رکھا آج تمہیں

Marfat.com

اس کا کیا صلہ ملا۔ البتہ رسوائی ان لوگوں کی ہوگی جو اصحاب ایمان کو خود فریبی اور کوتاہی فکر کا طعنہ دیتے رہے۔ اور آخرت کا انکار کر کے عیش و عشرت میں مگن رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ اصل زندگی تو دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم یہاں کی لذتوں سے بیگانہ کیوں رہیں۔ وہ اس روز پچھتائیں گے اور رسوائیوں کی نذر ہو کر رہ جائیں گے۔

چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کی عزت و سرافرازی کا عالم یہ ہوگا کہ روشنی ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہی ہوگی۔ وہ جنت کی طرف جانا چاہیں گے تو روشنی ان کے راستے روشن کرے گی جبکہ ان کے بائیں طرف چلنے والے کفار اور منافقین تاریکی میں ڈوبے ہوئے ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہوں گے۔ ایسی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی روشنی کے کامل ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں گے۔ یعنی جس طرح یہ روشنی ہمیں راستہ دکھا رہی ہے اس روشنی کو اتنا طویل فرما کہ ہم خیر و عافیت سے جنت تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس آیت کو سورۃ الحدید کی آیات ۱۲ اور ۱۳ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو تب اس کا مفہوم زیادہ واضح ہوتا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ جس دن مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف چل رہی ہوگی، ان کو خوشخبری دی جا رہی ہوگی کہ آج تمہارے لئے ایسے باغوں کی بشارت ہے جن میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے، یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمیں بھی موقع دیجئے کہ ہم بھی آپ لوگوں کی روشنی سے فائدہ اٹھا لیں۔ ان کو جواب ملے گا کہ پیچھے پلٹو اور وہاں سے روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف سے عذاب۔ یہ منافقین ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم آپ لوگوں کے ساتھ نہ تھے۔ وہ جواب دیں گے، ساتھ تھے تو سہی، لیکن تم نے اپنے کو فتنوں میں ڈالا، انتظار میں رہے، شک کیا اور آرزوؤں نے تمہیں گھیرے رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ظاہر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان نے تمہیں دھوکے ہی میں رکھا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹

(اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سخت ہو جایئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ۹)

مسلمانوں کی عملی زندگی کی تطہیر کے بعد جہاد کا حکم

مسلمانوں کی عملی زندگی میں پاکیزگی اور استواری کی ترغیب و تاکید کے بعد اس اہم بات کی تاکید فرمائی جا رہی ہے جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا کہ آپ کفار سے جہاد جاری رکھیں اور وہ جہاد ظاہر ہے تلوار کے ذریعے سے ہوگا۔ اور اس کے احکام گزشتہ سورتوں میں گزر چکے ہیں۔ اور دوسرا زبانی جہاد کا حکم دیا۔ اس کے ہدف وہ لوگ ہوں گے جو ایمان کے مدعی تو تھے لیکن ایمان کے تقاضوں سے گریزاں تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں منافقین کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل اپنی کریم النفسی کے باعث ان کے ساتھ ہمیشہ عفو و درگزر اور نرمی کا رہا۔ لیکن اب آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ اب آپ ان کیلئے سخت ہو جائیں۔ کیونکہ وہ آپ کی نرمی کی قدردانی کی بجائے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی بات اس سے پہلے سورۃ التوبہ کی آیت ۷۳ میں بھی فرمائی گئی ہے۔ ہم اس کی وضاحت کے سلسلے میں جو کچھ عرض کر چکے ہیں یہاں اس کا اعادہ مفید سمجھتے ہوئے اسے نقل کر رہے ہیں:

Marfat.com

پیشِ نظر آیات کے نزول تک منافقین مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے۔ان کی بعض عادتیں اور بعض اقدامات مسلمانوں کو کھٹکتے بھی تھے۔لیکن نبی کریم ﷺ کی کریم النفسی اور درگزر کے باعث مسلمان ان سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔وہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بھی حاضر ہوتے بعض دفعہ غزوات میں شرکت بھی کرتے،ان سے کسی طرح کا امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ بھی اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ اب ان کا شمار مسلمانوں میں نہیں بلکہ کفار میں ہوگا کیونکہ جہاد کے حکم میں کفار اور منافقین کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کافروں سے کرنا ضروری ہے اسی طرح ان منافقین کے ساتھ کرنا بھی ضروری ہے۔کافر کھلم کھلا دشمن ہیں اور وہ کسی قیمت پر اسلامی دعوت کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دینا چاہتے بلکہ بالجبر اور بالقوۃ دعوت کا راستہ روکنے اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں۔منافقین اعلانیہ دشمنی تو نہیں کرتے لیکن ارادے ان کے بھی کافروں سے مختلف نہیں اور مقصد میں بھی دونوں یکساں ہیں۔وہ اگر باہر سے حملہ آور ہوتے ہیں تو یہ اندر سے ان کی معاونت کرتے اور مسلمانوں کو ڈسنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ آستین کا ایسا سانپ ہیں جو باہر کے دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔جو معاشرہ زندگی کے واضح مقاصد رکھتا ہو جس کے سامنے واضح اہداف ہوں،اور جو صرف دنیوی ضرورتوں کی حد تک اپنے آپ کو مکلّف نہ سمجھتا ہو بلکہ اس کی قومی اور بین الاقوامی ذمہ داریاں اس کی ذاتی ضرورتوں پر بھی حاوی ہوں،ایسے معاشرے میں منافقین کا وجود کسی طور پر بھی قابلِ برداشت نہیں ہوتا۔اور پھر جس معاشرے کو ہر وقت اپنے دشمنوں کی طرف سے حملے کا اندیشہ رہتا ہو اس کی صفوں میں منافقین کا پایا جانا خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگانے کے مترادف ہے۔جو قوم منافقین کو برداشت کرتی ہے۔وہ اپنے گھر میں غداروں کو پالنے کی غلطی کرتی ہے ایسی قوم کا کوئی قلعہ بھی محفوظ نہیں ہوتا۔گزشتہ نو سال میں پروردگارِ عالم اور نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے منافقین کو برداشت کیا اس کی دو وجہ تھیں۔ایک تو یہ کہ ابھی اسلام اور مسلمانوں کو ایسی قوت میسر نہ آسکی تھی جس کے باعث وہ اندر اور باہر کے دشمنوں سے بیک وقت عہدہ برآ ہو سکتے۔اگر وہ باہر کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ اندر بھی لڑائی شروع کر دیتے تو بے شمار مسائل پیدا ہو جاتے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلامی معاشرہ ایک دن میں تو تشکیل نہیں پا گیا اسلامی دعوت دھیرے دھیرے دلوں میں نفوذ پیدا کرتی رہی۔اسلام کی آغوش میں آنے والے آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ایمانِ خالص ہر کسی کو ایک دن میں نصیب نہیں ہوتا بعض لوگوں کو شکوک وشبہات سے نکلنے کیلئے ایک مدت درکار ہوتی ہے چنانچہ اسلام کیلئے جہاں اپنی صفوں کی استواری اور اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے وقت درکار تھا وہیں اسلام کے دامن میں پناہ لینے والے لوگوں کو پختہ ایمان اور ہر آلودگی سے مبرّا اخلاص نصیب ہونے کیلئے ایک مدت تک تربیت کی ضرورت تھی۔اب جبکہ جزیرۂ عرب کی حد تک اسلام ایک فیصلہ کن قوت بن گیا اور نو سال کے عرصے میں جن میں ذرا بھی صلاحیت تھی وہ اسلام کے بارے میں یکسو ہو گئے۔تو اب منافقین کیلئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنا رویہ بدلنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ جس طرح کافروں سے جہاد کرتے ہو منافقین سے بھی جہاد کرو۔لیکن ساتھ ہی دوسرے جملے میں اس کی وضاحت بھی فرما دی اور آنحضرت ﷺ کے عمل نے اس وضاحت کو ایک متعین شکل عطا فرما دی۔وضاحت یہ ہے کہ آپ کافروں سے جہاد بالسیف کرتے ہیں یعنی ان سے جہاد کا مطلب قتال ہے لیکن منافقین سے قتال نہیں ہوگا بلکہ ان سے صرف اپنا طرزِ عمل بدلنا ہوگا۔پہلے آپ کے طرزِ عمل میں ان کے لئے عفو و درگزر اور چشم پوشی غالب رہتی تھی اب آپ کو ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا ہوگا۔اب انہیں احساس دلانا ہوگا کہ تمہارا نفاق اب مسلمانوں میں ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔اب تمہیں مسلمانوں میں رہ کر نفاق کا زہر پھیلانے کا

Marfat.com

موقع نہیں ملے گا۔ جماعتی کاموں میں تم سے مشورہ نہیں لیا جائے گا۔ عدالتوں میں تمہاری گواہی نا قابلِ قبول ہوگی۔ اسلامی ریاست میں تمہیں کوئی منصب وعہدہ نہیں مل سکے گا۔ مسلمان اپنی محفلوں میں تمہیں منہ نہیں لگائیں گے اور تمہاری ہر منافقانہ روش کو کھلم کھلا بے نقاب کیا جائے گا اور اگر تمہارا کوئی قابلِ اعتراض کام جو مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہو مسلمانوں کے علم میں آیا تو تم پر علی رؤس الاشہاد مقدمہ چلایا جائے گا اور تمہیں اس پر قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ جو جہاد ہے یہ قتال کے ہم معنی نہیں بلکہ شدتِ احتساب اور داروگیر کے مفہوم میں ہے۔ قتال صرف اعلانیہ کافروں سے ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے طرزِ عمل نے جو اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے منافقین کے ساتھ اختیار فرمایا اسی مفہوم کی تائید فرمائی اور اسی کے مطابق آپ نے ان کے ساتھ معاملات کئے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝١٠

(اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے کافروں کیلئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، وہ ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی، تو وہ اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آسکے، اور دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جاؤ تم بھی آگ میں جانے والوں کے ساتھ آگ میں چلی جاؤ۔ ۱۰)

آدمی کو نجات دینے والا عمل ہے بڑوں سے نسبت نہیں

مشرکین عام طور پر نسبتوں پر اعتماد کر کے اپنا دین بگاڑ لیتے ہیں اور عورتیں اس ضعیف الاعتقادی میں ہمیشہ پیش پیش ہوتی ہیں۔ ان کی اس گمراہی کی تردید میں یہاں ایسی دو خواتین کی مثال دی گئی ہے جو نسبتوں کے اعتبار سے اپنے دور کی سب خوش قسمت خواتین تھیں۔ لیکن چونکہ ایمان وعمل سے محروم تھیں اس لئے یہ نسبتیں ان کے کسی کام نہ آئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام دونوں جلیل القدر رسول تھے۔ لیکن ان کی بیویاں ان عظیم رسولوں کے ساتھ قرب رکھنے کے باوجود اس لئے جہنم کا ایندھن بنیں کہ وہ ان پر ایمان نہ لائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور عمل کی عدم موجودگی میں بڑی سے بڑی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتی۔ اور اگر ایمان وعمل نصیب ہو تو پھر چاہے ایسی کوئی نسبت بھی میسر نہ ہو، جب بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں نجات کا سامان ہو جاتا ہے اور حسنِ عمل کے باعث قرب کے بڑے سے بڑے مقام کو پا سکتا ہے۔

اس آیت میں پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ لیکن ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی۔ خیانت کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں ان پر ایمان نہ لائیں۔ اور در پردہ دشمنانِ دین کے ساتھ ملتی رہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے کبھی کوئی اخلاقی خیانت کی تھی۔ کیونکہ پیغمبر کی بیوی کافر ہو کر بھی کسی بے حیائی کا ارتکاب نہیں کرتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی کبھی بدکار نہیں رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے جباروں کو ایمان لانے والوں کی خبریں پہنچایا کرتی تھی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے گھر میں آنے والے مہمانوں کی اطلاع اپنی قوم کے بداعمال لوگوں کو دے دیا کرتی تھی۔

Marfat.com

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي
الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ
عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ
وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

(اور اللہ ایمان والوں کیلئے مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی جبکہ اس نے دعا کی اے میرے رب! میرے لئے اپنی جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے دے اور مجھے نجات عطا فرما ظالم قوم سے۔ ۱۱) اور مریم بنتِ عمران کی مثال بیان کرتا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی، اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔ ۱۲)

برے حالات میں بھی ایمان کی حفاظت کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی سبق آموزی کیلئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ خاتون اپنے وقت کے سب سے بڑے حکمران کی بیوی تھیں اور انہیں دنیا کی ہر نعمت میسر تھی۔ محلات کے عیش و آرام میں ان کی زندگی کے شب و روز گزرتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے متاثر ہو کر وہ ان پر ایمان لائیں۔ اور خوب جانتی تھیں کہ اس ایمان لانے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور ان سے یہ بات بھی مخفی نہ تھی کہ ان کا شوہر جو اپنے آپ کو رب قرار دیتا ہے اس کی ربوبیت کا انکار اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کیسے مصائب کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ یہ دنیا کا بظاہر آرام و راحت چند دنوں کا عیش ہے۔ لیکن اس کے بعد ہمیشہ کا جہنم ہے جس میں جلنا پڑے گا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے مصائب جھیل کر اپنے ایمان کی قیمت ادا کرے۔ چنانچہ جب فرعون نے انہیں ناقابلِ برداشت اذیتوں میں مبتلا کیا تو وہ بجائے ہراساں ہونے کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئیں، کہ پروردگار! مجھے فرعون کا گھر نہیں، تیرے قرب کا گھر چاہئے۔ میرے لئے اپنے یہاں ایسا گھر بنادے جس میں، میں تیرے دیدار سے لذت اندوز ہوسکوں۔ عِنْدَکَ سے اشارہ شاید اسی کی طرف ہے کہ میرے دل کا بادشاہ اور میری امید کی منزل تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ مجھے اپنا قرب عطا فرما۔ اور مجھے فرعون سے اور اس کے اس عمل سے جو کل کو جہنم کا باعث بننے والا ہے، نجات عطا فرما۔ یہاں کفر کا ماحول میری ایمانی زندگی کیلئے ناقابلِ برداشت ہوتا جارہا ہے۔ اس لئے میں اس ظالم قوم سے بھی نجات کی درخواست کرتی ہوں۔

اور دوسری آیتِ کریمہ میں حضرت مریم علیہا السلام کی مثال بیان فرمائی گئی ہے جنہوں نے یتیمی میں آنکھ کھولی، لیکن اپنے ایمان کے نور اور حُسنِ کردار سے اپنے لئے وہ مقام پیدا کیا کہ پروردگار نے ان کے کردار کی بلندی سے خوش ہو کر ان کے اندر اپنی طرف سے روح پھونکی اور اس طرح سے انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم فرزند سے نوازا۔ بغیر شوہر کے ماں بننا ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن انہوں نے اس میں بھی پوری طرح استقامت دکھائی۔ اور پھر ان کے رب کی طرف سے انہیں جو بھی حکم ملا انہوں نے اس کی بے چون و چرا تصدیق و تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں پر پوری طرح عامل رہیں اور سخت آزمائشوں میں بھی ہمیشہ اپنے رب کے احکام کی تعمیل کی، کیونکہ وہ اس کے اطاعت گزار لوگوں میں سے تھیں۔

Marfat.com

الم يان للذين امنوا ان تخشع

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل

هُدًى

جدید اسلوب میں تفسیری

تفسیر

(جلد ۱۱)

(سُورَةُ الاَحقَاف ......)

Marfat.com